اردو ترجمہ وشرح

التبیان فی علوم القرآن

بقلم

محمد علی الصابونی

الأستاذ بكلية الشريعة والدراسات الإسلامية بمكة المكرمة

تعارف

مولانا زاہد الراشدی

شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

مؤلف

مولانا محمد آصف نسیم جھنگ شہری

فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

نسیم البیان

اردو ترجمہ و شرح

التبیان

فی

علوم القرآن

بقلم

محمد علی الصابونی

الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ بمکۃ المکرمۃ

تعارف

مولانا زاہد الراشدی

شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

مؤلف

مولانا محمد آصف نسیم جھنگ شہری

فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلہ مطبوعات- ۰۶۷

سن اشاعت ۲۰۰۵ء

محمد شاہد عادل نے

زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اُردو بازار لاہور سے شائع کی۔

فہرست

تمت

تقریظ

نحمده تبارك و تعالى نصلي و نسلم على رسوله الكريم و على آله و اصحابه و أتباعه اجمعين.

میری ایک عرصہ سے خواہش، تجویز اور کوشش تھی کہ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں ''علوم قرآن'' کے حوالہ سے کوئی جامع کتاب شامل ہوتا کہ ہمارے فضلاء قرآن کریم کے معنی وتفسیر کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ دیگر ضروری علوم سے بھی واقف ہوں اور قرآن کریم کی تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے آیات کے شان نزول، پس منظر اور دیگر متعلقات پر ان کی نظر رہے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اپنے نصاب میں عرب دنیا کے معروف عالم دین اور محقق ومفسر الاستاذ الشیخ محمد علی الصابونی حفظہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ''التبیان فی علوم القرآن'' کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو آج کے دور میں اس موضوع پر لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا محمد آصف نسیم نے طلبہ اور اساتذہ کی سہولت کے لئے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے اور متعدد دیگر ارباب علم و دانش کی نگارشات کو بھی توضیح وتشریح کے عنوان کے ساتھ اس میں شامل کر کے کتاب کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے، ان کا اسلوب یہ ہے کہ الاستاذ الصابونی حفظہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ تحریر کرتے ہیں اور پھر توضیح کے عنوان سے اس کی تشریح میں دیگر ممتاز ارباب علم و دانش اور محققین کی عبارتوں سے اقتباسات نقل کر کے متعلقہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر دیتے ہیں۔

یہ ایک اچھی کاوش ہے جو دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ طلبہ بلکہ عام پڑھے لکھے دوستوں کے لئے بھی خاصی افادیت کی حامل ہے کیونکہ کتاب کا اسلوب اور ترجمہ وتشریح کا انداز ایسا ہے کہ عام تعلیم یافتہ حضرات بھی تھوڑی بہت کوشش کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد آصف نسیم صاحب اس مفید علمی کاوش پر تبریک وشکریہ کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو ثمرات اور قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ حضرات کو اس سے استفادہ کی توفیق دیں۔ آمین یارب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۳ ستمبر ۲۰۰۴ء

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا والصلاة والسلام علی سیدنا ومولانا محمد عبده ورسوله وعلی آله واصحابه اجمعین.

بے حد تعریف اس اللہ کی ہے کہ جس نے ہم کو عدم سے وجود بخشا اور نعمت اسلام سے سرفراز و کامگار فرمایا اور ہمیں حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ اور قرآن سکھایا کہ جس سے دل روشن ہوئے اور کہنے کو زبان دی تا کہ اس سے تلاوت قرآن کریں۔

اور بے انتہا صلاۃ وسلام ہوں رسول مقبول ﷺ پر کہ جن کی وجہ سے ہم گم گشتگان راہ کو تجھ تک پہنچنے کا رستہ ملا۔ اور ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ آپؐ کے آل واصحاب پر کہ جنہوں نے اس امانت کو کمال حفاظت کے ساتھ بلاکم وکاست ہم تک پہنچا دیا۔ اور اس دین وشریعت اور پیغام ربانی کو چہار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس کے لئے ہر ایک قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اور کفر کو سرنگوں اور اسلام کو سربلند کیا۔ **رضی الله عنهم و رضو ا عنه**

امابعد!

''التبیان فی علوم القرآن'' الاستاذ محمد علی الصابونی کی نہایت عمدہ تصنیف ہے کہ جو ''علوم القرآن'' کے موضوع پر لکھی گئی ہے یہ ایک نہایت پہلو دار موضوع ہے کہ جس پر کسی قسم کی روشنی ڈالنا مجھ جیسے کم سواد وکم علم وکم عمل کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زعماء حضرات علماء کرام ہمارے دیارِ پاکستان میں ہمہ وقت اس کوشش میں ہیں کہ مدارس دینیہ کے طلباء اپنی دینی تعلیم اور اس کی استعداد میں پختہ ہوں۔ اور جب ایک طالب علم مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہوتو اس کو علوم اسلامیات پر علی وجہ البصیرت عبور ہو۔ اس کے لئے مدارس کے نصاب میں مناسب اور مفید اضافہ کی گنجائش کو روا رکھا گیا ہے۔

''التبیان'' اسی سلسلہ کی ایک کتاب ہے کہ جس کو امسال ''وفاق المدارس العربیہ کے زعماء'' نے نصاب میں شامل کیا ہے۔

کتاب کی افادیت کا اندازہ تو کچھ اس کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو ہی ہوگا۔ الاستاذ محمد علی الصابونی ام القری یونیورسٹی کی ایک ذیلی شاخ ''کلیة الشریعة'' کے صدر ہیں مسلکاً حنفی اور عربی النسل ہونے کے ساتھ ساتھ غالباً شام کے ہیں۔

التبیان کا موضوع جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ''علوم القرآن'' ہے کہ جو قرآن کی تفسیر کے متعلقہ علوم میں سے ایک اہم ترین علم ہے اور متقدمین علماء کرام وحضرات مفسرین نے اس موضوع کو باقاعدہ مدون کر کے اس کے موضوعات کو متعین کر دیا ہے۔

گزشتہ کئی صدیوں سے اس موضوع پر علماء کرام لکھتے چلے آ رہے ہیں اور ہر دور میں اس موضوع پر مفید سے مفید اضافہ کرتے چلے آئے ہیں۔

الاستاذ الصابونی کی یہ کتاب جہاں گزشتہ ادوار کی لکھی ہوئی کتابوں کے جملہ موضوعات کو مشتمل ہے وہیں اس دور میں علوم تفسیر' اور تفسیر قرآن کو پیش آمدہ چند نئے مسائل کو بھی حاوی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک نہایت مفید کتاب ہے الاستاذ الصابونی نے اپنی کتاب میں جہاں علمی مسائل کو زیر قلم لیا ہے وہیں ان مسائل کی تعبیر کے لئے عربی زبان کی نہایت بلیغانہ تعبیرات اور محاورات کا انتخاب کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک خالص فنی کتاب ہونے کے باوجود ایک نہایت دلچسپ اور ادبی کتاب بھی بن گئی ہے کہ جس کی لذت علوم عربیہ سے ممارست رکھنے والے ہر ہر صفحہ پر محسوس کریں گے۔

''التبیان فی علوم القرآن'' جب اس کے ترجمے اور توضیح کا کام سپرد ہوا تو اس فقیر کا دامن اس کتاب کی ہر قسم کی خدمت کی استعداد سے یکسر خالی تھا۔ اس کتاب کی خدمت میں اس حقیر سے جو بھی بن پڑا وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ بندہ نے فقط اس کتاب کے ترجمہ کی جسارت کی ہے اور اس کے بعد اکابر علماء کرام کی معتبر تحریروں سے اس کتاب کی ہر عبارت کے مناسب حال توضیحی عبارت نقل کر کے' ترجمہ وتوضیح کے عنوان سے اس کو ایک گلدستہ بنا دینے کی اپنی سی کوشش کی ہے ایک بدسلیقہ' اور بد عقل انسان کی یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ تو اس کتاب کے قاری ہی بتلا سکتے ہیں۔ اور اس نالائق بندہ کی یہ دعا اس کی اس کوشش کے نہایت مناسب حال ہے ع

میری قسمت سے الٰہی یہ پائیں رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

آخر میں بندہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صاحب کی اس تحریر کو نقل کرتا ہے کہ جو اس ناچیز کی اس کوشش کی گویا کہ ترجمانی ہے۔

''(بندہ کی یہ ترجمہ وتوضیح پر مشتمل کتاب) گداگروں کی جھولی کی طرح ہے کہ جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیر کی گدڑی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اس گدائے بےنواء سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اطلس وکم خواب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آئے۔ تو یہ ناچیز جواب میں یہ عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بےنوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لاکر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں یہی حال اس علم کے گدائے بےنوا کا ہے کہ اس (کتاب میں) جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب مختلف خسروان علم وحکمت سے ملی ہوئی بھیک ہے کہ جو ایک دریوزہ میں جمع کر دی گئی ہے اور (جہاں جہاں سے یہ بھیک اکٹھی کی ہے) ان دروازوں کے نام بھی بتلا دیئے ہیں کہ جہاں سے یہ فقیر یہ بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ لینا اور مانگنا ہو وہ خود ان دروازوں تک پہنچ جائے۔ اس اظہار حقیقت کے بعد امید ہے کہ احباب کرام اس ھیچمداں کو اس تالیف میں ایک دسترخوان بچھانے والے سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔ اور گاہ بگاہ اس غریق

معصیت کو اس دستر خوان سے کھانا چننے والے دعائے مغفرت سے نواز دیں گے۔ آمین یا رب العالمین عرض حال کے بعد اب یہ ناچیز اپنے پروردگار سے بصد ہزار عجز و نیاز ملتجی ہے کہ اس فقیر و حقیر کی (اس کتاب) کو قبول فرمائے آمین ثم آمین۔ اور میرے لئے اور میرے والدین کے لئے اور (اللہ تعالیٰ [1] اس بندہ کو بھی صالح اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمائے آمین) عام مسلمانوں کے لئے خاص طور پر عموماً مفید اور نافع اور مشعل ہدایت بنائے۔ اور اس تحریر سراپا تقصیر کو اس حقیر و فقیر کے لئے زاد معاد اور توشہ آخرت اور خیر جاری اور ذریعہ مغفرت اور سرمایہ سعادت بنائے۔ آمین یا رب العالمین و یرحم اللہ عبدا قال امینا.

در قیامت ہر کسے در دست آرد نامہ
من نیز حاضر می شوم (ایں کتاب) در بغل

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم.

بندۂ ناچیز
محمد آصف نسیم جھنگ شہری

كان الله له و كان هو لله و وفقه لما يحبه و يرضى.
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری، بمطابق ۴ نومبر ۲۰۰۴ یوم الخمیس۔

[1] بندہ کی ابھی تک اولاد نہیں ہے (نسیم)

انتساب

والد مرحوم میاں محمد عاشق نسیم ایڈووکیٹ صاحب کے نام کہ جنہوں نے بڑی تمناؤں کے ساتھ مجھے دینی علوم کی تحصیل کے لیے مدرسہ میں داخل کروایا۔ اور میری فراغت تعلیم سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے۔ ع

حیف کہ در چشم زردن ''سایۂ پدر'' آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم کہ بہار آخر شد''

اللہ تعالیٰ ان کے بال بال کی مغفرت فرمائے (آمین)

بندہ نے اس کتاب کا نام والد مرحوم کے نام پر ''نسیم البیان'' رکھا ہے۔

التبيان في علوم القران

محاضرات في علوم القران تبحث عن نزوله وتدوينه' وجمعه و اعجازه و عن التفسير والمفسرين' مع رد شبهات المستشرقين' باسلوب يجمع بين الجدة والتحقيق.

بقلم

محمد علي الصابوني

الاستاذ بكلية الشريعة والدراسات الاسلامية بمكة المكرمة

التبیان فی علوم القرآن

(یہ) ''علوم قرآن'' کے بارے میں (چند علمی) لیکچرز ہیں کہ جن میں قرآن پاک کے نزول' اس کی جمع و تدوین' اس کے اعجاز' اس کی تفسیر اور مفسرین کے بارے میں بحث کی گئی ہے (اور) اس کے ساتھ (ہی) مستشرقین کے شبہات (واعتراضات) کا رد اس انداز سے (کیا گیا ہے کہ) جو جدت و تحقیق کا (حسین) امتزاج ہے۔

بقلم

محمد علی الصابونی

الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکۃ المکرّمۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة

الحمد لله رب العالمين، والصلاة على المبعوث رحمة للعالمين، وعلى آله وأصحابه والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين.

وبعد:

فهذه مذكرات فى (علوم القرآن) كتبتها لطلبة (كلية الشريعة والدراسات الاسلامية) بمكة المكرمة تحقيقاً للمنهج الدراسى فى الكلية، وحرصاً على فائدة أبنائنا الطلبة، الذين يرغبون فى العلم، ويحرصون كل الحرص عليه. وقد رأيت ان أجمعها فى كتاب تعميماللفائدة ونشرا للعلم. والله أسأل يجعلها خالصة لوجهه الكريم، وأن ينفعنا بها يوم الدين، ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ (الشعراء: ۸۸– ۸۹)

وهو حسبنا ونعم الوكيل.

غرة رجب الفرد ۱۳۹۰ھ

محمد على الصابونى
المدرس بكلية الشريعة والدراسات
الاسلامية بمكة المكرمة.

بسم الله الرحمن الرحيم.

مقدمۃ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور قیامت تک صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر کہ جن کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اور ان پر جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ۔

(اما) بعد:

علوم القرآن کے بارے میں یہ چند (علمی) تقاریر ہیں کہ جن کو میں نے [1] "كلية الشريعة والدراسات الاسلاميه مكة المكرمه" کے ان طلباء کے لئے، کلیہ کے طرز تدریس کو بتلانے اور طلباء (کرام) کو فائدہ پہنچانے کی حرص کے لئے لکھا ہے کہ جو علم میں رغبت رکھتے ہیں، اور (حصول) علم کی پوری (پوری) حرص رکھتے ہیں۔ اور میں نے (مناسب) سمجھا کہ میں ان

[1] یہ مکۃ المکرمہ کی شریعہ یونیورسٹی کا پورا نام ہے۔ (نسیم)

(علمی) تقاریر کو ایک کتاب میں جمع کردوں (اور ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا میرا خیال ان علمی تقاریر کا) فائدہ عام کرنے کے لئے اور (قرآن کے) علم کو پھیلانے کے لئے (تھا)۔

اور اللہ ہی سے میں اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ ان (علمی) تقاریر کو خالص اپنی کریم ذات کے لئے بنادے اور ان کے ذریعے حساب کے دن تک ہمیں فائدہ پہنچائے (آگے مولف کتاب لفظ یوم الدین کی مناسبت سے سورۂ شعراء کی آیت ۸۸-۸۹ کو نقل کرتے ہیں) ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ (جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل "چنگا") "تفسیر عثمانی"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اور اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

غرۂ رجب الفرد ۱۳۹۰ھ

محمد علی الصابونی
المدرس بکلیۃ الشریعۃ والدراسات
الاسلامیہ مکۃ المکرمۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

مُقَدَّمَةُ الطَّبْعَةِ الثَّالِثَة

☆ الحمد للّٰه انزل كتابه المبين' تبيانا لكل شئ' وهدى ورحمة للمومنين' والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين المبعوث رحمة العالمين' وعلى آله واصحابه' شموس الهداية' ونجوم العرفان' والتابعين لهم باحسانٍ الى يوم الدين' وسلم تسليمًا كثيرًا۔

☆ اما بعد: فان القرآن العظيم' معجزة (محمد) الخالدة' واحجته الدائمة' الناطقة بصدق رسالته' وهوا لبرهان على انه الوحى الالهى' المنزل على هذا النبى الامىّ' الذى لم يتلق علمًا على يد انسان' ولا عرف لا صلةٌ باحدٍ من علماء اهل الكتاب' وهو مع ذلك لا يعرف القرأة ولا الكتابة' وجاء بهذا الكتاب المعجز' كبرهان ساطع' ودليل قاطع' على انه وحيى من عند رب العالمين: ﴿وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُو مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ' اِذًا لا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ بَلۡ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِيۡنَ أُوۡتُوا الْعِلْمَ' وَمَايَجْحَدُ بِآيَاتِنَا اِلَّا الظَّالِمُوْنَ﴾

وقد حوى هذا القرآن العظيم علومًا' و معارف' وجاء بأحكام وتشريعات' فى معالجة الامراض الاجتماعية' و الاقتصادية' والساسية' تحير الالباب' ويعجز عن محاكاتها و مجاراتها فطاحل النبغاء والعلماء' وفيه من الوجوه البيانية والبلاغية' مالا يستطيعه فرسان البلاغة' وفحول الادباء واهل الكلام' ولهذا كان من الجدير بالمشتغلين بالدراسات القرآنية' ان يبينوا للناس ماحواه هذا القرآن المجيد' من اصول الملوم والمعارف' وان يوضحوا وجوه الاعجاز' فى سوره و آياته' وقصصه واخباره' وفى اسلوبه و بيانه' وسائر ماحواه من كنوز ودقائق۔

هذا وقد تناولتُ فى هذا الكتاب "التبيان فى علوم القرآن" بعض هذه الخصائص والمزايا' وفصلت فيه شيئًا من اسرار هذا الكتاب المعجز' فى دراستى لعلوم القرآن' واخرجته فى فصول عشرة هى كما يراه القارى:

١۔ الفصل الاوّل: التعريف بعلوم القرآن' وبيان فضائل القرآن' وآداب حملته وحفظته۔

٢۔ الفصل الثانى: معرفة اسباب النزول' وفوائد معرفة الاسباب' فى فهم آيات الكتاب' وامثلة ذلك۔

٣۔ الفصل الثالث: فى حكمة نزول القرآن المجيد مفرقًا' واختلافه عن الكتب السماوية السابقة المنزلة جملة۔

۴۔ الفصل الرابع: جَمْعُ القرآن العظیم فی عصر النبوۃ' وجمعه فی مصاحف متعددۃ فی زمن ابی بکر' ثم فی مصحف واحد زمن عثمان۔

۵۔ الفصل الخامس: النسخ فی القرآن الکریم' ومعنی النسخ والحکمۃ التشریعیۃ من نسخ الاحکام؟

۶۔ الفصل السادس: التفسیر والمفسرون' وأنواع التفسیر بالروایۃ' والدرایۃ' وشروط المفسر لکتاب اللّٰہ الجلیل۔

۷۔ الفصل السابع: فی التفسیر الاشاری' وموق العلماء منه' والفرق بین الاشاری' والتفسیر الباطنی' وغرائب التفسیر۔

۸۔ الفصل الثامن: فی اشهر کتب التفسیر بالروایۃ' والدرایۃ' والاشارۃ' والتعریف بمزایا کتب التفسیر.

۹۔ الفصل التاسع: بحث حول ترجمۃ القرآن العظیم' وما یحلُّ منها وما یحرم' وشروط الترجمۃ.

۱۰۔ الفصل العاشر: نزول القرآن علی سبعۃ احرف' والقراء ات السبع المتواترۃ' اشهر القراء من الصحابۃ والتابعین۔

واللہ اسال ان یجعله خالصًا لوجه الکریم' وان ینفع به اخواننا المومنین' ویرزقنا العمل الصالح بکتابه المبین' لیکون لنا ذخرام یوم الدین: ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ وهو حسبنا ونعم الوکیل۔

مکۃ المکرمۃ/ غرۃ رجب الفرد سنۃ (۱۴۰۸)ھ

و کتبه خادم الکتاب والسنۃ

الشیخ محمد علی الصابونی

الاستاذ بجامعۃ ام القری بمکۃ المکرمه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبع ثالث

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنی کتاب مبین اتاری کہ جو ہرشی کو بیان کرنیوالی اور (جن وانس کے لیے ہرزمان ومکان میں دینی ودنیاوی کامیابی کے لیے) ہدایت (ہے) اور (خاص طور پر آخرت کے لحاظ سے) مومنین کے لیے رحمت ہے۔

اور قیامت تک صلوٰۃ وسلام ہو اشرف الانبیاء والمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو رحمۃ اللعالمین بنا کر (اس دنیا میں) بھیجے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپؐ کے صحابہؓ پر کہ جو ہدایت کے سورج اور (علم و) عرفان کے ستارے ہیں۔

اور ان پر کہ جو نیکی کے ساتھ ان (صحابہ کرامؓ) کے پیرو ہوئے۔

(اے اللہ) آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) بہت بہت سلامتی نازل فرمائیں۔

امابعد: بے شک قرآن عظیم محمد (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوامی معجزہ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی حجت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (و نبوت) کی صدق (وصداقت) کی (قیامت تک کے لیے) گواہی دینے والا ہے یہ (قرآن مجید) اپنی وحی الٰہی ہونے پر اور اس نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے پر (اپنی) دلیل (آپ) ہے کہ جنہوں نے کسی انسان سے کوئی علم حاصل نہ کیا اور نہ ہی آپؐ کے بارے میں علماء اہل کتاب میں سے کسی سے (دینی یا دنیاوی کسی قسم کا بھی علم حاصل کرنے کے لیے) ملنا معروف ہے۔ (اور نہ ہی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے) اور باوجودیکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے (لیکن پھر بھی) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ معجزانہ کتاب لے آئے۔ (اور یہ قرآن نہ صرف یہ کہ آپؐ کی نبوت کی صداقت پر ایک روشن دلیل اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اپنے وحی الٰہی ہونے پر بھی ایک واضح دلیل ہے) اسی طرح (یہ قرآن) اپنے رب العالمین کی طرف سے وحی کیے جانے پر (بھی) ایک روشن حجت اور ناقابل تردید دلیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ۝﴾

اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔

بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔"

اور تحقیق اس قرآن عظیم نے ایسے علوم و معارف کو جمع کیا ہے اور معاشرے کے اجتماعی امراض کے علاج (معالجہ) اور (معاشرے کے) اقتصادی اور سیاسی (مسائل کے حل) کے لیے ایسی احکام اور (ایسی) تشریعات لیکر آیا ہے کہ جس نے عقلوں کو حیران کر کے رکھ دیا ہے اور ان کی مثل لانے اور ان کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے اہل فہم و دانش اور (زبردست) علماء عاجز رہ گئے اس میں بیان و بلاغت کی ایسی (ایسی) صورتیں ہیں کہ (جن کی مثل لانے کی فصاحت و) بلاغت کے شہسواروں اور بلند پایہ ادیبوں اور اہل کلام میں استطاعت نہیں۔ اسی لیے جو لوگ قرآن کی درس و تدریس میں مشغول ہیں ان کے مناسب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علوم و معارف کے ان اصولوں سے متعارف کروائیں کہ جن پر یہ قرآن مشتمل ہے اور (لوگوں کے سامنے) قرآن کی سورتوں اور آیتوں اور اس کے قصوں اور خبروں اور اس کے اسلوب اور بیان (اور اس کے طرزِ نگارش) اور ان تمام (علمی و عملی) خزانوں اور باریکیوں کو کھول (کھول) کر بیان کریں کہ جن کو یہ قران لیے ہوا ہے۔

(آگے مولف کتاب فرماتے ہیں)

یہ بات تو یوں رہی ہے اور میں نے اس کتاب ''التبیان فی علوم القرآن'' میں (قرآن کی) ان (گذشتہ مذکورہ بالا) خصوصیات اور خوبیوں میں سے بعض کو لیا ہے اور میں نے اس معجزانہ کتاب (القرآن) کے کچھ اسرار (ورموز) کو اپنے ''علوم القرآن'' کے درس میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور میں نے ان کو پس فصلوں میں (تقسیم کر کے صفحۂ قرطاس پر) درج کیا ہے جیسا کہ (اس کتاب کا) قاری یہ بات (مطالعۂ کتاب کے دوران) دیکھ لے گا۔

اور ان فصلوں کا اجمالہ تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) پہلی فصل: علوم القرآن کی تعریف' قرآن کے فضائل کے بیان اور قرآن کے حفاظ اور اس (کے علوم) کی تحصیل کرنے والوں کے آداب کے بارے میں ہے۔

(۲) دوسری فصل: اسباب نزول کی معرف اور قرآنی آیات وغیرہ کے سمجھنے میں اسباب (نزول) کی معرفت کے فوائد کے بارے میں ہے۔

(۳) تیسری فصل: قرآن مجید کے رفتہ رفتہ اترنے کی حکمت اور گذشتہ تمام آسمانی کتابوں سے (قرآن کے) ان سے' ایک ہی دفعہ نازل ہونے میں اختلاف کی حکمت کے بارے میں ہے۔

(۴) چوتھی فصل: عہد نبوی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں جمع قرآن اور (حضرت) ابوبکرؓ کے عہد (خلافت) میں قرآن کے متعدد مصاحف میں جمع کرنے اور پھر (حضرت) عثمانؓ کے عہدِ (خلافت) میں قرآن کے ایک (ہی) مصحف میں جمع کرنے کے بارے میں ہے۔

(۵) پانچویں فصل: قرآن کریم میں نسخ اور نسخ کے معنی اور احکام کے نسخ میں تشریعی حکمت کے بارے میں ہے۔

(۶) چھٹی فصل: تفسیر اور مفسرین اور تفسیر بالروایہ اور تفسیر بالدرایہ کی انواع اور کتاب اللہ الجلیل کے مفسر کی شروط کے بارے میں ہے۔

(۷) ساتویں فصل: تفسیر اشاری اور علماء کے اس کے بارے میں موقف اور تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی اور غرائب التفسیر کے درمیان فرق کے بارے میں ہے۔

(۸) آٹھویں فصل: روایت و درایت اور اشاری تفاسیر کی مشہور کتابوں (کے تعارف) اور کتب تفسیر کی خصوصیات کے تعارف کے بارے میں ہے۔

(۹) نویں فصل: ترجمہ قرآن کے بارے میں بحث اور ترجمہ کی جو قسم جائز ہے اور جو ممنوع ہے اور ترجمہ کی جو شرائط ہیں ان کے بارے میں ہے۔

(۱۰) دسویں فصل: قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے اور سات (مشہور و) متواتر قراءات اور صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے مشہور قراء کے بارے میں۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو خالص اپنی کریم ذات کے لیے بنائے اور اس کے ذریعے سے ہمارے مسلمان بھائیوں کو (علمی و عملی) فائدہ دے اور ہمیں اپنی کتاب مبین (قرآن کریم) پر عمل صالح کرنے کی توفیق عنایت فرمائے تا کہ (یہ اعمال) ہمارے لیے اس دن کے لیے (نجات کے لیے اعمال کا ایک) ذخیرہ ہوں کہ ''جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل چنگا''

''اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

مکۃ المکرمہ غرۂ رجب الفرد ۱۴۰۸ھ

العارض

خادم الکتاب والسنۃ

الشیخ محمد علی الصابونی

الاستاذ بجامع ام القری بمکۃ المکرمہ

اذكر انواع الصدقات الجارية على الميت من خلال نظم الام السيوطي لها؟

قال الام السيوطي:

اذا مات ابن آدم ليس يجری عليه من فعال غير عشر

علوم بثها و دعا نجل وغرسِ النخل والصدقات تجری

وراثة مصحف ورباط ثغر وحفر بئرٍ اواجراء نهر

وبيتٌ للغريب بناه ياوی اليه او بناء محل ذكر

وتعليم لقرآن كريم وخذها من احاديث عصرِ

مرنے والے کے (مرنے کے بعد) صدقاتِ جاریہ کی اقسام کو امام جلال الدین السیوطیؒ کے صدقاتِ جاریہ کو (مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کردہ) نظم (کی صورت) میں یاد کیجیے۔

(۱) جب ابن آدم مرجاتا ہے تو دس افعال کے علاوہ اس کے افعال جاری (اور باقی) نہیں رہتے۔

(۲) ایک وہ علوم کہ جن کو اس نے (درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ) پھیلایا ہو اور (دوسرے نیک) اولاد کی دعا (کہ جو ماں باپ کے مرنے پیچھے وہ ان کے لیے کرے) اور (تیسرے چرند و پرند اور انسانوں کہ سایہ کے لیے) درخت کا لگانا کہ یہ (سب) صدقاتِ جاریہ ہیں۔

(۳) اور (چوتھے) قرآن کا نقل کرنا اور (پانچویں) سرحدوں پر لشکر (اسلامی) کا پہرہ دینا اور (چھٹے) کنواں کھدوانا یا (ساتویں یہ کہ) نہر جاری کرنا۔

(۴) اور (آٹھویں) مسافر (وں) کے لیے مسافر خانہ بنوانا کہ جن میں وہ (دورانِ سفر رات گزارنے کے لیے) ٹھکانہ پکڑیں (اور رہیں) یا (نویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر) کی جگہ (یعنی مسجد) تعمیر کرانا۔

(۵) اور (دسویں) قران کریم کی تعلیم دینا ہے پس تو ان سب باتوں کو (اس) زمانے کی (مفید) باتوں میں سے (جانتے ہوئے) لے لے۔

☆☆☆

الفصل الاول

علوم القرآن

"تمهید"

يقتضينا علم التفسير، أن نلم إلمامة موجزة، عن (علوم القرآن) وأن نعرف ما رافق هذا الكتاب المجيد، من عناية فائقة، وجهود واسعة، وأبحاث مستفيضة، بذلت كلها في سبيل خدمة هذا الكتاب العزيز، على ايدى اساتذة أعلام، و علماء فطاحل، افنوا اعمارهم في سبيل الحفاظ على هذا التراث الكريم، والكنز الثمين، من لدن عصر نزول القرآن إلى يومنا هذا، ثم انتقلوا الى جوار الله و قد خلفوا لنا ثروة علمية هائلة، لا ينضب معينها، ولا تنتهى دررها، على كر الدهور، ومر الأزمان، ومع كل هذه الجهود المبذولة- في القديم والحديث- فان القرآن يبقى بحرا ذاخراً يحتاج إلى من يغوص في أعماقه، ليستخرج منه اللالى، والدرر.

ولقد تسابق الفصحاء والبلغاء، والحكماء والشعراء، في وصف هذا القرآن، وسرد محاسنه وفضائله، ولكننا لا نجد أبلغ ولا اسمى من وصف صاحب الرسالة، محمد بن عبدالله صلوات الله وسلامه عليه حيث يقول: كتاب الله فيه نبا من قبلكم، وخبر ما بعد كم، وحكم ما بينكم، هو الفصل ليس بالهزل، من تركه من جبّار قصمه الله ومن ابتغى الهدى في غيره أضله الله، هو حبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم، وهو الصراط المستقيم، وهو الذى لا تزيغ به الأهواء، ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء، ولا يخلق على كثرة الرد، ولا تنقضى عجائبه، وهو الذى لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا: ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا٥ يَهْدِىٓ إِلَى الرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ.﴾ من قال به صدق، ومن عمل به أجر، ومن حكم به عدل، ومن دعا اليه هدى الى صراط مستقيم.

لغات: نُلِمُّ (إلْمَامَةً) بالمعنى: واقف ہونا۔ مُوْجَزَةً: مختصر۔ رَافَقَ: شریک حال ہونا، منسلک ہونا۔ عناية: توجہ۔ فائِقَة: برتر۔ مستفيضة: فراواں، زیادہ۔ فَطَاحِل فِطَحْلٌ: کی جمع، بڑا عالم۔ ثروةٌ: دولت۔ التراث الكريم: باعزت میراث۔ الكنز الثمين: قیمتی خزانہ۔ هائلة: بہت بڑا، زبردست۔ لاينضب: پانی بہنا بند نہیں ہوتا۔ كرالدهور اور مرالازمان: یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں یعنی عرصہ دراز گزرنا۔ اعماق: عمق کی جمع، گہرائی۔ الالى: لؤلؤ کی جمع، موت۔ الدرر: الدرة کی جمع شاندار اور بڑا موتی۔ تَسَابَقَ: ایک دوسرے سے آگے نکلنا۔ سَرَدَ: بات بیان کرنا۔ اَسْمٰى: سمو سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، شاندار۔ الفصل: فیصلہ کن بات۔ الهزال: غیر سنجیدہ، ہنسی کی

بات۔ قَصَمَ: توڑنا' ہلاک کرنا۔ المتین: مضبوط۔

ترجمہ: پہلی فصل

''علوم القرآن''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) علم تفسیر ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم علوم قرآن کو کچھ نہ کچھ سمجھیں (اور اس میں تھوڑا بہت غور وفکر کریں) اور اس گہری توجہ اور ان تھک محنتوں اور طول طویل بحثوں کو جانیں کہ) جو اس کتاب مجید (کے سمجھنے) میں مدد دیں (اور) میں نے اس کتاب عزیز کی خدمت کے راستہ میں (اپنے) اکابر اساتذہ کرام کے سامنے (اپنی) یہ تمام تر (توانائیاں) لگا دیں۔ اور قرآن پاک کے نزول کے زمانہ سے لے کر ہمارے آج کے اس دور تک (ہمیشہ سے) اکابر علماء کرام اپنی (قیمتی) زندگیوں کو اس باعزت میراث اور قیمتی خزانے کی حفاظت میں فنا کرتے رہے۔ پھر (ان بے مثال خدمات کے بعد) اللہ تعالیٰ کے جوار (رحمت) میں چلے گئے۔ اور ہمارے لئے (ایک) ایسا قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے کہ ایک عرصہ دراز اور طویل زمانہ گزرنے کے باوجود اس کا چشمہ خشک نہیں ہوتا اور اس کے (خزانوں کے قیمتی) موتی ختم نہیں ہوتے۔ اور اگلوں اور پچھلوں کی ان تمام تر کی گئی کوششوں کے باوجود (ابھی تک) قرآن ایک ایسا (خزانوں کو) چھپایا ہوا سمندر ہے کہ جو ایسے (افراد) کی تلاش میں ہے کہ جو اس کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں اور اسکے (علمی) جواہرات اور موتی نکالیں۔

اور فصحاء' بلغاء' حکماء اور شعراء نے قرآن پاک کی مدح وتوصیف میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ اور اس کے محاسن (اور خوبیوں) اور فضیلتوں کو بیان کیا۔ لیکن ہم قرآن کسی (دوسرے) کی (مدح و) تعریف میں صاحب رسالت محمد بن عبداللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے زیادہ کسی (دوسرے) کی (مدح و) کو تعریف (فصیح و) بلیغ اور بلند پایہ نہیں پاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''(یہ) اللہ کی کتاب (ہے کہ جس) میں تم سے پہلوں کی باتیں' تمہارے بعد والوں کی خبریں اور تمہارے درمیان (کی باتوں) کا فیصلہ ہے' یہ فیصلہ کن بات ہے نا کہ (ہنسی) مذاق جس کسی جبار (یعنی ظالم) نے اس کو چھوڑا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا۔ اور جس کسی نے قرآن کے علاوہ (کسی اور چیز) سے ہدایت چاہی تو اللہ اس کو گمراہ کر دے گا' یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے' یہ حکمت سے معمور بات ہے اور یہ (صاف) سیدھا راستہ ہے اور یہ وہ (کتاب) ہے کہ خواہشات جس (کی آڑ لے کر اور اس کے بہانے) سے کج راہ نہیں ہو سکتیں۔ اور زبانیں جس سے دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ اور علماء کا اس سے جی نہ بھرے۔ اور (اس کی جدت وتازگی) دور (اور قراءت) کی کثرت سے پرانی نہیں ہوتی (مولفِ کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن کے دور اور قراءت کی کثرت کی وجہ سے اس کی تازگی اور طراوت میں فرق آ جائے یا اس کی لذت وحلاوت کی جدت چلی جائے) اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ اور یہ وہ کتاب ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو رہ نہ سکے اور کہہ اٹھے ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْءٰ آنًا عَجَبًاo یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ.﴾ (ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے) ''تفسیر عثمانی'' جس نے قرآن کی بات کہی اس نے سچ

کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا۔ جس نے قرآن سے فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا۔ اور جس نے قرآن کی طرف بلایا تو اس کو سیدھا راستہ کی ہدایت کی گئی۔ (رواہ الترمذی' فی باب فضائل القرآن)

توضیح:

غلام احمد حریری مرحوم رقمطراز ہیں کہ " آغاز نزول سے لے کر تا عصر حاضر مسلمانوں نے کتاب الٰہی کے ساتھ اعتناء کیا۔ اور اس کے مطالب و معانی اور اسرار و نکات (کو) معلوم کرنے کے لئے جو مساعی جمیلہ سرانجام دیں ہیں' دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ مگر بایں ہمہ جہد وسعی قرآن کریم کی وسعت و جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے بحر معانی میں غواصی کرنے والے ہر شخص کو عجز وتقصیر کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ عہد رسالت سے لے کر دور حاضر تک ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔

مگر فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق قرآنی نکات و اسرار ختم ہونے میں نہیں آتے۔ امام رازیؒ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ دس ہزار مسائل پر مشتمل ہے اور اپنے دعویٰ کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ آگے علامہ حریری مرحوم نے مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے اس کے بعد علم تفسیر کی مفصل تاریخ اور مفسرین کرام کی جہود و مساعی کے تفصیلی احوال کے معلوم ہونے کی ضرورت پر زور دیا ہے (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۸-۹ بتغییر یسیر)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ

"صحیح مسلمؒ وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک روز صفہ میں بیٹھے تھے۔ کہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور فرمایا" تم میں سے کس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ روزانہ صبح کو بطحان یا عقیق (کے بازار) میں جایا کرے اور ہر روز دو بہترین قسم کی اونٹنیاں کسی گناہ یا قطع رحمی کا ارتکاب کئے بغیر پکڑ لایا کرے؟"

ہم نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ! اس کو تو ہم میں ہر ایک پسند کرے گا' آپؐ نے فرمایا "اگر کوئی شخص روزانہ مسجد میں جا کر دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیتیں سیکھے تو وہ تین اونٹنیوں سے اور چار سیکھے تو وہ چار سے بہتر ہے۔"

آنحضرتؐ نے قرآن کریم کی تلاوت' اس کے معانی کا علم حاصل کرنے' اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کے جو فضائل بیان فرمائے اور امت کو جس طرح اس کی ترغیب دی' مذکورہ بالا حدیث اس کی صرف ایک مثال ہے۔ اور حدیث کے مجموعے اس قسم کی احادیث سے بھرے پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) نے قرآن کریم اور اس کے علوم کی ایسے ایسے پہلوؤں سے خدمت کی ہے اور اس کے الفاظ و معانی کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسی بے مثال کاوشیں کی ہیں کہ ان کی تفصیلات کو دیکھ کر عقل مبہوت رہ جاتی ہے۔ (علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۱۷-۱۸)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں " غالب اور اقبال کے کلام کے انگریزی ترجمے ہو چکے ہیں' اور سعدیؒ کی گلستان اور

مولانا رومیؒ کی مثنوی کے ترجمے انگریزی اور اردو میں موجود ہیں بڑی قابلیت اور بڑے اہتمام وکاوش سے کئے ہوئے لیکن ان سب مثالوں میں اصل اوراس کے ترجمہ میں ادبی ذوقی حیثیت سے کوئی مناسبت ہی نہ رہی۔ تو جب یہ حال انسانوں کی ہی لکھی ہوئی ہر اونچی معیاری کتاب کا ہوا تو اب اس کتاب کے بارے میں کیا کہیے جو دنیا کی ہر عظیم کتاب سے عظیم تر اور ہر بلند نوشتے سے بلند تر ہے اور جس کی عظمتوں رفعتوں نزاکتوں لطافتوں ملاحتوں تک پورا بار پانا کیا لفظی اور کیا معنوی ہر اعتبار سے حدود بشری سے ہی باہر ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے عالموں فاضلوں دانشوروں ادیبوں حکیموں عالموں عارفوں کے بھی بس کی بات نہیں کہ دنیا کی اس ایک ہی کتاب ''الکتاب'' کو کما حقہ اپنی زبان میں منتقل کرسکیں۔ کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر سب ہی اعتراف عجز پر مجبور پاتے ہیں۔ کہاں کلام خداوند قدوس و نامحدود اور کہاں فہم واستعداد بندہ ''محدود! دونوں میں اتنی نسبت بھی تو نہیں جتنی آفتاب کو ذرہ سے سمندر کو قطرہ سے ہوتی ہے۔ شارحین مترجمین مفسرین اگر کہیں نہ کہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ نہ جائیں تو کیا کریں۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

(تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۹)

ما المقصود بعلوم القرآن؟

یقصد بعلوم القرآن الأبحاث التی تتعلق بهذا الکتاب المجید الخالد من حیث النزول والجمع والترتیب والتدوین و معرفة أسباب النزول والمکی منه والمدنی ومعرفة الناسخ والمنسوخ والمحکم والمتشابه وغیره ذلك من الأبحاث الکثیرة التی تتعلق بالقرآن العظیم أو لها صلة به...... والغرض من هذه الدراسة فهم کلام الله عز وجل علی ضوء ما جاء عن الرسول علیه الصلاة والسلام من توضیح و بیان وما نقل عن الصحابة والتابعین رضوان الله علیهم اجمعین حول تفسیر هم لآیات القرآن ومعرفة طریقة المفسرین وأسالیبهم فی التفسیر مع بیان مشاهیر هم ومعرفة خصائص کل من المفسرین وشروط التفسیر وغیره ذلك من دقائق هذا العلم.

لغات: الخالد: دائمی۔ **التدوین:** مدون کرنا درج کرنا قلمبند کرنا۔ **الدراسة:** تعلیم غور وخوض۔ **اسالیب:** یہ اسلوب کی جمع ہے طریقہ طرز انداز نگارش۔

علوم القرآن سے کیا مراد ہے:

ترجمہ: ''علوم قرآن سے مراد وہ بحثیں ہیں کہ جو اس دائمی کتاب مجید کے متعلق ہیں۔ (جیسے مثلاً وہ ابحاث کہ جو) باعتبار نزول (قرآن) جمع (قرآن) تدوین (قرآن) اور اسباب نزول کا جاننا اور (قرآن کی) مکی اور مدنی

(آیتوں اور سورتوں کا پہچاننا) اور ناسخ و منسوخ کا جاننا اور محکم و متشابہ (وغیرہ کو جاننا) اور ان (مذکورہ) ابحاث کے علاوہ وہ بہت ساری ابحاث کہ جو قرآن عظیم (کی تفسیر) کے متعلق ہیں۔ ان میں سے پہلی بحث اس (تمہید) کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور اس (پہلی علمی) تقریر سے ہماری غرض کلام اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (نقل ہو کر) آنے والی توضیح اور بیان اور قرآن کی تفسیر کے متعلق صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو نقل ہوا ہے (اس) کی روشنی میں سمجھنا اور تفسیر میں مفسرین کے طریقہ (تفسیر) اور ان کے اسلوب کو پہچاننا ہے۔ اور اس کے ساتھ (ساتھ اس علمی تقریر میں) مشہور مفسرین کا تعارف اور ہر ایک مفسر کی خصوصیات اور (اس کی) تفسیر کی شرائط کو اور اس علم کی دوسری بہت سی باریک باتوں کا جاننا ہے۔''

توضیح:

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ''جن مختلف جہتوں اور گوناں گوں پہلوؤں سے قرآن کریم کی خدمت کی گئی ہے انہی میں سے ایک خاص رخ کی خدمت وہ کتابیں ہیں جو ''علوم القرآن'' کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

''علوم القرآن'' ایک وسیع و عریض علم ہے اور اس میں علم تفسیر کے مبادی اور اصول واضح کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نازل ہوتا تھا؟ وحی کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب کس ترتیب سے نازل ہوئی؟ کتنے عرصے میں اس کا نزول مکمل ہوا؟ مکی اور مدنی سورتوں کا کیا مطلب ہے؟ شان نزول کسے کہتے ہیں؟ تفسیر قرآن اور اس کا مقام کیا ہے؟ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ ہے یا نہیں؟ قرآن کے مختلف حروف اور قراءتوں کا کیا مطلب ہے قرآن کریم کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے اور اس کی کتابت اور طباعت کتنے مراحل سے گزری ہے؟ قرآن کریم کی تفسیر کے کیا اصول اور آداب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اس راہ میں کونسی غلطیاں انسان کو گمراہی کے راستہ پر لے جاتی ہیں؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے بہت سے سوالات کا مفصل جواب ''علوم القرآن'' میں دیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں اس موضوع پر علامہ زرکشی کی ''البرہان فی علوم القرآن'' (چار جلدوں میں) علامہ سیوطیؒ کی ''الاتقان'' (دو جلدوں میں) شیخ زرقانیؒ کی ''مناہل العرفان'' (دو جلدوں میں) آج بھی اس علم کی معروف اور متداول کتابیں ہیں جو اپنے موضوع پر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اردو میں بھی اس موضوع پر متعدد کتابیں آئی ہیں جن میں علامہ عبدالحق حقانیؒ ''البیان فی علوم القرآن'' سب سے زیادہ جامع اور ممتاز ہے۔ (علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۱۸-۱۹)

تعریف القرآن:

(هو كلام الله المعجز، المنزل على خاتم الانبياء والمرسلين، بواسطة الأمين جبريل عليه السلام المكتوب في المصاحف، المنقول إلينا بالتواتر، المتعبد بتلاوته، المبدوء بسورة الفاتحة، المختتم

بسورة الناس.)

وهذا التعريف متفق عليه بين العلماء والأصوليين أنزله الله تبارك و تعالى ليكون دستورًا للامة' وهداية للخلق' وليكون آية على صدق الرسول' و برهاناً ساطعاً على نبوته و رسالته' وحجة قائمة الى يوم الدين تشهد بأنه تنزيل الحكيم الحميد' بل هو المعجزة الخالدة التى تتحدى الأجيال والامم على كر الازمان و مر الدهور' ولله در "شوقى" حيث يقول:

جاء النبيون بالايآت فانصرمت — وجئتنا بكتاب غير منصرم

آياته كلما طال المدى جدد — يزينهن جمال العتق والقدم

لغات: تواتر: بلا انقطاع' یکے بعد دیگرآنا' یعنی مسلسل آنا۔ المتعبد: عبادت گزار' دستور: ضابطۂ عمل' قواعد و قوانین کا مجموعہ۔ برھان: قاطع اور واضح دلیل۔ ساطع: روشن' پھیلنے والی۔ تتحدی: چیلنج کرنا۔ اجیال: جیل کی جمع' قوم' نسل۔ المدی: عرصہ' معیاد' زمانہ۔

قرآن کی تعریف:

ترجمہ: "(مولف کتاب قرآن کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ) یہ اللہ تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے' خاتم الانبیاء والمرسلین پر (حضرت) جبریل علیہ امین علیہ السلام کے واسطہ سے اترا۔ مصاحف میں لکھا ہوا ہے' ہم تک تواتر کے ساتھ منقول ہے' اس کی تلاوت کرنے والا عبادت کرنے والا ہے' سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۂ الناس پر ختم ہوتا ہے۔

قرآن کی یہ تعریف علماء کرام اور علماء اصولیین کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو (اس لئے) اتارا تا کہ یہ امت کے لئے دستور (حیات) اور خلق خدا کے لئے ہدایت ہو' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک نشانی اور آپ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایک بلند پایہ (اور) پھیلنے والی دلیل بنے' اور قیامت تک قائم رہنے والی ایسی ایک حجت بنے کہ جو اس بات کی گواہی دے کہ یہ ایک حکیم اور ستودہ صفات ذات کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو کئی زمانوں اور صدیوں سے لوگوں کے گروہوں اور امتوں کو مقابلہ کا چیلنج کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خوبی ہے "شوقی" (کے ان اشعار) کی جو اس نے کہے ہیں۔

جاء النبيون بالايات فانصرمت — وجئتنا بكتاب غير منصرم

"(دوسرے) انبیاء معجزات کے ساتھ آئے۔ اور وہ معجزات ختم ہو گئے اور آپ (صلی اللہ علیہ سلم) ہمارے پاس (نہ مٹنے والی اور) نہ ختم ہونے والی کتاب لائے۔

آياته كلما طال المدىّ جُدُدٌ — يَزِيْنُهُنَّ جمال العتق والقدم

''اور اس کی آیات (ایسی ہیں کہ) جب (جب) بھی (ان پر گزرنے والا) زمانہ طویل ہوتا گیا یہ (پھر بھی) نئی (ہی) ہیں، کہنگی اور اولیت کا حسن انہیں (اور بھی) مزین کرتا ہے (اور زینت بخشتا ہے)''

توضیح

شیخ احمد المعروف ملا جیونؒ نے اپنی تصنیف لطیف ''نور الانوار'' میں قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''هو المنزل على الرسول عليه السلام المكتوب فى المصاحف المنقول عنه نقلاً متواترا بلا شبهة'' یعنی ''(یہ) قرآن (کہ جو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے (اور) آپؐ سے تواتر کے ساتھ بغیر کسی شبہ کے نقل ہے۔

ملا جیونؒ اس کی تشریح وتوضیح میں یہ ارشاد فرماتے ہیں ''منزل'' کہنے سے دوسری غیر آسمانی کتابیں قرآن کی تعریف سے نکل گئیں، اور ''علی الرسول'' کہنے سے دوسری کتب سماویہ قرآن کی تعریف سے خارج ہوگئیں لفظ المنزل کو تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اگر تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ''ایک ہی مرتبہ اترنا'' ہوتا ہے۔ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ''قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک ہی دفعہ میں اترا۔ پھر لوگوں کی مصالح اور حوائج کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان دنیا سے تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔'' یا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن پاک رمضان کے ہر مہینہ میں (جتنا اب تک نازل ہو چکا ہوتا تھا وہ ہی (دوبارہ) ایک مرتبہ ہی میں سارا کا سارا اتار دیا جاتا تھا۔''

اور اگر اس کو تشدید کے ساتھ پڑھیں تو پھر اس کا مطلب ''رفتہ رفتہ اترنا'' ہوتا ہے یعنی یہ پورا قرآن پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کے (پورے) زمانہ نبوت میں تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف اوقات میں اترتا رہا۔'' (نور الانوار بتصرفٍ صفحہ ۷-۸)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ''التلويح مع التوضيح'' صفحہ ۲۶ جلد ا'' کے حوالہ سے قرآن کی تعریف ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔ ''قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

المنزل على الرسول المكتوب فى المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا بلا شبهة.

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ مصاحف میں لکھا گیا اور آپؐ سے بغیر کسی شبہ کے تواتراً منقول ہے۔''

یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں'' (علوم القرآن صفحہ ۲۵)

سید فضل الرحمٰن صاحب قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ صحیفوں میں لکھا گیا کسی شبہ کے بغیر آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اور اس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔'' (اس اصطلاحی تعریف کے بعد لکھتے ہیں کہ) امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت نہ مخلوق ہے اور نہ حادث بلکہ

جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔اسی طرح اس کی تمام صفات (بھی) قدیم ہیں۔پس قرآن کریم بھی قدیم ہے حادث نہیں۔لہٰذا یہ بھی اسی عظمت و برتری کا مستحق ہے' جو اللہ جل شانہ کی کبریائی کے لائق ہو۔یہ ایسا بلند پایہ کلام اور ایسی بے مثال کتاب ہے کہ

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝﴾ (حم سجدہ: ۴۲)

''نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکم وحمید کی بارگاہ سے نازل کردہ کتاب ہے۔'' (منازل الفرقان: صفحہ ۲۳۔بحوالہ ''احسن البیان بلفظہ صفحہ ۱۹ جلد ا)

مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس موقعہ پر قرآن کی جو تعریف کی ہے اس کا اسلوب نہایت منفرد اور جداگانہ ہے یہاں اس کا درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔پوری بحث تو اصل کتاب میں دیکھ لی جائے یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ'' قرآن نے اپنے متعلق جو کچھ کہا ہے' اس سے قرآن کی مختلف خصوصیات اور حیثیتوں پر بڑی روشنی پڑتی ہے' اور اس کی عظمت و اعجاز کے بہت سے گوشتے جو عموماً نظر کے سامنے نہیں ہوتے (وہ) نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ان مختلف اور منتشر آیتوں کو جمع کرنے اور ان پر غور کرنے سے' جن میں قرآن نے خود اپنا تعارف کرایا ہے' قرآن کی معرفت کا ایک نیا راستہ کھلتا ہے۔(اس کے بعد علامہ ندویؒ نے اس کے ذیل میں مختلف آیات اور ان کی تشریح نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآن قطعی اور غیر مشتبہ علم ہے۔یہ قرآن کی سب سے بڑی اور معجزانہ اور فوق البشریت خصوصیت ہے کہ اس کا علم قطعی اور یقینی ہے۔قرآن کی اس خصوصیت میں کوئی انسانی کلام اور کوئی انسانی کتاب قرآن کے نہ شریک ہے اور نہ ہی شریک ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن کا سرچشمہ اور ماخذ ''علم الٰہی'' اور اسکے نزول کا ذریعہ ''وحی الٰہی'' ہے۔اس کا علم پورے طور پر حاوی اور محیط ہے۔اس کے یہاں غلطی اور نسیان کا گزر نہیں۔اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں۔یہ کتاب خدا کی خصوصیات کی حامل اور ان کا مظہر ہے۔اس میں تعارض و اختلاف نہیں۔اس میں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں۔یہ پورے طور پر مامون اور محفوظ ہے۔

(۲) قرآن محکم اور مفصل ہے۔دین کے اصول و کلیات میں اور اس علم میں جو انسان کی نجات اخروی اور فلاح دینوی کے لئے ضروری ہے وہ نہایت واضح و متعین اور غیر محتمل اور مفصل ہے۔

(۳) قرآن ''فرقان'' (فارق اور ممیز) ہے یہ اس کی ایسی امتیازی صفت ہے کہ جو اس کے نام کی قائم مقام ہوگئی ہے۔کہ یہ ہدایت و گمراہی میں' ایمان اور کفر میں' اسلام اور جاہلیت میں' خدا کی رضا اور عدم رضا میں' یقین وظن میں' حلال اور حرام میں' قیامت تک کے لئے ایسا فصل اور امتیاز پیدا کرنے والی کتاب ہے کہ جس کی نظیر سے مذہبی تعلیمات اور آسمانی صحیفوں کی تاریخ خالی ہے۔

(۴) قرآن کتب سابقہ کا مہیمن (نگران) اور مصدق ہے۔

(۵) قرآن سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔قرآن مجید زندگی اور اس کے تمام شعبوں میں جو ہموار و مستقیم' اور تمام بداعتدالیوں سے پاک اور بے خطر راہیں ہیں' کھولتا ہے۔

(٦) قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد وخیالات اور اخلاق واعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔(مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی ملخصاً ازصفحہ ۱۰ تا ۳۰)

مولف تبیان شوقی کے اشعار کا مطلب بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ (شعر میں مذکورہ لفظ) آیات سے مراد وہ معجزات ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید ونصرت فرمایا کرتے تھے۔اور (لفظ) ''انصرمت'' سے مراد ہے کہ وہ معجزات ان انبیاء کرام کے چلے جانے سے چلے جایا کرتے تھے اور ان کی وفات سے ختم ہو جایا کرتے تھے بعد میں ان کا کوئی وجود باقی نہ رہتا۔(واللہ اعلم)

فضائل القرآن:

وقد وردت آثار كثيرة فى فضائل القرآن وعلومه' منها ماهو متعلق بفضل التعلم والتعليم' ومنها ما هو متعلق بالقراء ة والترتيل' ومنها ما له علاقة بحفظه و ترجيعه. كما وردت آيات عديده فى كتاب اللّٰه عزوجل تدعو المومنين الى تدبره وتطبيق احكامه' والى الاستماع والانصات عند تلاوته' نذكر بعض هذه الآيات الكريمة والأحاديث الشريفة.

الايات الكريمة

اولاً: قال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كتابَ اللّٰهِ' وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وانفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَا هُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجارَةً لَنْ تبُورَ﴾

ثانياً: وقال تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

ثالثاً— وقال تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾

الاحاديث الشريفة

اَوْلاً: وقال ﷺ: خير كم من تعلم القران وعلمه" رواه البخارى.

ثانياً: وقال صلوات الله عليه: الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذى يقرأ القران ويتعتع فيه (أى تصعب قراء ته عليه لعيى لسانه) وهو عليه شاق له أجران. رواه مسلم

ثالثاً: وقال ايضاً: أشراف أمتى حملة القرآن. رواه الترمذى

رابعاً: وقال أيضا: اقرء وا القران فانه يأتى يوم القيامة شفيعا لأصحابه. رواه الترمذى

خامساً: وقال أيضاً: مثل المومن الذى يقرأ القران كمثل الأترجة ريحها طيب' وطعمها طيب

سادساً: وقال أيضاً: ان هذا القرآن مأدبة الله' فتعلموا من مأدبته ما استطعتم...... متفق عليه

وينبغى للدارس لعلوم القرآن ان يتأدب باداب القرآن, ويتخلق بأخلاقه' ويكون غرضه من وراء

العلم (رضوان الله والدار الاخرة لا حطام الدنيا وأن يعمل بما فيه ليكون حجة له يوم القيامة فقد صح في الحديث الشريف (القرآن حجة لك او عليك. قال شيخ الاسلام (ابن تيمية رحمه الله: (من لم يقرأ القرآن فقد هجره، ومن قرأ القرآن ولم يتدبر معانيه فقد هجره، ومن قرأه و تدبره ولم يعمل بما فيه فقد هجره) يشير بذلك الى قوله تعالى: (وقال الرسول يا رب ان قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا.

لغات: تدبر: غور وفکر کرنا، حقیقت دریافت کرنا۔ تطبيق: ملانا، برابر کرنا۔ استماع: غور سے سننا، دھیان کرنا۔ انصات: خاموش رہنا۔ الماهر: کسی کام میں ماہر اور ہوشیار ہونا۔ السَّفَرَةُ: سافر کی جمع، نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے۔ الكرام: کریم کی جمع، بزرگی والے۔ بَرَةٌ: بار کی جمع نیک۔ يتعتع: ہکلانا۔ عي اللسان: بات کرنے سے عاجز ہونا۔ حَمَلَةٌ: حامل کی جمع، قرآن اٹھانے والے مراد حفاظ اور قاری ہیں۔ الاترجة: ترنج، بڑا لیموں۔ مادبة: دستر خوان۔ يتخلق: اخلاق وعادات اختیار کرنا۔ حطام الدنيا: دنیا کا ساز وسامان۔

قرآن کے فضائل:

ترجمہ: ''(مولفِ کتاب فرماتے ہیں) قرآن اور قرآن کے علوم کے بارے میں بہت سے آثار آئے ہیں۔ بعض کا تعلق (قرآن کی) تعلیم و تعلم کی فضیلت اور بعض (قرآن کی) تلاوت اور (اس کی) ترتیل کے (فضائل کے) متعلق ہیں اور بعض کا تعلق قرآن کے حفظ اور اس کے دور سے ہے۔

جیسا کہ (خود) قرآن میں ایسی بہت سی آیات آئی ہیں کہ جو مسلمانوں کو قرآن میں غور وفکر کرنے، اور اس کے احکام کی تطبیق اور اس کی تلاوت کے وقت (اس کو) غور سے سننے اور (ادب کے ساتھ توجہ کرتے ہوئے) چپ رہنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ہم (قرآن کے فضائل کے متعلق) کچھ آیات اور احادیث کو ذکر کرتے ہیں۔

(قرآن کے فضائل کے متعلق) آیات کریمہ

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ﴾ (سورة فاطر: ۲۹)

''جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (اعراف: ۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے۔ تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَاo﴾ (محمد: ٢٤)

''کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں میں لگ رہے ہیں ان کے قفل'' (تفسیر عثمانی)

(فضائل قرآن کے متعلق) احادیث شریفہ

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔ (رواہ البخاری) (ترجمہ از فضائل قرآن مولانا زکریا کاندھلویؒ)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے (کہ) جو میر منشی ہیں اور نیک کار ہیں۔ اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے۔ (یعنی اس کی زبان کے عاجز ہونے کی وجہ سے قرآن کی تلاوت اس پر مشکل ہے) اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔'' (رواہ مسلم) ترجمہ از فضائل قرآن مولانا کاندھلویؒ)

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''میری امت کے شرفاء قرآن کے حاملین ہیں۔'' (رواۃ الترمذی)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن پڑھا کرو کیونکہ (یہ) قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔'' (رواۂ الترمذی)

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ'' (رواہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ' ترجمہ از فضائل قرآن مولانا زکریا کاندھلویؒ)

(۶) نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے پس اس سے سیکھ لو جتنا تم سیکھ سکتے ہو۔'' (متفق علیہ)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآنی علوم کے پڑھانے والے کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک (کی تلاوت تدبر' تعلیم وغیرہ) کے آداب کا لحاظ رکھے اور قرآنی اخلاق کو اپنائے' اور اس (قرآنی) علم سے اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی رضا اور دار آخرت ہونا کہ دنیاوی ساز و سامان اور جو کچھ قرآن میں ہے اس پر عمل کرنا ہوتا کہ (یہ) قرآن قیامت کے دن اس کے لئے حجت (ور برہان) ہوئے' تحقیق کہ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''یہ قرآن (یا تو) تیرے لئے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔ (اس کی تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی کی پہلی جلد دیکھئے) شیخ الاسلام (علامہ) ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''جس نے قرآن نہیں پڑھا تحقیق اس نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے قرآن پڑھا اور اس کے معانی میں تدبر نہیں کیا (تو) اس نے (بھی) قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے قرآن پڑھا اور اس کے معانی میں تدبر کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اس نے بھی قرآن کو چھوڑ دیا۔

علامہ ابن تیمیہ اس سے قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا.﴾ (الفرقان: ٣٠)

''اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

قرآن کریم کی فضیلت اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ ارشاد فرماتے ہیں ''قرآن کریم اس جہان میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں' آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اپنے مقدور بھر قرآن کریم میں اشتغال اور اس کو حاصل کرنا ہے اور سب سے بڑی شقاوت اور بدنصیبی اس سے اعراض اور اس کو چھوڑنا ہے اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر فرضِ عین اور ضروری ہے کہ قرآن کریم صحت لفظی کیساتھ پڑھنے اور اولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے۔ اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو سمجھیں اور اس پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے' اور اس کو اپنی پوری عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ بھی نصیب ہو جائے اس کو اس جہاں کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔'' (معارف القرآن بلفظہ جلد ا صفحہ ۵۹)

سید فضل الرحمٰن لکھتے ہیں ''قرآن کریم کی عظمت اور فضیلت کو سمجھنے کے لئے یہ آیت مبارکہ ہی کافی ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥﴾

(یونس: ۵۷)

''اے انسانو! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص پیغام نصیحت آ گیا جو ان تمام بیماریوں کے لئے جو سینوں میں ہوں شفا اور عافیت کا سامان ہے اور مومنوں کے لئے (باعث) ہدایت و رحمت ہے۔''

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام (قران) لوگوں کے لئے پیغام نصیحت ہے' ظاہری و باطنی امراض وعیوب کے لئے شفا و عافیت کا ذریعہ اور ہدایت اور رحمت کا خزانہ ہے ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کونسی نعمت ہوگی۔ (احسن البیان بلفظہ جلد ا صفحہ ۳۱)

قرآن کریم کا سیکھنا' سکھانا' پڑھنا یاد کرنا' دہرانا سننا' سنانا غرض قرآن کے متعلق ہر ایک کام باعث اجر بھی ہے اور موجب نجات بھی ہے۔ حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ نے ایک مستقل رسالہ فضائل قرآن کے متعلق تصنیف فرمایا ہے طالبان علوم قرآن کے لئے اس کا بالاستیعاب دیکھنا نہایت مفید ہے۔ حامل قرآن اور صاحب قرآن ہم معنی الفاظ ہیں۔ بظاہر اس سے حافظ قرآن مراد ہے ملا علی قاریؒ نے اس کو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں ترتیل قرآن کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ''ترتیل لعنت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور شرع شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اول حرفوں کو صحیح نکالنا' یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا' تاکہ طاء کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ ظا نہ نکلے' دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہ ہو جائے۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا

چوتھے آواز کوتھوڑا سا بلند کرنا تا کہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کوایسی طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جائے اور دل پر جلدی اثر کرے کہ درد والی آواز دل پر جلد اثر کرتی ہے اور اس سے روح کوقوت اور تاثر زیادہ ہوتا ہے۔ چھٹے تشدید اور مد کو اچھی طرح سے ظاہر کیا جائے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے۔اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔ ساتویں آیات رحمت وعذاب کا حق ادا کرے۔ یہ سات چیزیں ہیں کہ جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے۔ (تفسیر عزیزی ملخصا بحوالہ فضائل قرآن صفحہ ۲۳)

مولف کتاب نے قرآن کی تعلیم وتعلم میں آداب کی رعایت کو لازمی کہا ہے۔ حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''(قرآن پاک) احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ سلطان السلاطین کا فرمان ہے سطوت وجبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ مشائخ نے آداب تلاوت میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''بندہ نوکر بن نہیں، چاکر بن نہیں بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک، محسن ومنعم کا کلام پڑھے۔'' (فضائل قرآن ملخصاً صفحہ ۹)

سید فضل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں ''(آداب تلاوت میں سے یہ ہے کہ) قرآن کریم کی قراءت وتلاوت کثرت سے کرنا مستحب ہے اور قرآن کریم کا (یاد کر کے) بھول جانا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کہ یہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے اور قرآن کی تعظیم اور منہ کی صفائی کے خیال سے مسواک کرنا مسنون ہے پاک وصاف جگہ پر تلاوت کرنا مسنون ہے۔ قراءت کے وقت قبلہ رو ہو کر خشوع وخضوع کیساتھ بآرام اور جم کر بیٹھنا مسنون ہے۔ قراءت کے آغاز سے پہلے تعوذ پڑھنا ضروری ہے۔ سورۂ براءت کے سوا ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ تلاوت میں ترتیل مسنون ہے کہ اللہ خود فرماتا ہے کہ ''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو'' تلاوت قرآن کے وقت اس کے مطالب ومعانی پر غور کرنا مسنون ہے۔ تلاوت میں خوش آوازی اور لب ولہجہ کی درستی مسنون ہے۔ قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے۔ اور جس کو رونا نہ آئے اس کو رونی صورت بنالینی چاہیے۔ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ قرآن کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ کسی سے بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا، تلاوت کے دوران ہنسنا، کپڑے یا کسی چیز سے کھیلنا یا کسی ایسی چیز کی طرف دیکھنا کہ جو تلاوت سے توجہ ہٹادے یہ سب امور مکروہ ہیں۔ تلاوت قرآن کا سننا اور اس وقت شور وغل کا ترک کر دینا ضروری ہے۔ اور ختم قرآن کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ (احسن البیان ملخصا از صفحہ ۳۹-۴۵ ج ۱)

صاحب طرز ادیب اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے خاص انداز میں ان صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو قرآن کے فہم واستفادہ کے لئے (ضروری اور) معاون ہیں وہ فرماتے ہیں

(۱) ''قرآن سے متنفع ہونے کی پہلی شرط طلب ہے۔ جس کو سرے سے اس کی طلب نہیں اس کے لئے قرآن کیا موثر ہو سکتا ہے۔ کہ دین میں استغناء و بے نیازی محرومی و بدبختی کی نشانی ہے جن لوگوں میں دین کی طلب نہیں اور دین کی صدا میں ان کے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی ان کے لئے (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے۔''

''کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگر چہ وہ بے عقل ہوں۔'' (یونس: ع-۵)

''کیا آپ ہدایت دے سکتے ہیں گمراہوں کو اگرچہ وہ دیکھتے نہ ہوں۔'' (یونس: ع-۵)

(۲) دوسری شرط استماع واتباع ہے کہ قرآن بہر حال ایک (آسمانی) صحیفہ اور ایک تعلیم ہے اس سے منتفع ہونے کا پہلا ذریعہ یہی ہے کہ اس کو غور سے سنیئے۔ جو سرے سے کان لگا کر سنتا ہی نہیں وہ اس کے بعد کے مراحل کیا طے کرے گا۔لیکن صرف غور سے سن لینا ہی کافی نہیں۔ جو حصہ عمل کے قابل ہو اس پر عمل کرنا ضروری ہے علم بلاعمل ایک دماغی تعیش ہے اس لئے استماع کے بعد (قرآن میں) اتباع کا (بھی) ذکر ہے۔

(۳) قرآن کی بنیادی خدا کے خیال اور اس کے خوف پر ہے۔جس کا دل بالکل خدا کے خوف سے خالی ہے اور جس کے لئے خدا کے نام میں کوئی اثر اور کشش نہیں۔اس میں درحقیقت دین کا مادہ نہیں۔

(۴) ایمان بالغیب کہ دین کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ وہ ہے کہ جو انسانی کے حواس خمسہ اور اس کی عقل کی حدود سے باہر ہے یہ دین کے وہ بہت سے حقائق ہیں کہ جن کا ادراک وہ اپنے ظاہری حواس سے نہیں کر سکتا ان میں عقل کام نہیں دیتی۔ اس لئے کہ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے۔ جن چیزوں کا علم حواس اور تجربات کے ذریعہ ممکن ہی نہ ہو وہاں عقل کیا کام دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات وحی' فرشتے' آخرت' جنت اور دوزخ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو خلاف عقل نہیں لیکن ورائے عقل ضرور ہیں۔ یہ سب غیب میں شامل ہیں۔ جس کے لئے انبیاء پر اعتبار کرنا اور جو کچھ وہ کہیں اس کو قبول کرنا یہی ایمان بالغیب ہے۔

(۵) تدبر کہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے تدبر بھی شرط ہے کہ قرآن میں جابجا اس کی ترغیب ہے۔

(۶) مجاہدہ کہ قرآن کے فہم اور تدبر میں اور اس پر عمل کرنے میں (کسی درجہ کا) مجاہدہ اور مشقت بھی ضروری اور مفید ہے کہ محض ذہانت اور علم کی بنا پر اس کتاب کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا منشا معلوم کرنے کے لئے اس کی رضا اور اعانت ضروری ہے۔ جب انسان قرآن کے لئے تکلیف اٹھاتا ہے طہارت اخلاق اور تزکیہ نفس سے کام لیتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اللہ اپنی کتاب کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور اس کو فہم عطا کرتا ہے۔

(۷) قرآن مجید سے استفادہ اس سے ہدایت وفیض حاصل کرنے اور روح وقلب کو اس سے جلا دینے میں اس حقیقت کا ملحوظ رہنا بھی ضروری اور مفید ہے کہ یہ محض معلومات کا کوئی دفتر یا ضوابط وقوانین کا کوئی مجموعہ نہیں ہے کہ جس کو کسی بھی طرح پڑھ لیا جائے وہ اس احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کا کلام ہے جو جمال وکمال اور عطا ونوال کی تمام صفتوں سے متصف ہے۔ (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی ملخصاً از صفحہ ۱۶۱-۱۷۱)

مولف کتاب نے علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے قرآن کی تلاوت یا اس سے میں تدبر یا اس پر عمل کرنے کو ترک کرنے کو ہجران قرآن پر محمول کیا ہے اور بتلایا ہے کہ علامہؒ نے اس کا استدلال سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۳۰ سے کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ اس آیت کے فوائد نقل ہوئے فرماتے ہیں۔

''تنبیہ: آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا اس میں تدبر نہ کرنا' اس پر عمل نہ کرنا' اس کی تلاوت نہ کرنا' اس کی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا' اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا۔ یہ سب چیزیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہے۔'' (تفسیر عثمانی صفحہ ۴۸۳-۴۸۴)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس آیت کے فوائد میں رقم فرماتے ہیں۔

''الفقہ: استدل بالایۃ ای قولہ تعالیٰ: اتحذوا هذا القرآن' علی کراهة عدم تعاهد المصحف بالقراء ة فيه لانه نوع من الهجر المذموم فى الآية. (بیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۴۷)

اسماء القرآن

للقرآن الكريم أسماء عديدة كلها تدل على رفعة شأنه' وعلو مكانته' و على أنه أشرف كتاب سماوى على الاطلاق: فيسمى (القرآن) و (الفرقان) و (التنزيل) و (الذكر) و (الكتاب) الخ كما وصفه الله تبارك و تعالى بأوصاف جليلة عديدة منها (نور) و (هدى) و (رحمة) و (شفاء) (موعظة) و (عزيز) و (مبارك) و (بشير) و (نذير) الى غير ذلك من الأوصاف التى تشعر بعظمته و قدسيّته۔

وجه التسمية

(أ) اما تسميته (بالقرآن) فقد جاء فى آيات كثيرة منها قوله تعالى: ﴿قٓ قف ج وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِo﴾ وقوله تعالىٰ ﴿ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم﴾

(ب) وأما تسميته (بالفرقان) فقد جاء فى قوله تعالى ﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۨo﴾ (الفرقان: ۱)

(ج) وأما تسميته (بالتنزيل) ففى قوله تعالى ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o﴾ (الشعراء: ۱۹۲ - ۱۹۳)

(د) وأما تسميته (بالذكر) ففى قوله تعالى ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ.﴾ (الحجر: ۹)

(ہ) وأما تسميته (بالكتاب) ففى قوله تعالى ﴿حٰمٓo وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِo اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِى لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ﴾

وأما الاوصاف فقد ورد فيها آيات عديدة' وقلما تخلو سورة من سور القرآن من وصف رائع مجيد لهذا الكتاب الذى أنزله رب العزة ليكون معجزة خالدة لخاتم الانبياء نذكر منها:

اولاً: قوله تعالیٰ ﴿يا ايها الناس قد جاء كم برهان من ربكم و انزلنا اليكم نورا مبينا﴾

ثانیا: وقوله تعالیٰ: ﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا﴾

ثالثاً: وقوله تعالی: ﴿قل للذين آمنوا هدى وشفاء......﴾

رابعاً: وقوله تعالی: ﴿يا أيها الناس قد جاء تكم موعظة من ربكم و شفاء لما فى الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين﴾

والقرآن کالقراء ة مصدر قرأ قراء ة و قرآنا هكذا يرى بعض العلماء ويستدلون بقوله تعالیٰ: ﴿إن علينا جمعه و قرآنهo فإذا قرأناه فاتبع قرآنه﴾ أى قراء ته فالقرآن على هذا الرأ ى مشتقا' ويرى بعض العلماء انه ليس مشتقا من قرأ وإنما هو (اسم علم) لهذا الكتاب المجيد فهو مثل (التوراة) ومثل اسم (الانجيل وهذا رأى الامام الشافعى رحمه الله' انظر كتاب (مباحث القرآن للأستاذ مناع القطان)

لغات: عدیدة: چند کئی۔ رفعت: بلندیٔ مرتبہ۔ نور: روشنی۔ ھدی: ھدایت۔ قدسیّت: ہر نقص وعیب سے پاک ہونا۔

قرآن کے نام:

ترجمہ: ’’(مولفِ کتاب فرماتے ہیں) قرآن کریم کے بہت سارے نام ہیں وہ سب کے سب قرآن پاک کی رفعت شان اور علومرتبت پر دلالت کرتے ہیں اور اس بات پر بھی (دلالت کرتے ہیں) کہ یہ علی الاطلاق سب سے زیادہ شرف (وفضیلت) والی آسمانی کتاب ہے اسکا نام قرآن' فرقان' تنزیل' ذکر اور الکتاب (بھی) رکھا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کتاب کو) بہت ساری صفات جلیلہ (اور اوصاف حمیدہ) کے ساتھ متصف فرمایا ہے ان میں چند صفات (یہ ہیں جیسے مثلاً) نور' ھدی' رحمت' شفاء' موعظہ' عزیز' مبارک' بشیر' نذیر (اور اس کے علاوہ ایسی بہت سی) وہ صفات ہیں کہ جو اس کی عظمت اور قدسیت کو بتلاتی ہیں۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں ’’اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں اپنے عظیم و برتر اور بلند کلام کے متعدد نام تجویز فرمائے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

(۱) القرآن (۲) الکتاب (۳) الفرقان

علامہ شیخ ابو المعالی کے مطابق قرآن کریم کے پچپن ۵۵ نام خود قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے

قرآن کریم کے ناموں کی تعداد نوے بتلائی ہے۔ قرآن کریم کے جملہ ناموں میں سے قرآن سب سے زیادہ مشہور اور عام ہے سورۂ حجر ۸۷ سورۂ واقعہ ۷۷ اور سورۂ بروج ۲۲ میں قرآن کے لفظ کے ساتھ اس کتاب کو یاد کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں کہ جن میں علوم الٰہیہ کی اس جامع اور آخری کتاب کا یہی مبارک نام ذکر کیا گیا ہے۔ (منازل العرفان ص ۲۱)

جاحظ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے کلام کے جو نام رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے حصوں کے نام ان کے مروجہ ناموں سے الگ رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا۔ یہ ایسا نرالہ اور بے مثال ہے کہ نہ تو کسی عرب نے اپنے مجموعہ کلام کا یہ نام رکھا اور نہ دنیا میں کسی اور کتاب کا یہ نام رکھا گیا پس جیسا نرالہ اور بے مثل یہ کلام ہے اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی اس کا بے مثل (اور منفرد) نام مقرر فرمایا' اہل عرب اپنے مجموعہ کلام کو دیوان کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا نام قرآن رکھا۔ اہل عرب اپنے کلام کے حصوں کو قصیدہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے حصوں کا نام سورت مقرر فرمایا اہل عرب اپنے کلام کے چھوٹے سے چھوٹے جملے کو بیت کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے چھوٹے سے چھوٹے جملے کا نام آیت رکھا۔ (احسن البیان ملخصاً صفحہ ۱۹-۲۱ جلد ۱)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''علامہ ابو المعالی نے قرآن کریم کے پچپن نام شمار کئے ہیں ❶ اور بعض حضرات نے اس کی تعداد نوے سے بھی زائد بتلائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی صفات مثلاً ''مجید'' ''کریم'' ''حکیم'' وغیرہ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچائی ہے۔ ورنہ صحیح معنی میں قرآن کریم کے نام کل پانچ ہیں۔ القرآن' الفرقان' الذکر' الکتاب' التنزیل ❷ خود قرآن کریم نے اپنے لئے یہ پانچوں الفاظ اسم علم کے طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ (الفرقان کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱ اور الذکر کے لئے آل عمران: ۵۸' الحجر: ۶ اور ص: ۸ وغیرہ اور الکتاب کے لئے بقرہ: ۶۴' نحل: ۸۹' کہف وغیرہ۔ اور التنزیل کے لئے یٰسین: ۵' واقعہ: ۵۰ اور الحاقہ ۶۹ وغیرہ کو دیکھئے)

ان میں سب سے زیادہ مشہور نام ''قرآن'' ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم ۶۱ مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ ❸

لغات: الفرقان: حجت' برہان' دلیل قاطع' حق و باطل کو جدا کرنیوالی۔ رائع: شاندار' تعجب خیز' پسندیدہ۔

ترجمہ: وجہ تسمیہ

(الف) (مولف کتاب بیان فرماتے ہیں کہ) رہا قرآن کا نام ''قرآن'' رکھا جانا تو (یہ لفظ) قرآن بہت ساری آیات میں آیا ہے ان میں سے ایک (جیسے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد (ہے):

﴿قٓ قف ج وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِo﴾ (ق: ۱)

---

❶ دیکھئے السیوطی: ''الاتقان فی علوم القرآن'' صفحہ ۵۱ جلد ۱ مطبعۃ حجازی بالقاہرہ ۱۳۶۸ ہجری۔

❷ الزرقانیؒ: مناہل العرفان صفحہ ۸ جلد اول مطبعۃ عیسی البابی حلبی ۱۳۷۳ ہجری۔

❸ فتح الرحمٰن مطالب آیات القرآن صفحہ ۳۵۸/۳۵۹ المطبعۃ الاہلیۃ بیروت ۱۳۲۳ ہجری۔

''قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی۔'' (تفسیری عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ❶ (الاسراء: ۹)

''یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(ب) اور اس کا ''فرقان'' نام رکھنا تو وہ اللہ تعالیٰ کے (اس) قول میں آیا ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴾ (الفرقان: ۱)

''بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر تا کہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

(ج) اور اس کا ''تنزیل'' نام رکھا جانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے (اس) قول میں آیا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○﴾ (الشعراء: ۱۹۲ - ۱۹۳)

''اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا۔ پروردگار عالم کا۔ لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر۔'' (تفسیر عثمانی)

(د) اور اس کا ''ذکر'' نام رکھا جانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے (اس) قول میں (ہے)۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.﴾ (الحجر: ۹)

''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

(ہ) اور اس کا ''الکتاب'' نام رکھا جانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے (اس) قول میں ہے۔

﴿حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (دخان: ۱ - ۳)

''قسم ہے اس کتاب واضح کی، ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں'' (تفسیر عثمانی)

اور (رہا ذکر قرآن پاک کے) اوصاف (کا) تو بہت ساری آیات (قرآن پاک کی) صفات (کے بارے) میں آئی ہیں۔ قرآن پاک کی کم ہی کوئی سورت ہوگی جو اللہ رب العزت کی اتاری ہوئی اس کتاب کی بزرگ (و برتر) اور انسانی عقلوں کو حیرت و) تعجب میں ڈال دینے والی صفات (کے ذکر) سے خالی ہو تا کہ یہ کتاب خاتم الانبیا (والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا تا قیامت معجزہ ہو جائے ہم ان صفات میں سے (چند کو) ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ (النساء: ۱۷٤)

''اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔'' (تفسیر عثمانی)

(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ یاد رہے کہ مولفِ کتاب سورۂ بنی اسرائیل کو سورۃ الاسراء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (نسیم)

﴿وننزّل من القرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ للمُؤمِنِينَ، ولا يَزِيدُ الظَالمينَ إلّا خَسَارًا﴾ (الاسراء: ۸۲)

''اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا هُدًى وَشِفاء......﴾ (فصلت: ٤٤)

''تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوجھ ہے اور روگ کا دور کرنے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِيْ الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ o﴾

(یونس: ۵۷)

''اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ) قرآن (لفظ) قراءت کی طرح قَرَاَ قِرَاءَ ۃً وَ قُرْاٰنًا کا مصدر ہے۔ بعض علماء کی یہی رائے ہے اور وہ علماء کرام (اپنے اس دعویٰ کی) اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں۔

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo فَاِذَا قَرْاٰنُهٗ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗo﴾ (القیامۃ: ۱۷ - ۱۸)

''وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب ''قُرْاٰنَهٗ'' مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یعنی ''قِراء تہ'' پس قرآن اس رائے کی بنا پر (اسم) مشتق ہوگا (نا کہ مشتق منہ یعنی مصدر) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ (لفظ) قرآن ''قَـرَأَ'' سے مشتق نہیں (بلکہ) جزایں نیست کہ یہ تو اس کتاب مجید کا ''اسم علم'' ہے تو (اس رائے کی بنا پر) یہ (لفظ قرآن) تورات (کے نام) کی طرح اور انجیل کے نام کی طرح (ایک نام) ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس (کی مزید تفصیل) کے لئے الاستاذ مناع القطان کی کتاب ''مباحث القرآن'' دیکھیں

توضیح

علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں ''قرآن'' دراصل قَـرَأَ يَقْرَأُ سے نکلا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں ''جمع کرنا'' پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں اس لئے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔ [1] قرأ یقرأ کا مصدر قراءۃ کے علاوہ ''قران'' بھی آتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

[1] الراغب الاصفہانیؒ: المفردات فی غریب القرآن صفحہ ۴۱۱ اصح المطابع کراچی ۱۳۸۰ ہجری۔

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامہ: ۱۷)

''بلاشبہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔''

پھر عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول (Past Participal) کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے' کلام اللہ کو ''قرآن'' اسی معنی میں کہا جاتا ہے' یعنی ''پڑھی ہوئی کتاب'' [1]

قرآن کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئیں ہیں زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے' وہ کہا کرتے تھے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ (حم السجدہ: ۲٦)

''تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی تلاوت کے دوران لغو باتیں کیا کرو۔''

ان کفار کے علی الرغم ''قرآن'' نام رکھ کر اشارہ فرما دیا گیا کہ قرآن کریم کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۲۴-۲۵)

سید فضل الرحمٰن صاحب اس مقام پر یوں رقم طراز ہیں ''اس لفظ کے بارے میں آئمہ مفسرین اور ماہرین لغت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم علم غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہے اس لئے یہ مہموز نہیں ہے۔

امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ لغت و مفسرین فرماتے ہیں ''یہ نہ تو مہموز ہے اور نہ ہی قرأۃ سے ماخوذ ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا نام ہے کہ جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ جیسے توریت اور انجیل ان کتابوں کے نام ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔

فراء کہتے ہیں کہ یہ قرائن سے مشتق ہے کیونکہ اس کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور کچھ آیتیں دوسری آیتوں کے ساتھ مشابہ ہیں۔ انہی باتوں کا نام قرائن (قرینے) ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ نام قرن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کے آتے ہیں۔ جیسے قرنت الشئ بالشئ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کیا۔ اس لحاظ سے اس کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سورتیں' آیتیں' کلمات اور حروف ایک خاص انداز کے ساتھ جمع ہیں۔ اس اعتبار سے بھی یہ غیر مہموز ہی پڑھا جائے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ لفظ قرآن کو مہموز پڑھتے ہیں ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔

لحیانی کہتے ہیں کہ جس طرح رجحان اور غفران مصدر ہیں اسی طرح قرآن بھی قرأت کا مصدر ہے اور یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اکثر آئمہ اور قراء کے نزدیک یہی اولی ہے۔ قرآن کریم میں بھی لفظ قران ''قرأت'' کے معنی میں استعمال

---

[1] اس لفظ کے اشتقاق میں اور بھی کئی اقوال ہیں' لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ الاتقان صفحہ ۵۲ جلد ۱ اور مناہل العرفان صفحہ ۷ جلد ۱۔

ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝﴾ (القیامہ: ۱۸)

''پس جب ہم (اپنے فرشتے کے ذریعہ) اس کو پڑھیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی اتباع و پیروی کریں''

پس معنوی اعتبار سے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قرآن کو قرء (پڑھنا اور تلاوت کرنا) سے ماخوذ قرار دیا جائے۔لہٰذا کتاب اللہ کو قرآن کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ حقیقت میں پڑھنے کے لائق کتاب تو قرآن ہی ہے۔(آگے مولانا فضل الرحمٰن صاحب زجاج اور ابوعبیدہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد علامہ راغب اصفہانی کا مذہب ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں)''ہر ایک جمع کردہ شئے کو یا ہر کلام کے مجموعے کو ہرگز قرآن نہیں کہا جائے گا بلکہ کلام اللہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس نے سابقہ زمانے میں نازل شدہ آسمانی کتابوں کے جملہ علوم ومعانی کے تمام ثمرات (نتائج) جمع کر لئے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۲:۱۱۱)

''اس (قرآن) میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔''

﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۶:۸۹)

''(اس قرآن میں) ہر چیز کی پوری وضاحت ہے۔''

اور قرآن حقیقت میں کفران اور رجحان کی طرح مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۝ فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝﴾ (القیامہ: ۱۷-۱۸)

''بلاشبہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پڑھیں۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (کتاب اللہ کا) یہ نام (قرآن) رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر تمام قسم کے علوم جمع کر لئے ہیں۔(المفردات ۴۰۲)

بعض دوسرے اہل لغت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی' چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔(احسن البیان ملخصاً صفحہ ۲۱ تا ۲۳ جلد ۱)

متی ابتدأ نزول القرآن:

كان بدء نزول القرآن الكريم' في السابع عشر من رمضان' لأربعين سنة خلت من حياة النبي الأمي محمد عليه الصلاة والسلام' فبينما كان رسول اللهّ يتحنث (أي يتعبد) في غار حراء' إذ نزل عليه الوحي (جبريل الأمين) بأيات الذكر الحكيم فضمه الى صدره ثم أفلته– فعل ذلك به ثلاث

مرات– وهو یقول له فی کل مرة (إقرأ) والرسول الکریم یجیبه (ما أنا بقارىء) أی لست أعرف القراءة، و فی المرة الثالثة قال له: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ٥ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ٥﴾ (العلق: ١-٥)

فکان ذلك بدء نزول الوحی، وبدء نزول القرآن، ولقد سبق نزول بعض الارهاصات (أی الاشارات والدلائل) التی تدل علی قرب الوحی و تحقّق النبوة للرسول الکریم، ومن هذه الدلائل (الرؤیا الصادقة) فی النوم، فکان صلوات الله علیه لا یری رؤیا الا وقعت کما راها فی منامه، ومنها (حبه للعزلة والخلوة) فکان یخلو بغار حراء یتعبد ربه فیه.

روایة البخاری:

وقد أخرج البخاری فی صحیحه فی باب (بدء الوحی) ما یشیر الی هذا، والی کیفیة نزول القرآن، حیث روی بسنده عن عائشة ام المومنینؓ أنها قالت:

أول ما بدیء به رسول اللهؐ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم، فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح، ثم حبب إلیه الخلاء، وکان یخلو (بغار حراء) فیتحنث فیه (وهو التعبد) اللیالی ذوات العدد، قبل أن ینزع إلی أهله، ویتزود لذلك، ثم یرجع إلی خدیجة فیتزود لمثلها حتی جاءه الحق وهو فی غار حراء، فجاءه الملك فقال: إقرأ، قال: ما أنا بقارىء، قال: فأخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم أرسلنی، فقال: اقرأ، فقلت: ما أنا بقارىء، فأخذنی فغطنی الثالثة ثم أرسلنی فقال:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ .... ﴾ الآیات فرجع بها رسول الله یرجف فؤاده.

و نزول القرآن فی شهر رمضان فیه نص صریح واضح فی کتاب الله عزوجل حیث یقول عز من قائل: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ.﴾ (البقرة: ١٨٥) و أما کون الملك الذی نزل به هو (جبریل) علیه السلام فقد ثبت أیضاً بنص صریح فی القرآن وهو قوله تعالی:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ٥ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ٥ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ٥﴾ (الشعراء: ١٩٣ – ١٩٥)

وقوله تعالی: ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ٥ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَهُدًی و بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ (النحل: ١٠٢ – ١٠٣)

والمرادی بالروح الأمین، او روح القدس، انما هو (جبریل) علیه السلام باتفاق المفسرین فهو

أمين الله على وحيه، وهو الذى نزل بالوحى على جميع الأنبياء والمرسلين صلوات الله عليهم أجميعن.

لغات: یتحنّث: عبادت کرنا، عبادت گزار ہونا۔ ضَمَّ: چپکانا، ملانا۔ ارھاص: وہ خارقِ عادت امر کہ جو قبل از بعثت پیغمبر سے صادر ہو۔ العزلة: گوشہ نشینی، کنارہ کشی۔ الخلوة: تنہائی، علیحدگی۔

قرآن کے نزول کی ابتداء کب ہوئی:

ترجمہ: ''(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات (مبارکہ) کے چالیس سال گزرنے پر سترہ رمضان (المبارک) کو قرآن کریم کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ اس دوران کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں عبادت کرر ہے تھے کہ وحی (یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام) آپؐ پر ذکر حکیم (یعنی قرآن) کی آیات لے کر نازل ہوئے۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو اپنے سینے سے چمٹایا پھر آپؐ کو چھوڑ دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کے ساتھ ایسا تین مرتبہ کیا۔ اور حضرت جبرائیل ہر دفعہ آنحضرتؐ سے کہہ رہے تھے کہ ''پڑھ''، اور آپ ان کو جواب دے رہے تھے کہ ''میں قاری نہیں ہوں''، یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔

اور تیسری مرتبہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (قرآن پڑھ کر سناتے ہوئے) کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o﴾ (العلق: ۱-۵)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔'' (تفسیر عثمانی)

پس یہ (واقعہ) نزول کی ابتداء اور نزول قرآن کی ابتداء تھا۔ اور اس سے قبل چند ارہاصات (یعنی اشارات اور دلائل) کا نزول ہو چکا تھا کہ جو قرب وحی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تحقق پر دلالت کرتے تھے۔''

ان دلائل میں سے نیند کے (عالم کے) سچے خواب بھی تھے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے وہ اسی طرح عالم آشکارا ہوتا کہ جس طرح آپؐ نے اس کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور (آپؐ کی نبوت کی سچائی پر) ایک دلیل آپؐ کا عزلت (نشینی) اور خلوت (گزینی) کی محبت تھی۔ کہ آپؐ غار حراء میں تنہا رہتے اور اس میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے۔

توضیح:

مناسب ہے کہ اس مقام پر ''ارہاص، وحی'' وحی کی اقسام، اور رویائے صادقہ کی مختصر تفصیل بیان کر دی جائے۔

ارہاص

مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ معارف القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں۔

دعوائے نبوت سے پہلے بلکہ نبی کی ولادت سے بھی پہلے حق تعالیٰ بسا اوقات دنیا میں ایسے واقعات اور نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں کہ جو خرق عادت ہونے میں مثل معجزہ کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی نشانیوں کو محدثین کی اصطلاح میں ''ارہاص'' کہا جاتا ہے کہ جو تاسیس وتمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے رہص سنگ بنیاد کو کہتے ہیں (قاموس) انبیاء کرام کی دنیا میں تشریف آوری یا ان کے دعوائے نبوت سے قبل حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں کہ جو معجزات کی قسم سے ہوتی ہیں اور ایسی نشانیاں چونکہ ان کے دعوائے نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس قسم کی تاسیس وتمہید ہوتی ہے اس لئے ان کو ارہاص کہا جاتا ہے (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۸۱۷)

مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں۔ ''نبوت ورسالت کی عظمت وسچائی کی پیش آنے والی نشانی کو شریعت کی اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۵۴۳ بتغییر یسیر)

علامہ عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں ''جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں۔ تفسیر حقانی ''مقدمہ'' صفحہ ۱۰ جلد ۱

وحی

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتھم تحریر فرماتے ہیں ''وحی'' اور ''ایحاء'' عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ اور لغت میں ان کے معنی ہیں ''جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا'' خواہ یہ اشارہ رمز وکنایہ استعمال کر کے کیا جائے۔ خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر ونقوش استعمال کر کے' ہر صورت میں لغۃً اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ اس لئے لفظ وحی اور ایحاء یہ ''دل میں بات ڈال دینے'' کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیاطین کو دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں ان کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۱۱۲)

''اور اسی طرح ''ہم نے ہر نبی کے لئے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے جن وانس کے شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈال دی جاتی ہے اس کو بھی وحی کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اس لفظ کے لغوی مفہوم ہیں شرعی اصطلاحی میں ''وحی'' کی تعریف یہ ہے۔

كلام الله المنزل على نبی من الانبياء.

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام کہ جو اس کے کسی نبی پر نازل ہو۔'' (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۲۸-۲۹)

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں ''لغت میں وحی کے معنی ہیں دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتانا' جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا' دل میں کوئی بات ڈالنا۔ الہام کرنا۔ شرع کے اعتبار سے وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام اور القاء ہے جو نبی کی طرف بلا واسطہ یا

بالواسطہ ہو۔ وحی کا اطلاق صرف انبیاء پر ہوتا ہے۔ (احسان البیان جلد ا صفحہ ۲۵)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کا خطاب کسی ایسے شخص سے جس کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کے لئے کوئی صحیح علامت نہ پائی جائے اس کا نام وحی ہے۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۳۴)

علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ''یاد رہے کہ لفظ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال پیغمبر کے علاوہ کسی اور کے لئے درست نہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۹)

وحی کی اقسام

علامہ سعید احمد اکبر آبادی تحریر فرماتے ہیں: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پر وحی مختلف طریقوں سے نازل ہوئی تھی۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد جلد اول میں انہیں حدیثوں کے پیش نظر وحی کی حسب ذیل صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) رویائے صادقہ' سچے خواب۔

(۲) نفث فی الروع یا القاء فی القلب دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا۔

(۳) صلصلۃ الجرس۔ گھنٹہ کی آواز کی طرح آنا۔

(۴) تمثل۔ فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر آنا۔

(۵) فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نظر آنا۔

(۶) وہ طریقہ مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

(۷) بلا واسطہ مکالمہ۔ (وحی الٰہی صفحہ ۱۳۱ از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

علامی تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ انو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وحی کی ابتداء تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) وحی قلب

کہ باری تعالیٰ براہ راست بغیر کسی فرشتہ کو واسطہ بنائے نبی کے قلب کو مسخر کر کے اس میں کوئی بات دل میں ڈال دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی بلکہ قلب میں ایک بات جاگزیں ہو جاتی ہے۔

(۲) کلام الٰہی

کہ باری تعالیٰ براہ راست رسول کو ہم کلامی کا شرف عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے یہ وحی کی تمام اقسام میں سب سے افضل وحی ہے۔

(۳) وحی ملکی

کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتہ کے ذریعہ نبی تک بھیجتا ہے۔ بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا بلکہ اس کی فقط آواز سنائی

دیتی ہے اور بعض اوقات یہ کسی انسان کی شکل میں بھی آجاتا ہے اور شاذ و نادر اپنی اصلی شکل میں بھی آتا ہے۔ (علوم القرآن ملخصا صفحہ ۳۱-۳۲)

سید فضل الرحمٰن صاحب وحی کی اقسام یوں بیان فرماتے ہیں:

وحی قلبی

کہ فرشتہ اور حواس اور قوت سامعہ اور آواز کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ براہ راست کوئی بات دل میں ڈال دیتا ہے۔

تکلم ربانی

کہ فرشتہ کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ براہ راست نبی سے ہم کلام ہوتا ہے۔

وحی ملکی

کہ فرشتہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام نبی کو بھیجتا ہے (احسن البیان صفحہ ۲۷ جلد ا بتغییر یسیر)

حضور ﷺ پر وحی کے طریقے

علامہ تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ کہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے' اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی شکل میں آجاتا ہے۔''

اس حدیث سے آنحضرتؐ پر وحی کے دو طریقے معلوم ہوئے۔

(۱) صلصلۃ الجرس

یعنی گھنٹی بجنے جیسے آوازیں۔

(۲) تمثل ملک

یعنی فرشتہ کا کسی انسانی شکل میں آکر آپؐ کو پیغام پہنچا جانا۔

عموماً اس صورت میں حضرت جبرائیل حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ''صحابہؓ میں سے حضرت دحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔'' [1] البتہ کبھی کسی اجنبی انسان کی شکل میں بھی آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی حضرت عمرؓ والی مشہور روایت ہے۔ بہر حال وحی لانے والا فرشتہ حضرت جبرائیل ہی تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی تاریخ میں

---

[1] العینی۔ عمدۃ القاری صفحہ ۴۷ جلد ا استنبول ۱۳۰۸ ہجری۔

امام شعبیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے نبوت کے تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لاتے رہے۔ ❶ لیکن ان کے ذریعہ قرآن نازل نہیں ہوا۔ قرآن تمام حضرت جبرائیل ہی لاتے رہے ہیں۔

(۳) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کسی انسانی شکل کو اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں آنا۔ لیکن ایسا آپؐ کی تمام عمر میں فقط تین مرتبہ ہوا۔ (۱) اس وقت کہ جب آپؐ نے خود ان کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ (۲) معراج میں۔ (۳) ابتدائے نبوت کے زمانہ میں۔

(۴) رویائے صادقہ

آپؐ کو نزول قرآن سے پہلے سچے خواب نظر آیا کرتے تھے۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''آپؐ پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی۔ اس وقت آپؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔ ❷ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ ایک منافق نے آپؐ پر سحر کر دیا تھا۔ اس سحر کی اطلاع اور اس کو دفع کرنے کا طریقہ بھی آپؐ کو خواب ہی میں بتلایا گیا۔'' ❸

(۵) کلام الٰہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ بیداری کی حالت میں تو معراج میں اور ایک مرتبہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔

(۶) نفث فی الروع

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کسی بھی شکل میں آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کسی بات کا ڈال دینا اور القاء فرما دینا۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۳۲ تا ۳۹) طالبان علوم قرآن' وحی' کشف' الہام' وحی متلوٗ غیر متلو وغیرہ کی تفصیل کے لئے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ''علوم القرآن'' دیکھیں

سب سے پہلی وحی

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: قرآن کریم دراصل کلام الٰہی ہے اور یہ ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ (البروج: ۲۲)

''بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں۔''

---

❶ الاتقان صفحہ ۴۶ جلد ا القسطلانی۔ ارشاد الساری صفحہ ۵۹ جلد ا۔ ❷ صحیح بخاری صفحہ ۲ جلد ا حدیث نمبر ۳۔

❸ صحیح بخاری باب السحر ابواب الطب صفحہ ۸۵۷-۸۵۸ جلد ۲۔

پھر لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ پورا کا پورا آسمان دنیا کے ''بیت عزت'' میں نازل کیا گیا اس کے بعد تئیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا۔ قرآن میں دو لفظ انزال اور تنزیل استعمال ہوئے ہیں۔ انزال یعنی تھوڑا تھوڑا نازل کرنا اور تنزیل یعنی یکبارگی نازل کرنا۔ انزال کا لفظ جہاں بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نزول ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. ﴾ (دخان: ۲)

''بلاشبہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں اتارا۔''

اور تنزیل کا لفظ تدریجی نزول کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ (الاسراء: ۱۰۶)

''اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اتارا تاکہ آپؐ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔''

نزول قرآن کی دو یہ صورتیں خود قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ یاد رہے کہ پہلا نزول یکبارگی ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ❶ سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا نزول بتدریج ہوا ہے اسی طرح خود قرآن کریم نزول قرآن کی یہ تاریخ بتلاتا ہے۔

(۱) اس کی ابتداء رمضان کے مہینہ سے ہوئی۔

(۲) نزول کی رات شب قدر تھی۔

(۳) یہ رمضان کی وہی تاریخ تھی کہ جس میں بعد میں غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی ۱۷ رمضان المبارک یہی قول اصح ہے۔

صحیح تر قول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ (جیسا کہ آگے متن کتاب میں بخاری شریف کی وہ روایت مفصل نقل کی جارہی ہے۔ (نسیم) یہ آپؐ پر نازل ہونی والی ابتدائی آیات تھیں۔ اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا اس زمانہ کو ''فترت وحی'' کا زمانہ کہتے ہیں۔ البتہ بعض روایات سے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کا پہلے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات کی بنا پر علامہ زمخشریؒ نے سورۂ فاتحہ کو سب سے پہلی نازل ہونی والی وحی قرار دیا ہے لیکن علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں روایتوں کا رد کیا ہے اور علامہ سیوطی نے بھی سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے پہلی وحی ہونے کی تائید میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ (علوم القرآن ص ۵۳۔۵۹ ملخصاً)

---

❶ نسائیؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ، ابن ابی شیبہؒ، طبرانیؒ، ابن مردویہؒ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزلت پسندی اور خلوت گزینی

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں ”بعثت سے سات برس قبل ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس روشنی کے معلوم (ہونے) سے خوش ہوا کرتے تھے۔ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوا کرتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا آپؐ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی گئی۔ آپؐ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کوئی کوس پرے ایک سنسان جگہ کوہ حراء کے ایک غار میں جس کا طول چار گز' عرض پونے دو گز تھا' جا بیٹھتے عبادت کیا کرتے۔ اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتا شہر میں نہ آیا کرتے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب نظر آنے لگے۔ خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے تھے' دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا۔“ (رحمۃ للعالمین صفحہ ۵۱ جلد ۱)

لغات: الرویاء الصالحۃ: سچے خواب۔ فلق الصبح: صبح کی روشنی اور نور کا سپیدہ۔ الخلاء: تنہائی۔ نیزع: لوٹنا۔ یتزود: توشہ لینا۔ غطنی: بھینچنا۔ الجہد: مشقت۔ یرجف: جی گھبرانا' دل کا زور زور سے دھڑکنا۔

ترجمہ: بخاری شریف کی (ایک روایت

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ”بدء الوحی“ کے باب میں وہ روایت اخراج کی ہے کہ جو سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور قرآن کے نزول کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ ام المومنین (سیدہ) عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی (کہ) آپؐ جو کچھ بھی خواب میں دیکھتے مگر وہ صبح صادق کی روشنی کی مانند (بالکل کھلا ہوا اور) ظاہر ہو جاتا اس لیے آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور (اس دوران) آپؐ غار حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت کرتے گھر والوں کے پاس لوٹنے سے پہلے۔ اور اتنے دنوں تک کے لئے آپؐ (اپنے ساتھ) توشہ لے کر جاتے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کی طرف آتے اتنا ہی توشہ (پھر) لے جاتے۔ یہاں تک کہ (ایک دن) (اسی) غار حراء میں آپؐ تھے (کہ) حق (یعنی وحی) آئی۔ پس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا ”اقرأ“ (یعنی پڑھو) حضورؐ نے فرمایا ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ (اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا اور) کہا ”(کہ میرے اس جواب پر) فرشتہ نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور (دوبارہ) کہا ”اقرأ“ میں نے جواب دیا کہ ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ فرشتہ نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے مجھے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی پھر اس نے مجھ کو چھوڑ کر کہا کہ ”اقرأ“ میں نے جواب دیا کہ ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس پر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا

اور بھینچ کر چھوڑ دیا اور کہا إقرأ باسم ربك الذی خلقo خلق الانسان من علقo إقرأ و ربك الاكرم.

''پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا پڑھو اور تمہارا رب سب سے زیادہ کریم ہے۔''

نبی کریمؐ ان آیات کو لے کر گھر کی طرف واپس چلے تو آپ کا قلب (مبارک) دھڑک رہا تھا۔ (اس روایت کے ترجمہ میں احسن البیان جلد ا اور علوم القرآن سے مدد لی گئی ہے ''نسیم'')

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآن پاک کے رمضان (المبارک) کے مہینہ میں نازل ہونے کے بارے میں کتاب اللہ عزوجل میں صریح اور واضح نص (آئی) ہے۔ کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ.﴾ (البقرة: ۱۸۵)

''مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

اور البتہ اس وحی کو لے کر نازل ہونے والے فرشتہ کا جبرائیل علیہ السلام ہونا تو وہ بھی قرآن کی صریح نص سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُo عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَo بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍo﴾ (الشعراء: ۱۹۳ - ۱۹۵)

''لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّo لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَهُدًی و بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ (النحل: ۱۰۲ - ۱۰۳)

''تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلا شبہ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) روح الامین اور روح القدوس سے مراد تمام مفسرین کے اتفاق سے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی ہیں۔ کہ وہ اللہ کی وحی کے امین ہیں۔ اور یہی تمام انبیاء و رسل صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔

توضیح

گزشتہ صفحات میں ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ نقل روایت میں غالباً مولفِ کتاب یا کاتب سے سہو ہوا ہے کہ دیگر روایات سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ''اقراء'' کہنا تین مرتبہ نقل ہے جبکہ کتاب میں دو دفعہ لکھا

ہے۔اور بھینچنا بھی تین دفعہ مذکور ہے جبکہ کتاب میں دو دفعہ لکھا ہے۔خود کتاب کے متن میں بھی پہلی دفعہ کے بھینچنے کے ذکر کے بعد ''فغطنی الثالثة'' لکھا ہے کہ جو اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ نقل روایت میں چوک ہے یا اختصار۔واللہ اعلم

ہمارے دیار برصغیر (مشترکہ ہندوستان) میں سر سید احمد خان صاحب پہلے شخص تھے کہ جنہوں نے علماء یہود کے اتباع میں ملائکہ اور خاص طور پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا انکار کیا۔ (اور اس انکار کے در پردہ نبوت کو کسبی بتلایا۔شاید یہیں سے بدبخت ازلی مرزا غلام احمد قادیانی نے نقب لگائی اور اپنی جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا۔جیسا کہ اس کی اپنی تحریروں میں یہ بات ملتی ہے کہ ''میں سب سے زیادہ متاثر سر سید احمد خان کی ذات سے ہوں۔'') علامہ عبدالحق حقانیؒ نے تفسیر حقانی کے مقدمہ میں صفحہ ۲۲ سے لے کر صفحہ ۵۷ تک سر سید احمد خان کے جملہ اعتراضات اور اقاویل کا نہایت تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور اس کا مفصل و مفسر رد کیا ہے (دیکھئے تفسیر حقانی جلد ا ''مقدمہ'' صفحہ ۲۲ تا ۵۷)

أول ما نزل و آخر ما نزل

أول ما نزل من القرآن الكريم الآيات الأولى من سورة العلق ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ كما مر سابقا فی حديث البخاری، وأما آخر ما نزل من القرآن فهو قوله تعالى: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ هذا هو الصحيح الراجح الذى اختاره العلماء و على رأسهم (السيوطی) وهو منقول عن حبر هذه الأمة (عبدالله بن عباس) رضی الله عنهما فقد أخرج النسائی عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال: و آخر شئ نزل من القران ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ......﴾ وقد عاش النبیؐ بعد نزول هذه الاية تسع ليال ثم مات ليلة الاثنين فی الثالث من ربيع الأول...... وأما قول بعضهم: إن آخر ما نزل من القرآن قوله تعالى: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا......﴾ (المائدة: ۳) فهو رأی غير صحيح لأن هذه الآية الكريمة نزلت على رسول اللهؐ فی حجة الوداع، وهو واقف بعرفة، وقد عاشؐ بعدها ۸۱ واحدا وثمانين يوماً و قبل وفاته بتسع ليال نزلت آية البقرة ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا......﴾ فتكون هی آخر ما نزل، لا آية المائدة، وهذا هو الرأی الصحيح، وبنزول هذه الاية الكريمة انقطع الوحی فكان ذلك آخر اتصال السماء بالأرض، وانتقل الرسول إلى الرفيق الأعلى بعد نزول ختام القرآن، بعد أن أدى الأمانة، و بلغ الرسالة، وهدى الناس إلى دين الله۔

لغات: علی راسهم: سرفہرست۔حبر: بڑا عالم۔انقطع: کٹنا، ختم ہو جانا۔اکملت: مکمل کرنا، پورا کرنا۔اتممت: انجام دینا، پورا کرنا۔

ترجمہ: سب سے پہلی اور آخری (نازل ہونے والی) آیات

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''قرآن کریم میں سب سے پہلے جو نازل ہوا وہ سورۂ علق کی پہلی (پانچ) آیات ہیں (کہ جو) ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ (سے لے کر وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۝ تک ہیں) جیسا کہ بخاری شریف کی گزشتہ روایت میں گزرا' رہی قرآن کی آخری نازل ہونے والی آیت تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝﴾ (البقرة: ۲۸۱)

''اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔'' (تفسیر عثمانی)

یہی صحیح اور راجح ہے کہ جس کو علماء نے اختیار کیا ہے اور ان کے سرخیل علامہ سیوطیؒ ہیں۔ اور یہ حبر الامہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے' امام نسائی نے حضرت عکرمہ اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''قرآن میں سے سب سے آخر میں جو نازل ہوا وہ (یہ آیت ہے) ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ...... لَا یُظْلَمُوْنَ۝﴾ (البقرة: ۲۸۱) اور تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ۹ راتوں تک زندہ رہے پھر تین ربیع الاول کو سوموار کی رات میں وفات پا گئے۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اس کی تفصیل کے لئے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن دیکھیں) اور بعض کا یہ کہنا کہ قرآن کی آخری نازل ہونے والی آیت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.﴾ (المائدة: ۳)

''آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا۔ اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا۔ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ آپؐ عرفہ کے میدان میں کھڑے تھے۔ اور آپؐ اس کے بعد ۸۱ دن تک زندہ رہے اور آپؐ کی وفات سے نو راتیں پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ...... لَا یُظْلَمُوْنَ۝﴾ (البقرة: ۲۸۱) نازل ہوئی۔ تو آخری آیت یہ ہوگی نا کہ سورۂ مائدہ کی آیت۔ یہی صحیح رائے ہے۔ (کہ) اس آیت کریمہ کے نزول سے وحی (نازل ہونا) بند ہوگئی۔ پس یہ آسمان کا زمین سے آخری (ناطہ اور) ملاپ تھا قرآن کی اختتامی آیات کے نزول کے بعد اور ادائیگی امانت اور تبلیغ رسالت کے بعد' اور لوگوں کو اللہ کے دین کا سیدھا رستہ سمجھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ (کے جوار رحمت) کی طرف منتقل ہوگئے۔

توضیح

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے متعلق بحث گزر چکی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں کہ (سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کے بارے میں) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اس کے اکتیس روز بعد آپؐ کی وفات ہوگئی۔ اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔ (معارف القرآن صفحہ ۶۵۷ جلد ۱)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بغوی کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت آخری آیت ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا کہ اس کو سورۂ بقرہ کی دو سواسی آیت کے کنارہ پر رکھو'' ثعلبی کی روایت میں اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ اکیس روز تک اور فریابی کی روایت میں سات رات تک زندہ رہے اور وفات مبارک پیر کے دن ۳ ربیع الاول کو زوال کے بعد ۱۱ ہجری میں ہوئی۔ حضرت سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے (تفسیر مظہری ملخصا جلد ۲ صفحہ ۷۸ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

رہا سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت کا آخری نہ ہونا تو اس کو خود مولف کتاب دلائل سے ثابت کررہے ہیں۔

آية المائدة متأخرة فى النزول

ومما يدل على ان آية المائدة نزلت فى حجة الوداع ما روى فى صحيح البخارى أن يهودياً جاء الى عمر بن الخطاب رضى الله عنه فقال: يا أمير المؤمنين آية فى كتابكم لو علينا معشر اليهود نزلت لا تخذنا ذلك اليوم عيدا! فقال عمر: وأى آية تعنى؟ قال قول الله تبارك وتعالى ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ فقال له عمر: والله انى لأعلم المكان الذى نزلت فيه، والساعة التى نزلت فيها، نزلت هذه الآية و رسول اللهؐ بعرفة، فى يوم الجمعة، بعد العصر أى أنها نزلت فى يوم هو من أعظم الاعياد الإسلامية فهو عيد على عيد......

ترجمہ: سورۂ مائدہ کی (مذکورہ) آیت کا بعد میں نازل ہونا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

سورۂ مائدہ کی آیت کے حجۃ الوداع میں نازل ہونے پر جن باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ''ایک یہودی حضرت عمر ابن خطابؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا'' اے امیر المومنین تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم (اس کے) نازل ہونے کے دن (اس کا) جشن مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہاری مراد کون سی آیت ہے؟ تو اس نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا

یہ قول: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳) تو حضرت عمرؓ نے اس کو جواب دیا "خدا کی قسم میں اس جگہ کو (بھی) جانتا ہوں کہ جس میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس وقت کو بھی جانتا ہوں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں تھے جمعہ کے دن عصر کے بعد۔" [1]

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یعنی یہ آیت اس دن نازل ہوئی کہ جو اسلام کی سب سے بری عید کا دن تھا۔ اور وہ دہری عید تھی۔

توضیح

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کی تقریباً آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام سے متعلق نازل ہوئی نہیں۔ صرف ترغیب وترہیب کی چند آیتیں ہیں کہ جن کا نزول اس آیت کے بعد بتلایا گیا ہے۔ (معارف القرآن جلد۳ صفحہ ۳۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری جلد۳ صفحہ ۳۳۹ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ان دونوں آیتوں کے بارے میں روایات میں خوب تطبیق بٹھائی ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت کو آخری آیت قرار دیا ہے تفصیل کے لئے مذکورہ بالا حوالہ دیکھیں۔

تنبیہ:

أورد العلامة السيوطی فی كتابه (الاتقان فی علوم القرآن) بعض الاشكالات علی أول ما نزل من القرآن، وآخر ما نزل، وأجاب عنها بأجوبة سديدة نلخصها فيما يلی:

الاشكال الأول

أنه روی فی الصحيحين من حديث (جابر بن عبدالله أنه) سئل: ای القرآن أنزل قبل؟ قال: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فقيل له: بل ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ فقال أحدثكم ما حدثنا به رسول اللهؐ قال رسول اللهؐ: إنی جاورت بحراء فلما قضيت جواری نزلت فاستبطنت الوادی، فنظرت أمامی وخلفی، و عن يمينی وشمالی، ثم نظرت إلی السماء فإذا (جبريل) فأخذتنی رجفة فأتيت خديجة فأمرتهم فدثرونی فأنزل الله ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فهذا الحديث يدل علی ان سورة المدثر هی أول ما نزل من القرآن،

وقد أجاب عن ذلك السيوطی بقوله: ويجاب عن هذا الحديث بأجوبة: أحدها: أن السؤال كان عن نزول سورة كاملة فبين أن سورة المدثر نزلت بكمالها قبل نزول تمام سورة ﴿اِقْرَاْ﴾ فإنها أول ما

[1] دیکھیں صحیح بخاری باب التفسیر۔

نزل منها صدرها ویؤید هذا ما فی الصحیحین عن جابر بن عبدالله أنه قال: سمعت رسول اللهؐ وهو یحدث عن فترة الوحی فقال فی حدیثه: بینا أنا أمشی سمعت صوتا من السماء فرفعت رأسی فإذا بالملك الذی جاء نی بحراء جالس علی کرسی بین السماء والأرض' فرجعت فقلت: زملونی فأنزل الله ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فقوله الملك الذی جاء نی بحراء یدل علی أن هذه القصة متأخرة عن قصة حراء التی نزل فیها ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ ثم سرد أجوبة أخری لا حاجة الی ذکرها.

وأما الاشکال الثانی

وهی أن آیة المائدة وهی قوله تعالی ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ تدل علی أن الدین قد کمل و تم فکیف تنزل بعد ذلك آیات و نقول إنها ختام القرآن؟

والجواب عن ذلك

إن الله عزوجل قد أکمل الدین ببیان الفرائض والأحکام' و بیان الحلال والحرام' فما تحتاج إلیه الأمة قد بینه الله عزوجل' وفصل أحکامه' حتی أصبحوا علی (المحجة البیضاء) وهذا لاینافی أن تنزل بعض الآیات الکریمة التی فیها التذکیر والتحذیر من عذاب الله' وفیها تذکیر الناس بالوقفة الکبری بین یدی أحکم الحاکمین' فی ذلك الیوم الرهیب' الذی لا ینفع فیه مال ولا بنون الاّ من أتی الله بقلب سلیم' وقد صرح بهذا جماعة من العلماء حتی قال السدی: لم ینزل بعدها حلال ولا حرام.

لغات: اجوبة: یہ جواب کی جمع ہے۔ سدیدة: ٹھیک' درست' معقول' پختہ۔ جَاوَرْتُ: کسی جگہ الگ تھلگ رہنا' اعتکاف کرنا۔ اِسْتَبْطَنْتُ: وادی میں آنا' تہہ تک پہنچنا' وادی کے نشیب میں اترنا۔ رِجْفَةٌ: لرزہ' رعشہ' کپکپی۔ دَثَّرَ: چادر اوڑھانا۔ فترةٌ: دو زمانوں کے درمیان کا عرصہ' دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ۔ زَمَّلَ: کپڑا اوڑھانا' کپڑے میں چھپانا۔

تنبیہ:

ترجمہ: مولف کتاب فرماتے ہیں:

''علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں پہلی نازل ہونے والی اور آخری نازل ہونے والی آیات پر چند اشکالات کیئے ہیں۔ اور ان کے (نہایت) درست جواب دیئے ہیں ہم ذیل میں (اس تمام بحث کا) خلاصہ درج کرتے ہیں۔

پہلا اشکال

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ "قرآن کی کونسی آیت پہلے نازل ہوئی تو انہوں نے فرمایا ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ان سے عرض کیا گیا کہ (نہیں) بلکہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ تو (اس پر) حضرت جابرؓ نے فرمایا "میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں کہ جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی کہ آپؐ نے فرمایا "میں نے غار حراء میں خلوت نشینی اختیار کی۔ جب میں نے یہ مدت پوری کر لی اور پہاڑ سے اتر کر وادی کے نشیب میں آیا۔ (تو مجھے کسی نے آواز دی) پس میں نے اپنے سامنے کی طرف' اپنے پیچھے اپنے دائیں اور اپنے بائیں طرف (دیکھا) پھر میں نے آسمان کی طرف دیکھا یکایک مجھے وہ فرشتہ نظر آ گیا جس کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اور میں نے (حضرت) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر کہا "مجھے (کپڑے) اوڑھا دو' انہوں نے مجھے اوڑھا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل فرمائی۔

(اس روایت کے ترجمہ کے لئے احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۵۰ سے مدد لی گئی ہے آگے مولف کتاب علامہ سیوطیؒ کی عبارت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی قرآن کی سورت سورۂ مدثر ہے۔ اور (علامہ) سیوطیؒ نے اس بات کا یہ کہہ کر جواب دیا ہے۔ "اس حدیث کے کئی (طرح سے) جوابات دیئے گئے ہیں' ایک یہ کہ "(سائل کا) سوال کامل سورت کے نزول کے بارے میں تھا' تو حضرت جابرؓ نے یہ بیان کیا کہ سورۂ اقراء کے پورے نازل ہونے سے پہلے (ہی) سورۂ مدثر کامل نازل ہو گئی۔ کیونکہ سورۂ اقراء سے پہلے پہلے اس کی شروع کی آیات اتریں تھیں۔ اور اس بات کی تائید صحیحین کی وہ روایت کرتی ہے کہ جو حضرت جابر بن عبداللہؓ سے (ہی) مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فترت وحی کے (زمانہ کے) بارے میں کہتے ہوئے سنا' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں ارشاد فرمایا "اس دوران کہ میں چل رہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی' پس میں نے سر اٹھایا' پس اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ زمین اور آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے" میں لوٹ آیا اور میں نے کہا "مجھے اڑھا دو" پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل فرمائی۔ (علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "الملك الذی جاء نی بحراء" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ غار حراء کے اس قصہ کے بعد کا ہے کہ جس میں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ نازل ہوئی تھی۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) پھر (اس کے بعد علامہ سیوطیؒ نے اس کے) کئی دوسرے جوابات (بھی) دیئے ہیں۔ جن کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب نے بھی اس مقام پر بعینہ اس طرح کا کلام نقل کیا ہے۔ اس کو احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۵۰ پر دیکھ لیا جائے۔ اس سے پہلے وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طبرانی نے اپنی کتاب الکبیر میں ابی رجاء العطاردی سے ایسی سند کے ساتھ جس میں صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہیں روایت کی کہ' ابو رجاء عطاردی بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ہمیں قرآن پڑھاتے

وقت حلقہ باندھ کر بٹھا دیتے تھے۔ اور خود دو سفید و شفاف کپڑے پہن کر وسط میں بیٹھتے تھے۔ جب وہ اس سورۂ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ پر پہنچتے تو فرماتے کہ یہ وہ سورت ہے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (سب سے پہلے) نازل کی گئی (الاتقان ۵۷/۱)
(بحوالہ احسن البیان جلد ا صفحہ ۴۹-۵۰)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں "صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت جابرؓ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے آپؐ پر سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں۔ اس بنا پر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ نزول کے اعتبار سے سورۂ مدثر سورۂ علق سے مقدم ہے لیکن حافظ ابن حجر نے (فتح الباری جلد ا صفحہ ۲۳ میں) اس مغالطہ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ درحقیقت بخاری کی روایت میں حضرت جابرؓ کی حدیث مختصر ہے۔ اور اس میں دو جملے نقل نہیں کئے گئے۔ یہی روایت امام زہریؒ کی سند سے بخاریؒ ہی نے باب بداء الوحی میں نقل کی ہے۔ اس میں حضرت جابرؓ نے سورۂ مدثر کے نزول کا واقعہ بتلاتے ہوئے آنحضرتؐ کے یہ الفاظ صراحۃً نقل فرمائے ہیں "**فاذا الملك الذی جاء نی بحراء جالس علی الکرسی**" پس اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ غار حراء میں میرے پاس آیا تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ غار حراء میں سورۂ اقراء کی آیتیں پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ سورۂ مدثر بعد میں نازل ہوئی
(علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۵۷-۵۸)

لغات: **بَیَّنَ**: بیان کرنا، ظاہر کرنا، واضح کرنا۔ **فَصَّلَ**: کلام کی تفصیل کرنا، الگ الگ حصوں میں تقسیم کرنا۔ **تذکیر**: وعظ و نصیحت۔ **تحذیر**: تنبیہ۔ **الوقفة الکبری**: روزِ قیامت۔ **الیوم الرهیب**: خوفناک و ہولناک دن (قیامت)۔ **المحجة البیضاء**: روشن دلیل

ترجمہ: دوسرا اشکال

یہ ہے کہ آیت مائدہ کہ جو اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تحقیق دین کامل اور پورا ہو چکا تو پھر اس کے بعد کچھ آیات کیسے اتریں؟ جبکہ ہم یہ (بھی) کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کا خاتمہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس دین کو فرائض و احکام کے بیان اور حلال و حرام کے بیان کے اعتبار سے کامل کر دیا۔ پس جس چیز کی بھی امت کو حاجت ہے وہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی اور اپنے احکام کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ حتیٰ کہ امت ایک روشن دلیل پر قائم ہوگئی اور یہ بات اس بات کے منافی نہیں کہ (اس آیت کے نزول کے بعد) بعض وہ آیات کریمہ اتریں کہ جن میں اللہ کے عذاب سے تذکیر و تحذیر (کا مضمون) ہو اور ان میں احکم الحاکمین کے سامنے اس (دل کو) دہلانے والے دن میں وقفہ کبریٰ کے بارے میں لوگوں کے لئے تذکیر ہو کہ جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر وہ کہ جو چنگا دل لے کر آیا۔ اور علماء کی ایک جماعت نے اس بات کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ امام سدیؒ نے (تو یہاں تک) کہہ دیا (ہے کہ) اس آیت کے بعد کوئی حلال یا حرام (کا حکم) نہیں اترا۔" [1]

[1] اس کے لئے دیکھئے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن صفحہ ۲۷ جلد ا۔

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں ''یعنی (اس آیت میں) اصول عقائد کی صراحت کردی فرائض وواجبات' سنن' مستحبات حلال حرام' مکروہات مفسدات مشروعات جیسے مفسد صوم وصلوۃ وبیع وغیرہ۔ اور غیر منصوص میں اجتہاد کے قوانین' ہر چیز سے واقف کردیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حلال حرام' فرائض سنن حدود واحکام میں سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا (تفسیر مظہری ملخصاً صفحہ ۲۳۹ جلد ۳)

سید فضل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں'' (اس آیت میں) دین حق کے تمام حدود وفرائض اور احکام وآداب مکمل کردیئے گئے اب اسمیں نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ کمی کا احتمال ہے اس لئے اس کے بعد احکام اسلام (حلال وحرام فرائض وسنن وغیرہ) میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس آیت کے بعد جو چند آیتیں نازل ہوئیں ان میں یا تو ترغیب وترہیب کے مضمون ہیں۔ یا جو احکام پہلے نازل ہو چکے تھے ان کی تاکید ہے (احسن البیان صفحہ ۲۵-۲۶ جلد ۳)

مولف کتاب نے بھی اس اعتراض کی یہی توجیہ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

أول ما نزل فی القتال' والخمر' والأطعمة

أولاً: نزلت فی القتال آیات عدیدة' ولکن هذه الآیات التی نزلت فی شأن القتال کلها مدنیة' لأن المسلمین- فی مکة- کانوا فی حالة ضعف' فکان جهادهم للأعداء باللسان لا بالسنان' ولم یسمح لهم بقتال الأعداء إلا بعد الهجرة' أی بعد ان تقوی المسلمون و کثروا وأصبح لهم دولة فی المدینة المنورة فنزل عند ذلك الإذن بالقتال' وأول آیة نزلت فی القتال هی قول الله تبارك و تعالی فی سورة الحج: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۨ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحج: ۳۹-۴۰)

فانت تری فی هذا النص الکریم ما یوضع الحکمة من مشروعیة الإذن بالقتال' فلم یکن القتال إلا دفعا للظلم' ودفعاً للعدوان' ولم یشرع إلا دفاعاً عن المظلو مین و ردعا للمعتدین کما هو صریح النص الکریم.

ثانیا: وأما الخمر فقد نزلت فیها آیات عدیدة' وکان أول ما نزل فیها قول الله تعالی فی سورة البقرة: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.....﴾

روی عن ابن عمرؓ أنه قال: نزل فی الخمر ثلاث آیات، فأول شئ ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ الخ.

ثالثاً: وأما أول ما نزل من الأطعمة فی مكة فقوله تعالى فی سورة الأنعام: ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ٥﴾ (الانعام: ١٤٥)

وهذه أوائل مخصوصة ببعض الأحكام التشریعیة التی نزلت بها أحكام القرآن وهی مما ینبغی معرفته لیقف الانسان علی سر التشریع الاسلامی الدقیق، الذی راعی حاجات الناس و مصالح البشر، والتی هی أحد الأسس الحكیمة التی سلكها الاسلام فی معالجة الاوضاع الاجتماعیة والأمراض الخلقیة التی كان علیها الناس فی الجاهلیة كما سنوضح ذلك فی بحث آخر ان شاء اللّٰہ۔

لغات: اعداء: یہ عدو کی جمع ہے، دشمن۔ السنان: نیزے کا پھل (مراد تلوار ہے)۔ لم یسمح: اجازت نہ دیا جانا۔ معتدین: معتدٍ کی جمع، ظالم، دشمن، دست درازی کرنیوالا۔ صوامع: صومع کی جمع، عیسائی راہب کی عبادت گاہ، گرجا۔ بِیَعٌ: بِیْعَةٌ کی جمع، کلیسا، یہودیوں کا عبادت خانہ۔ صلوات: صلوٰۃ کی جمع مراد عبادت کرنے۔

ترجمہ: قتال، شراب اور اطعمہ کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی پہلی آیات

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''قتال کے بارے میں بہت سی آیات اتریں۔ لیکن قتال کے بارے میں نازل ہونے والی یہ سب کی سب آیات مدنی ہیں کیونکہ مسلمان مکہ میں ضعف کی حالت میں تھے اور (وہاں) ان کا دشمنوں سے جہاد زبان سے (کلمہ کے اقرار اور اس پر پائے استقامت کے ذریعے) تھا نا کہ تلوار سے اور ہجرت کے بعد ہی ان کو قتال کی اجازت دی گئی یعنی مسلمانوں کے طاقتور اور زیادہ ہونے کے بعد اور ان کی مدینہ منورہ میں ایک ریاست قائم ہونے کے بعد (ان کو قتال کی اجازت دی گئی) پس اس وقت قتال کی اجازت اتری۔ اور قتال کے بارے میں اترنے والی پہلی آیت میں سورۂ حج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ٥ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ٥﴾ (الحج: ٣٩-٤٠)

''حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر نہ

ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے۔ اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔ اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) پس اس آیت کریمہ میں آپ قتال کی اجازت کی مشروعیت کی حکمت کو دیکھ رہے ہیں کہ قتال تو (فقط) ظلم کو دفع کرنے کے لیا اور زیادتی کو دور کرنے کے لئے تھا۔ اور قتال تو مظلوموں کے دفاع اور حد سے نکلنے والوں کی سرزنش کے لئے ہی مشروع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ یہ بات آیت کریمہ میں صریح ہے۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں'' حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جنگ کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلے یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی' حضرت ابن عباسؓ کی مانند مجاہد' ضحاک' عروہ بن زبیر' زید بن اسلم' قتادہ اور دیگر سلف نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کی اجازت کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن ماجہ' نسائی' ترمذی ابن جزیر ابن المنذر' ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال سے ممانعت کے بعد یہ پہلی آیت ہے کہ جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی (احسن البیان بلفظہ جلد ا صفحہ ۵۱ بحوالہ ہادی اعظم مولفہ سید فضل الرحمٰن صاحب)

ترجمہ: ''۲۔ شراب کہ اس کے بارے میں (بھی) بہت ساری آیات نازل ہوئیں۔ شراب کے بارے میں سب سے پہلی جو آیت نازل ہوئی وہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ...... الى آخر الايه﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

''تم سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا' کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ'' شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں ان میں سب سے پہلی آیت ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ ہے۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں'' علامہ طیالسیؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ'' شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ نازل ہوئی اور کہا جانے لگا کہ شراب حرام ہوگئی بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپؐ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ۴۳) نازل ہوئی۔ اور کہا گیا کہ اب شراب

حرام ہوگئی۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اسے نماز کے قریب کے اوقات میں نہیں پیا کریں گے۔ پھر بھی آپؐ خاموش رہے اوران کو کچھ جواب نہ دیا۔اس کے بعد یہ آیت ﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ ﴾ (المائد: ۹۰) نازل ہوئی اس وقت آنحضرتؐ نے ارشادفرمایا کہ اب شراب حرام کردی گئی۔(احسن البیان صفحہ ۵۱ جلد ۱) بحوالہ اتقان ۱/۶۴)

لغات: الخمر: شراب۔ المیسر: ہر قسم کا جوا، تیروں سے کھیلے جانیوالا جوا۔ میتۃ: مردار۔ دمِ مسفوح: بہتا خون۔ رجسٌ: گندگی، نجاست، ناپاک شی۔ فسقٌ: نافرمانی، ناجائز کام۔ سِرٌّ: راز، بھید۔ مصالح: مصلحت کی جمع، درستی، نیکی، منفعت۔ اُسُسٌ: اساس کی جمع، بنیاد۔ الاوضاع الاجتماعیہ: وضع کی جمع بمعنی حالات یعنی اجتماعی حالات، اجتماعی معاملات۔

ترجمہ: ۳۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) مکہ میں اطعمہ کے بارے میں سب سے پہلے جو (آیت) نازل ہوئی وہ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

''تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ کہ جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ (چند) ابتدائی آیات ہیں کہ جو بعض ان تشریعی احکام کے ساتھ خاص ہیں کہ قرآن کے احکام ان آیات کو لے کر اترے ان آیات کو جاننا چاہیے تاکہ انسان اس باریک تشریع اسلامی کے راز کو جان سکے کہ جو انسانی حاجات اور لوگوں کی مصالح کا نگہبان ہے۔اور یہ آیات ان پر از حکمت بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہیں کہ جن پر چل کر اسلام نے (زندگی کے) اجتماعی معاملات کی درستی اور ان خلقی امراض (اور برائیوں) کا علاج کیا کہ جن میں لوگ (زمانہ) جاہلیت میں مبتلا تھے۔جیسا کہ عنقریب ہم اس بات کو ایک دوسری بحث میں واضح کریں گے۔انشاء اللہ''

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: ''قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے محکم ہے کیونکہ اس آیت سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے وقت نزول تک کسی اور چیز کی حرمت وحی میں نہیں آئی۔'' (تفسیر مظہری جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

علامہ عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں کہ ''(ان مذکورہ اشیاء کی حرمت کے حکم کے بعد) مدینہ طیبہ میں سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔اس میں موقوذہ متردیہ اور نطیحہ کی حرمت آگئی۔'' (تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

الفَصْلُ الثّانی

اسباب النزول

اسباب النزول

معرفة (أسباب النزول) له أثر كبير فی فهم معنی الآية الكريمة' ولهذا اعتنی كثير من العلماء بمعرفة أسباب النزول' حتی أفرد له بالتصنيف جماعة من العلماء كان من أقدمهم (علی بن المدينی) شيخ البخاری رحمه الله...... ومن أشهر ما كتب فی هذا الفن كتاب (أسباب النزول) للواحدی' كما الف فيه شيخ الاسلام (ابن حجر) والف فيه أيضا العلامة (السيوطی) كتاباً حافلاً عظيما سماه (لباب النقول فی أسباب النزول)

ولمعرفة أهمية هذا النوع من علوم القرآن' والتأكد من ضرورته لفهم معانی الآياتِ الكريمة نستطيع ان نقول: إنَّ بعض الآيات لا يمكن فهمها او معرفة أحكامها الا علی ضوء سبب النزول' فمثلاً قول الله تعالی: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ......﴾ (البقرة:١١٥) الآية قد يفهم منها جواز التوجه فی الصلاة إلی غير القبلة' وهذا الفهم خاطی لأن استقبال القبلة شرط لصحة الصلاة' و بمعرفة سبب النزول يتضح فهم الآية' فقد نزلت هذه الآية الكريمة فيمن كان فی (سفر)' وأضاع القبلة فلم يعرف جهتها فإنه يجتهد ويتحری ثم يصلی فإلی أی جهة صلی تصح صلاته' ولا تجب عليه إعادة الصلاة فيما إذا تبين له بعد الا نتهاء خطأ توجهه' فالآية إذا ليست عامة إنما هی خاصة فيمن جهل القبلة فلم يعرف جهتها.

ومثال آخر علی أهمية سبب النزول فی فهم الآية أن قوله تعالی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ٥﴾ (المائدة:٩٣)

إنما نزلت فی الخمر' وقد يفهم من هذا النص الكريم إباحة شرب الخمر – كما ظن بعض الجهلة– حيث قالوا: الخمر مباحة واحتجوا بالآية الكريمة' ولو علموا سبب نزولها لم يفتروا ذلك' فقد روی أنه لما نزل تحريم الخمر فی قوله تعالی ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥﴾ (المائد: ٩٠) قال ناس من أصحاب رسول اللهّ فكيف بمن قتلوا فی سبيل الله وماتوا' وكانوا يشربون الخمر وهی رجس؟ فنزلت الآية

الكريمة تبين ان من شربها قبل التحريم فإن الله قد عفا عنه وليس عليه ذنب أو إثم لأن الله لا يؤاخذ على ما سبق من العبد قبل الإسلام أو قبل التحريم، و بذلك تفهم الآية و يبقى النص القعطى في تحريم شرب الخمر.

ترجمہ: دوسری فصل

اسباب نزول کے بارے میں

لغات: اعتنى: اہمیت دینا، توجہ دینا۔ کتابٌ حَافِل: بھرپور کتاب، ضخیم کتاب۔ الخاطئ: غلط، غلط کار، گنہگار۔ أضاع: ضائع کرنا، کھودینا۔ جهت: طرف، سمت۔ جُنَاحٌ: گناہ، جرم۔ اباحت: جائز کرنا، حلال قرار دینا، اجازت دینا۔ لَمْ يَفْتَرِ: بات گھڑنا، کسی کے متعلق غلط بات کہنا، تہمت لگانا۔ انصاب: نصْبٌ کی جمع، اللہ کو چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑا کیا ہوا پتھر جس پر زمانۂ جاہلیت میں جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ ازلام: زَلَـم کی جمع، بے پر کا تیر، زمانۂ جاہلیت کے عرب تیروں سے اپنی قسمت معلوم کیا کرتے تھے۔ اس طرح پر کہ تیروں پر اجازت یا ممانعت لکھ کر ایک برتن میں ڈال دیتے۔ پھر جب کسی کو اپنے بارے میں مشورہ مطلوب ہوتا تو وہ ہاتھ ڈال کا ایک تیر نکال لیتا تھا۔ اگر اس پر اجازت یا حکم لکھا ہوتا تو وہ اسے کرگزرتا اور اگر ممانعت لکھی ہوتی تو اس سے باز رہتا۔ ذَنْبٌ: گناہ، جرم، غلطی۔ اِثْمٌ: قابل سزا جرم۔

نزول کے اسباب

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ''اسباب نزول کے جاننے کا آیت کریمہ کے سمجھنے میں بہت بڑا (دخل اور) اثر ہے۔ اسی لئے بہت سارے علماء کرام نے اسباب نزول (کی بحث) پر (خصوصی) توجہ دی۔ حتیٰ کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے اسباب نزول پر (ایک الگ کتاب) تصنیف کی۔ (اس موضوع پر) سب سے پہلے (قلم اٹھانے والے) امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینی تھے۔ اس فن پر لکھی جانے والی (تمام کتب میں سے) سب سے مشہور کتاب واحدی کی ''اسباب النزول'' ہے جیسا کہ اس موضوع پر شیخ الاسلام (حافظ) ابن حجر نے (بھی ایک کتاب) تالیف کی اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اس موضوع پر ایک ضخیم اور عظیم کتاب لکھی اور اس کا نام ''لباب النقول فی اسباب النزول'' رکھا۔

علوم القرآن میں اس فن کی اہمیت جاننے کے لئے اور آیات کریمہ کے معانی سمجھنے کی ضرورت کی تاکید کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''بعض قرآنی آیات کا سمجھنا یا ان کے احکام کا جاننا فقط اسباب نزول کی روشنی ہی میں ممکن ہے جیسے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ١١٥)

''اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس آیت سے نماز میں قبلہ کے علاوہ کی طرف منہ کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھنا خطا ہے کیونکہ استقبال قبلہ نماز کی درستی کی شرط ہے اور (اس آیت کے) سبب نزول کو جاننے سے (اس) آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ پس تحقیق یہ آیت مسافر کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس سے قبلہ گم ہو گیا ہو اور وہ قبلہ کا رخ نہ جان (سکتا) ہو تو ایسا شخص (قبلہ کی تلاش وجستجو میں) کوشش کرے اور (قبلہ کے پہچاننے میں) سوچ بچار کرے۔ (اس کے بعد) نماز پڑھے۔ پس (اب) وہ جس طرف بھی (منہ کر کے) نماز پڑھے گا اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ اور اس پر اس صورت میں نماز کا اعادہ لازم نہ ہوگا کہ جب نماز پوری کرنے کے بعد اس کو قبلہ کے رخ کا غلط ہونا ظاہر ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں یہ آیت (اپنے حکم میں) عام نہیں ہے بے شک یہ اس شخص کے بارے میں خاص ہے کہ جو قبلہ (کے رخ) سے ناواقف ہے اور اس کی سمت نہیں جانتا۔

(ہم کسی بھی) آیت کے سمجھنے میں سبب نزول کی اہمیت پر ایک اور مثال (پیش کرتے ہیں وہ) اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول (ہے)

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ (المائدة:۹۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر چکے اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔ اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) بے شک یہ آیت شراب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور تحقیق کے اس آیت کریمہ سے شراب پینے کی اباحت سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ بعض جاہلوں نے (یہ) سمجھ (بھی) لیا کہ وہ کہنے لگے کہ شراب مباح ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کرنے لگے۔ اگر وہ اس ایت کا سبب نزول جانتے ہوتے تو وہ (قرآن پر یہ) افتراء (پردازی) نہ کرتے۔ تحقیق کہ روایت میں آتا ہے کہ جب شراب کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اتری۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (المائدہ: ۹۰)

''(اے ایمان والو!) یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب یہ کہنے لگے کہ ''ان کا کیا ہوگا کہ جو اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے اور وہ مر گئے اور وہ (اس وقت شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے)

شراب (بھی) پیا کرتے تھے جبکہ یہ گندگی ہے؟ تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی اس نے یہ بات بیان کی کہ جس نے شراب (کو اس) کی حرمت سے پہلے پیا تو تحقیق کہ اللہ نے اس سے درگزر فرمایا اور اس پر کوئی گناہ اور جرم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے سے قبل از اسلام یا قبل از تحریم کی گئی (خطاؤں گناہوں وغیرہ کا) کوئی مواخذہ نہیں فرماتے۔ اس سبب نزول (کے جاننے) سے آیت (کا مفہوم اور اس کی مراد) سمجھ میں آ گئی۔ اور شراب کی حرمت کی نص قطعی (اپنی جگہ پر) باقی رہی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ آیتیں ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اس آیت کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے' یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ''سبب نزول'' یا ''شان نزول'' کہلاتا ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۷۲)

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں ''آئمہ مفسرین کی اصطلاح میں قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے ان واقعات کو ''اسباب نزول'' یا ''شان نزول'' کہا جاتا ہے کہ جو بعض آیتوں کے نزول کے وقت پیش آئے۔ اسی طرح اسباب نزول یا شان نزول میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں کہ جو کسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں۔

(۱) وہ آیات کہ جو اسباب نزول سے متعلق ہیں۔ اگر ان آیات کے اسباب نزول کا علم نہ ہو تو ان کی صحیح تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

(۲) وہ آیات جن کا اسباب نزول سے کچھ تعلق نہیں۔ قرآن کریم کا بیشتر حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جو نہ تو کسی واقعہ یا سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اور نہ ان میں کسی چیز کا حکم مذکور ہے۔ بلکہ یہ آیات مندرجہ ذیل مضامین سے تعلق رکھتی ہیں۔

(الف) ان میں سابقہ انبیاء اور سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا بیان ہے۔

(ب) گزشتہ زمانے کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

(ج) مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے۔

(د) قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

(ھ) عذاب و ثواب کا ذکر ہے۔ (احسن البیان بلفظہ جلد ۱ صفحہ ۸۰)

فوائد معرفة أسباب النزول

قد يظن بعض الناس أنه لا طائل تحت هذا الفن' وليس له أثر كبير لجريانه مجرى التاريخ

والقصص، فإن أسباب النزول– على زعمهم– ليست ضرورية لمن أراد تفسير كتاب الله، وهذا زعم خاطئ و قول مردود، لا يصدر من عالم بالكتاب، مطلع على أقوال المفسرين۔ وها نحن ننقل طرفا من آراء بعض العلماء، ثم نعقبها بذكر فوائد أسباب النزول۔

قال (الواحدى): لا يمكن معرفة تفسير الآية دون الوقوف على قصتها، وبيان نزولها.

وقال (ابن دقيق العيد): بيان سبب النزول طريق قوى فى فهم معانى القرآن.

وقال (ابن تيمية): معرفة سبب النزول يعين على فهم الآية، فإن العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب

وهكذا تظهر أهمية هذا الفن من علوم القرآن.

وأما فوائده فيمكن تلخيصها فيما يلى:

(الف) معرفة وجه الحكمة الباعثة على تشريع الحكم.

(ب) تخصيص الحكم بالسبب (عند من يرى ان العبرة بخصوص السبب)

(ج) دفع توهم الحصر، فيما ظاهره الحصر.

(د) معرفة اسم من نزلت فيه الآية، وتعيين المبهم فيها. إلى غير ما هنالك من فوائد أخرى جليلة.

لغات: لاطائل: تحت ہذا۔ الطائل: فائدہ اس معانی میں یہ ہمیشہ نفی کے بعد مذکور ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا محاورہ ہے یعنی ''اسکا کوئی فائدہ نہیں''۔ زعم: گمان، خیال، اعتقاد، دعویٰ، قول۔ طرف: ہر چیز کی حد، کنارہ۔ الباعث: سبب، وجہ، علت

ترجمہ: اسباب نزول کے جاننے کے فوائد

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ''بعض (ناسمجھ) لوگوں نے یہ (جھوٹا) گمان باندھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور تاریخ اور قصے ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی بڑا (اور خاص) اثر (علم تفسیر میں) نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والے کے لئے اسباب نزول (کا جاننا) ضروری نہیں ہے۔ (ان کا) یہ خیال (نہایت) غلط اور (ان کا یہ) قول (جمہور علماء کرام کی نگاہ میں) مردود ہے کہ جو کسی کتاب (اللہ) کے عالم اور مفسرین کے اقوال جاننے والے سے صادر نہیں ہوسکتا۔ ہم یہاں (اس مقام پر) چند علماء کرام کی کچھ آراء ذکر کرتے ہیں پھر اس کے بعد ہم اسباب نزول کے فوائد کے ذکر کو لاتے ہیں۔''

(علامہ) واحدی فرماتے ہیں ''کسی آیت کی تفسیر کا جاننا اس آیت کے (متعلقہ) قصے کو جانے بغیر اور اس کے نزول (کے سبب) کے بیان کے بغیر ممکن (ہی) نہیں

ابن دقیق العید کہتے ہیں۔ ''سبب نزول کا بیان قرآن کے معانی کو سمجھنے کا (نہایت) طاقتور طریقہ ہے۔''

ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ ''سبب نزول کا جاننا آیت کے مفہوم کو معیّن کرتا ہے کیونکہ سبب کا علم ''مسبب کا علم'' دیتا ہے۔''

اس (تفصیل) سے علوم قرآن میں اس فن کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

رہے اس فن کے فوائد تو ذیل میں ان کا یہ خلاصہ ہو سکتا ہے۔

(الف) اس حکمت کی وجہ جاننا کہ جو حکم کی تشریع کا باعث ہے۔

(ب) حکم کی سبب کے ساتھ تخصیص (ہونا اور یہ بات ان کے نزدیک ہے کہ جو خصوص میں سبب کا اعتبار کرتے ہیں)

(ج) ان آیتوں میں حصر کے وہم کو دور کرنا کہ جن کا ظاہر حصر (کے معنی) والا ہے۔

(د) اس شخص کے نام کا جاننا کہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے اور آیت میں مبہم کی تعین کرنا۔

ان کے علاوہ (اس فن کے) اور دوسرے عظیم فوائد بھی ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''بعض ایسے لوگوں نے جنہیں علم میں پختگی اور رسوخ حاصل نہیں ہے اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ''قرآن کریم خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لئے اسباب نزول کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے اور اسباب نزول کا علم تفسیر قرآن کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے فوائد بے شمار ہیں ان میں چند یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ اسباب نزول جاننے کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم کیوں اور کن حالات میں نازل فرمایا ہے۔

(۲) بسا اوقات سبب نزول کے جانے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر سبب نزول معلوم نہ ہو تو آدمی اس آیت کا بالکل غلط مطلب بھی سمجھ سکتا ہے۔

(۳) قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جن کا شان نزول کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو بسا اوقات (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں کہ جن سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔

(۴) قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی تھوڑے نہیں ہیں کہ جن میں کسی واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جب تک وہ واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ یہاں اسباب نزول کے تمام فوائد بیان کرنا مقصود نہیں۔ لیکن مذکورہ بالا فوائد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی۔ کہ قرآن کریم کی تفسیر میں اسباب نزول کی کیا اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے امام مہدی فرماتے ہیں۔ ''جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلقہ واقعہ معلوم نہ ہو۔ اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں۔''

لہٰذا جن لوگوں نے تفسیر قرآن کے معاملہ میں اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کیا ہے وہ یا تو ناواقف ہیں یا اسباب نزول

سے آزاد ہوکر قرآن کے مضامین کو اپنا من مانا مفہوم پہنانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۷۳-۷۹)
سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ''قرآن کریم کی تفسیر کے لئے اسباب نزول کا علم نہایت ضروری ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو بسا اوقات آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ قرآن کریم میں متعدد ایسے مقامات ہیں کہ جہاں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصراً اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جب تک وہ واقعہ پوری طرح سامنے نہ ہو تو ان آیات کا مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا اسباب نزول کی معرفت سے نہ صرف آیات کے صحیح معانی منکشف ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام اور الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ (احسن البیان جلد ا صفحہ ۸۰)

أمثلة على معرفة اسباب النزول

اولاً: أشكل على (مروان بن الحكم) معنى قوله تعالى: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ.﴾ (آل عمران: ١٨٨) الاية. فقال لخادمه: اذهب الى ابن عباس فقل له: (لئن كان كل امرىء فرح بما أوتي، وأحب أن يحمد بما لم يفعل معذبا لنعذبن أجمعون) فبين له (ابن عباس) رضي الله عنهما ما أزال عنه الإشكال وقال له: أن الأية نزلت في أهل الكتاب– اليهود– حين سألهم النبيّ عن شئ فكتموه إياه، وأخبروه بغيره، أروه أنهم أخبروه بما سألهم عنه، واستحمدوا بذلك إليه فنزلت الاية. (رواه الشيخان)

ثانياً: كما أشكل على (عروة بن الزبير) رضي الله عنه معنى قوله تعالى: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ.﴾ (البقرة: ١٥٨) الاية. فإن ظاهر الآية الكريمة يشير الى عدم وجوب السعي بين (الصفا و المروة) حتى قال (عروة بن الزبير) لخالته عائشة ام المومنين يا خالة: إن الله تعالى يقول: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَلَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا.﴾ (البقرة: ١٥٨) فأرى أنه لا بأس على الإنسان أن يترك السعي بينهما؟! فقالت له عائشة: بئس ما قلت يا ابن أختي، لو كان الأمر كما ذكرت لقال الله تعالى: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا . . . . ثم أخبرته بأن الناس في الجاهلية كانوا يسعون بين الصفا والمروة وكانوا يحجون في سعيهم (لصنمين) أحدهما: على الصفا يسمى (إسافا)، والثاني، على المروة ويسمى (نائلة) فلما دخل الناس في الإسلام تحرج بعض الصحابة من السعي بينهما خشية أن يلتبس الأمر بعبادة الجاهلية، فنزلت الآية الكريمة تدفع عنهم الإثم والحرج و توجب عليهم السعي لله تعالى لا للأصنام. فقد ردت عائشة على عروة فهمه و كان ذلك بسبب النزول.

ثالثاً: أشكل على بعض الأئمة معنى الشرط في قوله تعالى. ﴿وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾ (الطلاق: ٤) الآية حتى قال الظاهرية ان الآيسة: (التى انقطع دم الحيض عليها لكبر السن) لا عدة عليها إذا لم ترتب، وقد تبين خطأ فهمهم بسبب النزول، فإن الآية خطاب لمن لم يعلم ما حكمهن فى العدة؟ وارتاب هل عليهن عدة أم لا؟ فيكون معنى ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ أى إن أشكل عليكم حكمهن، وجهلتم كيف يعتدون فهذا هو حكمهن، وقد نزلت هذه الاية بعد أن قال بعض الصحابة: إن عدة بعض النساء لم تذكر في القرآن وهن (الصغيرات والآيسات)، فنزلت الآية الكريمة تبين حكم عدة كل منهن، والله أعلم

رابعاً: ومن أمثلة فوائد النزول فى دفع توهم الحصر ما روى عن الشافعى رحمه الله فى قوله تعالى: ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ.... ﴾ (الانعام: ١٤٥) الآية. فقد قال ما معناه: إن الكفار لما حرموا ما أحل الله، وأحلوا ما حرم الله، وكانوا على المضادة والمحادة فجاء ت الآية منا قضة لغرضهم فكأنه قال: لا حلال إلا ما حرمتموه، ولا حرام إلا ما أحللتموه، فلم يقصد حل ما وراءه وإنما القصد إثبات التحريم لا إثبات الحل، قال (إمام الحرمين): وهذا فى غاية الحسن ولولا سبق الشافعى إلى ذلك لما كنا نستجيز مخالفة مالك فى حصر المحرمات فيما ذكرته الآية.

توضيع لمعنى الآية الكريمة

وتوضيحاً لهذه الفكرة أقول: إن ظاهر الآية الكريمة يدل على حصر المحرمات فى هذه الأشياء المذكورة فى الآية الكريمة وليس الأمر كذلك، فإن هناك محرمات غير هذه، وإنما وردت الآية بصورة الحصر وليس معناها الحصر للرد على المشركين فى تحريمهم ما أحل الله و تحليلهم لما حرم الله.

لغات: اُشْكِلَ: مشکل اور پیچیدہ ہونا، الجھاؤ ہونا۔ مفازۃٌ: کامیابی، نجات۔ کَتَمَ: چھپانا، پوشیدہ رکھنا۔ أَرْأَى: خلافِ حقیقت دکھلانا۔ شعائر: شعیرہ کی جمع، وہ مذہبی رسم (اور علامتی کام کہ) جسے انجام دینے کا شریعت نے حکم دیا ہو۔ حج کی قربانی کے لیے بھیجا جانے والا جانور۔ تَحَرَّجَ: حرج سمجھنا، یا کسی کام میں تنگی اور پریشانی گردانتے ہوئے اسے سے بچنا۔

ترجمہ: اسباب نزول (کے فوائد) کے جاننے کی چند مثالیں

(ا) ''(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) مروان بن حکم کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر اشکال ہوا

﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ ------ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران: ١٨٨)

''تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کیے پر، سو مت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے

عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) مروان نے اپنے خادم سے کہا کہ (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھا کہ ''اگر ہر اس شخص کو عذاب ہوگا کہ جو اپنے کئے پر خوش ہو اور بن کئے پر تعریف کا خواہاں ہو تو (پھر تو) ہم سب کو ضرور (ہی) عذاب ہوگا۔'' پس (اس سوال پر) حضرت ابن عباسؓ نے اس کو (جواب میں) وہ بات ارشاد فرمائی کہ جس بات نے مروان کا اشکال دور کر دیا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کو جواب دیا کہ ''یہ آیت اہل کتاب (خاص طور پر) یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک شئے کے بارے میں پوچھا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات چھپا لی اور (وہ بات تو نہ بتائی کہ جو آپؐ نے پوچھی تھی بلکہ) اس کے علاوہ دوسری بات آپ ﷺ کو بتلا دی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاثر دیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی بات بتلائی ہے کہ جو آپؐ نے ان سے پوچھی ہے اور (پھر) اس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعریف کے بھی خواہاں ہوئے (کہ آپؐ ان کی ستائش فرمائیں) پس (ان کی اس دروغ بافی' کذب بیانی اور دھوکہ دہی پر) یہ آیت نازل ہوئی۔ (رواہ الشیخان)

ترجمہ: (۲) (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) جیسے عروہ بن زبیرؓ کو (بھی) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی پر اشکال ہوا (وہ ارشاد یہ ہے) ﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ.﴾ (البقرة: ١٥٨) ''بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ۔ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کوئی نیکی تو اللہ قدر دان ہے سب جاننے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) آیت کریمہ کا ظاہر صفا مروہ کے بیچ میں سعی کے عدم وجوب کی طرف اشارہ کرتا ہے حتیٰ کہ (جب ان کو یہ باب سمجھ میں نہ آئی تو آخر) انہوں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ (صدیقہؓ) سے (اس آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے) عرض کیا کہ اے میری خالہ! اللہ تعالیٰ (صفا مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں) فرماتے ہیں کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا.﴾ (البقرة: ١٥٨) (یعنی ''کچھ گناہ نہیں اس کو سعی کرے صفا مروہ کے بیچ میں) تو میرا خیال یہ ہے کہ کسی آدمی کو کوئی حرج نہیں (اس بات سے) کہ (وہ) صفا مروہ کی سعی ترک کر دے (اور باقی کا حج کر لے)'' تو (اس پر) حضرت عائشہؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھانجے تو نے (نہایت) غلط بات کہی! اگر بات یوں ہی ہوتی کہ جیسے تو کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ (''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا'' کی بجائے) ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا'' (یعنی ''صفا مروہ کی سعی نہ کرنے پر اس پر کوئی حرج نہیں'' اللہ تعالیٰ یہ) ارشاد فرماتا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے بات سمجھانے کے لئے اس آیت کا مطلب ارشاد فرماتے ہوئے) حضرت عروہ بن زبیرؓ کو یہ بتلایا کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کے درمیان سعی کیا کرتے تھے۔ اور وہ اپنی سعی میں دو بتوں کے لئے حج کیا کرتے تھے۔ ایک بت صفا پر تھا ان کا نام تھا ''اساف'' اور دوسرا

بت مروہ پر تھا اور اس کا نام تھا ''نائلہ'' پھر جب (اسلام کی دعوت آئی اور) لوگ (اسلام قبول کر کے) اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو بعض صحابہ کرامؓ نے اس ڈر سے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے میں حرج سمجھا کہ کہیں یہ (حج کا) معاملہ جاہلیت (کے زمانہ) کی عبادت کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے۔ تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے صحابہ کرامؓ سے (صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے پر) گناہ اور حرج کو دور کیا اور ان پر اللہ کے لئے سعی کرنے کو واجب کیا نا کہ بتوں کے لئے۔

''(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فہم (اور اس آیت کے بارے میں جو انہیں سمجھ میں آیا تھا اس) پہ رد کیا۔

اور ایسا (فقط) سبب نزول (کے نہ جاننے) کی وجہ سے تھا۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب اس واقعہ کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ ''یہاں بھی سبب نزول کے بغیر صحیح مطلب نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا فقط جائز ہے۔ فرض یا واجب نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔

اس لئے صحابہ کرامؓ کو شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے ان پہاروں کے درمیان سعی کرنا ناجائز نہ ہو گیا ہو۔ ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ (احسن البیان صفحہ ۸۳ جلد ۱)

علامہ عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں:

''سو جب یہ جگہ محل اجابت دعا قرار پائی۔ پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لئے جائے۔ تو اس عارضی وجہ سے کہ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت (جو دو مرد و عورت تھے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس عین طوائف میں زنا کا ارادہ کیا تھا جس سے ان کی صورت مسخ ہو گئی تھی) مشرکین نے رکھ لئے تھے اور اُن کے اردگرد طواف کرتے تھے' ان مقامات مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے اگر ان پہاڑیوں کے میدان میں اسی طرح سے کہ جس طرح ہاجرہ اجابت دعا کے لئے طواف کرتی پھر یں تھیں' کوئی طواف کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بلکہ اس کے لئے در اجابت مفتوح ہوتا ہے یہ نیک بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ اس کی قدر دانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدر دان اور واقف بھی۔ دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گزاری ان تک نہیں پہنچتی۔'' (تفسیر حقانیؒ جلد ۱ صفحہ ۷ التفسیر سورۃ بقرہ بلفظہ)

لغات: آئیسۃ: مایوس عورت' شرعاً وہ عورت جسے کبھی حیض نہ آیا ہو یا کبر سنی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو۔ اِرْتَـــابَ: شک و شبہ کرنا' شک میں پڑنا۔

(۳) (مولف کتاب تیسری مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

''بعض آئمہ (کرامؒ) کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں شرط کے معنی پر اشکال ہوا' (وہ آیت یہ ہے)

﴿وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ﴾ (الطلاق: ٤)

''اور جو عورتیں ناامید ہوگئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا۔ تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ جن لیں پیٹ کا بچہ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کردے وہ اس کے کام میں آسانی۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں حتیٰ کہ) اصحاب ظاہر نے یہ کہا کہ آئسہ (کہ جس کو کبرسنی کی وجہ سے حیض آنا بند ہوگیا ہو) کی کوئی عدت نہیں اگر تم کو شک نہ ہو۔ اور ان کی سمجھ کی خطا (اس آیت کے) سبب نزول (کے جاننے) کی وجہ سے ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اس آیت کا خطاب ان لوگوں سے ہے کہ جن کو آئسہ عورتوں کی عدت کا حکم معلوم نہیں۔ اور انہیں شک پڑ گیا کہ آیا ان پر کوئی عدت ہے (بھی) سہی کہ نہیں؟ پس (آیت کریمہ کے لفظ) ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہیں آئسہ عورتوں (کی عدت) کے حکم پر اشکال ہے اور تمہیں نہیں معلوم کہ وہ (اپنی) عدت کیسے پوری کریں تو یہ (رہا اس) آیت (میں) ان (کی عدت) کا حکم۔ پس یہ آیت بعض صحابہ کرامؓ کے اس کہنے کے بعد نازل ہوئی (کہ انہوں نے کہا) ''بعض عورتوں کی عدت (کے حکم) کا قرآن میں (کوئی) ذکر نہیں وہ عورتیں نابالغ اور آئسہ ہیں۔'' پس یہ آیت نازل ہوئی کہ جو ان میں سے ہر ایک عورت کا حکم بیان کررہی ہے۔ واللہ اعلم

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس مسئلہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

اس آیت میں یہ الفاظ کہ ''اگر تم کو شک ہو'' ان کا بظاہر کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا' یہاں تک کہ بعض اہل ظاہر نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر سن رسیدہ عورت کو جس کا حیض بند ہوچکا ہو' حمل کے بارے میں کوئی شک نہ ہو تو اس پر کوئی عدت واجب نہیں ہے۔'' ❶

لیکن سبب نزول ان الفاظ کی وجہ بتاتا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ نساء میں عورتوں کی عدت بیان کی گئی تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! کچھ عورتیں ایسی ہیں کہ جن کی عدت قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئی۔ ایک تو چھوٹی بچیاں کہ جنہیں حیض نہیں آتا دوسرے وہ سن رسیدہ عورتیں کہ جنہیں حیض آنا بند ہوگیا ہو۔ اور تیسرے حاملہ عورتیں'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں تینوں قسموں کا حکم بیان کردیا گیا۔'' ❷ (علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۷۷-۷۸)

لغات: المضادّةُ: مخالفت کرنا' مقابل بننا' ایک دوسرے کی ضد بنانا' دوسرے سے ضد کرنا۔ المحادّةُ: دشمنی کرنا۔

---

❶ الاتقان صفحہ ۳۰ جلد ۱۔

❷ ابن کثیر صفحہ ۳۸۱ جلد ۴۔

منقاضة: مخالفت۔ نستجیز: اجازت چاہنا' جائز سمجھنا۔ الفکرۃ: سوچ' خیال' رائے' خاص رائے۔

ترجمہ: (۴) (مولف کتاب چوتھی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

''نزول کے (اسباب جاننے کے) فوائد کی مثالوں میں سے (ایک اس) حصر کے وہم کو دور کرنا ہے کہ جو امام شافعیؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں مروی ہے۔ (وہ آیت یہ ہے)''

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾

(الانعام: ۱٤٥)

''تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ کہ جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) امام شافعیؒ نے جو (اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے) فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''کفار نے جب اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کر لیا اور ایسا انہوں نے ضد اور دشمنی پر ہوتے ہوئے کیا۔ تو یہ آیت ان کی (اس نفسانی) خواہش کو توڑنے (اور ان کی مخالفت کرنے) کے لئے نازل ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے (ان کی ضد میں یوں) فرمایا وہی حلال ہے جیسے تم حرام کرتے ہو اور وہی حرام ہے جسے تم حلال کرتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ چیزوں کی حلت (کے بیان کرنے) کا ارادہ نہیں کیا۔ بے شک (اللہ کی) مراد تحریم کا ثابت کرنا تھا نہ کہ حلت کا ثابت کرنا۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی اس نہایت لطیف توجیہہ پر) امام الحرمین فرماتے ہیں۔ ''یہ نہایت عمدہ بات ہے اگر امام شافعیؒ اس مطلب کی طرف نہ گئے ہوتے تو ہم آیت میں مذکورہ محرمات کے حصر میں امام مالکؒ کی مخالفت کو جائز نہ سمجھتے۔''

اس آیت کریمہ کے معنی کی توضیح

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے میں یہ کہتا ہوں کہ آیت کریمہ کا ظاہر اس آیت کریمہ میں مذکورہ اشیاء میں محرمات کے حصر پر دلالت کرتا ہے جبکہ بات یہ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ بھی محرمات ہیں۔ بے شک یہ آیت حصر (کے معنی) کی صورت میں نازل ہوئی جبکہ اس آیت کا معنی حصر نہیں۔ (تو یہ حصر کی صورت فقط) مشرکین کے اللہ کی حلال کردہ اشیاء کے حرام کرنے اور حرام کردہ کو حلال کرنے پر رد کے لئے (نازل ہوئی)

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں ''علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس آیت کی تشریح میں حسب ذیل صراحت کی۔ '' کافروں نے جب اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور حرام کردہ کو حلال قرار دیا تو اس کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا اللہ نے اس طرح فرمایا ''جن چوپایوں (بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حام وغیرہ) کو تم نے حرام قرار دے رکھا ہے وہ تو حلال ہی ہیں اور جن چیزوں (مردار' بہتا ہوا خون' خنزیر کا گوشت وغیرہ) کو تم نے حلال قرار دے رکھا ہے وہ حرام ہی ہیں۔ اگر کوئی کسی سے کہے آج تم مٹھائی نہ کھاؤ۔ اور وہ جواب میں کہے میں تو آج مٹھائی ہی کھاؤں گا اور کچھ نہیں کھاؤں گا تو یہ حکم دینے والے کے حکم کی ضد کا اظہار ہوگا۔ یہ آیت بھی اسی ذیل میں داخل ہے اس میں بھی کافروں کی خودساختہ تحلیل وتحریم کی ضد کا اظہار مقصود ہے حقیقی (منطقی) نفی واثبات مقصود نہیں ہے۔ امام الحرمین نے اس تاویل کو پسند کیا۔ اور لکھا ہے یہ بہت اچھا مطلب ہے۔ (تفسیر مظہری جلد۴ صفحہ ۱۵۹۔ حاشیہ نمبر۱)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''(کہ اس آیت میں اب) دوسرے طریق سے مشرکین کے قول کا رد کرنا ہے کہ جو انہوں نے دائرہ معیشت تنگ کرنے کے لئے بہت سی چیزوں کو از خود حرام کر رکھا تھا۔ اور جس میں وہ اپنے معبودوں کی خوشنودی سمجھتے تھے۔ وہ یہ کہ حرام کرنا کسی چیز کا خدا تعالیٰ کا کام ہے جو بندوں کی مصلحت پر نظر کر کے بذریعہ وحی اس کے حرام ہونے کی نبیؐ کی معرفت خبر دیتا ہے اس لئے یہاں نبی کو فرماتا ہے کہ کہہ دو ان سے کہ جو کچھ مجھ پر وحی کیا گیا یعنی قرآن اس میں تو میں کھانے کی چیزوں میں بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی حرام نہیں پاتا۔ اول میتہ دوم دم مسفوح سوم لحم خنزیر چہارم فسق یعنی وہ قربانیاں جو بتوں کے نام پر ذبح کی جائیں۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ میں سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔ اس میں موقوذۂ متردیہ' نطیحہ کی حرمت آ گئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ''عموم'' کھانے کی چیزوں کی نسبت ہے تو اس کے بعد جو کچھ کتاب وسنت سے حرام ہو وہ بھی اس میں داخل ہے۔'' (تفسیر حقانی ملخصاً جلد۲ صفحہ ۳۶۸)

''اس کے بعد علامہ عبدالحق حقانیؒ نے اس آیت میں پائے جانے حصر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حرام اشیاء کی تعداد ان کی تفصیل اور اس حصر کا مطلب نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (نسیم)

خامساً: ومن أمثلة فوائد سبب النزول أن نعرف اسم من نزلت فيه ليزول اللبس والإبهام فقد زعم (مروان) أن قوله تعالى: ﴿ وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا...... ﴾ (الاحقاف: ۱۷) الآية أنها نزلت في (عبدالرحمن بن أبى بكر) فردت عليه عائشة رضى الله عنها هذا الزعم الباطل و بينت له سبب نزولها' و تفصيل القصة على ما ذكرها البخارى هى:

ان مروان كان عاملاً على المدينة' فأراد (معاوية) أن يستخلف (يزيد) فكتب الى مروان بذلك'

فجمع مروان الناس فخطبهم' فزكر يزيد و دعا الى بيعته' و قال: إن أمير المؤمنين أراه الله في يزيد رأيا حسنا' وَإن يستخلفه فقد استخلف أبوبكر وعمر' فقال عبدالرحمن' ما هي إلا هرَ قليّةٌ (يعني انها استبداد للملك كعمل ملوك الروم) فقال مروان: سنة أبي بكر و عمر' فقال عبدالرحمن: (هر قليّةٌ) إن أبا بكر والله ما جعلها في احدٍ من ولده ولا في اهل بيته وما جعلها معاوية إلا كرامة لولده' فقال مروان: خذوه فدخل بيت عائشة فلم يقدروا عليه' فقال مروان: إن هذا الذى أنزل الله فيه. ﴿ وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا اَتَعِدَانِنِىٓ اَنْ اُخْرَجَ .... اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (الاحقاف: ١٧) الآية فقالت عائشة من وراء الحجاب: ما أنزل الله فينا شيئا من القرآن' الا ان الله انزل عذرى (براءتی) ولو شئت أن أسمي من نزلت فيه لسميته.

لغات: لبس: شبہ' اشتباہ' عدم وضوح' الجھاؤ۔ اشکال۔ ''ابہام'' پوشیدگی' پیچیدگی' اغلاق۔ استخلف: جانشین بنانا' قائم مقام بنانا۔ هر قليّةٌ: هِرَقْل یا هِرْقِل رومی بادشاہ کا نام ہے مراد ہے قیصریت

ترجمہ: (۵) مولف کتاب پانچویں مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''سبب نزول کے فوائد (جاننے) کی مثالوں میں سے (ایک بات) یہ (بھی ہے) کہ ہم اس شخص کا نام جان لیں کہ جس کے بارے میں (مذکورہ) آیت نازل ہوئی ہے تا کہ ابہام (الجھاؤ) اور التباس (یعنی مشتبہ ہونا) جاتا رہے۔ چنانچہ (اسی طرح) مروان یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿ وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا .... ﴾ (الاحقاف: ۱۷) ''اور جس شخص نے کہا اپنے والدین سے میں بیزار ہوں تم سے۔'' (تفسیر عثمانی)

عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ تو (اس پر) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رد کیا (اور یہ کہا کہ) یہ جھوٹا گمان ہے اور (پھر) مروان کو اس آیت کا سبب نزول بیان کیا۔'' (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) امام بخاریؒ نے جو بیان کیا ہے اس کے مطابق قصہ کی تفصیل یوں ہے:

''مروان مدینہ کا عامل (یعنی گورنر) تھا۔ پس (اس دوران) حضرت معاویہؓ نے (اپنے بیٹے) یزید کو اپنا خلیفہ بنانا چاہا' انہوں نے مروان کو (اپنا) یہ (ارادہ) لکھ بھیجا۔ چنانچہ مروان نے لوگوں کو جمع کیا اور ان میں تقریر کی۔ اور (اس میں) یزید کا ذکر کیا اور لوگوں کو اس کی بیعت کی دعوت دی اور کہا ''اللہ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں اچھی رائے سجھائی ہے۔ (لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا خلیفہ بنانے کا سوچا ہے) اور اگر وہ (ایسے کرتے ہیں اور) یزید کو اپنا (مرنے کے بعد عہدۂ خلافت کا اہل قرار دیتے ہوئے) خلیفہ بناتے ہیں تو (یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی یہ ہو چکا ہے کہ) ابو بکرؓ نے عمرؓ کو (اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد) اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ تو (اس پر) حضرت عبدالرحمٰن (بن ابوبکر) یہ کہنے لگے کہ ''یہ تو نری قیصریت (یعنی رومی بادشاہوں کی نقل) ہے

(مولف کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں کہ "یہ رومی بادشاہوں کے عمل کی طرح بادشاہ کا استبداد (یعنی بے جاز ور وز بردستی ہے) تو (اس پر) مروان نے (غصہ سے) کہا کہ (خلیفہ کا یہ ارادہ) ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت ہے (نا کہ رومی بادشاہوں کی نقالی لیکن) حضرت عبدالرحمٰن نے (بھی تکرار کرتے ہوئے جواب دیتے ہوئے) فرمایا "(نہیں یہ تو) قیصریت (ہے) خدا کی قسم (حضرت) ابوبکرؓ نے (اس) خلافت کو اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں میں نہ رکھا۔ اور (حضرت) معاویہؓ نے تو (اس) خلافت کو اپنے بیٹے کی عزت (بڑھانے) کے لئے ہی رکھا۔ تو (اس پر) مروان نے (غصہ میں آ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے) کہا کہ اس کو پکڑلو (یعنی گرفتار کرلو) پس (حضرت) عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر (ان سپاہیوں کی گرفت سے بچنے کے لئے) حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ تو وہ (سرکاری ہرکارے) ان کو نہ پکڑ سکے۔ تو (اس پر) مروان نے یہ کہا کہ "یہ وہی شخص ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (آیت) نازل کی۔"

﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدَانِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ .... اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (الاحقاف: ١٧)

"اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں۔ بہت جماعتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں۔ اللہ سے۔ اے خرابی تیری تو ایمان لے آ۔ بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی۔" (تفسیر عثمانی)

(آگے روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ)

"پس حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے ارشاد فرمایا "اللہ نے ہمارے بارے میں کوئی بات قرآن میں نازل نہیں فرمائی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا عذر (یعنی میری براءت) نازل فرمائی اگر میں اس شخص کا نام بتانا چاہوں کہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو میں بتلا سکتی ہوں۔" ❶

توضیح

علامہ عبدالحقؒ لکھتے ہیں "مروان کو معاویہؓ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ نے یہ دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو خلفاء راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں ﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ ﴾ نازل ہوئی۔ مگر عائشہ صدیقہؓ نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو اس اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔" (تفسیر حقانی بلفظہ جلد ۴ صفحہ ۱۱ تفسیر سورۂ احقاف)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں "اور دوسری آیت ﴿ وَالَّذِيْ قَالَ بوالدیہ الی آخرہ ﴾ کو جو مروان

❶ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی شان میں بتلایا ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے اس کی تکذیب منقول ہے۔ مروان نے محض عداوت سے کہہ دیا تھا۔'' (بیان القرآن بلفظہ جلد ۱۱ صفحہ ۸)

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ کے حق میں ہوا۔ بعض روایات میں عبداللہ کی جگہ عبدالرحمٰن کا نام آ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو جب ان کے والدین نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے عبداللہ بن جدعان کو، عامر بن کعب کو اور مشائخ قریش کو زندہ کر دو ان سے میں آپ کی بات کے متعلق پوچھوں گا۔ (کہ یہ صحیح ہے یا غلط)

میں کہتا ہوں کہ آیت مذکورہ کا عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہونے کا خیال مروان کے قول سے پیدا ہوا۔ اور آپ نے سن لیا کہ مروان کا قول محض دشمنی کی بنا پر تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کی اور ایک شخص کا نام لے کر فرمایا یہ آیت فلاں شخص کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو مروان کے قول کی تردید اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حق میں نزول آیت کا انکار کیا ہے' یہ روایت زیادہ صحیح الاسناد اور قابل قبول ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ ایک کافر کے لئے نازل ہوئی (کہ جو) باپ کا نافرمان تھا۔ حسن اور قتادہ کا یہی قول ہے۔'' (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''مروان نے جو اس آیت کا مصداق حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے کسی خطبے میں کہا تھا اس کی تکذیب صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے صحیح بات یہی ہے کہ مفہوم آیت کا عام ہے کسی صحیح روایت میں کسی فرد کا مصداق آیت ہونا منقول نہیں۔'' (معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۸۰۹)

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ لکھتے ہیں ''حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''یہ ہر اس کافر کا ذکر ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہو۔ جو اس کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوں اور وہ ماں باپ کی بات کو ٹھکرا رہا ہو اور مسلسل انکار قیامت کرتا رہے اور کسی طرح کفر سے باز نہ آئے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس آیت کا مصداق کسی معین شخص کو (ہی) قرار دیا جائے۔'' (معارف القرآن لمولانا کاندھلویؒ جلد ۷ صفحہ ۳۸۰-۳۸۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ اسباب نزول کے جاننے کا ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے کہ اس آدمی کا نام معلوم ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی ہو کہ اس سے ہر قسم کا ابہام بھی اور اتہام بھی دور ہو جاتا ہے وگرنہ آدمی گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔ (نسیم) واللہ اعلم

ما هو سبب النزول

قد تحصّل واقعة، او تحدث حادثة، فتنزل آية او آيات كريمة فى شأن تلك الواقعة او الحادثة، فهذا هو ما يسمى به. (سبب النزول)...... وقد يعرض سؤال على النبى ﷺ بقصد معرفة الحكم الشرعى فيه، أو الاستفسار عن أمر من امور الدين، فتنزل بعض الآيات الكريمة فهذا ايضا ما يسمى به. (سبب النزول)

مثال الحادثة ما رواه البخارى عن (خبّاب بن الأرت) رضى الله عنه قال: كنت قينا (أى حدادا) وكان لى على (العاص بن وائل) دين، فجئت أتقاضاه دينى، فقال لى: لا أعطيك دينك حتى تكفر بمحمد وتعبد اللات والعزى، فقلت: لا أكفر حتى يميتك الله ثم يبعثك، فقال: إنى إذا لميت ثم مبعوث، فانتظرنى إلى ذلك اليوم فسأوتى مالا، وولدا فأوفيك دينك، فأنزل الله عزوجل فيه قوله: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ○ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ○ وَنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا﴾ (مريم: ٧٧- ٨٠) ومثال السؤال ما روى عن (معاذ بن جبل) رضى الله عنه أنه قال: يا رسول الله، ان اليهود تغشانا، ويكثرون مسألتنا عن الأهلة، فما بال الهلال يبدو دقيقا ثم يزيد حتى يستوى و يستدير ثم ينتقص حتى يعود كما كان؟ فأنزل الله ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ......﴾ (البقرة: ١٨٩) الاية.

لغات: تَحَصَّلَ: حاصل ہونا، نتیجہ نکلنا۔ تَحَدَّثَ: وجود میں آنا۔ اِسْتِفْسَارٌ: کسی چیز کی وضاحت چاہنا۔ قَيْنٌ: لوہار۔ تَقَاضَا: کسی سے اپنا دیا ہوا قرض مانگنا یا کوئی واجب الاداشی طلب کرنا۔ الات: بنوثقیف کا زمانہ جاہلیت میں طائف میں ایک بت تھا کہ جس کی عبادت کرتے تھے یا مقام نخلہ میں قریش کا ایک بت تھا۔ العزیٰ: عرب کے قبیلہ بنوکنانہ اور قریش کے بت کا نام یا بنوغطفان کے ببول کے ایک درخت کا نام تھا جس کے پاس وہ ایک گھر بنا کر اس کی عبادت کرنے لگے تھے۔ حضورؐ نے وہاں حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا انہوں نے اس گھر کو منہدم کر دیا اور وہ ببول کا درخت جلا ڈالا تھا۔ نَمُدُّ: کھینچنا، پھیلانا، بڑھانا۔ فرد: اکیلا۔ تَغَشّٰی: ڈھانک لینا، غالب آنا۔ الھلال: ابتدائی چاند، پہلی سے لیکر ساتویں شب تک کا چاند۔ یستوی: مکمل ہونا۔ یستدیر: گول ہونا۔ روشن ہونا۔ مواقیت: میقات کی جمع، کسی کام کا مقررہ وقت اور حج کے احرام باندھنے کے لیے مقررہ مقامات۔

ترجمہ: کیا بات سبب نزول ہوتی ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''کوئی واقعہ ہو جاتا ہے یا کوئی حادثہ ہو جاتا ہے چنانچہ اس واقعہ (یا حادثہ) کے بارے میں (ایک) آیت یا کئی آیات کریمہ نازل ہوتیں ہیں۔ تو اس واقعہ (یا حادثہ) کا نام ''سبب نزول'' رکھا جاتا ہے اور کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی چیز کے بارے میں) حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے یا امور دین میں سے کسی امر کے بارے میں پوچھنے کے لئے سوال کیا جاتا (تھا) چنانچہ (اس سوال کے جواب میں) بعض آیات کریمہ نازل ہو جاتیں تو اس کو بھی ''سبب نزول'' کہتے ہیں۔''

کسی حادثہ (کے بارے میں نازل ہونے والی آیات) کی مثال وہ ہے کہ جو بخاریؒ نے حضرت خباب بن الارتؓ کے بارے میں روایت کی ہے ''حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا۔ اور میرا عاص بن وائل کے ذمہ قرض تھا چنانچہ میں اس کے پاس اس سے (اپنا) قرض مانگنے گیا۔ تو وہ (بدبخت) کہنے لگا کہ میں تمہیں تیرا قرض واپس نہ کروں گا حتیٰ کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان کی دعوت) کا انکار کر دے اور لات اور عزیٰ کو پوجنے لگے۔ تو میں نے جواب دیا کہ ''میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا) انکار نہ کروں گا حتیٰ کہ اللہ تمہیں موت دے دے اور تمہیں پھر (زندہ کر دے اور) اٹھائے (یعنی میں قیامت تک ایمان پر قائم رہوں گا) تو (اس پر وہ بدبخت) کہنے لگا (لو) تو پھر تو میں مروں گا (ہی) اور پھر (دوبارہ) اٹھایا (ہی) جاؤں گا۔ پس تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے دے۔ پھر میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا تو میں (اس دن) تیرا قرض تجھے ادا کر دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے عاص بن وائل کے بارے میں اپنا (یہ قول) اتارا۔

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا﴾ (مریم: ۷۷ - ۸۰)

''بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمٰن سے عہد، یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لنبا۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''سوال (کرنے اور پھر اس پر آیت کے نازل ہونے) کی مثال وہ ہے کہ جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ یہود ہم پر غالب آتے ہیں اور چاند کے بارے میں ہم سے بہت سوال کرتے ہیں۔ یہ چاند کا معاملہ کیا ہے کہ (بالکل) باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ بالکل بھر جاتا ہے اور گول ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ تھا تو (اس پر اس سوال کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ.﴾ (البقرۃ: ۱۸۹) ''تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا، کہہ دے یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معاذ بن جبل انصاری اور ثعلبہ بن غنم انصاریؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے ہلال اول تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد باریک ہونا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اول میں تھا۔ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔'' یہ روایت علامہ بغویؒ نے نقل کی ہے۔'' (تفسیر مظہری جلد اصفحہ ۲۵۹)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلالوں کے متعلق سوال کیا کہ اس میں کیا بِرّ ہے؟ کہ اول راتوں میں چاند باریک خم دار ہوتا ہے (بعد میں) پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے آخر وہی باریک خم دار رہ جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ علم ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان ان پڑھ لوگوں میں لیاقت نہ تھی۔ مفت الجھن میں پڑ جاتے اس لئے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا گیا۔ (تفسیر حقانی جلد اصفحہ ۴۷ تفسیر سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹)

گزشتہ صفحات میں سبب نزول کی اصطلاحی تعریف اور اس کے فوائد اور اس سے انکار کرنے والوں کی غرض فاسد کو بیان کر دیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (نسیم)

کیف یعرف سبب النزول؟

يظهر مما سبق أن أسباب النزول لا يمكن أن تدرك بالرأى، ولا بد فيها من الرواية الصحيحة والسماع، ممن شاهدوا التنزيل، او وقفوا على الاسباب و بحثوا فيها من الصحابة والتابعين وغيرهم ممن اكتسبوا علومهم على أيدى العلماء الموثوقين...... وقد قال (ابن سيرين) سألت (عبيدة) عن آية من القرآن فقال: اتق الله وقل سدادا. ذهب الذين يعلمون فيما أنزل الله من القرآن. ويعتمد فى معرفة سبب النزول على (النقل الصحيح) فإذا صرح الراوى بلفظ السبب فهو نص صريح فيه كقول الرواى: سبب نزول هذه الآية كذا و كذا......

وكذلك إذا أتى بفاء تعقيبية داخلة على مادة النزول كقوله (حدث كذا...... او سئل النبى عليه السلام عن كذا فنزلت) فهو نص صريح فى سبب النزول أيضا......

وقد لا تكون الصيغة نصا فى السبب كقولهم (نزلت هذه الآية فى كذا...... فقد يراد منه سبب

النزول' وقد یراد ما تضمنته الآیة من احکام' فیکون مثل قوله: عنی بهذه الآیة کذا...... قال (الزر کشی) فی البرهان: قد عرف من عادة الصحابة و التابعین أن أحدهم إذا قال: نزلت هذه الآیة فی کذا...... فإنه یرید بذلك أن هذه الآیة تتضمن هذا الحکم' لا أن هذا کان السبب فی نزولها. وقال (ابن تیمیة): قولهم: (نزلت هذه الآیة فی کذا یراد بـه تارة سبب النزول' ویراد به تارة أن ذلك داخل فی الآیة وإن لم یکن السبب فیه)

لغات: تـدرك: پالینا مضمون یا معنی کو سمجھ لینا۔ بـحثوا: تلاش و جستجو کرنا۔ اکتسبوا: حاصل کرنا۔ سَدَادٌ: راست، صحیح، درست

ترجمہ: سبب نزول کو جاننے کا طریقہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''گزشتہ (سطور) سے یہ بات ظاہر (اور ثابت) ہوگئی کہ (محض) رائے (اور اٹکل) کے ذریعے سبب نزول کو جاننا ممکن نہیں۔ سبب نزول کے بارے میں ایسے لوگوں سے صحیح روایت یا سماع کا ہونا ضروری ہے کہ جنہوں نے (خود) قرآن (کو اترنے) کا مشاہدہ کیا ہو یا وہ اسباب نزول سے واقف ہوں۔ اور انہوں نے اسباب نزول کو صحابہ کرام اور ان تابعین کرام سے بحث (ومباحثہ کر کے سیکھا ہو اور حاصل) کیا ہو کہ جنہوں نے اپنا علم معتبر علماء کرام سے سیکھا ہو (اور ان کے علوم سے فیض حاصل کیا ہو اور تحقیق کہ) علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے عبیدہ سے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا ''اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ وہ لوگ (دنیا سے) چلے گئے کہ جو ان باتوں کو جانتے تھے کہ جن کے بارے میں اللہ نے قرآن نازل کیا (یعنی وہ اسباب نزول جانتے تھے)۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) سبب نزول کی معرفت میں نقل صحیح پر اعتماد کیا جائے گا۔ پس جب راوی لفظ ''سبب'' کو ذکر کر دے تو یہ سبب نزول میں نص صریح ہے جیسا کہ راوی کا (یوں) کہنا کہ ''اس آیت کا سبب نزول یہ بات ہے۔''

اسی طرح جب وہ ''نزول'' کے مادہ پر ''فاء'' تعقیبیه کو داخل کر کے لائے جیسے یوں کہے ''یہ یہ واقع ہوا۔ یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ یہ بات پوچھی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔'' (کہ اس جملہ کو کہنے کے لئے وہ ''فا'' تعقیبیه کے ساتھ یوں کہے ''فنزلت'') تو یہ بھی سبب نزول کے بارے میں نص صریح ہے۔

اور کبھی (نزول کے مادہ کا) صیغہ سبب نزول کے بارے میں نص نہیں ہوتا جیسا کہ راویوں کا یوں کہنا ''یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔'' کبھی تو اس (جملہ) سے سبب نزول مراد ہوتا ہے اور کبھی وہ حکم مراد ہوتا ہے کہ آیت جس کو شامل ہوتی ہے۔ پس یہ (جملہ) راوی کے اس قول کی مثل ہوگا۔ ''اس آیت سے یہ مراد ہے۔'' علامہ زرکشیؒ ''برہان'' میں فرماتے ہیں۔ ''صحابہ

کرام اور تابعین عظام کی عادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ان میں سے کوئی یہ کہے "یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔" تو وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ یہ آیت اس حکم کو متضمن ہے نا کہ یہ بات اس آیت کا سبب نزول ہے۔ (علامہ) ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ (صحابہ وتابعین کا) قول "یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی" کبھی تو اس سے سبب نزول سے مراد ہوتا ہے اور کبھی (یہ مراد ہوتا ہے کہ) یہ بات اس آیت میں داخل ہے اگر چہ یہ سبب نزول نہیں ہے۔

توضیح

اسباب نزول کو کیسے معلوم کیا جائے؟ اس میں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ یہ کوئی عقلی یا منطقی علم نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق فقط روایات صحابہ اور سماع سے ہے۔ مولف کی عبارت سے اسباب نزول کے بارے میں مندرجہ ذیل اصول سامنے آتے ہیں۔

(۱) اسباب نزول کے بارے میں صحابہ کرامؓ یا تابعین عظام کی کہ جنہوں نے معتبر علماء اور صحابہ کرام سے خاص طور پر اسباب نزول کا علم سیکھا ہو ان کی روایت ہو۔

(۲) پھر ان روایات میں سے بھی جو سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہو وہ معتبر ہوگی۔

(۳) اگر راوی صراحۃً یہ کہہ دے کہ "یہ سبب نزول" ہے تو وہ واقعہ یا حادثہ یا سوال سبب نزول ہوگا۔

(۴) اگر مادۂ "نزول" (اس کے صیغوں پر) "فا" "تعقیبیہ" داخل ہو تو وہ بھی سبب نزول ہوگا۔ مثلاً راوی کا یہ کہا "حدث کذا اوسئل النبی علیه السلام عن کذا فنزلت.........." (نسیم)

(۵) صحابہؓ اور تابعینؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ استعمال فرماتے ہیں "نزلت الایۃ فی کذا" (یہ آیت فلاں مسئلہ یا معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی" ان الفاظ سے بظاہر یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ آیت کا سبب نزول بیان فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ان الفاظ سے ان کا مقصود ہمیشہ سبب نزول بیان کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا فلاں آیت کے حکم کے تحت داخل ہے۔ (یہ نمبر بلفظہ علوم القرآن صفحہ ۸۶-۸۷ سے لیا گیا ہے بحوالہ ابن تیمیہ: مقدمۃ فی اصول التفسیر ص۹ المکتبۃ العلمیہ لاہور ۱۳۸۸)"

تو اس صورت میں یہ جملہ "نزلت هذه الایة فی کذا" معنی کے اعتبار سے "عنی بهذا الایة کذا" کی طرح ہوگا۔ کہ جیسا اس دوسرے جملہ سے سبب نزول پر دلالت نہیں ہوتی اس طرح پہلے جملے سے بھی سبب نزول پر دلالت نہیں ہوتی۔ (نسیم)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اسباب نزول کے بارے میں نہایت لطیف بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔"

تفسیر کی کتابوں میں بسا اوقات ایک ایک آیت کے تحت دسیوں روایات لکھی ہوتی ہیں۔

یہ تمام روایات اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں بلکہ اس میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہوتی ہیں۔

(۱) بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابیؓ نے وہ آیت بطور دلیل کے پیش کردی مفسرین وہ واقعہ ادنیٰ مناسب سے اس آیت کے تحت ذکر کردیتے ہیں۔

(۲) بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقعہ پر اس آیت سے استشہاد فرمایا مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کردیتے ہیں۔

(۳) جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے بعض مرتبہ وہی بات آپؐ نے کسی حدیث میں بھی ارشاد فرمادی تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت روایت کردی جاتی ہے۔

(۴) بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ (یہ) آیت کس مقام پر نازل ہوئی۔ یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہوجاتی ہے۔

(۵) بعض مرتبہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر کرتا ہے اور ان کا نام نہیں ذکر کرتا ہے۔ مفسرین روایتوں کے ذریعے اس کا نام متعین کردیتے ہیں۔

(۶) بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتیں ہیں۔

(۷) بعض احادیث اور آیتوں میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر ذکر کردیتے ہیں۔

(۸) بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں اور نہ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے واقف ہو۔ البتہ جو روایات واقعۃ آیت کا سبب نزول ہوں ان کا جاننا مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے اور اس کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں (علوم القرآن بلفظ صفحہ ۸۰-۸۱)

هل يتعدد سبب النزول؟

كثيراً ما يذكر المفسرون لنزول الآية أسباباً متعددة، والمعتمد فى مثل هذه الحالة أن ننظر الى العبارة التى قالوها، ونستطيع، ان نستخلص ما يلى:

أولاً: أن يعبر كل منهما بقوله (نزلت هذه الآية فى كذا......) ويذكر أمراً آخر غير الذى ذكره الاول، فيحمل على انه استنباط للحكم، وتفسير لمعنى الآية، فلا منافاة بينهما كما مر لأنه ليس بسبب للنزول.

ثانیاً: أن یعبر احدهما بقوله (نزلت الآیة فی کذا......) ویصرح الآخر بذکر سبب النزول فالمعتمد هنا (التصریح) مثاله ما رواه فی البخاری عن (ابن عمر) رضی الله عنه قال: أنزلت ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ......﴾ (البقرة: ۲۲۳) الآیة فی إتیان النساء فی أدبار هن' وروی مسلم فی صحیحه عن (جابر) رضی الله عنه قال: کانت الیهود تقول: من أتی امرأته من دبرها فی قلبها جاء الولد أحول فأنزل الله ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ......﴾ الایة فالمعتمد هنا الثانی وهو حدیث جابر لأنه نص فی السبب فهو نقل' وقول ابن عمر لیس بنص فیحمل علی انه استنباط للحکم و تفسیر له.

ثالثاً: أن یذکر کل واحد سبباً صریحاً للنزول غیر الآخر فیعتمد هنا الصحیح دون الضعیف.

مثاله: ما أخرجه الشیخان عن جندب قال: اشتکی النبیؐ فلم یقم لیلة او لیلتین' فأتته امرأة فقالت: یا محمد' ما أری شیطانك إلا قد ترکك فأنزل الله ﴿وَالضُّحٰى ٥ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى٥ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى٥﴾ (الضحی: ۱-۳)

وأخرج (الطبرانی): أن جروا دخل بیت النبیؐ فدخل تحت السریر فمات' فمکث النبی أربعة أیام لا ینزل علیه الوحی' فقال: یا خولة ما حدث فی بیت رسوله اللهؐ جبریل لا یأتینی؟ فقلت فی نفسی: لو هیأت البیت و کنسته' فأهویت بالمکنسة تحت السریر فأخرجت الجرو' فجاء النبی ترعد لحیته- وکان إذا نزل علیه أخذته الرعدة- فأنزل الله: ﴿وَالضُّحٰى ٥ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى٥﴾ إلی قوله ﴿فَتَرْضٰى﴾ فنعتمد علی الروایة الأولی لأنها فی الصحیحین. قال (ابن حجر) فی شرح البخاری قصة جبریل بسبب (الجرو) مشهورة لکن کونها سبب نزول الآیة غریب' و فی إسناده من لا یعرف فالمعتمد ما فی الصحیح.

رابعاً: ان یستوی الاسنادان فی الصحة' فنرجح احدهما علی الآخر لوجه من وجوه الترجیحات کذکر الروای انه حضر القصة مثلا او نحو ذلك.

مثاله: ما اخرجه (البخاری) عن ابن مسعود قال: کنت امشیٔ مع النبیؐ بالمدینة وهو یتوکأ علی عسیب' فمر بنفر من الیهود' فقال بعضهم لو سألتموه' فقالوا: حدثنا عن الروح' فقام ساعة و رفع رأسه' فعرفت انه یوحی إلیه' حتی صعد الوحی ثم قال: ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا٥﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)

وما اخرجه (الترمذی) وصححه عن ابن عباسؓ قال: قالت قریش للیهود أعطونا شیئا نسأل هذا الرجل عنه؟ فقالوا: اسألوه عن الروح' فأنزل الله ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ.﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) الآیة. فهذه الروایة تقتضی أنها نزلت بمکة' والاولی تقتضی انّها انزلت بالمدینة فترجح الروایة

الاولی لان ابن مسعودؓ حاضر القصة، ثم ما رواه البخاری یر جح علی ما رواه غیره.

خامساً: انْ تکون کل من الروایتین صحیحة الإسناد، وان یکون بینهما تقارب فی المدة، فتنزل الآیة او الآیات بسبب الحادثتین معًا، وننتهی إلی الجمع بین الروایتین.

مثاله: ما أخرجه البخاری عن ابن عباسؓ (رضی الله عنهما) أن هلال بن امیة قذف امرأته عند النبیؐ بشریك بن سمحاء، فقال النبیؐ: البینة أو حد فی ظهرك، فقال یا رسول الله: إذا رأی احدنا مع امرأته رجلا ینطلق یلتمس البینة، فجعل النبیؐ یقول "البینة أو حد فی ظهرك" فقال: والذی بعثك بالحق انی لصادق، ولینزلن الله تعالیٰ ما یبریء ظهری من الحد، فنزل جبریل، وأنزل الله علیه ﴿وَالَّذِيْنَ يَرمون أَزْوَاجَهُمْ......﴾ حتی بلغ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝﴾ (النور: ۹)

وما أخرجه (الشیخان) عن سهل بن سعد قال: جاء (عویمر بن نصر) الی (عاصم ابن عدی) فقال: إسأل رسول الله عن رجل وجد مع امرأته رجلا أیقتله فیقتل به أم کیف یصنع؟ فسأل (عاصم) رسول اللهؐ فعاب السائل، فأخبر عاصم عویمرا، فقال: والله لآتین رسول الله فلأسألنه، فأتاه فقال ﷺ: إنه قد انزل فیك و فی صاحبتك قرآن وتلا الآیة الکریمة ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ اَنْفُسُهُمْ ......﴾ (النور: ٦) الایة.

وطریق الجمع بینهما ان نقول: إن اول من وقع له ذلك (هلال) وصادف مجئ (عویمر) أیضا فنزل فیهما جمیعا.

قال ابن حجر: ولا مانع من تعدد الاسباب.

سادسًا: ان لا یمکن الجمع بین الروایات الصحیحة، فیحمل علی تعدد النزول و تکرره، لأن المدة بینهما بعیدة.

مثاله: ما روی فی الصحیحین عن (المسیب) قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل علیه رسول الله وعنده ابو جهل، وعبدالله بن ابی امیة فقال: أی عم، قل (لا إله إلا الله) کلمة أحاج لك بها عند الله، فقال ابو جهل، وعبدالله، أترغب عن ملة عبدالمطلب، فلم یزالا یکلمانه حتی قال: هو علی ملة عبدالمطلب، فقال النبیؐ لا ستغفرن لك ما لم انه عن ذلك فنزلت. ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ (التوبة: ١١٣) الآیة.

وما اخرجه الترمذی عن علی (رضی الله عنه) قال: سمعت رجلاً یستغفر لأبویه وهما مشرکان فقلت تستغفر لأبویك وهما مشرکان: فقال: استغفر إبراهیم لأبیه وهو مشرك، فذکرت ذلك لرسول اللهؐ فنزلت ﴿ما کان لنبی......﴾ الایة.

وروی أیضا أن النبیؐ خرج یومًا الی المقابر' فجلس الی قبر منها فناجاه طویلا ثم بکی فقال: إن القبر الذی جلست عنده قبر أمی' وإنی استأذنت ربی فی الدعاء فلم یأذن لی فأنزل علی: ﴿مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا أن یَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِکِیْنَ﴾ (التوبة: ۱۱۳) الآیة قال السیوطی: فیجمع بین هذه الأحادیث بتعدد النزول.

لغات: استنباط: استنباط واستخراج کرنا' کسی بات پرغوروفکر کر کے علت مشترکہ کی بناپر کوئی نئی بات دریافت کرنا یا کسی مسئلہ سے کوئی نیا جزئیہ نکالنا یا فقیہ کا کسی مسئلہ سے کوئی حکم نکالنا۔ منافات: کی شی کے منافی ہونا۔

ترجمہ: کیا سبب نزول متعدد ہو سکتے ہیں؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) بسا اوقات مفسرین ایک آیت کے کئی سبب نزول ذکر کرتے ہیں اس صورت میں اعتماد کا راستہ یہ ہے کہ ہم اس عبارت کو دیکھیں کہ جو آئمہ مفسرین نے کہا ہے ذیل میں ہم اس کا خلاص یوں بیان کر سکتے ہیں:

(۱) دو مفسروں میں سے ہر ایک ''نزلت هذه الآیة فی کذا'' کہتا ہے اور ایک مفسر ایک دوسری بات ذکر کرتا ہے کہ جو پہلے کی بات کے علاوہ ہوتی ہے۔ تو (دو مفسروں کی ایک ہی تعبیر کے بعد دو مختلف باتوں کو) حکم کے استنباط اور آیت کے معنی کی تفسیر پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں جیسا کہ گزرا کیونکہ یہ (دونوں باتیں ہی) سبب نزول نہیں ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں ''اسباب نزول کے سلسلہ میں تفسیر کے دوران ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ اور جو شخص تفسیر کے اصول سے واقف نہ ہو وہ الجھن اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے یہاں اس اختلاف روایت کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

اصول تفسیر اور اصول فقہ کے علماء کرام نے اس سلسلہ میں بڑے کار آمد قواعد بیان کئے ہیں۔ (ان میں سے) ایک اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ''اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو مختلف روایتیں ہوں۔ دونوں میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں کہ ''**نزلت الآیة فی کذا**'' (یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی) لیکن دونوں نے الگ الگ معاملات ذکر کئے ہوں۔ تو درحقیقت دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے کسی کا بھی مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ آیت کا سبب نزول ہے۔ بلکہ منشاء یہ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ آیت کے حکم اور مفہوم میں داخل ہے یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی۔ باری تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ **﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ.﴾** (السجدة: ۱٦) ''ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو مغرب

اورعشاء کے درمیان نفلیں پڑھتے رہتے تھے۔ایک اور روایت میں انہی سے مروی ہے کہ یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو عشاء کی نماز کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے۔اور بعض دوسرے صحابہؓ اس آیت کو تہجد گزار حضراتؓ کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔اب بظاہر یہ اختلاف شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ (اختلاف شان نزول کا نہیں بلکہ) آیت کے مصداق ہیں۔اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔(علم القرآن ملخصاً صفحہ ۸۶-۸۸)

ترجمہ:(۲)(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''دومفسروں میں سے ایک تو یہ کہے کہ "نزلت الآیة فی کذا" اور دوسرا مفسر (اسی آیت کے بارے میں) سبب نزول کو صراحۃً بیان کرے۔تو معتبر یہاں (وہ روایت ہے کہ جس میں سبب نزول کی) تصریح ہے'' اس کی مثال وہ ہے کہ جو بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ......﴾ (البقرہ: ۲۲۳) ''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو'' (تفسیر عثمانی)

(حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ)''یہ آیت عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ''یہود یہ کہتے تھے کہ جو اپنی بیوی سے پیچھے کی جانب سے اگلے (ہی) حصہ میں صحبت کرے گا تو اس کا بیٹا بھینگا پیدا ہوگا۔'' تو اللہ تعالیٰ نے ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ......﴾ والی آیت نازل فرمائی۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''اس مقام پر معتبر روایت وہ دوسری ہے کہ جو حضرت جابرؓ والی ہے' کیونکہ وہ سبب نزول میں نص ہے۔کیونکہ وہ نقل ہے۔(یعنی انہوں نے ضرور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ارشاد فرمائی ہوگی۔(نسیم) اور حضرت ابن عمرؓ کا قول یہ نص نہیں ہے لہٰذا یہ حکم کے استنباط اور آیت کی تفسیر پر محمول کیا جائے گا۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ''(ایک) قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو روایتیں ہوں۔ایک میں "نزلت الآیة فی کذا" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں اور دوسری میں صراحۃً کسی واقعہ کو سبب نزول قرار دیا گیا ہو۔تو اس دوسری روایت پر اعتماد کیا جائے گا۔اور پہلی روایت چونکہ شان نزول کے مفہوم میں صریح نہیں ہے اس لئے اسے راوی کے اپنے اجتہاد و استنباط پر محمول کیا جائے گا۔مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ.﴾ (البقرۃ: ۲۲۳)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس اپنی کھیتی میں آؤ جہاں سے چاہو۔''

اس آیت کے بارے میں امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''یہ عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت

کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔'' ❶ لیکن حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صراحۃً اس کا شان نزول یہ بتلاتے ہیں کہ یہود کا خیال یہ تھا کہ اگر مباشرت پیچھے کی جانب سے اگلے ہی حصہ میں کی جائے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس نے یہ واضح کر دیا کہ مباشرت کی جگہ تو ایک ہی ہے۔ (یعنی اگلہ حصہ) جس سے اولاد پیدا ہو سکے۔ لیکن اس کے لیے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ❷

ان دونوں روایتوں میں چونکہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت چونکہ مفصل اور صریح ہے۔ اس لئے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے قول کو ان کا استنباط قرار دیا جائے گا۔ ❸ اور درحقیقت ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پشت کی جانب سے عورت سے صحبت کرنا اس آیت کی رو سے جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ❹ (کیونکہ اس میں عورت کو کھیتی یعنی پیدائش اولاد کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور وہ لواطت میں ممکن نہیں) (علوم القرآن صفحہ ۸۸-۸۹)

لغات: اشتکی: بیمار ہونا۔ وَدَّعَ: رخصت کرنا۔ قَلٰی: متنفر ہونا' ترک تعلق کرنا۔ جرو: کتے کا پلا۔ هَیَّأْتُ: ٹھیک کرنا' درست کرنا' گھر کی جھاڑ پونچھ کرنا۔ کَنَسْتُ: جھاڑو لگانا: ترعُدُ: کپکپانا۔ الرعدة: کپکپاہٹ۔

ترجمہ: (۳) (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''ہر ایک مفسر صراحۃً سبب نزول ذکر کرے کہ جو دوسرے سے مختلف ہو۔ تو یہاں صحیح روایت پر اعتماد کیا جائے گا نا کہ ضعیف پر۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ جس کو شیخینؒ نے حضرت جندبؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتیں (تہجد کے لئے) نہ اٹھے تو (اس پر) ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا' اے محمد! میرے خیال میں (نعوذ باللہ) تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ ہی دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔''

﴿ وَالضُّحٰیO وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیO مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰیO﴾ (الضحیٰ: ۱-۳)

''قسم ہے دھوپ چڑھے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جائے نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ ''ایک کتے کا پلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور چار پائی کے نیچے گھس گیا۔ اور (وہیں) مر گیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک ٹھہرے رہے اور آپ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ تو (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے خولہ! ''رسول اللہ کے گھر میں ایسی کیا بات ہوگئی کہ جبریل میرے پاس نہیں آتے۔'' تو میں نے (یعنی حضرت خولہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے) اپنے دل میں سوچا کہ مجھے گھر کو درست کرنا اور جھاڑ د

❶ الاتقان صفحہ ۳۲ جلد ا۔ ❷ اسباب النزول للواحدی صفحہ ۴۰-۴۱

❸ الاتقان: صفحہ ۳۲ جلد ا۔ ❹ مناہل العرفان جلد ا صفحہ ۱۰۸

لگانی چاہیے۔ پس میں نے چارپائی کے نیچے جھاڑو لگایا تو میں نے کتے کا (مرا ہوا) پلا نکالا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ آپ کی داڑھی (مبارک کے بال) کپکپا رہے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَالضُّحٰی . . . . . فَتَرْضٰی ﴾ (الضحی: ۱-۳) والی آیت اتاری۔

تو (یہاں) پہلی روایت پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ صحیحین میں (روایت) ہے (حافظ) ابن حجرؒ بخاری (شریف) کی شرح (فتح الباری میں) فرماتے ہیں کہ) ''(کتے کے) پلے کے سبب سے (حضرت) جبرائیل (کے وحی نہ لے کر آنے) کا قصہ مشہور ہے لیکن اس کا آیت کا سبب نزول ہونا ایک انوکھی بات ہے اس قصہ کی سند میں مجہول لوگ ہیں۔ معتبر روایت وہ ہے ہے کہ جو صحیح (بخاری) میں ہے۔'' ❶

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ''سبب نزول متعین کرنے کے لئے دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہو اور دوسری ضعیف یا مجروح سند کے ساتھ تو صحیح روایت کو اختیار کر لیا جائے گا اور ضعیف روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔ مثلاً سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی آیات ہیں۔ ﴿ وَالضُّحٰی o وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی o مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی o ﴾ (الضحی: ۱-۳) ''قسم وقت چاشت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے کہ آپؐ کے پروردگار نے نہ آپؐ کو چھوڑا ہے اور نہ خفا ہوا۔''

اس آیت کے شان نزول میں بخاریؒ و مسلمؒ نے جندبؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی تکلیف کی وجہ سے ایک یا دو راتیں (تہجد کی) نماز نہ پڑھ سکے۔ اس پر ایک کافر عورت نے یہ طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے (معاذ اللہ) شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

دوسری طرف طبرانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے حفص بن میسرہ کی نانی خولہؓ سے (کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں) یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا حضورؐ کے گھر میں آ کر چارپائی کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور وہیں اسے موت آ گئی۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کے گھر میں ایسی کیا بات ہو گئی جو جبرئیل میرے پاس نہیں آ رہے۔ میں نے دل میں کہا کہ مجھے گھر میں جھاڑ پونچھ کرنی چاہیے چنانچہ میں نے جھاڑو چارپائی کے نیچے مار کر صفائی کی تو پلا نکل آیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

لیکن یہ دوسری روایت سنداً صحیح نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں بعض روای مجہول ہیں۔ لہٰذا قابل اعتماد شان نزول وہی ہے کہ جو صحیح بخاریؒ میں مروی ❷ ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۸۹-۹۰)

لغات: یَتَوَکَّأُ: ٹیک لگانا' سہارا لینا' تکیہ لگانا۔ عَسِیْبٌ: پتے توڑے ہوئے کھجور کی شاخ۔ نَفَرٌ: لوگوں کی جماعت' مجمع'

❶ الاتقان صفحہ ۳۳ جلد ۱
❷ الاتقان صفحہ ۳۳ جلد ۱

مجلس۔

ترجمہ: (۴) (مولف کتاب فرماتے ہیں)

''دونوں سندیں صحت کے اعتبار سے برابر ہوں تو ہم ترجیحات کی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ اس کی مثال وہ روایت ہے کہ جو (امام) بخاریؒ نے (حضرت) عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ (کی گلیوں) میں چل رہا تھا۔ اور آپؐ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ (اتنے میں) آپؐ کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا۔ تو ان میں سے ایک نے (دوسرے سے) کہا کہ ''ہمیں انؐ سے کچھ پوچھنا چاہیے۔'' چنانچہ انہوں نے (آپؐ کے پاس آکر) کہا ''ہمیں روح کے بارے میں بتلایئے۔ اس پر آپ تھوڑی دیر رک گئے اور (کچھ دیر بعد) آپؐ نے (اپنا) سر (مبارک) اٹھایا' میں سمجھ گیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے حتیٰ کہ وحی ختم ہوگئی پھر آپؐ نے فرمایا ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) ''کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور اس روایت کو صحیح (بھی) کہا ہے' کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''(ایک مرتبہ) قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ کہ جو ہم ان صاحب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ سکیں۔'' اس پر ان یہودیوں نے کہا کہ ''ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔''

﴿وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ....﴾

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور پہلی روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ پس پہلی روایت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ اس قصہ میں (خود) حاضر تھے پھر (یہ بات بھی ہے کہ) جو روایت بخاری کی ہو اس کو دوسری روایتوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس مقام پر فرماتے ہیں۔ ''بعض مرتبہ دو روایتیں کہ جو شان نزول کے بارے میں ہوتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن کسی ایک روایت کے حق میں کوئی وجہ ترجیح پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک کی سند دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے یا ایک کا راوی ایسا ہے کہ جو واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اور دوسری روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود نہ تھا۔ تو ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کیا جائے گا۔ کہ جس کے حق میں وجہ ترجیح موجود ہے (اس کے بعد علامہ عثمانی دامت برکاتہم بخاری' ترمذی کی دونوں روایتوں کو نقل کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ) پہلی روایت سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ سند کے اعتبار سے بھی دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ لیکن پہلی روایت کے حق میں یہ وجہ ترجیح موجود ہے کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ خود واقعہ کے وقت موجود تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت حاضر ہوں۔ اس لئے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت قابل ترجیح ❶ ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۹۰-۹۱)

ترجمہ۵: (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''دونوں روایتوں کی اسناد صحیح ہوں۔ اور ان دونوں کے درمیان (نزول کی) مدت بھی قریب قریب ہو۔ پس ایک یا کئی آیتیں دو واقعات کی وجہ سے اکٹھی ہی نازل ہوں۔ اور (اس پر) ہم دونوں روایتوں کو جمع کر دیتے ہیں۔

اس کی مثال وہ روایت ہے کہ جو امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ہلال بن امیہؓ نے شریک بن سحماءؓ کے ساتھ مل کر اپنی بیوی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کی تہمت لگائی۔ تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''(یا تو) گواہ (پورے لاؤ) یا (پھر) تمہاری پیٹھ پر (تہمت لگانے کی وجہ سے) حد آئے گی۔ اس پر ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا' یارسول اللہ (کیا) جب ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی (غیر) مرد کو دیکھے گا تو وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے گا۔'' تو (اس پر بھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہ ہی) فرماتے رہے' (یا تو) گواہ (پورے لاؤ) یا (پھر) تمہاری پیٹھ پر (تہمت کی وجہ سے) حد آئے گی۔ پس ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا ''اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا'' میں سچا ہوں۔ اور اللہ ضرور بالضرور ایسی بات نازل کرے گا کہ جو میری پیٹھ کو حد (کی سزا) سے بری کر دے گی۔ پس جبرئیل علیہ السلام (آسمان سے) نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ (النور: ٦) سے لے کر ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ٥﴾ (النور: ٩) تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ (سورۂ نور:۶)

''اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دیں اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''اور وہ روایت (بھی اس آیت کے نزول کے بارے میں ہے) کہ جس کو بخاریؒ و مسلمؒ نے سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''عویمر بن سعدؓ عاصم بن عدیؓ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ ''آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کریں کہ جس نے اپنی بیوی کے پاس کسی (غیر) آدمی کو پایا' آیا وہ اس آدمی کو قتل کر دے اور (کیا) اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ پس عاصمؓ نے (یہ بات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ آپؐ نے سائل کو برا کہا۔ پس عاصمؓ نے (یہ بات) عویمرؓ کو (جا) بتلائی۔ تو اس پر

❶ الاتقان صفحہ ۳۴ جلد ا۔

عاصمؓ کہنے لگے۔خدا کی قسم میں خود حضورؐ کے پاس جاؤں گا اور ضرور بالضرور ان سے (خود یہ بات) پوچھوں گا۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تحقیق تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن نازل ہو چکا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ سنائی'' ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ......﴾ الآية.

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے یہ بات جن کو پیش آئی وہ ہلالؓ تھے۔ پھر حضرت عویمرؓ کا آنا بھی (ان کے ساتھ) مل گیا۔ پس ان دونوں کے بارے میں اکٹھے ہی یہ آیت نازل ہوئی۔
حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ ''(ایک ہی آیت کے) تعدد اسباب میں کوئی (بات) مانع نہیں۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ''بعض مرتبہ ایک آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد ہوتے ہیں۔ یعنی ایک جیسے کئی واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے ہیں۔ اور ان سب کے بعد آیت نازل ہوتی ہے اب ایک راوی اس آیت کے شان نزول کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہے اور دوسرا کوئی اور واقعہ ذکر کر دیتا ہے۔ بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت تعارض نہیں ہوتا۔ کیونکہ دونوں ہی واقعات سبب نزول ہوتے ہیں۔ (اس کے بعد علامہ عثمانی سورۂ نور کی آیات لعان کے بارے میں متعدد روایات ذکر کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ) واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں واقعات ان آیات کے نزول سے قبل پیش آ چکے تھے۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو سبب نزول قرار دینا درست ہے۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ۹۲)

ترجمہ: (۶) (مولف کتاب فرماتے ہیں چھٹی صورت یہ ہے کہ)
''صحیح روایات کو جمع کرنا (اور ان میں تطبیق بٹھانا) ممکن نہیں ہوتا۔ تو اس کو تعدد اور تکرار نزول پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں واقعات کے درمیان مدت زیادہ ہوتی ہے۔
''اس کی مثال وہ روایت ہے کہ جو بخاریؒ اور مسلمؒ میں (حضرت) میتبؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ (بھی) بیٹھے تھے۔''

پس آپؐ نے فرمایا: ''اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کا کلمہ کہہ دیجئے۔ میں اللہ کی بارگاہ میں آپ کے لئے اس کی بدولت (نجات کے لئے) جھگڑوں گا۔ تو (ابو طالب کو رسول اللہؐ کی طرف مائل ہوتا دیکھ کر) ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے' کیا تو عبدالمطلب کے دین سے پھرتا ہے' پھر وہ دونوں بولتے ہی رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے کہہ دیا کہ ''وہ عبدالمطلب کے دین پر ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں آپ کے لئے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے (اس بات سے) روک نہ دیا جائے۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ.....................'' (التوبة: ۱۱۳)
''لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ ہوں وہ قرابت والے جب کہ کھل چکا ان پر کہ وہ

ہیں دوزخ والے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں اور) وہ روایت کہ جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے بخشش مانگتے سنا'' تو اس پر میں نے اس کو کہا کہ ''تو اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت کی دعا مانگتا ہے'' اس پر اس آدمی نے جواب دیا کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (بھی) اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا اور وہ مشرک تھا۔'' یہ بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ما کان للنبی............﴾

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قبرستان تشریف لے گئے۔ اور ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور دیر تک اس قبر والے کے لئے دعا کرتے رہے اور روتے رہے۔ پھر فرمایا: ''جس قبر کے پاس میں بیٹھا تھا یہ میری والدہ کی قبر تھی' میں نے اپنے پروردگار سے ان کے لئے دعا مانگنے کی اجازت چاہی مجھے اجازت نہیں دی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ''**ما کان للنبی............**'' **الآیة**

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا: ''ان احادیث کو تعدد نزول (کے طریق) سے جمع کریں گے۔''

توضیح

تکرار نزول

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ''(ایک) صورت تکرار نزول کی ہے۔ یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زیادہ مرتبہ نازل ہوئی ہے اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوا ہے۔ اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کر دیا اور دوسرے نے دوسرے نزول کا۔ اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تضاد اس لئے نہیں ہوتا کہ آیت دونوں واقعات میں دونوں مرتبہ نازل ہوئی۔ (پھر علامہ عثمانی تینوں واقعات اور ان کی روایات کو ذکر کر فرماتے ہیں کہ) یہاں تینوں واقعات میں ایک ہی آیت کا نزول بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت تینوں مرتبہ الگ الگ نازل ہوئی۔'' [1] (علوم القرآن صفحہ ۹۳-۹۵ ملخصاً)

هل العبرة بعموم اللفظ أم بخصوص السبب؟

اختلف علماء الاصول فی مسالة دقيقة وهی: هل العبرة بعموم اللفظ ام بخصوص السبب؟ أی أنه إذا وقعت حادثة فنزلت فی شأنها آية كريمة فهل يقتصر حكم هذه الآية على تلك الحادثة او الواقعة او الشخص الذی نزلت فيه' أم يتعدى الحكم إلى الجميع؟

فجمهور العلماء يذهبون إلى ان العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب' وهذا هو الصحيح'

---

[1] الاتقان جلد ا صفحہ ۳۴۔

وهناك رأى آخر بأن العبرة بخصوص السبب.

قال (السيوطى) رحمه الله فى كتابه: الاتقان فى علوم القرآن.

ومن الادلة على اعتبار عموم اللفظ احتجاج الصحابة وغيرهم فى وقائع بعموم آيات نزلت على أسباب خاصة، كنزول آية الظهار فى (سلمة بن صخر) وآية اللعان فى شأن (هلال بن أمية) وحد القذف فى رماة عائشة، ثم تعدى الحكم إلى غيرهم لعموم اللفظ، وقد ورد عن (ابن عباس) ما يدل على اعتبار العموم، فإنه قال به فى آية السرقة مع انها نزلت فى امرأة سرقت...... ثم روى عن (نجدة الحنفى) قال: سألت ابن عباس عن قوله تعالىٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا.﴾ (المآئدة: ۳۸) أخاص أم عام؟ قال: بل عام. قال (ابن تيمية) قد يجيئ كثيرا من هذا الباب قولهم: هذه الآية نزلت فى كذا- لاسيما إن كان المذكور شخصاً- كقولهم إن آية الظهار نزلت فى امرأة (ثابت بن قيس) وإن آية الكلالة نزلت فى (جابر بن عبدالله)، وان قوله تعالى ﴿اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ.........﴾ نزلت فى بنى قريظة و بنى النضير، ونظائر ذلك. فالذين قالوا ذلك لم يقصدوا ان حكم الآية يختص بأولئك الأعيان دون غيرهم، فإن هذا لا يقوله مسلم ولا عاقل على الإطلاق.

وقال (الزمخشرى) فى تفسير سورة الهمزة: يجوز أن يكون السبب خاصًا، والوعيد عامًا ليتناول كل من باشر ذلك القبيح، وليكون ذلك جاريا مجرى التعريض والله تعالى أعلم.

لغات: یقتصر: کسی شی کو کسی معاملہ پر منحصر کر دینا۔ کسی شی کو ایک چیز تک محدود کر دینا۔ یتعدی: تجاوز کرنا، آگے بڑھنا۔ لاسیما: خاص طور پر۔ کلالۃ: وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ چھوڑے نہ اولاد کہ جو اس کی وارث ہو بلکہ اس کا وراث قرابتی رشتہ دار ہو جیسے بہن بھائی وغیرہ۔ وعید: دھمکی، ڈراوا۔ تعریض: کسی خاص بات کی طرف اشارہ، کسی پر رکھ کر بات کرنا، مبہم بات۔

ترجمہ: کیا لفظ کے عموم کا اعتبار ہے یا سبب کے خصوص کا

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"علماء اصول نے (اس) باریک مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا (قرآن کی آیت کے) لفظ کے عموم کا اعتبار ہے یا (اس کے نزول کے) سبب کے خصوص کا؟ یعنی جب ایک واقعہ ہو جائے اور اس کے بارے میں ایک آیت کریمہ نازل ہو۔ تو کیا اس آیت کا حکم اس حادثہ یا واقعہ یا شخص تک محدود ہوگا کہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یا اس کا حکم سب تک متعدی ہوگا۔"

پس جمہور علماء کرام اس طرف گئے ہیں کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نا کہ خصوص سبب کا۔ اور یہی (زیادہ) صحیح ہے اور اس مقام پر دو اقوال اور بھی ہیں وہ یہ کہ اعتبار خصوص سبب کا ہے امام سیوطیؒ اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں فرماتے ہیں۔

عموم لفظ کے اعتبار کرنے کے دلائل میں سے ایک دلیل صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہم کا واقعات میں' خاص اسباب کی وجہ سے نازل ہونے والی آیات کے (الفاظ کے) عموم سے دلیل پکڑنا ہے۔ جیسا کہ سلمہ بن صخرؓ کے بارے میں ظہار کی آیت اور ہلال بن امیہؓ کے بارے میں لعان کی آیت اور حضرت عائشہ (صدیقہؓ) پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں حد قذف کی آیات کا اترنا۔ پھر (ان آیات) کا حکم (ان آیات کے) الفاظ کے عموم کی وجہ سے دوسروں تک متعدی ہوا۔ اور تحقیق کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایسی بات روایت ہے کہ جو (آیات کے الفاظ کے) عموم کے اعتبار کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے سرقہ کی آیت کے بارے میں عموم لفظ کا ہی کہا باوجودیکہ یہ آیت ایک چوری کرنے والی عورت کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر نجدہ حنفی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ''میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا.﴾ (المآئدۃ: ۳۸) کے بارے میں پوچھا' کہ یہ آیت (اپنے حکم کے اعتبار سے) خاص ہے یا عام۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (خاص نہیں) بلکہ عام ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ ''اس باب میں علماء مفسرین کا یہ قول بہت زیادہ آتا ہے۔ یہ آیت فلاں فلاں معاملہ میں نازل ہوئی۔ (اور) خاص طور پر اگر (آیت میں) جس کا ذکر کیا گیا ہو وہ کوئی شخص ہو۔'' (تو اس صورت میں) مفسرین کا قول (یوں ہوتا ہے) جیسے ''ظہار کی آیت ثابت بن قیس کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی اور کلالہ کی آیت جابر بن عبداللہؓ کے بارے میں نازل ہوئی' اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ.........﴾ (المائدۃ: ۴۹)

''اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تم پر' پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی۔ اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان۔'' (تفسیر عثمانی)

(یہ) بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوا۔ اور اس جیسی (اور بھی بہت سی) مثالیں (ہیں)۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں (کہ یہ آیت فلاں فلاں کے بارے میں نازل ہوئی تو) ان کا مقصد یہ (ہرگز) نہیں ہوتا کہ اس آیت کا حکم انہی لوگوں کے ساتھ خاص ہے نا کہ دوسروں کے ساتھ۔ کیونکہ یہ بات علی الاطلاق کوئی سمجھدار (اور) مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ زمخشری سورۃ ہمزہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ (اس آیت کے نزول کا) سبب خاص ہو اور اس کی وعید عام ہو۔

تا کہ یہ آیت جو بھی یہ برائی کرے اس کو شامل ہو تا کہ یہ آیت تعریض کی جگہ میں جاری ہو۔ [1] واللہ اعلم

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس مقام پر ایک لطیف بحث کی ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

کسی سبب کے تحت نازل ہونے والی قرآن کریم کی آیات اپنے عموم و خصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں۔

---

[1] مولف کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں تک کی عبارت الاتقان سے معمولی تصرف کے ساتھ لی گئی ہے۔

(۱) جن آیات میں کسی معین شخص کا نام لیا گیا ہوتو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ وہ آیات (خواہ ان میں وعید ہو یا نوید) اس شخص کے بارے میں ہیں اس میں دوسرے شامل نہیں جیسا۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّ.﴾ (لھب: ۱)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔''

اس آیت کا شان نزول معروف ہے کہ جب کوہ صفا پر کھڑے ہوکر آنحضرتؐ نے قریش کو ایمان کی دعوت دی تو ابولہب بدبخت نے یہ کہا

تَبًّا لَكَ اِلهٰذَا دَعَوْتَنَا.

''تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا اس لئے ہمیں بلایا تھا؟''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ اس میں خاص طور پر ابولہب کا نام ہے اس لئے یہ وعید فقط اسی کے لئے ہے نا کہ دوسروں کے لئے۔

(۲) وہ آیات کہ جن میں کسی خاص شخص یا گروہ کا نام لئے بغیر ان کی صفات کا تذکرہ ہو۔ پھر ان ادصافت کے بارے میں کوئی حکم بیان کیا گیا ہو اور دوسرے دلائل سے ان آیات کا مصداق کوئی خاص شخص یا گروہ بھی بنتا ہو۔ تو علماء کرام کے متفقہ قول کے مطابق یہ حکم اسی خاص شخص یا گروہ کے بارے میں ہوگا کہ جو قرآن کی مراد ہو دوسرے مراد نہ ہوں گے۔ چاہے ان میں وہ صفات ہوں بھی جیسے سورۃ اللیل میں ارشاد ہے:

﴿ وسیجنبها الاتقیo اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰىo﴾ (اللیل: ۱۷ - ۱۸)

''اور اس (آگ) سے اس متقی ترین انسان کو بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے (مستحقین کو) دیتا ہے۔''

یہ آیت بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ مفلس غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ یہاں ان کا نام مذکور نہیں۔ لیکن یہ انہی کی صفات کا تذکرہ ہے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔

لہٰذا یہ فضیلت فقط انہی کو حاصل ہے نا کہ دوسروں کو۔ امام رازی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابوبکرؓ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں انہیں ''اتقی'' کہا گیا ہے۔ جمہور مفسرین نے بھی اس آیت سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہی لئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو خواہ جو بھی ثواب ملے مگر یہ فضیلت اس کو حاصل نہ ہوگی۔

(۳) تیسری قسم وہ آیات ہے کہ جو نازل تو کسی واقعہ کے بارے میں ہوئیں مگر ان کے الفاظ عام رہے اور کسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ حکم اس نوعیت کے ہر واقعہ کے لئے ہے۔ تو بالاتفاق اس آیت کا حکم الفاظ کے عموم کے تابع

ہوکر عام ہوگا نا کہ سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص ہوگا۔

جیسے مثلاً حضرت خولہؓ کے خاوند نے انہیں یہ کہہ دیا انت علی کظھری امی. ''تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔'' اس پر سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ لیکن آیت کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہ حکم فقط حضرت خولہؓ کے خاوند کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو ایسا کرے گا اس کا حکم یہی ہے۔

(۴) آیت تو کسی واقعہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن الفاظ عام رہے اور کسی دلیل سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حکم اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے یا اس نوعت کے ہر واقعہ کے ساتھ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ایسی آیات کو فقط سبب نزول کے ساتھ مانتے ہیں اور جمہور علماء اور فقہاء ایسی آیات کو بھی سبب نزول کے ساتھ خاص نہیں مانتے بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور اس آیت کے الفاظ جس واقعہ کو بھی شامل ہوں گے اس کے لئے وہی مذکورہ حکم ہوگا۔ علماء فقہ وتفسیر واصول اس قاعدہ کو ان مشہور الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ.

''الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا کہ نا کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔'' (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۸۲-۸۵)

☆☆☆

من كنوز المعلومات

سوق يتجمع فيه الناس يسمى سوق الجمعة تهب فيْه ريح الشمال فاين يوجد؟

عن انس بن مالك ان رسول اللّٰه ﷺ قال: ان فى الجنة لسوقًا ياتونها كل جمعة فتهب ريح الشمال فتحثو فى وجوههم وثيابهم فيزدادون حسنا وجمالاً فير جعون الى اهليهم وقد ازدادوا حسناً و جمالاً فيقول لهم اهلوهم واللّٰه لقد از ددتم بعدنا حسناً و جمالاً فيقولون: وانتم واللّٰه لقد از ددتم بعدنا حسناً وجمالاً۔ (واخرجه مسلم كتاب الجنة ۷۰۷۵)

عن ابى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰهُ عليه وسلم ثلاثه حق على الله عونهم فمن هم؟

المجاهد فى سبيل اللّٰه

المكاتب الذى يريد الاداء

الناكح الذى يريد العفاف (اخرجه الترمذى فضائل الجهاد ۱۶۵۵' اخرج النسائى ۳۲۱۸' ابن ماجه ۲۵۱۸)

بماذا دعا عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه عند تولية الخلافة؟

اللهم انى ضعيف فقونى

اللهم انى غليظ فلينى

اللهم انى بخيل فسخنى

معلومات کا خزانہ

سوال: ایک بازار ہے کہ جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس کا نام ''جمعہ کا بازار ہے'' جس میں شمال کی جانب سے ہوا چلتی ہے یہ کہاں پایا جاتا ہے؟

جواب: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک جنت میں ایک بازار ہے جس میں لوگ ہر جمعہ (کے دن) آیا کریں گے۔ پس اس میں شمال کی جانب ہوا چلے گی وہ ہوا ان کے چہروں اور کپڑوں کو (اڑ اڑ کر) لگے گی۔ پس وہ (اس ہوا کے لگنے سے) حسن و جمال میں (پہلے سے بھی اور) زیادہ ہو جائیں گے اور وہ اپنے اہل کی طرف لوٹیں گے جبکہ وہ حسن و جمال میں بڑھ چکے ہوں گے۔ تو ان کے اہل ان سے (تعجب کیساتھ سوال کرتے ہوئے) کہیں گے۔

خدا کی قسم! آپ ہمارے (یہاں سے چلے جانے کے) بعد حسن و جمال میں (پہلے سے اور) زیادہ بڑھ گئے ہیں تو (اس پر) وہ جواب دیں گے۔

خدا کی قسم تم بھی ہمارے بعد حسن و جمال میں بڑھ گئے ہو۔ (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے' کتاب الجنہ حدیث نمبر ۷۰۷۵)

سوال: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں' رسول اللہؐ نے فرمایا'' تین شخص ایسے ہیں کہ جن کی مدد کرنا اللہ کے ذمہ ہے'' وہ تین کون ہیں؟

جواب: (۱) اللہ کی راہ میں (تلوار سے) جہاد کرنیوالا۔

(۲) وہ مکاتب (غلام) کہ جو (عقد کتابت کی رقم کو) ادا کرنا چاہتا ہے (اور اس کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے)

(۳) وہ نکاح کرنیوالا کہ جو (نکاح کے ذریعہ اخلاق و عادات کی) پاکی (اور درستی) چاہتا ہے۔ (ترمذی شریف' فضائل الجہاد ۱۶۵۵۔ نسائی شریف ۳۲۱۸۔ ابن ماجہ شریف ۲۵۱۸)

سوال: حضرت عمرؓ نے خلاف سپرد کیے جانے کے وقت کیا (کیا) دعائیں مانگیں؟

جواب: یہ تین دعائیں مانگیں۔

(۱) اے اللہ میں کمزور ہوں مجھے توانا کردے۔

(۲) اے اللہ میں سخت ہوں مجھے نرم کردے۔

(۳) اے اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخی بنادے۔

☆☆☆

الفصل الثالث

حكمة نزول القرآن مفرقا

نزول القرآن الكريم

شرف الله هذه الأمة المحمدية، فأنزل عليها كتابه المعجز - خاتمة الكتب السماوية - ليكون دستورا لحياتها، وعلاجا لمشاكلها - وبلسما شافيا لعللها وأمراضها، وآية مجد وفخار على اصطفاء هذه الأمة، واختيارها لحمل أقدس الرسالات السماوية، حيث أكرمها الله با نزال أشرف كتاب، وخصتها بالانتساب الى أشرف مخلوق (محمد بن عبدالله ﷺ) وبنزول هذا القرآن اكتمل عقد الرسالات السماوية، فشع النور على العالم، وسطع الضياء على الكون، ووصلت هداية الله إلى الخلق، وكان هذا النزول بواسطة امين السماء (جبريل) عليه السلام، يهبط به على قلب النبيّ ليبلغه وحي الله، وفي ذلك يقول الله جل ثناؤه: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُo عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَo بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍo﴾ (الشعراء: ١٩٣- ١٩٥)

لغات: شَرَّفَ: عزت بخشا۔ مشاکل: مشکلہ کی جمع، پیچیدہ مسئلہ، حل طلب مسئلہ، پرابلم، بحران، الجھے ہوئے معاملات۔ بلسمًا: مرہم، دواء۔ مجد: برتری، بلندی۔ فخار: خوبی، اعزاز، بڑائی۔ اصطفاء: برتری، برگزیدگی، انتخاب۔ انتساب: کسی کی طرف منسوب ہونا۔ شع: متفرق ومنتشر ہونا، پھیلنا۔ سطع: روشنی کا پھیلنا۔

ترجمہ: تیسری فصل

قرآن کریم کے حصوں میں (متفرق طور پر) اترنے کی حکمت

قرآن کریم کا نزول

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کو (عزت اور بزرگی کا) شرف بخشا کہ اس پر اپنا کلام معجز اور (تمام) آسمانی کتابوں کو ختم کرنے والی کتاب اتاری۔ تاکہ یہ کتاب ان کے لئے دستور حیات، مشکلوں کا علاج، اور ان کی بیماریوں اور امراض کی دوائے شافی ہو اور آسمانی رسالتوں میں سے سب سے مقدس رسالت کو اٹھانے کے لئے، اس امت کو چننے اور پسند کرنے پر فخر اور بزرگی کی علامت بنے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کا سب سے بزرگ کتاب نازل کر کے اکرام (واعزاز) کیا اور اس امت کو اشرف الخلائق محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف انتساب کر کے

خاص کیا۔ اور اس قرآن کے نازل ہونے سے آسمانی رسالتوں کا ہار کامل ہوگیا۔ پس اس دنیا میں روشنی پھیل گئی کائنات پر نور چھا گیا۔ اور مخلوق کو اللہ کی ہدایت پہنچ گئی۔ اور یہ (قرآن کا) اترنا آسمان کے امین (حضرت) جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے ہوا۔ وہ قرآن کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اترتے تا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچائیں۔ اور اسی بارے میں اللہ جل ثناءہٗ فرماتے ہیں ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُo عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَo بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍo اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَo﴾ (الشعراء: ۱۹۳ - ۱۹۵) (لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر، تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا، کھلی عربی زبان میں۔" (تفسیر عثمانی)

كيف نزل القرآن الكريم؟

للقرآن الكريم تنزلان

الأول: من اللوح المحفوظ إلى السماء الدنيا (جملة واحدة) في ليلة القدر.

الثاني: من السماء الدنيا إلى الأرض (مفرقا) في مدة ثلاث وعشرين سنة.

أما التنزيل الأول: فقد كان في ليلة مباركة من ليالي الدهر هي (ليلة القدر) أنزل فيه القرآن كاملاً إلى (بيت العزة) في السماء الدنيا، ويدل عليه عدة نصوص وهي:

(الف) قوله تعالىٰ: ﴿حٰمٓo وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِo إِنَا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ (الدخان: ١ - ٣)

(ب) وقوله تعالىٰ: ﴿اِنَّا أَنْزَلْنَا هُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ١ - ٢)

(ج) وقوله تعالىٰ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ.﴾ (البقرة: ١٨٥)

فقد دلت هذه الآيات الثلاث على ان القرآن أنزل في ليلة واحدة، توصف بأنها مباركة، و تسمى (ليلة القدر) وهي من ليالي شهر رمضان، و يتعين أن يكون هذا النزول هو النزول الأول الى بيت العزة في السماء، لأنه لو اريد به النزول الثاني على النبيﷺ لما صح أن يكون في ليلة واحدة، و في شهر واحد هو (شهر رمضان) لأن القران اِنّما نزل في مدة طويلة هي مدة البعثة ٢٣ سنة، ونزل في غير رمضان في جميع الأشهر، فتعين ان يكون المراد به (النزول الأول) وقد جاء ت الاخبار الصحيحة تؤيد ذلك منها:

(الف) عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: (فصل القرآن من الذكر فوضع في بيت العزة من السماء الدنيا، فجعل جبريل ينزل به على النبيﷺ)

(ب) وعن ابن عباس رضی الله عنهما أنه قال: (أنزل القرآن جملة واحدة إلی سماء الدنیا' وكان بمواقع النجوم' وكان الله ینزله علی رسوله بعضه فی إثر بعض)

(ج) وروی عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه قال: (أنزل القرآن فی لیلة القدر فی شهر رمضان إلی سماء الدنیا جملة واحدة' ثم انزل نجومًا) قوله نجومًا: أی أجزاء متفرقة......

فهذه الروایات الثلاث رواها السیوطی فی كتابه (الاتقان فی علوم القرآن) وبین انها كلها صحیحة' كما روی (السیوطی) أیضا عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه سأله (عطیة بن الأسود) فقال: (أوقع فی قلبی الشك قوله تعالی: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة: ١٨٥) وقوله

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ وهذا انزل فی شوال' و فی ذی القعدة' و فی ذی الحجة' وفی المحرم و صفر' وشهر ربیع' فقال ابن عباس: إنه أنزل فی رمضان فی لیلة القدر' جملة واحدة' ثم أنزل علی مواقع النجوم رسلا فی الشهور والایام).

یرید بقوله (مواقع النجوم) وبقوله (رسلا) أی انه انزل منجمًا مفرقًا' یتلو بعضه بعضًا علی تؤدة و رفق. وذكر (السیوطی) أن القرطبی نقل حكایة الاجماع علی نزول القرآن جملة من اللوح المحفوظ الی بیت العزة فی السماء الدنیا' ولعل الحكمة فی هذا النزول هی: تفخیم أمر القرآن' وأمر من نزل علیه' یا علام سكان السموات السبع أن هذا آخر الكتب المنزلة علی خاتم الرسل لأشرف الأمم قد قربناه إلیهم لننزله علیه.

قال السیوطی: (ولو لا أن الحكمة الالهیّة اقتضت وصوله الیهم منجماً بحسب الوقائع لهبط به إلی الأرض جملة كسائر الكتب المنزلة قبله' ولكن الله سبحانه باین (أی خالف) بینه و بینها' فجعل له الأمرین: إنزاله جملة' ثم انزاله مفرقًا' تشریفا للمنزل علیه)

لغات: مُفَرِقْ: (اللہ کا قرآن کو) حصوں میں نازل کرنا۔ مواقع النجوم: قسط وار حصوں میں' تھوڑا تھوڑا' رفتہ رفتہ۔ رِسْلٌ: نرمی' توقف کوئی کام آہستگی اور آرام سے کرنا اور جلدی نہ کرنا۔ تفخیم: بلند رتبہ بنانا' قدر و منزلت بڑھانا۔ سُکّان: یہ ساکن کی جمع ہے مراد ہے آسمانوں میں رہنے والے فرشتے۔

ترجمہ: قرآن کریم کیسے نازل ہوا؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآن کریم کا اترنا دو دفعہ ہے۔

(۱) ایک' اکٹھا ہی (پورا پورا ایک ہی دفعہ) لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (اترنا)

(۲) دوسرے آسمان دنیا سے زمین کی طرف تئیس برسوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا۔

اب پہلا نزول

تو یہ زمانے کی راتوں میں ایک مبارک رات میں ہوا اور وہ رات ''لیلۃ القدر'' تھی۔ اس رات میں پورا قرآن آسمان دنیا کے ''بیت عزت'' میں اترا۔ اس (بات) پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿حٰمٓ o وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ o إِنَا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ (الدخان: ۱ - ۳)

''قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں، ہم ہیں کہہ سنانے والے۔'' (تفسیر عثمانی)

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱ - ۲)

''ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں، اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر۔'' (تفسیر عثمانی)

(ج) فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ.﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

''مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) تحقیق یہ تین آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن ایک ایسی رات میں نازل کیا گیا کہ جس کو مبارک کہا گیا ہے۔ اور اس کا نام ''لیلۃ القدر'' ہے اور وہ رمضان (المبارک) کی ایک رات ہے اور یہ بات متعین ہے کہ یہ نزول وہ پہلا نزول ہے کہ جو آسمان کے ''بیت العزت'' کی طرف ہے۔ کیونکہ اگر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرا نزول مراد لیا جائے تو اس نزول کا ایک رات میں اور ایک مہینہ میں (کہ جو رمضان ہے) نازل ہونا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ بے شک قرآن ایک طویل مدت میں کہ جو ۲۳ سال کا بعثت (نبوت) کا عرصہ ہے اسمیں نازل ہوا۔ اور رمضان کے علاوہ (بھی سال کے) ہر مہینہ میں اترا۔ لہٰذا یہ بات طے ہوگئی کہ ان (آیات) سے مراد پہلا نزول ہی ہے اور صحیح احادیث بھی اس معنی کی تائید میں آئی ہیں۔ ان سے ایک حدیث (یہ ہے)۔

(الف) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ ''قرآن کو ذکر (یعنی لوح محفوظ) سے جدا کیا گیا۔ پھر اسے آسمان (دنیا) کے بیت العزت میں رکھا گیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام اس کو (تھوڑا تھوڑا) لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہے۔'' [1]

---

[1] اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ''قرآن آسمان دنیا کی طرف اکٹھا ہی (ایک دفعہ میں) نازل کیا گیا۔ اور وہ اجزائے متفرقہ کی شکل میں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک (حصہ) کے بعد دوسرا (حصہ کر کے یعنی تھوڑا تھوڑا) کر کے اتارتے رہے۔'' ❶

(ج) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ''قرآن لیلۃ القدر میں رمضان (المبارک) کے مہینہ میں ایک ہی دفعہ آسمان دنیا کی طرف نازل کیا گیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔ ❷

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ ''نجوما'' کا مطلب ہے ''اجزائے متفرقہ'' اور آگے فرماتے ہیں کہ)

(علامہ) جلال الدین سیوطیؒ نے ان تینوں روایتوں کو اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں روایت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ تینوں روایتیں (سند کے اعتبار سے) صحیح ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ عطیہ بن الاسود نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ ''اللہ تعالیٰ کے (اس) قول ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) اور (اس) قول ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ'' نے میں دل میں کھٹک ڈال دی ہے جبکہ قرآن' شوال' ذی القعدہ' ذی الحجۃ' محرم' صفر اور ربیع کے مہینوں میں (بھی) نازل ہوا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے (جواب) ارشاد فرمایا ''یہ قرآن رمضان میں اور (اس کی ایک خاص رات کہ جسے) لیلۃ القدر (کہتے ہیں اس) میں اکٹھا نازل ہوا پھر متفرق اجزاء کی شکل میں مہینوں اور دنوں میں نرمی کے ساتھ اترا۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ''حضرت ابن عباسؓ کی ''مواقع النجوم'' اور ''رسلا'' کے لفظوں سے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن تھوڑا تھوڑا اجزائے متفرقہ کی شکل میں اترا۔ ایک حصے کے پیچھے دوسرا حصہ نرمی کے ساتھ اترا۔'' اور (علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا کہ قرطبیؒ نے قرآن کے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت کی طرف ایک ہی دفعہ اترنے پر (علماء کا) اجماع نقل کیا ہے۔ اور شاید اس نزول میں حکمت قرآن کے معاملہ کی عظمت اور جس پر نازل ہوا ہے اس کے معاملہ کی عظمت کو سات آسمانوں میں رہنے والوں (فرشتوں) کو یہ بتلا کر واضح کرنا ہے کہ یہ کتابوں میں سے آخری کتاب (ہے کہ) جو اس خاتم الرسل (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے (کہ جو) اشرف الامم کے رسول ہیں۔ ہم نے یہ کتاب ان کے نزدیک کر دی۔ تاکہ ان پر نازل کریں۔''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ ''اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت امت تک (اس) قرآن کے متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے پہنچنے کا تقاضا نہ کرتی تو اللہ تعالیٰ اس (کتاب) کو (بھی) قرآن سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب کی طرح اکٹھا ہی نازل فرما دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن اور باقی سماوی کتب میں (اتارنے کے طور میں) خلاف کیا پس قرآن کے لئے دو امر بنائے (یعنی دو دفعہ اتارا) ایک دفعہ پورا اتارنا دوسری مرتبہ تھوڑا تھوڑا اتارنا (اور ایسا اللہ تعالیٰ نے) اس ذات (گرامی) کو عزت بخشنے کے لئے (کیا) کہ جس پر قرآن ❸ اتارا گیا۔''

---

❶ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔ ❷ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ ❸ الاتقان: صفحہ ۴۳۔

توضیح

اس کی تفصیل گزشتہ میں گزر چکی ہے۔

بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں کہ جو کعبۃ اللہ کے محاذاۃ میں آسمان میں فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ بیت عزت میں قرآن کا نزول کس طرح ہوا۔ اور اس نزول کی حکمت کیا تھی۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ''اس بارے میں کوئی بات یقینی نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ بعض علماء مثلاً علامہ ابوشامہؒ نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سے قرآن کریم کی رفعت شان بیان کرنا مقصود تھا۔ اور اس مقام کے ملائکہ کو یہ بات بتلانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے اتاری جانے والی ہے۔'' زرقانیؒ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ حضورؐ کے قلب مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے۔ ایک لوح محفوظ میں اور دوسرے ''بیت عزت'' میں۔ واللہ اعلم

بہرکیف اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟ اسی کو صحیح علم ہے کہ اس کی اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔ اور ہمیں ان کی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں ہے البتہ ہمیں اتنا وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ یہ پہلا نزول لیلۃ القدر میں ہوا۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۴-۵۵)

التنزيل الثاني

وأما التنزيل الثاني فقد كان من السماء الدنيا على قلب النبيّ منجما (أي مفرقاً) في مدة ثلاث و عشرين سنة وهي من حين البعثة إلى حين وفاته صلوات الله وسلامه عليه. والدليل على هذا النزول وأنه منجما قول الله تعالى في سورة الإسراء:

(الف) ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٠٦)

وقوله تعالى في سورة الفرقان:

(ب) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ و رَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: ٣٢)

روى ان اليهود والمشركين عابوا على النبي نزول القرآن مفرقا' واقترحوا عليه أن ينزل جملة واحدة حتى قال اليهود له: يا أبا القاسم لو لا أنزل هذا القرآن جملة واحدة كما أنزلت التوراة على موسى' فأنزل الله هاتين الآيتين ردا. عليهم' وهذا الرد- كما يقول الزرقاني- يدل على أمرين:

أحدهما: ان القرآن نزل مفرقا على النبي ﷺ

والثانی: ان الکتب السماویة قبله نزلت جملة، کما اشتهر ذلك بین جمهور العلماء حتی کاد یکون إجماعا.

ووجه الدلالة علی هذین الأمرین: أن الله تعالی لم یکذبهم فیما ادعوا من نزول الکتب السماویة جملة بل أجابهم ببیان الحکمة فی نزول القرآن مفرقاً ولو کان نزول الکتب السماویة مفرقاً کالقرآن لرد علیهم بالتکذیب، و باعلان ان التنجیم هو سنة الله فیما أنزل علی الأنبیاء من قبل، کما رد علیهم حین طعنوا علی الرسول وقالوا: ﴿مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ.﴾ رد علیهم بقوله ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُم لَيَاكُلُوْنَ الطعامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسَواقِ.﴾ (الفرقان: ٢٠)

لغات: مُكْثٌ: توقف، قیام، ٹھہرنا۔ ترتیل: قرآن کو بہترین طریقہ پر پڑھنا کہ تمام الفاظ وحروف واضح ہو جائیں۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ اِقْتَرَحَ: تجویز پیش کرنا۔ تکذیب: جھٹلانا۔ طَعَنَ: طعنہ دینا، عیب نکالنا۔ تنجیم: حصوں میں بانٹنا۔

ترجمہ: دوسرا نزول

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''البتہ دوسرا نزول وہ آسمان دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر متفرق طور پر تیئس سال کی مدت میں ہوا۔ اور یہ مدت آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ کے وصال (مبارک) تک ہے۔ اس نزول کی اور اس بات کی دلیل کہ یہ متفرق اجزاء میں (دوسری بار) اترا سورۂ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

(الف) ﴿وَقُرْآناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَاهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ، وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٠٦)

''اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے، پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتار۔'' (تفسیر عثمانی)

(ب) اور سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ و رتَّلْناهُ تَرْتِيْلًا﴾ (الفرقان: ٣٢)

''اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر اسی طرح اتارا تا کہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اور روایت میں آتا ہے کہ یہود اور مشرکین نے قرآن کے متفرق طور پر نازل ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن کے ایک ہی دفعہ نازل ہو جانے کی تجویز پیش کی۔ یہاں

تک کہ آپؐ سے کہا' اے ابو القاسم! یہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اترا جیسا موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات (ایک ہی مرتبہ) اتری۔ اس پر ان پر رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل کیں۔ اور یہ رد جیسا کہ زرقانی '' فرماتے ہیں۔ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) تحقیق قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متفرق طور پر اترا۔

(۲) قرآن سے پہلی تمام آسمانی کتابیں ایک ہی بار (یکدم) اتریں۔ جیسا کہ جمہور علماء میں یہی مشہور ہے حتیٰ کہ یہ بات اجماع (کی طرح) ہوگئی ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان دو باتوں پر دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتب سماویہ کے اکٹھے نازل ہونے کے دعوے میں نہیں جھٹلایا۔ بلکہ انہیں قرآن کے متفرق طور پر اترنے کی حکمت بیان کر کے جواب دیا ہے۔ اگر (گزشتہ) کتب سماویہ کا نزول (بھی) قرآن کی طرح متفرق طور پر ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو جھٹلا کر ان کا رد کرتے۔ اور یہ اعلان کر کے (ان کا رد کرتے کہ) متفرق طور پر اتارنا یہ گزشتہ انبیاء پر اترنے والی کتابوں میں (بھی) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا کہ جب انہوں نے یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو طعنہ دیا تھا۔

﴿ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ. ﴾ (الفرقان: ۷)

''یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ کہہ کر رد کیا:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. [1] (الفرقان: ۲۰)

''اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا' اور پھرتے تھے بازاروں میں۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں'' اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا نزول کہ جو تدریجی ہے وہ اس وقت شروع ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی۔ اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی سے ہوا ہے' لیکن یہ بات کہ وہ رات رمضان کی کون سی تاریخ میں تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ بعض روایات سے رمضان کی سترہویں' بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں رات معلوم ہوتی ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۵-۵۶ ملخصاً)

آگے فرماتے ہیں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دفعۃً یکبارگی قرآن نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال میں اتارا گیا۔ قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا اس کا سوال خود مشرکین عرب نے آپؐ

---

[1] اس تفصیل کے لئے دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۴۶۔

سے کیا تھا کیونکہ وہ ایک قصیدہ پورا کا پورا ایک ہی وقت میں سننے کے عادی تھے۔ اور یہ تدریجی نزول ان کے لئے ایک اچنبھی سی بات تھی۔ اس کے علاوہ قرآن سے پہلے تورات زبور انجیل تینوں ایک ہی وقت میں نازل ہو چکی تھیں ان میں یہ تدریج کا طریقہ نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت اتاری۔ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آپؐ امی تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے۔ اس لئے اگر سارا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا۔ اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لئے ان پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

(۲) اگر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل کر دیا جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت میں ملحوظ رہی ہے۔

(۳) آپ ﷺ کو آپ کی قوم ہر روز نت نئے طریقوں سے ستاتی۔ جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآن لے کر اترنا ان اذیتوں کو برداشت کرنا سہل بنا دیتا تھا۔ اور اس سے آپ کا قلب تقویت پکڑتا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات اور واقعات سے متعلق ہے۔ اس لئے ان آیات کا نزول اسی وقت ہی مناسب تھا' جس وقت وہ سوالات کئے گئے یا وہ واقعات پیش آئے کہ اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی۔ اور قرآن کے غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکارا ہو جاتی تھی۔ [1] (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۶۷-۶۹)

آگے مولف کتاب خود قرآن کے تدریجی نزول کے فوائد کو پہلے اجمالاً بیان کر رہے ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی نہایت شرح کے ساتھ تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ مولف موصوف نے اس میں علم معانی کی مشہور اصطلاح لف ونشر مرتب کا لحاظ رکھا ہے۔ (نسیم)

حكمة نزول القرآن منجمًا

لنزول القرآن الكريم منجماً (أى مفرقا) حكم جليلة' وأسرار عديدة عرفها العالمون' و غفل عنها الجاهلون' و نستطيع أن نجملها فيما يأتى وهى.

أولا: تثبيت قلب النبيؐ أمام أذى المشركين.

ثانيا: التلطف بالنبيؐ عند نزول الوحى.

ثالثًا: التدرج فى تشريع الإحكام السماوية.

---

[1] الاتقان نوع نمبر ا' جلد ا' صفحہ ۱۰-۱۲۔

رابعاً: تسهيل حفظ القرآن وفهمه على المسلمين.

خامساً: مسايرة الحوادث والوقائع، والتنبيه عليها في حينها.

سادساً: الإرشاد الى مصدر القرآن، وأنه تنزيل الحكيم الحميد.

ولنبدأ بشئ من التفصيل عن هذه الحكم العديدة، التي اجملناها فيما سبق فنقول ومن الله نستمد العون:

لغات: تثبیت: دل کو جمانا، مضبوط رکھنا۔ تلطف: کسی معاملہ میں نرمی برتنا۔ مہربان وشفیق بنانا۔ تدرج: رفتہ رفتہ پہنچنا، درجہ درجہ پہنچنا، تدریجاً کوئی بات ہونا۔ مسایرہ: ساتھ ساتھ چلنا، ہم آہنگ ہونا۔ وقائع: واقعہ کی جمع، پیش آمدہ بات۔

ترجمہ: قرآن کریم کے تدریجی نزول کی حکمت

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''قرآن پاک کے متفرق اجزاء میں نازل ہونے میں بڑی حکمتیں ہیں اور بہت سے بھید (اور اسرار) ہیں کہ جن کو معتبر) علماء نے جانا اور جاہل لوگ اس سے غافل رہے۔ہم ذیل میں ان (حکمتوں) کو اجمالاً پیش کر سکتے ہیں۔ وہ حکمتیں یہ ہیں۔

(۱) مشرکوں کے ستانے پر نبیؐ کے قلب (مبارک) کو تقویت دینا۔

(۲) نزول وحی کے وقت نبیؐ کے ساتھ لطف (وکرم) کا معاملہ کرنا۔

(۳) احکامات سماویہ کی تشریع میں تدریج۔

(۴) مسلمانوں پر قرآن کا یاد کرنا اور اس کا سمجھنا آسان بنانا۔

(۵) حوادث اور واقعات کا پیش آتے رہنا اور اس وقت میں ہی ان پر تنبیہ کرنا۔

(۶) مصدر قرآن (یعنی اس ذات کی) طرف ہدایت کرنا (کہ جس نے قرآن اتارا ہے) اور (اس بات کی طرف کہ) یہ حکمت والی ستودہ صفات ذات کا اتارا ہوا قرآن ہے۔

(اب) ہم ان چند حکمتوں کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنا شروع کرتے ہیں کہ جن کو ہم نے مذکورہ بالا (سطور) میں اجمالاً بیان کیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے کہتے ہیں۔ (اس کے بعد مولف موصوف نے ان حکمتوں کی تفصیل بیان کی ہے کہ جو مندرجہ ذیل ہے۔)

أولاً: أما الحكمة الاولى وهي (تثبيت قلب النبيؐ) فقد ذكرتها الآية الكريمة في معرض الرد على المشركين، حيس اقترحوا أن ينزل القرآن جملة واحدة كما نزلت الكتب السماوية السابقة فرد الله عليهم بقوله ﴿كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ (الفرقان: ۳۲) وتثبيت قلب النبي انما

هو رعاية من الله وتأييد لرسوله أمام تكذيب خصومه له وإيذائهم الشديد له ولأتباعه' فقد كانت الايات الكريمة تنزل على رسول اللهؐ (تسلية) له وشحذاً لهمته للمضى فى طريق الدعوة مهما اعترضته المصاعب والشدائد' وتقوية لقلبه الشريف' فقد تعهده الله سبحانه وتعالىٰ بما يخفف عن الشدائد والآلام' فكان اذا اشتد الأذى عليه نزلت الآيات تسلية له و تخفيفا عما يلقاه' وكانت التسلية تارة عن طريق قصص الأنبياء والمرسلين ليقتدى بهم فى صبرهم وجهادهم كما قال تعالىٰ ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَاكُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ......﴾ (الانعام: ٣٤) الآية. وقوله تعالى ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:٣٥) وقوله ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ٤٨)

وقد أوضح البارى جلت عظمته الحكمة من ذكر قصص الأنبياء فقال وهو أصدق القائلين ﴿وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ' وَجَاءَكَ فِى هٰذِهِ الْحَقُّ و مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (هود: ١٢) وتارة كانت التسلية عن طريق الوعد بالنصر والتأييد للنبىؐ كقوله تعالىٰ ﴿وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًاO﴾ (الفتح: ٣) وكقوله ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَO اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَO وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَO﴾ (الصافات: ١٧١- ١٧٣) وأخرى تكون التسلية عن طريق إخبار الرسول باندحار اعدائه وانهزامهم كما فى قوله تعالى ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَO﴾ (القمر: ٤٥) وقوله ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ إلى جهنم وبِئْسَ الْمِهَاد﴾ (آل عمران: ١٣) إلى آخر ما هنالك من ألوان فى التخفيف عن قلب الرسول' و تطييب نفسه و فؤاده' ولا شك أن فى تجدد نزول الوحى' وتكرر هبوط الأمين جبريل بالآيات البينات' التى فيها تسلية للنبىؐ وفيها الوعد بالنصر والحفظ والتأييد' كان لها أعظم الأثر فى تثبيت قلب الرسول لمتابعة الدعوة' والمضى فى تبليغ الرسالة الإلهيّة' لأن الله معه' وهل يشعر بالخذلان والفتور من كانت عناية الله تحوطه و عينه ترعاه؟

ثانياً: أما الحكمة الثانية وهى (التلطف بالنبىؐ) عند نزول الوحى' فقد كانت بسبب روعة القرآن وهيبته' كما قال تعالى ﴿اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًاO﴾ (المزمل: ٥) فالقرآن- كما هو مقطوع به- كلام الله المعجز' الذى له جلال ووقار' وهيبة وروعة وهو الكتاب الذى لو نزل على جبل لتفتت وتصدع من هيبته وجلاله كما قال تعالى ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هذا الْقُرْآنَ على جبلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خاشِعًا مُّتَصَدِّعًا من خَشْيَةِ اللّٰهِ......﴾ (الحشر: ٢١) فكيف اذا بقلب النبى الرقيق' هل يستطيع ان يتلقى جميع القرآن دون أن يتأثر ويضطرب ويشعر بروعة القرآن وجلاله!! ولقد اوضحت السيدة

عائشة حالة الرسول حين ينزل عليه القرآن' وما يلاقيه من شدة وهو من أثر التنزيل' فقالت: (كما رواه البخارى) ولقد رأيته حين ينزل عليه الوحى فى اليوم الشديد البرد فيفصم عنه (اى ينفصل) وإن جبينه ليتفصد عرقا) يتفصد: أى يتصبب عرقاً وذلك من شدة الوحى ووطأته على النبىؐ.

لغات: معرض: کسی چیز کے اظہار کی جگہ فلاں چیز کے ذیل میں' دوران۔ اتباع: تابع کی جمع پیرورکار' خادم' مرید۔ تسلیه: غم دور کرنا۔ شحذ: تیز کرنا۔ ہمت بندھانا۔ مصاعب: مصعب کی جمع' دشواری' سختی' پریشانی۔ شدائد: شدت کی جمع' سختی۔ تعَهّدَ: ذمہ داری لینا کسی بات کا ضامن بننا۔ آلام: الم کی جمع' تکلیف' دکھ' درد (جسمانی ہو یا روحانی) الباری: خالق پیدا کرنے والا۔ هبوط: اترنا۔ نیچے آنا۔ خذلان: رسوائی۔ فتور: سختی کے بعد نرمی' تیزی کے بعد ہلکا اور ڈھیلا پڑ جانا۔ روعت: شان وشوکت' حسن و جمال کی جھلک۔ هیبت: ڈر' خوف' رعب' جلال' وقار۔ مقطوع به: یقینی بات' بے غبار' بلاشک وشبہ' تفتت: ریزہ ریزہ کرنا' چوراچورا کرنا' ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تصدع: پھٹ جانا' دراڑ پڑنا۔ شگاف پڑنا۔ یضطرب: تڑپنا' تھرکنا' مضطرب ہونا' بے چین ہونا' وطات: سخت دباؤ

ترجمہ: پہلی حکمت ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنا''

ترجمہ: (ا) (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''تحقیق اس حکمت کو (خود) آیت کریمہ نے مشرکین پر رد کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب انہوں نے بے سوچے سمجھے یہ سوال کرڈالا کہ قرآن ایک ہی دفعہ (کیوں نہ) نازل ہوا جیسا کہ گزشتہ کتب سماویہ اتریں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے (اس) قول سے ان پر رد کیا۔''

﴿كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ (الفرقان: ۳۲)

''اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف موصوف فرماتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دل مضبوط کرنا بے شک یہ اللہ کی طرف سے رعایت (یعنی نگہبانی) اور نبی کو اس کے دشمن کے جھٹلانے اور ان کے نبی کو شدید تکلیف دینے کے وقت اللہ کے رسول کی اور ان کے پیروؤں کی تائید ہے۔ پس یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت کے راستے میں چلتے رہنے کے لئے جب جب بھی آپ کو تکلیفیں اور سختیاں پیش آتیں (تو یہ آیات) آپؐ کی ہمت بندھانے' تسلی دینے اور آپؐ کے قلب مبارک کی تقویت کے لئے نازل ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ سے اس بات کا عہد کیا کہ وہ ان کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو ہلکا کر دے گا۔ پس جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ جاتی تو آپ ﷺ کی تسلی اور پہنچنے والی تکلیف کو ہلکا کرنے کے لئے کوئی آیت نازل ہو جاتی۔ یہ تسلی کبھی تو انبیا ورسل کے قصوں کو بیان کر کے ہوتی۔ تاکہ آپؐ ان کے صبر اور مجاہدہ میں ان کی پیروی کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ......﴾ (الانعام: ٣٤)

''اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہو جھٹلانے پر اور ایذاء پر حتیٰ کہ پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ......﴾ (الاحقاف: ٣٥)

''سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ٤٨)

''تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور خود باری تعالیٰ ''جلت عظمته'' نے انبیاء کے قصوں کو ذکر کرنے کی حکمت واضح کی ہے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں اور ''وہ کہنے والوں میں سب سے زیادہ سچا ہے۔''

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ .... لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (هود: ١٢)

''اور سب چیزیں بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور یاداشت ایمان والوں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

اور کبھی یہ تسلی نصرت کے وعدے اور نبیؐ کی تائید کے طور سے ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۝﴾ (الفتح: ٣)

''اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔'' (تفسیر عثمانی)

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (ہے)

﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝﴾

(الصافات: ١٧١- ١٧٣)

''اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں بے شک انہی کو مدد دی جاتی ہے اور ہمارا لشکر جو ہے بے شک وہی غالب ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور کبھی تسلی (کسی) رسول کے دشمنوں کی ذلت اور ان کی شکست کی خبر دینے کے طور پر ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں (یہ بات مذکور ہے)

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝﴾ (القمر: ٤٥)

''اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں گے پیٹھ پھیر کر۔'' (تفسیر عثمانی)

اور جیسے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ إلى جهنم وبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (آل عمران: ۱۳)

''کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہوگے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ٹھکانا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآن کے آخر تک (اس کی مثالیں ہیں کہ) وہاں آپؐ کے قلب (مبارک) سے (غموں کو) ہلکا کرنے اور آپ کے جی اور دل کو خوش کرنے کے کئی انداز ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وحی کے بار بار کے نزول میں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بار بار آیات بینات کو لے کر اترنے میں کہ جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہوتی اور نصرت، حفاظت اور تائید کا وعدہ ہوتا اس کا 'رسالت الٰہیہ کی تبلیغ کرتے رہنے' اور دعوت کا کام مسلسل کئے جانے میں آپؐ کے قلب مبارک کو مضبوط کرنے میں بہت بڑا اثر تھا۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ کی ذات آپؐ کے ساتھ تھی، اور وہ ذات کہ اللہ کی عنایت نے اس کو گھیر رکھا ہو اور اس کی آنکھیں اس ذات کی نگہبانی کر رہی ہوں، وہ ذات ذلت و رسوائی کو دیکھے گی؟

(۲) دوسری حکمت

وحی کے نزول کے وقت نبیؐ کے ساتھ لطف و مہربانی

تو یہ قرآن کی ہیبت اور متحیر کر دینے والی حسن و جمال کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا٥﴾ (المزمل: ۵)

''ہم ڈالتے ہیں تجھ پر ایک بات وزن دار۔'' (تفسیر عثمانی)

قرآن جیسا کہ یہ یقینی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا وہ معجز کلام ہے کہ جس کا جلال اور وقار ہے، ہیبت اور ڈر ہے، اور یہ وہ کتاب ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت اور جلال سے ٹوٹ پھوٹ جاتا اور پھٹ جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هذا الْقُرْآنَ على جبلٍ لَرَأَيْتَهُ خاشِعًا مُتَصَدِّعًا من خَشْيَةِ اللّٰه......﴾ (الحشر: ۲۱)

''اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اب نبیؐ کے نرم (و نازک) دل کے ساتھ کیا ہوتا۔ کیا نبیؐ پورا قرآن کی جلالت اور ہیبت کو محسوس کئے بغیر اور متاثر اور مضطرب ہوئے بغیر، لے سکتے تھے، اور تحقیق کہ سیدہ عائشہؓ نے جب آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور وحی کے ہول اور شدت سے آپؐ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اس حالت کو بیان کیا ہے، چنانچہ آپؓ فرماتی ہیں۔ ''میں نے سخت جاڑوں کے دنوں میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ (اس کو بخاری نے روایت کیا ہے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ) ''یتفصد'' کا معنی پسینے میں شرابور ہونا ہے۔ اور یہ نبیؐ پر وحی کی شدت اور سختی کی وجہ سے ہوتا تھا۔

توضیح

وحی کے تدریجی ہونے میں حکمتوں کا بیان گزشتہ میں گزر گیا ہے ان میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ نبی کو شدائد و مصائب کے مقابلہ میں جم جانے اور دعوت و تبلیغ رسالت کے راستے میں تمام رکاوٹوں کے باجود اس کام کو کئے جانے میں وحی کا بار بار نازل ہونا نہایت قوی اثر رکھتا تھا۔ جہاں آپؐ پر کفار مشرکین کی اذیتوں کی انتہا ہوتی وہیں حضرت جبرئیل وحی لے کر اور نویدیں بشارتیں خوشخبریاں اور جنت نعیم کے اعلیٰ درجات کے فیصلے اور بارگاہ الٰہی میں سب سے مقبول بندہ ہونے کے مژدے لے کر آتے۔ اور کہیں مقام محمود کی خبر تو کہیں کوثر کا وعدہ' کہیں شفاعت کا اعلان تو کہیں سید ولد آدم اور قیامت کے دن سب کے سردار ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی۔ اب بھلا مصائب کے بادلوں اور غموں کی گھٹاؤں کی کیا مجال ہے کہ وہ افق امید پر چھائے رہیں' یہ کیسی سیاہ بدلیاں ہیں' یہ کیسا اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے لیکن جبرئیل علیہ السلام رب ذوالجلال سے امیدوں اور بشارتوں کو لے کر اترتے ہیں' یہ یکایک کیا ہوا کہ وہ "**بلغت القلوب الحناجر**" کہاں گیا' کہاں یاس تھی کہ اب آس ہے' اندھیرا تھا کہ چھٹ گیا۔ ذرا دیکھئے تو صحابہ کرامؓ کفار کی سختیوں سے کیسے دبکے سمٹے بیٹھے ہیں کہ آسمان سے صدا آتی ہے "**انتم الاعلون ان کنتم صادقین**" پھر صحابہ کرام کو بھی جاں کے نذرانے دینے کتنے آسان ہوئے۔ کیا کوئی شداد کوئی فرعون کوئی ابوجہل کوئی ابولہب کوئی امیہ بن خلف بلال کو' خباب کو زنیرہ کو اسلام سے ہٹا سکا۔ یہی وہ تقویت قلب تھی کہ وحی کے بار بار آنے سے رسول اللہؐ اور صحابہ کرام کو حاصل ہوتی رہی۔ (نسیم)

علامہ تقی عثانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں "حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی طرح سے وحی نازل ہوتی تھی۔ لیکن ان میں صلصلۃ الجرس کا طریقہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب زیادہ دشوار تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "**وھو اشد علی**" کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا۔ لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقہ میں سب سے زیادہ بار ہوتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والے میں کسی نہ طرح مناسبت پیدا ہونا تو ضروی ہے اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آجائے تو حضورؐ پر کوئی غیر معمولی بار نہ پڑتا تھا صرف کلام الٰہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے۔ تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی۔ اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں آپؐ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ "جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کا سانس رکنے لگتا تھا۔ چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا۔ سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے۔ اور آپؐ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ [1] وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ۔ آپؐ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ وحی کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کی زانو

---

[1] زاد المعاد ابن القیم' صفحہ ۱۸-۱۹ جلد ۱۔

پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونا شروع ہوگئی اس سے حضرت زیدؓ کی رانوں پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ ❶
اور مسند احمدؒ میں ہے کہ آپؐ خود فرماتے ہیں ''جب یہ وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح کھینچ رہی ہے۔'' ❷ (علوم القرآن صفحہ ۳۴-۳۵)

معلوم ہوا کہ وحی کا نزول خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے رہا ہو آپؐ پر نہایت سخت ہوتا تھا۔ اس سے وحی کے تدریجی نزول کی حکمت خوب ظاہر ہوکر سامنے آتی ہے۔ (نسیم) واللہ اعلم

ثالثًا: وأما الحكمة الثالثة وهی: (التدرج فی تشريع الاحكام) فقد كانت جلية واضحة' حيث سلك القرآن الكريم مع البشرية– وخاصة منهم العرب– طريق الحكمه ففطمهم عن الشرك' وأحيا قلوبهم بنور الإيمان' و غرس فی نفوسهم حب الله و رسوله' والايمان بالبعث والجزاء' ثم انتقل بهم بعد هذه المرحلة– مرحلة تثبيت دعائم الإيمان– الى العبادات فبدأهم بالصلاة قبل الهجرة' ثم ثنى بالصوم وبالزكاة فی السنة الثانية من الهجرة' ثم ختم بالحج فی السنة السادسة منها' وكذلك فعل فی العادات.

المتوارثة. زجرهم اولا عن الكبائر' ثم نهاهم عن الصغائر فی شئ من الرفق' وتدرج بهم فی تحريم ما كان مستأصلاً فی نفوسهم كالخمر والربا والميسر' تدرجاً حكيماً' استطاع بذلك ان يقتلع الشر والفساد من جذوره اقتلاعاً كاملاً' ولنأخذ بعض الأمثلة على ذلك التشريع الحكيم' الذی نجح فی انتهاجه القرآن' فی معالجة الأمراض الاجتماعية (تحريم الخمر) الذی كان داء مستشرياً عند العرب' كيف استطاع ان يمحوه و يقضی عليه الإسلام؟ لقد انتهج القرآن فی تحريمه أربع مراحل' كما هو الشأن فی تحريم الربا' فلم يحرمه دفعة واحدة لانهم كانوا يتعاطون شرب الخمر كما يشرب الواحد منا الماء الزلال' فلم يكن من الحكمة ان يحرمه عليهم دفعة واحدة' وانما حرمه بالتدريج' فبدأ اولا بالتنفير منه بطريق غير مباشر فنزل قوله تعالى: ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا. ﴾ (النحل: ٦٧) **الآية فقد اخبر تعالى أنه قد أنعم على الناس بهاتين الشجرتين (النخيل' والاعناب) يستخرجون منهما (السكر) أی الخمر الذی يسكر و (الرزق الحسن) الذی ينتفع منه الناس من مأكول ومشروب' فمدح الثانی ووصفه بأنه رزق حسن' وأخبر عن الأول بأنه (سكر) ای شئ يسكر ويذهب بعقل الإنسان وبهذه المباينة فی الوصف يتضح لكل عاقل الفارق الكبير بين الأمرين المذكورين.**

❶ الفتح الربانی صفحہ ۲۱۱ جلد ۲۰۔
❷ الفتح الربانی صفحہ ۲۱۱ جلد ۲۰۔

المرحلة الثانية: جاء التنفير المباشر عن طريق المقارنة العملية بين شيئين: شئ فيه نفع مادی ضئيل، وشئ فيه ضرر جسمی وصحی و عقلی جسیم، وفيه كذلك زيادة على الاضرار العظيمة مهلكة للإنسان عن طريق و قوعه في الإثم الكبير۔ استمع إلى قوله تعالىٰ
﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا. ﴾ البقرة: ٢١٩) الآية. والمراد بالمنافع هنا: المنافع المادية التى كانوا يستفيدونها من وراء التجارة والبيع للخمر حيث يربحون منها، كما يربحون من وراء الميسر، وقد جمع القرآن بين الخمر والميسر فى الآية الكريمة، ولا شك ان النفع فى الميسر (مادى) بحت حيث يربح بعض المقامرين فكذلك فى الخمر.

قال: العلامة القرطبى فى تفسيره عند تفسير هذه الآية: قوله تعالى ﴿وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ.﴾ أما فى الخمر فربح، هذا أصح ما قيل فى منتفعها. وبالمقارنة بين هذين الشيئين تبين ان الاسلام نفر من الخمر عن طريق بيان اضرارها الجسيمة ولكنه لم يحرمها. وقد روى فى سبب نزول هذه الآية ان جماعة من المسلمين فيهم عمر بن الخطاب جاء وا الى الرسول الكريم فقالوا يا رسول الله: اخبرنا عن الخمر؟ فإنها مذهبة للعقل، مضيعة للمال، منهكة للجسم؟ فأنزل الله عزوجل ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ الآية.

وفى المرحلة الثالثة: كان التحريم للخمر، ولكنه كان (تحريمًا جزئيا) حيث نزل قوله تعالىٰ ﴿يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ...... ﴾ (النساء: ٤٣) الآية. فقد حرم الله عليه الخمر وقت الصلاة فقط حتى يصحوا من سكرهم، فكان المسلمون يشربونها ليلا و فى غير أوقات الصلاة وقد روى فى سبب نزول هذه الآية أن (عبدالرحمن بن عوف) صنع وليمة فدعا اليها بعض الصحابة، قال (على بن ابى طالب): فدعانا وسقانا الخمر، فأخذت الخمر منا، وحضرت الصلاة فقد مونى لأصلى بهم إماما فقرأت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ o اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا عَبَدْتُّمْ o ﴾ (الكافرون: ١ - ٦) الى آخر ذلك أى أنه لسكره غير فيها، فنزلت الآية الكريمة۔

لغات: سَـلَكَ: طرز، طریقہ، روش اختیار کرنا۔ فَـطَـمَ: کاٹنا، عادت چھڑانا۔ البعث: مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ غَـرَسَ: درخت لگانا، جڑ لگانا، گاڑھ دینا۔ دعـائم: دعامہ کی جمع، ستون کہ جس پر عمارت کھڑی کی جائے، معاملہ کی بنیاد۔ زَجَـرَ: روکنا، جھڑکنا۔ مستـاصل: جڑ پکڑے ہوئے، مضبوط جڑ والا۔ یقتلع: جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، کسی چیز کا قلع قمع کر دینا۔ نَجَحَ: کامیاب ہونا، مطلوبہ شی کو پالینا۔ انتهـاج: طرز، روش، طریقہ کار۔ داءٌ مستشـریـا: نا قابل عالج مرض، سنگین بیماری۔ یـمـحـو: مٹانا۔

یتعاطون: کسی کام میں منہمک رہنا' ایک دوسرے سے سبقت لے جانا' استعمال کرنا۔ تنفیر: نفرت دلانا۔ ضِئیلٌ: کمزور ناقص' گھٹیا۔ المقامر: جواری۔ یجلبون: ایک شی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔ رُخص: سستا ارزاں۔ مذهبة: دور کردینوالی: لے جانیوالی۔ مضیعۃ: ضائع کرنے والی۔

ترجمہ: تیسری حکمت' احکامات تشریعیہ میں تدریج

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''یہ حکمت نہایت واضح اور روشن ہے کیونکہ قرآن کریم نے ساری انسانیت اور خاص طور پر عربوں کے ساتھ حکمت کا طریقہ اپنایا ہے' پس انہیں شرک سے منع کیا (اور اس عادت کو ان سے چھڑایا) اور ان کے دلوں میں نور ایمان کو زندہ کیا اور ان کے دلوں (کی جڑوں) میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور جزا (اور سزا) پر ایمان کو گاڑھ دیا۔ پھر اس مرحلہ کے بعد کہ جو (دلوں میں) ایمان کے ستونوں کو مضبوط (کھڑا) کرنا تھا' انہیں عبادات کی طرف لے چلا' چنانچہ سب سے پہلے انہیں ہجرت سے پہلے نماز کا حکم دیا۔ پھر دوسرا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں روزے اور زکوٰۃ کا دیا پھر چھ ہجری میں ان کو حج کا آخری حکم دیا۔ اور قرآن نے ایسا ہی حکمت کا طریقہ ان کی (صدیوں سے) چلی آتی عادات کے بارے میں رکھا۔ پہلے (پہلے) انہیں کبائر (کے ارتکاب) کے پر ڈانٹا پھر نرمی کے ساتھ صغائر سے روکا۔ پھر ان چیزوں کو حرام کرنے میں کہ جو ان کے دلوں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ جیسے شراب' سودا اور جوا (وغیرہ) ان کے ساتھ (نہایت) ایسی حکیمانہ تدریج سے کام لیا کہ جس کے ذریعہ قرآن شر اور فساد کو اس کی جڑوں سمیت اکھاڑنے میں پوری طرح (کامیاب) ہوا۔ ہم یہاں اس حکیمانہ تشریع کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جس حکمت کے طریقہ پر چل کر قرآن امت کے ان اجتماعی امراض کے علاج ومعالجہ میں کامیاب ہوا (جیسے شراب کا حرام کرنا) کہ جو عربوں کے نزدیک ایک ناقابل علاج بیماری تھی۔ قرآن اس کو مٹانے میں کیسے کامیاب ہوا اور نبی علیہ السلام نے کیسے اس کو پورا کیا؟ قرآن کریم نے اس کو حرام کرنے کا راستہ چار مراحل میں طے کیا جیسے کہ سود کو حرام کرنے کا معاملہ تھا پس قرآن نے شراب کو ایک دم (یکبارگی) نہیں حرام کیا۔ کیونکہ وہ (اس طرح) شراب پیتے پلاتے تھے۔ جس طرح ہم میں سے کوئی میٹھا پانی پیتا ہے۔''

تو یہ بات حکمت (کے مطابق) نہ تھی کہ ان پر شراب ایک ہی بار حرام کر دی جاتی۔ بے شک قرآن نے شراب کو تدریجاً حرام کیا۔ چنانچہ پہلے پہلے قرآن نے شراب کے بارے میں کوئی حکم بیان کئے بغیر اس سے نفرت دلانے سے ابتداء کی۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا.﴾ (النحل: ٦٧)

''اور میووں سے کھجور کے' انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی۔'' (تفسیر عثمانی)

پس (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اللہ نے ان دو درختوں کھجور اور انگور کا لوگوں پر انعام کیا ہے (کہ) لوگ ان دونوں سے نشہ دینے والی شراب اور وہ رزق حسن کہ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے کھانے پینے کی چیزیں (مثلاً انگور کھجور کھانے کو اور ان کا رس اور شیرہ مثلاً نبیذ بنا کر پینے کو) حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے دوسری شئے کی تعریف کی۔ اور اس کی رزق حسن کہہ کر تعریف کی۔ اور پہلی شئے کے بارے میں بتلایا کہ وہ سکر ہے یعنی نشہ لاتی ہے اور عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے (ان دونوں کی) تعریف میں اس تضاد سے ہر ایک عقل مند کے لئے ان دونوں چیزوں کے درمیان بہت بڑا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ

دو چیزوں کے درمیان عملی اقتران (یعنی عمل میں وہ دونوں برابر ہوں) کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے (شراب سے) نفرت دلانا (اور اس کا حکم) آیا (ایک) ایسی شئے کہ جس میں حقیر مادی نفع ہے اور (دوسری) ایسی شئے کہ جس میں جسمانی عقلی اور صحت کا بڑا نقصان ہے۔ اور اس میں بھی (یعنی شراب میں) بڑے بڑے نقصانات کی کثرت ہے جو انسان کو کبیرہ گناہوں میں ڈال کر ہلاک کرنے والے ہیں۔ (ذرا) اللہ تعالیٰ کے اس قول کو غور سے سنو:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا. ﴾
(البقرۃ: ۲۱۹)

"تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا، کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) منافع سے یہاں مراد وہ مادی منافع ہے کہ جو وہ شراب کی بیع اور تجارت سے حاصل کیا کرتے تھے۔ کہ وہ شراب سے نفع کماتے تھے جیسا کہ وہ جوئے سے (بھی بسا اوقات) نفع کماتے تھے۔ تحقیق قرآن نے جوئے اور شراب کو (برا ہونے میں ایک جگہ) آیت کریمہ میں جمع کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوئے میں محض مادی نفع ہے کہ بعض جواری نفع کما جاتے ہیں (کہ جب وہ جوئے کی بازی جیت جائیں وگرنہ اکثر جواری گھر بار تک لٹا بیٹھتے ہیں) اسی طرح شراب میں بھی نفع ہے۔

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں "منافع" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (تو اس کا مطلب یہ ہے کہ) شراب کا نفع تو اس کی تجارت کا نفع ہے۔ کہ عرب شراب کو شام سے سستے داموں لے کر آیا کرتے تھے اور حجاز میں نفع کے ساتھ بیچ دیتے تھے۔" "شراب کے نفع" کے بارے میں یہ صحیح ترین قول ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں) ان دونوں کو ملا (کر بیان کر) نے میں یہ ظاہر ہوا کہ اسلام نے شراب کے جسمانی نقصانات کو بیان کرنے کے طریقے سے اس سے نفرت دلائی لیکن (ابھی تک) اس کو حرام نہ کیا۔ اور اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ "مسلمانوں کی ایک جماعت کہ جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی تھے وہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں شراب کے (حکم کے) بارے میں (کچھ) بتلائیے۔ کیونکہ یہ مدہوش کر دیتی ہے اور مال کو ضائع کرتی ہے اور جسم کو کمزور کر دینے والی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ......﴾

تیسرا مرحلہ

شراب کو حرام کر دینے کا تھا۔ لیکن یہ جزئی تحریم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ۴۳)
''اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہوں۔ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔'' (تفسیر عثانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو ان پر فقط نماز کے وقت حرام کیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے نشہ (کی حالت سے) صحیح ہو جائیں (تو پھر نماز پڑھیں) چنانچہ (اب) مسلمان شراب کو رات کے وقت اور نمازوں کے اوقات کے علاوہ میں پیتے تھے۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں یہ روایت آتی ہے کہ ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ولیمہ کی دعوت کی اس میں چند صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں دعوت پر بلایا اور شراب پلائی۔ پھر ہم سے شراب لے لی گئی۔ جبکہ نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ پس انہوں نے مجھے آگے کر دیا تا کہ میں امام بن کر ان کو نماز پڑھاؤں۔
میں نے یہ پڑھا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا عَبَدْتُّمْ ۝﴾ (الکافرون: ۱ - ۶)
(اے کافرو! میں اس کی پوجا کرتا ہوں جس کی تم کرتے ہو اور ہم اس کو پوجتے ہیں جس کو تم پوجتے ہو) اور آخر تک یونہی پڑھی۔
(مولف کتاب فرماتے ہیں) یعنی انہوں نے اپنے نشہ کی وجہ سے اس سورت کو بدلا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

توضیح

اس بارے میں گزشتہ صفحات میں احسن البیان جلد ا صفحہ ۱۵ میں مسند طیالسیؒ کے حوالہ سے ایک لمبی حدیث بیان کی جا چکی ہے۔ گزشتہ صفحات میں دیکھ لی جائے۔

وفی المرحلة الرابعة: وهی المرحلة الاخيره كان التحريم الكلی' القاطع المانع' حيث نزل قوله تعالى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المائدة: ۹۰-۹۱)
وسبب نزول هذه الآيات الكريمة على ما ذكره المفسرون هو: أن بعض الصحابة صلوا العشاء ثم

شربوا الخمر وجلسوا يتسامرون' فلعبت الخمر في رؤوسهم وكان فيهم (حمزة بن عبدالمطلب) عم النبيﷺ وكانت جارية صغيرة تنشدهم و تغنيهم' فقالت ضمن نشيدها:

ألا يا حمز للشرف النواء وهن معقلات بالفناء

تهيج حمزة على النوق (الإبل) التي كانت بجوار الدار' فقام حمزة فجب اسنمة ناقتي (علي) و بقر خاصرتيهما– وهو في حالة السكر– فأخبر علي بذلك فتألم اشد الألم وذهب الى النبيﷺ يشكو اليه ما فعل عمه (حمزة) فجاء النبيﷺ اليه يعاتبه ويلومه على صنيعه' فجعل حمزة ينظر اليه نظرة غريبة (يصوب بصره ويخفضه) ثم خاطب النبيﷺ ومن معه بقوله: وهم انتم إلا عبيد لأبي؟ فعلم رسول اللهﷺ ان عمه ثميل (أى سكران) فلم يؤاخذه' فقال عمر عندئذ: اللهم بين لنا في الخمر بياناً شافياً فأنزل الله إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس الآية. وهكذا تم تحريم الخمر تحريما (بالتدرج)' فكان في ذلك اعظم حكمة جليلة سلكها الاسلام في معالجة الامراض الاجتماعية' وقد جاء في كتاب (مناهل العرفان) للزرقاني ما نصه: (و تدرج الاسلام بهم في تحريم ما كان مستأصلاً فيهم كالخمر' تدرجًا حكيما حقق الغاية' وانقذهم من كابوسها في النهاية' وكان الاسلام في انتهاج هذه الخطة المثلى أبعد نظراً' وأهدى سبيلا' وأنجح تشريعاً' وأنجع سياسة' من تلكم الأمم المتمدنة المتحضرة التي افلسست في تحريم الخمر على شعوبها افظع إفلاس' وفشلت أمر فشل' وما عهد امريكا في مهزلة تحريمها الخمر ببعيد!! أليس ذلك إعجازا للإسلام في سياسة الشعوب' و تهذيب الجماعات' بلى و التاريخ من الشاهدين.

لغات: القاطع: کاٹنے والی' قطعیت والی' ظن سے خالی' یقینی۔ البغضاء: دشمنی' انتہائی نفرت۔ یَصُدُّ: باز رکھنا' ہٹانا' روکنا۔ یتسامرون: رات کو ایک دوسرے سے باتیں کرنا۔ لَعِبَ: کھیلنا' مراد ہے شراب کے نشہ کا دماغوں کو چڑھ جانا۔ تنشد: بلند آواز سے کسی کو شعر (یا گانا وغیرہ) سنانا۔ تُغَنِّي: گانا سنانا۔ نَشِیْدٌ: گیت' گانا' نغمہ۔ شُرُف: شریف کی جمع' باعزت لوگ' شرفا۔ النُواء: ناوی کی جمع' عقلمند' سردار۔ تَهَيَّجَ: برانگیختہ ہونا' تیار ہونا۔ نوق: ناقہ کی جمع' اونٹنی۔ جَبَّ: کاٹ ڈالنا۔ اسنمة: سنام کی جمع' اونٹ کا کوہان' کمر پر چربی کا گٹھا۔ بَقَرَ: پھاڑنا' کاٹنا۔ خاصرہ: پہلو کولہا۔ یعاتب: غصہ کرنا۔ صنیع: کام کہ جو کر دیا ہے۔ یصوب: اوپر اٹھانا۔ یُخَفِّضُ: نیچے کرنا' پست کرنا۔ حَقَّقَ: ثابت کرنا۔ سچا کر دکھانا۔ غایت: مقصد۔ کابوس: سونا کی حالت میں خوف و دہشت کی وجہ سے کسی کے دبا لینے کا احساس۔ الخُطَّة: لائحہ عمل۔ المتمدن: تہذیب یافتہ۔ المتحضر: شہری زندگی کے آداب و اخلاق اختیار کرنا۔ اَفْلَسَ: تنگدست ہونا۔ افظع: بھیانک' نہایت برا' بدترین۔ فَشَلَ: ناکام ہونا' ہارنا۔ مهزلة: مذاق اڑانا۔

ترجمہ: چوتھا مرحلہ

''یہ (شراب کی حرمت کا) چوتھا مرحلہ تھا یہ کلی تحریم تھی کہ جو (لوگوں کو شراب سے ہر قسم کا تعلق رکھنے سے) کاٹ دینے والی اور (ہر اعتبار سے مثلاً لینا دینا' بیچنا خریدنا' پینا پلانا غرض ہر ایک سے) منع کرنے والی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان اتارا۔''

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ o﴾ (المائدۃ: ۹۰-۹۱)

''اے ایمان والو! یہ جو ہے' شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سوان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سواب بھی تم باز آؤ گے۔'' (تفسیر عثمانی)

مفسرین نے اس آیت کے نزول کا جو سبب بتلایا ہے وہ یہ ہے۔ ''بعض صحابہ کرامؓ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر شراب پی' اور ایک دوسرے کو قصے سنانے بیٹھ گئے۔ پھر شراب کا نشہ ان کے دماغوں کو چڑھ گیا۔ ان میں نبیؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ ایک چھوٹی لڑکی انہیں اشعار پڑھ کر سنا رہی تھی اور ان کو گانا سنا رہی تھی۔ پس اس نے اپنے اشعار کے دوران یہ کہا

ألا یا حمز للشرف النواء   وھن معقلات بالفناء

''اے حمزہ! (تم آنے والے ان) شرفا عقل مند لوگوں کے لئے (ایک دعوت نہیں کرتے جبکہ تمہارے پاس عمدہ اونٹنیاں ہیں اور وہ دیکھو کہ) وہ (تمہارے گھر کے) صحن میں بندھی کھڑی ہیں۔''

(یہ سن کر) حضرت حمزہؓ گھر کے ساتھ (بندھی کھڑی) اونٹنی (کو ذبح کرنے) کے لئے تیار ہو گئے پس حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نشہ میں ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی دو اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے۔ (اور ذبح کیا) اور ان کے پہلو (بھی) کاٹ ڈالے۔ حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہیں اس کا بہت دکھ ہوا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت حمزہؓ کے اس کام کی شکایت کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان کے اس کام پر ان کو ملامت کی اور غصے ہوئے۔ جبکہ حضرت حمزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عجیب نگاہوں سے دیکھتے جا رہے تھے۔ (کبھی نظریں اوپر کرتے اور کبھی نیچے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو کہنے لگے کہ کیا تم سب تو میرے باپ کے غلام نہیں ہو؟'' آپ سمجھ گئے کہ ان کے چچا ابھی نشہ میں ہیں۔

چنانچہ آپؐ نے ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا' تو اس وقت حضرت عمرؓ یہ کہنے لگے۔ اے اللہ! تو ہمارے لئے شراب کے

بارے میں شافی بیان نازل فرما۔تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

انما الخمر............ الی آخرہ.

شراب کی حرمت اس طرح بتدریج مکمل ہوئی۔اس میں بہت بڑی روشن حکمت تھی کہ جس پر چل کر اسلام نے امت کے اجتماعی امراض کا علاج کیا۔اور علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں یہ لکھا ہے''اسلام نے عربوں کے ساتھ ان برائیوں کی تحریم میں بڑی حکیمانہ تدریج سے کام لیا کہ جو برائیاں ان کے دلوں میں جڑ پکڑ چکی تھیں جیسے شراب کہ اس تدریج نے غرض وغایت کو ثابت کر دیا اور آخر کار ان کو شراب کی (اس دل و دماغ کو مار دینے والی) بیماری سے نجات دلائی۔اور اسلام اس مثالی روش میں ان متمدن ومہذب (جدید ترقی یافتہ) قوموں سے زیادہ دوررس نگاہ' صراط مستقیم' کامیاب تشریع' (مفید موثر اور) سودمند سیاست رکھتا ہے کہ جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں شراب کی تحریم میں بدترین افلاس کا شکار ہیں اور نہایت بری کمزوری میں مبتلا ہیں۔اور شراب کی حرمت کا مذاق اڑانے میں امریکہ (اور امریکی قوم) کا یہ حال (اب زیادہ) دور نہیں ہے!!

کیا (زندگی کے ہر) شعبہ کی درستی اور قوموں کی تہذیب (وترقی اور تربیت کرنے) میں یہ اسلام کا اعجاز نہیں۔کیوں نہیں جبکہ تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے۔

توضیح

مولانا ادریس کاندھلویؒ معارف القرآن میں شراب کے سات نقصانات گنوانے کے بعد فرماتے ہیں''قرآن کریم نے شراب کو عمل شیطان نجس اور حرام قرار دیا اور اس کے پینے والے پر حد مقرر کی۔یورپ کی متمدن قوموں پر شراب خوری کے مفاسد خوب واضح ہو چکے ہیں۔اور شراب کی وجہ سے نظام تمدن کی خرابیاں ان کے سامنے ہیں۔اور وہ معروف ہیں کہ یہ چیز حرام ہونے کے قابل ہے مگر قانوناً اس کو جرم نہیں قرار دیا۔اسلامی تعلیم جہاں پہنچی اس نے شراب اور شراب خوری کا قلع قمع کر دیا اور پورے ملک کو اس لعنت سے محفوظ کر دیا۔(معارف القرآن جلد۲ صفحہ ۵۸۴)

اما الحكمة الرابعة: فهي: (تسهيل حفظ القرآن) على المسلمين' وفهمهم و تدبر هم له' فمن المعلوم ان العرب كانوا أميين (أى لا يقرأون ولا يكتبون) وقد سجل القرآن الكريم عليهم ذلك فى قوله تعالى ﴿هو الذى بعث فى الأُمِّيِّينَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آياته﴾ الآية. كما كان صلوات الله عليه أميا كذلك ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ فاقتضت حكمة الله ان ينزل كتابه المجيد (منجماً) ليسهل حفظه على المسلمين' لأنهم كانوا يعتمدون على ذاكرتهم' فكانت صدورهم اناجيلهم' كما ورد فى وصف امة محمدؐ' وأدوات الكتابة لم تكن ميسورة لدى الكاتبين منهم على ندرتهم' فلو نزل القرآن جملة واحدة لعجزوا عن حفظه' وعجزوا بالتالى عن تدبره وفهمه!

اما الحکمة الخامسة: فهی: (مسایرة الحوادث والوقائع فی حینها) والتنبیه علی الاخطاء فی وقتها' فإن ذلك اوقع فی النفس وأدعی الی أخذ العظة والعبرة منها عن طریق (الدرس العملی) فکلما جد منهم جدید نزل من القرآن ما یناسبه' وکلما حصل منهم خطأ او انحراف نزل القرآن بتعریفهم و تنبیههم الی ما ینبغی اجتنابه ولطلب عمله و نبههم الی مواطن الخطأ فی ذلك الوقت والحین' خذ مثلاً علی ذلك (غزوة حنین) فقد دخل الغرور الی نفوس المسلمین' وقالوا قولة الإعجاب والاغترار لما رأوا عددهم یزید علی عدد المشرکین أضعافاً مضاعفة' حینذاك داخلهم العجب فقالوا (لن نغلب الیوم من قلة) وکانت النتیجة انکسارهم وانهزامهم و تولیتهم الأدبار' وفی ذلك یقول القرآن الکریم. ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾ ولو ان القرآن نزل جملة واحدة لما أمکن التنبیه علی الخطأ فی حینه' إذ کیف یتصور ان تنزل الآیات فی شأن المؤمنین واغترار هم ولم تحدث بعد تلك الواقعة او الغزوة؟ وکذلك الحال فی اخذ الفداء من الأسری فی (بدر) حیث نزل التوجیه السماوی الرائع ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ.﴾ (الانفال: ٦٧) الآیة.

لغات: سَجَّلَ: بیان دینا' گواہی دینا' بیان کرنا۔ ذاکرةٌ: قوت یادداشت۔ حافظہ۔ اَنَاجیل: انجیل کی جمع مراد ہے کتاب۔ ویسے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری دینا۔ ادواة: اداة کی جمع اوزار آلہ۔ ندرت: کمیابی۔ قلت: کمی۔ عظة: نصیحت۔ اعجاب: پسند آنا۔ اغتراز: فریب خوردگی۔ العُجب: خود پسندی۔ اتراہٹ' غرور۔ انکسار۔ شکست۔ انھزام: شکست۔ الفداء: جان بچانے یا آزاد کرانے کے لیے دیا جانے والا مال' بدل جان خلاصی۔ الاسرٰی: اسیر کی جمع' قیدی۔ یُثخن: خوب جنگ کرنا' کشتے کے پشتے لگانا۔ خون ریزی کرنا۔

ترجمہ: چوتھی حکمت' مسلمانوں کو قرآن کو یاد کرنے سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے کا آسان ہونا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ بات مشہور ہے کہ عرب امی تھے (یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے) قرآن کریم نے ان کے بارے میں یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بتلائی ہے۔''

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ (الجمعة: ٢)

''وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں۔'' (تفسیر عثمانی)

جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی امی تھے۔ (اللہ تعالیٰ کا قول ہے)

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ.﴾ (الاعراف: ١٥٧)

''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اپنی یہ کتاب مجید تھوڑی تھوڑی کر کے نازل کرے۔ تاکہ مسلمانوں کو اس کا یاد کرنا آسان ہو۔ کیونکہ وہ لوگ (فقط) اپنے حافظہ (اور یادداشت) پر بھروسہ کرتے تھے۔ پس ان کے سینے ان کی کتابیں (یعنی خزینے) تھے (کہ ان میں ہی ہر بات محفوظ رکھتے تھے لکھ پڑھ کر کچھ محفوظ نہ رکھتے تھے) جیسا کہ امت محمدیہؐ کی تعریف میں (بھی) یہی بات روایات میں آتی ہے۔ اور آلات کتابت' ان میں جو لکھ سکتے تھے جو کہ کم ہی ہوتے تھے۔ ان کے پاس بھی نہ ہوتے تھے۔ پس اگر قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو جاتا تو وہ لوگ اس کو یاد کرنے سے عاجز ہو جاتے اور اس کو سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے سے اس کے ساتھ چلنے سے عاجز ہو جاتے۔

پانچویں حکمت

حوادث اور واقعات کا اپنے وقت پر پیش آنا اور ان اسی وقت میں غلطیوں پر متنبہ کرنا

کہ یہ زیادہ جی میں بیٹھنے والی بات ہے اور عملی سبق کے طور پر ان واقعات وحوادث سے عبرت ونصیحت پکڑنے کی طرف زیادہ بلانے والی بات ہے پس جب بھی ان میں کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے جو مناسب ہوتا وہ قرآن سے اتر آتا۔ اور جب بھی ان سے کوئی خطا سرزد ہوتی یا (دین کے کسی حکم سے) انحراف ہو جاتا تو ان کو وہ بات سمجھانے اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے اس پر تنبیہ کے لئے قرآن اتر آتا۔ اور اس وقت میں قرآن پر عمل کی طلب اور لغزشوں (اور خطاؤں) کی جگہوں پر متنبہ کرنے کے لئے (قرآن اتر آتا) مثلاً آپ اس کی مثال غزوۂ حنین لیجئے۔ کہ مسلمانوں کے جیوؤں میں (اپنی کثرت کو دیکھ کر ذرا) غرور آ گیا۔ اور انہوں نے ایک خود پسندانہ اور غرور کا جملہ کہہ دیا کہ جب انہوں نے اپنی تعداد کو مشرکین کی تعداد سے دو گنا چوگنا دیکھا کہ اس وقت ان کے جیوؤں میں عجب آ گیا۔ وہ کہنے لگے۔ ''آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔'' تو نتیجہ ان کی پراگندگی' شکست اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے (کی شکل) میں نکلا' اسی بارے میں قرآن کریم کہتا ہے۔

لغات: سَجَّلَ: بیان دینا' گواہی دینا' بیان کرنا۔ ذاکرۃ: قوتِ یادداشت' حافظہ۔ اَنَاجِیل: انجیل کی جمع مراد ہے کتاب ویسے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری دینا۔ ادواۃ: اداۃ کی جمع' اوزار' آلہ۔ ندرت: کمیابی' قلت' نایابی۔ عظۃ: نصیحت۔ اعجاب: پسند آنا۔ اغترار: فریب خوردگی۔ العجب: خود پسندی اتراہٹ' غرور۔ انکسار: شکست۔ انهزام: شکست الفداء: جان بچانے یا آزاد کرانے کے لئے دیا جانیوالا مال' بدلِ جان خلاصی۔ الاسرای: سیر کی جمع' قیدی۔ یُثْخِنُ: خوب جنگ کرنا' کشتے کے پشتے لگانا' خون ریزی کرنا۔

ویوم حنین.......... ثم ولیتم مدبرین. (التوبہ: ۲۵)

''اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے۔ تم پیٹھ دے کر۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اگر سارا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو چکا ہوتا تو اس وقت خطا پر تنبیہ ممکن نہ تھی۔ کیونکہ اس بات کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت۔

اوران کے غرور کے بارے میں آیات نازل ہوں اوراس کے بعد کوئی حادثہ یا واقعہ نہ ہو؟

یہی صورت بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے بارے میں بھی پیش آئی۔ کہ جب آسمانی ڈرانے والی توجیہہ اتری: ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ. ﴾ (الانفال: ٦٧)

''نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کر لے زمین میں۔'' (تفسیر عثمانی)

أما الحكمة السادسة

فهي: (الإرشاد إلى مصدر القرآن الكريم وأنه تنزيل الحكيم الحميد) و فى هذه الحكمة الجليلة يجدر بنا أن ننقل نص ما كتبه العالم الفاضل الشيخ (محمد عبد العظيم الزرقانى) فى كتابه: "مناهل العرفان" حيث جاء برائع البيان فقال رحمه الله تعالى: (الإرشاد الى مصدر القرآن' وأنه كلام الله وحده' وأنه لا يمكن أن يكون كلام محمد ولا كلام مخلوق سواه......) وبيان ذلك: أن القرآن الكريم نقرؤه من أوله إلى آخره فإذا هو محكم السرد' دقيق السبك' متين الأسلوب' قوى الاتصال' آخذ بعضه برقاب بعض فى سوره و آياته وجمله' يجري دم الإعجاز فيه كله من ألفه إلى يائه' كأنه سبيكة واحدة' ولا يكاد يوجد بين أجزائه تفكك ولا تخاذل' كأنه سمط وحيد' وعقد فريد' يأخذ بالأبصار' نظمت حروفه وكلماته' و نسقت جمله وآياته..... و هنا نتساء ل: كيف اتسق للقرآن هذا التأليف المعجز؟ وكيف استقام له هذا التناسق المدهش؟ على حين أنه لم يتنزل جملة واحدة' بل تنزل آحادا مفرقة تفرق الوقائع والحوادث فى أكثر من عشرين عاماً!!

الجواب: أننا نلمح هنا سرا جديدا من أسرار الإعجاز' و نشهد سمة فذة من سمات الربوبية و نقرأ دليلا ساطعًا على مصدر القرآن وأنه كلام الواحد الديان ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَ جدوا فِيْهِ اِخْتَلَافًا كَثِيْرًا﴾ وإلا فحدثني بربك كيف تستطيع أنت؟ أم كيف يستطيع الخلق جميعا أن يأتوا بكتاب محكم الإتصال والترابط' متين النسج والسرد' متآلف البدايات والنهايات' مع خضوعه فى التأليف لعوامل خارجة عن مقدور البشر' وهى (وقائع الزمن وأحداثه) التى يجئ كل جزء من أجزاء هذا الكتاب تبعاً لها' ومتحدثا عنها' سببا بعد سبب' وداعية إثر داعية' مع اختلاف ما بين هذه الدواعى' وتغاير ما بين تلك الاسباب' ومع تراخى زمان هذا التأليف' وتطاول آماد هذه النجوم إلى أكثر من عشرين عاماً لا ريب أن هذا الانفصال الزمانى' وذاك الاختلاف

الملحوظ بين هاتيك الدواعى، يستلزمان فى مجرى العادة (التفكك والانحلال) ولا يدعان مجالاً للارتباط والاتصال، بين نجوم هذا الكلام. أما القرآن الكريم فقد خرق العادة فى هذه الناحية أيضا...... نزل مفرقاً منجماً، ولكنه ثم مترابطاً محكماً، أليس ذلك برهانا ساطعاً على أنه كلام خالق القوى والقدر، ومالك الأسباب والمسببات، ومدبر الخلق والكائنات، وقيوم الأرض والسموات، العليم بما كان وما سيكون، الخبير بالزمان وما يحدث فيه من شؤون؟

لاحظ فوق ما أسفلنا أن رسول اللهؐ كان إذا أنزلت عليه آية أو آيات قال: ضعوها فى مكان كذا، من سورة كذا وهو بشر لا يدرى طلعاً ما ستجىء به الأيام، ولا يعلم ما سيكون فى مستقبل الزمان، ولا يدرك ما سيحدث من الدواعى والأحداث، فضلاً عما سينزل من الله فيها...... وهكذا يمضى العمر الطويل والرسول على هذا العهد، يأتيه الوحى بالقرآن نجما بعد نجم، وإذا القرآن كله بعد هذا العمر الطويل يكمل ويتم، وينتظم ويتأخى، ويتألف ويلتئم، ولا يؤخذ عليه أدنى تخاذل ولا تفاوت، بل يعجز الخلق طرا، بما فيه من انسجام ووحدة و ترابط. ﴿كِتَابٌ اُحْكِمَتْ آياتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾

وإنه ليستبين لك سر هذا الإعجاز إذا ما علمت أن محاولة مثل هذا الاتساق والانسجام، لن يمكن أن يأتى على هذا النمط الذى نزل به القرآن، ولا على قريب من هذا النمط، لا فى كلام الرسولؐ ولا كلام غيره من البلغاء وغيره البلغاء...... خذ مثلاً (حديث النبىؐ) وهو ما هو فى روعته و بلاغته وطهره وسموة، لقد قاله الرسول فى مناسبات مختلفة، لدواع متباينة، فى أزمات متطاولة، فهل فى مكنتك ومكنة البشر معك أن ينظموا من هذا السرد الشتيت وحده، كتاباً واحداً يصقله الاسترسال والوحدة، من غير أن ينقصوا منه او يتزيدوا عليه او يتصرفوا فيه؟ ذالك مالن يكون ولا يمكن أن يكون، ومن حاول ذلك فإنما يحاول العبث، ويخرج للناس بثوب مرقع، وكلام ملفق، ينقصه الترابط والانسجام، و يعوزه الوحدة والاسترسال، وتمجه الأسماع والأفهام. إذن: فالقرآن الكريم ينطق نزوله منجما بأنه كلام الله وحده، وتلك حكمة جليلة الشأن، تدل الخلق على الحق فى مصدر القرآن!!﴿قُلْ أنزله الذى يعلم السّر فِيْ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرض إنّه كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾!!

لغات: ارشاد: راہنمائی، ہدایت، تعلیم۔ مصدر: سرچشمہ، اصل، جڑ، کسی شی کے جاری ہونے اور نکلنے کی جگہ مراد ہے کہ وہ ذات جس سے قرآن کا صدور ہوا ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ۔ یجدر: لائق ہونا، اہل ہونا۔ رائع: شاندار، تعجب خیز، عمدہ، خوشنما۔ محکم السرد: محکم یعنی مضبوط، سرد یعنی تسلسل اور ترتیب سے کلام کرنا مراد ہے کہ مضبوط ومرتب و مسلسل کلام والا۔ دقیق السبک: دقیق یعنی باریک، گہرا، غامض اور سبک یعنی ڈھلا ہوا صاف۔ مراد ہے سلیس شستہ عمدہ اور گہرا کلام۔ متین

الاسلوب: پختہ طرزِ نگارش اور مضبوط اندازِ بیان والا۔ **تفكك:** ڈھیلا پن' انتشار' خلفشار' بکھراؤ' رخنہ' پھوٹ۔ **تخاذل:** ایک دوسرے سے الگ۔ **سمط وحید:** ایک لڑی۔ **عقد فرید:** سونے کی لڑیوں میں پرویا ہوا بے مثال ہار۔ **نُسِقَتْ:** مرتب کیا ہوا پرویا ہوا۔ **اِتَّسَقَ:** مرتب ہونا۔ یکجا ہونا۔ **التناسق:** باہم مرتب ہونا' جڑنا۔ **المدهش:** ہوش اڑا دینے والا۔ **تلمح:** دیکھنا' سرسری نگاہ ڈالنا۔ اچٹتی نظر سے دیکھنا۔ **سِمَةٌ:** علامت طرۂ امتیاز۔ **فَذَّةٌ:** شاذ' منفرد۔ **دَلِيلٌ سَاطِعٌ:** روشن دلیل۔ **الترابط:** ایک دوسرے سے ملنا' جڑنا۔ **النسج:** آراستگی کلام اور ترتیب کلام۔ **متالف:** متحد' جڑا ہوا۔ **تراخي:** کسی کام سے پیچھے ہٹ جانا۔ **تطاول:** درازی' لمبائی۔ **آماد:** امد کی جمع' مدت' زمانہ۔ **انحلال:** ڈھیلا پن۔ **قُوىٰ:** قوت کی جمع' قوت' طاقت۔ **قُدَرْ:** قدرت کی جمع' طاقت' سکت' توانائی۔

ترجمہ: چھٹی حکمت

قرآن کریم کے اتارنے والے کی طرف راہ نمائی اور اس بات کی راہ نمائی کہ یہ ایک حکیم اور ستودہ صفات ذات کی اتاری ہوئی (کتاب ہے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اس عظیم حکمت کو بیان کرنے میں ہمارے لئے مناسب یہ ہے کہ ہم اس تحریر کو نقل کر دیں کہ جس کو عالم فاصل الشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی'' نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے (یہ بات نہایت) عمدہ بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں ''مصدر قرآن کی طرف راہ نمائی اور یہ کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اور یہ کہ یہ ناممکن ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو یا اللہ کے علاوہ کسی اور کا ہو۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ ہم قرآن کریم کو اول سے آخر تک پڑھتے ہیں تو (اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ) یہ محکم السرد' دقیق السبک' متین الاسلوب قوی الاتصال (ہے اور) اس کی سورتوں آیتوں اور جملوں میں بعض بعض کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس کی الف سے لے کر اس کی یاء تک اس میں اعجاز کا خون چل رہا ہے (یعنی یہ شروع سے آخر تک معجزہ ہی معجزہ ہے) گویا کہ یہ کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک ہی شئے ہے اور اس کے اجزائے کے درمیان ایک دوسرے سے الگ الگ ہونا نہیں پایا جاتا۔ گویا کہ یہ ایک ہی لڑی ہے (کہ جس میں ترتیب وار موتی پروئے ہیں) اور ایک ہی ہار ہے (کہ جس کا کوئی موتی دوسرے سے الگ اور لڑی سے جدا نہیں) اور (اس کے الفاظ کی یہ نہایت عمدہ ترتیب) آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے (کہ نگاہیں اس سے اٹھتی نہیں) اس کے حروف اور کلمات منظم ہیں۔ (ترتیب وار ہیں)''

اس کے جملے اور اس کی آیات ترتیب سے ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ قران کی یہ معجزانہ تالیف کیسے مرتب ہوگئی اور قرآن کی یہ مدہوش کر دینے والی کلام کی ترتیب قرآن کے لئے کیسے درست ہوگئی۔ باوجودیکہ یہ ایک ہی دفعہ نہیں نازل ہوا بلکہ یہ بیس سال سے زیادہ کے عرصہ میں متفرق حوادث اور واقعات کے مطابق متفرق طور پر الگ الگ اترا ہے؟

جواب

ہم (قرآن کے) اعجاز کے اسراروں میں سے ایک نئے سر کو اس جگہ دیکھتے ہیں اور (رب کی) ربوبیت کی علامات میں سے ایک مضبوط علامت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مصدر قرآن اور اس بات پر کہ یہ اس ذات کا کلام ہے کہ جو اکیلی ہے حاکم ہے، ہم ایک روشن دلیل (قرآن ہی میں سے) پڑھتے ہیں۔ (وہ یہ ہے)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۸۲)

''اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔'' (تفسیر عثمانی)

وگرنہ تیرے رب کی قسم تو مجھے بتلا کہ تو یا ساری کی ساری مخلوق ایسا کرسکتی ہے کہ ایک ایسی کتاب لائیں کہ جو (کلمات کے آپس میں) اتصال اور (معانی کے آپس کے) ربط میں محکم ہو (اور الفاظ کے) لانے اور (ان کو ایک نظم میں) پرونے میں مضبوط ہو۔ (اور) ابتدائی اور انتہائی باتوں کو جمع کرنے والی ہو۔ (یعنی اس میں مبدأ کا ذکر بھی ہو اور معاد کا بھی، دنیا کا بھی آخرت کا بھی، حتیٰ کہ ابتدائے آفرینش کائنات کا بھی اور اختتام کائنات کا بھی) اس کے ساتھ ساتھ قرآن اپنی تالیف میں ایسے عوامل کا کاربند ہو کہ جو بندوں کی طاقت سے باہر ہوں۔ اور وہ زمانے کے حوادث اور واقعات ہیں کہ اس کتاب کا ہر ہر جز ان حوادث و واقعات کے پیچھے آتا ہے۔ اور ان کے بارے میں بتلاتا ہے اور سبب کے بعد سبب اور (ان واقعات کا) داعیہ کے بعد داعیہ بن کر آتا ہے جبکہ ان (قرآن کے نزول کے) دواعی میں اختلاف اور ان اسباب میں تغایر بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی (قرآن کی اس معجزانہ) تالیف میں زمانے کی ایک لمبی مدت بھی ہے، اور یہ متفرق طور پر نازل ہونا کے زمانے لمبے ہیں کہ جو بیس سال سے زیادہ ہیں۔ اور بے شک یہ انفصال زمانی (یعنی لمبا زمانہ) اور ان دو دواعی کے درمیان ملحوظ اختلاف یہ تفکک اور انحلال کی عادت کے جاری ہونے میں لازم و ملزوم ہیں۔ اور یہ اس کلام کے متفرق طور پر نازل ہونے میں اتصال اور ارتباط کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ البتہ قرآن کریم نے اس جگہ بھی خرق عادت سے کام لیا یہ اترا تو متفرق طور پر لیکن پورا ہوا محکم اور باہم مربوط ہو کر۔

کیا یہ اس بات کی روشن دلیل نہیں ہے کہ یہ قدرتوں اور طاقتوں کے خالق کا کلام ہے اور مالک الاسباب والمسببات، کائنات کے خلاق اور مدبر، زمین و آسمان کو قائم رکھنے والے، گزشتہ اور آئندہ کو جاننے والے زمانہ، اور جو کچھ بھی زمانے میں واقع ہو اس کو جاننے والے (کا کلام ہے)

توضیح

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں ''آؤ اس منذر عام کی اس کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وہ خدا کا کلام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جب تم اس کی تفتیش کرو گے تو تم کو اس کتاب میں تہذیب، اخلاق، طریق تمدن و معاشرت اصول حکومت و سیاست ترقی

روحانیت‘ تحصیل معرفت ربانی‘ تزکیہ نفوس‘ تنویر قلوب‘ غرض کہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قواعد و سامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و حکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت جامع و موثر اور دلربا طرز بیان‘ دریا سا تموج اور روانی‘ سہل ممتنع سلاست‘ اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شوکت‘ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہاں کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی‘ اور اولاد کی اولاد کو اپنے سے روشناس کیا‘ اس کا برابر یہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین‘ خدا کے سورج جیسا سورج‘ اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ (اعجاز القرآن بلفظہ صفحہ ۴۵-۴۶)

لغات: یَتَاٰخیٰ: باہم مل جل جانا۔ یاتلف: متحد ہونا‘ جڑنا۔ یلتئم: جڑنا‘ ٹھیک ہونا۔ طُرًّا: سب کے سب۔ انسجام: کلام کا مرتب ہونا۔ محاولة: کوشش۔ النمط: طرز‘ قسم‘ نوع۔ مُکنَةٌ: طاقت‘ قدرت‘ اختیار‘ زور و قوت۔ السرد الشتیت: متفرق و منتشر طور پر لانا۔ یصقل: زنگ اتارنا‘ جلا دینا۔ استرسال: کلام کا تسلسل یا سلاست۔ ثوب مرقع: پیوند لگا کپڑا۔ کلامِ ملفق: سخن سازی۔ یُعْوِزُ: مفلس و درماندہ بنانا‘ بے بس کرنا۔ تَمُجُّ: ناگوار ہونا کہ جسے کان سننا پسند نہ کریں۔

ترجمہ: ”(اب) تو جو کچھ ہم نے پیچھے بیان کیا اس سے (بھی) اوپر کی بات کو دیکھ‘ کہ جب نبیؐ پر کوئی آیت یا آیات نازل کی جاتی تھیں تو آپؐ فرماتے ”اس کو فلاں جگہ فلاں سورت میں رکھ دو۔“ جبکہ آپؐ (آخر کار ایک بندہ) بشر ہیں۔ کہ آپؐ حقیقت کو نہیں جانتے کہ (آنے والا زمانہ اور) ایام کیا (احوال) لے کر آئیں گے اور آپ نہیں جانتے کہ آئندہ چل کر کیا ہوگا‘ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا نہیں کہ حوادث و واقعات میں سے آئندہ کیا پیش آنے والا ہے چہ جائیکہ آپؐ کو اس بات کا علم ہو کہ ان حوادث کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا نازل فرمائیں گے۔ اسی طرح ایک لمبا زمانہ گزر جاتا ہے اور نبیؐ اسی حال میں ہیں کہ ان پر قرآن کی تھوڑی تھوڑی وحی آتی ہے۔ اور جب اس طویل عرصہ کے بعد پورا قرآن کامل اور مکمل ہو جاتا ہے۔ اور (قرآن کی آیات ایک ہار میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح) مل جل جاتی ہیں (اور قرآن کے متفرق اجزاء باہم) اکٹھے اور جڑ جاتے ہیں۔ اور قرآن میں کوئی ادنیٰ کمزوری اور فرق بھی (ڈھونڈے سے) نہیں ملتا بلکہ وہ ساری کی ساری مخلوق کو اپنی ترتیب‘ وحدت اور باہمی ربط کی وجہ سے عاجز کر دیتا ہے (جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

﴿کِتَابٌ اُحْکِمَتْ آیَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ﴾ (ھود: ۱)

”یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔“ (تفسیر عثمانی)

اور اس اعجاز کا راز آپ پر ظاہر ہو جائے گا جب آپ یہ جان لیں گے کہ اس طرح سے (کلام کو) مرتب کرنا اور ترتیب

دینا' کہ جس طریقہ پر قران نازل ہوا ہے' اس طریقہ پر کوئی کلام بنانا یا اس کے قریب قریب بنانا یہ ہرگز (ہرگز) ممکن نہیں (اور یہ معجزانہ ترتیب ونظم کلام) نہ ہی رسول اللہؐ کے کلام میں ہونا اور نہ ہی آپؐ کے علاوہ (فصحاء اور) بلغاء اور نہ ہی غیر بلغاء کے کلام میں ہونا ممکن ہے۔

مثلاً آپ نبی ﷺ کی حدیث کو ہی لے لیجئے کہ وہ اپنے حسن وبلاغت اور پاکیزگی اور بلندی میں کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم طویل زمانوں میں' متضاد دواعی کی وجہ سے مختلف مناسبتوں سے ارشاد فرمایا ہے تو کیا تجھے یا تیرے ساتھ اور کسی انسان کو یہ طاقت ہے کہ فقط اس یکتائے روزگار متفرق طور پر لائے گئے کلام سے ایک کتاب ہی ترتیب دے ڈالیں کہ کلام کی وسعت اور وحدت اس کو فصیح وبلیغ بنا ڈالے بغیر اس کے کہ وہ لوگ کلام رسول سے نہ کچھ گھٹائیں اور نہ اس میں کچھ بڑھائیں اور نہ ہی اس میں کچھ تصرف کریں۔

یہ ایسی بات ہے کہ جو ہرگز (ہرگز) نہ ہوگی اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن ہے' پس جس نے بھی یہ کوشش کی تو اس نے بیکار کی کوشش کی۔ اور اگر وہ ایسی کوئی کوشش کرے تو گویا کہ وہ لوگوں کے لئے ایک پیوند لگا کپڑا نکالے گا اور جھوٹ سے ملمع کیا ہوا کلام لائے گا (یعنی کلوچ زراندود کی طرح جھوٹی بات کو کلام رسول بتلائے گا) کہ کلام کی باہمی ترتیب اور نظم اس کے کلام کو ناقص کر دے گی (یعنی یا تو وہ ترتیب کہ جو کلام رسول میں ہوگی وہ اس میں نہ ہوگی تو صاف ظاہر ہے کہ ترتیب کلام رسول اس کو ناقص کر دے گی۔ یا اس کے اپنے ہی کلام کی ترتیب اور اس کا نظم اس کے اپنے ہی کلام کو ناقص کرے گا کہ وہ کلام رسول جیسا کہاں ہوگا۔ (نسیم) اور (معانی کی) وحدت اور وسعت اس کے کلام کو عاجز کر دے گی۔ اور کان اور (دل و) دماغ اس کو سننا نہ چاہے گا۔

تو پھر! قرآن کریم! اس کا تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا (خود) یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ صرف اللہ کا کلام ہے' اور یہ ایک جلیل القدر حکمت ہے کہ جو انسانیت کی مصدر قرآن کی طرف راہ نمائی کرتی ہے' (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔)

﴿قُلْ أنزله الذی یعلم السّر فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالأَرض إنّه كَانَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا﴾ [1] (الفرقان: ٦)

''تو کہہ اس کو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(اس کی مزید تفصیل اعجاز القرآن کی بحث میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ از نسیم)

کیف تلقی النبیؐ القرآن؟

تلقی النبیؐ القرآن بواسطة أمین الوحی (جبریل) علیه السلام' و (جبریل) تلقاه عن رب العزة جل جلاله' ولیس لجبریل الأمین سوی تبلیغ کلام الله إیحائه للرسولؐ...... فالله جلت حکمته قد أنزل کتابه المقدس علی خاتم أنبیائه بواسطة (أمین الوحی) جبریل' وعلمه جبریل للرسول' وبلغه

[1] مناہل العرفان ج ۱ ص ۵۴

الرسول لأمته، وقد وصف الله (جبريل) عليه السلام بأنه أمين على الوحي، يبلغه كما سمعه عن الله تعالى. ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ٥ ذِى قُوَّةٍ عِنْدَ ذِىْ الْعَرْشِ مَكِيْنٍ٥ مُطَاعٍ ثُمَّ أَمِيْنٍ﴾ وقال تعالى في وصفه أيضاً ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الأَمِيْنُ٥ عَلى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ أما حقيقة الكلام، وحقيقة المنزل فإنما هو كلام الله، و تنزيل رب العالمين، كما قال تعالى. (وانك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم) وقد كان صلوات الله عليه يعاني عند نزول القران شدة، وكان يحاول أن يجهد نفسه من أجل حفظ القرآن، فيكرر القراءة مع جبريل حين يتلو عليه القرآن، خشية أن ينساه أو يضيع عليه شيئ منه، فأمره الله تعالى بالإنصات والسكوت عند قراءة جبريل عليه، وطمأنه بأنه تعالى سيجعل هذا القرآن محفوظاً في صدره، فلا يتعجل في أمره، ولا يجهد نفسه في تلقيه ﴿وَلَا تَعْجَل بِالقُرْآنِ مِنَ قبل أن يُقْضٰى إِلَـيْكَ وَحْيَهُ وقُلْ رَبِّ زِدْنِى عِلْمًا﴾ وأما تكفل الله تعالىٰ له بالحفظ فقد جاء في قوله سبحانه ﴿لَا تُحَرِّكَ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ٥ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَه٥ فإذا قرأناه فاتبع قُرْآنَهُ٥ ثُمَّ إِنّ عَلَيْنَا بَيَانَه﴾ وقد كان جبريل يدارس النبيّ القرآن في رمضان، فينزل جبريل على رسول الله ويستمع له القرآن، فيقرأ الرسول بين يديه، وجبريل يستمع، ويقرأ جبريل والنبي يستمع، وهكذا يدارسه في كل رمضان ما نزل من القرآن مرة واحدة، وقبل وفاته ﷺ نزل عليه جبريل مرتين في رمضان فدارسه القرآن حتى لقد شعر عليه الصلاة والسلام- من نزول جبريل مرتين عليه- بدنو أجله، وقال لعائشة رضي الله عنها: إن جبريل كان ينزل علّي فيدارسني القرآن مرة واحدة في رمضان، وقد نزل على هذا العام مرتين، وما أراني إلا قد اقترب أجلي. وقد كان الأمر كذلك فقد انتقل في ذلك العام إلى جوار ربه صلوات الله وسلامه عليه وانقطع بوفاته نزول الوحي۔

أما كيف تلقى جبريل القرآن عن الله عزوجل، فقد تقدم معنا أنه كان سماعاً حيث سمع من الله عزوجل هذه الآيات فنزل بها على رسول الله...... قال البيهقي في معنى قوله: انا انزلنا في ليلة القدر يريد۔ والله اعلم انا اسمعنا الملك وأفهمناه إياه وأنزلناه بما سمع) انتهى...... ومعنى هذا أن جبريل أخذ القرآن عن الله تعالى سماعاً ويؤيده ما روى في الحديث الشريف إذا تكلم الله بالوحي أخذت السماء رجفة شديدة من خوف الله، فإذا سمع أهل السماء صعقوا، وخروا سجدا، فيكون أولهم يرفع رأسه (جبريل) فيكلمه الله بوحيه بما أراد، فينتهي به إلى الملائكة، فكلما مر بسماء سأله أهلها ماذا قال ربنا؟ قال: الحق، فينتهي به حيث امر. رواه الطبراني۔

قال (الزرقاني) في كتابه "مناهل العرفان": (وقد أسف بعض الناس فزعهم أن جبريل كان

ینزل علی النبیؐ بمعانی القرآن، والرسول یعبر عنها بلغة العرب...... وزعم آخرون أن اللفظ لجبریل وأن الله کان یوحی إلیه المعنی فقط...... وکلاهما قول باطل أثیم، مصادم لصریح الکتاب والسنة والإجماع ولا یساوی قیمة المداد الذی یکتب به، وعقیدتی أنه مدسوس علی المسلمین فی کتبهم، وإلا فکیف یکون القران حینئذ معجزاً واللفظ لمحمد أو لجبریل؟ ثم کیف تصح نسبته إلی الله واللفظ لیس لله؟ مع أن الله یقول (حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ) إلی غیر ذلک مما یطول بنا تفصیله.

لغات: تَلَقّٰی: حاصل کرنا۔ المقدس: ہر عیب اور نقص سے پاک۔ یُعَانِی: تکلیف اٹھانا، سامنا کرنا، دوچار ہونا۔ یُدَارِسُ: مذاکرہ کرنا، دہرانا، دور کرنا۔ رِجْفَةٌ: بھونچال، کپکپاہٹ۔ صَعِقَ: گر جانا، بے ہوش ہو کر گر جانا۔ خَرَّ: نیچے آ گرنا۔ اَسَفَ: غلط بات اڑانا۔ مصادم: مخالف۔

ترجمہ: نبیؐ نے قرآن کس طریقہ سے حاصل کیا؟ یعنی (حضورؐ پر وحی نازل ہونے کے طریقے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے حاصل کیا اور انہوں نے (یعنی حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے) اللہ رب العزت جل جلالہ سے حاصل کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام اللہ کی تبلیغ اور وحی الٰہی کے پہنچانے کے سوا (اور کچھ کام) نہ تھا۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ کہ جس کی حکمتیں عظیم ہیں (اس) نے کتاب مقدس کو خاتم الانبیاء (حضرت محمدؐ) پر حضرت جبرئیل امین کے واسطہ سے نازل کیا۔ اور حضرت جبرئیل نے وہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلا دی۔ اور آپؐ نے یہ کتاب اپنی امت کو پہنچا دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی (قرآن میں) یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ وحی (الٰہی) کے امین ہیں۔ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ سے سنتے ہیں اسی طرح ہی رسول اللہؐ کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں)

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۝ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۝﴾ (التکویر: ۱۹-۲۰)

''مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا، وہاں کا معتبر ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی تعریف میں (ایک دوسری جگہ) یہ بھی ارشاد فرمایا ہے

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۳-۱۹۴)

''لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر، تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

البتہ رہی اس (اترنے والے) کلام کی حقیقت اور اتارنے والی (ذات) کی حقیقت تو بے شک یہ کلام اللہ ہے اور رب العالمین کا اتارا ہوا ہے جیسا کہ (خود) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وانك لتلقی القران من لدن حکیم علیم.﴾ (النمل:٦)

''اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول کے وقت (اپنے اوپر) بڑی مشقت برداشت کرتے تھے۔ اور قرآن کو یاد کرنے کے لئے بڑا مجاہدہ کرتے تھے۔ اور جب حضرت جبرئیلؑ آپؐ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو آپؐ بھی ان کے ساتھ قرآن کو دہراتے تھے اس ڈر سے کہ آپؐ قرآن کو بھول نہ جائیں یا قرآن کا کچھ حصہ (لینے سے رہ نہ جائے اور) ضائع نہ ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل کے تلاوت کرنے کے وقت متوجہ ہو (کر سننے) اور خاموش رہنے کا حکم دیا اور آپؐ کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس قرآن کو آپؐ کے سینے میں محفوظ کر دے گا۔ پس آپ اس قرآن کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اور اس قرآن کے لینے میں اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے)

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ ...... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا.﴾ (طٰه: ١١٤)

''اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ کے لئے (قرآن کے) حفظ کرنے کا ذمہ اٹھانا تو (یہ بات) اللہ سبحانہ (وتعالیٰ) کے اس قول میں آئی ہے۔

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖo اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗo ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗo﴾ (القیامه: ١٦- ١٩)

''نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیؐ کے ساتھ (ہر) رمضان میں (جتنا قرآن اتر چکا ہوتا تھا اس کا) دور کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نبیؐ کے پاس (آکر) اترتے۔ اور نبیؐ کا قرآن سنتے پس نبیؐ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرماتے۔

اور جبرئیلؑ سن رہے ہوتے اور جبرئیل پڑھتے اور نبیؐ سنتے۔ حضرت جبرئیلؑ نبیؐ کے ساتھ رمضان میں جتنا بھی قرآن اتر چکا ہوتا تھا اس کا ایک مرتبہ دور کرتے اور آپ ﷺ کی وفات سے قبل (آخری) رمضان میں حضرت جبرئیل دو مرتبہ نازل ہوئے اور نبیؐ سے (دونوں مرتبہ) قرآن کا دور کیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیلؑ کے دو دفعہ نازل ہونے کی وجہ سے نبیؐ نے اپنی وفات کے قریب ہونے کو جان لیا۔ اور آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''تحقیق حضرت جبرئیل مجھ پر رمضان میں ایک مرتبہ

نازل ہوا کرتے تھے اور قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور تحقیق اس سال مجھ پر دو مرتبہ نازل ہوئے ہیں۔ میرا یہی گمان ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔'' (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یونہی ہوا۔ کہ تحقیق نبیؐ اسی سال ہی اللہ رب العزت کے جوار رحمت میں (اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) منتقل ہو گئے۔ آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ وسلام ہو اور آپؐ کی وفات سے وحی کا سلسلہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) منقطع ہو گیا۔

رہی یہ بات کہ حضرت جبرئیلؑ قرآن کو کیسے لیتے تھے۔ تو ابھی یہ بات گزری ہے کہ وہ سنتے تھے۔ کہ وہ آیات کو اللہ جل جلالہ سے سنتے اور ان کو لے کر نبیؐ پر نازل ہوتے۔ امام بیہقیؒ اللہ کے اس قول: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱) کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ''اللہ کی اس سے یہ مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ ''ہم نے اس قرآن کو فرشتہ کو سنایا اور یہ قرآن اس کو سمجھا (بھی) دیا اور ہم نے فرشتہ کو بمعہ اس کے جو اس نے سنا۔ اتارا.....'' انتھی کلامہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ امام بیہقی کی) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ قرآن سن کر حاصل کیا۔ اس کی تائید وہ بات بھی کرتی ہے کہ جو حدیث شریف میں آئی ہے۔ کہ ''جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے کلام فرماتے ہیں تو آسمان اللہ کے خوف سے بری طرح کانپنے لگتا ہے اور جب آسمان والے اس وحی کو سنتے ہیں تو (اللہ کی ہیبت اور جلال سے) سجدوں میں گر جاتے ہیں۔ تو ان میں سب سے پہلے حضرت جبرئیل سر اٹھاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جتنی چاہے ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل اس کو فرشتوں تک لے جاتے ہیں۔ اور وہ جب جب بھی (جس) آسمان سے گزرتے ہیں اس آسمان والے حضرت جبرئیل سے پوچھتے ہیں۔ ہمارے رب نے کیا کہا۔ وہ فرماتے ہیں ''حق'' کہا۔ پھر وہ وہاں لے جاتے ہیں جہاں لے جانے کا حکم ہوا ہوتا ہے (اس روایت کو طبرانی نے نقل کیا ہے) علامہ زرقانیؒ اپنی کتاب ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' میں فرماتے ہیں۔

''بعض لوگوں نے یہ (غلط) بات اڑائی ہے اور اپنے زعم (باطل) میں یہ سمجھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نبیؐ پر قرآن کے معانی لے کر اترتے تھے اور نبیؐ ان کی لغت عرب میں تعبیر کرتے (اور ان کو عربی الفاظ کا جامہ پہناتے) اور بعض دوسروں نے یہ (غلط) گمان باندھا ہے کہ الفاظ تو جبرئیل علیہ السلام کے ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف فقط معانی قرآن کی وحی فرماتے تھے۔ یہ دونوں کے دونوں قول باطل اور جھوٹے ہیں کہ جو کتاب وسنت اور اجماع (امت) کے صریح خلاف ہیں۔ ان اقوال کی قیمت اس سیاہی کے برابر بھی نہیں کہ جن سے یہ اقوال لکھتے جاتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ یہ اقوال مسلمانوں کی کتابوں میں (زبردستی کسی سازش کے تحت) ٹھونسے گئے ہیں۔ وگرنہ اس صورت میں قرآن کا معجزہ ہونا کیسے ہوگا جبکہ یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) کے الفاظ ہوں؟ پھر (یہ بھی کہ) اس کی نسبت اللہ کی طرف کیسے درست ہوگی جبکہ (اس کے) الفاظ اللہ کے ہی نہ ہوں؟ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد (بھی) ہے ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ٦) ''یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔'' (تفسیر عثمانی)

(علامہ زرقانی فرماتے ہیں) اس کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں (کہ جو قرآن کو اللہ کا کلام ثابت کرتی ہیں) کہ جن کی

تفصیل ہمارے لئے بہت لمبی ہوگی۔(مناہل العرفان صفحہ ۴۲ جلد ۱)

توضیح

وحی اور وحی کی حقیقت

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''وحی وہ ذریعہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے اور رسول تلک پہنچاتے ہیں۔ اور اس رسول کے ذریعے تمام انسانوں تک اور چونکہ ''وحی'' اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ فقط انبیاء کرامؑ کو ہی ہوتا ہے اس لئے ہمارے لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ممکن نہیں ہے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۳۰)

آگے چل کر فرماتے ہیں: ''وحی کی حقیقت یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام کسی واسطہ کے ذریعے یا بلا واسطہ اپنے کسی پیغمبر پر القاء فرمادیتا ہے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۴۵)

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ فرماتے ہیں ''اسی طرح عقل کی روشنی صرف اسی وقت کارآمد ہوسکتی ہے جبکہ خارج میں بھی اس کی راہنمائی کے لئے کوئی قوی روشنی موجود ہو اور یہ روشنی وہی ہے جس کو مذہب کی اصطلاح میں ''وحی'' کہتے ہیں۔'' (صفحہ ۲۱ ''وحی الٰہی'')

''وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس کے ذریعے غور و فکر، کسب و نظر اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل و لطف خاص سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہو۔'' (صفحہ ۲۵ ''وحی الٰہی'')

''وحی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم تو بجز خدا کے اور کسے ہوسکتا ہے البتہ فلاسفہ نے اپنی بساط کے مطابق کچھ پتہ چلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا حاصل اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وحی کے امکان و جواز میں جو بظاہر عقلی استبعاد نظر آتا ہے اسے دور کریں اور یہ ثابت کریں کہ علم و اطلاع کے جس غیبی ذریعہ کو وحی کہتے ہیں اس کا تحقق انسانی کے باطنی قوی اور ملکات کی دریافت و تحقیق کی روشنی میں ناممکن نہیں ہے۔'' (صفحہ ۲۶ ''وحی الٰہی'')

وحی حضرت جبرئیل لاتے تھے

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں ''علامہ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل کے علاوہ کوئی فرشتہ وحی لے کر نہیں آیا۔'' علامہ بدرالدین عینیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ❶ ہوتا ہے۔''

علامہ حلیمیؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ پر وحی چھیالس طریقوں سے نازل ہوتی تھی۔ ''لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے حامل وحی (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے شمار کر کے ان کی تعداد چھیالیس تک پہنچا دی ہے۔ ورنہ تعداد اتنی نہیں ہے۔'' ❷ (علوم القرآن صفحہ ۳۷ ملخصاً)

---

❶ عمدۃ القاری صفحہ ۴۷-۴۸ جلد ۱۔ ❷ فتح الباری صفحہ ۱۶ جلد ۱۔

''بہر حال اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ جو فرشتہ آنحضرتؐ پر وحی لاتا تھا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۳۶)

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

''زیادہ کار برآری کی یہی صورت رہی کہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو اپنی صورت ملکیہ میں نظر آئیں اور بالفاظ کلام پہنچائیں کہ جس کو وحی متلو اور قرآن کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی صفحہ ۸۲ جلد ۱ مقدمہ)

حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی کہاں سے اور کیسے لاتے تھے؟

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

''رہی یہ بات کہ جبرئیلؑ وہ کلام کہاں سے لاتے تھے۔ کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کر آتے تھے۔ یا پس پردہ خدا تعالیٰ سے سن لیتے تھے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے اور جس بنا پر سید احمد خان صاحب نے اعتراض کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ پیشتر فصل ملائکہ میں آپ فرشتہ کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علی حسب مراتب جناب باری تعالیٰ سے تقرب ہوتا ہے اور جبکہ جبرئیلؑ نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں۔ ان کو خدا پاک سے ہم کلام ہونا ہر وقت آسان ہے لیکن خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا باہم کلام اس آواز اور ان حروف سے نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مضامین دلی کے ادا کرنے کے واسطے آلات ہیں اور کبھی ہم بھی بغیر ان حروف اور صوت اور تلفظ کے باہم کلام کر لیتے ہیں خیر اعلیٰ لوگ تو قوت روحانیہ سے بات چیت صدہا کوس کے فاصلہ سے کر سکتے ہیں مگر تار برقی وغیرہ آلات سے ہم بھی چپ ہو کر لب بند کر کے کلام کر سکتے ہیں۔ پس جبرئیل علیہ السلام علم الٰہی سے کہ جس کو قلم اور لوح محفوظ کہتے ہیں۔ مطلع ہو کر اور الفاظ بھی وہیں سے تلقین پا کر آنحضرت علیہ السلام کو حسب حاجت پہنچاتے جاتے تھے۔'' (تفسیر حقانی صفحہ ۸۲ جلد ۱ مقدمہ)

حضورؐ قرآن کو کہاں سے لیتے تھے

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام ان الفاظ اور معانی کو جبرئیل علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے۔ پھر حفاظ کو یاد کرا دیتے اور کاتبین وحی سے لکھوا دیتے تھے اور خود بھی بخوبی حفظ رکھتے تھے۔'' (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۸۳ مقدمہ)

قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''قرآن کریم لفظاً اور معناً پورا کا پورا کلام اللہ ہے جس طرح اس کے مضامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی من وعن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور ان کے انتخاب یا ترکیب و انشاء میں نہ

حضرت جبرئیلؑ کا کوئی دخل ہے نہ آنحضرتؐ کا جو لوگ وحی کے بارے میں مادہ پرستوں کے اعتراضات سے مرعوب ہیں۔ ہمارے زمانے میں ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کا صرف مفہوم بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔ اور (معاذ اللہ) اس کے الفاظ اور ترکیبیں وغیرہ حضرت جبرئیلؑ کی یا آنحضرتؐ کی ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل باطل مہمل اور قرآن وسنت کے صریح دلائل کے بالکل خلاف ہے۔''

آگے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس پر چار دلائل نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ

''یہ مذکورہ آیت صراحۃً دلالت کررہی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جو الفاظ لے کر آتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تھا اس لئے اس کے الفاظ یاد کرانے اس کی تلاوت کا طریقہ سکھانے اور اس کے معانی کی تشریح کرنے کے تینوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لئے ہیں۔ ان واضح دلائل کی روشنی میں یہ گمان بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ الفاظ قرآن وحی کے ذریعہ نازل نہیں کئے گئے۔''

اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شیخ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں۔

''اس مقام پر بحث کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں بالاتفاق بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ اور احادیث قدسیہ کے بارے میں بھی مشہور قول یہی ہے کہ ان کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ البتہ احادیث نبویہؐ کے صرف معنی وحی ہیں۔ الفاظ حضورؐ کے اپنے ہیں اور جو احادیث آپؐ نے اپنے اجتہاد سے ارشاد فرمائیں ان کے معنی اور الفاظ دونوں حضورؐ کے ہیں۔'' [1]

آگے علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اگر وحی واقعۃً ایک ضرورت ہے اور باری تعالیٰ اس پر قادر ہے تو آخر کونسی معقول وجہ ہے کہ وہ معنی تو نبی کے قلب پر اتار سکے اور الفاظ اتارنے پر (معاذ اللہ) قادر نہ ہو؟

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ان کے نزدیک صرف مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں الفاظ حضرت جبرئیلؑ کے یا حضورؐ کے ہیں۔'' [2] لیکن آپ نے دیکھا کہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے مضبوط دلائل کی روشنی میں یہ اقوال بالکل باطل ہیں۔ مذکورہ بزرگوں نے بھی ان اقوال کے قائلین کا کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ (قال بعضہم) ''بعض لوگوں نے کہا ہے'' کہہ کر یہ الفاظ نقل کر دئے ہیں اور علامہ سیوطیؒ نے تو اس کی صراحۃً تردید بھی کی ہے اس لئے ان اقوال کو اس مذہب باطل کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔'' (علوم القرآن صفحہ ۴۸ تا ۵۱ ملخصاً)

---

[1] مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۴۰۔

[2] البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ والاتقان جلد ۱ صفحہ ۴۵۔

هل السنة النبوية بوحي من الله؟

تقدم معنا أن القرآن الكريم (كلام الله) ومعنى ذلك أن (اللفظ والمعنى) هو من عند الله' ولا دخل لجبريل أو لمحمد فيه سوى التبليغ عن الله عزوجل' أما السنة النبوية فإنها بوحي كذلك من الله ولكن اللفظ للرسول والمعنى من عند الله' لأن الله تعالى يقول ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى٥﴾ وقد نقل السيوطي عن (الجويني) أنه قال: (كلام الله المنزل قسمان: قسم قال الله لجبريل: قل للنبي الذي أنت مرسل إليه إن الله يقول: إفعل كذا وكذا' وأمر بكذا و كذا' ففهم جبريل ما قاله ربه ثم نزل على ذلك النبي وقال له ما قاله ربه' ولم تكن العبارة تلك العبارة' كما يقول الملك لمن يثق به: قل لفلان يقول لك الملك: اجتهد في الخدمة' واجمع جندك للقتال...... فإن قال الرسول: يقول لك الملك: لا تتهاون في خدمتي' ولا تترك الجند يتفرق' وحثهم على القتال...... الخ لا ينسب إلى كذب ولا تقصير...... وقسم آخر قال الله لجبريل: اقرأ على النبي هذا الكتاب' فنزل به جبريل من الله من غير تغيير' كما يكتب الملك كتاباً ويسلمه إلى أمين ويقول اقرأه على فلان...... قال السيوطي القرآن هو القسم الثاني والقسم الأول هو السنة' ومن هنا جاز رواية السنة بالمعنى بخلاف القرآن)

ترجمہ: کیا سنت نبویہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ بات پہلے گزر گئی ہے کہ قرآن کریم ''اللہ کا کلام'' ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ (قرآن کے) لفظ اور معنی (دونوں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ اور نبیؐ کا اس میں سوائے اللہ کی طرف سے (اس کے اس پیغام کو) پہنچا دینے کے اور کوئی دخل نہیں۔ رہی سنت نبویہؐ تو وہ بھی اللہ کی وحی ہے لیکن (اس کے) الفاظ (تو) رسول اللہؐ کے ہیں اور (ان کے) معنی (وہ) اللہ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى٥﴾ (النجم: ٣ - ٤)

''اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے' یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے علامہ جوینیؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا کلام دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ (جس میں) اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ سے (یوں) ارشاد فرماتے ہیں ''تو (جا اور جا کر) نبیؐ کو کہہ دے کہ تو اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے (اور اللہ تعالیٰ آپ کو یہ) ارشاد فرماتے ہیں'' یہ یہ کرلو اور اللہ تعالیٰ نے یہ یہ حکم دیا ہے۔ پس فرمان ربانی کو سمجھتے ہیں پھر اس کو لے کر نبیؐ پر اترتے ہیں اور جو کچھ اللہ رب العزت نے فرمایا ہوتا ہے وہ (آ کر) کہہ دیتے ہیں۔'' جبکہ ان کے الفاظ وہ نہیں ہوتے (جو کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہوتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھئے

کہ) جیسے بادشاہ اپنے کسی معتمد سے یوں کہے کہ فلاں (فلاں) کو کہہ دو کہ بادشاہ تمہیں یہ کہتا ہے کہ ''کہ خدمت میں چست وچوکس رہ اور جنگ کے لئے لشکر تیار رکھ'' تو اگر وہ قاصد اس کو جا کر (یوں) کہے کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے ''خدمت میں سستی نہ کر اور فوج کر پراگندہ نہ رکھ اور انہیں جنگ پر ابھارتا رہ۔'' تو اس قاصد کو جھوٹا یا کمی کرنے والا نہ کہا جائے گا۔ اور (وحی کی ایک) دوسری (یہ) قسم ہے کہ (جس میں) اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے یہ ارشاد فرماتے ہیں ''نبیؐ کو یہ کتاب پڑھ سنا۔'' تو حضرت جبرئیلؑ اس کو (من وعن) بغیر کسی تبدیلی کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر اترتے ہیں۔'' (اس کی مثال یوں سمجھئے کہ) جیسے ایک بادشاہ ایک (شاہی) فرمان لکھ دیتا ہے اور اسے (اپنے) معتمد کے حوالہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے یہ (جا کر) فلاں (فلاں) کو پڑھ سناؤ۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن (یہ) دوسری قسم (کی وحی) ہے اور پہلی قسم (کی وحی) سنت نبویہؐ ہے اور اسی وجہ سے حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے بخلاف قرآن کے (کہ اس کی روایت بالمعنی جائز نہیں)

توضیح

وحی متلو اور غیر متلو کا بیان

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں ''وحی متلو کے علاوہ جس قدر صورتیں ہیں سب کو وحی غیر متلو اور سنت اور کبھی حدیث قدسی بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۸۲ مقدمہ)

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں ''آنحضرتؐ پر دو قسم کی وحی نازل ہوئی تھی۔

(۱) وہ وحی جو قرآن کریم کی آیات ہیں۔ اور جن کے الفاظ ومعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ اور یہ قرآن کی شکل میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ علماء کی اصطلاح میں اس کو وحی متلو کہتے ہیں یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس میں اسلام کے اصول، عقائد اور بنیادی تعلیمات کا بیان ہے۔

(۲) وہ وحی کہ جو قرآن کریم کا جزو نہیں بنی۔ اس کے ذریعہ آپؐ کو بہت سے احکامات عطا کئے گئے۔ اس کو وحی غیر متلو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اور یہ صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ (احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۳۰)

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''آنحضرتؐ پر جو وحی نازل ہوئی اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو قرآن کریم کی آیات کہ جس کے الفاظ ومعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ اور شوشہ بھی نہ بدلا جا سکا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے اس وحی کو علماء کی اصطلاح میں وحی متلو یعنی وہ وحی کہ جس کی تلاوت کی

جاتی ہے' کہا جاتا ہے دوسری قسم اس وحی کی وہ ہے کہ جو قرآن کریم کا جز و نہیں بنی لیکن اس کے ذریعے آپ کو بہت سارے احکام عطا کئے گئے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ یعنی وہ وحی کہ جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔''

عموماً وحی متلو یعنی قرآن کریم میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے ان تعلیمات کی تفصیل اور جزوی مسائل زیادہ تر ''وحی غیر متلو'' کے ذریعہ عطا کئے گئے ہیں۔ یہ ''وحی غیر متلو'' صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور ان میں عموماً صرف (ان کے) مضامین (کو) وحی کے ذریعہ عطا کیا گیا ان مضامین کی تعبیر کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب آپؐ نے خود فرمایا ہے۔'' [1]

علامہ فرماتے ہیں:

''اسلامی احکام کی جزوی تفصیلات چونکہ اس ''وحی غیر متلو'' کے ذریعہ بتلائی گئی ہیں۔ اس لئے جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود اسلامی احکام کی پابندیوں سے آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصہ سے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ ''وحی غیر متلو'' کوئی شئے نہیں آنحضرتؐ پر جتنی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف نازل کی گئی وہ قرآن کی شکل میں محفوظ ہے قرآن کریم کے علاوہ جو احکام آپ نے دیئے وہ ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے دیئے جو صرف اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے واجب العمل تھے۔ آج ان پر عمل کرنا ضروری نہیں' (یہ خیالات غلام احمد پرویز کے تھے۔ (نسیم))''

لیکن یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ خود قرآن کریم کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی صرف قرآن کریم میں منحصر نہیں۔ بلکہ آیات قرآنی کے علاوہ بھی آپؐ کو بہت سی باتیں بذریعہ وحی بتلائیں گئیں۔ اس کے بعد چند دلائل کو اس بات کی تائید میں پیش فرما کر لکھتے ہیں۔

''متعدد روایات سے ''وحی غیر متلو'' کا ثبوت ملتا ہے۔ ''وحی غیر متلو'' بھی وحی کی ایک قسم ہے اور ''وحی متلو'' کی طرح یقینی اور واجب الاتباع ہے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۴۰-۴۳ ملخصاً)

☆☆☆

---

[1] الاتقان صفحہ ۴۵ جلد ۱۔

من كنوز المعلومات

ماالفرق بين القراءة والتلاوة؟

القرائة اعّم من التلاوة فكل تلاوة قراءة وليس كل قراءة تلاوة' لايقال تلوت رقعتك وانما يقال فى القرآن' شى اذا قراته وجب عليك اتباع' كذا قال الراغب ويفهم منه ان التلاوة خاصة بالقرآن الكريم مع الاتباع وليست القراءة كذلك۔

الوتين: عرق متعلق بالقلب اذا انقطع مات صاحب؟ اذكر الاية الدالة على ذلك؟

قال تعالى ﴿ تَنْزِيْلٌ مِّن رَّبِ الْعَالَمِيْنَo وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيلِ o لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِo ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَo﴾ (الحاقة)

قال عنها الرسول ﷺ انها شفاء من كل داء الاالسّام (الموت) وقال ابن القيم: انها تشفى من البرص واذابة الحصى' واخراج الدود والزكام' وينفع زيتها فى علاج الامراض الجدية' وتستعمل مفردة اومخلوطة مع زيت الزيتون او العسل؟ فما هى؟

الحبة السوداء:

قال رسول الله ﷺ: عليكم بهذه الحبة السوداء فان فيها شفاء من كل داء الاالسّام۔ (واخرجه البخارى ۱۰/۱۲۱' مسلم ۲۲۱۵)

معلومات کاایک خزانہ

سوال: قراءت اورتلاوت میں کیافرق ہے؟

جواب: تلاوت قراءت سے عام ہےلہٰذاہرتلاوت قراءت ہےجبکہ ہرقراءت تلاوت نہیں۔لہٰذا"تلوت رقعتك" (میں نےتمہاراخط تلاوت کیا) نہ کہاجائےگا۔بےشک قرآن کےبارےمیں کہاجائےگا۔جب تواس کوپڑھےگاتوتجھ پراس کی اتباع واجب ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ نےیوں ہی فرمایاہےاوران کےکلام سےیہ سمجھ آتاہےکہ تلاوت یہ قرآن کریم کےساتھ اس کی اتباع سمیت خاص ہے۔جبکہ قراءت یوں نہیں ہے۔

سوال: وتین (یعنی شہ رگ جوجسم انسانی کےدل سےنکلنےوالےصاف خون کی غذابہم پہنچاتی ہے) کہ یہ دل کےمتعلق ایک رگ ہےکہ جب یہ کٹ جائےتوآدمی مرجاتاہے۔بتلائیےقرآن کی کونسی آیت ہےکہ اس لفظ پردلالت کرتی ہے؟

جواب: وہ آیت یہ ہے:

ارشادِباری تعالیٰ ہے:

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّن رَّبِ الْعَالَمِيْنَo وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِيلِ o لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِo ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ

الْوَتِیْنَo﴾ (الحاقة: ۴۳ - ۴۶)

''یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن۔'' (تفسیر عثمانی)

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شی کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔''

اور ابن قیمؒ نے (اس کے بارے میں) فرمایا ہے ''یہ برص، کنکریوں کو (مثانہ سے) پگھلا (کر نکال) نے اور (پیٹ وغیرہ کے) کیڑے نکالنے اور زکام سے شفا دیتی ہے اور اس کا تیل جلدی امراض کے علاج میں شفا دیتا ہے اور یہ الگ سے اور زیتون کے تیل یا شہد سے ملا کر (بھی) استعمال کیا جاتا ہے (ذرا بتلایئے تو) وہ کیا چیز ہے؟

جواب: (وہ) کلونجی ہے کہ (اس کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم کلونجی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ موت کے علاوہ ہر مرض کی دوا ہے۔'' (بخاری ۱۰/۱۲۱) (مسلم ۲۲۱۵)

☆☆☆

الفصل الرابع

جمع القرآن

جمع القرآن فی عهد النبوة

جمع القرآن الكريم فی عهدين: عهد النبوة، وعهد الخلفاء الراشدين، وقد كان لكل جمع خصائصه و مزاياه، وكلمة (جمع) تطلق أحيانا و يراد منها الحفظ والاستظهار فی صدور الرجال، وتطلق تارة و يراد منها الكتابة والتسجيل فی الصحائف والأوراق...... وقد كان لجمع القرآن فی عصر النبوة الأمران معاً:

أولاً: الجمع فی الصدور، عن طريق الحفظ والاستظهار.

ثانياً: الجمع فی السطور، عن طريق الكتابة والنقش.

وسنتحدث عن كلا الجمعين بشئ من التفصيل، ليتبين لنا العناية الفائقة بالقرآن العظيم وكتابته و تدوينه، مما لم يسبق لكتاب سماوی أن نال من الرعاية والعناية والاهتمام كما ناله القرآن الكريم، كتاب الله المجيد، ومعجزة محمد الخالدة.

ترجمہ: چوتھی فصل

جمع قرآن کے بارے میں

لغات: مزایا: یہ مزیہ کی جمع ہے، خوبی، خاصیت۔ استظهار: حفظ، زبانی یاد کرنا۔ التسجیل: درج کرنا، لکھنا۔

ترجمہ: جمع قرآن عہد نبوت میں

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کا جمع کرنا دو عہدوں میں ہوا۔ عہد نبوت میں اور عہد خلفاء راشدین میں ہر ایک دور کے جمع قرآن کی کی کچھ خصوصیات اور خوبیاں ہیں۔ اور کبھی لفظ ''جمع'' بولا جاتا ہے اور اسی سے مراد لوگوں کے سینوں میں اس کا حفظ اور محفوظ ہونا ہوتا ہے اور کبھی اس کو بول کر صحائف اور اوراق کتابت اور لکھائی مراد ہوتی ہے۔ اور عہد نبوت میں جمع قرآن میں یہ دونوں ہی باتیں ہی پائیں جاتی تھیں۔''

(۱) سینوں میں قرآن کا جمع ہونا (کہ جو) حفظ اور یادداشت کے طور پر (ہوتا تھا)

(۲) سطور میں جمع ہونا (کہ جو) تحریر اور نقوش کی شکل میں (ہوتا تھا)

ہم دونوں قسم کی جمع کے بارے میں کسی قدر تفصیل کریں گے' تاکہ ہمارے سامنے قران عظیم کی اور اس کی کتابت اور تدوین کے لئے (اس امت کی) وہ گہری توجہ ہونا سامنے آجائے کہ جو کسی آسمانی کتاب کے ساتھ (پہلے) نہ تھی۔ کہ (اس گزشتہ کتاب نے) وہ رعایت' توجہ اور اہتمام پایا ہو کہ جو قرآن کریم نے پایا (یعنی توجہ' اہتمام اور رعایت) کہ جو اللہ کی کتاب مجید اور محمدؐ کا دائمی معجزہ ہے۔

جمع القرآن فی الصدور

نزل القرآن الكريم على النبي الأمي' فكانت همته منصرفة إلى حفظه واستظهاره ليحفظه كما نزل عليه' ثم يقرأه على الناس على مكث ليحفظوه ويستظهروه' ضرورة أمة نبي أمي بعثه الله إلى العرب الأميين. ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأميينَ رَسُوْلًا مِنهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَيعلمهم الكتابَ والحكمةَ......﴾ الآية ومن شأن الأمي– في العادة أن يعتمد على حافظته وذاكرته' لأنه لا يقرأ ولا يكتب' ولقد كانت الأمة العربية على عهد نزول القرآن' تتمتع بخصائص العروبة الكاملة' التي فيها قوة الذاكرة' وسرعة الحفظ' وسيلان الأذهان' وكان العربي يحفظ مئات الآلاف من الأشعار ويعرف الأحساب والأنساب' فيستظهر ها عن ظهر قلب' ويعرف التواريخ وقل أن تجد منهم من لا يعد لك الحسب والنسب' أو من لا يحفظ (المعلقات العشر) على كثرة أشعارها' وصعوبة حفظها!!

ثم جاء هم القرآن الكريم فبهرهم بقوة بيانه' وروعة أحكامه' وجلال سلطانه فأخذ عليهم مشاعرهم' واستحوذ على عقولهم وأفكارهم' حتى صرف هممهم إلى الكتاب المجيد فيمموا وجوههم نحوه' يحفظونه ويستظهرون آياته وسوره' وتركوا الشعر لأنّهم وجدوا في القرآن روح الحياة!!

أما النبيّ فقد بلغ من حرصه الشديد على حفظ القرآن أن يحيى الليل بتلاوة آيات القرآن في الصلاة' عبادة وتلاوة و تدبراً لمعانيه' حتى تفطرت قدماه الشريفتان من كثرة القيام امتثالاً لأمر الله العلي الكبير ﴿يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا o نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا o اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا o﴾ لذلك فلا عجب أن يكون ﷺ سيد الحفاظ' وأن يجمع القرآن في قلبه الشريف' ويكون مرجع المسلمين في كل ما يعنيهم من أمر القرآن العظيم.

وأما الصحابة رضوان الله عليهم فقد كانوا يتسابقون إلى تلاوت القرآن و مدارسته' ويبذلون قصارى جهدهم لا ستظهاره وحفظه' ويعلمونه أزواجهم وأولادهم في البيوت' حتى لقد كان

الذى يمر ببيوت الصحابة فى غسق الدجى' يسمع فيها دويا كدوى النحل بالقرآن' حتى كان صلوات الله عليه يمر على بعض دور الأنصار' فيقف على بعضهم يستمع القرآن فى ظلام الليل......

أخرج البخارى عن (أبى موسى الأشعرىؓ) أن رسول اللهؐ قال له: "لو رأيتنى البارحة وأنا أستمع لقراء تك؟ لقد أعطيت مزمارا من مزا مير آل داود"

وزاد فى رواية لمسلم: فقلت: لو علمت والله يا رسول الله أنك تستمع لقراء تى لحبّرته لك تحبيرا. وروى عن رسول اللهؐ أنه قال: إنى لأعرف أصوات رفقة الأشعريين بالقرآن حين يدخلون بالليل' وأعرف منازلهم من أصواتهم بالليل بالقرآن' وإن كنت لم أرمنازلهم بالنهار" رواه الشيخان.

وقد اشتهر كثير من الصحابة بحفظ القرآن الكريم' وكان الرسولؐ يذكى فيهم روح العناية بحفظ القرآن' ويبعث إلى المدن والقرى من يعلمهم ويقرئهم' كما بعث– قبل الهجرة– (مصعب بن عمير) و (ابن أم مكتوم) إلى أهل المدينة' يعلمانهم الإسلام' ويقرئانهم القرآن' وكما بعث (معاذ بن جبل) إلى مكة للتحفيظ والتعليم بعد هجرته ﷺ.

قال (عبادة بن االصامت): (كان الرجل إذا هاجر دفعه النبىؐ إلى رجل منا يعلمه القرآن' وكان يسمع لمسجد رسول اللهؐ ضبحة بتلاوة القرآن' حتى أمرهم رسول الله أن يخفضوا أصواتهم لئلا يتغالطوا)

ومن هنا كان حفاظ القرآن فى حياة الرسولؐ لا يحصون' ويكفى أن نعلم أن عدد الذين استشهدوا فى (معركة اليمامة) يزيد عددهم على سبعين من كبار الحفاظ' كما قتل مثل هذا العدد فى عهد الرسول ببئر معونة...... قال القرطبى: (قتل يوم اليمامة سبعون من القراء و قتل فى عهد رسول الله ببئر معونة مثل هذا العدد). أى: أن عدد الذين استشهدوا من الحفظة ۱۴۰. ولقد كانت أشرف خصوصية لهذه الأمة المحمدية أن يكون هذا الكتاب المقدس محفوظاً فى صدورها' وأن تعتمد فى نقله على حفظ القلوب والصدور' لا على كتابته فى المصاحف والسطور فحسب......

بخلاف أهل الكتاب الذين لا نجد منهم من يحفظ التوراة أو الانجيل' وإنما يتعمدون فى حفظهما على الكتب المسطرة' ولا يقرأونه إلا نظرا' لا عن ظهر قلب' ولهذا دخل إليهما التحريف والتبديل' أما القرآن الكريم فقد حفظه الله بعنايته الإلهيّة' فيسره للحفظ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ وصانه من التحريف والتبديل بطريق حفظه فى السطور' وحفظه فى

الصدور ومصداقا لقوله تعالى. ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ. ﴾ وهذا بلا شك عناية من الله خاصة بهذا القرآن المجيد، وشرف عظيم اختص الله به هذه الأمة المحمدية حيث جعل أنا جيلها في صدورها، وأنزل عليها كتابا لا يغسله الماء ولله در القائل:

الله أكبر إن دين محمد — وكتابه أقوى وأقوم قيلا

لا تذكر الكتب السوالف عنده — طلع الصباح فأطفىء القنديلا

لغات: همت: کسی کام کا پختہ عزم، حوصلہ، ہمت، تہیہ۔ تتمتع: مستفید ہونا، حاصل کرنا۔ العروبة: عرب قوم کی خصوصیات واوصاف سے متصف ہونا۔ بَهَرَ: تھکا، غالب آنا۔ سلطان: غلبہ واقتدار۔ مشاعر: مشعر کی جمع، حواس۔ اِسْتَحْوَذَ: دل ودماغ پر قبضہ جمانا۔ يَمَّمَ: ارادہ کرنا، خاص طور پر کسی طرف رخ کرنا۔ تَفَطَّرَ: پھٹ جانا۔ يتسابقون: ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔ قُصَارى: آخری حد، آخری درجہ۔ غسق: رات کی تاریکی۔ الدُّجی: رات کی سیاہی اور تاریکی۔ دَوِيّ: بھنبھناہٹ۔ حَبَّرَ: کلام کو عمدہ بنا کر سنانا۔ يُذْكِيْ: بھڑکانا۔ ضَجَّةٌ: شور۔ يتغالطون: غلطی میں پڑنا۔ مُسَطَّرَة: لکھی ہوئیں۔ تحریف: ٹیڑھا کرنا۔

ترجمہ: سینوں میں جمع قرآن

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کریم نبی امیؐ پر نازل ہوا۔ چنانچہ آپؐ کا پختہ عزم قرآن کریم کو زبانی یاد کرنے اور حفظ کرنے کی طرف تھا تاکہ آپؐ قرآن کریم کو اس طرح یاد کرلیں جیسا وہ نازل ہوا۔ پھر آپؐ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناتے تھے تاکہ لوگ (بھی) اس کو اچھی طرح یاد کرلیں اور سینوں میں محفوظ کرلیں۔ (اور ایسا) اس نبی امیؐ کی امت کی ضرورت کی وجہ سے (کیا گیا کہ) جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث (بھی) امیوں میں (ہی) [1] کیا۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ ...... الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.﴾ (الجمعه: ۲)

''وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقل مندی۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) ایک امی کی عادۃً شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد کیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ اور امت عرب قرآن کے نزول کے وقت میں عرب کی ان کامل (صفات اور) خصوصیات سے فائدہ اٹھاتی تھی کہ جن میں چند صفات قوت حافظہ، تیز یادداشت اور دماغوں کی چستی تھیں۔ ایک (ایک) عربی لاکھوں اشعار یاد

[1] ''مناہل العرفان۔''

رکھتا تھا اور (کئی کئی نسلوں تک کے) انساب اور احساب کو (یاد رکھتا تھا اور ان کو) پہچانتا تھا۔ اور ان سب باتوں کو وہ (فقط) زبانی (اپنی) یاد (داشت میں محفوظ) کرتا تھا۔ اور (عربوں کی بلکہ ان کے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب اور) اور تاریخ کو جانتا تھا۔ اور آپ کم ہی کسی (عرب) کو پائیں گے کہ وہ آپ کو (عربوں کا) حسب نسب نہ شمار کروائے اور اشعار کی کثرت اور ان کو یاد رکھنے کے مشکل ہونے کے باوجود وہ (اشعار کے مشہور مجموعے) معلقات عشر کو یاد نہ رکھتا ہو۔

پھر ان کے پاس قرآن آیا اور قرآن نے اپنی قوت بیان، احکام کی ہیبت، اور اپنی حجت کے جلال کی وجہ سے ان سب پر غالب آ گیا۔ ان کے حواس پر چھا گیا، ان کی عقل وفکر کو شکست دے دی۔ یہاں تک کہ قرآن نے ان کی ہمتوں کو اس کتاب مجید (یعنی اپنی) طرف پھیر دیا۔ پس انہوں نے اپنے رخ قرآن کی طرف پھیر لیئے۔ وہ قرآن کو اس کی آیات اور اس کی سورتوں کو یاد کرنے لگے اور محفوظ کرنے لگے۔ اور انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی۔ کیونکہ انہوں نے قرآن میں زندگی کی روح پالی۔ (اور جینے کا مقصد حاصل کرلیا) ادھر نبیؐ کی قرآن کے یاد کرنے کی شدید حرص یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ نمازوں میں قرآن پڑھ پڑھ کر تمام رات عبادت کرتے، تلاوت کرتے اور قرآن کے معانی میں تدبر کرتے (کرتے رات) گزار دیتے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں مبارک اللہ العلی الکبیر کے امتثال امر میں کثرت قیام کی وجہ سے پھٹ جاتے تھے۔ (اور اللہ کا وہ حکم اس آیت میں ہے) ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا o نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا o اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا o﴾ (المزمل: ١ - ٤)

''اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو، مگر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا۔ یا زیادہ کر اس پر، اور کھول کھول کر قرآن کو پڑھ صاف۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اسی وجہ سے یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں کہ آپؐ سید الحفاظ (یعنی تمام حافظوں کے سردار یا سب سے پہلے حافظ) ہوں۔ اور یہ کہ تمام قرآن پاک آپؐ کے قلب مبارک میں جمع کر دیا گیا تھا۔ (یا آپؐ نے تمام قرآن اپنے قلب مبارک میں جمع کرلیا تھا۔ یعنی سارا قرآن حفظ یاد کرلیا تھا) اور قرآن عظیم کے بارے میں ان کو پیش آنے والے ہر امر میں آپ تمام مسلمانوں کے مرجع تھے۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے (اور سیکھنے سکھانے میں) ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور وہ قرآن کو زبانی یاد کرنے اور حفظ کر (کے دل میں بٹھا) نے میں اپنی انتہائی کوششیں (اور قوتیں) صرف کرتے تھے۔ اور وہ گھروں میں اپنی بیویوں اور اولادوں کو قرآن پاک سکھاتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی رات کی تاریکی میں صحابہ کرام کے گھروں کے پاس سے گزرتا تو وہ قرآن (پڑھنے اور نمازوں میں دہرانے) کی (ایسی) بھنبھناہٹ والی آواز سنتا جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ انصار کے گھروں کے پاس سے جب گزرتے تھے تو کسی گھر (کے باہر) کھڑے ہو جاتے اور رات کے اندھیرے میں (ان اہل بیت کے) قرآن (پڑھنے کی آواز) سنتے۔

بخاریؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے ان سے ارشاد فرمایا: ❶
''اگر تم کل رات ہمارے پاس آتے تو ہم تمہارے قرآن سنتے کہ تم کولحن داؤدی میں سے لحن دیا گیا ہے۔''
امام مسلمؒ کی روایت میں یہ زیادہ ہے ''پس میں نے عرض کیا' خدا کی قسم یا رسول اللہ اگر میں جانتا ہوتا کہ آپ میری قراء ت سننا چاہتے تھے۔تو میں آپؐ کونہایت عمدہ قرآن سناتا۔''
اور رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''میں قبیلہ اشعر کے لوگوں کی قرآن پڑھنے کی آوازوں کو پہچانتا ہوں کہ جب وہ رات میں (قرآن پڑھنے کے لئے نمازوں میں) داخل ہوتے ہیں۔اور میں ان کے راتوں میں قرآن (پڑھنے) کی آوازوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو پہچانتا ہوں اگرچہ میں نے ان کے گھروں کو دن میں نہ دیکھا ہو۔(بخاریؒ و مسلمؒ)
اور بہت سے صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے حافظ ہونے میں مشہور ہو گئے تھے۔اور نبیؐ نے ان میں قرآن کے حفظ پر توجہ دینے کی روح پھونک دی تھی۔(یا یہ کہ ان میں قرآن کریم کے حفظ کرنے کا شوق بھڑکا دیا تھا) اور آپؐ شہروں اور (آس پاس کی) بستیوں میں (قرآن کے) معلم بھیجتے کہ جو انہیں (قرآن کی) تعلیم دیتے اور انہیں قرآن پڑھ کر سناتے۔جیسا کہ آپؐ نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ کو اہل مدینہ کی طرف بھیجا کہ جو انہیں اسلام (کی تعلیم) سکھلاتے اور انہیں قرآن پڑھ کر سناتے۔اور جیسے آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ہجرت کے بعد قرآن حفظ کرانے اور (اس کی) تعلیم دینے کے لئے مکہ بھیجا۔
حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں: ''جب کوئی آدمی ہمارے پاس (مکہ یا کہیں سے) ہجرت کر کے آتا تو نبیؐ اس کو ہم میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے کہ وہ اسے قرآن سکھلائے۔اور نبیؐ کی مسجد میں (سب کے اور کثرت سے) قرآن کی تلاوت کی وجہ سے ایک شور (سا) سنائی دیتا تھا۔یہاں تک نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی آوازیں پست کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ (قرآن کی تلاوت میں کسی) مغالطہ میں نہ جا پڑیں۔
یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبیؐ کی حیات (مبارکہ) میں حفاظ کی تعداد شمار میں نہ آتی۔ہمارے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ جنگ یمامہ میں شہید ہونے والوں میں کبار حفاظ کرام کی تعداد ستر سے بھی زیادہ تھی۔جیسا کہ (معرکہ) بیئر معونہ میں نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں (کفار کے دھوکہ سے) اتنے ہی حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔
علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں'' (جنگ) یمامہ کے دن ستر قراء شہید ہوئے اور رسول اللہؐ کے عہد (مبارک) میں بئیر معونہ (کی لڑائی) میں اتنے ہی (حفاظ صحابہ کرامؓ) شہید ہوئے۔(مولف کتاب فرماتے ہیں) یعنی شہید ہونے والے حفاظ کی تعداد ۱۴۰ تھی۔اور تحقیق کہ اس امت محمدیہؐ کی سب سے بڑی بزرگانہ فضیلت یہ ہے کہ یہ مقدس کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہے۔اور یہ امت قرآن کو (اگلی نسلوں تک) نقل کرنے کے لئے (اپنے) دلوں اور سینوں کی یادداشت پر اعتماد کرتی ہے۔تا کہ

---

❶ اگرچہ مزمار کا معنی بنسری ہے مگر بندہ نے اس کا ترجمہ لحن یعنی اچھی آواز سے کیا ہے۔(نسیم)

صحائف اور سطور میں کتابت پر بس...... بخلاف ان اہل کتاب کے کہ جن میں ہم کسی کو تورات یا انجیل کا حافظ نہیں پاتے۔ بے شک اہل کتاب اپنی کتابوں کی حفاظت کے سلسلہ میں لکھی ہوئی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں پڑھتے بھی فقط دیکھ کر ہی ہیں نا کہ زبانی۔ اسی وجہ سے تورات اور انجیل میں تحریف وتبدیل (نے راہ بنالی اور) ان میں داخل ہوگئیں۔ رہا قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی عنایت الٰہیہ (اور توجہ) سے اس کی حفاظت کی چنانچہ اس کو یاد کرنا اللہ تعالیٰ نے آسان بنادیا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں)

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تحریف وتبدیل سے اس کو سطور اور صدور میں رکھ کر محفوظ کردیا اور (یہ بات) اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ.﴾ (الحجر: ۹)

''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور بے شک یہ قرآن مجید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ اور یہ (وہ) شرف عظیم ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کیا۔ کہ ان کے سینے ہی قرآن کے گنجینے بنادیئے۔ اور اس امت محمدیہ پر وہ کتاب اتاری کہ جس کو پانی نہ دھو سکے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے کہنے والے کی خوبی۔

الله اکبر ان دین محمد — وکتابه اقوی واقوم قیلا

لا تذکر الکتب السوالف عنده — طلع الصباح فاطفئی القندیلا

(شاعر کہتا ہے کہ) ''اللہ اکبر حضرت محمد ﷺ کا دین اور ان کی کتاب سب سے قوی اور سیدھی بات ہے اس قرآن کے پاس گزشتہ کتابوں کا ذکر نہ کیا جائے کہ (اب) صبح طلوع ہوگئی پس تو چراغوں کو بجھادے۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''آنحضرتؐ اور آپؐ کے بعد کے زمانوں میں قرآن کریم کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اسے کس طرح لکھا گیا؟ اور یہ کوششیں کتنے مراحل میں گزریں۔'' (ان کا مختصر بیان یہ ہے)

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں اس لئے عہد رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اس کو کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اس کی حفاظت قلم اور

کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا:

ومنزل علیك كتابا لا یغسله الماء.

''یعنی میں تم پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہ دھو سکے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام کتابوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیاوی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں چنانچہ توریت زبور انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہو گئے لیکن قرآن کریم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔'' ❶

چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپؐ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖo اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo﴾ (القیامہ: ١٦ - ١٧)

آپ قرآن کریم کو جلدی سے یاد کر لینے کے خیال اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے (کیونکہ) اس (قرآن) کو جمع کرنا اور پڑھوانا تو ہم نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔''

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کے لئے آپؐ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود آپؐ میں ایسا حافظ پیدا فرما دے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپؐ اسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپؐ پر آیات قرآن نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپؐ کو یاد ہو جاتیں۔ اس طرح سرکار دو عالمؐ کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم وتغییر کا امکان نہیں تھا۔ آپؐ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینہ میں حضرت جبرئیلؑ کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل کو ساتھ دور کیا۔ ❷ پھر آپؐ صحابہ کرامؓ کو صرف قرآن کریم کے صرف معانی کی ہی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے۔ اور ادھر صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے۔

سینکڑوں صحابہؓ اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی کہ وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپؐ اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالہ فرما دیتے تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے اور

---

❶ النشر فی القراءات العشر لابن الجزریؒ صفحہ ٦ جلد ١۔

❷ صحیح بخاری مع فتح الباری صفحہ ٣٦ جلد ٩۔

مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہؐ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ ❶

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے اور انہیں صدیوں تک گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جیسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کو یاد کرنے کے لئے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے کہ جو ان کے مزاج اور افتادِ طبع سے واقف ہو۔ چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی تعداد تیار ہوگئی جیسے قرآن کریم ازبر یاد تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ کرام کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت سعدؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرو بن عاصؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت معاویہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ ابن السائبؓ حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت ام برقہؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت حلیمہ معاذؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت مجمع بن جاریہؓ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عتبہ بن عامرؓ حضرت تمیم داریؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔ ❷

پھر یہ تو صرف ان صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی ہیں کہ جن کا نام ''حافظ قرآن'' کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا۔ ورنہ ایسے صحابہؓ تو بے شمار ہوں گے جنہوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا۔ لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایات میں محفوظ نہیں ہوسکا۔ اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آپؐ نے بعض اوقات ایک قبیلہ میں ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لئے بھیجے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بیر معونہ کے موقعہ پر ۷۰ قراء صحابہؓ کے شہید ہونے کا ذکر روایت میں موجود ہے۔

اور حفاظ صحابہؓ کی تقریباً اتنی ہی تعداد آپؐ کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی۔ ❸

بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقعہ پر ۷۰۰ سات سو قراء صحابہؓ ❹ شہید ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ یہ تو صرف ان صحابہؓ کا ذکر ہے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا اور ایسے صحابہؓ کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے۔ ❺

غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ کو یاد کرا دیا گیا اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے۔ اس لئے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت نہ ہوسکتی اور نہ اس کی قابل اعتماد حفاظت اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے

❶ مناہل العرفان صفحہ ۲۳۴ جلد ا۔ ❷ النشر فی القراءات العشر صفحہ ۶ جلد ا اور الاتقان صفحہ ۷۳-۷۴ جلد ا۔
❸ الاتقان صفحہ ۷۳ جلد ا۔ ❹ عمدۃ القاری صفحہ ۱۶-۱۷ جلد ۲ مطبوعہ دمشق۔ ❺ البرہان للزرکشی صفحہ ۲۴۳-۲۴۴ جلد ا۔

اہل عرب کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی ۔ کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا۔ اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں ۔ بلکہ ان کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اس قوت حافظہ سے کام لیا گیا اور اس کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں ۔''

(علوم القرآن بلفظہ وملخصاً از صفحہ ۱۷۳-۱۷۷)

جمع القرآن فی السطور

وأما المزية الثانية لهذا القرآن العظيم فهو جمعه و كتابته فى المصحف' فقد كان لرسول اللهؐ كتّاب للوحى' كلما نزل شئ من القرآن أمرهم بكتابته' مبالغة فى تسجيله و تقييده' وزيادة فى التوثق والضبط' والاحتياط الشديد فى كتاب الله عزوجل' حتى تظاهر الكتابة الحفظ' ويعاضد التسجيل المسطور' ما أودعه الله فى الصدور...... وكان هولاء الكتّاب من خيرة الصحابة اختارهم رسول اللهؐ من المجيدين المتقنين' ليتولوا هذه المهمة العظيمة...... وقد اشتهر منهم (زيد بن ثابت' وأُبى بن كعب' ومعاذ بن جبل' و معاوية بن أبى سفيان والخلفاء الراشدون) وغيرهم من الصحابة الأجلاء رضوان الله عليهم أجمعين.

روى الشيخان عن أنس رضى الله عنه أنه قال: (جمع القرآن على عهد رسول اللهؐ أربعة كلهم من الأنصار: أبى بن كعب' و معاذ بن جبل' وزيد بن ثابت' و ابو زيد' قيل لأنس: من أبو زيد؟ قال: أحد عمومتى) وهؤلاء هم مشاهير كتّاب الوحى وإلا فهناك من الصحابة الجمع الكبير الذين كانوا يكتبون القرآن' وكثير منهم كان له مصحف خاص كتب فيه ما سمعه أو حفظه من رسول اللهؐ لمصحف ابن مسعود' ومصحف على' و مصحف عائشة وغيرهم.

لغات: كُتَّاب: کاتب کی جمع' وحی لکھنے والے۔ اَلتَّوثُّقُ : پر اعتماد ہونا' کسی معاملہ میں پختہ ہونا۔ یعاضد: مدد کرنا پشت پناہی کرنا۔ خیرة: خیر کی جمع' بہتر افضل لوگ۔ المجید: اچھی بات کرنیوالا' اچھی طرح قرآن پڑھنے والا۔ المتقن: مہارت والا' زبان کا ماہر۔ اَجِلاَّءُ: اَجَلٌّ کی جمع بزرگ' ہستی۔

ترجمہ: قرآن پاک کو لکھ کر جمع کرنا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اس قرآن عظیم کی دوسری بڑائی' وہ اس کا مصحف میں جمع ہونا اور لکھا جانا ہے۔ چنانچہ آپؐ کے چند وحی لکھنے والے (اصحاب) ہوتے تھے (کہ جنہیں کاتبین وحی کہا جاتا تھا) جب بھی قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپؐ کتاب اللہ عزوجل میں نہایت احتیاط اور (اس کے) ضبط اور مضبوطی میں زیادتی اور اس کو (لفظوں کی) قید اور تحریر میں لانے

میں مبالغہ کرنے کے لئے (فوراً ان کو بلواتے اور) انہیں اس قرآن کے لکھنے کا حکم دیتے۔ یہاں تک کہ کتابت' حفظ کی مددگار بن گئی اور لکھے ہوئے مصحف' اللہ نے جس سینوں میں ودیعت فرمایا تھا (یعنی جو قرآن اللہ نے سینوں میں محفوظ کیا تھا) اس کے معاون بن گئے۔ اور یہ کاتبین (وحی) خیار صحابہ کرامؓ میں سے تھے کہ جنہیں نبیؐ نے برگزیدہ اور اعلیٰ سمجھ والے صحابہ کرامؓ میں سے چن لیا تھا کہ وہ اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھالیں۔ ان میں (اس کام میں) شہرت پانے والے صحابہ کرام (کے نام یہ ہیں) حضرت زید بن ثابت' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت معاویہ بن ابی سفیان' اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے علاوہ (اور بہت سے) دوسرے اجل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (بھی ہیں)۔''

''بخاریؒ و مسلمؒ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ''عہد رسالت میں چار شخصوں نے قرآن کریم کو جمع کیا (یعنی پورا یاد کیا یا پورا لکھ رکھا تھا) وہ سب کے سب انصار تھے۔ (ان کے نام یہ ہیں) حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابو زید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ (یہ) ابو زیدؓ کون شخص تھے؟ فرمایا میرے ایک چچا تھے۔ یہ مشہور کاتبین وحی ہیں۔ وگرنہ صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی کہ جنہوں نے قرآن کریم کو جمع کیا۔ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کا اپنا ایک خاص مصحف ہوتا تھا کہ جس میں انہوں نے جو کچھ نبیؐ سے سنا ہوتا یا آپؐ سے یاد کیا ہوتا' وہ لکھ رکھا ہوتا تھا۔ (ان میں چند مشہور صحیفے یہ ہیں)

مصحفِ ابن مسعودؓ مصحف علیؓ اور مصحف عائشہؓ وغیرہم۔

توضیح

عہد رسالتؐ میں کتابت قرآن۔ ''پہلا مرحلہ''

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپؐ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ کتابت کا طریق کار حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان فرمایا ہے ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی لگتی تھی۔ اور آپؐ کے جسم اطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپؐ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مینڈھے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھ کو ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے۔ اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔ بہر حال! جب میں فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے ''پڑھو'' میں پڑھ کر سناتا' اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصطلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔'' [1]

---

[1] طبرانی نے اس کو اپنی اوسط میں روایت کیا ہے۔

کتابت وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابتؓ کے ہی سپرد نہ تھا بلکہ آپؐ نے اس کام کے لئے بہت سے صحابہ کرامؓ کو مقرر فرمایا ہوا تھا۔ جو حسب ضرورت کتابت وحی کا کام سرانجام دیتے کاتبین وحی کا شمار چالیس تک کیا گیا ہے۔ ❶ لیکن ان میں زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں۔

خلفائے راشدین' حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ ابن ابی سرح' حضرت زبیر بن عوام' حضرت خالد بن سعید بن العاص' حضرت ابان بن سعید بن العاص' حضرت حنظلہ' ابن الربیع' حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ' حضرت عبداللہ ابن الارقم الزہری' حضرت شرحبیل بن حسنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت عامر بن فہیرہ' حضرت عمرو بن عاص' حضرت ثابت بن قیس بن شماس' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت خالد بن ولید' حضرت معاویہ بن ابی سفیان' حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ❷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کا یہ معمول تھا کہ جب قرآن کریم کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپؐ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ ❸ چنانچہ اسے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا۔

عہد رسالت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آپؐ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ مختلف پارچوں کی شکل میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا۔ جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ حضرت عمر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور جب عمرؓ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا کہ جس میں سورۂ طٰہٰ کی آیات درج تھیں اور حضرت خباب بن ارتؓ ان کو پڑھا رہے تھے۔ ❹ اس کے علاوہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے پاس مکمل یا نامکمل قرآن کریم کے نسخے لکھ رکھے تھے۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہؐ نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔'' ❺

نیز معجم طبرانی میں ایک روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''کوئی شخص قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھے بغیر تلاوت کرے تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے اور اگر قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھ کر تلاوت کرے تو اس کا ثواب دو ہزار درجہ ہے۔'' ❻

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس عہد رسالت میں ہی قرآن کریم کے لکھے ہوئے صحیفے موجود

---

❶ علوم القرآن از صبحی صالحی ترجمہ غلام احمد حریری صفحہ ۱۰۱)
❷ فتح الباری ص ۱۸ جلد ۹ اور زاد المعاد صفحہ ۳۰ جلد ۱۔
❸ فتح الباری صفحہ ۱۸ جلد ۹۔
❹ سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۳ جلد ا طبع مدینہ طیبہ۔
❺ صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۱۹-۴۲۰ جلد ۱۔
❻ مجمع الزوائد۔ صفحہ ۱۶۰ جلد ۷ مطبوعہ بیروت۔

تھے۔ ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنے یا دشمن کی سرزمین میں اس کو لے کر جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔
(علوم القرآن از ۱۷۷-۱۸۱ ملخصاً)

طریقه الکتابة:

وأما طريقة الكتابة فقد كانوا يكتبون القرآن على العسب، واللخاف والرقاع، وعظام الأكتاف وغيرها، ذلك لأنه صنع الورق لم يكن مشتهرا عند العرب، وقد كان عند بعض الأمم الأخرين كالفرس والروم، ولكنه كذلك كان نادراً فلم يكن منتشرا، فكان العرب يكتبون على ما يقع تحت أيديهم مما يصلح للكتابة، روى عن زيد بن ثابت رضي الله عنه أنه قال: (كنا عند رسول اللهؐ نؤلف القرآن من الرقاع) أي نجمعه وكان هذا التأليف عبارة عن (ترتيب الآيات) حسب إرشاد النبيؐ و بأمر من الله تبارك وتعالى ولهذا اتفق العلماء على أن جمع القرآن (توقيفي) يعني أن ترتيبه بهذه الطريقة التي نراه عليها اليوم في المصحف إنما هو بأمر ووحي من الله، فقد ورد أن جبريل عليه السلام كان ينزل بالآية أو الآيات على النبي فيقول له: يا محمد إن الله يأمرك أن تضعها على رأس كذا من سورة كذا، وكذلك كان الرسول يقول للصحابة: ضعوها في موضع كذا.

ترجمہ: کتابت کا طریقہ کار

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''کتابت کا طریقہ کار یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ قرآن کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی (باریک اور) پتلی سلوں، درختوں کے پتوں (یا چمڑے کے ٹکڑوں) اور جانوروں کی (مونڈھوں کی) ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے۔ وہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ کاغذ (کی صنعت اور اس) کے بنانے کا طریقہ عربوں میں (اس وقت تک) مشہور نہ تھا۔ اور دوسری قوموں مثلاً رومیوں اور ایرانیوں کے پاس کاغذ (یا کاغذ سازی کی صنعت اور اس کا طریقہ) ہوتا تھا لیکن یہ ان کے ہاں بھی نادر الوجود ہی تھا (یعنی مجموعی طور پر اس زمانے میں کاغذ کم ہی پایا جاتا تھا۔ (نسیم) چنانچہ عربوں کو جو کچھ بھی میسر آتا کہ جس پر لکھا جا سکتا تھا اس پر ہی لکھ لیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ''ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درختوں کے پتوں پر قرآن کو جمع کیا کرتے تھے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ:

''تالیف سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم اور نبیؐ کے ارشاد کے مطابق آیات کو ترتیب دیا جانا ہے۔''

اسی وجہ سے علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمع قرآن (کی ترتیب) ''توقیفی'' ہے یعنی قرآن پاک کی اس طریقہ

سے ترتیب کہ جس پر ہم آج قرآن کو دیکھتے ہیں۔ بلا شبہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم سے ہے۔ تحقیق روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نبیؐ پر کوئی (ایک) آیت یا چند آیات لے کر اترتے تو نبی ﷺ کو (ساتھ ہی) یہ (بھی) فرماتے۔ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپؐ ان آیات کو فلاں سورت کی فلاں آیات کے شروع میں رکھ دیں۔ اور نبیؐ اسی طرح صحابہ کرام کو ارشاد فرما دیتے تھے کہ ''ان آیات کو فلاں جگہ رکھ دو۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''اس زمانہ میں چونکہ عرب میں کاغذ کم یاب تھا اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، اور چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں۔ البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔'' ❶ (علوم القرآن صفحہ ۱۷۹)

مولانا سید فضل الرحمٰن صاحب یوں لکھتے ہیں۔

سامان کتابت

حاکم نے مستدرک میں حضرت زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ انہوں کہا کہ ''ہم عہد رسالت میں ''رقاع'' (ٹکڑوں) سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں رقاع کا جو لفظ آیا ہے وہ ''رقعہ'' کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق چمڑے کی جھلی، چمڑے، پتے اور کاغذ کے ٹکڑے پر کیا جاتا ہے اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ عہد رسالت میں ''کاتبین وحی'' کس قسم کا سامان استعمال کیا کرتے تھے۔ مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نازل شدہ قرآن کریم کو پتھر کی پتلی اور چوڑی سلوں، کھجور کی ٹہنیوں، اونٹ یا بکری کے شانوں کی ہڈیوں، اونٹ کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا۔ یہ تمام الفاظ مختلف روایات میں آئے ہیں ان کی تشریح یہ ہے۔

لِخَاف

یہ ''لخفة'' کی جمع ہے جو پتھر کی پتلی پٹی یا ٹکڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اکتاف

یہ ''کتف'' کی جمع ہے اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں جس پر خشک ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے۔

اقتاب

یہ ''قتب'' کی جمع ہے اونٹ کی کاٹھی (کجاوہ) کو کہتے ہیں۔ (اتقان ۱۵۸/۱، بحوالہ احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۷۰)

جمع القرآن في عهد أبي بكر

انتقل رسول اللهّ إلى جوار الله، بعد أن أدى الرسالة، و بلغ الأمانة، ونصح الأمة، وهدى الناس

❶ فتح الباری صفحہ ۱۱ جلد ۹ وعمدۃ القاری صفحہ ۱۷ جلد ۲۰۔

إلى دين الله القويم، و تولى الخلافة بعده (أبوبكر الصديق) رضى الله عنه وأرضاه، وقد واجهته- فى خلافته- خطوب جسيمة، وشدائد عظيمة، ومشاكل صعاب، منها حروب الردة التى وقعت بين المسلمين، و بين أتباع (مسيلمة الكذاب) وكانت معركة (اليمامة) معركة حامية الوطيس، وقد استشهد فيها كثير من قراء الصحابة، ومن حفظه القرآن يزيد عددهم على (٧٠) سبعين من كبار الحفاظ، وقد هال ذلك المسلمين، وعز الأمر على (عمر) فدخل على (أبى بكر) فوجده فى حزن وألم، فأشار عليه أن يجمع القرآن خشية الضياع بموت الحفاظ، فتردد (أبوبكر) أول الأمر، ثم رأى أن يأخذ باشارة (عمر) بعد أن تبين له وجه المصلحة، وشرح الله صدره لذلك العمل الجليل، فأرسل إلى (زيد بن ثابت) و عرض عليه الأمر، وطلب منه أن يقوم بجمع القرآن فى مصحف واحد، ولكن (زيداً) تردد فى بادىء الأمر، ثم شرح الله صدره للذى شرح له صدر أبى بكر و عمر...... وقد روى البخارى فى صحيحه قصة هذا الجمع ننقلها بنصها لأهميتها.

رواية البخارى

عن (زيد بن ثابت) رضى الله عنه أنه قال:

(أرسل إلى أبو بكر رضى الله عنه مقتل أهل اليمامة (أى عقب استشهاد الحفاظ السبعين فى معركة اليمامة فإذا عمر جالس عنده، فقال أبو بكر: إن عمر جاء نى فقال: (إن القتل قد استحر (أى كثر واشتد) يوم اليمامة بقراء القرآن، وإنى أخشى أن يستمر القتل بالقراء فى كل المواطن فيذهب من القرآن كثير، وإنى أرى أن تأمر بجمع القرآن، فقلت: وكيف أفعل ما لم يفعله رسوله اللهؐ؟ فقال: عمر رضى الله عنه: هو والله خير، فلم يزل يراجعنى فى ذلك حتى شرح الله تعالى صدرى للذى شرح الله له صدر عمر، ورأيت فى ذلك الذى رأى...... قال زيد: فقال أبوبكر إنك رجل شاب عاقل، لا نتهمك، كنت تكتب الوحى لرسول الله فتتبع القرآن وأجمع...... قال زيد: فوالله لو كلفنى نقل جبل من الجبال ما كان أثقل على مما أمرنى به...... فقلت: كيف تفعلان شيئا لم يفعله رسول اللهؐ؟ فقال أبوبكر: هو والله خير، فلم يزل يراجعنى حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدر أبى بكر و عمر...... فتتبعت القرآن أجمعه من اللخاف، والعسب، وصدور الرجال، حتى وجدت آخر سورة التوبة مع (أبى خزيمة الأنصارى) لم أجدها عند أحد غيره ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ إلى ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ أى إلى آخر السورة...... فكانت الصحف عند (أبى بكر) حتى توفاه الله تعالى، ثم عند (عمر) حتى توفاه الله تعالى، ثم عنه (حفصه بنت

عمر) رضی الله عنهم أجمعین۔ فهذه الروایة دلت علی (سبب جمع القرآن) رواه البخاری.

لغات: وَاجَهَتْ: درپیش آنا۔ خطوب: خطب کی جمع' پریشانی' حادثہ۔ جسیمة: زبردست' بھاری۔ حامیة الوطیس: سخت لڑائی' گھمسان کی جنگ۔ تَرَدَّدَ: پس وپیش کرنا' تردد کرنا۔ اِستَحَرَّ: سخت خونریزی ہونا۔ یُرَاجِعُ: بحث و مباحثہ کرنا' کسی سے بار بار کچھ کہلوانا۔

دوسرا مرحلہ

ترجمہ: (حضرت) ابوبکرؓ کے عہد میں جمع قرآن

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''رسول اللہؐ نے (فریضہ) رسالت کو ادا کیا۔ (اللہ کی اس) امانت (یعنی دین الٰہی) کو (امت تک) پہنچا دیا' اور امت کی (پوری پوری) خیر خواہی کی اور لوگوں کو اللہ کے اس سیدھے رستے والی دین کی طرف راہ نمائی کی (اس کے) بعد اللہ جل جلالہ کی جوار رحمت میں منتقل ہو گئے (اور آپؐ نے اس فانی دنیا کو الوداع کہا) اور آپؐ کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے خلافت (کے اس عظیم بار گراں اور ذمہ داری کو) سنبھالا' رضی اللہ عنہ وارضاہ' اور آپؓ کو اپنے عہد خلافت میں بڑی بڑی مصیبتیں' سخت پریشانیاں اور نہایت کٹھن مشکلات درپیش آئیں۔ ان میں سے ایک مرتدین سے وہ لڑائیں (اور جنگیں) ہیں کہ جو مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں کے درمیان ہوئیں۔ اور جنگ یمامہ (تو) ایک (نہایت) خونریز لڑائی تھی۔ اس جنگ میں بہت سے قراء صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔ اور کبار حفاظ کرام صحابہ کرامؓ میں سے جن کو قرآن یاد تھا ان (شہیدوں میں سے) کی تعداد ۷۰ سے زیادہ تھی۔ اس بات نے مسلمانوں کو گھبرا کر رکھ دیا۔ اور یہ بات حضرت عمرؓ پر بڑی گراں گزری' پس وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو (نہایت) غمزدہ اور دکھی پایا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو حفاظ کرام کی موت کی وجہ سے قرآن کو (ایک جگہ) جمع کرنے کا مشورہ دیا اس ڈر سے کہ کہیں قرآن (ضائع) نہ ہو جائے۔ شروع شروع میں حضرت ابوبکر کو اس بارے میں (بڑا) تردد ہوا۔ پھر جب اس بات کی مصلحت ان پر ظاہر ہوئی تو ان کی رائے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قبول کرنے کی بن گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کا انہیں شرح صدر فرما دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف پیغام بھیجا اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اور ان سے اس بات کا تقاضا کیا کہ وہ قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیں۔ لیکن شروع میں حضرت زیدؓ نے (بھی) تردد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی اس بات کے لئے شرح صدر فرما دیا جس بات کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فرمایا تھا۔''

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جمع قرآن کے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ ہم اس کی اہمیت کے پیش نظر بخاری کی اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت

''حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ''حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک روز یمامہ کے شہیدوں کے بعد (یعنی جنگ یمامہ میں ستر حفاظ کرام شہید ہونے کے بعد) مجھے بلوا بھیجا (میں چلا گیا) تو حضرت عمرؓ (بھی) وہاں موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھے فرمایا ''حضرت عمرؓ نے (ابھی) آ کر مجھے یہ بات کہی ہے۔ ''جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوگئی اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اس طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ کہیں ناپید نہ ہو جائے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپؓ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں۔'' میں نے عمرؓ سے کہا ''جو کام آپؐ نے نہیں کیا وہ ہم کیسے (شروع) کر دیں؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم یہ کام (بہتر ہی) بہتر ہے۔'' اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا کہ جس پر حضرت عمرؓ کو ہوا۔ اور اب میری رائے بھی وہی ہوگئی جو حضرت عمرؓ کی رائے تھے۔ حضرت زید فرماتے ہیں۔ (اس کے بعد) حضرت ابو بکرؓ نے مجھے فرمایا ''تم ایک نوجوان سمجھدار آدمی ہو۔ ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے تم رسول اللہؐ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو۔ لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کر کے انہیں جمع کر دو۔''

''حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: ''اگر یہ حضرات مجھے کسی پہاڑ کے ڈھونے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا یہ جمع قرآن کا کام ہوا۔'' میں نے ان سے کہا ''آپ دونوں وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہؐ نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ''خدا کی قسم یہ کام (بہتر ہی) بہتر ہے (اس کے بعد) حضرت ابو بکرؓ مجھ سے یہ بات بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل اس رائے لئے کھول دیا کہ جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی رائے تھے۔'' چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا۔ ❶ یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کا آخر حضرت ابو خزیمہ انصاریؓ کے پاس پایا یہ میں نے ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ (اور وہ) ''لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ'' سے لے کر ''وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ'' تک ہے (مولف کتاب فرماتے ہیں یعنی لقد جاء سے لے کر سورۂ توبہ کے آخر تک کا حصہ۔''

وہ مصحف حضرت ابو بکرؓ کے پاس تادم مرگ حیات رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی پھر وہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس رہا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔ پھر وہ مصحف حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہا۔ (اللہ تعالیٰ ان سب صحابہ کرامؓ سے راضی ہوا) پس یہ روایت جمع قرآن کے سبب پر دلالت کرتی ہے۔'' (بخاری شریف)

---

❶ یہاں تک کا ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۸۲۔ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''آنحضرتؐ کے زمانہ میں جتنے نسخے لکھے گئے تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے۔کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر۔کوئی ہڈی پر۔زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے۔کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی اور کسی کے پاس دس پانچ سورتیں۔اور کسی کے پاس فقط چند آیات۔اور بعض صحابہ کرام کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے ہوتے تھے۔''

اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قران کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔(اور محفوظ کر دیا جائے)

رہے وہ محرکات کہ جن کے تحت انہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تو اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت کی بخاری شریف کی روایت میں ہے اس کے علامہ عثمانی صاحب نے وہ مفصل روایت نقل کی ہے کہ جو اوپر متن میں مذکور ہے۔(علوم القرآن ملخصاً صفحہ۱۸۱-۱۸۲)

حضرت ابوبکر کے جمع قرآن کا سبب

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''آنحضرتؐ کے زمانے میں قرآن کریم متفرق اشیاء میں لکھا ہوا تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد ۱۲ ہجری میں ان سب منتشر حصوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارادہ فرمایا۔یہ جنگ اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب کے متبعین کے درمیان ہوئی تھی۔اس میں قرآن کریم کے ستر حافظ صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی۔(احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۱۷)

تساؤلات حول جمع القرآن

وهنا أسئلة ينبغي الإجابة عليها بشئ من التفصيل و نحن نوجزها فيما يلي:

أولا: لماذا تردد (أبوبكر) عن جمع القرآن مع أنه شئ حسن وأمر يوجبه الاسلام؟

والجواب عن ذلك: أن (أبا بكر) رضي الله عنه خشي أن يتساهل الناس في استظهار القرآن وحفظه غيبا و يعتمدوا على وجوده في المصاحف فتضعف نفوسهم عن الحفظ، وتصبح رغبتهم ضعيفة في حفظه واستظهاره اعتماداً على أنه مسطر وموجود في مصاحف مطبوعة يمكنهم قراءة القرآن بها، أما قبل أن توجد المصاحف فقد كان الجميع يسعون جهدهم لحفظ القرآن هذا من ناحية، ومن ناحية أخرى: فإن أبا بكر الصديق كان رجلاً وقافا عند حدود الشرع، مقتفيا لآثار الرسولؐ فقد خشي أن يكون بعمله هذا مبتدعا شيئا لا يحبّه رسول الله، ولهذا قال لعمر: (كيف

أفعل شيئا لم يفعله رسول الله)؟ ولعله كان يخاف أن يسوقه الإنشاء والاختراع إلى الوقوع فى المخالفة والابتداع. ولكنه لما رأى الأمر خطيرا والفكرة- فى حد ذاتها- وسيلة من أعظم الوسائل لحفظ الكتاب الشريف والمحافظة عليه من الضياع والتحريف، وأيقن أنها ليست من الأمور الخارجة ولا من البدع المستحدثة عزم على جمع القرآن، وظل يقنع زيدا بذلك حتى شرح الله صدره فقام بتنفيذ ذلك الأمر الخطير. والله اعلم

ثانيا: لماذا اختار أبوبكر (زيد بن ثابت) من بين الصحابة الكرام لهذا العمل الجليل؟

والجواب عن ذلك: أن زيداً رضى الله عنه قد اجتمع فيه من المواهب العظيمة للتى تؤهله لجمع القرآن ما لم يجتمع فى غيره من الرجال، إذ كان من حفاظ القرآن، ومن كتاب الوحى لرسول الله، وشهد (العرضة الأخيرة) للقرآن فى ختام حياتهً...... وكان فوق ذلك معروفا بشدة ورعه، وعظم أمانته، وكمال خلقه، واستقامة دينه، وكان معروفا بالنبوغ والذكاء، وهذا ما أشار إليه كلام أبى بكر فى رواية البخارى حين استدعاه وقال له: (إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك، كنت تكتب الوحى لرسول الله)

فلهذه الخصال والمزايا الحميدة اختاره أبوبكر الصديق لجمع القرآن...... ومما يدل على شدة ورع زيد بن ثابت أنه قال: (فو الله لو كلفنى نقل جبل من الجبال ما كان أثقل على مما أمرنى به) الحديث.

ثالثاً: ما هو المقصود من قول زيد فى رواية البخارى (حتّٰى وجدت آخر سورة التوبة مع أبى خزيمة لم أجدها عند غيره)؟

والجواب عن ذلك: أن زيداً رضى الله عنه لم يجد هذه الآيات مكتوبة عند أحد من الصحابة إلا عند أبى خزيمة الأنصارى، وليس المراد أنها لم تكن محفوظة، إذ أن زيدا نفسه كان يحفظها، وكان كثير من الصحابة يحفظونها، ولكنه أراد أن يجمع بين (الحفظ والكتابة) كما سنبينه إن شاء الله زيادة فى التوثق و مبالغة فى الاحتياط، و على ذلك النهج الرشيد تم جمع القران.

الخطة الرشيدة فى جمع القرآن

وقد انتهج (زيد بن ثابت) فى جمع القرآن خطة رشيدة فى غاية الدقة والإحكام، فيها ضمان لحياطة هذا الكتاب المجيد، بما يليق به من تثبت بالغ، وحذر دقيق، فلم يكتف بما حفظ فى قلبه ولا بما كتب بيده، ولا بما سمع بأذنه، بل جعل يتتبع ويستقصى آخذا على نفسه أن يعتمد فى

جمع القرآن على مصدرين اثنين:

(أ) ما كان محفوظاً في صدور الرجال.

(ب) ما كتب بين يدي رسول اللهﷺ.

فلا بد أن يتضافر الأمر ان (الحفظ والكتابة) وبلغ من شدة حرصه واحتياطه أنه كان لا يقبل شيئا من المكتوب حتى يشهد شاهدان عدلان أنه كتب بين يدي رسول اللهﷺ يدل عليه الحديث الذي رواه (أبو داؤد) في سنة قال: (قدم عمر فقال: من كان تلقى من رسول الله شيئا من القرآن فليأت به، وكانوا يكتبون ذلك في الصحف والألواح والعسب وكان لا يقبل من أحد شيئا حتى يشهد شاهدان) ويدل عليه كذلك ما رواه أبو داود أيضا أن أبا بكر رضي الله عنه قال لعمر، ولزيد: (اقعدا على باب المسجد فمن جاء كما بشاهدين على شئ من كتاب الله فإ كتباه). قال ابن حجر: المراد بالشاهدين: الحفظ، والكتابة...... وقال السخاوي المراد (أنهما يشهدان على أن ذلك المكتوب كتب بين يدي رسول اللهﷺ) وذلك غاية في التثبت والدقة والإحكام من الصديق رسمه منهجا لزيد بن ثابت رضي الله عنهم أجمعين.

لغات: تَسَاهل: نرمی برتنا، غفلت سے کام لینا۔ مقتفی: کسی کے نقشِ قدم پر چلنے والا، کسی کے اخلاق وعادات کو اپنانے والا۔ مبتدع: نئی طرز اور طریقہ ایجاد کرنیوالا۔ اِنشاءٌ: ایجاد، تخلیق، تاسیس، تعمیر۔ اختراع: نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔ خطیر: سنگین۔ اَیْقَنَ: یقین کرنا۔ البدع: بدعت کی جمع، نئی بات۔ مستحدث: نئی ایجاد کردہ۔ یُقنعُ: قائل کرنا، آمادہ کرنا، تسلیم کرانا، منوانا۔ مواهب: مَوهبةٌ کی جمع، فطرتی صلاحیتیں، خداداد خوبیاں۔ ورع: تقوی۔ النبوغ: علم وفن میں مہارت و کمال۔ ذکاء: ذہانت، ہوشیاری، زود فہمی۔

ترجمہ: جمع قرآن کے متعلق چند سوالات (اور ان کے جوابات)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اس مقام پر چند سوالات اٹھتے ہیں، مناسب ہے کہ ان کا جواب تفصیل کے ساتھ دیا جائے۔ جبکہ ہم ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلا سوال

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے جمع کرنے میں کیوں تردد کیا جبکہ یہ بہتر ہی بہتر تھا اور ایسی بات تھی کہ اسلام بھی اس کا حکم کرتا ہے؟

جواب

''(اس کا جواب یہ ہے کہ) حضرت ابوبکرؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ قرآن پاک کو حفظ کرنے اور زبانی یاد کرنے میں سستی نہ کرنے لگیں۔ اور صحیفوں میں لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کرنے لگیں کہ جس سے وہ قرآن کے حفظ میں کمزوری دکھانے لگیں۔ اور ان کی قرآن پاک کو زبانی یاد کرنے کی رغبت اور شوق میں کمی آنے لگے' کیونکہ وہ اس پر بات اعتماد کرنے لگیں گے کہ قرآن مصاحف میں کہ جو مطبوعہ ہیں (لکھے ہوئے ہیں) ان میں لکھا ہوا موجود ہے کہ ان کو دیکھ کر قرآن کو پڑھنا ممکن ہے۔ البتہ مصاحف کے لکھے جانے سے پہلے لوگ قرآن پاک کو زبانی یاد کرنے (اور حفظ کرنے میں اپنی انتہائی) کوشش کیا کرتے تھے۔ یہ تو ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ حدود شرع کے آگے انتہائی سر جھکانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی (طور طریقوں اور) سنتوں پر (ہی) چلنے والے تھے۔ چنانچہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ وہ اپنے اس عمل سے کسی ایسی نئی بات کو شروع کرنے والے نہ بن جائیں کہ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں کرتے تھے۔''

اسی بنا انہوں نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ ''میں وہ کام کیسے کروں کہ جسے نبیؐ نے نہیں کیا تھا۔ اور شاید وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ نیا کام اور (نئی ضرورت کی وجہ سے) یہ نئی بات (کہیں) ان کو (نبیؐ کی) مخالفت (اور دین میں کسی نئی) بدعت (کے ایجاد کرنے) میں نہ ڈال دے۔ لیکن جب انہوں نے (قرآن کے معاملہ کو) نہایت اہم دیکھا جبکہ (قرآن کی حفاظت کی) سوچ بچار کرنا فی ذاتہ (نہ صرف یہ کہ) قرآن شریف کی حفاظت کا سب سے بڑا وسیلہ (ہے) اور (بلکہ قرآن میں) تحریف اور (اس کو) ضائع ہونے سے بچانے کا بہت بڑا سامان ہے' اور انہیں یقین ہوگیا کہ یہ نہ (ہی اسلام اور شریعت سے باہر) کوئی خارجی امر ہے اور نہ (ہی) کوئی نئی (قسم کی) بدعت ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو جمع کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو اس بات پر آمادہ کرتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضرت زیدؓ کا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ اس اہم ترین کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ (واللہ اعلم)

دوسرا سوال

حضرت ابوبکرؓ نے اس عظیم کام کے لئے صحابہ کرامؓ میں سے (فقط) حضرت زید بن ثابت کو ہی کیوں چنا؟

جواب

(اس کا جواب یہ ہے کہ) حضرت زید بن ثابتؓ میں (من جانب اللہ) کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں جمع نہ تھیں کہ جن صفات نے انہیں جمع قرآن کے اس عظیم کام کا اہل بنا دیا۔ کیونکہ (ایک تو) وہ حافظ قرآن تھے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی میں سے تھے' اور آپؓ نے آپؐ کی آخری حیات مبارک میں قرآن کریم کا عرضہ اخیرہ پایا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی انتہائی پرہیزگاری' حد درجہ کی

امانت داری کمال اخلاق' اور استقامت میں مشہور تھے' اور اپنی فصاحت و بلاغت اور ذہانت (وذکاوت) میں (بھی نہایت) معروف تھے۔ بخاری شریف کی روایت میں حضرت ابوبکرؓ کی بات سے اسی بات کی طرف سے اشارہ ملتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلوا بھیجا اور انہیں یہ فرمایا: ''تم ایک سمجھدار نوجوان آدمی ہو' ہمیں تم پر کسی قسم کی بدگمانی نہیں۔ تم نبی ﷺ کی وحی کی کتابت کرتے رہے ہو۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی انہی (اعلیٰ) خوبیوں اور پسندیدہ صفات کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جمع قرآن کے (کام کے) لئے منتخب کیا۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حد درجہ کی پرہیزگاری پر جو بات دلالت کرتی ہے وہ ان کا یہ ارشاد ہے ''خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے کسی پہاڑ کے ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ (حدیث)

توضیح

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کاتبین وحی میں سے ہونا گزشتہ صفحات میں علوم القرآن صفحہ ۱۸ کی طبرانیؒ کی روایت سے بیان کر دیا گیا ہے۔

عرضہ اخیرہ آنحضرتؐ کے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ اپنی حیات مبارکہ میں آخری دفعہ قرآن شریف کے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ (حوالہ علوم القرآن صفحہ ۱۳۵)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے چننا ان کی انتہائی عقلمندی کی دلیل تھا کیونکہ حضرت زید نے قرآن کو جمع کرنے کا کام انتہائی محنت' جانفشانی' احتیاط اور اور اصابت رائے سے انجام دیا۔

اور بعد کی صورتحال نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لئے منتخب کرنا بالکل صحیح تھا۔ یہ مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱) حضرت زید چونکہ خود بھی حافظ قرآن تھے اس لئے جمع قرآن کے وقت جب اس بات کا اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی آیت ہو وہ اس کو حضرت زیدؓ کے پاس لے کر آئے' تو جو کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کا کوئی حصہ لاتے تو سب سے پہلے وہ اس کی تصدیق خود اپنے حافظہ سے کرتے۔

(۲) پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن کریم تھے اور وہ بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ مامور تھے۔ وہ دونوں ہی مشترک طور پر اس آیت وغیرہ کو متعلقہ شخص سے وصول کرتے اور وہ دونوں حضرات اپنے حافظہ سے اس کی توثیق کرتے۔

(۳) اور جب تک دو قابل اعتبار گواہ کوئی نہ لاتا اس وقت تک حضرت زیدؓ اس شخص سے اس لائی ہوئی آیت وغیرہ کو قبول

نہ فرماتے۔ اور علامہ سیوطیؒ کے بقول بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتیں تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیات آنحضرتؐ کی وفات کے سال آپؐ پر پیش کر دی گئیں تھیں اور آپؐ نے اس بات کی تصدیق فرمادی تھی کہ یہ ان حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ❶ ہے۔

(۴) اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیات کا ان مجموعوں سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ جو مختلف صحابہ کرامؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ ❷

علامہ ابوشامہؒ فرماتے ہیں "اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ اور صرف (اپنے) حافظہ پر اعتماد کی بجائے بعینہٖ ان آیات سے نقل کیا جائے جو آنحضرتؐ کے سامنے لکھی گئیں تھیں۔ (علوم القرآن از صفحہ ۱۸۳-۱۸۴ ملخصاً)

ترجمہ: تیسرا سوال

بخاری شریف کی روایت میں حضرت زید بن ثابت کے اس قول کا کیا مطلب ہے "حتیٰ کہ میں نے سورۂ توبہ کے خاتمہ کی آیتیں صرف ابوخذیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں۔ (ترجمہ از احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۷۲)

جواب

"(اس کا جواب یہ ہے کہ) ان آیات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے ابوخزیمہ انصاری کے علاوہ کسی اور کے پاس (صحابہ کرام میں سے) لکھا ہوا نہ پایا تاکہ یہ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات محفوظ نہ تھیں (یعنی کسی کو یاد نہ تھیں) کیونکہ خود حضرت زیدؓ کو بھی وہ آیات یاد تھیں۔ (اور وہ نہ صرف ان آیات بلکہ پورے قران کے حافظ تھے) اور (ان کے علاوہ اور) بہت سے صحابہ کرام نے ان آیات کو یاد رکھا ہوا تھا۔ لیکن حضرت زیدؓ یادداشت اور کتابت دونوں کو جمع کرنا چاہتے تھے۔ (جیسا کہ عنقریب ہم اس کو بیان کریں گے) اور (حضرت زید نے یہ سب کچھ) احتیاط میں مبالغہ اور (ان آیات کو) زیادہ قابل اعتماد بنانے کے لئے (یہ سب کچھ کیا) اور اسی صحیح طریقہ پر قرآن کا جمع کرنا پورا ہوا۔"

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ (حضرت زیدؓ کی اس بات کا) ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ یہ آیتیں سوائے حضرت خزیمہ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئیں نہ تھیں۔ اور ان کے سوا کسی کو ان کا جزو قرآن ہونا معلوم نہ تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیتیں لے لے کر آ رہے تھے۔ ان میں سے یہ آیات سوائے حضرت خزیمہؓ کے کسی کے پاس نہیں ملیں ورنہ جہاں تک ان آیات کا جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر

❶ الاتقان صفحہ ۶۰ جلد ۱۔ ❷ البرہان فی علوم القرآن صفحہ ۳۸ جلد ۱۔

کے ساتھ سب کو معلوم تھی۔ اول تو جن سینکڑوں حفاظ کو قرآن کریم پورا حفظ یاد تھا۔ انہیں یہ آیات بھی یاد تھیں۔ دوسرے آیات قرآنی کے مکمل مجموعے جو مختلف صحابہ کرام نے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں یہ آیت بھی لکھی ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ حضرت زیدؓ نے مزید احتیاط کے لئے فقط ان ہی ذرائع پر اکتفاء کرنے کی بجائے' متفرق طور پر لکھی ہوئی آیات کو جمع کرنے کا بھی بیڑہ اٹھایا۔ اس لئے انہوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعے میں شامل نہیں کی جب تک اس تیسرے طریقہ سے بھی وہ آپ کو دستیاب نہیں ہوگئی۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۸۴-۱۸۵)

لغات: غایة الدقة: انتہائی باریک بینی سے کام لینا۔ حیاطة: احاطہ' گھیراؤ۔ تثبت بالغ: انتہائی غور وفکر سے کام لینا' تحقیق کامل' پوری چھان بین۔ حذر "دقیق": انتہائی احتیاط' کامل پرہیز۔ یتضافر: متحد ومشترک ہونا۔

ترجمہ: قرآن کے جمع کا عمدہ لائحہ عمل

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کے جمع میں جو عمدہ لائحہ عمل اختیار کیا اس میں نہایت باریک بینی اور استحکام سے کام لیا کہ اس میں اس قرآن مجید کے لئے اس بالغ نظری (غور وفکر اور احتیاط) اور (انتہائی) باریک حزم واحتیاط کی ضمانت تھی کہ جو اس قرآن مجید کے لائق تھی چنانچہ انہوں نے فقط اپنی یادداشت اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور اپنے کانوں سے سنے پر ہی اکتفاء (اور اعتماد) نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی ذات (پر بھروسہ کرنے) کے علاوہ جمع قرآن کے ان دو ذرائع پر اعتماد کرتے ہوئے (قرآن پاک کی آیات کی) تلاش وجستجو کا سلسلہ شروع کیا۔ (وہ دو ذرائع مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) جو لوگوں کے سینوں میں (بصورت گنجینہ) محفوظ تھا۔

(۲) جو کچھ آپؐ کے سامنے لکھا گیا۔

لہٰذا لازمی تھا کہ (جمع قرآن کے) یہ دونوں (ذرائع) یعنی (حفظ اور کتابت) متحد اور مشترک ہو جاتے اور حضرت زیدؓ اپنی حد درجہ کی احتیاط اور (جمع قرآن کی) حرص میں اس درجہ تک پہنچ گئے کہ وہ کسی سے لکھی ہوئی کوئی آیت وغیرہ قبول نہ فرماتے جب تک کہ دو عادل گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیتے تھے یہ آیت نبیؐ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ اس بات پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جس کو امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے "راوی کہتے ہیں' حضرت عمرؓ آئے پس آپ نے فرمایا: "جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے قران کی کوئی آیت حاصل کی ہو وہ اس کو ہمارے پاس لائے۔ اور لوگ قرآنی آیات کو (لکڑی یا پتھر کی) تختیوں' کھجور کی شاخوں اور مصحف میں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کسی سے کچھ بھی قبول نہ کرتے جب تک کہ دو گواہ (اس بات کی) گواہی نہ دے دیں (کہ یہ نبیؐ کے سامنے لکھی گئی تھی)" اور اس بات پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی جس کو بھی حضرت امام ابوداؤد نے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ سے ارشاد فرمایا "تم دونوں مسجد نبوی کے دروانے پر بیٹھ جاؤ۔ پس جو کوئی کتاب اللہ کا کچھ حصہ تمہارے پاس دو گواہوں کے ساتھ لائے اس کو لکھ لو۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ "دو گواہوں سے مراد" حفظ اور کتابت" ہیں اور علامہ سخاویؒ

فرماتے ہیں۔ ''مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ آیت وغیرہ نبیؐ کے سامنے لکھی گئی ہے۔''

اور یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نہایت درجہ کی تحقیق (واحتیاط) اور باریک بینی اور استحکام تھا کہ جس کو انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کے لئے (جمع قرآن کا) ایک (واضح) راستہ مقرر فرمایا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

توضیح

گزشتہ صفحات میں علوم القرآن صفحہ ۱۸۳- ۱۸۵۔ کے حوالہ سے جمع قرآن کے سلسلہ میں اختیار کئے گئے نہایت محتاط طریقہ کو بیان کیا گیا ہے۔ علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

''بہر حال (حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے) حضرت زید بن ثابتؓ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں میں مرتب مشکل میں تحریر فرمایا۔'' (علوم القرآن صفحہ ۱۸۵)

مزايا مصحف أبى بكر الصديق

امتازت الصحف التى جمعت فى عهد أبى بكر الصدق فى (مصحف واحد) بعدة مزايا أهمها:

أولا: التحرى الدقيق التام، والتثبت الكامل.

ثانياً: لم يسجل فى المصحف إلا ما ثبت عدم نسخ تلاوته.

ثالثاً: إجماع الأمة عليه، و تواتر ما سجل فيه من الآيات القرآنية.

رابعاً: شمول المصحف للقراء ات السبع التى نقلت بالنقل الثابت الصحيح.

وهذه المزايا جعلت الصحابة يلهجون بالثناء العاطر على أبى بكر الصديق حيث القرآن الكريم من الضياع، وذلك بتوفيق من الله عزوجل ومدد من عنده، وقد قال (على بن أبى طالب) كرم الله وجه: (أعظم الناس فى المصاحف أجرا أبوبكر، رحمه الله على أبى بكر، هو أول من جمع كتاب الله) ولقد أصبح جمع القرآن منقبة خالدة لا يزال التاريخ يذكرها بالجميل والثناء العاطر لأبى بكر فى التوجيه والإشراف، ولزيد بن ثابت فى التفنيذ والعمل رضوان الله عليهم أجمعين. وجمع القران فى مصحف واحد فى عهد أبى بكر لا يعنى أن الصحابة رضوان الله عليهم لم يكن لديهم مصاحف كتبوا فيها القرآن من قبل، فإن ذلك لا ينافى أن يكون لبعض الصحابة مصحف خاص ولكن هذه المصاحف لم تظفر بما ظفر به مصحف أبى بكر من دقة البحث والتحرى، والاقتصار على ما لم تنسخ تلاوته، ومن بلوغه حد التواتر، ومن اجماع الأمة عليه، ومن شموله للأحرف السبعة (القراء ات السبع) كما تقدم، فهذا (على) رضى الله عنه كأن له

مصحف خاص كتبه في بدء خلافة أبي بكر' و عزم ألا يخرج إلا للصلاة حتى ينتهي من كتابته......

روى السيوطي عن (محمد بن سيرين) عن (عكرمة) انه قال: لما كان بدء خلافة أبي بكر' قعد علي بن أبي طالب في بيته' فقيل لأبي بكر: قد كره بيعتك' فأرسل إليه فقال: كرهت بيعتي؟ فقال: رأيت كتاب الله يزاد فيه فحدثت نفسي ألا ألبس ردائي إلا لصلاة حتى أجمعه' قال له أبوبكر: فإنك نعم ما رأيت فقد كان له مصحف ولكنه كما يروى عن ابن سيرين كان فيه الناسخ والمنسوخ فلم يكن مثل مصحف أبي بكر.

لغات: التحری: سوچ بچار۔ یلھجون: دلدادہ وفریفتہ ہونا۔ ظَفَرَ: آگے بڑھنا۔

ترجمہ: مصحف ابوبکرؓ کی (امتیازی) خصوصیات

(مولف کتاب فرماتے ہیں) عہد صدیقی میں جو مصاحف ایک مصحف میں جمع کئے گئے وہ چند خصوصیات کی وجہ سے (بعد کے صحیفوں سے) ممتاز ہیں۔ ان میں سے چند (ذیل میں) یہ (درج) ہیں۔

(۱) کامل باریک بینی سے تلاش وجستجو اور مکمل تحقیق (وتفتیش کے بعد لکھا گیا)

(۲) مصحف میں فقط وہی آیات لکھی گئیں جن کا غیر منسوخ ہونا ثابت ہو گیا۔

(۳) اس میں جو قرآنی آیات لکھیں گئیں وہ امت کے اجماع اور تواتر سے لکھی گئیں۔

(۴) اس مصحف میں ان ''سات قرآءتوں'' کو جمع کیا گیا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

ان خصوصیات نے صحابہ کرامؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی قرآن کو ضائع ہونے سے بچانے پر نہایت اعلی الفاظ میں (اور بقول مولف نہایت مہکتے الفاظ میں) تعریف کا دلدادہ بنا دیا۔ اور یہ اللہ عزوجل کی توفیق اور اس کی مدد سے (ہی) ہوا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''مصاحف کے بارے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہوگا خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔'' (حضرت علیؓ کے اس فرمان کا ترجمہ احسن البیان صفحہ ۷۳ جلد ا سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

جمع قرآن' یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی تو (جمع قرآن کی طرف) توجہ دینے اور (پھر اس کی نگرانی اور) انتظام کرنے کی وجہ سے اور حضرت زید بن ثابتؓ کی (قرآن کو جمع کروانے پر) عمل کروانے اور (خود اس کام کا) بیڑہ اٹھانے کی وجہ سے ایک ایسی دائمی (خوبی اور فضیلت و) منقبت بن گئی کہ جس کو تاریخ ہمیشہ اچھے الفاظ اور بہترین تعریف کے ساتھ یاد کرتی رہے گی۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اور عہد صدیقی میں قرآن کے ایک مصحف میں جمع ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس ایسے صحیفے نہ تھے کہ جن میں انہوں نے قرآن لکھ رکھا ہو۔ کہ یہ بات (یعنی عہد صدیقی میں جمع قرآن) بعض صحابہ کرامؓ کے پاس (ان کے اپنے) خاص مصحف ہونے کے منافی نہیں۔ لیکن وہ مصاحف ان خصوصیات کے حامل نہ تھے کہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحیفہ میں تھیں جیسے انتہائی احتیاط کے ساتھ (آیات قرآنیہ کی) تلاش وجستجو کرنا' (فقط) غیر منسوخ التلاوۃ آیات پر ہی اقتصار کرنا' اس نسخہ کا

تواتر کی حد تک پہنچ جانا۔ امت کا اس پر اجماع ہونا۔ اس کا سات حرفوں یعنی سات قراءتوں کو شامل ہونا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

پھر (ادھر) حضرت علیؓ کا (بھی) ایک (خاص) مصحف تھا جو انہوں نے (عہد) خلافت صدیقی کی ابتداء سے ہی لکھ (کر مرتب کر) لیا تھا اور انہوں نے اس بات کا پختہ عزم کر لیا تھا کہ جب تک اس کو پورا لکھ نہ لوں میں گھر سے نماز کے علاوہ نہ نکلا کروں گا۔

علامہ سیوطیؒ نے محمد بن سیرینؒ سے انہوں نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''جب حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت (کے زمانہ) کا شروع تھا تو حضرت علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے حضرت صدیق اکبرؓ سے لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کی بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔

چنانچہ آپؓ نے انہیں بلوا بھیجا اور پوچھا ''کیا آپ میری بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔ تو اس پر حضرت علیؓ نے یہ جواب دیا ''میں نے دیکھا کہ کتاب اللہ میں اضافہ کیا جا رہا ہے' تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں جب تک قرآن کو (ایک مصحف میں) جمع نہ کر دوں اس وقت تک فقط نماز کے علاوہ اپنی چادر نہ اوڑھوں گا (یعنی گھر سے نہ نکلا کروں گا مگر نماز کے لئے) حضرت ابوبکرؓ نے ان سے ارشاد فرمایا ''آپ نے تحقیق بہت اچھا سوچا۔'' ❶ پس ان کا ایک (اپنا خاص) مصحف تھا۔ لیکن جیسا کہ ابن سیرینؒ سے مروی (بھی) ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ (ہر قسم کی آیات) تھیں پس وہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسا مصحف نہ تھا۔

توضیح

مصحف صدیقی کی خصوصیات

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔ ''(چونکہ صحیفہ صدیقی میں) ہر سورت علیحدہ علیحدہ صحیفے میں لکھی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔

اصطلاح میں اس نسخہ کو ''ام'' کہتے ہیں۔ اس کی خصوصیات یہ تھیں۔

(۱) اس نسخہ میں قرآنی آیات تو نبی اکرمؐ کی بتلائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہی مرتب تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ ❷

(۲) اس نسخہ میں سات حروف جمع تھے۔ ❸

(۳) یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔ ❹

(۴) اس میں فقط غیر منسوخ التلاوت آیات درج تھیں۔

---

❶ ... کے لیے دیکھیں علامہ سیوطی کی ''الاتقان'' ❷ اتقان۔ جلد ا صفحہ ۶۰۔

❸ ... العرفان جلد ا صفحہ ۲۴۶-۲۴۷۔ ❹ تاریخ القرآن از عبد الصمد صارم صفحہ ۴۳۔

(۵) اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ (علوم القرآن از صفحہ ۱۸۵-۱۸۶)

حضرت علیؓ کے مرتب کردہ مصحف کا حکم

علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ''اگر مذکورہ بالا تفصیل سامنے رہے تو اس روایت کا مطلب بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ؐ کی وفات کے فوراً بعد حضرت علیؓ نے قرآن جمع کر لیا تھا۔ اس لیے کہ جہاں تک قرآن کے انفرادی مجموعوں کا تعلق ہے وہ صرف حضرت علیؓ نے ہی نہیں بلکہ اور بھی متعدد صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ لیکن ایسا معیاری نسخہ کہ جو پوری امت کی اجماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو وہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ہی تیار کروایا۔ (علوم القرآن ص ۱۸۶)

حضرت علیؓ کی شہادت کہ مصحف صدیقی ہی پہلا مرتب مصحف ہے

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ابو داؤد نے عبد خیر سے حسن سند کے ساتھ روایت کی' اس نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مصاحف کے بارے میں زیادہ اجر حضرت ابوبکر کو حاصل ہوگا۔ خدا ابوبکر پر رحمت کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا (احسن البیان جلد ا صفحہ ۷۳ بحوالہ اتقان ۱/۱۶۶)

مصحف صدیقی کاغذ پر لکھا گیا

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں ''عہد نبوی میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہد صدیقی میں فراہم ہوئیں۔ مثلاً کاغذ اور لکھنے کا دوسرا سامان۔ عہد صدیقی میں شام سے کاغذ مدینہ منورہ پہنچ چکا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کو کاغذ پر لکھوایا۔ موطا امام مالک میں سالم بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا۔'' (احسن البیان جلد ا صفحہ ۷۳-۷۴)

لماذا لم يجمع القرآن فی مصحف واحد؟

ونتساءل هنا: لماذا لم يجمع القرآن الكريم فی مصحف واحد فی زمن النبیؐ؟ والجواب عن ذلك:

أولاً: إن القرآن لم ينزل مرة واحدة وإنما نزل مفرقا' ولا يمكن جمعه قبل أن يتكامل النزول.

ثانياً: إن بعض الآيات كانت تنسخ' وإذا كان القرآن عرضة للنسخ فكيف يمكن أن تجمع فی مصحف واحد.

ثالثاً: إن ترتيب الأيات والسور لم يكن على حساب النزول فقد تنزل بعض الآيات فی أواخر الوحی بينما يكون ترتيبها فی أوائل السور الكريمة وهذا يقتضی تغيير المكتوب.

رابعًا: كانت المدة بين نزول آخر ما نزل و بين وفاته قصيرة جداً وقد تقدم في الفصل الأول أن آخر ما نزل من القرآن قوله تعالى. ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ.........﴾ الآية. وقد انتقل رسول الله إلى جوار ربه بعد نزولها بتسع ليال' فالمدة إذا قصيرة' ولا يمكن جمع قبل تكامل النزول.

خامساً: لم يوجد من دواعي الجمع في مصحف واحد مثل ما وجد في عهد أبي بكر' فقد كان المسلمون بخير' والقراء كثيرون' والفتنة مأمونة' بخلاف ما حصل في عهد أبي بكر من مقتل الحفاظ حتى خاف على ضياع القرآن.

والخلاصة: إن القرآن لو جمع في مصحف واحد والحال على ما ذكرنا لكان القرآن عرضة للتغيير والتبديل كلما وقع نسخ' أو حدث سبب' مع أن أدوات الكتابة لم تكن ميسورة. والظروف لا تساعد على ترك المصحف القديم' والأعتماد على المصحف الجديد' لأنه لا يمكن أن يكون في كل شهر أو يوم مصحف يجمع كل ما نزل من القرآن ولكن لما استقر الأمر بختام التنزيل' و وفاة الرسول' وأمن النسخ' وعرف الترتيب أمكن جمعه في مصحف واحد' وهذا ما فعله الخليفة الراشد أبو بكر الصديق رضي الله عنه وجزاه عن القرآن والمسلمين خير الجزاء.

ترجمہ: قرآن کو ایک مصحف میں کیوں نہ جمع کیا گیا؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہاں پر ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے زمانہ میں قرآن کریم ایک صحیفہ میں کیوں نہ جمع کر دیا گیا؟

(اس سوال کے جواب میں یہاں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں)

پہلی بات

قرآن (کریم) ایک ہی دفعہ (پورے کا پورا) نہیں اترا بے شک یہ متفرق اجزاء (کی شکل) میں اترا ہے۔ تو اس کے مکمل طور پر نازل ہونے سے پہلے اس کا جمع کرنا ممکن نہ تھا۔

دوسری بات

بعض آیات منسوخ ہو جاتی تھیں تو جب قرآن معرض نسخ میں تھا تو اس کا ایک مصحف میں جمع کرنا کیسے ممکن ہوتا؟

تیسری بات

آیات اور سورتوں کی ترتیب نزول کے مطابق نہ تھی۔ چنانچہ بعض آیات وحی کے آخر میں نازل ہوئیں۔ جبکہ (قرآن کریم

میں درج کے اعتبار سے) ان کی ترتیب سورتوں کے شروع میں تھی۔ اور یہ بات لکھے ہوئے کو بدلنے کا تقاضا کرتی تھی۔
(یعنی ایک آیت کو جہاں لکھا ہے بعد میں نازل ہونے والی آیت لکھے ہوئے کی ترتیب کو بدل ڈالتی تھی۔ (نسیم)

چوتھی بات

آخری نازل ہونے والی آیت اور آپ کی وفات کے درمیان کا عرصہ نہایت قلیل تھا۔ اور پہلی فصل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آخری اترنے والی آیت وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ.........﴾ (البقرہ:۲۸۱)
جبکہ نبیؐ ان آیات کے نزول کے ۹ راتوں بعد رب ذوالجلال کے جوار رحمت میں تشریف لے گئے۔ پس اس وقت مدت نہایت مختصر تھی۔ جبکہ قرآن کا نزول کے کامل ہونے سے پہلے جمع کرنا (ہی) ممکن نہ تھا۔ [1]

پانچویں بات

عہد نبوت میں جمع قرآن کی وہ وجوہات (بھی) نہ پائی گئیں کہ جو عہد صدیقی میں پائی گئیں چنانچہ مسلمان خیر پر تھے (قرآن کریم کے حفاظ و) قراء بہت تھے' فتنہ سے اطمینان تھا' بخلاف عہد صدیقی کہ جس میں حفاظ (قرآن) کا قتل ہوا یہاں تک صدیق اکبرؓ قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ کرنے لگے۔
خلاصہ یہ ہے کہ: اگر (عہد رسالت میں) قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیا جاتا جبکہ صورتحال وہ ہوتی کہ جو ہم نے ابھی بیان کی تو قرآن (کریم) معرض تبدیل و تغییر میں ہوتا۔ (یعنی ادلتا بدلتا رہتا) جب جب بھی کوئی آیت منسوخ ہوتی یا کوئی بات ہو جاتی باوجودیکہ سامان کتابت (بھی اس دور میں آسانی کے ساتھ) میسر نہ تھا۔ جبکہ احوال (وکیفیات) پرانے نسخہ کے ترک اور نئے نسخہ پر اعتماد کے لئے مددگار (بھی) ثابت نہ ہوتے کیونکہ ایسا ممکن نہ تھا کہ ہر مہینہ یا ہر روز کا ایک (ایسا) مصحف (تیار کیا گیا) ہوتا کہ جس میں اب تک نازل شدہ قرآن جمع کر دیا جاتا۔ لیکن جب یہ معاملہ قرآن کے (نزول کے) اختتام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک (ہی) جا ٹھہرا۔ اور (قرآنی آیات کے) نسخ سے (بھی) اطمینان ہو گیا (کہ اب مزید کوئی آیات وغیرہ منسوخ نہ ہو گی) اور (تمام قرآن کی) ترتیب (نزولی وکتابت بھی) معلوم ہو گئی تو (اب) اس قرآن کا ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن ہو گیا۔
اور یہ تھا وہ کام کہ جو خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سرانجام دیا اللہ ان کو قرآن اور تمام امت کے (قیامت کے) مسلمانوں کی طرف اس پر جزاء خیر عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

---

[1] یعنی جب قرآن پورے کا پورا اتر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد اس فانی دنیا میں قرآن کو ایک ہی مصحف میں جمع کرنے کا تکوینی طور پر وقت ہی نہ ملا کیونکہ آخری آیت کے نزول اور آپ کی وفات کا درمیان کا عرصہ فطری پر نہایت قلیل تھا کہ اسمیں یہ کام عادۃً ممکن نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ حکمت الٰہیہ میں طے تھا۔ (نسیم)

جمع القرآن فی عهد عثمان

أما جمع القرآن فی عهد عثمان فقد کان له سبب آخر غیر السبب الذی حدث فی عهد أبی بکر. فقد اتسعت الفتوحات الإسلامیة فی عهد عثمان، و تفرق المسلمون فی الأقطار والأمصار، واشتهر فی کل بلدان من البلاد الإسلامیة قراء ة الصحابی الذی علمهم القرآن، فأهل الشام کانوا یقرأون بقرء ة (أبی بن کعب) واهل الکوفة کانوا یقرأون بقرأة (عبدالله بن مسعود) وغیرهم کان یقرأ بقراء ة(أبی موسیٰ الأشعری)، فکان بینهم اختلاف فی حروف الأداء، ووجوه القراء ات، حتی کاد الأمر یصل إلی النزاع والشقاق، بینهم، وکاد بعضهم یکفّر بعضاً بسبب (اختلاف القراء ة)

روی عن أبی قلابة أنه قال: لما کانت خلافة عثمان، جعل المعلم (المقرىء) یعلم قراء ة الرجل، والمعلم یعلم قراء ة الرجل، فجعل الغلمان یلتقون فیختلفون، حتّٰی ارتفع إلی المعلمین، حتی کفر بعضهم بعضاً، فبلغ ذلك عثمان فخطب فقال: أنتم عندی تختلفون، فمن نأی (أی بعد) عنی من الأمصار فهم أشد اختلافاً) لهذه الأسباب والأحداث رأی عثمان بثاقب رأیه، وصادق نظره، ان یتدارك الخرق قبل أن یتسع علی الراقع، وأن یستأصل الداء قبل أن یصعب الدواء، فجمع أعلام الصحابة، ورجال الرأی والبصر فیهم، واستشارهم فی علاج تلك الفتنة، وعلاج ذلك الاختلاف، فأجمعوا أمرهم علی أن یستنسخ أمیر المؤمنین مُصاحف عدیدة، ویبعث إلی کل بلد أو مصر بمصحف منها، وأن یأمر الناس بإحراق کل ما عداها، حتی لا یبقی ثمة طریق للنزاع والاختلاف فی وجوه القراء ة، فشرع – رضی الله عنه – بتنفیذ هذا القرار الحکیم، فعهد إلی أربعة من خیرة الصحابة، وثقات الحفاظ وهم (زید بن ثابت) و (عبدالله بن الزبیر) و (سعید بن العاص) و (عبدالرحمن بن هشام) وقد کانوا جمیعا من قریش من المهاجرین إلا (زید بن ثابت) فقد کان من الأنصار، وکان هذا العمل الجلیل سنة ۲۴ هجریة، وقال لهؤلاء إذا اختلفتم فی شیء من وجوه القراء ة فاکتبوه بلغة قریش، فإن القرآن نزل بلغتهم۔ وطلب عثمان من (حفصة بنت عمر) أن تعطیه المصحف الذی کان عندها، والذی جمعه أبوبکر لینسخ منه عدة نسخ ثم یعیده إلیها، ففعلت.

لغات: اِتَّسَعَتْ: پھیل جانا۔ اقطار: قطر کی جمع، جانب، گوشہ کنارہ ملک۔ امصار: مصر کی جمع، بڑا شہر۔ شقاق: اختلاف، پھوٹ۔ یَتَدَارَكُ: تلافی کرنا۔ علی الراقع: تیزی سے۔ ینسخ: حرف بہ حرف نقل کرنا، لکھنا۔

تیسرا مرحلہ

ترجمہ: عہد عثمانی میں جمع قرآن

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن کا ایک دوسرا سبب تھا کہ جو حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں نہ تھا۔ عہد عثمانی میں اسلامی فتوحات کی (کثرت اور) وسعت ہوئی اور مسلمان مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے اور بلاد اسلامیہ کے ہر شہر میں اس صحابیؓ کی قراءت مشہور ہوگئی کہ جو انہیں (وہاں) قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ اہل شام حضرت ابی بن کعبؓ کی، اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کی قراءت پڑھتے تھے اور دوسرے حضرات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قراءت پڑھتے تھے۔

اور ان کے درمیان ادائیگی حروف اور وجوہ قراءت میں اختلاف تھا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کے درمیان نوبت (اختلاف وشقاق اور) لڑائی جھگڑے۔ تک پہنچ گئی۔

اور وہ لوگ ایک دوسرے کو اختلاف قراءت کی وجہ کافر (تک) کہنے لگے۔

حضرت ابوقلابہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''جب حضرت عثمان کا (عہد) خلافت تھا تو کوئی معلم (یعنی قرآن کی تعلیم دینے والا کہ جو مقری کے نام سے مشہور ہوتا تھا وہ) کسی صحابی کی قراءت (میں قرآن) کی تعلیم دیتا اور (کوئی دوسرا) معلم (کہ جو کسی دوسرے) صحابی کی قراءت (کو جانتا تھا اس میں قرآن) کی تعلیم دیتا تھا۔ ادھر نوجوان (نومسلم جب) ایک دوسرے سے ملتے (اور ایک دوسرے کو اپنی اپنی تعلیم کی قراءت سناتے) تو وہ (قراءات کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے) ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگتے یہاں تک کہ یہ اختلاف (اور اس کی بابت نزاع) معلم تک پہنچایا جاتا (اور بجائے اختلاف قراءت کو سمجھنے کے نوبت) یہاں تک (پہنچ گئی) کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ پس یہ بات حضرت عثمانؓ تک پہنچ گئی تو انہوں نے خطبہ میں ارشاد فرمایا ''تم میرے پاس ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ تو آپس میں بہت زیادہ اختلاف کرتے ہوں گے۔ ان ہی واقعات اور اسباب کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے اپنی درست رائے اور صحیح سوچ کی وجہ سے یہ خیال کیا کہ وہ اس نا اتفاقی کا کوئی سدباب کریں قبل ازیں کہ یہ تیزی سے (مسلمانوں کی تمام آبادیوں میں) پھیل جائے اور اس بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اس سے پہلے کہ اس کا مداوا دشوار ہو جائے۔ چنانچہ آپؓ نے (تمام) بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اور اہل رائے اور اہل نظر حضرات کو جمع کیا۔ اور ان سے اس (نئے پیدا ہونے والے) فتنہ کی سرکوبی اور اس اختلاف کی بیخ کنی کے لئے مشورہ مانگا۔ چنانچہ ان سب نے اس بات پر اجماع کیا کہ امیر المومنینؓ ان متفرق مصاحف کو منسوخ کر دیں۔ اور ہر شہر اور ملک میں ان میں ایک (کہ جس پر سب کا اتفاق ہو وہ) صحیفہ بھیج دیں۔ اور لوگوں کو ان کے علاوہ صحیفوں کے جلا دینے کا حکم دیں حتیٰ کہ ان علاقوں میں قراءت کے طریقوں میں اختلاف ونزاع (کی کوئی گنجائش) باقی

نہ رہے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس حکیمانہ فیصلہ کو نافذ کرنا شروع کیا۔ پس آپؓ نے (اس کام کے لئے) اجل صحابہ کرامؓ اور پختہ حفاظ میں سے چار کو منتخب فرمایا' جو حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ ابن زبیر' حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ اور ان میں سوائے حضرت زید بن ثابتؓ کے کہ وہ انصاری تھے۔ سب کے سب قریش مہاجرین میں سے تھے۔

یہ عظیم کام ۲۴ ہجری میں سرانجام پایا۔ اور آپؓ نے ان سب سے یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی آیت میں قراءت کے طریقوں میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش میں لکھو کیونکہ قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے وہ نسخہ منگوا بھیجا کہ جو ان کے پاس تھا اور جسے حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا تھا تا کہ اس کی مدد سے (یہ متفقہ نسخہ) لکھیں پھر وہ ان کو واپس کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایسا کر لیا۔ (یعنی ان کو وہ مصحف دے دیا اور پھر بعد میں واپس لے لیا)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔ ''جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ اور جس نئے علاقے کے لوگ مسلمان ہوتے وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے اسلام سیکھتے تھے کہ جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت ملی تھی۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا تھا۔ اور مختلف صحابہ کرامؓ نے اسے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختلف قراءتوں سے سیکھا تھا۔ اس لئے ہر صحابی نے اپنی قراءت میں اپنے شاگردوں کو قرآن پڑھایا۔ اس طریقہ سے قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ملکوں تک پھیل گیا۔ جب تک لوگوں کو سات حروف پر نازل ہونے کے اختلاف کی حقیقت معلوم رہی تب تک آپس میں کوئی خرابی اس اختلاف سے پیدا نہ ہوئی۔

لیکن جب دور دراز کے علاقوں تک اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ان تک سات قراءتوں کے اختلاف کی حقیقت نہ پہنچی تو وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ ہر ایک اپنے کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینے لگا۔ ان جھگڑوں میں ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی ان سات قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ دوسری طرف حضرت زید بن ثابتؓ کے معیاری نسخہ کے علاوہ کہ جو مدینہ طیبہ میں تھا اور کہیں پورے عالم اسلام میں کوئی معیاری نسخہ موجود نہ تھا کہ جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے۔ کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی تھے اور ان میں سات حروف کے جمع کرنے کا اہتمام بھی نہ تھا۔

لہٰذا اب ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی سات حروف میں جمع ہونے والا نسخہ پورے عالم اسلام میں پھیلا دیا جائے کہ جس سے غلط یا صحیح قراءت کا فیصلہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ ملخصاً)

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں ''اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن کریم ایک ہی لغت یعنی لغت قریش میں نازل

ہوا۔اس سے مختلف قبائل کے لوگوں کوقرآن کی تلاوت میں دشواری پیش آتی تھی۔تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو اس بات کی اجازت دی کہ جولوگ لغت قریش نہ پڑھ سکتے ہوں ان کو دوسری لغات میں قرآن پڑھادیں۔لہٰذا آپ ؐ نے بعض صحابہ کرامؓ کو دوسری لغات میں بھی قرآن پڑھایا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم سات حرفوں میں نازل ہوا تھا۔اور صحابہ کرامؓ نے آپ ؐ سے مختلف قراءتوں میں قرآن سیکھا۔ اور انہوں نے اپنے شاگردوں کوانہی قراءتوں میں سکھلایا۔اور جب اسلام عہد عثمانی میں دور دراز علاقوں تک پھیل گیا تو یہ اختلاف بھی پھیلا شروع شروع میں اس سے خرابی واقع نہیں ہوئی بعد میں لوگ اس اختلاف قراءت کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر تک کہنے لگے۔

اس سے اس بات کی اشد ضرورت پیدا ہوئی کہ قرآن کریم کے ایسے معیاری نسخے تیار کر کے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں کہ جن میں سات حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ قراءت کی غلطی کی اصلاح کرلی جائے۔یہی وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جوحضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں سرانجام دیا۔(احسن البیان صفحہ ۷۴ تا ۷۶ جلد ا ملخصاً)

سبب جمع عثمان للقرآن الكريم

روى البخارى عن أنس بن مالك أنه قال:

(أن (حذيفة بن اليمان) قدم على عثمان، وكان يغازى أهل الشام فى فتح أرمينية وأذربيجان مع أهل العراق، فأفزع حذيفة اختلافهم فى القراءة، فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا فى الكتاب اختلاف اليهود والنصارى، فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلى إلينا بالصحف ننسخها فى المصاحف ثم نردها إليك، فأرسلت بها حفصة إلى عثمان فأمر زيد بن ثابت، وعبدالله بن الزبير، وسعيد بن العاص، وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فى المصاحف، وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت فى شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم، ففعلوا حتى إذا نسخوا المصحف فى المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن فى كل صحيفة أو مصحف أن يحرق رواه البخارى.

الفرق بين جمع أبى بكر وجمع عثمان

الفرق بين جمع أبى بكر وجمع عثمان: ونستطيع مما سبق أن نعرف الفرق بين جمع أبى بكر وجمع عثمان، وهو أن الجمع فى عهد أبى بكر كان عبارة عن نقل القرآن وكتابته فى مصحف واحد مرتب الآيات، جمعه اللخاف والعسب والرقاع، وكان سبب الجمع (موت الحفاظ)،

وأما جمع عثمان فقد كان عبارة عن نسخ عدة نسخ من المصحف الذى جمع فى عهد أبى بكر لترسل إلى الآفاق الإسلامية. وكان سبب الجمع إنما هو (اختلاف القرّاء) فى قراءة القرآن، والله أعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

لغات: **يُغَازِئ**: جہاد کرنا، دشمن کی سرزمین میں اس سے لڑنے کے لیے جا گھسنا۔ **اَفْزَعَ**: خوف زدہ کرنا، گھبرا دینا۔ **افق**: کنارہ، مراد ملک اور مختلف شہر ہیں۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے قرآن کریم کو جمع کرنے کا سبب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے محاذ پر اہل عراق کے ساتھ مل کر اہل شام سے جہاد میں مشغول تھے۔ پس حضرت حذیفہؓ نے لوگوں کے قراءت میں اختلاف کی فریاد کی اور عرض کیا۔ اے امیر المومنین اس امت کی (خیر) خبر لیجئے۔ اس سے پہلے کہ یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اس کتاب میں اختلاف کا شکار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے جو) صحیفے ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان نے (چار صحابہ کرامؓ) حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم (کی ایک جماعت بنا کر) انہیں حکم دیا وہ (حضرت ابوبکرؓ کے) صحیفوں کو نقل کر دیں۔ اور حضرت عثمانؓ نے تین قریشی صحابہ کرامؓ کی جماعت سے ارشاد فرمایا کہ جہاں کہیں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش میں لکھ لینا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ان چاروں حضرات نے مل کر حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب صحیفوں کی نقل کا کام مکمل ہو گیا تو انہوں نے وہ صحائف جو حضرت حفصہؓ سے لئے تھے۔ انہیں واپس بھیج دیئے۔ [1] اور ہر جگہ وہ مصحف بھیج دیا کہ جو ان حضرات نے لکھا تھا۔ اور حکم دیا کہ اس کے نسخہ کے علاوہ جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن ہو اس [2] کو جلا دو۔

جمع ابی ابکرؓ اور جمع عثمانؓ میں فرق

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

[1] یہاں تک کا ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۸۸--۱۹۰ اور احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۷۶-۷۷ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ (نسیم)

[2] اس کے لیے دیکھیں صحیح بخاری باب جمع القرآن

''گزشتہ عبارتوں سے ہم جمع ابی بکرؓ اور جمع عثمان کے درمیان فرق کو جان سکتے ہیں وہ یہ کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن سے مراد قرآن پاک کا ایک ایسے نسخے میں آیات کو مرتب کر کے نقل کرنا اور جمع کرنا تھا کہ جو پتھر کی سلوں، کھجور کی شاخوں اور چمڑے کے ٹکڑوں میں جمع تھا۔ اور اس جمع کا سبب حفاظ کی موت تھا۔''

''اور جمع عثمان سے مراد عہد صدیقیؓ میں مرتب ہونے والے مصحف سے متعدد نسخوں کو لکھنا تھا تا کہ ان کو بلاد اسلامیہ میں بھیجا جائے۔ اور اس جمع کا سبب قرآن (کی مختلف قراءتوں) میں قراء کا اختلاف تھا۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

توضیح

اس موقعہ پر جمع عثمانی میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا اس کا جان لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

جمع عثمانی کا طریقہ کار

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''(حضرت عثمانؓ نے جن اصحاب کو مصحف مرتب کرنے پر مقرر فرمایا تھا) ان حضرات نے کتابت قرآن کے متعلق مندرجہ ذیل کام انجام دیئے۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ کے نسخہ میں سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ آیات مرتب تھیں ان حضرات نے ایک ہی مصحف میں ان سورتوں کو ترتیب کے ساتھ لکھا۔

(۲) قرآن کریم کو اس طرح لکھا کہ تمام متواتر قراءتیں اس میں سما جائیں اس لئے اس پر نقطے اور حرکات یعنی زیر زبر، پیش نہ لگائی گئیں تا کہ اس کو تمام متواتر قراءتوں میں پڑھا جا سکے۔

(۳) اب تک فقط عہد صدیقی کا تیار کردہ وہی ایک نسخہ ہی امت کا اجماعی نسخہ تھا۔ ان حضرات نے نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں۔ مشہور تو یہ کہ وہ پانچ تھے لیکن علامہ سجستانیؒ نے فرمایا کہ وہ کل سات تھے ایک مکۃ المکرمہ اس طرح ایک شام، ایک بحرین، ایک کوفہ، ایک بصرہ، ایک شام اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ کر لیا گیا۔

(۴) اس مصحف کی تیاری میں اگرچہ مصحف صدیقی ہی سامنے رہا لیکن ان لوگوں نے بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا کہ جو عہد صدیقی میں کیا گیا تھا۔ لہٰذا جن صحابہ کرام کے پاس عہد نبوی کی متفرق قرآن کے متعلق تحریریں تھیں ان صحابہ کرام کو دوبارہ طلب کیا گیا۔ اور ان تحریروں کے ساتھ از سر نو موازنہ کیا گیا۔ اور یہ نسخہ تیار کیا گیا۔

(۵) اس نسخہ کی تیاری کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کے پاس موجود دیگر انفرادی نسخے نذر آتش کر دیئے۔ تا کہ رسم الخط، مسلمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۹۰-۱۹۲ ملخصاً)

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جمع عثمانی میں مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا گیا۔''

(۱) مصحف میں وہ چیز درج ہو کہ جس کا قرآن ہونا قطعی اور اس کی صحت آنحضرتؐ سے ثابت ہو اور اس کی تلاوت منسوخ نہ ہو۔

(۲) مرتبین حضرات نے حضرت حفصہؓ کے نسخہ کو اصل قرار دیا کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے مرتب کروایا تھا۔ تا کہ ان کا نسخہ نسخہ صدیقی کے مطابق ہو جائے۔ اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

(۳) نسخہ صدیقی میں سورتیں الگ الگ تھیں ان حضرات نے ان سب کو ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(۴) زائد لغات اور وجوہ کو حذف کر کے فقط لغت قریش پر ہی لکھا۔ اسی لئے قرآن پر نقطے اور اعراب نہ ڈالے۔ ❶

(احسن البیان جلد ا صفحہ ۷ ملخصاً)

حضرت عثمانؓ کا عظیم الشان کارنامہ

علامہ عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بنظر استحسان دیکھا۔ اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں ان کی تائید و حمایت فرمائی۔ صرف عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش ہوئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''عثمان کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں (اور مشورہ سے) کیا۔'' ❷ (علوم القرآن صفحہ ۱۹۲)

آخر میں ہم سید نورالحسن شاہ بخاریؒ صاحب کی کتاب ''سیرتِ ذوالنورینؓ'' سے حضرت عثمانؓ کی جمع قرآن کے حوالہ سے اس عظیم الشان خدمت کا اختصار کیساتھ تعارف کرواتے ہیں اور کتاب کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔''

''سیدنا حضرت عثمانؓ کے کارناموں میں سب سے کارنامہ بلکہ شاہکار، اختلاف وتحریف سے کتاب اللہ کی حفاظت اور آفاق میں قرآن کی نشر واشاعت ہے۔ آپؓ نے لغت قریش پر قرآن کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع فرما دیا۔''

آگے شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''سیر الصحابہؓ کے فاضل مولف جناب مولانا سعید انصاری صاحب تحریر فرماتے ہیں'' قرآن مجید کی حضرت عثمانؓ نے جو خدمت کی، اس کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا، اس کو تحریف وتغیر سے سالم رکھنے کے جو ذرائع اختیار کیے اس کی نشر واشاعت کی جو صورتیں پیدا کیں، اس کی کتابت کا جو اہتمام فرمایا آفاقِ عالم میں اس کی تعلیم کا جو بندوبست فرمایا ان تمام خدمات کے لحاظ سے جو حضرت عثمانؓ تاریخ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کتابِ الٰہی کو مسلمانوں کے ہاتھ میں جس حسن وخوبی اور جس نظم وربط کے ساتھ دیا اس کی وجہ سے ابدالآباد تک تمام حلقہ بگوشانِ اسلام کی

❶ اتقان جلد ا صفحہ ۱۵۹-۱۶۲ ❷ فتح الباری صفحہ ۱۵ جلد ۹۔

گردنیں خلوص وعقیدت کیساتھ ان کے آستانۂ عقیدت پر جھکی رہیں گی۔ یہ کام پانی نوعیت کے لحاظ سے اسقدر اہم اور عظیم الشان تھا کہ جس کی نظیر حضرتِ ابوبکرؓ کے سوا کسی بزرگ کی سوانحِ حیات میں نہیں مل سکتی۔ (سیر الصحابۃ ج ۲ ص ۱۳۱)

آگے حضرت شاہ صاحبؒ مورخِ اسلام قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی عبارت نقل فرماتے ہیں قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں "امیر المومنین (حضرت) عثمانؓ شہید مظلوم بلحاظ خلافت بڑے کامیاب خلیفہ تھے۔ آج جو کوئی قرآن مجید پڑھ رہا ہے اس پر جامع قرآن (حضرت عثمانؓ) کا احسان ہے۔ (رحمۃ للعالمین ص ۱۲۰ حاشیہ)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ متن کتاب میں مذکورہ حضرت حذیفہ بن الیمان والی روایت کو نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "جہاں جمع قرآن کی سعادت عظمی کا شرف حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے وہاں اختلاف وتحریف سے اس کی حفاظت اور آفاقِ عالم وممالک اسلامیہ میں گھر گھر اس کی اشاعت کا سہرا سیدنا حضرت عثمان امام مظلومؓ کے سر پر ہے۔ امت محمدیہؐ پر آپؓ کا یہ وہ احسان ہے جس کے بارِ گراں سے قیامت تک امت محمدیہ کا سر جھکا رہے گا۔ اور وہ (اس احسان سے) کبھی سبکدوش نہیں ہو سکے گی۔

دنیا میں جب تک قرآن پڑھا جائے گا حضرت عثمانؓ کے اس احسان کا ہر قاریٔ قرآن کو احساس رہے گا۔ اور اس کے دل میں آپ کی محبت ومودت کا دریا موجزن رہے گا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"آپؓ کے عظیم تر مناقب وحسنات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے تمام امت کو ایک قراءت پر جمع کر دیا۔"

واقدیؒ اور دیگر حضرات نے اپنی سند کیساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوائے تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"آپ نے ٹھیک کیا اور آپ کو حق کی توفیق نصیب ہوئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے .... "میری امت میں مجھ سے محبت میں زیادہ شدید وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا۔ "**یعملون بما فی ورق المعلق**" "جو کچھ مجلد اوراق میں ہے اس پر عمل کریں گے۔"

میں خیال کرتا تھا کہ "ورق معلق" سے کیا مراد ہوگا؟ یہاں تک (اب) میں نے مصاحف کو دیکھا (کہ جو معلق اوراق میں لکھے ہوئے ہیں) حضرت عثمانؓ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ آپؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔"

پھر باقی مصاحف کی طرف جو لوگوں کے پاس تھے اور حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے مصحف کے خلاف تھے۔ حضرت عثمانؓ متوجہ ہوئے اور وہ جلا دیے۔

"**لئلایقع بسبه اختلاف**" [1] تا کہ ان کے سبب اختلاف نہ ہو۔ (سیرت ذی النورین ص ۲۰۶۔۲۱۲ ملخصًا)

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۱۶

الفصل الخامس

النسخ فی القرآن الکریم

وحکمته التشریعیّة

جاء ت الشریعة الاسلامیة الغراء محققة لمصالح الناس، متمشیة مع تطور الزمن، صالحة لکل زمان و مکان..... وکان من رحمة اللّٰه تبارک و تعالی بعباده، ان سن لهم سنة "التدرج فی الاحکام" لتبقی النفوس علی اتم الاستعداد، لتقبل تلک التکالیف الشرعیّة برضی و قناعة وطمانینة، فلاتشعر بملل اوضجر، ولاتشعر بمشقة ارشدة، ولتظل الشریعة الغرا۔ کما ارادها المولی جل وعلا۔ شریعة سمحة، سهلة، یسیرة، لاعسر فیها ولا تعقید ولا شطط فیها ولا ارهاق، تحقیقًا لقوله تعالی: ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ) وقوله جل ثناؤه: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الَّذِیْنَ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ...... ﴾ الآیة

ومن المعلوم ان الاحکام ماشرعت الا لمصلحة العباد، وهذه المصلحة تختلف باختلاف الزمان والمکان، فاذا شرع حکم فی وقت من الاوقات، وکانت الحاجة ملحة الیه، ثم ذالت تلک الحاجة، فمن الحکمة نسخه وتبدیله بحکم یوافق الوقت الآخر، فیکون هذا التبدیل والتغییر، محققًا للمصلحة مودیا للغایة، نافعًا للعباد، وما مَثَلُ ذلک الا کمثل الطبیب، لذی یغیر الاغذیة والادویة للمریض، باختلاف الامزجة و القابلیة والاستعداد۔

والانبیاء صلوات اللّٰه وسلامه علیهم، هم اطباء القلوب ومصلحو النفوس، لذلک جاء ت شرائعهم مختلفة، تَبَعًا لاختلاف الازمنة والامکنة وجاء ت بسنُة التدرج فی الاحکام لانها بمثابة الادویة والعقاقیر للابدان، فما یکون منها فی وقت مصلحة قد یصبح فی وقت آخر مفسدة وما یصلح لامة لا یصلح لاخری، وتلک هی حکمة العلیم الحکیم، الذی شرع لکل زمانٍ مایصلح له۔

کلمة لطیفة فی النسخ للقاسمی

وجاء فی التفسیر المسمی "محاسن التاویل" للشیخ جمال الدین القاسمی کلمة بدیعة ننقلها هنا لجمالها یقول الشیخ رحمه اللّٰه۔

ان الخالق تبارک وتعالی، ربی الامة العربیة، فی ثلاث و عشرین سنة تربیة تدریجیة لاتتم لغیره۔

بواسطة الفواعل الاجتماعية۔ لا في قرون عديدة۔ لذلك كانت عليها الاحكام على حسب قابليتها ومتى ارتقت قابليتها بدل الله ذالك الحكم بغيره وهذة سنة الخالق في الافراد والامم على حد سواء۔ فانك لو نظرت في الكائنات الحية' لرايت ان النسخ ناموسٌ طبيعي محسوس' في الامور المادية والادبية' معًا' فان انتقال الخلية الانسانية الى جنين' ثم الى طفل' فيافع' فشاب' فكهل' فشيخ' ومايتبع كل دورٍ من هذ الادوار' يريك باجلى دليل: ان التبدل في الكائنات ناموس طبيعي محقق۔

و اذا كان هذا النسخ ليس بمستنكر في الكائنات' فكيف يستنكر نسخ حكم وابداله بحكم آخر في الامة وهي في حالة نمو و تدرج من ادنى الى ارقى؟

هل يرى انسان له مسكة من عقل ان من الحكمة تكليف العرب۔ وهم في مبداء امرهم۔ بما يلزم ان يتصفوا به وهم في نهاية الرقى الانساني وغاية الكمال البشرى؟

واذا كان هذا لايقول به عاقل في الوجود' فكيف يجوز على الله۔ وهواحكم۔ الحاكمين۔ بان يكلف الامة وهي في دور "طفوليتها" بما لاتتحمله الا في دور "شبوبيتها وكهولتها"......؟

وايُّ الامرين افضل؟ اشرعنا الذى سنّ الله لنا حدودا بنفسه' ونسخ منه مااراد بعلمه واتمه بحيث لايستطيع الانس والجنّ ان ينقصوا حرفًا منه' لانطباقه على كل زمانٍ ومكان' وعدم مجافاته لاية حالة من حالات الانسان؟ ام شرائع دينية اخرى حرفها كهّانها' ونسخ الوجود احكامها۔ بحيث بستحيل العمل بها۔ لمنافاتها لمتقتضيات الحياة البشرية من كل وجه......؟

پانچویں فصل

قرآن کریم میں نسخ اوراس کی تشریعی حکمت کے بارے میں

لغات: الغراء: روشن' سفید وتابناک۔ متمشيّة: ساتھ ساتھ چلنے والی۔ تطورّ: انسانی اقدار یا انسانی برادری یا طریقہ ہائے کار میں پیدا ہونیوالی تدریجی تبدیلی' تشکیلِ نو۔ قناعت: میسر اور مہیا پر خوش رہنا۔ طمانینة: اطمینان' سکون' آرام' بے فکری۔ ملل: آزردگی' اکتاہٹ۔ ضجر: گھٹن' پریشانی' اچاٹ پن۔ سمحة: شریعتِ سمحة' نرمی وسہولت والے احکام کی شریعت۔ ملحة: مصر ہونا' تقاضا کرنا۔ اغذية: یہ غذا کی جمع ہے' کھانا' خوراک۔ ادوية: دواء کی جمع دوادارو' علاج۔ عقاقیر: عاقر کی جمع' اصل دوا' جڑی بوٹی' جراثیم کش دوا۔ ناموس: قانون وشریعت جمع نوامیس۔ خلية: علم الاحیاء (Biologoy) میں نباتات وحیوانات کی جسمانی ترکیب کی ایک اکائی (Cell) جو بہت چھوٹی ہوتی ہے اور عام طور سے آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی ہے بلکہ (Microscope) سے نظر آتی ہے۔ یافع: احتلام کی عمر کو پہنچنا' لڑکپن' مراہق سے کم عمر۔ کھل: ادھیڑ عمر کا

تیس سے پچاس سال تک کا آدمی۔ مستنکر: ناپسندیدہ' ناگوار' برا۔ نمو: پنپنا' نشوونما پانا۔ مسکۃ: عقل' رائے' رقی: ترقی۔ شبوبیت: جوانی۔ کھولت: بڑھاپا۔ انطباق: چسپاں ہونا' فٹ ہونا' جوڑ کھانا' میل کھانا۔ مجافات: بے مروتی' بدسلوکی۔ کھان: کاہن کی جمع' نجومی' جوتشی' مذہبی پیشوا' یہود ونصاری کا مذہبی عالم راہب' پروہت مہنت' سادھوؤں کا سردار وغیرہ۔ تعقید: الجھن شطط: زیادتی' ظلم' حد سے تجاوز۔ ارھاق: بے جا پریشانی میں ڈالنا۔

ترجمہ: (مولف فرماتے ہیں)

''(یہ) روشن شریعت اسلامیہ' لوگوں کے فوائد (ومنافع ومصالح) کو ثابت کرنے والی اور زمانے کے بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ چلنے والی (اور ہم آہنگ بن کر) اور ہر زمان ومکان کے لائق (ومناسب) بن کر آئی ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت (اور کرم) ہے کہ اس نے بندوں کے لئے ''(شرعی) احکام میں تدریج'' کے طریقہ کو مقرر کیا۔ تاکہ (انسانی) نفوس (اور انسانی عقلیں اور اعمال کے دواعی) ان شرعی تکالیف (اور احکام الٰہیہ و پیغامات ربانیہ) کو (پوری) رضا (ورغبت) اور سیر چشمی اور (ظاہری و باطنی' عقلی ونفسانی) اطمینان (وسکون اور بے فکری) کے ساتھ قبول کرنے کے لئے کامل (اور مکمل) استعداد (اور صلاحیت) پر باقی رہیں۔ اور وہ (کسی قسم کی) آزردگی (اور اکتاہٹ) اور گھٹن (اور اچاٹ پن) محسوس نہ کریں اور نہ ہی وہ (کسی قسم کی) تکلیف اور سختی کا احساس (ہی) کریں۔ اور تاکہ یہ شریعت غرا (روشن شریعت) جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارادہ (اور مشیت) ہے (ایک) نرم وسہولت والے احکام والی' سہولت والی' آسان شریعت بن کر باقی رہے کہ جس میں کوئی تنگی' الجھن' زیادتی اور بے جا کی تکلیف نہ ہو۔ (اور احکام شریعت میں فطری تدرج اور درجہ بندی) اس ارشاد خداوندی (جل جلالہ کی حقیقت کو) ثابت کرنے کے لئے (ہے)

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر. (البقرۃ: ۱۸۵)

''اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔'' (تفسیر عثمانی)

اور (مزید اس) ارشاد الٰہی جل ثناء (کی حقیقت کو بھی ثابت کرنے کے لئے ہے۔)

وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم. (الحج: ۲۸)

''اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور یہ بات (ہر ایک عاقل و بالغ کو) معلوم ہے کہ احکام بندوں کی مصلحت (اور دینی ودنیاوی واخروی فوائد ومنافع) کے لئے ہی مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور (بندوں کی ہمہ جہت) مصلحت زمان ومکان کے بدلتے رہنے سے بدلتی رہتی ہے۔ پس جب کسی ایک وقت میں (پہلے زمانہ میں) ایک حکم مقرر کیا جاتا ہے تو (کوئی نہ کوئی ظاہری و باطنی) ضرورت (وحاجت) اس (کے مقرر کرنے) کی طرف مجبور کرتی ہے (کہ جو اس وقت کے مناسب ہوتی ہے) پھر (وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ) وہ حاجت

(اور ضرورت جاتی رہتی ہے اور) رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس (پہلے والے) حکم کو ایسے حکم کے ساتھ منسوخ کرنا اور تبدیل کرنا کہ جو اس دوسرے وقت کے مناسب ہو (یہ) حکمت (الٰہیہ) میں سے ہے۔ پس (احکام میں) یہ تبدیلی اور ادل بدل (بندوں کی) مصلحت (ومنفعت) کو ثابت کرنے والی‘ (غرض و) غایت (ومراد ومقصود) تک پہنچانے والی اور بندوں کے لئے نافع ہوگی۔ اس کی مثال اس طبیب کی مثال ہی کی طرح ہے۔ کہ جو مریض کی غذاؤں اور دواؤں میں‘ مزاجوں‘ قابلیت اور استعداد کے اختلاف (کے اعتبار) کے تبدیلی کرتا رہتا ہے (اور ہر مریض کو اس کی مرض کے حساب سے دوا دیتا اور غذا تجویز کرتا ہے) اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں مختلف (ادوار میں مختلف قوموں کے لئے مختلف) آئیں۔ اور وہ ”احکام میں تدریج“ کے طور پر آئیں کیونکہ یہ (روحانی امراض کے علاج میں) بدن (کے امراض) کے دوا دارو کے بمنزلہ ہیں۔

پس شریعت کا ایک حصہ ایک وقت میں (اگر بندوں کے لئے) مصلحت (اور ان کے لئے مفید) ہوتا ہے تو (وہی حکم) ایک دوسرے وقت میں (ان کے لئے) مفسد (اور نقصان دہ) ہوتا ہے۔ اور جو بات ایک امت کے لئے درست ہوتی ہے۔ (ہوسکتا ہے کہ) وہ کسی دوسری امت کے لئے مناسب نہ ہو۔

یہی اس علیم وحکیم ذات کی حکمت ہے کہ جس نے ہر زمانہ (اور اہل زمانہ) کے لئے وہی مقرر کیا کہ جو ان کے مناسب ہے۔

نسخ کے بارے میں (علامہ) قاسمی کی (ایک نہایت) دلچسپ بات

شیخ جمال الدین القاسمی کی تفسیر ”محاسن التاویل“ میں ایک نہایت عمدہ بات آئی ہے ہم اس کی خوبی کی وجہ سے اس کو (یہاں اپنی کتاب میں) نقل کرتے ہیں۔ شیخ جمال الدین رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

> ”خالق تبارک وتعالیٰ نے امت عربیہ کی تیئیس سال (کے عرصہ) میں ایسی تدریجی تربیت کی کہ دوسرے اجتماعی عوامل کے ذریعے اس امت عربیہ کی تربیت نہ ہوسکتی مگر کئی صدیوں میں (جا کر ہوتی) اسی لئے امتوں پر احکام ان کی قابلیت کے اعتبار سے تھے اور جب امت کی قابلیت ترقی پا چکی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم پہلے سے تبدیل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ (تکوینی) سنت افراد اور امتوں سب کے لئے برابر ہے۔“

چنانچہ اگر تو زندہ کائنات میں (غور و تدبر کی) نگاہ ڈالے تو نسخ کو مادی اور ادبی دونوں قسم کے امور میں (تدریجی تربیت میں اور قابلیتوں اور استعدادوں کے ارتقاء میں) ایک محسوس طبعی قانون (کے طور پر) پائے گا۔

لہٰذا تجھے انسانی خلیے (یعنی Cell) کا جنین (کی حالت) میں منتقل ہونا‘ پھر بچہ کی طرف‘ پھر لڑکپن کی طرف پھر جوانی اور پھر ادھیڑ عمر کی طرف اور پھر (آخر میں) بڑھاپے (اور ضعیفی) کی طرف (منتقل ہوتے چلے جانا) اور ان ادوار کے پیچھے آنے والا ہر دور تجھے ایک واضح (اور روشن) دلیل کے ساتھ یہ بات دکھلائے (اور بتلائے) گا کہ ”(اس) کائنات میں“ (تدریجی اور ارتقائی) تبدیلی (ایک) طبعی (اور) ثابت شدہ (حقیقت اور) قانون ہے۔

اور جب یہ (تدریجی) تبدیلی (امور تکوینیہ میں) اس کائنات (کے جملہ عوامل و حوادث) میں کوئی (انوکھی' نرالی اور ان ہونی بلکہ) بری بات نہیں۔ تو (بھلا) ایک امت میں ایک حکم کو دوسرے کے ساتھ منسوخ کر دینا اور بدل دینا کیسے برا ہو سکتا ہے جبکہ وہ امت ابھی ادنی درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف نشو (ونما پانے) اور تدریج (کی تربیت) کی حالت میں ہے۔ کیا کوئی عقل مند آدمی یہ رائے رکھ سکتا ہے کہ عربوں کو ان کے ابتدائی دور میں ہی ان باتوں کا مکلف بنانا کوئی حکمت کی بات ہوتی کہ جن کے ساتھ متصف ہونا انہیں اس وقت لازم ہوتا کہ جب وہ انسانی ترقی کے انتہاء پر ہوتے اور کمال بشری کی نہایت پر ہوتے۔ ❶

اور جب یہ بات کوئی موجود عاقل نہیں کہہ سکتا تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات کیسے زیبا ہوتی کہ جو احکم الحاکمین ہے کہ وہ امت کو ایسی باتوں کا مکلف بناتا جبکہ وہ ابھی دور طفولیت میں ہی ہے' کہ جن کی وہ اپنے دور شباب اور پختگی عمر کے زمانہ میں ہی متحمل ہو سکتی تھی۔

(اب آپ ہی بتلائیں کہ) دونوں میں سے کون سی بات بہتر ہے؟

آیا وہ شریعت کہ جس کی حدود کو ہمارے لئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور اپنے علم سے اس میں سے جو چاہا وہ منسوخ کر دیا۔ اور اس کو اس طور پر پورا کیا کہ جن وانس میں کوئی بھی اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ (اس شریعت کے) ہر زمان و مکان پر منطبق کرنے میں اور احوال انسانیہ میں سے کسی حال میں بھی اس کے نامناسب نہ ہونے میں کسی حرف کی بھی کمی کر سکیں۔

یا وہ دوسری (آسمانی) دینی شریعتیں کہ جن کو ان کے مذہبی پیشواؤں (اور راہبوں اور پادریوں) نے بدل ڈالا۔ اور موجودہ زندگی نے ان کے احکام کو منسوخ کر دیا وہ اس طرح کہ انسانی زندگی کی ہر طرح کی ضروریات کے منافی ہونے کی وجہ سے (اب) ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔'' ❷

توضیح

نسخ کے بارے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''احکام شرعیہ کی مثال طبیب کے نسخہ جیسی ہے' طبیب کی تشخیص اپنی جگہ بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے اور موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق آتا رہتا ہے ان بدلے ہوئے حالات میں اگر کوئی حاذق طبیب اپنے نسخہ کے اجزاء میں مناسب ترمیم کرے تو یہ اس کی جہالت نہیں بلکہ اس کی مہارت اور حذاقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قرآن کے بعض احکام کے نسخ کے یہ معنی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ عالم الغیب نے عین وضع قانون کے وقت ہنگامی

---

❶ یعنی ان کو ان کی تربیت کے ابتدائی دور میں ہی ان باتوں کا مکلف بنا دیا جاتا کہ جو ان میں تربیت کے کمال و منتہی پر پہنچ جانے کے بعد پیدا ہوتیں۔ کہ یہ بات حکمت کی نہیں (نسیم)

❷ دیکھئے ''محاسن التاویل'' للشیخ جمال الدین القاسمی ۲/۲۱۹

وقتی حکمت و مصلحت کے پیش نظر بعض قوانین عارضی رکھے تھے۔ ان کی معیاد ختم ہونے کے بعد ان کی جگہ دوامی قوانین رکھ دیئے۔ (آثار خیر از صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

حضرت علامہ عبدالحق صاحب حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں نہ معلوم ہوا' پھر بعد میں سمجھا جیسا کہ بعض پادری الزام لگاتے ہیں یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہہ آئے ہیں (یہ) موقوف تھے۔ یعنی ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو کہ احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح بدلتی رہتی ہیں۔'' (تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۵۴ مقدمہ)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ عیسائیت پر رد کرتے ہوئے نسخ کا تعارف اپنے انداز میں کرواتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''نسخ اصطلاحی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ پہلے خدا نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دے دیا مگر اس کا انجام خدا کو معلوم نہ تھا پھر خدا کی رائے اس کے خلاف قائم ہوگئی پھر پہلے حکم کو ختم کر دیا' کہ نعوذ باللہ (اس سے) خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ یا پہلے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا پھر ان کو تینوں باتوں میں اتحاد کے باوجود منسوخ کر دیا۔ اگر چہ ہم یہ کہیں کہ خدا کو انجام معلوم تھا تب بھی اس سے خدا کی ذات میں قباحت کی نسبت لازم نہیں آتی۔ چنانچہ العیاذ باللہ ہمارے نزدیک ایسا نسخ جائز نہیں ہے اللہ کی شان اس عیب سے بلند و بالا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ یہ حکم انسانوں پر فلاں وقت تک باقی رہے گا۔ پھر منسوخ کر دیا جائے گا۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرا حکم بھیج دیتا ہے۔ جس سے کمی یا بیشی یا بالکل ختم ہو جانا معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ درحقیقت یہ پہلے حکم کی مدت اور انتہا کا بیان ہے۔ مگر چونکہ بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقت کی انتہاء کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے دوسرے حکم کے آنے پر ہم اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی ہوئی ہے۔

بلاتشبیہ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کسی کو ایک کام کے لئے ایک سال تک کی مدت کے لئے ملازم رکھتے ہیں مگر ملازم کو اس کی خبر نہیں دیتے۔ اب سال کے بعد ملازم آپ کی نیت سے باخبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ترمیم و تبدیلی سمجھے گا۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ ہرگز تبدیلی نہیں۔

پس اس معنی کے لحاظ سے نہ ہی خدا اور نہ ہی اس کی کسی صفت کے متعلق استحالہ لازم آتا ہے۔ پس جس طرح چار موسموں کی تبدیلی میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ اور رات دن کی تبدیلی' انسانی احوال' تنگی و فراخی' صحت و بیماری' افلاس و دولت مندی وغیرہ میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔ خواہ ہمیں ان کا علم ہو یا نہ ہو اسی طرح احکام کے نسخ میں بھی خدا کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں مکلفین کے لئے زمان و مکان کے حالات کے پیش نظر ہوتی ہیں۔

جیسے کوئی ماہر طبیب وحکیم دواؤں اور غذاؤں میں تبدیلی کرتا رہتا ہے جس کا منشاء مریض کے حالات اور دوسرے عوامل ہوتے ہیں۔ اور حکیم کے پیش نظر جو مصلحتیں ہوتی ہیں اس کی بنا پر کوئی عقل مند بھی حکیم کے فعل کو بیکار اور اس حکیم کو فضول اور نامعقول نہ کہے گا۔ پھر کوئی سمجھدار انسان اس حکیم مطلق کی نسبت جو اپنے قدیم ازلی وابدی علم کی بدولت اشیاء کے تمام احوال کو جانتا ہے یہ تصور کیسے کرسکتا ہے؟ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۱۷۲-۱۷۳ ملخصاً وبتصرف)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''علوم القرآن میں ایک اور اہم بحث ناسخ ومنسوخ کی ہے۔ یہ بحث بڑی پہلودار اور طویل الذیل ہے' نسخ کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا بلکہ ہر دور میں اس زمانے کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے۔ ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے۔ بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے کام کی مدت نفاذ متعین کردے اور یہ بتلادے کہ پہلا حکم تو جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانہ کے لحاظ سے تو وہی بہتر تھا۔ لیکن اب حالات کی تبدیلی کے اعتبار سے ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔ جو شخص بھی سلامت فکر کے ساتھ غور کرے گا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تبدیلی حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔ اور اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی عیب نہیں کہا جاسکتا۔ حکیم وہ نہیں کہ جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے۔ بلکہ حکیم وہ ہے کہ جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری سے غور کرکے نسخہ میں ان کے مطابق تبدیلیاں کرتا ہے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے کائنات کا سارا کارخانہ اسی اصول کی بنیاد پر چل رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے موسموں میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے کبھی سردی' کبھی گرمی' کبھی بہار' کبھی خزاں' کبھی برسات' کبھی خشک سالی یہ سارے تغیرات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عین مطابق ہیں۔ اگر کوئی شخص اسے ''بداء'' قرار دے کر اس پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ اس سے معاذ اللہ تعالیٰ اللہ کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے کہ اس نے ایک وقت میں سردی کو پسند کیا پھر بعد میں اس پر اپنی غلطی واضح ہوئی۔ اور اس کی جگہ گرمی بھیج دی تو اسے احمق کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے بعینہ یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے اسے ''بداء'' قرار دے کر کوئی عیب سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور حقائق سے بیگانگی ہے۔ (علوم القرآن ۱۵۹-۱۶۱ ملخصاً)

تعريف النسخ لغة و اصطلاحا:

النسخ لغة: يأتي بمعنى الإزالة' تقول العرب: نسخت الشمس الظل – أي: أزالته – ومنه قوله تعالى: ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾ أي: يزيله ويبطله. ويأتي بمعنى النقل من موضع إلى موضع' ومنه قولهم: نسخت الكتاب' أي: نقلت ما فيه إلى كتاب اخر' ومنه قوله تعالى: ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ويأتي بمعنى التبديل ومنه قوله تعالى: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ﴾ و بمعنى التحويل' ومنه تناسخ المواريث من واحد إلى واحد' هذا من حيث اللغة.

وأما في الشرع: فهو انتهاء الحكم و تبديله بحكم آخر...... وقد عرفه الفقهاء والأصوليون بتعريفات كثيرة نختار منها اخصرها واجمعها، وهو ما قاله ابن الحاجب حيث قال في تعريفه رحمه الله.

((النسخ: هو رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي متأخر))

قال الله تعالى في كتابه العزيز: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أو نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر﴾

نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

لغت میں نسخ: ''ازالہ'' کے معنی میں آتا ہے عرب کہتے ہیں۔ نسخت الشمس الظل (سورج نے سایہ کوختم کر دیا) یعنی ''ہٹادیا'' (مٹادیا) اسی معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول

﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾

''شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے اللہ اس کو مٹادیتے ہیں۔'' یعنی اس کو دور کر دیتے ہیں اور باطل کر دیتے ہیں۔

اور یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اسی معنی میں عربوں کا یہ قول ہے: نسخت الکتاب (میں نے کتاب کو نقل کیا) یعنی اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو دوسری کتاب میں منتقل کر دیا۔ اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''ہم لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔''

اور یہ ''تبدیل'' کے معنی میں بھی آتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول ہے۔

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ﴾

''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو بدل دیتے ہیں۔''

اور یہ تحویل کے معنی میں (بھی) آتا ہے اور اسی سے ہے ترکوں کا ایک سے دوسرے کی طرف جانا اور (ایک کی جگہ دوسرے کا ترکہ لینا ہے)

یہ (تمام معانی) باعتبار لغت کے ہیں۔

رہا اس کا شرعی (اور اصطلاحی) معنی تو وہ ایک حکم کا دوسرے حکم ذریعے ختم کرنا اور تبدیل کرنا ہے۔ اور فقہاء اور علماء اصول نے اس کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ ہم ان میں سے سب سے مختصر اور جامع (مانع) تعریف کو لیتے ہیں کہ جو ابن حاجبؒ نے نسخ

کی تعریف کرتے ہوئے فرمائی ہے۔

وہ فرماتے ہیں ''نسخ' وہ ایک حکم شرعی کو دوسری (بعد میں آنے والی) شرعی دلیل کے ذریعے سے ختم کرنا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿مَا نَسْخْ مِنْ آيَةٍ أو نُنْسِهَا نَاتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا الَمْ تَعْلَمْ أنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر﴾

(البقرة: ١٠٦)

''جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانویؒ نسخ کے معنی یہ بتلاتے ہیں۔

''ختم کرنا' کینسل کرنا' منسوخ کرنا' مٹانا' زائل کرنا' جیسے **نسخت الريح آثار الديار** اور **نسخت الشمس الظل** اور **نسخ الشيب الشباب** ہوا نے آبادیوں نے نشان مٹادیئے۔ سورج نے سایہ ختم کردیا۔ اور بڑھاپے نے جوانی کو زائل کردیا۔ اور اللہ کا کسی آیت یا حکم کو منسوخ کرنا' حاکم کا کسی قانون یا فیصلہ کو کالعدم قرار دینا اور منسوخ کرنا' کتاب کو حرف بہ حرف لکھنا' نقل کرنا' کتابت کرنا' کاپی کرنا۔

تناسخ: ایک دوسرے کو زائل و باطل کرنا' ختم کرنا' چیزوں کا الٹ پلٹ ہو کر ایک دوسرے کی جگہ لینا۔

استنسخ: نقل کرنا' لکھوانا' لکھنے کو کہنا۔

(القاموس الوحید صفحہ ۱۶۴۰ کالم نمبر ۱-۲)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''نسخ کے معنی لغت میں کسی شی کا کسی شیئ کے ساتھ مٹانا ہے''

اس پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں **النسخ فی اللغة بمعنى ابطال الشئ وقال القفال انه للنقل و التحويل لنا انه يقال: نسخت الريح آثار القوم اذا عدمت و نسخت الشمس الظل اذا عدم بحواله تفسير كبير.**

آگے فرماتے ہیں ''پس صحابہؓ و تابعین و قدماء تو اس معنی لغوی کے لحاظ سے نسخ کا بہت سے معانی پر اطلاق کرتے تھے۔ (ان میں سے چند معانی مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے انتہاء عمل میں بدل جائے۔

(۲) معنی متبادر چھوڑ کر دوسری آیت سے معنی غیر متبادر لئے جائیں۔

(۳) کسی قید کو اتفاقی بیان کردیا جائے۔

(۴) عام کو خاص بنادیا جائے۔

(۵) منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا گیا ہے کوئی فرق بیان کر دیا جائے۔

(۶) جاہلیت کی رسم کو مٹادیا جائے۔

(۷) پہلی شریعت کو اٹھادیا جائے۔

پس ان عام معانی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہوسکتا ہے اس لئے علماء نے پانسو آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی میں خوب غور کیا۔تو خاص اول معنی کو باقی رکھا۔پس اس اعتبار سے آیات منسوخہ بہت ہی کم ہیں۔(تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۵۳-۱۵۴ مقدمہ ملخصاً)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ فرماتے ہیں۔

معنی نسخ:

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں۔

(۱) نقل (اس کی مثال) نسخ الكتاب (اس نے کتاب کو نقل کیا)

(۲) رفع وازالہ (اس کی مثال) نسخت الشمس الظل (سورج نے سایہ دور کر دیا)

اور اصطلاح شریعت میں نسخ کہتے ہیں کئی حکیم مطلق عند الناس کی تحدید و تعیین عند اللہ کا اظہار کر دینا۔عام ہے کہ پہلے حکم مرفوع کی جگہ جدید حکم لایا جائے' یا نہ۔آگے تحریر فرماتے ہیں۔

وتفسير النسخ لغةً التبديل و شريعة بيان انتهاء الحكم الشرعى المطلق الذى تقرر فى اوها منا استمراره بطريق التراخى فكان تبديلا فى حقنا و بيانا محضا فى حق صاحب الشرع اهـ (مدراك) (آثار خير ص ۱۱۱)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ فرماتے ہیں:

نسـخ: کے لغت میں معنی زائل کرنا' مٹادینا ہیں۔مسلمانوں کی اصطلاح میں کسی عملی حکم کی مدت کی انتہاء کو بیان کرنا ہے جو تمام شرائط کو جامع ہو(یہ) نسخ کہلاتا ہے۔(بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نسخ: کے لغوی معنی ہیں (مٹانا' ازالہ کرنا) اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے

رفع الحكم الشرعى بدليل شرعى.

کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ''ختم'' کر دینا۔

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ سے زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے پھر کسی دوسرے

زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے اس عمل کو ''نسخ'' کہا جاتا ہے اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اس کو ''منسوخ'' اور جو نیا حکم آتا ہے اس ''ناسخ'' کہتے ہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۵۹ بلفظہٖ)

سبب النزول لآية النسخ:

روی أن اليهود قالوا لبعضهم البعض: ألا تعجبون من أمر محمد؟ يأمر أصحابه بأمر ثم ينهاهم عنه ويأمرهم بخلافه! ويقول اليوم قولا و يرجع عنه غدا، فما هذا القرآن إلا من كلام محمد، يقوله من تلقأ نفسه، ويناقض بعضه بعضا؟

فنزلت الآيت الكريمة ردا على سفههم وجهلهم، بقوله تقدست اسماؤه: ﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ......﴾

ومعنى ﴿ننسها﴾ هو ما قاله ترجمان القرآن ابن عباس: أی: نتركها فلا نبدلها، ولا ننسخها.

وقيل: هو من النسيان، بمعنى الترك، أی: نتركها بدون تبديل.

ترجمہ: آیت نسخ کے نزول کی وجہ:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

روایت کیا جاتا ہے کہ یہود ایک دوسرے سے کہنے لگے ''کیا تمہیں محمد (ﷺ) کے معاملہ پر تعجب نہیں (ہوتا)؟ (کہ) وہ اپنے اصحاب کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر (تھوڑا عرصہ نہیں گزرتا کہ) اس سے منع (بھی) کر دیتے ہیں۔ ایک دن ایک بات کرتے ہیں اور اگلے دن اس سے پھرے ہوتے ہیں۔ پس (معلوم ہوا کہ) یہ قرآن کچھ نہیں مگر محمد (ﷺ) کے کلام میں سے ہے جسے وہ اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ اور اس کلام کا بعض، بعض کے مخالف ہے؟

تو (اس پر یہ) آیت کریمہ ان کی جہالت اور حماقت (وسفاہت) پر رد کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ (کہ اس کے تمام نام ہر عیب سے خالی ہیں) کے اس قول کے ساتھ نازل ہوئی۔

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:)

﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا﴾ [1]

اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ نے ''ننسها'' کا جو معنی بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے یعنی ''ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور تبدیل نہیں کرتے اور منسوخ نہیں کرتے۔ اور یہ (بھی) کہتے ہیں کہ یہ ''النسیان'' سے ''ترک'' کے معنی میں (مشتق) ہے یعنی ''ہم اس کو تبدیل کئے بغیر چھوڑ دیتے ہیں۔''

---

[1] دیکھئے روح المعانی للآلوسی ۱/۳۵۲ اور تفسیر الکشاف ۱/۱۳۱۔

توضیح:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری تحریر فرماتے ہیں۔

یہود کا طعن، نسخ سے قرآن کا انکار

''حق تعالیٰ کا جواب بیان مصلحت وحکمت نسخ۔''

یہود نامسعود نے تحویل قبلہ کے وقت قرآن مجید کی حقانیت پر طعن کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس قسم کے طعن میں مشرکین عرب بھی شریک ہوگئے۔

خلاصہ طعن کا یہ تھا کہ محمد ﷺ اپنے اصحابؓ کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور پھر بعد میں اس کو بدل دیتے ہیں یا اس سے منع کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن وشریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے ان کا مقصود یہ تھا کہ مسمانوں کے دلوں میں شبہ ڈال دیں کہ تم جو کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے ہم پر نازل شدہ سب خیر ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی اگر پہلا حکم خیر تھا تو دوسرا شر ہوگا اور اگر دوسرا حکم خیر ہے تو پہلا شر ہوگا۔ اور وحی الٰہی کا شر ہونا محال ہے لہٰذا قرآن کا وحی ہونا ناممکن ہے اس شبہ کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی (یعنی ما ننسخ الی آخرہ)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کے معنی تبدیل خیر بالشر نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے وقت اور مصالح کے اعتبار سے ناسخ ومنسوخ دونوں ہی خیر ہیں۔ (آثار خیر صفحہ ۱۱۰-۱۱۱)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نسخ کا عقلی ونقلی ثبوت:

یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ''نسخ'' نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر ''نسخ'' کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے ''معاذ اللہ'' یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر احکام الٰہی میں ناسخ ومنسوخ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو مناسب سمجھا تھا بعد میں (معاذ اللہ) اپنی غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا۔ جیسے اصطلاح میں بداء کہتے ہیں۔

لیکن یہودیوں کا یہ اعتراض بہت سطحی نوعیت کا ہے اور ذرا سا بھی غور کیا جائے تو اس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۵۹-۱۶۰ ملخصاً)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ او ننسھا کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ابن کثیر اور ابو عمرو نے ''ننسھا'' کو نون اول اور سین کے فتح سے نساء بمعنی تاخیر سے مشتق کر کے پڑھا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ''موخر کر دیتے ہیں حکم کسی آیت کا اور اس کی تلاوت کو اٹھا لیتے ہیں۔'' اس تفسیر کے موافق ''ننسخ'' کے معنی تلاوت اور حکم کا اٹھانا ہوں گے یا یہ معنی کہ ہم اس آیت کو لوح محفوظ میں موخر کر دیتے

ہیں۔ یعنی آپ پر نازل نہیں کرتے۔ اس تفسیر پر کسی آیت کو اتارنے کے بعد اٹھانا اور نساء کے معنی بالکل نہ اتارنا ہوں گے۔''

اور باقی قراء نے ''ننسھا'' کو نون کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ ''انساء'' بھلانا اور ''نسیان'' بھولنا سے جو حفظ کے بالمقابل ہے پڑھا ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے ''ہم آپ کے قلب سے کسی آیت کو محو کرتے ہیں۔''

بعض مفسرین نے فرمایا ہے: ''ننسھا'' کے معنی ''نترکھا'' ہیں یعنی چھوڑتے ہیں۔ یہ معنی یہاں درست نہیں کیونکہ آگے ''نأت بخیر منھا'' اس پر چسپاں نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۵۰-۱۵۱ ملخصاً)

مناسب یہ ہے کہ اس مقام پر نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصلاحات کو جان لیا جائے۔ گزشتہ صفحات میں اس بارے میں تفسیر حقانی کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ''نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

''لفظ نسخ کے بارے میں علماء متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح میں ایک فرق رہا ہے جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔

متقدمین کی اصطلاح میں لفظ ''نسخ'' ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا۔ اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کے اصطلاح میں ''نسخ'' نہیں کہلاتیں۔ مثلاً متقدمین کی اصطلاح میں عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید بھی ''؟نسخ'' کے مفہوم میں داخل ہے چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور دوسری میں انہیں خاص صورت میں مخصوص کر دیا گیا ہے تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ دوسری آیت سے منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد علامہ دامت برکاتہم دو مثالیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک ''نسخ'' کا مفہوم اتنا وسیع نہیں' وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو۔ اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لیکن متاخرین علماء کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ [1]
(علوم القرآن صفحہ ۱۶۱-۱۶۳ ملخصاً)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ مذکورہ تفصیل کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اسلاف امت نے نسخ کو اسی عام معنی میں لیا ہے جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی' قید و شرط یا استثناء وغیرہ کی بھی اس میں شامل ہے اس لئے متقدمین حضرات کے نزدیک آیات منسوخہ پانسو تک شمار کی گئیں ہیں۔

حضرات متاخرین نے فقط اسی تبدیلی کا نام نسخ رکھا ہے جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاتقان صفحہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۔

اصطلاح کے مطابق آیات منسوخہ کی تعداد بہت گھٹ جائے گی۔اسی کالازمی اثر یہ تھا کہ متقدمین نے تقریباً پانسو آیات قرآنی میں نسخ ثابت کیا تھا' جس میں معمولی سے تبدیلی قید شرط یا استثناء وغیرہ کو بھی شامل کیا تھا اور متاخرین میں علامہ سیوطیؒ نے فقط بیس آیات میں نسخ قرار دیا ہے۔ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان میں بھی تطبیق پیدا کر کے صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے کہ جن میں کوئی تطبیق بغیر تاویل بعید کے نہیں ہوسکتی۔

یہ امر اس لحاظ سے مستحسن ہے کہ احکام میں اصل بقاء حکم ہے نسخ خلاف اصل ہے اس لئے آیات کے معمول بہا ہونے کی جہاں کوئی توجیہ ہوسکتی ہے اس میں بلاضرورت نسخ ماننا درست نہیں۔(معارف القرآن جلد ا صفحہ ۲۸۵ ملخصاً)

هل النسخ واقع فی الشرائع السماوية؟

النسخ فی الشريعة الإسلامية جائز عقلا' حادث سمعا' وهو واقع باجماع المسلمين' خلافاً لليهود' فإنهم أنكروا وقوعه' وقالوا: لم يحدث نسخ فی الشرائع' لانه يدل على الجهل' والله منزه عن ذلك' ووافقهم على هذا القول ((أبومسلم الأصفهانی)) فقال: إن النسخ فی كتاب الله تعالى لم يحصل' لان الله تعالى قال عن القرآن العظيم: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ فلو جاز النسخ لكان قد أتاه الباطل.

واحتج جمهور العلماء على جواز النسخ ووقوعه' بأن الدلائل القطعية دلت على نبوة محمد ﷺ ...... ونبوته عليه السلام لا تصح إلامع القول بنسخ شرع من قبله' وهذا دليل عقلی. وأما الوقوع فقد قالوا: إن النسخ قد حصل فی الشرائع السابقة' وفی نفس شريعة اليهود' فإنه جاء فی التوراة أن آدم عليه السلام أمر بترويج بناته من بنيه' ثم قد حرم ذلك باتفاق.

أدلة الجمهور:

استدل الجمهور على وقوع النسخ بحجج كثيرة' نوجزها فيما يلی: الحجة الاولى: ان الله قد صَرَّح به فی الآية الكريمة وهی قوله سبحانه: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ قالوا: فهذه الآية صريحة فی وقوع النسخ.

الحجة الثانية: قوله تعالى: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ' قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ......﴾ قالوا: إن هذه الآية واضحة كل الوضوح فی تبديل الآيات والأحكام' والتبديل: يشتمل على رفع حكم' واثبات آخر' والمرفوع إما التلاوة' وإما الحكم' و كيفما كان الامر فإنه رفع ونسخ' وهو ما دلت عليه

الآية الكريمة.

الحجة الثالثة: نسخ القبلة من بيت المقدس؟ إلى البيت الحرام، وهو ظاهر لا يجادل فيه عاقل، فقد كان المسلمون يتوجهون في صلاتهم في بدء الدعوة الإسلامية، إلى بيت المقدس، ثم نسخ ذلك الحكم، وأمر النبي ﷺ والمسلمون بالتوجه إلى البيت العتيق في ((مكة المكرمة)) بقوله تباركت أسماؤه: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ..... ﴾ الآية

وأخبر تبارك و تعالى بما سيقوله المنافقون، وأهل الكتاب، من الطعن في القرآن وفي النبي عليه الصلاة والسلام، بسبب تركهم التوجه إلى بيت المقدس وصلاتهم نحو البيت الحرام، فقال جلت عظمته:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا؟ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (دوسرا پارہ ابتدا)

الحجة الرابعة: أن الله تعالى أمر المتوفى عنها زوجها بالاعتداد أربعة أشهر وعشرة أيام، بقوله سبحانه ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا..... ﴾ الآية .

وقد نسخت هذه الآية الحكم السابق وهو أن عدة المتوفى عنها زوجها حول كامل بقوله سبحانه: ﴿وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ وهذا أمر معلوم عند كل مسلم بأن حكم الاعتداد للوفاة بعام كامل قد نسخ إلى أربعة أشهر و عشرة أيام.

وهكذا يظهر دليل الجمهور، واضحا ساطعا كالشمس في رابعة النهار، بحصول النسخ في الشريعة الاسلامية الغراء، ولا عبرة بقول من أنكر النسخ لمعارضته للنصوص الصحيحة الصريحة!

كلام الإمام القرطبي في جامع الأحكام:

قال العلامة القرطبي في تفسره: معرفة هذا الباب أكيدة، وفائدته عظيمة، لا يستغني عن معرفته العلماء، ولا ينكره إلا الجهلة الأغبياء، لما يترتب عليه في النوازل من الأحكام، و معرفة الحلال والحرام، وقد أنكرت طوائف من المتأخرين المنتمين للإسلام جوازه، وهم محجوجون بإجماع السلف على وقوعه في الشريعة ...... ثم قال رحمه الله: لا خلاف بين العلماء أن شرائع الأنبياء،

قصد بها مصالح الخلق الدينية والدنيوية، وإنما كان يلزم البداء– أى ظهور الحكمة بعد خفائها– فمن لم يكن عالما بمال الامور، وأما العالم بذلك فإنما تتبدل خطاباته بحسب تبدل المصالح، كالطبيب المراعى أحوال العليل، فراعى ذلك فى خليقته بمشيته وإرادته، لا إله إلا هو، فخطابه يتبدل، وعلمه وإرادته لا تتغير، فان ذلك محال فى جهة الله تعالى. اھ

ترجمہ: کیا سماوی شرائع میں نسخ ہوتا ہے؟ .

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شریعت اسلامیہ میں نسخ (نہ صرف یہ کہ یہ) عقلاً ممکن ہے (اور جائز ہے (اور) سماعی طور پر واقع (بھی) ہے اور (بلکہ یہ) مسلمانوں کے اجماع سے بخلاف یہود کے (جائز اور) ممکن ہے کہ یہود نے اس کے وقوع کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''شریعتوں میں نسخ (سرسے) واقع ہوتا (ہی) نہیں کیونکہ یہ (اللہ تعالیٰ کی ذات پر معاذ اللہ) جہل پر دلالت کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جہل (اور ہر قسم کے عیب سے بری اور) پاک ہے اور ابو مسلم اصفہانی نے (یہود کی) اس بات کی موافقت کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نسخ حاصل نہیں ہوا (اور موجود نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن عظیم کے بارے میں (اس بات کی شہادت دیتے ہوئے) فرماتے ہیں۔

لا ياتيه الباطل .... حكيم حميد.

''نہیں باطل آتا اس کے آگے سے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے تعریف کئے ہوئے کا۔''

اگر نسخ (ماننا) درست ہو تو (پھر تو) قرآن میں باطل آچکا ہے (اور یوں نہیں ہے لہٰذا قرآن میں نسخ بھی نہیں ہے)

جمہور علماء نے نسخ کے جواز وقوع پر اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ نا قابل تردید دلائل (حضرت) محمدؐ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور آپؐ کی نبوت درست نہیں مگر آپؐ سے قبل شریعتوں کے نسخ کے (ماننے کے ساتھ اور اس کے) قول کے ساتھ۔ اور یہ تو (رہی) عقلی دلیل (کہ نسخ عقلاً نہ صرف جائز ہے بلکہ ممکن ہے) اور رہا نسخ کا وقوع تو گزشتہ شریعتوں میں نسخ پایا جاتا رہا ہے اور خود شریعت یہود میں (بھی کہ جو اس کا اس زمانہ میں انکار کرتے ہیں) کیونکہ تورات میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کا اپنے بیٹوں کے ساتھ نکاح کر دینے کا حکم کیا پھر یہ بات (تمام امتوں اور شریعتوں میں) بالاتفاق حرام قرار دی گئی۔ [1]

توضیح:

اس کی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کر دی گئی ہے۔ ہم اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) گزشتہ شریعتوں میں نسخ۔

---

[1] اس کے لئے دیکھیں امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۷۔

(۲) قرآن میں نسخ۔

اب ہم ہر دو کے بارے میں اکابر علماء کرام کی آراء کو پیش کرتے ہیں۔

گزشتہ شریعتوں میں نسخ

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: اس بات میں تو امت کے کسی فرد کا اختلاف ہمیں معلوم نہیں ہے کہ شرعی احکام میں نسخ کا سلسلہ پچھلی امتوں کے وقت سے جاری رہا ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۶۳)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں "چنانچہ نسخ" صرف امت محمد یہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت نہیں بلکہ پچھلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری ہے جس کی بہت سی مثالیں موجود بائبل میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں "لیاہ" اور "راحیل" آپس میں بہنیں تھیں۔ ❶

لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دے دیا گیا۔ ❷ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا۔ ❸ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ ❹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی۔ ❺ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زنا کار ہونے کے علاوہ کسی حال میں بھی اس کو طلاق دینے کی اجازت نہیں۔ ❻

غرض بائبل کے عہد نامہ قدیم و جدید میں اس کی بیسیوں مثالیں ہیں جن میں کسی پرانے حکم کو نئے حکم کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۶۱)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اور پھر بات یہ ہے کہ نسخ کوئی ہماری شریعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ گزشتہ شریعتوں میں بھی کثرت پایا جاتا ہے اس کی مثالیں عہد عتیق و جدید دونوں میں بے شمار ہیں۔"

اس کے بعد مولانا مرحوم گزشتہ کتب میں نسخ کی مثالوں کو نہایت شرح و بسط سے بیان کرتے ہیں۔

دیکھیں (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ از صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۵)

علامہ عبدالحق حقانیؒ نے تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵ مقدمہ میں گزشتہ شریعتوں میں نسخ کی بارہ مثالیں پیش کر کے پادریوں پر حجت تمام کرتے ہوفرمایا ہے "اب نسخ میں کونسی حجت باقی ہے تم سے زیادہ بھی کوئی نسخ کا قائل ہے اگر یہی تکمیل ہے تو پھر نسخ کیا چیز ہے؟

دیکھئے حوالہ بالا۔

---

❶ بائبل کتاب پیدائش ۲۹:۲۳-۳۰۔ ❷ احبار ۱۸:۱۸۔ ❸ پیدائش ۹:۳۔
❹ احبار ۱۱:۷۔ اور استثناء ۱۴:۷۔ ❺ استثناء ۲۴:۱-۲۔ ❻ انجیل متی ۱۹:۱۵۔

قرآن میں نسخ

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب برکاتہم اس پر طویل کلام فرماتے ہیں ہم ذیل میں اس کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں: ''اس میں (علماء کی) آراء میں کچھ اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے یا نہیں اور کیا قرآن میں ایسی آیت موجود ہے کہ جس کی تلاوت تو باقی ہو مگر حکم منسوخ ہو؟ جمہور علماء تو اس کے قائل ہیں مگر معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی اس کو نہیں مانتے ان کے بقول قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں اور قرآن تمام کا تمام واجب العمل ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے ان کی تائید کی ہے اور ہمارے زمانے کے بعض تجدد پسند بھی ان کے پیرو ہوئے ہیں۔ چنانچہ جن آیات میں نسخ ہے یہ حضرات اس کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم نہ کرنا پڑے۔ لیکن درحقیقت یہ موقف کمزور دلائل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس اصول کے تسلیم کر لینے کے بعد آیات قرآنیہ کی تفسیر میں ایسی کھینچ تان کرنی پڑتی ہے کہ جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔

اس بات کے قائلین حضرات کے دلوں میں دراصل یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ''نسخ'' ایک عیب ہے کہ جس سے قرآن کو خالی ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ انتہاء درجہ کی کوتاہ نظری ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین یہود و نصاریٰ کی طرح فقط قرآن میں نسخ نہ ہونے کے قائل ہیں۔ اور باقی شریعتوں میں نسخ کے قائل ہیں۔ اگر نسخ عیب ہے تو غیر قرآنی احکام میں یہ عیب کیسے پیدا ہو گیا؟ جبکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں اور اگر نسخ عیب نہیں تو یہ قرآنی احکام میں کیونکر عیب ہو گیا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف ہے کہ قرآن میں کوئی آیت محض تبرکاً باقی ہو اور اس پر عمل کرنا واجب نہ ہو۔ نہ جانے کس بنا پر یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف قرار دے دی گئی ہے حالانکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) اس سے احکام شرعیہ میں تدریج کی حکمت واضح ہوتی ہے۔

(۲) یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو احکام کا پابند بنانے کے لئے کس حکیمانہ طریقہ سے کام لیا۔

(۳) نیز احکام شرعیہ کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

(۴) مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کب کیا واجب تھا؟

(۵) گزشتہ قوموں کے منسوخ شدہ احکام کے ذکر سے عبرت و موعظت حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر قرآن کریم میں بعض منسوخ الحکم آیات کی تلاوت اسی مقصد کے لئے باقی رکھی گئی ہو تو اس میں کون سی بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے؟

یا پھر کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر کام میں کیا کیا حکمتیں ہیں؟ جب ایسا دعویٰ کسی انسان سے بھی درست نہیں تو اللہ تعالیٰ کے کسی کام کا محض اس بنا پر انکار کیسے درست ہے کہ ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں۔ جبکہ دیگر دلائل شریعہ سے اس کا وقوع ثابت بھی ہو چکا ہے۔

لہٰذا درحقیقت قرآن میں عدم نسخ کے قائلین حضرات کا بنیادی مفروضہ ہی درست نہیں کہ جس پر انہوں نے اپنے نظریے کی ساری عمارت کھڑی کی ہے انہوں نے قرآنی آیات کو دوراز کار معانی اس لئے پہنائے کہ ان کے نزدیک قرآن میں نسخ ایک عیب ہے کہ جس سے وہ قرآن کو خالی دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ اگر ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ نسخ میں حکمت الٰہی ہے تو وہ بھی ان آیات کی دیگر حضرات مفسرین کی طرح عام تفسیر ہی بیان کریں کیونکہ ظاہر اور متبادر تفسیر وہی ہے۔ (علوم القرآن ۱۶۲-۱۶۳ ملخصاً و بتصرف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''(متاخرین حضرات کا قرآن کی آیات میں نسخ کو کم ماننا) اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مسئلہ نسخ اسلام یا قرآن پر کوئی عیب تھا جس کے ازالہ کی کوشش چودہ سو برس تک چلتی رہی آخری انکشاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ہوا جس میں (تعداد) گھٹتے گھٹتے پانچ رہ گئی۔ اور اب اس کا انتظار ہے کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کر کے بالکل صفر تک (یہ تعداد) پہنچا دے۔''

مسئلہ نسخ کی تحقیق میں ایسا رخ اختیار کرنا نہ اسلام اور قرآن کی کوئی صحیح خدمت ہے ورنہ ایسا کرنے سے صحابہ و تابعین پھر چودہ سو برس کے علماء متقدمین و متاخرین کے مقالات و تحقیقات کو دھویا جا سکتا ہے اور نہ مخالفین کی زبان طعن اس سے بند ہوسکتی ہے بلکہ اس زمانہ کے ملحدین کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دینا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چودہ سو برس تک تمام علماء امت کچھ کہتے رہے ہوں اور آخر میں اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے۔ معاذ اللہ! اگر یہ دروازہ کھلے تو قرآن اور شریعت سے امن اٹھ جائے گا۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ آج کسی نے جو تحقیق کی ہے وہ کل غلط ثابت نہیں ہو جائے گی۔ عصر حاضر کے بعض علماء کی ایسی تحریریں نظر سے گزری ہیں کہ وہ بھی معتزلہ ابو مسلم اصفہانی کی طرح نسخ کے نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن صحابہ و تابعین کی تفسیریں اور پوری امت کے تراجم دیکھنے کے بعد اس کو مدلول قرآنی کہنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ابن کثیر و ابن جریر وغیرہ نے وقوع نسخ پر استدلال کیا ہے اور اس متعدد مثالیں شمار کروائی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی (قرآن میں) وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نسخ کی تعداد تو کم بتلائی ہے مگر مطلقاً وقوع کا انکار نہیں کیا۔ ان کے بعد علماءِ اکابر دیوبند بلا استثناء سبھی وقوع نسخ کے قائل چلے آئے ہیں۔ ان میں متعدد حضرات کی مستقل یا جزوی تفسیریں بھی ہیں، کسی نے بھی نسخ کے وقوع کا انکار نہیں کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن جلد ا صفحہ ۲۸۱-۲۸۲ ملخصاً و بتصرف)

اب ہم متن کتاب کا مسلسل ترجمہ کرتے ہیں۔

جمہور کے دلائل:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

جمہور علماء نے متعدد دلائل سے نسخ کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ اور ہم ذیل میں ان کو اختصار سے درج کرتے ہیں۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں موجود ایک) آیت کریمہ میں نسخ کی تصریح فرمائی ہے اور وہ یہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾

(حضرات علماء کرام) فرماتے ہیں کہ یہ آیت نسخ کے وقوع میں صریح ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا بَدَّلْنَا -------- بِالْحَقِّ. (النحل: ۱۰۱- ۱۰۲)

''اور جب ہم بدلتے ہیں ایک کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یہ بات، نہیں پر اکثروں کو اس کی خبر نہیں۔ تو کہہ اس کو اتارا پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ۔'' (تفسیر عثانی)

(علماء اصول وفقہاء کرام) فرماتے ہیں ''یہ (مذکورہ بالا) آیت پوری طرح سے احکام وآیات کی تبدیلی (پر دلالت کرنے کے بارے) میں واضح ہے۔

اور ''تبدیل'' (کا لفظ یہ اپنے معنی مدلول کے اعتبار سے ایک) حکم کے اٹھائے جانے اور (اس کی جگہ) دوسرے حکم کے لانے (کی ہر دونوں صورتوں) کو مشتمل ہے اور جو اٹھا دیا گیا ہے وہ یا تو تلاوت ہے (کہ تلاوت اب اس کی نہیں رہی اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آیت ہی قرآن سے اٹھالی گئی جیسے کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے (نسیم) اور یا حکم ہے (کہ اس کی تلاوت تو باقی ہے لیکن حکم اس کا اٹھ گیا ہے) اور (بہر حال دونوں میں سے) بات جو بھی ہو پس یہ ہے تو رفع اور نسخ ہی۔ اور یہی وہ بات ہے کہ جس پر آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

تیسری دلیل:

بیت المقدس سے بیت الحرام کی طرف قبلہ (کی سمت) کا نسخ یہ ایک (ایسی) ظاہری بات ہے کہ جس میں کوئی عقل مند جھگڑا نہیں کرتا۔ چنانچہ مسلمان اسلام کی دعوت کے ابتدا (ئی دور میں) اپنی نمازوں میں نبی ﷺ اور (تمام) مسلمانوں کو (اپنی نمازوں میں) اس ارشاد خداوندی (کہ جس کے تمام نام برکت والے ہیں) میں مکۃ المکرمہ میں موجود (خانہ کعبہ کہ جس کو) بیت العتیق (بھی کہتے ہیں) کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(وہ ارشاد خداوندی یہ ہے)

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ج فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرۃ: ۱۴۴)

''بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف' سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے' اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو' پھیرو منہ اس کی طرف۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے (نبی ﷺ اور) مسلمانوں کے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے ترک کرنے اور بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف (منہ کرکے) نمازیں پڑھنے کی وجہ سے' منافقوں اور اہل کتاب نے قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو طعنہ زنی کی' اس کی خبر دی (اور اس کو قرآن میں ارشاد فرمایا)

چنانچہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰـىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (البقرۃ: ۱۴۲)

''اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے ''جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ۔'' (تفسیر عثمانی)

چوتھی دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیوہ کو چار ماہ دس دن عدت گزارنے کا حکم اپنے اس قول میں دیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ (البقرۃ: ۲۳۴)

''اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن۔'' (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق کہ اس آیت (کریمہ) نے (ایک) گزشتہ حکم منسوخ کر دیا۔ اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے (اس) قول میں بیوہ کی پورے ایک سال کی عدت تھی۔

(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ. (البقرۃ: ۲۴۰)

''تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ (بیوہ عورت کی) ایک سال کی عدت وفات کا حکم چار ماہ دس دن میں منسوخ ہو گیا ہے۔

(مولف کتابؒ فرماتے ہیں)

اور اس طرح جمہور علماء کرام کی' روشن (اور صاف) شریعت اسلامیہ میں نسخ کے حاصل ہونے پر دلیل' آفتاب نصف

النہار کی طرح روشن اور واضح بن کر ظاہر ہوتی ہے۔اور نسخ کے منکر کے قول کا' واضح اور صحیح نصوص کے معارض ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں۔

(نسخ کے بارے میں) امام قرطبیؒ کا (اپنی تفسیر) ''جامع الاحکام'' میں کلام:

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔''اس (نسخ کے) باب کا جاننا (نہایت) ضروری ہے اور اس کا بہت بڑا فائدہ ہے اور علماء اس کی معرفت سے مستغنی نہیں ہو سکتے اور اس کا انکار فقط جاہل اور کوڑھ مغز (قسم کے کند ذہن) لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ اترنے والی وحیوں میں نسخ (کے جاننے) پر (ہی) احکام اور حلال وحرام کی معرفت مرتب ہوتی ہے (یعنی احکام کی ترتیب اور ان میں سے کونسا حکم باقی ہے اور کون سا اٹھ گیا اس کا جاننا نسخ کے جاننے پر ہی موقوف ہے۔(نسیم)

اور تحقیق متاخرین کی چند جماعتوں نے کہ (بظاہر) اسلام کی منسوب ہیں (لیکن درحقیقت ان کا تعلق کج رو گمراہ قسم کے فرقوں سے ہے جیسے معتزلہ وغیرہ کہ انہوں نے) نسخ کے جواز کا انکار کیا ہے۔اور ان کے خلاف شرع شریف میں نسخ کے وقوع پر اسلاف (امت اور متقدمین علماء) کے اجماع سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) پھر (علامہ امام قرطبیؒ آگے چل کر) ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کے بارے میں (متقدمین ومتاخرین) علماء کرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کا مقصود لوگوں کی دینی ودنیاوی مصالح (اور منفعتیں اور فوائد) ہیں۔اور بے شک ''بداء'' [1] یعنی ''(کسی حکم) کی حکمت کا ظہور اس کے پوشیدہ ہونے کے بعد'' اس کو لازم آتا ہے کہ جو امور کے انجام سے باخبر نہ ہو۔اور البتہ انجام سے باخبر کے خطابات میں مصالح کی تبدیلی کے اعتبار سے تبدیلی آتی رہتی ہے (اس کی مثال بلاتشبیہ) اس طبیب کی سی (ہے) کہ جو مریض کے (جملہ) احوال کی رعایت کرتا ہے۔

چنانچہ وہ ذات کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں' اس نے اپنی مخلوق میں اپنی مشیت اور ارادہ سے اس بات کی رعایت رکھی۔ پس اس کا خطاب (تو) بدلتا رہتا ہے۔

اور (لیکن) اس کا علم اور ارادہ نہیں بدلتا۔(کہ اس کے علم میں یہ بات پہلے سے طے ہوتی ہے البتہ اس کا اظہار وہ بروقت حسب مصلحت فرماتے ہیں۔جیسا کہ اس کی تفصیل گزشتہ میں گزر گئی ہے (نسیم) کہ یہ بات اللہ جل جلالہ کی ذات کے بارے میں محال ہے (کہ اس کو اپنی باتوں کی حکمتوں کا ظہور بعد میں ہوا اس لئے نسخ کی نوبت آئی معاذ اللہ) [2]

---

[1] اس کا معنی گزشتہ میں علامہ تقی عثانی دامت برکاتہم کی تحریر میں گزر گیا ہے۔(نسیم)

[2] دیکھئے جامع الاحکام للقرطبیؒ جلد۲ صفحہ ۵۷۔اور شیخ زکریا یوسفؒ کی کتاب ''الایمان وآثارہ'' کہ انہوں نے اس میں ایک طویل فصل ذکر کی ہے کہ جس میں انہوں ان تجدد پسندوں پر (شدید) رد (اور نکیر) کی ہے کہ جنہوں نے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے قرآن میں نسخ کے وقوع کا انکار کیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب)

أقسام النسخ فى القرآن الكريم:

ينقسم النسخ إلى ثلاثة أقسام:

الأول: نسخ التلاوة والحكم معا.

الثانى: نسخ التلاوة مع بقاء الحكم.

الثالث: نسخ الحكم مع بقاء التلاوة

أما الأول: وهو: ((نسخ التلاوة والحكم)) فلا تجوز قراءته ولا العمل به، لأنه قد نسخ بالكلية، كآية التحريم بعشر رضعات، فقد روى عن عائشة رضى الله عنها أنها قالت: كان فيما نزل من القرآن: ((عشر رضعات معلومات يحرمن فنسخن بخمس رضعات معلومات، فتوفى رسول الله ﷺ وهن فيما يقرأ من القران.

قال الفخر: فالجزء الأول منسوخ الحكم والتلاوة، والجزء الثانى وهو الخمس منسوخ التلاوة، باقى الحكم عند الشافعية.

و أمـا الـثانى: وهو نسخ التلاوة و بقاء الحكم، فهو كما قال الزركشى فى ((البرهان فى علوم القرآن)) يعمل به إذا تلقته الامة بالقبول، كما روى فى سورة النور ((الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما ...... نكالا من الله، والله عزيز حكيم)) قال عمر: ((ولولا أن يقول الناس زاد عمر فى كتاب الله لكتبتها بيدى))

وأخرج ابن حبان فى صحيحة عن أبى بن كعب رضى الله عنه أنه قال: ((كانت سورة الأحزاب توازى سورة النور – يعنى فى الطول – ثم نسخت آيات منها))

وهذان النوعان ((نسخ الحكم والتلاوة)) و ((نسخ الـتلاوة مع بقاء الحكيم)) قليل جدا فى القران الكريم، و نادر أن نجد فيه مثل هذا النوع، لأن الله سبحانه أنزل كتابه المجيد، ليتعبد الناس بتلاوته، وبتطبيق أحكامه.

وأما الثالث: وهو: ((نسخ الحكم مع بقاء التلاوة)) فهو كثير فى القرآن الكريم، وهو كما قال الزركشى: فى ثلاث وستين سـورة...... ومن أمثلة هذا النوع آية الوصية للوالدين نسخت بآية المواريث، وآية العدة بحول كامل نسخت بآية العدة بأربعة أشهر وعشرة أيام، و آية الفدية فى الصوم للفاد نسخت بآية وجوب الصوم، وتقديم الصدقة عند مناجاة الرسول ﷺ، والكف عن قتال المشركين، كل ذلك نسخ بآيات فى القرآن الكريم، واضحات الدلالة والحكم.

وقد الف الشيخ ((هبة الله بن سلامة)) رسالة في ((الناسخ والمنسوخ)) جاء فيها ما نصه:
((إعلم أن أول النسخ في الشريعة: أمر الصلاة' ثم أمر القبلة' ثم الصيام ليوم عاشوراء' ثم الإعراض عن المشركين' ثم الامر بجهادهم' ثم أمره بقتل المشركين' ثم أمره بقتال أهل الكتاب حتى يعطوا الجزية' ثم ما كان أهل العقود عليه من المواريث' ثم هدم منار الجاهلية لئلا يخالطوا المسلمين في حجهم ......)) إلى آخر ذلك.

الحكمة من نسخ الحكم مع بقاء التلاوة؟

أما الحكمة من ذلك' فقد بينها العلامة الزركشي في كتابه ((البرهان في علوم القرآن)) فقال.
((وهنا سوال' وهو أن يسال: ما الحكمة في رفع الحكم و بقاء التلاوة؟ والجواب من وجهين:
أحدهما: أن القرآن كما يتلى ليعرف الحكم منه' والعمل به' فإنه كذلك يتلى لكونه كلام الله عزوجل' فيثاب على تلاوته' فتركت التلاوة لهذه الحكمة.
وثانيها: أن النسخ غالبا يكون للتخفيف' فأبقيت التلاوة تذكيرا بالنعمة' و رفع المشقة' حتى يتذكر المسلم نعمة الله عليه بتيسير الدين))

ترجمہ: قرآن کریم میں نسخ کی اقسام

(مولف کتاب فرماتے ہیں)
نسخ تین قسموں میں تقسیم ہوتا ہے (اور وہ مندرجہ ذیل ہیں)
(۱) تلاوت وحکم دونوں کا منسوخ ہو جانا۔
(۲) حکم کے باقی رہتے ہوئے (فقط) تلاوت کا منسوخ ہو جانا۔
(۳) (اور) تلاوت کے باقی رہتے ہوئے (فقط) حکم کا منسوخ ہو جانا۔
(آگے مولف کتاب ہر ایک کو مثال دے کر ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں)

پہلی قسم:

کہ جو ''تلاوت اور حکم دونوں کا منسوخ ہونا'' ہے کہ نہ تو اس کی قراءت (ہی) جائز ہے اور نہ (ہی اس پر) عمل۔ کیونکہ یہ بالکل ہی منسوخ ہوگئی ہے جیسے دس دفعہ دودھ پلانے سے حرمت (مصاہرت ونسب کے حاصل ہونے) کی آیت۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں ''نازل ہونے والے قرآن میں سے (کہ جو بعد میں منسوخ ہوگیا کہ نہ اس کی تلاوت رہی اور نہ ہی اس کا حکم باقی رہا) ایک (یہ آیت) تھی۔

عشر رضعات معلومات يحرمن.

''پس معلوم دودھ پلانا حرام کردیتے ہیں۔''

(نسب ومصاہرت کو یعنی ان کے ذریعے حرمت مصاہرت ونسب حاصل ہوتی ہے)(نسیم)

پھر(یہ آیت) پانچ معلوم (ومعروف طریقہ) سے دودھ پلانے کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔

پھر نبی ﷺ انتقال فرماگئے اوران آیتوں کی قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی۔ ❶

(امام) فخر الدین (رازیؒ) فرماتے ہیں ''تحقیق (اس آیت کے) پہلے جز کی تلاوت وحکم دونوں منسوخ ہیں (کہ اب یہ حرمت دس دفعہ دودھ پلانے سے حاصل نہیں ہوتی ہے) اور (اس آیت کا) دوسرا حصہ کو جو پانچ دفعہ دودھ پلانا ہے اوراس کی تلاوت (تو) منسوخ ہے اور (البتہ) اس کا حکم شوافع کے نزدیک باقی ہے (کہ پانچ دفعہ دودھ پلانے سے حرمت حاصل ہوتی ہے) ❷

دوسری قسم:

اور وہ ''حکم کے بقا کے ساتھ تلاوت کا منسوخ ہونا'' ہے پس اس (آیت کا حکم) جیسا کہ (علامہ بدر الدین) زرکشیؒ نے ''البرہان فی علوم القرآن'' میں فرمایا ہے (یہ ہے کہ) اس آیت پر عمل کیا جائے گا کہ جب امت اس کو قبول کرلے گی۔ (اور خلف عن سلف اس پر اجماع بھی ہو) جیسا کہ سورۂ نور کی اس (درج ذیل) آیت کے بارے میں روایت ہے۔

الشیخ والشیخة إذا زنیا فارجموها البته نکالا من الله والله عزیز حکیم.

بوڑھا اور بوڑھی جب وہ زنا کریں تو انہیں ضرور سنگسار کردو، یہ جزاء ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔''

حضرت عمرؓ (اس بارے میں) فرمایا کرتے تھے ''اگر لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کردیا تو میں اس آیت کو (سورۂ نور میں) اپنے ہاتھ سے لکھ دیتا۔'' (صحیح بخاری) ❸

❶ (مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ حدیث مسلم شریف میں باب الرضاعت میں ہے اس حدیث کا نمبر ۱۴۵۲ ہے اور (اس کو) ابوداؤد نسائی اور ترمذی (رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے) اوراس کا معنی (یہ) ہے۔

(یعنی دس دفعہ دودھ پلانے کے حکم کا) پانچ دفعہ کے دودھ پلانے سے منسوخ ہونا (کافی بعد میں) تاخیر سے نزول ہوا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرماگئے جبکہ لوگ (اس آیت کے منسوخ ہونے کے باوجود بھی) اس کی تلاوت کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں اس کے کچھ عرصہ پہلے ہی منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کے نسخ کی خبر نہ پہنچی تھی۔

❷ یہ مسئلہ احناف وشوافع میں مختلف فیہ ہے احناف کے نزدیک محض دودھ کے (رضیع کے حلق سے اترتے ہی حرمت ثابت ہو) جاتی ہے تفصیل اس کی کتب اصول فقہ (اصول الشاشی ونور الانوار) اور کتب فقہ (مثلاً ہدایہ وغیرہ) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (نسیم)

❸ جیسا کہ ہمارے اس دور کے بعض معکوس العقل لوگوں نے رجم کی حجیت کا کا انکار کیا ہے اور جیسے آج بھی بعض پوشیدہ اور کھلے مرزائی اس کی شدید مخالفت کررہے ہیں اوراس کو شریعت میں اضافہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال باطل ہے تفصیل اس کی دیکھیں ''رجم کی شرعی حیثیت میں۔ (نسیم)

ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ''سورۂ احزاب سورۂ نور کے برابر تھی یعنی طوالت میں (برابری تھی) پھر اس کی کچھ آیات منسوخ ہوگئیں۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں) کہ دونوں قسم کا نسخ ''حکم و تلاوت دونوں کا منسوخ ہونا اور ''حکم کے بقاء کے ساتھ تلاوت کا منسوخ ہونا'' قران میں بہت ہی کم ہے۔ اور ہم قرآن میں اس قسم کی مثال کم ہی پاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قران) مجید کو (اس لئے) نازل کیا تا کہ لوگ اس کی تلاوت کرکے اور اس کے احکام کو (اپنی عملی زندگی میں) منطبق کرکے اجر پاویں۔

تیسری قسم:

اور وہ ''تلاوت کے ہوتے ہوئے حکم کا منسوخ ہونا'' ہے اور یہ قسم قرآن میں بہت (واقع) ہے اور وہ جیسا کہ (علامہ بدر الدین) زرکشیؒ نے فرمایا ہے ''تیرسٹھ سورتیں (یعنی آیات) ہیں۔

نسخ کی اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال' والدین کے لئے وصیت ہے کہ جو آیت میراث سے منسوخ ہوگئی۔ اور ایک سال کی (بیوہ کی) عدت کی آیت ہے کہ چار ماہ دس دن والی آیت سے منسوخ ہوگئی اور فدیہ دینے والے کے لئے روزہ کا فدیہ دینے کی آیت کہ جو روزوں کے وجوب کی آیت سے منسوخ ہوگئی۔ اور نبیؐ سے (کسی قسم کی راز کی بات کرنے کے لئے) سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے اور مشرکین سے قتال کرنے سے رکنے کی آیت وغیرہ کہ یہ سب کی سب آیات قرآن کریم میں (ہی موجود) ان دوسری آیات سے منسوخ ہوگئیں کہ جو دلالت اور حکم میں (بالکل) واضح ہیں۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شیخ ''ہبۃ اللہ بن سلامہ'' نے ''ناسخ و منسوخ کے بارے میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس میں یہ لکھا ہے (شیخ ہبۃ اللہ فرماتے ہیں)

> ''تو جان لے کہ شریعت میں۔ پہلا نسخ نماز کا حکم تھا پھر قبلہ کا حکم' اور پھر دس محرم کا روزہ پھر مشرکین سے اعراض کا حکم پھر ان سے جہاد کا حکم' پھر مشرکین کے قتل کا حکم پھر اہل کتاب سے' جب تک کہ وہ جزیہ نہ دیں (اس وقت تک) قتال کا حکم پھر وہ میراث (کا حکم) کہ جس پر اہل [1] عقد قائم تھے۔ (یعنی میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے ترکہ کی تقسیم کے لئے اقارب کے لئے جو عقد یعنی وصیت کیا کرتے تھے اس کا منسوخ ہونا) پھر جاہلیت (کے دور) کے منارہ کو توڑنے کا حکم تا کہ مسلمانوں اپنی حج کے دوران کی مغالطہ کا شکار نہ ہوں۔ (الی آخرہ ....)

توضیح:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] اس سے مراد عزیز رشتہ دار اور اقارب ہیں۔ (نسیم)

اقسام نسخ قرآن:

(۱) تلاوت منسوخ اور حکم باقی جیسے آیت رجم۔

(۲) حکم منسوخ اور تلاوت باقی۔ جیسے اقارب کے لیے وصیت کا حکم (کہ وہ) آیت میراث سے منسوخ ہوا۔ یا جیسے ایک سال عدت وفات کا حکم آیت چار ماہ دس دن عدت وفات سے منسوخ ہوا۔

(۳) تلاوت وحکم ہر دو منسوخ جیسے بعض روایات میں ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی مگر بعض حصہ کی تلاوت و حکم دونوں مرفوع ومنسوخ ہو گئے (آثار خیر صفحہ ۱۱۲)

علامہ عبدالحق صاحب حقانیؒ تفسیر حقانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ قرآن کی تین صورتیں ہیں۔ ''اول یہ کہ حکم منسوخ ہو اور تلاوت باقی ہو۔ دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیسا کہ یہ آیت ''**الشیخ والشیخ اذا زنیا فارجموھا نکالا من الله' والله عزیز حکیم** اور **لو کان لابن آدم وادیان الآیة**.

ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت ﷺ ہی نے ان کو مجموعہ قرآن سے بحکم الٰہی جدا کر دیا تھا سوم یہ کہ حکم اور قراءت دونوں ہی منسوخ ہوں۔ جیسا کہ سورۂ براءت کا اوائل کہ جس کو ننسھا کا مصداق کہنا چاہیے۔ مگر یہ بھی حضرتؐ کے ہی روبرو ہوا۔ اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی۔ ہاں اگر بعد میں آپؐ کے یہ ہوتا تو تحریف وتبدیل کہہ سکتے تھے۔

(تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶ مقدمہ)

ترجمہ: تلاوت کی بقا کے ساتھ حکم کے منسوخ ہونے کی حکمت:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

رہی نسخ کی (مذکورہ قسم کی) حکمت تو اس کو علامہ (بدرالدین) زرکشیؒ نے اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' میں بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''یہاں ایک سوال ہے کہ جو (اکثر) کیا جاتا ہے کہ تلاوت کو باقی رکھتے ہوئے حکم کو اٹھا دینے کی کیا حکمت ہے؟

تو اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے۔

ایک:

تحقیق کہ قرآن جس طرح اس کا حکم جاننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تلاوت کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے الله عزوجل کے کلام ہونے کی وجہ سے بھی تلاوت کیا جاتا ہے تاکہ اس کی تلاوت پر اجر ملے۔ پس تلاوت کو (حکم کے منسوخ ہونے کے باوجود) اس حکمت کی وجہ سے (باقی رکھا گیا ہے۔ اور) چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسرے:

(یہ کہ) نسخ اکثر اوقات (امت پر کسی حکم کی مشقت اور شدت میں) کمی کرنے کے لئے ہوتا ہے پس تلاوت کو وہ نعمت اور (اس) مشقت کے اٹھائے جانے کو یاد دلانے کے لئے باقی رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ (ایک) مومن اپنے اوپر دین کے آسان کردیئے جانے کی نعمت الٰہی کو یاد رکھے۔ ❶

اوراوپر کسی قدر سیر حاصل گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے (نسیم)

هل ينسخ القرآن بالسنة النبوية المطهرة؟

اتفق العلماء على أن القرآن ينسخ بالقرآن' وأن السنة النبوية تنسخ بالسنة' والخبر المتواتر ينسخ بمثله' ولكنهم اختلفوا فى مسألة وهي: هل ينسخ القرآن بالسنة؟ والخبر المتواتر بغير المتواتر؟

فذهب الشافعي رحمه الله: إلى أن الناسخ للقرآن' لا بد أن يكون قرآنا مثله' فلا يجوز عنده نسخ القرآن بالسنة النبوية' لأنها ليست فى درجة القرآن.

وذهب الجمهور: إلى جواز نسخ القرآن بالقرآن' وبالنسة المطهرة أيضا' لأن الكل حكم الله تعالى ومن عنده' والكل بوحي من الله عزوجل: ﴿وما ينطق عن الهوى٥ إن هو إلا وحي يوحى﴾

وحجة الجمهور ما ورد من نسخ آية الوصية بحديث: ((إن الله اعطى كل ذى حق حقه' ألا لاوصية لوارث))

ونسخ جلد الزانى المحصن فى الآية الكريمة: ﴿الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ حيث نسخ الجلد بالرجم' فقد رجم رسول الله ﷺ ماعزا والغامدية' ولم يجلد واحدا منهما' فدل على أن الحكم وهو الجلد نسخ بالسنة المطهرة. وهذا القول هو الأشهر والأظهر, والله اعلم

هل يقع النسخ فى الأخبار؟

جمهور العلماء على أن النسخ مختص بالأحكام' بالأوامر' والنواهى' والخبر لا يدخله النسخ لاستحالة الكذب فى خبر الله تبارك و تعالى.

وقيل: إن الخبر إذا تضمن حكما شرعيا جاز نسخه' كقوله تعالى: ﴿ومن ثمرات النخيل والأعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا﴾ فهذا خبر عن الخمر الذى يخرج من التمر والعنب

---

❶ اس کے لئے امام بدرالدین زرکشیؒ کی البرہان فی علوم القرآن' دیکھیں۔

وقد نسخه الله عزوجل بآية تحريم الخمر: ﴿إنما الخمر، والميسر، والانصاب، والازلام، رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾

يقول شيخ المفسرين ((ابن جرير الطبرى)) رحمه الله فى تفسيره ((جامع البيان)) ما نصه: ﴿ما ننسخ من آية او ننسهانات بخير منها أو مثلها﴾ أى: ما ننقل من حكم آية الى غيره، فنبدله و نغيره، وذلك أن يحول الحلال حراما، والحرام حلالا، والمباح محظورا، والمحظور مباحا......

ثم قال: ولا يكون ذلك الأفى الامر والنهى، والحظر والإطلاق، والمنع والإباحة، فأما الأخبار فلا يكون فيها ناسخ ولا منسوخ)) اهـ.

هذه لمحة خاطفة عن النسخ فى الشريعة الإسلامية، وفى القرآن والسنة النبوية ينبغى أن يلم بها طالب العلم، وأن يعرف حكمة الله عزوجل فى تشريع الأحكام، وإنزال الآيات على هذا الوجه الدقيق، الذى حقق مصالح العباد و ساير تظور الزمن، بواسطة الناسخ والمنسوخ أوجزناه فى هذه العجالة ﴿والله يقول الحق وهو يهدى السبيل﴾

ترجمہ: کیا قرآن کو سنت نبویہ مطہرہ (یعنی احادیث شریفہ) سے منسوخ کیا جا سکتا ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

علماء (کرام اور فقہاء عظام) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قران قرآن سے منسوخ ہو جاتا ہے۔ اور سنت نبویہ (یعنی اخبار آحاد) سنت نبویہ سے منسوخ ہو جاتی ہے اور خبر متواتر اپنے جیسی (خبر متواتر) سے منسوخ ہو جاتی ہے لیکن علماء نے اس (مذکورہ ذیل) مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

''آیا قرآن حدیث سے (بھی) منسوخ ہو جاتا ہے؟ اور (کیا) خبر متواتر غیر خبر متواتر سے (بھی) منسوخ ہو جاتی ہے؟ (یا نہیں)

پس امام شافعیؒ تو اس طرف گئے ہیں کہ ''قران کا ناسخ ضروری ہے کہ قرآن کی طرح قرآن ہی ہو۔ لہٰذا ان کے نزدیک قرآن کا سنت نبویہ سے نسخ جائز نہیں ہے کیونکہ سنت نبویہ قرآن کے درجہ (اور مرتبہ) والی نہیں ہے۔

اور جمہور علماء قرآن کے ساتھ اور سنت مطہرہ کے ساتھ بھی نسخ کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں اور اس کی طرف سے ہیں۔ اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o (النجم: ۳-۴)

''اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔'' (تفسیر عثمانی)

جمہور کی دلیل آیت وصیت کا حدیث کے ذریعہ منسوخ ہونا ہے (وہ حدیث یہ ہے)

إن الله اعطی کل ذی حق حقه' ألا لاوصية لوارث

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق (مقرر کر کے) دے دیا ہے خبردار سن لو! کسی وارث کے لئے (اس کے ترکہ کے علاوہ) کوئی (مال کی) وصیت نہیں ہے۔''

اور شادی شدہ زانی کی اس (درج ذیل) آیت کریمہ میں کوڑوں کی سزا کا منسوخ ہونا (بھی اس کی مثال ہے وہ ایت یہ ہے)

الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة.

''اور زنا کرنے والی اور زنا کرنے والے' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''

کہ کوڑوں کی سزا کو (شادی شدہ زانی کی بابت) رجم (کی سزا) سے منسوخ کر دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ماعزؓ اور غامدیہؓ کو سنگسار کیا اور ان دونوں میں سے کسی کو کوڑے نہ مارے (کیونکہ ان سے زنا کا ارتکاب شادی شدہ ہونے کی حالت میں ہوا تھا)

پس یہ (قصہ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (آیت مذکورہ میں زانی اور زانیہ کا) حکم کہ جو کوڑے مارنا ہے وہ سنت مطہرہ کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا۔

اور یہی قول زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم ❶ ' ❷

کیا نسخ اخبار (وواقعات وقصص وحوادث) میں ہوتا ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

جمہور علماء اس (مذہب) پر ہیں کہ نسخ احکام اوامر اور نواہی کے ساتھ (ہی) خاص ہے۔ اور خبر (یعنی کوئی واقعہ اور قصہ) کہ نسخ اس میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی (دی ہوئی) خبر(وں) میں کذب بیانی ناممکن ہے۔

اور ایک یہ بھی ہے کہ جب خبر کسی شرعی حکم کو متضمن ہو تو اس میں نسخ (کا وقوع) ممکن ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل: ٦٧)

کہ یہ اس شراب کے بارے میں خبر ہے کہ جو کھجور اور انگور سے (کشید کر کے) نکالی جاتی ہے۔ اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شراب کی حرمت والی آیت سے منسوخ کر دیا۔

(اور وہ یہ ہے)

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ

---

❶ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) فریقین کے مفصل دلائل جاننے کے لئے ہماری کتاب ''روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام من القرآن'' کا مطالعہ کریں۔

❷ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کتب فقہ نور الانوار و ہدایہ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں (نسیم)

تُفْلِحُوْنَ٥﴾ (المائدة: ۹۰)

شیخ المفسرین ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر ''جامع البیان'' میں یہ فرماتے ہیں۔

''(کہ اس ارشاد خداوندی) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط (البقرۃ:۱۰۶) (کا) مطلب یہ ہے کہ ''ہم کسی آیت کا حکم دوسری آیت کی طرف نہیں منتقل کرتے کہ اس کو تبدیل کر دیں اور بدل ڈالیں اور وہ یوں کہ ہم حلال کو حرام بنا دیں اور حرام کو حلال (اور) مباح کو ناجائز اور ناجائز کو مباح بنا دیں (کہ ہم ایسا نہیں کرتے) پھر آگے (چل کر) فرماتے ہیں۔

''کہ یہ نسخ نہیں ہوگا مگر امر' نہی' حظر' اطلاق' منع اور اباحت میں البتہ اخبار (وقصص) تو ان میں نہ ناسخ ہوتا ہے اور نہ (ہی) منسوخ'' اھ ❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ (مذکورہ بالا تحریر) شریعت اسلامیہ اور قرآن اور سنت نبویہ (میں واقعہ ہونے والے) نسخ پر ایک طائرانہ نگاہ (اور ایک سرسری تجزیہ وتفصیل تھی) دینی علوم کے) طالب علم کو چاہیے کہ وہ (اس کی معلومات حاصل کریں اور) اس کو جانیں اور احکام کی تشریع اور اس دقیق (اور غامض) طریقہ پر آیات کے اتارنے میں اللہ عزوجل کی حکمت کو جانیں کہ جس (طریقہ) نے بندوں کی مصلحتوں کو ثابت کیا اور گردش زمانہ کے ساتھ ناسخ ومنسوخ کے واسطے سے چلتا رہا۔ ہم نے اس (بحث) کو اس روا روی کی تحریر میں مختصراً ذکر کیا ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

''اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راہ۔''

توضیح:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ محل نسخ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''(۱) اصول عقائد (۲) کلیات اخلاق (اور) اخبار یعنی قصص وحکایات ماضیہ بالاجماع محل نسخ نہیں۔ البتہ احکام فرعیہ میں نسخ عند الجمہور شرائع سابق میں اور شریعت محمدیہ میں بوقت نزول وحی جاری رہا۔ (آثار خیر صفحہ ۱۱۲)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک واقعات وقصص یا امور قطعیہ عقلیہ میں نسخ ممکن نہیں' مثلاً یہ کہ ''خداوند عالم موجود ہے۔'' اس کا نسخ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح امور حسیہ میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً دن کی روشنی' رات کی تاریکی (کہ ان میں نسخ نہیں ہوتا) اسی طرح دعاؤں میں اور ان احکام میں جو اپنی ذاتی حیثیت سے واجب ہیں۔ مثلاً اٰمِنُوْا وَلَا تُشْرِكُوْا. اور اسی طرح ان احکام میں (نسخ نہیں) کہ جو دائمی اور ابدی ہیں۔

---

❶ دیکھئے تفسیر ''جامع البیان'' للطبریؒ جلد ا صفحہ ۴۰۷۔

جیسے لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا. اوران احکام میں کہ جن کا وقت متعین ہے (کہ ان میں بھی نسخ نہیں) کہ اس معین وقت کی آمد سے قبل نسخ کا امکان نہیں۔ جیسے فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ. پس تم معاف اور درگزر کرو یہاں تک اللہ کا حکم آجائے۔ ❶

بلکہ نسخ صرف ان احکام میں ہوسکتا ہے کہ جو عملی اور وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں۔ نہ دائمی ہوں اور نہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہوں۔ ایسے احکام کو "احکام مطلقہ" کہا جاتا ہے۔ ان میں یہ بات ضروری ہے کہ زمانہ اور مکلف اور صورت متحد نہ ہوں۔ بلکہ تینوں میں اختلاف ہو یا بعض میں۔" ❷ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱-۱۷۲)

علامہ عبدالحق حقانیؒ قرآن کے سنت یا قرآن کے ساتھ نسخ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"دوسری بحث اس مقام پر اور ہے اور وہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں واقع ہوتا ہے اور اس کی دو قسم ہیں۔ اول "نسخ الکتاب بالسنۃ" جیسا کہ یہ آیت "لا یحل لك النساء" یہ حدیث عائشہؓ سے منسوخ ہے کہ آپؐ نے ان کو خبر دی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو جس قدر عورتیں مباح کر دیں۔ رواہ عبدالرزاق والنسائی، واحمد، والترمذی والحاکم دوم "نسخ السنۃ بالکتاب" جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا سنت سے ثابت تھا۔ اس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا۔"

فول وجھك شطر المسجد الحرام. اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ وغیرہ محققین اس کے بھی منکر ہیں اور اس کو باعث طعن مخالفین سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک طعن کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ نسخ ایک حکم مبہم المدت کی مدت کو بیان کر دینا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو ایک حکم دیا اور اس کی کوئی مدت بیان نہ کی پس ایک زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ پھر بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو اس کو بیان کر دیا کہ اس کی یہاں تک مدت تھی۔ اس میں عقلاً ونقلاً کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷ ملخصاً مقدمہ)

☆☆☆

---

❶ علامہ تقی عثمانی صاحب اس حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ مکی زندگی میں مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ کفار کے ظلم وستم کا کوئی جواب نہ دو۔ تاوقتیکہ جہاد کا حکم نازل نہ ہوجائے۔

❷ مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں جس شخص کو جس صورت کے ساتھ ایک کا حکم دیا گیا۔ یہ ناممکن ہے کہ اسی زمانہ میں اسی شخص کو اسی صورت کے ساتھ منع کر دیا جائے۔ بلکہ نسخ میں وہ زمانہ بدلے گا یا وہ شخص یا صورت یا تینوں (یا کوئی دو) (محمد تقی عثمانی)

من كنوز المعلومات

((الأسباط هم ابناء يعقوب عليه الصلاة والسلام' فكم مرة ذكروا في القرآن الكريم؟

ورد ذكرهم أربع مرات:

قال تعالى: وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (البقرة: ١٣٦)

قال تعالى: أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ. (البقرة: ١٤٠)

قال تعالى: وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ. (البقرة: ٨٤)

قال تعالى: إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَى نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ وَ أَوْحَيْنَآ إِلَى إِبْرٰهِيمَ وَ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (النساء: ١٦٣)

ما معنى الباقيات الصالحات؟

قال تعالى: وَ الْبَاقِيَاتُ الصّٰلِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ مَّرَدًّا. (مريم: ٧٦)

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ((خذوا جنتكم من النار' قولوا سبحان الله' والحمد لله' ولا إله إلا الله' والله أكبر فانهن ياتين يوم القيامة مقدمات و معقبات و مجنبات' وهن الباقيات الصالحات)) (صحيح الجامع الالبانى ٣٢١٤)

معلومات کا خزانہ

ترجمہ: سوال: ''اسباط'' یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں ان کا قرآن میں کتنی مرتبہ ذکر ہوا ہے؟

جواب: ان کا ذکر چار مرتبہ آیا ہے۔ (اور وہ چار آیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (البقرة: ١٣٦)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ. (البقرة: ١٤٠)

وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ. (البقرة: ٨٤)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَى نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ وَ أَوْحَيْنَآ إِلَى إِبْرٰهِيمَ وَ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (النساء: ١٦٣)

سوال: ''الْبَاقِيَاتُ الصّٰلِحَاتِ'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ الْبَاقِيَاتُ الصّٰلِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ مَّرَدًّا. (مريم: ٧٦)

''اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ۔'' (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کے بدلہ میں اپنی جنت لے لو۔ کہو! **سبحان الله، والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر.** کہ یہ کلمے قیامت کے دن مقدمات معقاب اور مجنبات بن کر آئیں گے۔اور یہی باقیات صالحات ہیں۔ (صحیح الجامع الالبانی: ۳۲۱۴)

مقدمات: یہ مقدمہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) پیش کنندہ (یعنی اللہ کے سامنے یا تو بندہ کا نامہ اعمال یا ان کی بخشش کی سفارش پیش کرنے والے)

معقاب: یہ معقبہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) کوشش کرنے والے لوٹنے والے (یعنی یا تو بخشش کی کوشش کرنے والے یا آخرت میں لوٹ کر آنے والے)

مجنبات: یہ مجنبہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) بچانے والی۔

(یہ تمام معانی القاموس الوحید سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم)

☆☆☆

الفصل السادس

التفسير والمفسرون

أنزل الله كتابه العظيم' ليكون دستورا للمسلمين' ومنها جا يسيرون عليه فى حياتهم فيستضيئون بضيائه' ويهتدون بهديه' ويقبسون من تعاليمه الرشيدة' ونظمه الحكمية ما يجعلهم فى أوج السعادة والعزة' ويرفع بهم إلى ذرى المجد والكمال' ويؤ هلهم إلى قيادة ركب الانسانية' ويجعلهم السادة والقادة فى هذه الحياة' يسيرون بالأمم إلى حياة العزة والكرامة' ويوصلونهم إلى شاطئ الأمن والاستقرار والسلام.

ولا ريب أن البشرية تتخبط اليوم فى ظلمات الشقاوة والجاهلية' وتغرق فى بحار التحلل و عبادة المال' وليس لها من منقذ إلا الإسلام' عن طريق الاسترشاد بتعاليم القرآن ونظمه الحكيمة' التى روعيت فيها جميع عناصر السعادة للنوع البشرى' على ما أحاط به علم الخالق الحكيم' ومن البدهى أن العمل بهذه التعاليم لا يكون إلا بعد فهم القرآن وتدبره' والوقوف على ما حوى من نصح وإرشاد' وهذا لا يتحقق إلا عن طريق الكشف والبيان' لما تدل عليه آيات القرآن' وهو ما نسميه بـ (علم التفسير) خصوصاً فى هذه العصور الأخيرة التى فسدت فيها ملكة البيان العربى' وضاعت فيها خصائص العروبة' حتى من سلائل العرب أنفسهم. فالتفسير هو المفتاح لهذه الكنوز والذخائر' التى احتواها هذا الكتاب المجيد' وبدونه لا يمكن الوصول إلى هذه الكنوز والذخائر' واللآلىء والجواهر' مهما بالغ الناس فى ترديد ألفاظ القرآن و قرءوا آياته فى كل صباح ومساء.

وإنهٔ لمن المؤسف أن يكتفى المسلمون من القرآن بألفاظ يرددونها' وأنغام يلحنونها' فى المآتم والمقابر' وعند الاحتفالات الرسمية' ثم لا يكون للقرآن نصيب منهم إلا الطرب بالسماع أو التبرك بالتلاوة' وهذا ما عناه الرسولؐ بقوله يتخذون القرآن مزامير. وقد نسى المسلمون أو تناسوا أن بركة القرآن العظمى إنما هى فى تدبره و تفهمه' وفى الاهتداء بهديه والاستفادة من تعاليمه و توجيهاته' ثم الوقوف عند أوامره ومراضيه' والبعد عن مساخطه ونواهيه' والله تعالىٰ يقول: ﴿ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَتَدَبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ويقول سبحانه ﴿ افَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلَى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ ويقول جل ذكره:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ، فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾

فما أشبه المسلمين اليوم بالرجل العطشان يموت من الظمأ والماء بين يديه، أو بالحيوان يهلك من الجوع والعطش والزاد والماء على ظهره، وما أجمل قول القائل:

كالعيس في البيداء يقتلها الظمأ   والماء فوق ظهورها محمول

ولقد صدق رسول الله حين قال:

لقد تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما بعدي أبدا، كتاب الله، وسنتي.

لغات: **یستضیئون:** روشنی حاصل کرنا۔ **یقتسبون:** استفادہ کرنا، علم حاصل کرنا۔ **اَوْج:** بلندی، چوٹی۔ **ذُری:** ذَرْوہ کی جمع، بلندی، چوٹی، عزت کا اصل مقام۔ **رکب:** کاروان۔ **شاطی:** دریا یا وادی کا کنارہ۔ **تتخبط:** خبطی و دیوانہ ہونا، بھٹکنا۔ **تحلل:** اباحت کا قائل ہونا، حرام وحلال سے بے پرواہ ہونا۔ **منقذ:** راہِ نجات، چھٹکارہ، گلوخلاصی۔ **سلائل:** سلالہ کی جمع، خاندان، قبیلہ۔ **مؤسف:** افسوس کی بات۔ **انغام:** نغمہ کی جمع مراد قرآن کو بتکلف راگ کے انداز میں پڑھنا۔ **یلحنون:** ترنم یا لے سے پڑھنا۔ **مآتم:** ماتم کی جمع، سوگ کی محفل (کہ جسکو بندہ کی جھنگ کی پنجابی زبان میں ''ستھر'' کہتے ہیں) **مَساخط:** مسخط کی جمع، سبب ناراضی و ناگواری۔

ترجمہ: **چھٹی فصل**

تفسیر اور مفسرین (کے بارے میں)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب عظیم نازل فرمائی تا کہ وہ مسلمانوں کے لئے دستور (حیات) ہو۔ اور ایسی (ہدایت کی) شاہراہ ہو کہ جس پر وہ چل (کر اپنی زندگی گزار) سکیں۔ چنانچہ وہ اس کی روشنی سے روشنی پکڑیں اور اس کی ہدایت سے سیدھا رستہ پائیں اور اس کی درست تعلیمات اور مضبوط نظاموں سے وہ (سب کچھ) حاصل کریں کہ جو انہیں عزت وسعادت کی اوج (ثریا) تک پہنچا دے۔ اور انہیں بزرگی اور کمال کی چوٹیوں تک بلند کر دے اور انہیں کاروان انسانیت کی قیادت کا اہل بنا دے۔ اور انہیں اس دنیاوی زندگی مین (تمام قوموں کا) قائد اور اہل سیادت (وقیادت) بنا دے اور وہ امتوں (اور قوموں) کو عزت وکرامت کی زندگی کی طرف لے چلیں اور ان (کی مصائب وآلام اور گمراہیوں وظلمتوں کی اندھیروں میں بھٹکتی زندگی) کو امن وسلامتی اور قرار کے کنارے تک پہنچا دیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج انسانیت بدبختی اور جاہلیت کی اندھیریوں میں ماری ماری پھر رہی ہے اور مال کی پوجا اور اباحت کے سمندروں میں غرق ہے اور اسلام کے سوا ان کے لئے نجات کا کوئی رستہ نہیں کہ جو قرآنی تعلیمات اور ان مضبوط نظاموں کی طرف راہ نمائی کر کے (حاصل ہوتی ہے) کہ جن میں انسانیت کی ہمہ جہت سعادتوں کی رعائیت کی گئی ہے کہ جو

خالق حکیم کے اس علم کے مطابق کہ جس نے (نوع بشری کی تمام سعادتوں کا) احاطہ کیا ہوا ہے۔اور یہ بات بھی ہے کہ (قرآن کی) ان تعلیمات پر عمل قرآن کے فہم و تدبر کے بعد ہی ہوسکتا ہے اور ان نصیحتوں اور ارشادات کے جاننے کے بعد کہ جن کو قرآن پاک مشتمل ہے اور یہ بات ان (قرآنی مضامین کو) کھولنے اور بیان کرنے کے طریقے سے ہی ثابت ہوسکتی ہے کہ جن پر آیات قرآن دلالت کرتی ہیں۔اور اس کا نام ہم ''علم التفسیر'' رکھتے ہیں۔خاص طور پر اس آخری زمانے میں کہ جس میں (لوگوں میں) عربی بیان کا ملکہ برباد ہو چکا ہے۔اور ان میں عربوں کی خصوصیات ضائع ہو چکیں ہیں۔حتیٰ کہ خود عربوں کے خاندانوں سے بھی۔پس تفسیر یہ ان خزانوں اور ذخیروں کی چابی ہے کہ جن کو یہ کتاب مجید مشتمل ہے۔اور اس کے بغیر ان خزانوں' ذخیروں موتیوں اور جواہر تک پہنچنا ناممکن ہے۔جب کہ لوگ اس کے الفاظ (یعنی قرآن کے الفاظ) دہرانے میں مبالغہ کرتے ہیں۔اور صبح شام اس کی آیات کی قراءت کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ (نہایت) افسوس کی بات ہے مسلمانوں نے قرآن کے الفاظ کو بغیر ان کے معانی کے دہرانے پر اکتفا کرلیا۔اور ان سریلے لہجوں پر کفایت کر لی کہ جن کو (گا گا کر) وہ (قرآن کو) قبروں اور (کسی کی) مرگ اور (قلوں' تیجوں اور چالیسوں وغیرہ کی) رسمی محفلوں میں پڑھتے ہیں پھر ان کے نصیبوں میں قرآن کا حصہ فقط سماع کی مستی اور تلاوت کی برکت ہی ہے (جیسے ہمارے اس زمانہ میں لوگ مختلف قراء کی کیسٹوں کو فقط طبیعت کے انشراح اور سرور اور کانوں کی لذت کے لئے سنتے ہیں ''نسیم'')

یہی وہ سب کچھ ہے کہ جس کو رسول اللہؐ نے اپنی اس حدیث میں مراد لیا ہے۔(وہ حدیث یہ ہے)

''وہ لوگ قرآن کو مزامیر بنا لیں گے۔'' (یعنی نہایت خوش آوازی سے پڑھیں گے اور غرض فقط لذت کام و دھن ہوگی۔(نسیم)

اور مسلمان یہ بات بھول گئے یا بھلا دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کی سب سے بڑی برکت وہ اس میں تدبر کرنے اور سمجھنے اور اس کی ہدایات کو اپنانے اور اس کی تعلیمات اور توجیہات سے استفادہ کرنے میں ہے۔پھر قرآن کے احکامات اور اس کی مرضیات پر قائم رہنے اور اس کی ناراضیوں اور نواہی سے (نفور کرنے) اور دور رہنے میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَتَدَبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

''ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور سمجھیں عقل والے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور (ایک اور جگہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲۴)

''کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔'' (تفسیر عثمانی)

اور (ایک اور جگہ) اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا۔'' (تفسیر عثمانی)
(مولف کتاب فرماتے ہیں)
''آج کا انسان اس شخص کے کس قدر مشابہ ہے کہ جو پیاس سے مر جائے جبکہ پانی اس کے سامنے ہو۔ یا اس جانور کے (کس قدر مشابہ ہے) کہ جو بھوک اور پیاس سے مر جائے جبکہ کھانا پانی اس کی پیٹھ پر لدا ہو۔''
اور کہنے والے کا یہ قول کتنا خوبصورت ہے۔

کالعیس فی البیداء یقتلها الظمأ　　　والماء فوق ظهورها محمول

''چٹیل میدانوں کے ان اونٹوں کی طرح کہ جن کو پیاس مار ڈالے جبکہ پانی ان کی پیٹھوں پر لدا ہو۔''
بے شک نبیؐ نے جب یہ فرمایا تو سچ فرمایا:
''بے شک میں تمہارے درمیان دو باتیں چھوڑے جا رہا ہوں میرے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوں گے جب تک تم ان دونوں کو (مضبوطی سے) تھامے رکھو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔'' [1]

لماذا نفسر القرآن؟

أسئلة تخطر ببال كل إنسان..... وتجول في كل فكر لماذا نفسر القرآن؟ ألنجيد قراءته، ونتقن تلاوته؟

أم لنزيل الستار عن غامض معانيه؟

أم لنجلو أسراره، ونبرز محاسنه؟

لا..... لا ليس لهذا، ولا لذاك فقط، بل لنتحرر من عبادة العباد، وتبعية البشر، إلى عبادة رب العباد جل وعلا..... ونربط الفرد والجماعة بخالق العوالم، ومدبر الكون، رب السموات العلى، ورب العرش العظيم!!

فالقرآن الكريم دستور الأمة، وهداية الخالق، وشريعة الله لأهل الأرض، وهو النور الرباني، والهدى السماوي، والتشريع العام الخالد، الذي تكلف بكل ما يحتاج إليه البشر في أمور دينهم ودنياهم. ولا عجب فهو كتاب كامل، ونظام شامل، يشمل جوانب الحياة بأجمعها، في العقائد. والعبادات. والأخلاق. والمعاملات. وفي السيساسة والحكم. وفي السلم والحرب. وفي الشئون الاقتصادية والعلاقات الدولية. فهو كتاب جامع أنزله الله تبيانا لكل شئ وهدى ورحمة لقوم يؤمنون، وهو في ذلك كله حكيم كل الحكمة لا يعتريه خلل ولا اختلاف، فلا

[1] اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

عجب أن كانت السعادة لا تنال إلا بهديه، والتزام ما جاء به، فهو شفاء لما في الصدور، وعلاج لما حل أو يحل بالمجتمع من شرور: (وننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين، ولا يزيد الظالمين إلا خسارا)

لغات: اِلستار: پردہ، چق، چلمن، آڑ جمع استار۔ غامض: پیچیدہ، دقیق، مبہم، ناقابل فہم۔ تکفل: ذمہ دار ہونا۔ بوجھ سر لینا۔ شؤون: شان کی جمع امور معاملات، حوائج، ضروریات۔ لا یعتریه: لاحق نہ ہونا، پیش نہ آنا۔ خَلَل: خرابی، بگاڑ، مفسدہ۔ المجتمع: معاشرہ۔

ترجمہ: ہم تفسیر کیوں کرتے ہیں؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''چند سوالات ہیں کہ جن کا گزر ہر انسان کے دل پر ہوتا اور وہ (ہر انسان کی) فکر کے گرد گردش کرتے ہیں۔ (وہ یہ کہ) ہم قرآن کی تفسیر کیوں کرتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ ہم اس کی قراءت کو درست کرنے کے لئے (تفسیر کرتے ہیں)؟

یا اس کی تلاوت پر مہارت حاصل کرنے کے لئے؟

یا اس کے انتہائی پوشیدہ معانی پر سے پردے اٹھانے کے لئے؟

یا اس کے بھیدوں کو روشن کرنے کے لئے یا اور اس کے محاسن کو ظاہر کرنے کے لئے؟

نہیں نہیں...... ہرگز نہیں...... فقط ان وجوہات کے لئے نہیں بلکہ (ہم اس لئے تفسیر کرتے ہیں) تا کہ ہم بندوں کی غلامی اور انسانوں کی اتباع سے آزاد ہو کر رب العباد (بندوں کے رب) جل وعلی کی عبادت کی طرف (آئیں) اور ہم افراد (و آحاد) اور جماعتوں (اور گروہوں) کو تمام جہانوں کے پیدا کرنے والے اور کائنات کا نظام چلانے والے کے ساتھ جوڑ دیں کہ جو بلند آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب ہے چنانچہ قرآن کریم (اس) امت کے لئے دستور (حیات) ہے اور خالق (رب السموت والارضین) کا ہدایت (نامہ) ہے اور زمین والوں کے لئے اللہ کی شریعت (اور اس کو مقرر کردہ زندگی گزارنے کا طریقہ ہے) یہ وہ نور ربانی، ہدایت آسمانی، (ہے کہ جو سب کے لئے) عام (اور) دائمی تشریع (وقانون) ہے کہ جو (نوع انسانیت کی) ہر اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ جن کا انسان اپنے دینی یا دینوی کاموں میں محتاج ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ ایک کامل کتاب ہے اور (ہر ایک چیز کو) شامل ایسا نظام ہے کہ جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق میں اور سیاست وحکومت میں اور امن اور جنگ میں اور اقتصادی معاملات اور ملکی تعلقات میں (غرض) زندگی کے ہر گوشہ (کی ضروریات اور احکامات) کو شامل ہے۔

یہ ایسی جامع کتاب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کے لئے تبیان (یعنی واضح کرنے والی) بنا کر اور اس پر ایمان لانے

والی قوموں کے لئے اس کو ہدایت اور رحمت بنا کر اتارا ہے اور ان باتوں میں (کامل طور پر) نری حکمت والی ہے کہ کوئی خلل (اور خرابی) اور (الفاظ و معانی کا) اختلاف اس کے آڑے نہیں آتا۔ پس (اس میں) کوئی حیرت کی بات نہیں کہ سعادت (دنیوی واخروی) صرف اس کی ہدایت اور جس کو لے کر یہ کتاب آئی ہے اس کو لازم پکڑنے سے ہی حاصل ہوتی ہے یہ دلوں کے روگوں کا علاج ہے اور اجتماعی طور پر جو شرور (وفتن اور مصیبتیں اور پریشانیاں) نازل ہوئیں یا ہوں گی ان سب کا علاج ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

وننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين، ولا يزيد الظالمين إلا خسارا. (الاسرا: ۸۲)

''اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں۔ اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

الفرق بين التفسير و التأويل

التفسير في اللغة هو: الإيضاح والتبيين. قال تعالى ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ فقولنا: فسر بمعنى: بين ووضّح، وكلام مفسر: أى واضح ظاهر. وأما التفسير فى الاصطلاح فهو: علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمدٌ، وبيان معانيه، وإستخراج أحكامه وحكمه. وعرّفه غيره بأنه (علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالىٰ بقدر الطاقة البشرية.)

معنى التأويل

وأما التأويل فهو لغة من الأول بمعنى الرجوع، فكأن المفسر أرجع الآية إلى ما يحتمله من المعانى ويرى بعض العلماء أن التأويل مرادف للتفسير حتى قال صاحب القاموس: أول الكلام تأويلا، وتأوله بمعنى: دبره وقدره و فسره، ومنه قوله تعالى. ﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وابْتِغَاءَ تَأوِيْلِهِ﴾ أما فى الاصطلاح فهو عند المتقدمين بمعنى التفسير، فيقال تفسير القرآن، ويقال تأويل القرآن، بمعنى واحد. قال (ابن جرير الطبرى) فى تفسيره: (القول فى تأويل قوله تعالى كذا...... واختلف أهل التأويل فى هذه الآية......) يريد بذلك أهل التفسير.

وقال (مجاهد): إن العلماء يعلمون تأويله (يعنى القرآن) ويريد تفسيرمعناه. وذهب فريق من العلماء إلى أن بين (التفسير والتأويل) فرقا جليا وقد اشتهر هذا عند المتأخرين.

التفسير: هو المعنى الظاهر من الآية الكريمة.

وأما التأويل: فهو ترجيح بعض المعانى المحتملة من الآية الكريمة التى تحتمل عدة معان. وقد

أفاض العلامة (السيوطی) فی کتابه (الاتقان فی علوم القرآن) فی هذا البحث و نقل نقولاً كثيرة عن العلماء نكتفی بأجمعها و أقربها إلی الصواب وهو أن نقول (بأن التفسير هو كشف معانی القرآن الظاهرة' والتأويل ما استنبطه العارفون من المعانی الخفية و الاسرار الربانية اللطيفة التی تحملها الآية الكريمة) . وهذا الذی اخترناه هو الذی ذهب اليه (الألوسی) رحمه الله حيث قال:

(قد تعورف عن المؤلفين من غير نكير أن التأويل معان قدسية' و معارف ربانية تنهل من سحب الغيب علی قلوب العارفين' والتفسير غير ذلك......)

والخلاصة: أن التفسير هو المعانی الظاهرة من القرآن الكريم التی هی واضحه الدلالة علی المعنی المراد لله عزوجل. والتأويل' هو المعانی الخفية التی تستنبط من الآيات الكريمة والتی تحتاج إلی تأمل و تفكر واستنباط والتی تحتمل عدة معان فيرجح المفسر منها ما كان أقوی عن طريق النظر والاستدلال' وليس هذا الترجيح بقطعی بل هو ترجيح للأظهر والأقوی إذ الحكم بأنه المراد القعطی تحكم فی كتاب الله' والله تعالیٰ يقول: (وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ......) الآية. والله اعلم

لغات: تنهل: سیراب کیا جانا۔ سحب: یہ سحاب کی جمع ہے' بادل خواہ پانی بھرے ہوں یا خالی۔ قطعی: یقینی۔

ترجمہ: تفسیر اور تاویل میں فرق

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''تفسیر کا لغوی معنی واضح کرنے اور کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔'' [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَاتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (الفرقان: ۳۳)

''اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔'' (تفسیر عثمانی)

چنانچہ ہمارا قول ''فسر'' تو اس کا معنی کھول کر بیان کرنا اور واضح کرنا ہے اور (ہمارا قول) کلام مفسر اس کا معنی (ایسا کلام کہ جو) واضح اور ظاہر (ہے) اور تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے ''علم یعرف به فهم كتاب الله المنزل علی نبیه محمد صلی الله علیه وسلم و بیان معانیه' واستخراج احکامه وحکمه.'' یہ وہ علم ہے کہ جس سے اللہ کے نبی حضرت محمدؐ پر اتاری ہوئی کتاب (قرآن کریم) کا فہم حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا

---

[1] ترجمہ از تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۱ از غلام احمد حریری مرحومؒ۔

استنباط کیا جا سکے۔'' ❶

دوسروں نے یہ تعریف کی ہے۔

علم یبحث فیه عن القرآن الکریم من حیث دلالته علی مراد الله تعالیٰ بقدر الطاقة البشریة. ❷

''تفسیر ایک ایسا علم ہے کہ جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے خداوندی تعالیٰ کی مراد کیا ہے'' (منہج الفرقان جلد۲ صفحہ ۶ ترجمہ از تاریخ تفسیر ومفسرین غلام احمد حریری مرحوم صفحہ۱۴)''

تاویل کا معنی

''رہا (لفظ) تاویل تو لغت میں (لفظ) ''اَوْل'' سے (نکلا) ہے کہ جو''رجوع'' (یعنی لوٹنے) کے معنی میں ہے۔ پس گویا کہ مفسر آیت کو ان معانی کی طرف لوٹاتا ہے کہ جن پر یہ آیت مشتمل ہوتی ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ (تاویل اور تفسیر یہ دونوں مرادف الفاظ ہیں یعنی) لفظ تاویل یہ تفسیر کے مرادف (یعنی ہم معنی) ہے۔ یہاں تک کہ صاحب قاموس فرماتے ہیں ''**اول الکلام تاویلا وتاوله**'' اس کا معنی ہے **دبره، قدره فسره**.

''اس نے کلام کی تاویل کی اور' اس کو لوٹایا یعنی اس کی تشریح وتوضیح کی' اس کا اندازہ کیا اس کو کھول کر بیان کیا۔''

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِهٖ﴾ (آل عمران: ۷)

''گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے۔'' (تفسیر عثمانی)

رہی تاویل کی اصطلاحی تعریف تو بعض متقدمین کے نزدیک یہ لفظ تفسیر کا ہم معنی ہے پس 'تفسیر قرآن' (بھی) کہتے ہیں اور ''تاویل قرآن'' (بھی) کہتے ہیں (دونوں ہم معنی ہیں) علامہ ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

القول فی تاویل قوله تعالی کذا .... واختلف اهل التاویل فی هذه الایة.

''فلاں آیت کی تاویل یوں ہے ❸ .... اور اہل تاویل نے اس آیت (کے معانی) میں اختلاف کیا ہے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہاں وہ (لفظ) تاویل سے تفسیر مراد لیتے ہیں۔'' ❹

مجاہدؒ فرماتے ہیں ''**ان العلماء یعملون تاویله**'' ❺ یعنی (تاویل القرآن)

---

❶ البرہان ص ۳' ج ۱ میں علامہ زرکشیؒ نے یہ تعریف کی ہے (ترجمہ از علوم القرآن ص ۳۲۳) ❷ مناہل العرفان للزرقانیؒ

❸ ترجمہ از تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۶ از غلام احمد حریری مرحوم۔ ❹ ترجمہ از تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۶ از غلام احمد حریری مرحوم۔

❺ بندہ کی ناقص رائے میں یہ لفظ **یعملون** نہیں بلکہ **یعلمون** ہے۔ علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں۔ مشہور تابعی مجاہد جب کہتے ہیں ''علماء قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں۔ تو ان کی مراد تاویل سے تفسیر ہی ہے۔'' (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۶)

علامہ مرحوم کی اس عبارت سے یہ بات زیادہ قوی محسوس ہوتی ہے کہ یہ لفظ **یعلمون** ہی ہے اور اصل کتاب کے متن میں غالباً کاتب سے سہو ہوا ہے۔ واللہ اعلم (نسیم)

''علماء قرآن کی تاویل پر عمل کرتے ہیں۔'' ❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان کی مراد قرآن کے معنی کی تفسیر ہے (کہ اس پر عمل کرتے ہیں) اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تفسیر اور تاویل میں بڑا واضح فرق ہے۔ اور یہ بات علماء متاخرین میں بڑی مشہور ہوئی ہے۔ (جو کہ مندرجہ ذیل ہے کہ)

تفسیر

یہ آیت کریمہ کا ظاہر معنی ہے۔

تاویل

یہ آیت کریمہ میں پائے جانے والے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ اور علامہ سیوطیؒ نے اس بحث میں اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں طویل کلام فرمایا ہے اور بہت سارے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ہم ان میں سے سب سے جامع اور درستی کے سب سے زیادہ قریب (کے نقل کرنے) پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم کہتے ہیں۔

تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن کے ظاہری معانی کو کھولنا ہے اور تاویل یہ عارفین کا ان پوشیدہ معانی' لطیف اسرار ربانی کا استنباط کرنا ہے کہ جو اس آیت کریمہ میں ہوتے ہیں۔

اور اس (تفسیر اور تاویل کے فرق اور ان کی تعریف) کو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جس کی طرف (علامہ شہاب الدین محمودؒ) آلالوسی گئے ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے۔

> ''اور مولفین (یعنی مفسرین قرآن کہ جو متقدمین ہیں ان) سے بغیر کسی نکیر کے یہ بات متعارف ہے کہ تاویل: یہ (قرآن کے) معانی قدسیہ' اور معارف ربانیہ ہیں کہ غیب کے بابوں سے عارفین کے دلوں پر برستے ہیں (اور انہیں سیراب کرتے ہیں) جبکہ تفسیر تو وہ اس کے علاوہ ہوتی ہے۔''

خلاصہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ)

تفسیر

یہ قرآن کریم کے وہ ظاہری معانی ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ کے مرادی معنی پر واضح دلالت کرتے ہیں اور

تاویل

یہ وہ پوشیدہ معانی ہیں کہ جن کا آیات کریمہ سے استنباط کیا جاتا ہے اور وہ تامل اور غور وفکر اور استنباط کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور جن میں بہت سارے معانی کا احتمال ہے پس مفسر کسی ایک معنی کو کہ جو نظر واستدلال کے طریقہ سے (اس کے

---

❶ بندہ نے متنِ کتاب کی رعایت کرتے ہوئے لفظی ترجمہ کر دیا ہے البتہ حاشیہ میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ (نسیم)

نزدیک) قوی ہو اس کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ ترجیح دینا (اس معنیٰ کا) قطعی ہونا نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ قوی معنیٰ کو ترجیح دینا ہے۔ کیونکہ اس معنیٰ کے قطعی المراد ہونے کا حکم لگانا یہ کتاب اللہ پر تحکم ہوگا۔ (یعنی بے جا جسارت ہوگی) جبکہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ...... (آل عمران: ۷)

''اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے۔'' (تفسیر عثمانی) واللہ اعلم

توضیح

تفسیر اور تاویل کی تعریف

علامہ سعید احمد اکبر آبادی مرحوم فرماتے ہیں۔

ابوحیان اندلسی صاحب بحر المحیط نے تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے۔

''وہ ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی کیفیت نطق سے' الفاظ کے مدلولات' اس کے احکام افرادی و ترکیبی اور ان کے معانی سے جن پر الفاظ بحالت ترکیب محمول کئے جاتے ہیں بحث کی جاتی ہے اور ان کے علاوہ چند اور تتمات بھی ہیں جن کا علم مفسر کے لئے ضروری ہے۔ (فہم قرآن صفحہ ۳۵)

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم تحریر فرماتے ہیں:

''لفظ تفسیر کا مادہ دراصل ''فسر'' سے ہے جس کا معنی ہے کھولنا اور اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے ''علم التفسیر'' کہتے ہیں۔ قدماء میں قرآن کی تفسیر کا اطلاق اس کی تشریح پر ہی ہوتا تھا۔ عہد رسالت کے قریب قریب علوم میں اختصار کی وجہ سے اس کی زیادہ شاخیں نہیں تھیں۔ لیکن جب یہ علم مدون ہو گیا اور اس کی ہمہ جہتی خدمات کی گئیں تو یہ ایک نہایت وسیع اور پہلو دار علم بن گیا۔ اور اس کی تفصیلات میں زمانہ کے تقاضوں سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔''

''علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے' ان کے مفہوم' ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں۔ نیز ان معانی کا تکملہ' ناسخ ومنسوخ' شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔'' ❶

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے۔

(۲) الفاظ قرآنی کا مفہوم۔

---

❶ روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۴۔

(۳) الفاظ کے انفرادی احکام۔

(۴) الفاظ کے ترکیبی احکام۔

(۵) ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی۔

(۶) معانی کے تکملے۔

(علوم القرآن صفحہ ۳۲۳-۳۲۶ ملخصاً)

تاویل

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''تفسیر کے لئے قدیم زمانے میں ایک اور لفظ ''تاویل'' بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ. اس کے بعد علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں یا ان دونوں میں فرق ہے۔''

امام ابوعبیدہؒ وغیرہ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں لفظ بالکل مرادف ہیں۔ اور دوسرے حضرات نے ان میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق بتلانے کے لئے اتنی آراء ظاہر کی گئی ہیں کہ ان سب کا شمار بھی مشکل ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۲۵-۳۲۶ ملخصاً)

تفسیر تاویل میں فرق

علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے یہاں چند اقوال نقل کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح اور تاویل مجموعی آیت کی تشریح کا نام ہے۔

(۲) تفسیر الفاظ کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل اصل مراد کی توضیح کو۔

(۳) تفسیر اس آیت کی ہوتی ہے کہ جس میں زیادہ معانی کا احتمال نہ ہو۔ جبکہ تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو مختلف تشریحات ممکن ہیں ان میں سے کسی ایک کو دلیل کے ساتھ اختیار کرنا۔

(۴) تفسیر یقین کے ساتھ تشریح کو اور تاویل تردد کے ساتھ تشریح کو کہتے ہیں۔

(۵) تفسیر الفاظ کا مفہوم بیان کر دینے کو کہتے ہیں اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح کو کہتے ہیں۔

(علوم القرآن ۳۲۶)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد تاویل اور تفسیر میں فرق کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

امام زرکشیؒ فرماتے ہیں:

''علماء نے تاویل اور تفسیر کے مابین جس فرق و امتیاز کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ تفسیر میں منقولات

پر اعتماد کیا جاتا ہے اور تاویل کا مدار وانحصار استنباط پر ہوتا ہے۔'' (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ۲۰)

خلاصہ بحث

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ابو عبیدؒ کی ہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استعمال کے لحاظ سے کوئی حقیقی فرق نہیں۔ اور جن حضرات نے ان میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے انَ کے شدید اختلاف آراء پر غور کرنے سے ہی یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی معین اور اتفاقی اصطلاحی نہیں بن سکی۔ اگر ان میں واقعی فرق ہوتا تو اس شدید اختلاف کے کوئی معنی نہیں تھے۔ اگر چہ بعض علماء نے تفسیر اور تاویل کو الگ الگ اصطلاح قرار دینے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن اس میں ایسا اختلاف رونما ہوا کہ کوئی بھی اصطلاح عالمگیر شہرت نہ پا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ قدماء مفسرین سے لے کر آج تک ان دونوں لفظوں کے ساتھ علماء یکساں معاملہ فرماتے آئے ہیں اور ان کو ہم معنی لفظ قرار دیا ہے اور ایک دوسرے کی جگہ بلا تکلف استعمال کیا ہے لہٰذا اس بحث میں وقت کھپانے کی ضرورت نہیں۔''
(علوم القرآن صفحہ۳۲۶)

أقسام التفسير

يقسم التفسير حسب الاصطلاح العلمي الدقيق إلى ثلاثة أقسام:

أولا: (التفسير بالرواية) وهذا الذى يسمى التفسير بالنقل أو التفسير بالمأثور.

ثانياً: (التفسير بالإشارة) وهو الذى يسميه العلماء (التفسير الإشارى)

وسنتحدث عن كل قسم من هذه الأقسام بالتفصيل إن شاء الله ونوضح السليم من السقيم

القسم الاول

التفسير بالرواية

هو ما جاء فى القرآن' أو السنة' أو كلام الصحابة' بيانا لمراد الله تعالى تفسير القرآن بالسنة النبوية' فالتفسير المأثور إما أن يكون تفسير القرآن بالقرآن' أو تفسير القرآن بالسنة النبوية أو تفسير القرآن بالمأثور عن الصحابة.

(أ) مثال ما جاء تفسيره فى القرآن الكريم قوله تعالى: ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ فقد جاء تفسير قوله ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ فى آية كريمة أخرئ هى قوله تعالى (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ والدّم ولحم الخَنْزِيْر ومَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ......) الآية. وكذلك قوله تعالى

(وَالسَّمَاء ولطَارِق) جاء تفسير الطارق فى نفس السورة (النجم الثاقب) وكذلك قوله تعالى (فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبّه كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ) الآية. جاء تفسير الكلمات التى تلقاها آدم في موطن آخر من القرآن، وهى قوله تعالىٰ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا انفُسَنَا وَاَنْ لَمْ تَغْفِرلَنَا وَتَرحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

ومن الأمثلة أيضا على تفسير القرآن بالقرآن قوله تعالى ﴿إِنَّا نَزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ﴾ جاء تفسير الليلة المباركة بأنها ليلة القدر فى قوله جل ذكره ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ إلى آخر ما هنالك۔

(ب) ومثال ما جاء في السنة المطهرة تفسيرًا و شرحا للقرآن أنه ﷺ فسر الظلم بالشرك فى قوله سبحانه ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيمانَهم بظلم، اُولٰٓئِكَ لَهُمْ الأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ وأيد تفسيره هذا بقوله تعالى. ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْم عَظِيْم﴾

وفسر ﷺ الحساب اليسر بـ (العرض) أى عرض الأعمال على المؤمن وتذكيره بها فقط وذلك حين قال: من نوقش الحساب عذب. فقالت السيدة عائشة له: يا رسول الله أو ليس قد قال الله تعالى ﴿فأما مَنْ أتى كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِo فَسَوفَ يُحَاسَبُ حِساباً يَّسِيْرًاo وَيُنْقَلِبُ إلى أهله مَسْرُوْرًا﴾ فقال ﷺ ذلك العرض. (بيانا للحساب اليسير) وأما من نوقش الحساب عذب. وكتفسيره ﷺ الصلاة الوسطى فى قوله تعالى ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ بأنها صلاة العصر...... وتفسير المغضوب عليهم، والضالين فى سورة الفاتحة باليهود والنصارى، ومن الأمثلة أيضا على تفسير النبيّ للآيات الكريمة تفسيره الزيادة فى قوله تعالىٰ ﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وزيـادَة﴾ الآية فقد فسرها بأنها النظر إلى وجه الله الكريم، وكتفسيره ﷺ القوة (بالرمى) فى قوله تعالى: ﴿وَأَعِدَوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّة﴾ فقد قال ﷺ الا إن القوة الرمى، ألا إن القوة الرمى. وكتفسير قوله تعالى ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَها﴾ قال ﷺ أتدرون ما أخبارها؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: أن تشهد على كل عبد أو امة بما عمل على ظهرها، تقول: عملت يوم كذا وكذا، وأمثال هذه التفاسير كثير، وقد جمع (السيوطى) فى كتابه (الاتقان فى علوم القرآن) طائفة كبيرة من التفاسير النبوية فليرجع إليه.

وكلا هذين القسمين (تفسير القرآن بالقرآن) وتفسير (القرآن بالسنة) لا شك فى أنه أعلى أنواع التفسير، ولا شك فى قبوله، أما الأول فلأن الله تعالىٰ أعلم بمراد نفسه من غيره، وكتاب الله تعالى أصدق الحديث لأنه لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه. وأما الثانى. فلأن

الرسول ﷺ قد بين مهمته القرآن, وذكر أنها مهمة التوضيح والبيان ﴿وأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ الآية فما جاء عن رسول الله ﷺ من شرح أو بيان بسند صحيح ثابت فإنه مما لا شك في أنه حق يجب اعتماده.

ترجمہ: تفسیر کی اقسام

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''دقیق علمی اصطلاح کے مطابق تفسیر کی تین اقسام ہیں۔

(۱) تفسیر بالروایہ

اس تفسیر کا نام ''تفسیر بالنقل'' یا ''تفسیر بالماثور'' رکھا جاتا ہے۔

(۲) تفسیر بالدرایہ

اس کا نام تفسیر بالرائے رکھا جاتا ہے۔

(۳) تفسیر بالاشارہ

یہ وہ تفسیر ہے کہ جس کا نام علماء نے تفسیر اشاری رکھا ہے۔

ہم ان تینوں قسم کی تفسیر کے بارے میں تفصیلی کلام کریں گے۔ (انشاء اللہ) اور ہم صحیح کو غیر صحیح سے واضح کریں گے۔

تفسیر بالروایہ

یہ وہ تفسیر ہے کہ جو قرآن یا سنت یا اقوال صحابہ میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو بیان کرنے کے لئے سنت نبویہ کے ذریعے قرآن کی تفسیر بیان کرنے کے لئے آئی ہو۔ پس تفسیر ماثور یا تو قرآن سے قرآن کی تفسیر یا سنت نبویہ سے قرآن کی تفسیر یا صحابہ کرام سے منقول اقوال سے قرآن کی تفسیر ہوگی۔

(الف) اس آیت کی مثال کہ جس کی تفسیر (خود) قرآن کریم میں آئی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ: ۱)

''حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جائیں گے۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق کہ ''إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ'' کی تفسیر ایک دوسری آیت کریمہ میں آتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول ہے۔

(حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ والدَّم ولحم الْخَنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ به......) (المائدہ: ۳)

''حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر اور سینگ مارنے سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَاء ولطَارِق﴾ (الطارق: ۱)

''قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

''الطارق'' کی تفسیر اسی سورت میں (آگے) آتی ہے۔ النجم الثاقب ''وہ تارا چمکتا ہوا'' (تفسیر عثمانی)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّه كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرة: ۳۷)

''پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر۔'' (تفسیر عثمانی)

ان کلمات کی تفسیر کہ جو حضرت آدم علیہ السلام نے (اپنے رب سے) سیکھے' قرآن میں ایک دوسری جگہ آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا انفُسَنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۲۳)

''بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔'' (تفسیر عثمانی)

قرآن کی قرآن ہی سے تفسیریں کی مثالیں (مزید) بھی ہیں۔ (جیسے) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿انَّا نَزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ﴾ (الدخان: ۳)

''ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں۔'' (تفسیر عثمانی)

(قرآن میں ہی ایک دوسری جگہ) اس لیلہ مبارکہ کی تفسیر یہ آئی ہے کہ یہ 'لیلۃ القدر' ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں (یہ تفسیر آتی ہے)۔

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)

''ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں۔'' (تفسیر عثمانی)

مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لیلۃ القدر کا بیان یہاں سے لے کر آخر تک (ہے)

(ب) وہ مثالیں کہ جن میں سنت مطہرہ قرآن کی تفسیر اور شرح بن کر آیا ہے (جیسا کہ مثلاً) نبیؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ظلم کی تفسیر شرک سے کی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إيمانهم بظلم' اُولَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲)

''جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔'' (تفسیر عثمانی)

اور آپ کی اس تفسیر کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے (بھی) تائید ہوتی ہے۔

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

''بے شک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور آپؐ نے ''حساب یسیر'' کی تفسیر ''عرض'' سے کی۔ یعنی مومن پر اعمال کا پیش کیا جانا اور اس کو ان اعمال کی یاد دہانی کرانا ہے فقط۔

اور یہ تفسیر آپؐ نے اس وقت بیان فرمائی کہ جب آپؐ نے ارشاد فرمایا ''جس سے تفصیلی حساب لیا گیا اس کو عذاب (ضرور) ہوگا۔'' تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ٥ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ٥ وَيَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُورًا ٥﴾ (انشقاق: ۷ - ۹)

''سو جس کو ملا اعمال نامہ اس کا داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر۔'' (تفسیر عثمانی)

تو آپؐ نے حساب یسیر۔ کی (تفسیر) بیان کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس سے مراد اعمال کا پیش کیا جانا ہے (یعنی ''عرض'' ہے) اور البتہ جس سے تفصیلی حساب لیا گیا وہ (ضرور) عذاب میں گرفتار ہوگا۔''

اور جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں نبیؐ کا صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر بیان کرنا (ارشاد باری تعالیٰ ہے):

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ (البقرۃ: ۲۳۸)

''خبردار ہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ (آپؐ نے فرمایا کہ) یہ صلوٰۃ وسطیٰ ''نماز عصر'' ہے۔

اور (آپؐ نے) سورۂ فاتحہ میں ''مغضوب علیهم'' اور ''ضالین'' کی تفسیر یہود و نصاریٰ سے کی۔

اور نبیؐ کے قرآن کی آیات کریمہ کی تفسیر بیان کرنے کی ایک مثال آپؐ کا اللہ تعالیٰ کے اس قول میں (لفظ) ''زیادہ'' کی تفسیر کرنا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے):

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶)

''جنہوں نے کی بھلائی ان کے لئے بھلائی اور زیادتی۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ آپؐ نے اس زیادہ کی تفسیر ''اللہ جل جلالہ کے چہرۂ مبارک کی زیارت'' سے کی ہے۔

اور جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ''قوۃ'' کی تفسیر تیر اندازی سے کی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے):

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ۶۰)

''اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر و قوت سے۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''غور سے سن لو کہ قوت (وہ) تیر اندازی (کا سیکھنا) ہے (پھر دوبارہ مقرر) سنو لو کہ قوت (وہ)

تیراندازی (کا سیکھنا) ہے۔

اور جیسے کہ نبیؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿وَيَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ (الزلزلة: ٤)

''اس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں۔'' (تفسیر عثمانی)

کی تفسیر کے بارے میں فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی باتیں کیا ہیں؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔'' تو آپؐ نے فرمایا کہ ''زمین ہر مرد وعورت کے خلاف ان تمام کاموں کی گواہی دے گی کہ جو انہوں نے اس کی پیٹھ پر کئے ہوں گے۔'' کہ وہ کہے گی کہ ''تو نے فلاں فلاں دن (میری پیٹھ پر فلاں فلاں جگہ یہ یہ) کام کئے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس قسم کی تفسیر کی مثالیں بے شمار ہیں۔ اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں نبوی تفاسیر کی بہت بڑی تعداد کو جمع کیا' چاہیے کہ وہاں دیکھ لیں۔ یہ دونوں قسم کی تفسیریں (۱) تفسیر القرآن بالقرآن۔ (۲) اور ''تفسیر القرآن بالسنۃ'' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں سب سے اعلیٰ درجہ کی تفسیریں ہیں۔ اور ان کے مقبول ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں۔ پہلی قسم کی تفسیر تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مراد کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب سب سے زیادہ سچ بولنے والی ہے کیونکہ اس کتاب میں نہ آگے باطل گھس سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ رہی دوسری قسم کی تفسیر تو وہ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو (اور آپؐ کی بیان کردہ تفسیری باتوں کی اہمیت کو) خود قرآن نے بیان فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ (نبیؐ کی بیان کردہ باتیں قرآن کی) توضیح اور بیان میں (اہم اور) ضروری ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے):

﴿وأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ.﴾ (النحل: ۴۴)

''اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتاری گئی ان کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

چنانچہ جو کچھ بھی نبیؐ سے صحیح اور ثابت سند کے ساتھ (قرآن کی) شرح اور بیان (حدیث میں روایت ہو کر) آئے گی تو اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہ ہوگا اس پر اعتماد کرنا واجب ہوگا۔

توضیح

تفسیر کے ماخذ

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ''وہ ذرائع کہ جن سے ہم قرآن کی تفسیر معلوم کر سکتے ہیں ان کو مآخذ تفسیر کہتے ہیں۔

قرآنی آیات دو قسم کی ہیں۔ (۱) ایک وہ کہ جو اتنی صاف واضح اور آسان ہیں کہ جو زبان جاننے والا ان کو پڑھے گا فوراً

ان کا مطلب سمجھ جائے گا۔ اس لئے ان آیات کی تفسیر میں اختلاف رائے نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ آیات فقط ''لغت عربی'' پر عبور اور عقلیم سلیم سے ہی سمجھ آجاتی ہیں۔ (۲) دوسری قسم کی وہ آیات ہیں کہ جن میں کوئی ابہام یا تشریحی دشواری پائی جاتی ہے۔ یا تو ان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پورا پس منظر سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ یا کہ ان سے دقیق قانونی مسائل یا گہرے اسرار و معارف مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسی آیات کی تشریح میں فقط زبان دانی کافی نہیں ان آیات کی تفسیر کے لئے بہت ساری معلومات چاہییں۔ آگے ہم اسی قسم کی آیات کے بارے میں تفسیر کے مآخذ بیان کریں گے۔

تفسیر کے کل چھ ماخذ ہیں۔ (۱) خود قرآن کریم۔ (۲) احادیث نبویہ۔ (۳) صحابہؓ کے اقوال۔ (۴) تابعینؒ کے اقوال۔ (۵) لغت عرب۔ (۶) عقل سلیم۔

قرآن کریم تفسیر کا پہلا ماخذ

تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہی ہے۔ یعنی اس کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر کر دیتی ہیں۔ یہ کئی طرح پر ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک جگہ کوئی بات مبہم بیان ہوتی ہے تو دوسری جگہ اس کا ابہام دور کر دیا جاتا ہے۔

(۲) تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی بات ایک قراءت میں مبہم ہوتی ہے مگر دوسری قراءت میں وہ ابہام دور ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ جس آیت کی تفسیر مطلوب ہے خود اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے۔ اس طرح بسا اوقات آیت کے کسی حل طلب مسئلے کی تشریح واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ عثمانی ان کو مثالیں دے کر نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ''یہ تفسیر القرآن بالقرآن'' کا اجمالی تعارف تھا۔ بعض حضرات نے ایسی پوری تفسیریں بھی لکھی ہیں جن میں ہر آیت کی تفسیر قرآن کی کسی دوسری آیت سے کرنے کا التزام کیا گیا ہے اس قسم کی ایک تفسیر علامہ ابن جوزیؒ نے بھی لکھی ہے اور علامہ سیوطیؒ نے ''الاتقان'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ❶

اس نوعیت کی ایک گرانقدر کتاب مدینہ منورہ کے ایک عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیطیؒ نے چند سال پہلے تالیف کی ہے جو ''اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں انہوں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی مختلف صورتیں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔'' ❷ (علوم القرآن صفحہ ۳۲۷-۳۳۳ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن کا قاری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اس میں ایجاز بھی ہے اور اطناب بھی، اجمال بھی ہے اور تبیین بھی، یہ مطلق و

---

❶ الاتقان صفحہ ۱۷۵ جلد ۲ نوع نمبر ۷۸۔ ❷ اضواء البیان صفحہ ۷ تا ۳۷۔

مقید اور خاص و عام سب ہی کو شامل ہے۔ جو چیز ایک جگہ مختصراً بیان ہوئی ہے وہ دوسری جگہ تفصیلاً بیان ہوئی ہے۔ جو ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل ہے۔ جو ایک اعتبار سے مطلق ہے وہ دوسرے پہلو سے مقید ہے۔ جو چیز ایک آیت میں عام ہے وہ دوسری آیت میں خاص ہے لہٰذا جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک موضوع میں وارد ہونے والی تمام مکرر آیات کو جمع کر کے ان کا تقابل کرے۔ اس طرح مفصل آیات سے مجمل آیات کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور مبین آیات کا فہم وادراک مبہم آیات کا مفہوم متعین کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کرے۔

یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے اس سے تجاوز کرنا کسی کے لئے بھی موزوں نہیں۔ اس لئے کہ صاحب کلام سے بڑھ کر اور کوئی اس کے اسرار ورموز سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام اور طریقہ

(۱) مختصر آیات کی تفسیر ان آیات سے کی جائے جہاں ان کی تفصیل آئی ہے۔

(۲) مجمل کو مبین پر محمول کیا جائے۔

(۳) مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کیا جائے۔

(۴) بظاہر مختلف نظر آنے والی باتوں کو یکجا کر دیا جائے۔

ان تمام باتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

''یہ ہے تفسیر القرآن بالقرآن جس کی جانب صحابہؓ قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لئے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ ایک سطحی کام نہیں ہے کہ جو کسی غور وفکر کا محتاج نہ ہو۔ بخلاف ازیں یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی اساس ہی فکر ونظر پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ مجمل کو مفصل (ومبین) عام کو خاص اور مطلق کو مقید پر محمول کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ جو ہر انسان انجام دے سکتا ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسا کام ہے کہ جس سے اہل علم ہی عہدہ برآء ہو سکتے ہیں۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۴۰-۴۴ ملخصًا)

احادیث نبوی

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ آنحضرتؐ کی احادیث ہیں۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ آپؐ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی اپنے قول وفعل سے قرآن کو واضح کرنا اور کھول کھول کر بیان کرنا ہے۔

یہ بات قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ آپؐ اس لئے دنیا میں تشریف لائے کہ دنیا کو قرآن کریم کی ہدایات اور

اس کے اسرار ومعارف سے آگاہ کریں۔ اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقہ سکھلائیں۔ اس لئے خود قرآن کریم سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپؐ کی تعلیمات قرآن کریم کی تفسیر کا اہم ترین ماخذ ہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۳۴-۳۳۵ ملخصاً)

(ج) تفسير الصحابة

بقى القسم الثالث من أقسام التفسير المأثور ألا وهو (تفسير الصحابة) فإنه أيضا من التفسير المعتمد المقبول' لأن الصحابة رضوان الله عليهم قد اجتمعوا بالرسولؐ ونهلوا من معينه الصافى' وشاهدوا الوحى والتنزيل' وعرفوا أسباب النزول' ولهم من صفاء نفوسهم' وسلامة فطرتهم' وعلو منزلتهم فى الفصاحة والبيان' ما يؤهلهم من الفهم الصحيح السليم لكلام الله' وما يجعلهم يدركون أسرار هذا القرآن أكثر من أى إنسان.

قال الحاكم: (إن تفسير الصحابى الذى شهد الوحى والتنزيل له حكم المرفوع) و معنى هذا أن تفسير الصحابى له حكم الحديث النبوى الذى رفع إلى النبىؐ فهو إذا من المأثور.

وأما التابعى: فقد اختلف فى تفسيره' فذهب بعض العلماء إلى أنه من المأثور لأنه تلقاه من الصحابة غالباً' ومنهم من قال إنه من التفسير بالرأى' أى له حكم بقية المفسرين فسروا حسب قواعد اللغة العربية دون التزام للمأثور.

ملاحظ: التفسير بالمأثور من أجود أنواع التفسير إذا صح سنده إلى الرسولؐ أو إلى الصحابة. وينبغى التثبت من الرواية عند ذكر التفسير بالمأثور...... قال الحافظ (ابن كثير) رحمه الله: إن أكثر التفسير المأثور قد سرى إلى الرواة من زنا دقة اليهود والفرس' ومسلمة أهل الكتاب' وجل ذلك فى قصص الرسل مع أقوامهم' وما يتعلق بكتبهم و معجزاتهم' وفى تاريخ غيرهم كأصحاب الكهف...... الخ. فينبغى إذا التثبت من الرواية.

أسباب ضعف الرواية بالمأثور

ذكرنا فيما تقدم أن تفسير القرآن ببعض' و تفسير القرآن بالسنة الصحيحة المرفوعة إلى النبىؐ لا شك فى قبوله ولا خلاف فى أنه من أعلى مراتب التفسير' وأما تفسير القرآن بالمأثور عن الصحابة والتابعين فإنه يتطرق إليه الضعف من وجوه:

أولاً: اختلاط الصحيح بغير الصحيح' ونقل كثير من الأقوال المنسوبة إلى الصحابة أو التابعين من غير إسناد ولا تثبت' ومما أدى إلى التباس الحق بالباطل.

ثانیا: أن تلك الروايات مليئة (بالإسرائيليات) ومنها كثير من الخرافات التی تصادم العقيدة الإسلامية، والتی قام الدليل علی بطلانها، وهی مما دخل علی المسلمين من أهل الكتاب.

ثالثاً: أن بعض أصحاب المذاهب المتطرفة لفقوا أقوالاً، وصنعوا أباطيل نسبوها إلی بعض الصحابة مثل (الشيعة) شيعة علی المتطرفين نسبوا إليه ماهو منه بریٔ ومثل اولئك المتزلفين للعباسيين نسبوا الی ابن عباسؓ مالم يصحّ نسبته اليه، تملقا للحكام.

رابعاً: أن بعض الزنادقة من أعداء الإسلام دسوا علی الصحابة والتابعين كما دسوا علی رسول الله فی الأحاديث النبوية، وذلك بفرض هدم الدين عن طريق (الدس والوضع) فمن هذه الناحية ينبغی الاحتياط والتثبيت والحذر من الأقوال التی تنسب إلی الصحابة الكرام أو التابعين۔

رأی الزرقانی فی مناهل العرفان

وقد ذكر الأستاذ (الزرقانی) فی كتابه "مناهل العرفان" كلاماً حسناً حول التفسير بالمأثور بعد أن ذكر نقولا عن الإمام أحمد رحمه الله، وعن ابن تيمية رحمه الله فقال: (وكلمة الانصاف فی هذا الموضوع أن التفسير بالمأثور نوعان:)

أحدهما: ما توافرت الادلة علی صحته و قبوله، وهذا لا يليق بأحد رده، ولا يجوز إهماله، وإغفاله، ولا يجمل أن نعتبره من الصوارف عن هدی القرآن، بل هو علی العكس عامل من أقوی العوامل علی الاهتداء بالقرآن.

ثانيهما: ما لم يصح لسبب من الأسباب الانفة أوغيرها، وهذا يجب رده ولا يجوز قبوله ولا الاشتغال به، ولا يزال كثير من أيقاظ المفسرين كابن كثير يتحرون الصحة فيما ينقلون، ويزيفون ما هو باطل أو ضعيف.

لغات: مسلمہ: اسلام قبول کرنے والے اسلام میں دوسرے مذاہب سے داخل ہونے والے لوگ۔ متطرف: انتہا پسند، جادۂ حق سے دور، صراطِ مستقیم سے منحرف۔ متزلف: طفیلی، چاپلوس، خوشامد پرست۔ الدّس: زبردستی۔ گھسیڑنا: توافر۔ جمع ہونا، مہیا ہونا۔ اھمال: چھوڑ دینا۔ یزیفون: قول یا رائے کے بطلان کو ظاہر کرنا۔ جعلی ہونا۔ بتلانا، کھوٹ کی نشاندہی کرنا۔ تحری: بچنا۔

ترجمہ: (ج) صحابہ کرام کی تفسیر

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''تفسیر ماثور کی تیسری قسم (ذکر کرنے سے) باقی رہ گئی تو جان لیجئے کہ وہ ''صحابہ کرام کی تفسیر'' ہے کہ یہ بھی معتبر اور

معتمد تفسیر ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد جمع ہوئے اور آپؐ کے صاف چشمے سے اپنے آپ کو سیراب کیا اور انہوں نے وحی اور قرآن اترنے کا مشاہدہ کیا۔ اور وہ اسباب نزول جانتے تھے۔ ان کی باطنی پاکیزگی، سلامتی فطرت، فصاحت و بلاغت میں ان کے بلند مرتبہ نے ان کو کلام اللہ کو صحیح اور درست سمجھنے کا اہل بنا دیا۔ اور وہ ہر ایک انسان سے اس قرآن کے اسرار (ورموز) کو زیادہ سمجھنے لگے۔"

حاکمؒ فرماتے ہیں:

"جس صحابی نے وحی اور تنزیل کا مشاہدہ کیا ہو اس کی تفسیر حدیث مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر اس حدیث نبوی کے حکم میں ہے کہ جو (سند کے اعتبار سے) نبی علیہ السلام تک مرفوع ہو۔ تو اس تقدیر پر تو صحابی کی تفسیر بھی تفسیر ماثور ہی ہوگی۔"

البتہ تابعی کی تفسیر (کے حکم) کے بارے میں (علماء میں) اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی ماثور کے حکم میں ہے کیونکہ انہوں نے غالب یہ ہے کہ اس تفسیر کو کسی صحابی سے ہی لیا ہوگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تفسیر بالرائے کی قسم میں سے ہے یعنی ان کا حکم (بھی) ان باقی مفسرین کا ہے کہ جنہوں نے ماثور (اور منقول روایات) کا التزام کئے بغیر لغت عربی کے قواعد کے مطابق (قرآن کی) تفسیر کی۔

تنبیہ

تفسیر کی جب سند نبیؐ یا صحابہؓ تک صحیح ہو جائے تو یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔ اور تفسیر ماثور کے ذکر کے وقت اس روایت کی تحقیق کر لینا مناسب ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "تفسیر ماثور اکثر زندیق یہودیوں اور ایرانیوں اور اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے (علماء) تک پہنچتی ہے اور یہ زیادہ تر انبیاء کرام اور ان کی قوموں اور ان کی کتابوں اور ان کے معجزات اور ان کے علاوہ تاریخی واقعات جیسے اصحاب کہف وغیرہ (کا قصہ) ان کے بارے میں ہوتی ہیں لہٰذا اس صورت میں ان روایات کی تحقیق کر لینا مناسب ہے۔

روایات ماثورہ کے ضعف کے اسباب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"گزشتہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ قرآن کی بعض آیات کی قرآن ہی سے اور قرآن کی صحیح مرفوع احادیث سے تفسیر کے معتبر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اس کے سب اعلیٰ مرتبہ کی تفسیر ہونے میں (بھی) کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ صحابہؓ اور تابعینؒ سے مروی روایات سے قرآن کی تفسیر کرنا تو اس میں چند وجوہات سے کمزوری آ گئی ہے۔

(۱) صحیح احادیث کا غیر صحیح احادیث سے مل جانا ہے۔ بہت سارے ایسے اقوال نقل کئے گئے ہیں کہ جو بغیر کسی سند اور

تحقیق کے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کی طرف منسوب ہیں کہ جو حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ) یہ روایات اسرائیلی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ ان میں بہت سی ایسی خرافات (مذکور) ہیں کہ جو اسلامی عقائد کے (خلاف اور) متصادم ہیں۔ اور جن روایات کے باطل ہونے کی دلیل قائم ہے یہ وہ روایات ہیں کہ جو اہل کتاب سے مسلمانوں میں داخل ہوئی ہیں۔

(۳) بعض راہ حق سے منحرف اصحاب مذاہب نے باطل سخن سازیاں کی ہیں اور (جھوٹے) اقوال گھڑے ہیں۔ (اور دروغ بافیاں اور کذب بیانیاں کیں ہیں) اور انہیں بعض صحابہؓ کی طرف منسوب کیا ہے (جیسے شیعہ) شیعان علی کہ جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں انہوں نے حضرت علیؓ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں کہ جن سے وہ بری ہیں۔ اور عباسی خلفاء کے (خوشامد پرست) طفیلیوں کی طرح جنہوں نے حکام کی چاپلوسی کے لئے حضرت ابن عباسؓ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں کہ جن کا ان کی طرف منسوب کرنا درست نہ تھا۔

(۴) بعض اسلام دشمن زندیقوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کے خلاف سازشیں کیں جیسا کہ انہوں نے رسول اللہؐ کی احادیث کے خلاف سازشیں کیں۔ اور یہ مکر و فریب اور جھوٹی احادیث گھڑنے کے راستے سے دین اسلام کے ڈھا دینے کو لازم کرنے سے ہوا۔

چنانچہ اس پہلو (کو دیکھنے) سے صحابہؓ و تابعینؒ کی طرف منسوب اقوال میں احتیاط تحقیق اور پرہیز سے کام لینا مناسب ہے۔

علامہ زرقانیؒ کی ''مناہل العرفان'' میں (اس بارے میں) رائے

(مولف کتاب فرماتے ہیں) استاذ (الاستاتذہ علامہ) زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں امام احمدؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد تفسیر بالماثور کے بارے میں نہایت عمدہ بات کہی ہے' وہ فرماتے ہیں۔

''اس بارے میں انصاف کی بات یہ ہے کہ تفسیر ماثور دو قسم پر ہے۔''

(۱) ایک تفسیر ماثور وہ ہے کہ جس کی صحت اور قبول پر کثرت سے دلائل ہوں۔ ایسی تفسیر کا کسی کو رد کرنا زیبا نہیں۔ ان کو نہ لینا اور ان سے غفلت برتنا جائز نہیں۔ اور یہ اچھی بات نہیں کہ ہم ان تفسیر روایات کو قرآن کے رستہ سے ہٹا ہوا جانیں بلکہ اس کے برعکس یہ تفسیری روایت قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا نہایت قوی ذریعہ (اور سبب) ہے۔

(۲) تفسیر ماثور کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو بھی مذکورہ گزشتہ اسباب یا ان کے علاوہ کسی سبب سے درست نہ ہو۔ کہ اس تفسیر کا رد کرنا لازمی ہے اور اس کا قبول کرنا اور ان روایات میں مشغول ہونا جائز نہیں۔ اور بہت سارے بیدار ذہن مفسرین (کرام) جیسے (علامہ) ابن کثیرؒ کہ انہوں نے جو نقل کیا اس کی (نہایت درجہ چھان بین اور) تحقیق (و تفتیش) کیا کرتے تھے۔ اور وہ (جو روایات) باطل یا ضعیف (ہوتی تھیں ان) کے بطلان کو (خوب) ظاہر کیا کرتے تھے۔

توضیح

تفسیر قرآن کا تیسرا ماخذ

اقوال صحابہ

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ سے قرآن پاک کی تعلیم براہ راست حاصل کی۔ (وہ آپؐ کے بلاواسطہ شاگرد تھے) اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے تو قرآن کریم' اس کی تفسیر' اور اس کے متعلقات کو براہ راست آپؐ کے اقوال وافعال سے حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی تھیں۔ یہ حضرات اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے پورے ماحول سے باخبر بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرنے کی بجائے۔ قرآن پاک کو سبقاً سبقاً پڑھا۔

امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ مشہور تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ''وہ جب آپؐ سے ۱۰ آیتیں سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے کہ جب تک ان آیتوں کی تمام علمی و عملی باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں۔'' [1]

موطا امام مالکؒ میں روایت ہے:

''حضرت ابن عمرؓ آٹھ سال تک صرف سورۂ بقرہ یاد کرتے رہے۔'' [2]

ظاہر ہے کہ (یہ حضرات اور خاص طور پر) حضرت ابن عمرؓ ایسے ضعیف الحافظہ نہ تھے کہ سورۂ بقرہ کے محض الفاظ یاد کرنے میں ان کے آٹھ سال خرچ ہوجائیں۔ یقیناً یہ مدت اس لئے صرف ہوئی کہ الفاظ قرآنی کو یاد کرنے کے ساتھ اس کی تفسیر اور جملہ متعلقات کا علم حاصل کرتے رہے تھے۔ [3]

چنانچہ آنحضرتؐ کی احادیث کے بعد تفسیر قرآن کا تیسرا اہم ماخذ ان صحابہ کرامؓ کے اقوال ہیں کہ جنہوں نے اس جانفشانی سے قرآن کریم کی تفسیر سیکھی تھی۔ (علوم القران ص ۳۳۸ تا ۳۳۹ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ ''محدث حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو اس کی تفسیر حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔ بقول حاکم امام بخاری ومسلم کا زاویہ نگاہ بھی یہی ہے امام حاکم رقمطراز ہیں۔

---

[1] الاتقان صفحہ ۱۷۴ جلد ۱ نوع نمبر ۷۸

[2] الاتقان صفحہ ۱۷۴ جلد ۱ نوع نمبر ۷۸۔

[3] یہاں سے بعض لوگوں کے اس باطل نظریہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ''صحابۂ کرام جب تک ایک آیت پر ان کا ایمان مضبوط نہ ہوجاتا اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے۔ یعنی اس آیت پر اپنا دس دس سال تک ایمان مضبوط کرتے رہتے تھے۔'' اہل علم کے لیے اس نظریہ میں فکر ونظر کی کافی گنجائش ہے۔ (نسیم)

’’حدیث کا طالب علم آگاہ رہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو اس کی تفسیر شیخینؒ کے نزدیک حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے (یعنی امام بخاریؒ و مسلمؒ کے نزدیک) (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۹۳ بحوالہ تدریب الراوی صفحہ ۶۴)

چوتھا ماخذ

اقوال تابعین

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: تابعینؒ سے مراد وہ حضرات ہیں کہ جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔
تفسیر میں تابعینؒ کے اقوال حجت ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۴۰ بتصرف)

صحابہ و تابعین کے اقوال کے لینے میں معیار

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

’’صحابہ کرامؓ تابعینؒ کے تفسیری اقوال کو لینے میں چند امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال میں بھی ہر طرح کی صحیح و سقیم روایات ملتی ہیں۔ لہٰذا ان اقوال پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصول حدیث پر ان کو پرکھ لیا جائے۔

(۲) اگر آیت کی تفسیر آپ ﷺ سے کسی مستند روایت سے ثابت نہ ہو تو اس وقت اقوال صحابہ معتبر ہوں گے۔ اگر کوئی معتبر روایت مل جائے تو اس وقت اقوال صحابہؓ کی حیثیت محض تائیدی ہوگی۔ اور اگر کسی صحابیؓ کا کوئی قول کسی صریح حدیث کے متعارض ہو تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔

(۳) اگر کوئی صحیح حدیث نہ ملے اور اقوال صحابہؓ میں بھی اختلاف نہ ہو تو ان کے اقوال کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

(۴) اور اگر صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال میں اختلاف ہو تو اول تو ان میں ہم آہنگی اور تطبیق کی کوشش کی جائے گی، اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو مجتہد جس قول کو دلائل سے اختیار کرے گا اس کو لیا جائے گا۔

رہے تابعین کے اقوال تو ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے ان الفاظ سے بہترین محاکمہ کیا ہے۔ ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’تابعیؒ اگر کوئی تفسیر کسی صحابیؓ سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہ کرام کی تفسیر کا ہے اور اگر خود اپنا کوئی قول بیان کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں، اگر اس کے خلاف کوئی دوسرا قول موجود ہو تو اس تابعیؒ کا قول حجت نہ ہوگا۔ بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لئے قرآن کریم، لغت عرب، احادیث نبویہ آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلا شبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔‘‘ [1] (علوم القرآن صفحہ ۳۴۰-۳۴۱ ملخصاً)

---

[1] تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵ جلد ۱۔

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں:

(۱) جب کسی صحابی کی تفسیر اسباب نزول یا ایسی بات کے متعلق ہو کہ جس کو عقل انسانی کا دخل نہ ہو تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور جس تفسیر میں عقل انسانی کا دخل ہو اور اس کو انہوں نے نبیؐ کی طرف صریح منسوب بھی نہ کیا ہو تو اسے موقوف قرار دیں گے۔

(۲) صحابیؓ کی مرفوع روایت کو کسی طرح رد نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مفسر لازماً اس سے استناد کرے اور کسی صورت میں بھی اس سے انحراف نہ کرے۔

(۳) رہے اقوال صحابہؓ تو بعض کے نزدیک ان سے اخذ واحتجاج واجب نہیں اور دوسرے بعض علماء کی رائے اس کے برعکس ہے۔

(۴) بقول علامہ زرکشیؒ قرآن (کی تفسیر) کے دو حصے ہیں۔

(۱) قرآن کا وہ حصہ کہ جس کی تفسیر رسول کریمؐ اور صحابہؓ سے مروی ہو کہ وہ یا تو

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو گی یا

(ب) صحابہؓ سے منقول ہو گی۔

(۲) قرآن کا وہ حصہ کہ جس کی تفسیر آپؐ سے منقول و ماثور نہیں۔

اب جو تفسیر نبیؐ سے منقول ہو گی اس کی سند سے بحث کی جائے گی کہ وہ صحیح ہے یا نہیں فقط۔ اور صحابہ کی تفسیر کے بارے میں دیکھیں گے کہ اگر تو وہ لغت سے یا اسباب نزول کے بارے میں ہو کہ جس کو انہوں نے خود دیکھا ہو تو ان کی تفسیر بلاتردد اور شک قابل اعتماد ہو گی۔ (الاتقان جلد۲ صفحہ ۱۸۳)

مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''جب کسی آیت کی تفسیر ہمیں کتاب وسنت سے نہ ملے تو ہم اقوال صحابہ کی جانب رجوع کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے نزول قرآن کے احوال وقرائن بچشم خود ملاحظہ فرمائے تھے۔ اس لئے وہ قرآن کریم کی تفسیر ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ان میں فہم کامل، صحیح اور عمل صالح پایا جاتا تھا۔ خصوصاً ان کے اکابر خلفائے راشدینؓ آئمہ اربعہ اور اہل علم صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین (ابن کثیر جلد۱ صفحہ۳)

علامہ حریری مرحوم فرماتے ہیں:

''یہ آخری رائے ذہن وقلب کو اپیل کرنے والی ہر طرح موجب اطمینان اور قابل تسلیم ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ۹۴-۹۷ ملخصاً)

تابعینؒ کے بارے میں علامہ مرحوم تحریر فرماتے ہیں: ''کہ ان کے قبول وعدم قبول کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کیونکہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں (کہ آیا وہ حجت ہیں یا نہیں ''نسیم'') اور امام احمدؒ سے اس بارے

میں دو قول منقول ہیں۔ حجت ہونے کا بھی اور اس کے برعکس بھی۔ ابن عقیل کا یہی مسلک ہے اور اسے شعبہؒ کی جانب بھی منسوب کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

''شعبہ بن حجاج اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب علی العموم حجت نہیں ہیں تو پھر تفسیر میں کیونکر حجت ہو سکتے ہیں۔؟ ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعینؒ کے اقوال سے مخالف پر حجت قائم نہیں ہوسکتی یہ بات بجائے خود درست ہے۔ مگر جس (بات) پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے اس کے حجت ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔ جب تابعین کسی بارے میں مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہوگا نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر'

بخلاف ازیں ایسے موقعوں پر عربی زبان یا سنت نبوی ﷺ یا عربی زبان کے عموم اور یا اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۳'' بحوالہ مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۲۸'' اور فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ نیز الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

روایات ماثورہ کے ضعف کے اسباب

علامہ حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔ (کہ یہ اسباب مختصراً یوں بیان کئے جاسکتے ہیں)

(۱) لوگوں کے بکثرت حلقہ بگوش اسلام ہونے کی وجہ سے تفسیری اقوال میں اسرائیلیات و نصرانیات کی آمیزش شروع ہوگئی۔ ان نو مسلموں کے قلب و ذہن کے ساتھ کچھ ایسے اخبار و وقائع پیوست تھے کہ جن کا شرعی احکام کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔

نیز تابعینؒ کی سہل انگاری بھی یہود و نصاریٰ کے بکثرت احداث و وقائع کے تفسیری اقوال میں درج ہونے کا سبب بن گئی اور ان کو لینے میں کسی نقد و تبصرہ سے کام نہ لیا گیا۔

(۲) ایک سبب مذہبی اختلافات کی تخم ریزی بھی تھی۔ کہ ایسے ایسے تفسیری اقوال منظر پر آنے لگے کہ جن میں ان اختلافات کی رنگ آمیزی تھی۔ مثلاً قتادہ بن دعامہ سدوسی منکر تقدیر تھا۔ اس لئے اس کی تفسیر میں قدریت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس لئے بعض لوگ اس کی تفسیر سے احتراز کرتے تھے۔

اور حضرت حسن بصری ان کو کافر کہتے تھے

(۳) عہد صحابہؓ میں تفسیری اقوال میں چنداں اختلاف نہ تھا۔ عہد تابعین میں اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ البتہ متاخرین کے بہ نسبت ان میں اختلاف پھر بھی کم رہا۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ ملخصاً)

(۴) بادشاہوں کی خوشامد بھی اس کا ایک قوی سبب تھی مثلاً حضرت ابن عباسؓ چونکہ خاندان نبوت سے وابستہ تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ تفسیری اقوال کو آپؓ کی جانب منسوب کرنے سے ان کی قوت و ثقاہت میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ کسی

اور کی جانب منسوب کرنے میں یہ بات نہ ہو سکتی تھی۔اسی لئے بعض لوگ عباسی خلفاء کے جدامجد حضرت ابن عباسؓ کی طرف بعض روایات کونقل کر کے ان کا تقرب حاصل کرتے تھے۔واللہ اعلم (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۸۲ ملخصاً)

أشهر المفسرين من الصحابة

قال السيوطي في (الإتقان): (اشتهر بالتفسير من الصحابة عشرة: الخلفاء الأربعة، وابن مسعود، وابن عباس، وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت، وأبو موسى الأشعري، و عبدالله بن الزبير...... أما الخلفاء فأكثر من روى عنه فهم: (علي بن أبي طالب) كرم الله وجه، والرواية عن الثلاثة قليلة جدا، وكأن السبب في ذلك تقدم وفاتهم) انتهى.

وأما السبب في قلة الرواية عن الثلاثة (أبي بكر و عمر و عثمان) فإنما يرجع كما نبه إليه السيوطي إلى قصر مدة خلافتهم و تقدم وفاتهم، ومن ناحية أخرى فإنهم قدى عاشوا في وسط أغلب أهله كانوا علماء بكتاب الله، لأنهم صاحبوا الرسولﷺ، فكانوا واقفين على أسرار التنزيل عارفين بمعانيه وأحكامه، أما (علي) رضي الله عنه فقد عاش بعد الخلفاء الثلاثة في وقت اتسعت فيه رقعة الإسلام، ودخل كثير من العجم في الدين الجديد، ونشأ جيل من أبناء الصحابة كانوا بحاجة إلى دراسة القرآن، وتفهم أسراره وحكمه، ولذلك اشتهرت الرواية عنه أكثر من بقية الخلفاء الراشدين...... وسنتكلم بشئ من التفصيل عن بعض هؤ لاء الصحابة الذين اشتهروا بتفسير القرآن.

(ا) عبدالله بن عباسؓ

عبدالله بن العباسؓ حبر هذه الأمة، وهو ابن عم رسول اللهﷺ الذي دعا له الرسول الكريم بقوله. "اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل." وهو المسمى به (ترجمان القران). قال عبدا لله بن مسعود: (نعم ترجمان القرآن عبدالله بن عباس). كان أعلم الصحابة بتفسير القرآن الكريم، وقد شهد له بالفضل- وهو شاب في عنفوان الصبا- كبار الصحابة حتى كان ينافسهم و ينتزع إعجابهم مع حداثة سنه، وكان عمرؓ يدخله إلى مجلس الشورى مع كبار الصحابة الأجلاء يستشيرهم، و ربما عرض الأمر عليه، وكان تقدير عمر لابن عباس مثار جدل عند بعض الصحابة، حتى قال بعضهم: لم يدخل هذا الشاب معنا وعندنا من الأولاد من هو أكبر منه سنا...... وله قصة رواها البخاري في صحيحه تدل على غزارة علمه، وعلو شأنه في الغوص على دقائق أسرار القرآن.

رواية البخارى

روى البخارى من طريق (سعيد بن جبير) عن ابن عباسؓ قال كان عمر يدخلنى مع أشياخ بدر، فكأن بعضهم وجد فى نفسه، فقالوا: لم يدخل هذا معنا وإن لنا أبناء مثله؟ فقال عمر: إنه ممن علمتم (يعنى إنه من عرفتم ذكاء ه وعلمه) فدعاهم ذات يوم فأدخلنى معهم، فما رايت أنه دعانى فيهم يومئذ إلا ليريهم.!فقال: ما تقولون فى قول الله تعالى. (إذا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)...... فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا و فتح علينا، وسكت بعضهم فلم يقل شيئا، فقال لى: أكذلك تقول يا ابن عباس؟ فقلت: لا، فقال: ما تقول؟ فقلت: هو أجل رسول اللهﷺ أعلمه له، قال: (إذا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) فذلك علامة أجلك، (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا)، فقال عمر. والله لا أعلم منها إلا ما تقول. فهذه القصة تدل على مدى قوة فهمه، ودقة رأيه فى استنباط الإرشادات القرآنية التى لا يدركها إلا الراسخون فى العلم...... ولا عجب أن ينال ابن عباس تلك الرتبة الرفعية فى فهم أسرار القرآن، فقد دعا له الرسولﷺ بالفهم والفقه فى الدين كما روى الشيخان عن ابن عباسؓ قال: ضمنى رسول الله إلى صدره وقال: اللهم فقهه فى الدين وعلمه التأويل. وفى رواية اللهم علمه الحكمة. ...... وكان (ابن عباس) يسمى البحر لكثرة علمه.

روى أن رجلا أتى (عبدالله بن عمر) يسأله عن السموات والأرض (كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا)، فقال: اذهب إلى ابن عباس فاسأله ثم تعال فأخبرنى! فذهب فسأله فقال: كانت السموات رتقاً لا تمطر، وكانت الأرض رتقا لا تنبت، ففتق هذه بالمطر، وهذه بالنبات، فرجع إلى ابن عمر فأخبره فقال: قد كنت أقول ما يعجبنى جراء ة ابن عباس على تفسير القرآن، فالآن قد علمت أنه أوتى علما.

وروى أن عمر بن الخطاب قال يوما لأصحاب النبى فيمن ترون هذه الآية نزلت ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيْلٍ وَأَعْنَابٍ......﴾ الآية. قالوا: الله أعلم فغضب عمر، فقال: قولوا: نعلم أو لا نعلم، فقال ابن عباس: فى نفسى منها شئ فقال: يا ابن أخى قل ولا تحقر نفسك!! قال ابن عباس: ضربت مثلاً لعمل، فقال عمر: أى عمل؟ قال ابن عباس: لرجل غنى يعمل بطاعة الله ثم بعث له الشيطان فعمل بالمعاصى حتى أغرق أعماله. رواه البخارى.

كل هذا وأمثاله كثير يدل على مبلغ علم ابن عباس وفهمه الثاقب منذ حداثة سنه، ولهذا أصبح

فی مصاف کبار شیوخ الصحابة، وأصبح یدعی حبر الأمة بشهادة الصحابة أنفسهم.

شیوخ ابن عباسؓ

ومن شیوخ ابن عباس الذین استقی منهم علومه بعد رسول اللہؐ وکان لهم أبرز الأثر فی توجیهه وثقافته (عمر بن الخطاب، وأبی بن کعب، و علی بن أبی طالب، و زید بن ثابت) وهؤلاء الخمسة هم أهم شیوخه الذین أخذ عنهم أکثر علمه و تلقی منهم معظم ثقافته، وکان لهم أثر فی توجیهه تلك الوجهة العلمیة الدقیقة.

تلامذة ابن عباسؓ

تلقی العلم عن ابن عباس عدد کبیر من التابعین کان من أشهرهم تلامذته المشهورون الذین نقلوا تفسیره وعلمه الغزیر وهم: (سعید بن جبیر، ومجاهد بن جبر الخزرمی، وطاووس بن کیسان الیمانی، وعکرمة مولی ابن عباس، وعطاء بن أبی رباح) وهؤلاء هم أظهر تلامذته الذین نقلوا مدرسة ابن عباس فی التفسیر إلینا رضی الله عنه.

(۲) عبدالله بن مسعودؓ

ومن أعلام الصحابة الذین اشتهروا بالتفسیر. ونقلوا لنا آثار الرسول وأقواله (عبدالله بن مسعود) رضی الله عنه، فقد کان من السابقین إلی الإسلام، وکان سادس ستة ما علی وجه الأرض مسلم سواهم، وکان خادم رسول اللہؐ یلبسه نعلیه، ویمشی معه وأمامه، فکان له من هذه الصلة النبویة خیر مثقف ومؤدب، لذلك عدوه من أعلم الصحابة بکتاب الله، و معرفة محکمه ومتشابهه، وحلاله وحرامه، قال السیوطی. قد روی عن ابن مسعود فی التفسیر أکثر مما روی عن علی کرم الله وجهه. روی الشیخان عنه أنه قال: (والذی لا إله غیره ما نزلت سورة من کتاب الله تعالی إلا وأنا أعلم أین أنزلت، ولا أنزلت آیة من کتاب الله تعالی إلا وأنا أعلم فیم أنزلت، ولو أعلم أحدا أعلم منی بکتاب الله تبلغه الابل لرکبت إلیه......) روی عنه کثیر من التابعین.

لغات: رقعة الاسلام: (سلطنت اسلامیہ کی) حدود۔ جِیْلٌ: نسل، قوم۔ عنفوان الصباء: آغازِ جوانی۔ یتنافس: ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ ینتزع: روکے رکھنا۔ اعجاب: حیرت وتعجب کرنا۔ حداثة سن: نوعمری۔ یستشیر: مشورہ لینا۔ مثار: بھڑکانے کا سبب۔ جدل: نزاع، جھگڑا، بحث۔ غزارة: کثرت، بہتات۔ رتق: مند بند۔ فتق: کھولنا۔ مصاف: مصف کی جمع صف بندی کی جگہ، مراد ہے بڑوں میں بیٹھنے کی جگہ۔ ثقافت: علم وہنر، تعلیم وتربیت۔

ترجمہ: مشہور مفسر صحابہ کرامؓ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں فرمایا ہے صحابہ کرامؓ میں سے دس صحابہ مفسر مشہور ہوئے خلفاء اربعہ' حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ......''

'''خلفاء راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ روایت منقول ہیں۔ اور باقی خلفاء ثلاثہؓ سے نہایت کم' اور اس کی وجہ ان حضراتؓ کا پہلے دنیا سے تشریف لے جانا تھی۔''

(علامہ سیوطیؒ کا کلام ختم ہوا) آگے مولف کتاب فرماتے ہیں۔

''حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قلت روایت کا سبب جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے (بھی) اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے وہ ان کے عرصہ خلافت کی مدت قصیرہ اور ان کے اس دنیا سے پہلے چلے جانے کی طرف لوٹتا ہے۔ ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ وہ حضراتؓ ایسے لوگوں میں رہ رہے تھے کہ جن میں سے اکثر کتاب اللہ کے عالم تھے۔ کیونکہ انہوں نے نبیؐ کی صحبت اٹھائی تھی' وہ قرآن پاک کے اسرار سے واقف اور اس کے احکام کے معانی کے عارف تھے۔ اور حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کے بعد اتنا عرصہ تک بقید حیات رہے کہ جس میں سر زمین اسلام بہت وسیع ہوگئی (یعنی اسلام اطراف واکناف عالم میں پھیل گیا۔ (نسیم) اور غیر عربوں کی ایک کثیر تعداد اس نئے دین (اسلام) میں داخل ہوئی۔ اور صحابہ کرامؓ کی نئی نسل جوان ہوگئی کہ جو قرآن پڑھنے' اور اس کے اسرار وحکمتوں کے سمجھنے کی محتاج تھی۔ اسی وجہ سے حضرت علیؓ کی (تفسیری) روایات باقی خلفاء ثلاثہؓ سے زیادہ مشہور ہوئیں۔''

(اب) ہم تفسیر قرآن میں شہرت پانے والے بعض صحابہ کرام کا تفصیلی تذکرہ کریں گے۔

(ا) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

حبر الامہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہ آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپؐ نے ان کے لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی۔
''اے اللہ انہیں دین میں فقاہت اور قرآن کی تاویل کا علم نصیب فرما۔''

ان کا لقب ''ترجمان القرآن'' تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابن عباسؓ بہت اچھے ترجمان القرآن ہیں۔'' وہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ قرآن کی تفسیر جانتے تھے۔ اور اکابر صحابہ کرامؓ نے آپ کی فضیلت کو مانا جبکہ آپ ابھی (بھرپور) نوجوان (ہی) تھے۔ یہاں تک کہ وہ کبار صحابہ کرام سے آگے نکلنے کی کوشش کیا کرتے تھے جبکہ صحابہ کرامؓ کا ان کی نو عمری پر حیرت کرنا انہیں باز رکھتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ انہیں اکابر اجل صحابہ کرامؓ کے ساتھ (اپنی) مجلس شوریٰ میں بٹھلاتے تھے کہ

جس میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کئے کرتے تھے۔اور کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے بھی معاملہ رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا حضرت ابن عباسؓ کو یہ مقام دینا بعض صحابہ کرامؓ میں (نزاع و) ناراضی کا سبب بن گیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ نے کہہ دیا کہ:

''یہ نوجوان (ہماری اس مجلس میں) ہمارے پاس کیوں آتا ہے جبکہ ہماری اولادیں اس سے بڑی ہیں۔'' ان کا ایک (نہایت دلچسپ) قصہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے' جو قصہ کہ ان کی وسعت علم' اور قرآن اسرار کے دقائق میں ان کی غواصی کی بلندی مرتبہ کو بتلاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت

امام بخاریؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ کے طریق سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''حضرت عمرؓ مجھے بدر کے شیوخ کے ساتھ (اپنی مجلس میں) شریک فرماتے تھے۔تو اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے جی میں کچھ بات آ گئی۔ وہ کہنے لگے ''یہ نوجوان ہماری (اکابر کی) مجلس میں کیوں شریک ہوتا ہے جبکہ ہمارے (بھی) اس جیسے بیٹے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کو تم جانتے ہو (یعنی اس کی ذہانت و ذکاوت اور علم و فہم کو تم جانتے ہو) چنانچہ حضرت عمرؓ نے سب کو ایک دن (اپنی مجلس شوریٰ میں) بلوایا۔اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہی داخل کیا۔ پس میرا یہی گمان تھا کہ اس دن آپؓ نے مجھے ان میں ان کو (یہ) دکھلانے کے لئے ہی بلایا تھا (کہ وہ مجھے اپنی مجلس میں کیوں شامل کرتے ہیں) پس آپ نے پوچھا'' تم اللہ کے اس اس ارشاد ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ'' [1] کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو بعض نے تو یہ کہا کہ ''جب ہماری نصرت کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے تو ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار چاہیں۔'' اور بعض صحابہ کرامؓ خاموش رہے کہ انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس! ''کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟'' تو اس پر میں نے عرض کیا ''یہ آپ ﷺ کی وفات (کا تذکرہ) ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بتلایا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ'' کہ یہ آپؐ کی وفات کی علامت ہے (پھر فرمایا) ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (النصر' آلایۃ ۳) ''تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(آگے راوی فرماتے ہیں کہ) اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا'' خدا کی قسم میں بھی اس آیت کے بارے میں وہی جانتا ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں۔'' [2]

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ قصہ حضرت ابن عباسؓ کی قوت فہم کے رسوخ' اور ان ارشادات قرآنیہ کے استنباط میں ان کی دقت نظر پر دلالت کرتا ہے کہ جن کو راسخین فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباسؓ کے اسرار قرآن کی فہم میں اس بلند مرتبہ کو پالینے پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپؐ نے حضرت

---

[1] النصر آلایۃ :۱ ''جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ'' (ترجمہ از تفسیر عثمانی) [2] اس کے لیے صحیح بخاری میں فضائل صحابہ کا باب دیکھیں۔

ابن عباسؓ کے لئے دین کی فہم (وفراست) اور تفقہ کی دعا فرمائی تھی۔ جیسا کہ بخاری ومسلم رحمہما اللہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''آپؐ نے مجھے سینے سے لگا کر یہ دعا کی۔''اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم دے۔'' اور ایک روایت میں ہے (کہ یہ دعا فرمائی) ''اے اللہ اس کو حکمت (ودانائی) سکھلا۔''

اور حضرت ابن عباسؓ کو ان کی وسعت علمی کی وجہ سے ''بحر'' (یعنی علوم کا سمندر) کہا جاتا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے زمین آسمان کے بارے میں (قرآن کی آیت پڑھ کر) سوال کیا

﴿كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ (الانبیاء: ۳۰)

''(آسمان اور زمین) منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔'' (تفسیر عثمانی)

آپؓ نے فرمایا: ''حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر یہ پوچھ اور پھر مجھ کو آ کر بتلاؤ کہ انہوں نے کیا جواب دیا'' اس آدمی نے جا کر ان سے سوال کیا' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''آسمان منہ بند تھا (یعنی) بارش نہ برساتا تھا اور زمین کا منہ بند تھی (یعنی) اگاتی نہ تھی۔ پس اللہ نے آسمان کا منہ تو بارش برسا کر کھول دیا اور زمین کا منہ (اس سے غلے وغیرہ) اگا کر کھول دیا۔

اس نے آ کر حضرت ابن عمرؓ کو یہ بتلایا۔ تو انہوں نے (یہ سن کر) کہا ''میں کہا کرتا تھا۔ ابن عباسؓ کی تفسیر قرآن میں یہ جرأت مجھے پسند نہیں۔ مجھے اب پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں خصوصی علم ودیعت ہوا ہے۔ ❶

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿اَيَوَدُّ ---------- وَاَعْنَابٍ.....﴾ (البقرة: ۲٦٦)

''کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہو اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا۔'' (تفسیر عثمانی)

(تو کوئی بھی شافی جواب نہ دے پایا اور وہ) لوگ کہنے لگے کہ اللہ ہی جانتا ہے اس پر حضرت عمرؓ غصہ میں آ گئے۔ اور فرمایا ''یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا کہو کہ ہم نہیں جانتے' اس پر حضرت ابن عباسؓ (کہ جو حضرت عمرؓ کے پیچھے تھے) بولے (اے امیر المومنین) میرے جی میں ایک بات آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے (برملا) کہو اور جھجکو نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اس آیت میں) عمل کی مثال دی گئی ہے ''حضرت عمرؓ نے پوچھا کس عمل کی'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''ایک ایسے مالدار شخص کے عمل کی کہ جو (عمر بھی) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (میں نیکیاں) کرتا رہے پھر اس کے لئے (بڑا) شیطان (چھوٹے شیطانوں کو) بھیجے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے حتیٰ کہ اپنے (عمر بھر کے) اعمال کو (گناہوں میں) غرق کر دے۔ (رواہ البخاری)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ تمام قصے اور ایسے قصے بہت ہیں کہ جو حضرت ابن عباسؓ کی نوعمری میں ہی ان کے مبلغ

---

❶ اس آخری جملہ کا ترجمہ تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۷۰ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

علم اور پختہ فہم (وفراست اور ذہانت وذکاوت) پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اکابر مشائخ صحابہؓ کی صفت میں شمار ہونے لگے۔ اور خود صحابہ کرام کی شہادت سے ''حبر الامت'' (کے عظیم لقب سے) پکارے جانے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ کے شیوخ

حضرت ابن عباسؓ کے شیوخ کہ جن (کے علوم سے آپ سیراب ہوئے اور اپنی علمی پیاس بجھائی اور ان) سے علوم حاصل کئے۔ اور جن کا آپ کی راہ نمائی اور تعلیم وتربیت میں (سب سے) زیادہ (اور) ظاہری اثر ہے۔ وہ (یہ ہیں)

(حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم) یہ [1] پانچ حضرات حضرت ابن عباسؓ کے وہ اہم شیوخ ہیں کہ جن سے آپ نے اپنے علم کے اکثر کا استفادہ کیا اور اپنی تعلیم وتربیت کا بڑا حصہ ان سے حاصل کیا۔ اور ان حضرات کا آپ کو ان دقیق علوم کی طرف متوجہ کرنے میں بڑا اثر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ

تابعینؒ کی ایک بڑی تعداد نے آپؓ سے علم حاصل کیا۔ اور آپ کے مشہور ترین شاگرد وہ ہیں کہ جو آپ کی تفسیر اور آپ کے وسیع علم کو نقل کرنے میں مشہور ہوئے۔ وہ یہ (ہیں)

سعید بن جبیر، مجاہد بن جبر الخزرمی، طاؤس بن کیسان یمانی، عکرمہ مولی ابن عباس، عطا ابن ابی رباح رضی اللہ عنہم۔

یہ آپ کے ان (بڑے اور) مشہور شاگردوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے تفسیر میں مکتب ابن عباسؓ کو ہمارے تک منتقل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو (آمین ثم آمین)

توضیح

علامہ عثمانی دامت برکاتہم حضرت ابن عباسؓ کی علم تفسیر میں جلالت شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت علم تفسیر کی خدمت میں معروف تھی۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کو بطور خاص ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ نے آپؓ کے لئے علم تفسیر کی مہارت کی دعا مانگی تھی۔ کہ جن کا تذکرہ متعدد روایات میں آتا ہے (اور چند روایات متن میں بھی مذکور ہیں)

چنانچہ ان کو صحابہ کرام ''ترجمان القرآن'' اور ''الحبر'' (زبردست عالم) اور البحر (دریائے علم) کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے صحابہ کرام ان کی کم سنی کے باوجود علم تفسیر کے بارے میں ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ اور ان کے قول کو خاص وزن دیا کرتے تھے۔

(اس کی وجہ یہ تھی کہ خود حضرت ابن عباسؓ نے آپؐ کی وفات کے بعد بڑی جانفشانی سے اور جان جوکھوں میں ڈال کر اکابر صحابہ کرام سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ اس موقعہ وہ قصہ نہایت قابل عبرت ہے کہ جو مولانا زکریا صاحبؒ نے حکایات صحابہ صفحہ

---

[1] یہاں عبارت میں کچھ تسامح ہے (نسیم)

۱۰۹-۱۱۰ پر اور علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے علوم القرآن صفحہ ۴۵۴-۴۵۵ پر اور علامہ حریری مرحوم نے تاریخ تفسیر ومفسرین میں صفحہ ۶۹-۷۰ پر نقل فرمایا ہے۔ (نسیم)

علامہ عثمانی دامت برکاتہم حضرت ابن عباسؓ کی تحصیل علم کی محنتوں اور قابلِ قدر کوششوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''انہی وجوہ کی بنا پر حضرت ابن عباسؓ کو امام مفسرین کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ تفسیری روایات انہی سے مروی ہیں۔'' (علوم القرآن ص ۴۵۳-۴۵۵ ملخصاً)

علامہ حریری مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ تفسیر ومفسرین میں حضرت ابن عباسؓ کے نام ونسب آغاز طفولیت سے ہی آپؐ سے وابستگی آپؐ کے اخلاق وآداب' اکابر صحابہ کرام کا احترام ان کی علمی برتری' اس کے اسباب' تفسیر قرآن میں ان کا مرتبہ و مقام' ان کے عظیم مفسر ہونے کے دلائل حضرت عمرؓ کا باوجود نوعمری کے آپؓ کو خصوصی مقام ومرتبہ دینا' حضرت علیؓ کے آپ کی شان میں فرمودات علم تفسیر کے اخذ میں ان کے طریقہ کار اور اہل کتاب سے استفادہ' اور اس پر مشہور یہودی مستشرق گولڈز یہر کے بدنما اعتراضات اور ان کا منہ توڑ جواب اور منکر حدیث احمد امین مصری کا اس خبیث یہودی کی ہم نوائی کرنا اور علامہ کا اس کو رسوا کرنا۔ اور ان کے اتہامات کی تردید' حضرت ابن عباسؓ کی لغت دانی' ان کی تفسیری روایات اور ان کا پایہ صحت' آپ کی طرف منسوب تفسیر کی قدر ❶ وقیمت وغیرہ تمام امور کو تفصیلاً بیان کیا ہے اصل کتاب سے ان کا مطالعہ طالبان علوم القرآن کے لئے نہایت نافع ہے (دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین از صفحہ ۶۷-۸۲)

ترجمہ: (۲) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''وہ اکابر صحابہ کرامؓ کہ جنہوں نے (علم) تفسیر میں (خاص طور پر) شہرت پائی اور انہوں نے ہمارے لئے آپؐ کے آثار واقوال کو نقل کیا۔ (ان میں سے ایک) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ آپ اول اول اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اور وہ (اس وقت) چھٹے مسلمان تھے کہ جب ان چھ کے علاوہ (کوئی ساتواں) روئے زمین پر مسلمان نہ ہوتا تھا۔ ❷

اور آپؓ نبی علیہ السلام کے خادم تھے' آپ ﷺ کو نعلین (مبارکین) پہنایا کرتے تھے' اور آپؐ کے آگے (پیچھے) اور دائیں (بائیں) اور ساتھ (ساتھ) چلا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کو ان نبوی خدمات کے صلہ میں تعلیم وتربیت اور ادب واخلاق کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی لئے صحابہ کرام حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم' اور اس کے

❶ علامہ عثمانی نے اس مروجہ تفسیر کی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ''ہمارے زمانے میں ایک کتاب ''تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ'' کے نام سے مشہور ہے اور شائع ہو چکی ہے جسے آج کل عموماً ''تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ'' کہا جاتا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ''محمد بن مروان السدی عن محمد ابن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ'' کی سند سے مروی ہے اور محدثین نے اس سند کو ''سلسلۃ الکذب'' (جھوٹ کا سلسلہ) قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم ❷ اس جملہ کا ترجمہ علامہ حریری مرحوم کی تاریخ تفسیر کے صفحہ ۸۲ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

حلال وحرام اور محکم ومتشابہہ کا سب سے زیادہ جاننے والا شمار کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابن مسعودؓ سے تفسیر میں حضرت علیؓ سے زیادہ روایات آئی ہیں۔'' امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ (خود) فرماتے ہیں ''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا بشرطیکہ اس جگہ تک اونٹنیاں جاسکتی ہوں۔'' [1]

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت بڑی تعداد میں تابعین نے روایت کی ہے۔

توضیح

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں کہ جن سے قرآن کریم کی بہت سی تفسیریں مروی ہیں۔ بلکہ ان کی مرویات حضرت علیؓ سے بھی زیادہ ہیں۔ مشہور تابعی مسروقؒ فرماتے ہیں: ''حضرت ابن مسعودؓ ہمارے سامنے ایک سورت پڑھتے اور دن کا پیشتر حصہ اس کی تفسیر میں اور اس کے بارے میں احادیث کے بیان کرنے میں صرف فرمادیتے تھے۔'' [2]

حضرت مسروقؒ کا ہی قول ہے کہ میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ کے علوم چھ آدمیوں میں جمع تھے۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے غور کیا تو ان چھ حضرات کے علوم دو حضرات کے درمیان منحصر پائے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (علوم القرآن صفحہ ۴۵۰-۴۶۰ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا نام ونسب' قبیلہ' لقب' رنگ وروپ قد وقامت' اسلام لانے' اسلام لانے میں کفار مشرکین مکہ کے ظلم وستم اور ان کے برداشت کرنے' نبی علیہ السلام کی صحبت میں ملازمت وخدمت' ہجرت حبشہ ومدینہ' قبلتین کی طرف نماز پڑھنے کی سعادت غزوات رسول اللہؐ کی رفاقت' فرعون امت رسول ابوجہل کے واصل جہنم کرنے' صحابہ کرامؓ نے آپؓ کے مناقب کے بیان کرنے' مبلغ علم' آپ علیہ السلام کا آپؓ سے قرآن سنانے کی خواہش فرمانے' اتباع وتاسی بالنبیؐ میں آپ کے اخلاق وآداب سے حد درجے مشابہت' دور فاروقی میں کوفہ کے عامل بننے کوفہ میں درس حدیث وتفہیم وفقہ' کوفہ کی قضاء اور آپ کے اجتہاد' تفسیر میں آپ کا مقام' آپ کی تفسیر روایات کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین از صفحہ ۸۲-۸۷)

---

[1] اس کا ترجمہ علامہ عثمانی کی علوم القرآن صفحہ ۴۵۹ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم) [2] تفسیر ابن جریرؒ صفحہ ۲۷ جلد ۱۔

من كنوز المعلومات

كم مرة ورد ذكر محمد ﷺ فى القرآن الكريم؟

ورد ذكر محمد ﷺ فى القرآن الكريم فى اربعة مواضع:

١۔ قال تعالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ قَدخَلَتْ مِنَ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

٢۔ قال تعالٰى: ﴿مَا كَان مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ٤٠)

٣۔ قال تعالٰى: ﴿وَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (محمد:٢)

٤۔ قال تعالٰى: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ٢٩)

من الصحابى الذى لا يرد الله له دعا؟

سعد بن ابى وقاص رضى اللّٰه عنه دعا له رسول اللّٰه ﷺ فقال: "اللهم استجب لسعد اذا دعاك" (اخرجه الترمذى ٣٧٥٢، الحاكم ٣/٤٩٩)

اكمل الحديث؟

قال رسول اللّٰه ﷺ من حفظ عشر آيات من اول سورة الكهف؟

"عصم من فتنة الدجال"۔ (اخرجه الامام احمد ٦؟٤٤٩٤، واخرجه ابوداود ٢١؟٤٣٣، وانظر السلسة الصحيحة للألبانى ٢/١٨٢)

معلومات کا خزانہ

سوال: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قرآن میں کتنی مرتبہ ذکر آیا ہے؟

جواب: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(وہ چار آیاتِ قرآنیہ مندرجہ ذیل ہیں)

١۔ قال تعالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ قَدِخَلَتْ مِنَ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

٢۔ قال تعالٰى: ﴿مَا كَان مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ٤٠)

٣۔ قال تعالٰى: ﴿وَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (محمد:٢)

٤۔ قال تعالٰى: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ٢٩)

سوال: وہ کونسے صحابیؓ تھے کہ جن کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہ فرماتے تھے؟

جواب: (وہ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ) دعا مانگی تھی ''اے اللہ! سعد کی دعا قبول کر جب (جب) بھی وہ تجھ سے دعا مانگیں''۔ (ترمذی:۳۷۵۲' حاکم ۳/۴۹۹)

اس حدیث کو مکمل کریں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سورۃ الکهف؟

جس نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات یاد کر لیں)

(حدیث کا اگلا جزیہ ہے)

عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

''وہ دجال کے فتنہ سے بچا دیا جائے گا۔''

اس کو امام احمد نے اخراج کیا ہے ۴/۴۴۴۹۔ ابوداؤد ۲۱/۴۳ (البانی کی صحاح بھی دیکھیں وہاں یہ حدیث ۲/۱۸۲ میں ہے)

☆☆☆

الفصل السابع

المفسرون من التابعين

إذا ذكر المفسرون من التابعين فإنهم يعتبرون كثرة كثيرة، ويعدون في العدد أكثر من الصحابة، ذلك لأن الذين اشتهروا بالتفسير من الصحابة لا يزيدون على عشرة- كما ذكر ذلك السيوطي في كتابه الإتقان- وقد تقدم معنا أسماؤهم، وذكرنا نبذة عن ترجمة مشاهيرهم، أما التابعون فقد كثر فيهم المفسرون، واشتهروا شهرة واسعة، و نبغ فيهم رجال أفذاذ، اعتنوا عناية كبيرة بتفسير كتاب الله تعالى، وعنهم نقل المفسرون معظم الآراء، وقد انقسموا إلى طبقات ثلاث:

١- طبقة أهل مكة.

٢- طبقة أهل المدينة.

٣- طبقة أهل العرق.

(ا) أما البطقة الألى

وهي طبقة أهل مكة، فقد أخذوا علومهم، من شيخ المفسرين، و ترجمان القرآن، سيدنا عبدالله بن عباس رضي الله عنه وأرضاه، وقد نقل السيوطي عن ابن تيميةؒ أنه قال: (أعلم الناس بالتفسير أهل مكة، لأنهم أصحاب عبدالله بن عباس). وقد اشتهر فيهم عدد كبير، وظهر فيهم رجال أفذاذ، على رأسهم (مجاهد، وعطاء، وعكرمة، وطاووس وسعيد بن جبير) وسنعرض بترجمة موجزة لحياة هؤلاء العلماء الاعلام.

ترجمہ: ساتویں فصل

مفسرین تابعین (کا بیان)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''جب مفسرین تابعینؒ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے وہ (ان کی) بہت زیادہ (تعداد) مراد لیتے ہیں۔ اور وہ ان کی تعداد صحابہ کرامؓ سے (بھی) زیادہ گنواتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ میں سے جو مفسرین مشہور ہوئے ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ نہیں ہے جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں یہ بات ذکر کی ہے۔ اور ہم نے ان کے نام پیچھے ذکر کر دیئے ہیں۔ اور ان میں چند مشہور کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ البتہ تابعین میں مفسرین بہت زیادہ

ہوئے۔ اور وہ بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ (علم تفسیر میں) باکمال ہوئے انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر پر نہایت توجہ دی۔ اور مفسرین (متاخرین) نے ان سے آراء (واقوال) کا ایک بہت بڑا حصہ نقل کیا ہے۔''

تابعین مفسرین تین طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔

(۱) طبقہ اہل مکہ۔

(۲) طبقہ اہل مدینہ۔

(۳) طبقہ اہل عراق۔

(۱) پہلا طبقہ (یعنی طبقہ اہل مکہ)

یہ اہل مکہ کا طبقہ ہے انہوں نے اپنے علوم کو شیخ المفسرین ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کیا۔ علامہ سیوطیؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے: اہل مکہ لوگوں میں سب سے زیادہ تفسیر کو جاننے والے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان میں سے (اس علم تفسیر میں) بہت سے لوگ مشہور ہوئے۔ اور ان میں (اس علم تفسیر میں لگنے والے) لوگوں کی ایک بڑی تعداد ظاہر ہوئی ان میں سر فہرست حضرت مجاہدؒ عطاؒ، عکرمہ، طاؤسؒ اور سعید بن جبیرؒ ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے مختلف مقامات پر قرآن کریم کے درس کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا ان کی تعلیم وتربیت سے تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جس نے علم تفسیر کو محفوظ رکھنے کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۶۱)

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ لکھتے ہیں۔ ''صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ عظام کا دور آیا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں متفرق ہو گئے، اور اپنے اپنے مقام پر قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ، کوفہ، مصر، یمن ان سب مقامات پر تعلیم قرآن وحدیث کی مستقل درس گاہیں قائم تھیں مدینہ ان سب میں مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم یہیں تشریف فرما تھے۔ اور مکہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما شام میں حضرت معاذ اور عبادہ بن صامت اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم، مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ علم وفضل کے جوہر لٹا رہے تھے۔ ان کی درسگاہ فیض وارشاد سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن پر اسلامی علوم وفنون کو رہتی دنیا تک ناز رہے گا۔

یہی تابعین کرامؒ ہیں کہ جو صحابہ کرامؓ کے علم کے صحیح وارث ہوئے۔ انہوں نے بکمال مشقت اور بغایت محنت وجستجو قرآن و

حدیث کا علم حاصل کیا اور اس میں مہارت تامہ پیدا کر کے اس کو محفوظ و مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔ (فہم قرآن صفحہ ۱۴۶)

مجاهد بن جبر

أما مجاهد: فقد ولد سنة ۲۱ وتوفى سنة ۱۰۳ هجرية' وهو مجاهد بن جبر و كنيته (أبو الحجاج) المكى كان من أشهر العلماء فى التفسير' قال عنه الذهبى: "شيخ القراء والمفسرين بلا مراء' أخذ التفسير عن ابن عباس."

وكان من أخص تلامذته' ومن أوثق من روى عنه' ولهذا يعتمد البخارى كثيرا على تفسيره كما يعتمد كثير من المفسرين على روايته' تنقل فى الأسفار' واستقر فى الكوفة وكان لا يسمع بأعجوبة إلا ذهب فنظر إليها.

تلقى مجاهد تفسير كتاب الله عن شيخه الجليل (ابن عباس) وقرأه عليه قراءة تفهم و تدبر' ووقوف عند كل آية من آيات القرآن' يسأله عن معناها' ويستفسره عن أسرارها' روى الفضيل بن ميمون عن مجاهد أنه قال:

عرضت القرآن على ابن عباس ثلاث عرضة' أقف عند كل آية منه أسأله عنها: فيما أنزلت؟ وكيف أنزلت؟

وهذا العرض من (مجاهد) رضى الله عنه على شيخه الجليل إنما كان طلباً لتفسيره ومعرفة أسراره و دقائقه' وتفهم حكمه وأحكامه' ولذا قال الإمام النوويؒ: إذا جاءك التفسير عن مجاهد فحسبك به. أى يكفى هذا التفسير ويغنى عن غيره من التفاسير إذا كان رواية الإمام مجاهد.

عطاء بن أبى رباح

وأما عطاء بن أبى رباح: فقد ولد سنة ۲۷ هجرية و توفى سنة ۱۱۴ هجرية نشأ بمكة وكان مفتى أهلها ومحدثهم' وهو تابعى من أجلاء الفقهاء' وكان ثبتا ثقة فى الرواية عن ابن عباس.

قال عنه الإمام الأعظم أبو حنيفةؒ النعمان: ما لقيت أحدا أفضل من عطاء بن أبى رباح.

وقال قتادة: أعلم التابعين أربعة: عطاء بن أبى رباح أعلمهم بالمناسك' وسعيد بن جبير أعلمهم بالتفسير...... الخ.

توفى رضى الله عنه بمكة ودفن فيها عن (۸۷) سبع و ثمانين سنة.

عكرمة مولى ابن عباس

وأما عكرمة: فقد ولد سنة ۲۵ هجرية وتوفى سنة ۱۰۵ هجرية قال عنه الإمام الشافعى رحمه الله:

ما بقى أحد أعلم بكتاب الله من عكرمة. وهو مولى ابن عباس رضي الله عنه، تلقى علمه على ابن عباس، وأخذ عنه القرآن والسنة، وكان رضي الله عنه يقول: لقد فسرت ما بين اللوحين وكل شئ أحدثكم في القرآن فهو عن ابن عباس جاء في تعريفه في كتاب الأعلام ما يلي:

"عكرمة بن عبدالله البربري المدني، أبو عبدالله، مولى عبدالله بن عباس تابعي، كان من أعلم الناس بالتفسير والمغازي، طاف البلدان، وروى عنه زهاء ثلاثمائة رجل، منهم أكثر من سبعين تابعياً وخرج إلى بلاد المغرب، فأخذ عن أهلها ثم عاد إلى المدينة المنورة، فطلبه أميرها فتغيب عنه حتى مات، وكانت وفاته بالمدينة هو والشاعر المشهور (كثّير عزة) في يوم واحد فقيل: مات أعلم الناس، وأشعر الناس.

ترجمہ: حضرت مجاہد بن جبرؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت مجاہدؒ ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳ ہجری میں وفات پائی۔

آپ کا پورا نام مجاہد بن جبر ہے آپ کی کنیت ابوالحجاج ہے اور آپ مکی تھے۔ اور آپ علم تفسیر کے مشہور عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے۔ "آپ بلا اختلاف (پوری امت کے نزدیک متفقہ طور پر) قراء اور مفسرین کے امام تھے۔ اور آپ نے تفسیر کا علم حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کیا۔" ❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں) آپ حضرت ابن عباسؓ کے خصوصی شاگرد اور ان سے روایت کرنے والے سب سے بااعتماد شاگرد تھے، اسی وجہ سے امام بخاریؒ ان کی تفسیر پر اعتماد کیا کرتے تھے جس طرح کہ اکثر مفسرین ان کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ (اکثر) اسفار میں رہتے اور (آخری زندگی میں) کوفہ جا کر (مستقل) سکونت اختیار کر لی۔ آپ جب بھی کوئی عجیب بات سنتے تو اس کو جا کر ضرور دیکھتے۔ آپ نے کتاب اللہ کی تفسیر اپنے شیخ جلیل حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کی۔ اور آپ ان کو سامنے فہم و تدبر کے ساتھ (درس حاصل کرتے اور) پڑھتے۔ اور اس آیت کریمہ کے اسرار (ومعانی) کو حضرت ابن عباسؓ سے پوچھتے۔

فضل بن میمون مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں "میں نے حضرت ابن عباسؓ کو تین مرتبہ قرآن سنایا اور ہر آیت سنا کر میں ٹھہر جاتا اور اس کے بارے میں یہ سوال کرتا کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ اور کیسے نازل ہوئی؟

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا اپنے شیخ جلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ قرآن سنانا بے شک قرآن کی تفسیر، اس کے اسرار (ورموز) اور دقائق کی معرفت، اور اس کی حکمتوں اور احکام کو سیکھنے (اور سمجھنے) کی طلب کے لئے ہوتا تھا۔ لہٰذا امام نوویؒ

---

❶ اس کی تفصیل "اعلام النبلاء" میں دیکھیں۔ صفحہ ۱۶۱ جلد ۶۔

فرماتے ہیں۔

''جب تمہیں حضرت مجاہدؒ کا تفسیری قول مل جائے تو تیرے لئے یہی کافی ہے۔''

(مولف کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یعنی تجھے وہ تفسیر ہی کافی ہے۔ اور تمہیں دوسری تفسیر کی ضرورت نہ پڑے گی جبکہ اس کا راوی امام مجاہدؒ ہو۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے خاص شاگرد تھے۔ جن سے انہوں نے تیس مرتبہ قرآن پاک کا دور کیا اور تین مرتبہ تفسیر پڑھی۔ ❶ قتادہؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''تفسیر کے جو علماء باقی رہ گئے مجاہدؒ ان میں سب سے بڑے عالم ہیں۔''

اور خصیفؒ کا قول ہے:

''مجاہدؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔'' ❷

کہا جاتا ہے کہ ان کی تفاسیر کا ایک مجموعہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے۔ ❸

حضرت مجاہدؒ اگرچہ تابعین کرامؒ میں سے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ بھی ان کی قدر کرتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ خود فرماتے ہیں۔

''میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی صحبت میں رہا اور میں ان کی خدمت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ میری خدمت کرتے تھے۔'' ❹

چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کی رکاب پکڑ کر فرمایا:

''کاش کہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع حافظہ میں تم جیسے ہو جائیں۔'' حضرت مجاہد کی وفات ۱۰۳ ہجری میں سجدہ کی حالت میں ہوئی۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۶۱-۴۶۲ بحوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر صفحہ ۲۲۴ جلد ۹)

ترجمہ: حضرت عطا بن ابی رباح

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت عطاء ۲۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۱۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ میں تربیت پائی اور وہ اہل مکہ کے مفتی اور ان کے محدث تھے۔ یہ اجل فقہاء تابعین میں سے تھے۔ اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں ثبت (یعنی پختہ) اور ثقہ (یعنی قابل اعتماد) تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ''میں عطاء بن ابی رباح سے افضل کسی آدمی سے نہیں ملا۔''

---

❶ تہذیب التہذیب صفحہ ۴۳ جلد ۱۔ ❷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۸۶ جلد ۱ ترجمہ ۸۳۔

❸ تاریخ التفسیر از عبدالصمد صارم صفحہ ۷۸۔ ❹ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم صفحہ ۲۸۵-۲۸۶ جلد ۳۔

قتادہؒ فرماتے ہیں:

''چار تابعین کا علم سب سے زیادہ تھا'' عطا بن ابی رباح' ان میں مناسک حج (کے مسائل) کے سب سے بڑے عالم تھے اور سعید بن جبیرؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے.........''

آپ کا انتقال مکۃ (المکرمہ) میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر ۸۷ سال تھی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''دور تابعین میں عطا نام کے چار بزرگ تھے۔ عطاء بن ابی رباح' عطاء بن یسار' عطاء ابن السائب' اور عطاء الخراسانی رحمہم اللہ علیہم۔ پہلے دو بزرگ باتفاق ثقہ ہیں اور دوسرے کے بارے میں کچھ کلام ہوا ہے۔ لیکن کتابوں میں جب صرف ''عطاء'' نام ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد عطاء ابن ابی رباحؒ ہی ہوتے ہیں۔ آپ کا پورا نام ابو محمد عطاء بن ابی رباح المکی القریشی ہے یہ ابن خثیم القریشی کے آزاد کردہ غلام (مولی) تھے۔ خلافت عثمانی کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت ابن عباس' حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ خاص طور پر علم فقہ میں مشہور تھے۔ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ❶ زہد و عبادت میں معروف تھے۔ محمد بن عبداللہ الدیباج کہتے ہیں ''میں نے کوئی مفتی ان سے بہتر نہیں دیکھا ان کی مجلس ذکر اللہ سے معمور رہتی تھی جس کا سلسلہ نہ ٹوٹتا اس دوران کوئی (فقہی) سوال کرتا تو اس کا بہترین جواب دیتے۔'' ❷ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۰-۴۷۱ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے ان کا پورا نام کنیت نسبت' ولادت' وفات حلیہ' جسمانی اعذار' آخری عمر میں لاحق ہونے والی اندھے پن کی بیماری' علم و فضل' آپ کے اساتذہ' ثقاہت' فقاہت' کثرت حدیث کی روایت' فتویٰ دینے' ان کے علم و فضل کے بارے میں صحابہ کرام کی شہادتیں' امام ابوحنیفہؒ کی تصدیق و شہادت' امام اوزاعیؒ سلمہ بن کہیلؒ اور ابن ہبانؒ وغیرہم کی آپ کی عظمت و جلالت کے بارے میں رائے' اصحاب ستہ کا آپ سے نقل و اخذ کرنا اور آپ کا علمی مقام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے (دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین از صفحہ ۱۱۰-۱۱۱)

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ مولی ابن عباسؓ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت عکرمہؒ کی ۲۵ ہجری میں ولادت ہوئی اور انہوں نے ۱۰۵ ہجری میں وفات پائی۔

ان کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص بھی حضرت عکرمہؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا نہ رہ گیا۔ ❸ وہ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد

---

❶ تہذیب الاسماء صفحہ ۳۳۳-۳۳۴ جلد ا ترجمہ نمبر ۱۰۹۔ ❷ تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ صفحہ ۹۲ جلد ا۔

❸ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے علوم القرآن صفحہ ۴۶۴ میں بعینہ یہی عبارت امام شعبیؒ سے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھیں علوم القرآن صفحہ ۴۶۴) اور علامہ حریری مرحوم نے بھی یہی قول امام شعبیؒ سے ہی نقل کیا ہے دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۰۹۔

کردہ غلام تھے۔ انہوں نے اپنا علم حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کیا۔ اور ان سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا۔
حضرت عکرمہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دوتختیوں ❶ کے درمیان کی تفسیر بیان کی اور میں تمہیں قرآن کے بارے میں جو کچھ بتلاؤں وہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔''
اعلام (النبلاء) کتاب میں ان کے بارے میں مندرجہ ذیل تعریفی کلمات آتے ہیں۔
''عکرمہ بن عبداللہ بربری (غلام) مدنی تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور تابعین میں سے تھے۔ اور وہ تفسیر ومغازی کے سب لوگوں میں سے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے (حصول علم کے لئے) بہت سے شہروں کے سفر کئے۔ ان سے تقریباً تین سو افراد نے روایت کی جن میں ستر سے زیادہ (خود) تابعین تھے۔ انہوں نے بلاد مغرب سفر اختیار کیا اور وہاں کے لوگوں سے علم حاصل کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ انہیں امیر مدینہ نے طلب کیا۔ چنانچہ مرتے دم تک (گوشہ نشین ہوکر) روپوش ہوگئے۔ مدینہ منورہ میں ان کی اور ایک مشہور شاعر ''کثیر عزۃ'' (نامی) نے ایک ہی دن میں وفات پائی تو لوگ کہنے لگے۔'' (آج) سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے شاعر کا انتقال ہوگیا۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:
''یہ عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بربری غلام تھے۔ حصین بن ابی الحر العنبری نے انہیں بطور ہدیہ حضرت ابن عباسؓ کو پیش کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے نہایت کوشش سے انہیں تعلیم دی۔ انہوں نے متعدد صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ اور ان سے روایات نقل کی ہیں۔ چالیس سال طلب علم میں گزارے ❷ اس غرض کے لئے مصر، عراق، شام اور افریقہ تک کے سفر کئے۔ ❸ (علوم القرآن صفحہ ۴۶۳-۴۶۴ ملخصاً)
حضرت عکرمہ پر کچھ اعتراضات بھی منقول ہیں مشہور مستشرق یہودی گولڈزیہر نے انہیں بھیانک بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے ان کے نہایت تسلی بخش اور متین جوابات دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں (علوم القرآن از صفحہ ۴۶۴-۴۶۹)

---

❶ دوتختیوں سے مراد قرآن پاک کی جلد ہے کہ جو دو اطراف سے ہوتی ہے یعنی اوپر اور نیچے کی جلد مراد ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر بیان کی۔ (مولف کتاب کے بیان کی توضیح ''نسیم'')

❷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۹۰ جلد ۱۔

❸ البدایہ والنہایہ ابن کثیر صفحہ ۲۴۰ جلد ۹۔

طاووس بن كيسان اليمانى

وأما طاووس

فقد ولد سنة ٣٣ هجرية و توفى سنة ١٠٦ هجرية: وهو (طاووس بن كيسان اليمانى) اشتهر بتفسير كتاب الله تعالى، وكان آية فى الحفظ والنبوغ والذكاء وآية فى الورع والتقشف والصلاح، أدرك من الصحابة نحو (٥٠) خمسين صحابياً وتلقى العلم عنه خلق كثير، وقد كان عابداً زاهدا، ورد أنه حج بيت الله الحرام أربعين مرة، وكان مستجاب الدعوة، قال فيه ابن عباس: إنى لأظن طاووسا من أهل الجنة.

جاء فى تعريفه فى كتاب الأعلام ما يلي

"طاووس بن كيسان الخلولانى الهمدانى، أبو عبدالرحمن، من أكابر التابعين تفقها فى الدين، ورواية للحديث، و تقشفا فى العيش، وجرأة على وعظ الخلفاء والملوك، أصله من الفرس، ومولده ومنشأه باليمن توفى حاجًا بالمزدلفة، وكان (هشام بن عبدالملك) حاجًا تلك السنة فصلى عليه وكان يأبى القرب من الملوك والأمراء، قال ابن عينية "متجنبو السلطان ثلاثة: أبو ذر، وطاووس، والثورى.

سعيد بن جبير

وأما سعيد بن جبير

فقد ولد سنة ٤٥ هجرية و توفى سنة ٩٤ هجرية، وهو من أكابر التابعين علما وورعا، وقد اشتهر بتفسير كتاب الله عزوجل وكان طودا شامخًا، وعلمًا لامعًا، تناقل علمه الرجال، وسرت بذكره الركبان وقد قال (سفيان الثورى) خذوا التفسير عن أربعة: عن سعيد بن جبير، ومجاهد، وعكرمة، والضحاك، وقال (قتادة) كان سعيد بن جبير أعلمهم بالتفسير.

كان آية فى الحفظ، يحفظ ما يسمع، وقد شهد له ابن عباس بالحفظ حتى قال له: "انظر كيف تحدث عنى فإنك قد حفظت عنى حديثا كثيرا.

وكان ابن عباس بعد أن فقد بصره إذا أتاه أهل الكوفة يسألونه قال: تسألونى وفيكم ابن أم دهماء، يعنى (سعيد بن جبير) رضى الله عنه.

وقد كان عابدًا زاهدًا، يختم القرآن فى كل ليلتين، وقد قرأ ذات مرة القرآن كله فى ركعة

واحدة فی الكعبة.

وجاء فی ترجمته فی الأعلام ما یلی: سعید بن جبیر الأسدی الكوفی' أبو عبدالله تابعی' كان أعلمهم علی الإطلاق' وهو حبشی الأصل' أخذ العلم عن ابن عباس وابن عمر' ولما خرج عبدالرحمن بن الأشعث علی عبدالملك بن مروان' كان سعید بن جبیر معه' فلما قتل عبدالرحمن ذهب سعید إلی مكة' فقبض علیه والیها (خالد القسری) وأرسله إلی الحجاج فقتله' وكان الحجاج یخاطبه (بشقی بن كسیر) بدل سعید بن جبیر.

قال أحمد بن حنبل: قتل الحجاج سعیدًا' وما علی وجه الأرض أحد إلا وهو مفتقر إلی عمله.

وروی أن الحجاج لما أراد قتله أمر الجلاد أن ینطلق به فیضرب عنقه' فقال له سعید: دعنی أصلی ركعتین' قال الحجاج ماذا یقول؟ قال: یرید الصلاة' فأبی إلا أن یصلی إلی المشرق- قبلة النصاری- ثم أمر أن تضرب عنقه ووجهه موجه إلی غیر القبلة' فأداروا وجهه فقال سعید عندئذ: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ ثم ضربت عنقه وهو یردد: لا إله إلا الله محمد رسول الله' وذهبت نفسه البریئة الطاهرة إلی ربها تشكو إلیه ظلم الحجاج' وجاد بأنفاسه فی سبیل عقیدته ودینه' رحمه الله وأسكنه فسیح جناته.

ترجمہ: حضرت طاؤس بن کیسا یمانی

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''آپ کی ولادت ۳۳ ہجری میں ہوئی اور آپؒ نے ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔ اور آپ (کا پورا نام) طاؤس بن کیسان الیمانی (ہے) اور آپ نے کتاب اللہ کی تفسیر میں (یکتائے روزگار ہونے میں) شہرت پائی۔ آپ حافظۂ کمال علم اور ذہانت (وذکاوت) میں (اللہ تعالیٰ کی ایک) نشانی تھے۔ اور (آپ) زہد و پرہیزگاری اور (تقویٰ و صلاح) میں (اپنی) مثال (آپ) تھے۔ آپ نے تقریباً ۵۰ صحابہ کرامؓ کی زیارت کی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔ اور آپ بڑے عابد وزاہد تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بیت اللہ الحرام کے چالیس حج کیے۔ آپ مستجاب الدعا تھے۔ حضرت ابن عباسؓ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔''

''مجھے یقین ہے کہ طاؤس جنتی ہیں۔''

حضرت طاؤسؒ کے بارے میں کتاب اعلام (النبلاء) میں مندرجہ ذیل تعریفی کلمات آئے ہیں:

''طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی ابوعبدالرحمٰن' دین میں تفقہ' روایت حدیث زاہدانہ (طریق)، حیات' بادشاہوں اور خلفاء کو (برملا) وعظ (ونصیحت) پر جراءت کرنے میں اکابر تابعین میں سے تھے۔ آپ ایرانی النسل تھے۔ یمن

میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے' مزدلفہ کے مقام پر حج کرتے ہوئے ان کا انتقال ہوا اس سال ہشام بن عبدالملکؒ بھی حج کرنے گیا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کا جنازہ پڑھا (یا آپ کا جنازہ پڑھایا) اور بادشاہوں اور امراء سے کنارہ کش رہتے تھے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ ''تین آدمی بادشاہوں سے دور رہتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ حضرت طاؤسؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ۔''

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کا پورا نام ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان الحمیری الجندی تھا۔ یہ یمن کے شہر جند کے باشندے تھے۔ یہ غلام تھے۔ انہوں نے عبادلہ اربعہؓ اور متعدد صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ سے ان کی مرسل روایات بھی ہیں۔ اپنے زمانے میں علم وفضل اور عبارت وزہد میں مشہور تھے۔ امام زہری نے فرمایا ''اگر تم طاؤس کو دیکھتے تو یقین کر لیتے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔''

عمرو بن دینار فرماتے ہیں:

''میں نے لوگوں کے مال کے بارے میں طاؤس سے زیادہ سیر چشم کسی کو نہیں دیکھا۔'' ❶

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

''ان کی جلالت قدر' ان کی فضیلت اور وفور علم' صلاح وتقویٰ قوت حافظہ اور احتیاط پر علماء کا اتفاق ہے۔ ❷ ۱۰۵ ہجری میں منیٰ یا مزدلفہ میں ان کا انتقال ہوا۔ جنازے میں ارکان حکومت سے لے کر علماء وصلحاء تک ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔ یہاں تک کہ ہجوم کی وجہ سے خلیفہ کو پولیس بھیجنی پڑی۔ حضرت عبداللہؓ بن الحسنؒ بن علیؓ بن ابی طالب نے مسلسل ان کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا۔ حتیٰ کہ ان کی ٹوپی گر گئی اور ان کی چادر پھٹ گئی۔ ❸

(علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۴۶۹-۴۷۰)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ

(مولف کتاب تحریر فرماتے ہیں)

''حضرت سعید بن جبیرؒ ۴۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۹۴ ہجری میں ہوئی۔ وہ علم (وفضل) اور (تقویٰ و ورع میں اکابر تابعین میں سے تھے۔ اور انہوں نے (خاص طور پر) کتاب اللہ کی تفسیر میں شہرت پائی آپ (تقویٰ وصلاح کے) بلند وبالا پہاڑ اور روشن علم (کے مالک) تھے لوگوں نے آپ کے علم کو نقل کیا۔ اور سوار آپ

---

❶ یہاں تک کے اقوال تہذیب التہذیب صفحہ ۹-۱۰ جلد ۵ سے ماخوذ ہیں۔

❷ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۵۱ جلد ۱ ترجمہ نمبر ۲۶۹۔

❸ حلیۃ الاولیاء صفحہ ۳ جلد ۴ ترجمہ نمبر ۲۴۹۔

کے (علم وفضل کے) چرچوں کو راتوں رات لے گئے (اور تمام عالم میں انہیں مشہور کر دیا۔) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:"

"علم تفسیر چار شخصوں سے سیکھو' حضرت سعید بن جبیر' حضرت عکرمہ' حضرت مجاہد' حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہم سے۔"

قتادہؒ فرماتے ہیں:

"(حضرت) سعید بن جبیرؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔" ❶

آپ بے مثال حافظہ کے مالک تھے۔ جو سن لیتے اس کو یاد کر لیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی ان کے (بے مثال) حافظہ کا اعتراف کیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ نے انہیں ارشاد فرمایا "دیکھو تم کیسے (بااعتماد طریقہ سے) میری طرف سے روایت کرتے ہو کیونکہ تم نے مجھ سے بہت سی احادیث یاد کی ہیں۔"

حضرت ابن عباسؓ کی بینائی چلے جانے کے بعد اگر اہل کوفہ میں سے کوئی آ کر ان سے (دین کے کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی سوال) پوچھتا تو فرماتے "تم مجھ سے دریافت کرتے ہو جبکہ تمہارے پاس ابن ام دہماء ہیں"

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان کی مراد حضرت سعید بن جبیرؒ ہوتے تھے۔

آپ بڑے عابد وزاہد تھے' دو راتوں میں (ساری ساری رات نفلیں پڑھ کر ان میں) قرآن ختم کر دیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے ایک مرتبہ کعبہ شریف میں ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھ دیا۔ (کتاب) اعلام (النبلاء) میں ان کے ترجمہ میں مندرجہ ذیل توصیفی) کلمات آتے ہیں۔

"حضرت سعید بن جبیر الاسدی الکوفی آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپ تابعی اور علی الاطلاق سب سے بڑے عالم تھے۔ حبشی الاصل (یعنی سیاہ فام) تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے علم حاصل کیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن الاشعث نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کیا تو وہ ان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جب عبدالرحمٰن قتل کر دیئے گئے تو حضرت سعیدؒ مکہ چلے گئے وہاں مکہ کے والی خالد القسری نے آپ کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حجاج نے آپ کو قتل کر دیا۔ اور حجاج آپ کو سعید بن جبیر کی بجائے شقی بن کسیر کہا کرتا تھا۔"

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"حجاج نے حضرت سعیدؒ کو اس وقت قتل کیا جب روئے زمین کا ہر آدمی ان کے عمل ❷ کا محتاج تھا۔"

---

❶ اعلام النبلاء جلد۳ صفحہ۳۲۲۔ ❷ علامہ حریریؒ نے اس موقعہ پہ تحریر فرمایا "سعید بن جبیر خدا سے جا ملے' سطح زمین سے کوئی شخص نہیں کہ جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو") تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ۱۰۴ "بحوالہ" تہذیب التھذیب جلد۴ صفحہ۱۱ بروایت عمرو بن میمون عن والدہ۔

بندہ کی ناقص رائے میں بھی متن کتاب میں مذکور لفظ "عملہ" دراصل "علمہ" ہے اور سیاق کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے البتہ ترجمہ میں متن کتاب کی رعایت کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ (نسیم)

روایت میں آتا ہے کہ ''جب حجاج نے حضرت سعید بن جبیرؒ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ تو جلاد کو حکم دیا کہ ان کو لے جا کر ان کی گردن ماردو۔ تو اس پر حضرت سعید نے حجاج کو (مخاطب کر کے) کہا ''مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دے۔'' حجاج نے کہا ''کیا کہہ رہے ہو؟ حضرت سعید نے جواب دیا ''نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ حجاج نے اجازت نہ دی مگر یہ شرط لگائی کہ نصاریٰ کے قبلہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں (تو نماز پڑھنے کی اجازت ہے) پھر ان کی گردن کو اس اس طرح مار دینے کا حکم دیا کہ ان کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ جلادوں نے ان کا منہ قبلہ سے پھیر دیا۔ اس پر حضرت سعید نے (قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر) کہا ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۱۵)

''سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔'' (تفسیر عثمانی)

پھر آپ کی گردن اس حال میں ماردی گئی کہ آپ **لا اله الا الله محمد الرسول الله.** پڑھ رہے تھے' آپ کی (ہر عیب سے) بری اور (ہر گناہ سے) پاک روح رب کی طرف حجاج کے ظلم کی شکایت کرتی ہوئی چلی گئی آپ نے اپنے دین اور عقیدہ کی خاطر اپنی جان کو قربان کر دیا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اور آپ کو اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے۔ [1]

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''آپ مشہور تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ کرامؓ اور اصحاب بدرؓ سے علم حاصل کیا۔ عبادت و زہد میں مشہور تھے۔ نماز میں کثرت سے رونے کی وجہ سے ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ [2] ان کو حجاج نے شہید کیا۔ ان کی شہادت کا واقعہ معروف ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خواہش پر ایک تفسیر بھی لکھی تھی کہ جو شاہی خزانہ میں محفوظ رہی۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۶۲-۴۶۳ ملخصاً)

علامہ حریری مرحوم نے آپ کے نام ونسب' اصل ونسل' حلیہ وقد وقامت' سیرت وکردار' علم واستفادہ' تلمذ صحابہ کرام' تفسیر میں آپ کا مقام' علم قراءت میں آپ کی دسترس تفسیر بالرائے سے اجتناب' ابن خلکان کے توصیفی کلمات' خصیف کا آپ کی عظمت وبرتری کا اقرار' حضرت ابن عباسؓ کا آپ پر اعتماد اور آپ کے علمی پائے کے بارے میں مختلف علماء کی رائے کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۰۳-۱۰۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنیؒ نے حکایات صحابہ باب ہفتم ''صحابہ کرامؓ کی دلیری اور بہادری اور موت کے شوق'' کے واقعات میں صفحہ ۹۵-۹۶ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کی شہادت کے قصے کو نہایت مفصل لکھا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۲) طبقة أهل المدينة

وقد أشتهر منهم عدد' على رأسهم (محمد بن كعب القرظي' وأبو العالية الرياحي' وزيد بن

---

[1] اس کے لئے دیکھیں طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۵۷۔ [2] حلیۃ الاولیاء صفحہ ۲۷۲ جلد ۴۔

أسلم) رضى الله عنهم جميعا.

ونحن نتحدث عن هؤلاء الثلاثة الذين اشتهروا بالتفسير من أهل المدينة المنورة والذين كان لهم أثر عظيم فى نقل علوم الصحابة، سواء كان ذلك فى الفقه او الحديث أو التفسير، وإن كان هناك غيرهم ممن اشتهروا من التابعين ولكن شهرة هولاء كانت اوسع، وأثرهم كان أظهر.

محمد بن كعب القرظى

جاء فى تهذيب التهذيب للعسقلانى فى ترجمته ما يلى:

(هو محمد بن كعب القرظى، أبو حمزة المدنى، من حلفاء الأوس، سكن الكوفة ثم المدينة، روى عن جمع غفير من الصحابة وخاصة عن على بن أبى طالب، و عبد الله بن مسعود:

قال ابن سعد: كان ثقة عالماً كثير الحديث، ورعًا صالحًا.

قال عون بن عبدالله: ما رأيت أحدا أعلم بتأويل القرآن منه.

ويذكر البخارى فى سبب تسميته بـ (القرظى) أن أباه كان ممن لم ينبت يوم قريظة فترك، وذلك أن النبىّ قتل الرجال من بنى قريظة حينما خانوا العهود وغدروا بالرسول، فأمر بقتل مقاتلتهم و ترك الأطفال والصبيان والنساء. وقد كان من أفاضل أهل المدينة علما وفقها، وكان يحدث فى المسجد فسقط عليه السقف وعلى أصحابه، فمات تحت الهدم، وكان ذلك سنة ١١٧ هجرى رضى الله عنه وأرضاه.

أبو العالية الرياحى

اسمه رفيع بن مهران، وكنيته أبو العالية، وهو مولى أمرأة من بنى رياح وهو تابعى ثقة من أهل البصرة، اشتهر بالفقه والتفسير، رأى أبا بكر و قرأ القرآن على (أبى بن كعب) وغيره، وسمع من عمر، وابن مسعود، وعلى و عائشة، وغيرهم.

روى عنه أنه قال: قرأت القرآن بعد وفاة نبيكم بعشر سنين. وكان منذ حداثة سنه راغباً فى العلم، مكباً على طلبه، حتى نبغ فيه وفاق الأقران وخاصة فى التفسير، وقد كان ابن عباسؓ يرفعه على سريره وقريش أسفل منه، و يقول: هكذا العلم يزيد الشريف شرفاً ويجلس المملوك على الأسرة، مات سنة ٩٣ هجرية عن عمر يناهز الثمانين رضى الله عنه وأرضاه.

زيد بن أسلم

هو زيد بن أسلم العدوى العمرى، يكنى (أبا أسامة) وهو فقيه محدث من أهل المدينة، كان مع

عمر بن عبد العزيز أيام خلافته‘ واستقدمه الوليد بن يزيد فی جماعة من فقهاء المدينة إلی دمشق مستفتيا فی أمر‘ وكان ثقة كثير الحديث له حلقة فی المسجد النبوی‘ وله كتاب فی التفسير رواه عنه ولده (عبدالرحمن) وقد كان رجلا مهيبا‘ قال ابن عجلان: ”ما هبت أحدا قط هيبتی لزيد بن أسلم“ وحدث ذات يوم بحديث ولم يسنده‘ فسأله رجل يا أبا أسامة عمن هذا؟ فقال: يا ابن أخی ما كنا نجالس السفهاء.

وكان له حلقة كبيرة فی المسجد النبوی الشريف‘ وكان (علی بن الحسين) يجلس إليه فيستمع له ويترك مجالس قومه‘ فقيل له فی ذلك: تترك مجالس قومك إلی عبد عمر بن الخطاب (حيث كان مولی لعمر) فقال علی: إنما يجلس الرجل إلی من ينفعه فی دينه‘ توفی رضی الله عنه بالمدينة المنورة سنة ۱۳۶ هجری.

ترجمہ: دوسرا طبقہ

طبقہ اہل مدینہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

”اس طبقہ کے بہت سے لوگ مشہور ہوئے ان میں سرفہرست حضرت محمد بن کعب القرظی‘ ابوالعالیہ الریاحی اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔“ ہم اہل مدینہ منورہ کے علم تفسیر میں مشہور ہونے والے ان تین اصحاب کا (کچھ) تذکرہ کریں گے۔ اور ان لوگوں کا صحابہ کرامؓ کے علوم کے نقل کرنے میں عظیم کردار ہے۔ چاہے (ان کی یہ خدمات) فقہ میں تھیں یا حدیث یا تفسیر میں۔

مدینہ منورہ میں ان تین اصحاب کے علاوہ اور بہت مشہور علماء بھی تھے۔ لیکن ان تین حضرات کی سیرت زیادہ تھی اور ان کا (کردار اور) اثر سب سے زیادہ ظاہر تھا۔

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ

علامہ عسقلانیؒ کی (کتاب) تہذیب التہذیب میں ان کے ترجمہ میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

”یہ محمد بن کعب قرظی (کنیت) ابوحمزہ‘ مدنی اور قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ (شروع شروع میں) کوفہ میں رہے پھر مدینہ (منتقل ہو گئے) صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد سے روایت کی خاص طور پر حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ابن سعد فرماتے ہیں۔“ محمد بن کعب قرظی ثقہ عالم‘ حدیث کو کثرت سے روایت کرنے والے متقی (و پرہیزگار) اور (تقویٰ و) صلاح والے تھے۔“

عون بن عبداللہ فرماتے ہیں:

''میں نے ان سے زیادہ قرآن کی تفسیر جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

امام بخاریؒ ان کے قرظی نام رکھے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''محمد بن کعب کے والد ان لوگوں میں سے تھے کہ جو غزوۂ بنوقریظہ کے دن بالغ نہ تھے۔ اس لئے انہیں (قتل نہ کیا گیا اور) چھوڑ دیا گیا (اور وہ بچ گئے) وہ یوں کہ جب بنوقریظہ نے عہد شکنی کی اور نبیؐ کے ساتھ غداری کی تو اس وقت نبیؐ نے بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے لڑائی کے قابل (یعنی بالغ اور جنگی تربیت یافتہ) مردوں کو قتل کرنے اور بہت چھوٹے بچوں نابالغ بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔''

آپ علم وفقہ میں اہل مدینہ کے فضلاء میں سے تھے۔ آپ مسجد میں درس حدیث دے رہے کہ مسجد کی چھت آپ اور آپ کے اصحاب پر آن گری پس آپ چھت گرنے سے نیچے آ کر وفات پا گئے۔ یہ ۱۱۷ ہجری کا واقعہ ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں۔

''آپ کا نام محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القرظی ہے آپ کی کنیت ابوحمزہ یا ابوعبداللہ ہے۔ آپ کے والد کو غزوۂ بنو قریظہ میں نابالغ ہونے کی وجہ سے امان دی گئی کہتے ہیں کہ آپ آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے عبادلہ ثلاثہؓ اور متعدد صحابہ کرام سے روایات نقل کی ہیں۔''

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ ان کے ثقہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۸-۴۷۹ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں:

''مدینہ کے مدرسہ تفسیر کی تشکیل و تاسیس حضرت ابی بن کعبؓ کے مرہون منت ہے۔ بکثرت صحابہ مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور دیگر بلاد و امصار اسلامی کی طرف نقل مکانی نہ کی۔ مدینہ میں اقامت پذیر رہ کر وہ اپنے اتباع و اصحاب کو قرآن کریم اور سنت رسولؐ کا درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں تفسیر کے ایک مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ اس مدرسہ میں اکثر تابعین نے مشاہیر صحابہؓ سے تفسیر کا درس لیا۔ ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابیؓ اس مدرسہ کے اولین موسس تھے۔ اور اکثر تابعینؒ نے آپؓ سے کسب فیض کیا۔''

اس مدرسہ کے تین بزرگ زیادہ مشہور ہوئے ان میں سے ایک محمد بن کعب القرظیؒ تھے۔ اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت محمد بن کعب قرظیؒ کے نام ونسب، کنیت ونسبت، اکابر صحابہ کرامؓ کے علوم سے کسب فیض، ان سے روایت، آپ کی ثقاہت و عدالت، تفسیر وحدیث میں شہرت اور علماء کرام کی آپ کے بارے میں گراں قدر آراء اور چھت گرنے سے آپ کی اور آپ کے رفقاء کی ناگہانی موت کے دالخراش واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔ دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین از صفحہ ۱۱۱-۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوالعالیہ الریاحیؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''آپ کا نام رفیع بن مہران' کنیت ابوالعالیہ ہے۔ اور آپ بنی ریاح کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے' آپ اہل بصرہ کے ثقہ تابعین میں سے تھے۔ فقہ اور تفسیر میں (بطور خاص) شہرت پائی۔ حضرت ابوبکرؓ کی زیارت کی اور حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کو قرآن سنایا۔ اور حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔''

آپ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے نبیؐ کی وفات کے بعد دس سال میں قرآن پڑھا۔'' اور اس کے حصول میں منہمک رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نوعمری سے ہی علم (قرآن وحدیث) کی طرف مائل اور (قرآن وحدیث کے) علم میں اور خاص طور پر علم تفسیر میں (اپنے) معاصرین کے ہم پلہ ہوگئے۔ اور حضرت ابن عباسؓ انہیں (اپنے ساتھ) اپنے تخت پر (یا چارپائی پر کہ جس پر بیٹھ کر وہ درس قرآن وحدیث دیا کرتے تھے) بٹھلاتے تھے۔ جبکہ قریشی (نوجوان علماء) ان سے نیچے (بیٹھے) ہوتے تھے۔ اور فرماتے: ''علم اسی طرح شرف والوں کے شرف کو بڑھاتا ہے اور غلاموں کو تختوں پر جلوہ افروز کرتا ہے آپ نے ۹۳ ہجری میں وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۸۰ سال کے قریب تھی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

''ان کا پورا نام ابوالعالیہ رفیع (بروزن زبیر) بن مہران الریاحی ہے یہ بصرہ کے باشندے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے دو سال بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات کی ہے۔ اور متعدد صحابہ کرام سے کسب فیض علم کیا ہے اور روایت کی ہے۔ قرآن کریم کے بہترین قاری تھے۔''❶

ان کے ثقہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور ۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ ❷ ماوراء النہر کے علاقے میں سب سے پہلے اذان دینے والے یہی تھے۔ ❸ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۵-۴۷۶ ملخصاً)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ زید بن اسلم العدوی العمری ہیں ان کی کنیت ابواسامہ ہے۔ یہ اہل مدینہ کے (مشہور) فقیہ اور محدث ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ولید بن یزید نے کسی بارے میں فتویٰ لینے

❶ تہذیب الاسماء جلد۲ صفحہ ۲۵۱۔ ❷ تہذیب التہذیب جلد۳ صفحہ ۲۸۴۔ ❸ حلیۃ الاولیاء جلد۲ صفحہ ۲۲۱۔

کے لئے فقہاء مدینہ کی جماعت میں سے ان کو دمشق طلب کیا یہ ثقہ اور حدیث کو کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔'' مسجد نبوی میں آپ (کے درسِ حدیث وقرآن وفقہ وتفسیر) کا ایک حلقہ (لگتا) تھا آپ نے تفسیر میں ایک کتاب بھی لکھی آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن آپ سے اس کو روایت کرتے تھے۔آپ بڑے (رعب اور) ہیبت والے شخص تھے۔

ابن عجلان کہتے ہیں:

''میں جتنا زید بن اسلم سے ڈرتا تھا اتنا کبھی کسی سے نہیں ڈرا۔''

ایک دن آپ نے ایک حدیث بیان کی اور اس کی سند نہ بیان کی۔تو اس پر ایک نے پوچھ لیا اے ابواسامہ! یہ (حدیث) کس سے مروی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا' اے میرے بھتیجے ہم بیوقوفوں کے پاس نہ بیٹھا کرتے تھے۔

مسجد نبوی شریف میں آپ کا بہت بڑا حلقہ (درس) ہوتا تھا۔حضرت علی بن حسینؒ ان کے حلقہ میں تشریف فرما ہوا کرتے اور ان کا درس سنا کرتے تھے۔اور انہوں نے دوسروں کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔تو اس پر کسی نے ان سے بارے میں (یہ) پوچھا کہ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں کی مجلسوں کو حضرت عمر بن خطاب کے ایک غلام کی خاطر چھوڑ دیا (کیونکہ وہ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام تھے) حضرت علی نے جواب دیا:'' بے شک آدمی اسی کی مجلس میں بیٹھتا ہے کہ جو اس کو دین کا فائدہ دے۔آپ نے مدینہ منورہ میں ۱۳۶ ہجری میں وفات پائی۔ ❶

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''ان کا پورا نام ابوعبداللہ زید بن اسلم العمری متوفی ۱۳۶ ہجری ہے یہ مدینہ طیبہ کے باشندے ہیں۔اور حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔انہوں نے متعدد صحابہ کرام سے روایات نقل کی ہیں۔یہ علم تفسیر کے برے عالم تھے۔اور باتفاق ثقہ تھے۔ان کی مقبولیت کے بارے میں ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد کبھی مجھے اپنے کسی شاگرد کے پاس بھیجتے تو وہ میرے سر پر بوسہ دے کر فرماتے۔'' خدا کی قسم تمہارے والد ہمیں اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔اور اگر ہمیں یہ خبر دی جائے کہ یا ہمارے اہل وعیال کو موت آئے گی یا زید بن اسلم کو اور ہمیں یہ اختیار دیا جائے کہ جس کی موت کو چاہیں اختیار کرلیں تو ہماری خواہش یہ ہوگی کہ زید بن اسلم زندہ رہیں۔ ❷

حضرت ابوحازمؒ فرماتے ہیں ہیں کہ ہم زید بن اسلمؒ کی مجلس میں چالیس فقہاء کے ساتھ رہتے تھے ہم سب کی ادنیٰ خصلت یہ تھی کہ اپنی املاک سے ایک دوسرے کی غم خواری کرتے تھے۔اور اس مجلس میں مجھے کبھی دو آدمی بھی ایسے نظر نہیں آئے کہ جو کسی بے فائدہ گفتگو پر بحث یا جھگڑا کر رہے ہوں۔ ❸

---

❶ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ جلد ا صفحہ ۱۲۲۔ ❷ تہذیب التہذیب مع حاشیہ صفحہ ۳۹۵-۳۹۶ جلد ۳۔

❸ تہذیب الاسماء جلد ا صفحہ ۲۰۰

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سفیان بن عیینہؒ اِن دو حضرات کے علاوہ کسی اور کی ان کے بارے میں جرح میری نگاہ سے نہیں گزری۔ (علوم القرآن ص ۴۷۴۔۴۷۵ ملخصاً)

(۳) طبقة أهل العراق

وقد أشتهر منهم عدد و على رأسهم (الحسن البصرى، ومسروق بن الأجدع، وقتادة ابن دعامة، وعطاء بن أبى مسلم الخراسانى، ومرة الهمذانى)

ونحن نتحدث عن ترجمة هؤلاء الأعلام بشئ من الإيجاز فنقول ومن الله نستمد العون.

الحسن البصرى

هو الحسن بن يسار البصرى، إمام أهل البصرة، وحبر الأمة فى زمانه، يكنى (أبا سعيد) وهو أحد العلماء، والفصحاء، والشجعان، والنساك، ولد بالمدينة المنورة، وشب فى كنف (على بن أبى طالب) واستكتبه الربيع بن زياد والى خراسان فى عهد معاوية فسكن البصرة، وعظمت هيبته فى القلوب، فكان يدخل على الولاة فيأمر هم وينهاهم، لا يخاف فى الحق لومة لائم، رأى مائة وعشرين صحابياً، وكان من أفصح أهل البصرة وأعبدهم وأفقهم.

قال الغزالى: كان الحسن البصرى أشبه الناس كلامًا بكلام الانبياء، وأقربهم هديا من الصحابة، وكان فى غاية من الفصاحة، تتصبب الحكمة من فيه.

قال أيوب: ما رأت عيناى رجلا قط كان أفقه من الحسن البصرى، كان يعيى الحكمة وينطق بها، وكان إذا أبكى الحاضرين، كأنما كان فى الآخرة ثم جاء منها فهو يحبر عمّا رأى و عايَن ولهذا فقد اشتهر بالو عظ وكان رقيق القلب فصيح اللسان. وكان يحدث بالأحاديث النبوية فإذا حدث عن (على بن أبى طالب) لم يذكره خشية من بطش الحجاج، قال يونس بن عبيد: سألت الحسن قلت: يا أبا سعيد، إنك تقول قال رسول الله وإنك لم تدركه؟ قال يا ابن أخى: لقد سألتنى عن شئ ما سألنى عنه أحد قبلك، ولولا منزلتك منى ما أخبرتك، إنى فى زمان كما ترى. وكان فى عمل الحجاج-- كل شئ سمعتنى أقول قال رسول الله فهو عن على بن أبى طالب، غير أنى فى زمان لا أستطيع أن أذكر عليا.

ولما وليى عمر بن عبدالعزيز الخلافة كتب إليه: إنى قد ابتليت بهذا الأمر، فانظر لى أعوانا يعينونى عليه، فأجابه الحسن: أما أبناء الدنيا فلا تريدهم، وأما أبناء الآخرة فلا يريد ونك فاستعن بالله عن أمرك.

توفی بالبصرة سنة ١١٠ هجرية و دفن فيها رحمه الله واسعة.

مسروق بن الأجدع

مسروق بن الأجدع الهمداني، كوفي تابعي ثقة، من أصحاب ابن مسعود الذين نقلوا لنا هدى الرسولﷺ.

وهو عابد فقيه يكنى (أبا عائشة) وقد اشتهر بالتفسير، ورواية الحديث كان أبوه أفرس فارس باليمن، وكان خاله (عمر بن معدى كرب) وقد تولى القضاء، فلم يكن يأخذ على القضاء رزقًا، وكان قانعًا زاهدًا راضيا بما قسم الله، مع أنه كان صاحب عيال، جاء ته أمرأته يوما فقالت: يا أبا عائشة: إنه ما أصبح اليوم لعيالك رزق، فتبسم ثم قال: والله ليأ تينهم الله برزق، فرزقه الله رزقًا واسعاً.

روى عنه أنه لقى (عمر بن الخطاب) فسأله ما اسمك؟ قال: مسروق بن الأجدع، فقال له عمر: الأجدع شيطان، أنت مسروق بن عبدالرحمن فكان بعد ذلك يقول: أنا مسروق بن عبدالرحمن.

قال علی بن المدینی شیخ البخاری: ما أقدم علی مسروق من أصحاب عبدالله بن مسعود أحدًا صلی خلف أبی بکر، ولقی عمر و عثمان.

شهد القادسية مع أخوته الثلاثة، فقتلوا يومئذ بالقادسية، وجرح مسروق فشلت يده، وله طريقة لطيفة في النصح والوعظ، خرج يومًا ومعه بعض تلامذته فارتقى بهم على كناسة في الكوفة فقال: الاريكم الدنيا؟ هذه هي الدنيا اكلوها فأفنوها، لبسوها فأبلوها، ركبوها فأنضوها، سفكوا فيها دماء هم، واستحلوا فيها محارمهم، وقطعوا فيها أرحامهم.

سئل يوما عن بيت شعر فقال: أكره أن أرى في صحيفتي شعرا.

ترجمہ: (۳) طبقہ اہل عراق

(مولف کتا فرماتے ہیں)

''اہل عراق میں سے بہت سے لوگ (علم تفسیر میں) مشہور ہوئے، ان میں سرفہرست حضرت حسن بصری، حضرت مسروق بن الاجدع، حضرت قتادہ بن دعامہ حضرت عطا بن ابی مسلم الخراسانی اور حضرت مرہ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔'' ہم ان سب بزرگوں کا ترجمہ ذرا اختصار سے بیان کریں گے۔ چنانچہ ہم اللہ سے مدد چاہتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ

آپ کا نام حسن بن یسار البصر ی ہے۔ آپ اہل بصرہ کے امام اور اپنے زمانہ کے امت میں زبردست عالم تھے۔ (اور ''حبر الامت'' کے لقب سے مشہور تھے) آپ کی کنیت ابوسعید ہے' آپ ایک (علوم دینیہ کے ماہر) عالم' (بڑے) فصیح (وبلیغ' نہایت) بہادر اور (عابد) زاہد (درویش منش بزرگ) تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کی تربیت میں جوان ہوئے۔

خراسان کے والی ربیع بن زیاد نے انہیں حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں (اپنا) کاتب مقرر کیا۔ (یا انہیں منشی بنایا) چنانچہ انہوں نے بصرہ کی سکونت اختیار کرلی۔ اور (لوگوں کے) دلوں میں ان کی ہیبت (اور رعب) بیٹھ گیا۔ وہ امراء کے پاس جاتے اور انہیں امر (بالمعروف) اور نہی (عن المنکر) کرتے تھے۔ وہ حق کے بیان کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۲۰ صحابہ کرامؓ کی زیارت کی اور وہ اہل بصرہ کے سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ واعظ وخطیب) اور سب سے بڑے عبادت گزار اور سب سے زیادہ فقیہ تھے۔

(امام) غزالیؒ فرماتے ہیں:

''حسن بصری (اپنے) کلام میں انبیاء کے کلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے انسان تھے۔ اور صحابہ کرام کی سیرت (وکردار) سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ وہ نہایت فصیح (وبلیغ) تھے اور آپ کے منہ سے حکمت (کی باتیں موتیوں کی طرح) جھڑتیں تھیں۔''

ایوبؒ فرماتے ہیں:

''میری آنکھوں نے حسن بصری سے زیادہ فقیہ انسان کبھی نہیں دیکھا۔ وہ حکمت کو عاجز کر دیتے تھے (یعنی نہایت حکمت ودانائی کی باتیں کرنے والے تھے) وہ حکمت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور جب وہ وعظ کرتے تو حاضرین کو رلا دیتے تھے۔ گویا کہ وہ (عالم) آخرت میں تھے پھر وہاں سے آئے اور جو کچھ دیکھا اور (اس کا) مشاہدہ (اب) وہ بتلا رہے ہیں۔ وہ بڑے رقیق القلب اور فصیح زبان والے تھے۔ وہ احادیث نبویہ (کثرت سے) بیان کیا کرتے تھے۔ اور جب وہ حضرت علیؓ کے واسطے سے کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو حجاج کی پکڑ کے خوف سے ان کا نام (سند میں) نہ لیا کرتے تھے۔''

یونس بن عبید کہتے ہیں:

''میں نے حضرت حسنؒ سے پوچھا کہ اے ابوسعید! تم کہتے ہو ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جبکہ تم نے ان کا زمانہ نہیں پایا'' انہوں نے جواب دیا ''اے میرے بھتیجے! تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے کہ جو تم سے پہلے مجھ سے اس بارے میں کسی نے نہیں پوچھی اور اگر تمہارا میری نگاہوں میں کوئی مقام نہ ہوتا میں تمہیں نہ بتلاتا۔ (تو سنو اس کا جواب یہ ہے) میں جس دور میں ہوں وہ تم دیکھ ہی رہے ہو اور وہ حجاج کی عملداری کا زمانہ تھا۔ ''جس چیز کے

بارے میں بھی تم مجھے یہ کہتے سنو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو وہ حضرت علی سے روایت ہے۔''
مگر بات یہ کہ میں ایسے زمانے میں ہوں کہ حضرت علیؓ کا نام نہیں لے سکتا۔ ❶

جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت سونپی گئی تو انہوں نے حضرت حسنؒ کو لکھ بھیجا ''میں اس امر میں مبتلا کر دیا گیا (اور مجھے خلافت سپرد کر دی گئی ہے) آپ میرے لئے ایسے اعوان (وانصار) تلاش کریں کہ جو اس امر میں میری مدد کریں' اس پر حضرت حسنؒ نے انہیں جواب (لکھ) بھیجا ''جو تو رہے دنیا دار انہیں آپ نہیں چاہتے' رہے آخرت کے طلب گار تو وہ آپ کو نہیں چاہتے' پس آپ اپنے اس معاملہ کے بارے میں اللہ (ہی) سے مدد چاہیں۔''

آپ کا انتقال ۱۱۰ ہجری میں بصرہ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (رحمہ اللہ ورحمۃ واسعۃ)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ:

''آپ بھی حضرت زید بن ثابت یا بقول بعض جمیل بن قطبہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی والدہ خیرہؓ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ چنانچہ کبھی کبھی آپ نے حضرت ام سلمہؓ کا دودھ بھی پیا تھا۔ آپ کی ولادت حضرت عمرؓ کی شہادت سے دو سال قبل ہوئی تھی۔ متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان سے کسب علم کیا۔ آپ کی جلالت قدر مسلم ہے آپ کی عبادت وزید اور پر حکمت ملفوظات مشہور ہیں۔ اس کے ساتھ ہی نہایت بہادر اور مجاہد تھے۔ متعدد جنگوں میں شریک رہے۔'' ❷

آپ سے مرسل روایات بھی مروی ہیں۔ ان کی مرسل روایات کے قبول میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام ابن المدینی فرماتے ہیں۔

''حسن کی مرسلات اگر ثقہ راویوں سے مروی ہوں تو وہ صحیح ہیں اور بہت کم ساقط الاعتبار ہیں۔''

امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: ''وہ تمام روایات کہ جو حسنؒ نے'' قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر روایت کیں میں نے چار کے سوا وہ تمام ثابت پائیں۔

امام احمدؒ نے ان کی اور حضرت عطاءؒ کی مراسیل کو سب سے کمزور کہا ہے۔ ❸ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۷ ملخصاً).

علامہ حریری مرحوم عراق کے مکتب تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مرہون منت ہے۔ آپ کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ عراق میں سکونت پذیر تھے کہ جن سے اہل عراق نے درس تفسیر لیا۔ مگر اس کے اولین استاذ حضرت ابن مسعودؓ ہی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی شہرت اور مرویات کی کثرت تھی۔ نیز اس لئے بھی کہ جب حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی بنایا تو حضرت ابن مسعودؓ کو ان کے ہمراہ معلم اور وزیر بنا کر

❶ اس کے لئے دیکھیں تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۹۶۔ ❷ تہذیب الاسماء صفحہ ۱۶۱ جلد ۱ ترجمہ نمبر ۱۲۲
❸ تہذیب التہذیب ص ۲۰۲ ج ۳ ترجمہ عطاء بن ابی رباح (ابن المدینیؒ اور ابوزرعہؒ کے اقوال)

روانہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ آپ کی صحبت دوسروں کی نسبت زیادہ اختیار کرتے اور آپؓ سے زیادہ استفادہ کرنے لگے۔

اہل عراق کو عموماً اہل الرائے کہا جاتا ہے اور ابن مسعودؓ پہلے شخص تھے کہ جنہوں نے اس کی طرح ڈالی۔ باقی علماء نے بھی آپ کی اقتداء کی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی تفسیر رائے واجتہاد کی اساس پر شروع ہوئی۔

عراقی مکتب فکر کے ساختہ پرداختہ لوگوں میں مندرجہ ذیل نے بہت شہرت حاصل کی۔

علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ ہمدانی، عامر شعبی، حسن بصری، قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہم۔

اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت حسن بصری کا نام، کنیت، والدہ کا نام اور ان کے آزاد کرنے والوں کے نام ولادت، فصاحت وبلاغت، زہد وعبادت، یکتائے روزگار خطابت، متعدد صحابہ کرامؓ سے کسب فیض علم، قرآن وحدیث کے علوم میں آپ کا مقام، حلال وحرام کے حکام میں آپ کی اعلیٰ درجہ کی بصیرت اور آخر میں ان کے علم وفضل اور فقاہت وثقاہت پر متعدد علماء کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۱۴ اور ۱۱۹)

ترجمہ: حضرت مسروق بن الاجدعؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''مسروق بن الاجدع ہمدانی کوفی تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ان بااعتماد اصحاب میں سے ہیں کہ جنہوں نے ہم تک سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کیا۔ یہ بڑے عابد اور فقیہ تھے۔ ان کی کنیت ابوعائشہ ہے۔ تفسیر اور روایت حدیث میں (خاص طور پر) شہرت پائی آپ کے والد یمن کے مشہور بہادروں میں سے تھے۔ اور عمرو بن معدیکرب (مشہور جنگجو بہادر) ان کے ماموں تھے۔ آپ کو عہدہ قضا بھی سونپا گیا۔ لیکن آپ عہدہ قضاء کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ اور آپ (بڑے) قناعت شعار، عبادت گزار (اور دنیا سے بے رغبت) اور اللہ کے دیئے پر صابر (وشاکر) رہنے والے تھے باوجود کہ آپ کا ایک (بڑا) کنبہ بھی تھا۔''

ایک روز آپ کی اہلیہ نے آپ کے پاس آ کر کہا: ''اے ابوعائشہ! آج آپ کے گھر والوں کے لئے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔'' اس پر آپ مسکرائے اور جواب دیا ''خدا کی قسم! اللہ ہمیں ضرور (کہیں نہ کہیں سے) رزق بھیجے گا۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی روزی دی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ کی حضرت عمر بن خطابؓ سے ملاقات ہوئی حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا ''تیرا کیا نام ہے؟'' آپ نے جواب دیا ''مسروق بن الاجدع'' تو اس پر حضرت عمرؓ نے آپ سے ارشاد فرمایا ''اجدع'' (تو) شیطان (کا نام) ہے (آج کے بعد) آپ مسروق بن عبدالرحمٰن ہیں۔'' پس آپ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مسروق بن عبدالرحمٰن'' ہوں۔

امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:
''میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگردوں میں سے کسی کو حضرت مسروق پر ترجیح نہیں دیتا۔'' انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی زیارت کی۔''
حضرت مسروقؒ قادسیہ کی جنگ میں اپنے تین بھائیوں سمیت شریک ہوئے۔ وہ تینوں بھائی تو اس جنگ قادسیہ میں شہید ہوگئے اور حضرت مسروقؒ زخمی ہوئے چنانچہ آپ کا ایک ہاتھ شل ہوگیا تھا۔
آپ کے وعظ ونصیحت کا طریقہ نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ ایک دن آپ اپنے چند شاگردوں کے ساتھ (کہیں جانے کے لئے) نکلے۔ آپ ان سب کو کوفہ کی کوڑی کے اوپر لے گئے۔ اور فرمایا:
''کیا میں تمہیں دنیا نہ دکھلاؤں؟'' یہی دنیا ہے۔ لوگوں نے دنیا کو کھایا اور اس کو فنا کردیا اور اس کو پہنا اور پرانا کردیا' اس پر سوار ہوئے اور اس کو (چلا چلا کر) تھکا کر دبلا پتلا کردیا اس دنیا میں لوگوں نے ایک دوسرے کے خون بہائے' اپنے محارم کو حلال کیا۔ اور اس میں اپنے قرابت داری کے رشتے توڑے۔'' [1]
ان سے ایک دن کسی نے ایک شعر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا'' مجھے اپنے نامہ اعمال میں شعر لکھا ہوا دیکھنا پسند نہیں۔''

توضیح

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں:
''حضرت مسروقؒ نے خلفا راشدین اور متعدد صحابہ کرامؓ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے سب سے بڑے عالم زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے۔ کوفہ کے مشہور قاضی شریح مشکل مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔''
امام شعبیؒ نے فرمایا:
''میں نے مسروق سے بڑھ کر علم کا شائق نہیں دیکھا۔''
انہوں نے تفسیر قرآن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کس قدر استفادہ کیا وہ خود فرماتے ہیں:
''ابن مسعودؓ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سناتے پھر دن بھر اس کی تفسیر کرتے رہتے۔''
آپ کی عدالت وثقاہت پر علماء جرح وتعدیل کا اتفاق ہے۔ محدث ابن معینؒ فرماتے ہیں:
''مسروق جیسے شخص کی عدالت کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''
ابن سعدؒ فرماتے ہیں:
''مسروق ثقہ تھے اور انہوں نے ''احادیث صالحہ'' روایت کی ہیں۔''

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۸۲۔

مشہور محدث شعبہؒ نے ابو اسحٰقؒ کا قول نقل کیا ہے:
''مسروق حج کو گئے تو ان کی یہ کیفیت تھی کہ سوتے بھی سجدہ میں تھے۔'' (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ ملخصاً)

قتاده بن دعامة

وأما قتادة: فهو أبو الخطاب السدوسي البصري، ولد في البصرة، سنة ٦١ و توفي سنة ١١٧ هجرية ومات و عمره ٥٥ سنة. روى عن أنس بن مالك و سعيد بن المسيب، وجمع من الصحابة، وكان قوي الحفظ، شديد الذكاء، يروى عنه أنه قال: ما قلت لمحدث قط أعد علي، وما سمعت أذناي شيئا إلا وعاه قلبي.

ويروى أنه دخل علي (سعيد بن المسيب) فجعل يسأله أياما، وأكثر عليه من السؤال، فقال له سعيد: أكل ما سألتني عنه تحفظه؟ قال: نعم فتعجب منه، فقال له قتادة: سألتك عن كذا، فقلت فيه كذا، وسألتك عن كذا، فقلت فيه كذا، حتى أورد عليه جميع ما سمعه منه، فقال له سعيد: ما كنت أظن أن الله خلق مثلك، و قال عنه مرة: ما أتاني عراقي أحسن من قتادة و قرئت عليه مرة صحيفة جابر فحفظها.

وقد كان ضريرا فاقد البصر، حيث ولد وهو أعمى: ولكنه كان آية في الحفظ و النبوغ والذكاء، وكان أحمد بن حنبل يطنب في ذكره والثناء عليه، و ينشر من علمه و فقهه، وكان إماما في التفسير والفقه ولكنه أخذ عليه أنه كان يأخذ عن كل أحد، حتى قال فيه الشعبي: قتادة حاطب ليل.

توفي رضي الله عنه بالبصرة و دفن بها، وعمره خمس و خمسون سنة، ولما مات بكى عليه أهل البصرة.

عطاء الخراساني

قال الحافظ الأصبهاني: كان مولده سنة ٥٠ ووفاته سنة ١٣٥ هجريّة. وهو عطاء ابن أبي مسلم الخراساني، يكنى (أبا عثمان) وكان ثقة صدوقا، عابداً زاهداً كثير العبادة والتبتل، كان يحيي الليل تهجداً وصلاة.

روى عبدالرحمن بن يزيد أنه كان يحيي الليل صلاة، فإذا ذهب من الليل ثلثه، أو نصفه نادانا يا فلان ويا فلان، قوموا فتوضأوا وصلوا، فإن قيام الليل وصيام النهار أيسر من شراب الصديد.

وكان يحب نشر العلم، فإذا لم يجد أحدا من تلامذته يحدثه ذهب إلى المساكين فحدثهم،

خوفا من الوعيد لكاتم العلم.

وقد اشتهر بالفقه والحديث والتفسير، وكان على غاية من الزهد والورع، رحمه الله تعالى.

مرة الهمدانى

هو مرة بن شراحيل الهمدانى، أدرك عددا من الصحابة غير قليل، ويكنى (أبا إسماعيل) وهو المعروف بمرة الطيب، ومرة الخير، لقب بذلك لعبادته، كان عابداً ورعا، و زاهدا صالحاً، قال العجلى: كان يصلى فى اليوم والليلة خمسمائة ركعة، وهو تابعى ثقة توفى سنة ٧٦ هجرية رحمه الله تعالى رحمة واسعة وأسكنه فسيح جناته.

هؤلاء هم أعلام المفسرين من التابعين، استمدوا علومهم وقبسوا معارفهم من الصحابة الكرام رضوان اله عليهم أجمعين.

وعنهم أخذ تابعو التابعين، ومن بعدهم من العلماء العاملين، وهكذا حفظ دين الله، وكتابه، وشريعته، وعلومه و معارفه، سليمة كاملة، عن طريق التلقى والتلقين، جيلا عن جيل، مصداقا لقول الله سبحانه وتعالى: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَوَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾

ولقد صدق الرسول الكريم فيما نبأ عنه وأخبر حيث قال:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغافلين، وانتحال المبطلين، وتأويل الجاهلين.

وهكذا حفظ الله كتابه بحفظ هؤلاء الرجال الأعلام. والثقات الأفاضل، الذين كرسوا جهودهم فى خدمة العلم والدين، فجزاهم الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء، وأسكنهم فسيح جناته آمين.

تنبيه

يلاحظه على تفسير التابعين رضوان الله عليهم. أنه قد دخلت إلى أقوالهم بعض الروايات الإسرائيلية، واختلط الصحيح العليل، ونقل على لسانهم بعض الروايات التى لم تثبت، فينبغى التنبه عند نقل أقوالهم إلى الصحيح منها، وأن يرجع الإنسان إلى المراجع الموثوقة من كتب التفسير، كتفسير ابن جرير وغيره من التفاسير الموثوقة .

قال (السيوطى) فى كتابه الاتقان بعد أن ذكر أشهر المفسرين من التابعين ما نصه:

فهؤلاء قدماء المفسرين، وغالب أقوالهم تلقوها من الصحابة. ثم بعد هذه الطبقة ألفت تفاسير

تجمع أقوال الصحابة والتابعين، كتفسير (سفيان بن عيينة) و (وكيع بن الجراح) و شعبة بن الحجاج) و (يزيد بن هارون) وآخرين. ثم جاء بعدهم (ابن جرير الطبرى) وكتابه أجل التفاسير وأعظمها.

ترجمہ: حضرت قتادہ بن دعامہؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قتادہ' یہ ابوالخطاب الدوسی البصری ہیں آپ بصرہ میں ۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۷ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا' انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۵ پچپن سال تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے روایت کی۔ آپ قوی الحافظ اور بڑے ذہین تھے۔''

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''میں نے کسی محدث کو (حدیث کی قراءت کے وقت) یہ نہیں کہا کہ مجھے دوبارہ سنا دو۔ میرے دونوں کانوں نے جو بھی سنا میرے دل نے ان کو محفوظ کر لیا۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ حضرت سعید بن المسیبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند دن (تک ان کے ہاں ٹھہرے رہے اور ان دنوں میں) ان سے (قرآن و حدیث و تفسیر وغیرہ کے بارے میں) سوالات کرتے رہے۔ اور ان پر سوالات کی (گویا کہ) بوچھاڑ کر دی۔ تو اس پر حضرت سعیدؒ نے ان سے پوچھا: ''کیا جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا ہے وہ تمہیں یاد ہے؟'' آپ نے کہا ''ہاں اس پر حضرت سعید کو تعجب ہوا تو حضرت قتادہ نے (ان کی حیرت دور کرنے کے لئے) ان سے کہا:

''میں نے آپ سے فلاں چیز پوچھی' آپ نے اس کا یہ جواب دیا' میں نے فلاں فلاں بات پوچھی آپ نے اس کا یہ یہ جواب دیا۔''

یہاں تک کہ ان سے جو کچھ سنا تھا وہ ان کو سنا ڈالا۔ تو اس پر حضرت سعید نے ان سے کہا ''میرا خیال نہیں ہے کہ اللہ نے تیرے جیسا کوئی اور پیدا کیا ہوگا۔'' اور ایک مرتبہ ان کے بارے میں یہ فرمایا: ''کوئی عراقی میرے پاس قتادہ سے بہتر نہیں آیا۔ اور میں نے ایک دفعہ حضرت جابرؓ کا (پورا) صحیفہ ان کے سامنے پڑھ ڈالا' اور انہوں نے وہ (پورے کا پورا ایک دفعہ سن کر ہی) یاد کر ڈالا۔

اور آپ نابینا تھے کہ آپ کی بینائی کھو گئی تھی کیونکہ آپ نابینا پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ (قوت) یادداشت' وفورِ علم اور ذہانت (و ذکاوت) میں (بے) مثال تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ آپ کی بہت زیادہ (مدح و) تعریف اور ذکر کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے علم و فقہ کو پھیلاتے تھے۔ آپ فقہ و تفسیر میں امام تھے۔ لیکن آپ پر یہ جرح کی گئی ہے کہ آپ ہر ایک سے روایت کر ڈالتے ہیں۔

حتیٰ کہ امام شعبیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ:

''وہ رات کو لکڑیاں چننے والے ہیں۔''

آپ کا بصرہ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے' آپ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ آپ کی وفات جب ہوئی تو تمام بصرہ آپ پر رو رہا تھا۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم حضرت قتادہ بن دعامہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''آپ مادرزاد نابینا تھے۔ لیکن اس کے باوجود با کمال حافظہ کے مالک تھے۔ آپ تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے اس کے علاوہ لغت' ادب' تاریخ وانساب میں بھی بڑا ادراک تھا۔ البتہ محدثین نے فرمایا ہے کہ بسا اوقات روایات میں تدلیس کر جاتے ہیں۔''

آپ کا انتقال طاعون کی وبا سے شہر واسط میں ۱۱۸ ہجری میں ہوا۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۷-۴۷۸ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں:

''قتادہ قوت حافظہ سے بہرہ ور عربی اشعار کے عظیم عالم ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر اور عربی زبان وادب میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔

قتادہ مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی ثقاہت وعدالت کے لئے یہی بات کافی ہے۔ کہ صحاح ستہ کے مولفین ان سے اخذ وحتجاج کرتے ہیں۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۲۰ ملخصاً)

ترجمہ: حضرت عطاء الخراسانیؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) حافظ الاصبہانیؒ فرماتے ہیں

''آپ کی ولادت ۵۰ ہجری اور وفات ۱۳۵ ہجری میں ہوئی۔ یہ عطاءؒ ابن ابی مسلم الخراسانی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عثمان ہے آپ ثقہ' نہایت راست باز عابد وزاہد اور عبادت اور خلوت گزینی میں کثرت کرنے والے تھے۔ اور آپ ساری رات تہجد اور نوافل پڑھتے رہتے تھے۔''

عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں:

''آپ رات بھر نمازوں میں گزارتے' جب ایک تہائی رات ڈھل جاتی یا نصف رات (بیت جاتی) تو آپ ہمیں آواز دیتے' اوفلانے' اوفلانے اٹھو' وضو کرو اور (تہجد کی) نماز پڑھو کیونکہ رات کی نمازیں اور دن کے روزے یہ جہنم کی پیپ پینے سے زیادہ آسان ہیں۔'' [1]

---

[1] تہذیب الکمال للمزی: جلد ۴ صفحہ ۷۶۹۔

آپ اشاعتِ علم سے محبت رکھتے تھے چنانچہ جب انہیں اپنے شاگردوں میں سے کوئی نہ ملتا کہ جس کو وہ حدیثیں سنائیں تو وہ علم چھپانے والے کے بارے میں (آنیوالی) وعید کے ڈر سے مساکین کے پاس چلے جاتے اور انہیں حدیث سناتے۔ آپ نے فقہ' حدیث' تفسیر (کے علم میں مہارت تامہ حاصل ہونے) میں شہرت پائی۔ اور آپ نہایت متقی اور دنیا سے کنارکش تھے۔ (اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو)

حضرت مرہ ہمدانیؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ مرہ بن شراحیل الھمدانی ہیں۔ انہوں نے بہت سارے صحابہ کرامؓ کا زمانہ پایا۔ آپ کی کنیت ابواسماعیل ہے آپ ''مرۃ الطیب'' اور ''مرۃ الخیر'' (کے لقب) سے معروف تھے۔ اور آپ کا لقب آپ کی (کثرت) عبادت کی وجہ سے پڑا۔ آپ (بڑے) عابد' متقی (و پرہیز گار) زاہد اور (نیکی و) صلاح والے تھے۔''

عجلیؒ فرماتے ہیں:

''آپ رات دن میں ۵۰۰ رکعات نوافل پڑھتے تھے۔ آپ تابعی تھے اور ثقہ تھے' آپ کی وفات ۷۶ ہجری میں ہوئی۔ (اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت واسعہ (کی بارش نازل) فرمائے اور اپنی کشادہ جنتوں میں جگہ دے۔'' [1] (آمین ثم آمین)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کا پورا نام ابواسماعیل مرۃ بن شراحیل الھمدانی السکسکی الکوفی ہے۔ آپ مخضرمین [2] میں تھے۔ متعدد صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے زیادہ حاصل کیا۔ باتفاق ثقہ ہیں۔ آپ کی کثرت عبادت کا یہ حال تھا کہ مورخین نے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ ''آپ نے اتنے سجدے کئے کہ مٹی آپ کی پیشانی کو کھا گئی۔''

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

''آپ تفسیر میں صاحب بصیرت تھے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۴۸۰-۴۸۱ ملخصاً)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ (مذکورہ بزرگ) تابعین میں سے بڑے مفسرین (شمار کئے جاتے) ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اپنے علوم ومعارف کو حاصل کیا۔ اور تبع تابعینؒ اور ان کے بعد کے علما عاملین نے ان ہی سے علم حاصل

---

[1] تہذیب التہذیب جلد۱۰ صفحہ ۸۸۔

[2] مخضرمین ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے نبی کا زمانہ پایا ہو لیکن آپ کی زیارت نہ کی ہو۔ (حاشیہ از مولانا تقی عثمانی صاحب)

کیا۔ اللہ جل جلالہ کا دین' اس کی کتاب' اور اس کی شریعت اور کتاب اللہ کے علوم و معارف اسی طرح سیکھنے اور سکھانے کے طریقہ سے پوری طرح نسل در نسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کو سچ ثابت کرنے کے لئے محفوظ رہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق نبی کریمؐ نے اس کی خبر دیتے ہوئے اور اس کے بارے میں بتلاتے ہوئے سچ فرمایا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اٹھائیں گے اس علم کو ہر بعد میں آنے والوں میں سے ان کے عادل لوگ اور دور کریں گے ان سے حد سے تجاوز کرنے والوں کی تبدیلیوں کو' اور باطل لوگوں کے جھوٹ کو' اور جاہلوں کی تاویل کو۔'' [1]

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اکابرین اور ثقہ فضلاء کی حفاظت کے ذریعے سے محفوظ فرمایا کہ جنھوں نے اپنی (زندگی بھر کی) کاوشوں کو علم اور دین کی خدمت کے لیے مخصوص کرلیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو اپنی کشادہ جنتوں میں جگہ دیں۔ (آمین ثم آمین)

توضیح

علامہ حریری مرحوم لکھتے ہیں:

''بہر کیف یہ ہیں نامور تابعین کرام جنہوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی۔ تابعین نے جو علمی ورثہ چھوڑا تھا۔ علی ہذا القیاس سلف کا علم خلف کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ ہر پچھلے دور کے علماء نے اپنے سابقین کے علم کو سنبھالا۔ اور اس پر شاندار اضافہ کیا۔ یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ آغاز کار میں علم کا دائرہ نہایت تنگ ہوتا ہے' اس کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے نقطہ عروج و کمال تک چلا جاتا ہے۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۱ ملخصاً)

ترجمہ: تنبیہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''تابعین رضوان اللہ علیہم کی تفسیر میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کہ ان کے اقوال میں بعض اسرائیلی روایات داخل ہو چکیں تھیں۔ اور صحیح (اقوال) سقیم (اقوال) کے ساتھ مل جل گئے تھے۔ انہوں نے کچھ ایسی روایات (بھی) نقل کیں کہ جو (صحابہ کرامؓ سے) ثابت نہ تھیں۔ لہٰذا تابعین کے اقوال نقل کرتے وقت ان کے صحیح اقوال کی طرف

---

[1] اس حدیث کا ترجمہ ارشاد الطالبین شرح اردو زاد الطالبین مولفہ محمد عتیق الرحمٰن' صفحہ ۳۲۸ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

متنبہ ہونا چاہیے۔ اور آدمی کو چاہیے کہ وہ باعتبار تفسیری ماخذ کی طرف رجوع کرے جیسے تفسیر ابن جریر وغیرہ جیسی معتبر کتب تفسیر۔''

علامہ سیوطیؒ اپنی کتاب الاتقان میں مشہور تابعین مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

یہ سب قدماء مفسرین ہیں انہوں نے اپنی اکثر روایات صحابہ کرامؓ سے لیں ہیں۔ پھر اس طبقہ کے بعد کچھ ایسی تفاسیر تالیف کی گئیں جو صحابہ وتابعین (دونوں) کے اقوال کو جمع کرتی ہیں۔ جیسے سفیان بن عیینۃ وکیع بن الجراح' شعبہ بن الحجاج اور یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کی تفسیریں ہیں۔ پھر ان کے بعد ابن جریر الطبریؒ آئے۔ ان کی کتاب (بعد کی تفسیروں میں) سب سے زیادہ جلالت شان اور عظمت والی ہے۔ ❶

توضیح

تابعین سے ماثور تفسیر بالروایہ کی اہمیت اور اس دور کی تفاسیر کی کچھ خصوصیات گزشتہ صفحات میں مذکور ہوگئی ہیں۔

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: بعد کی تمام تفاسیر کا بنیادی ماخذ اور جن روایات اور اقوال پر بیشتر تفاسیر کا مدار ہے اور جنہوں نے تفسیر بالروایہ کا طرز اختیار کیا۔ کہ جن تفاسیر کے مطالعہ سے علم تفسیر میں بصیرت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

تفسیر ابن جریرؒ تفسیر الدر المنثورؒ اور تفسیر ابن کثیر۔ رحمہ اللہ علیہم

اور وہ تفاسیر کہ جن میں سند کے بغیر قدیم آئمہ تفسیر کے اقوال نقل ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

روح المعانی' تفسیر قرطبی وغیرہ۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۰۰ بتغییر یسیر)

الفصل الثامن

اعجاز القرآن

العناية بدراستة القرآن العظيم

لم يحدث في تاريخ البشرية أن أمة من الأمم. اعتنت بكتابها السماوي كما اعتنت هذه الأمة المحمدية' ولم نسمع عن كتاب مقدس نال من الحفظ والرعاية. والإجلال والإكبار' كما ناله هذا الكتاب المجيد' معجزة محمد الخالدة' وحجته البالغة' ودعوته إلى الناس أجمعين. ولا عجب أن ينال القرآن العظيم هذه المنزلة الرفيعة' ويحتل من نفوس المسلمين تلك المكانة الجلية' ذلك لأن الأحداث التي رافقت نزول هذا الكتاب المقدس' تجعله يتبوأ مكان الصدارة بين جميع الكتب السماوية' ويفوق كل ما جاء به الأنبياء والمرسلون صلوات الله وسلامه

---

❶ الاتقان للسیوطیؒ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰۔

عليهم أجمعين من هداية وإصلاح. وتربيةِ و تعليم‘ وسمو و تشريع ولقد أحسن وأبدع من قال:

الــلـــه اكبــر ان ديــن مــحــمــد وكـتـــابـــه أهــدى وأقــوم قيــلا

لا تـذكـروا الـكـتب السوالف عنده طـلـع الـصـبـاح فـأطـفـىء الـقـنـديـلا

القرآن معجزة محمد الخالدة

وقد جرت حكمة الله الأزلية‘ أن يؤيد أنبياءه و رسوله بالمعجزات الباهرات والدلائل الواضحات. والحجج والبراهين الدامغة‘ التى تدل على صدقهم‘ وعلى أنه‘ أنبياء مرسلون من عند الله العزيز القدير‘ وقد خص الله تبارك و تعالى نبينا ﷺ بالمعجزة العظمى (القرآن الكريم) ذلك النور الربانى‘ والوحى السماوى‘ الذى ألقاه على قلب نبيه قرآنا عربيا غير ذى عوج‘ يتلوه آناء الليل وأطراف النهار‘ والذى أحيا به أجيالا من العدم‘ كانت فى عداد الموتى فأحياها الله بنور هذا القرآن‘ وهداها أقوم طريق وانتشلها من الحضيض فجعلها خير أمة أخرجت لناس‘ وصدق الله حيث يقول: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحَيَيناه وجعلنَا له نورًا يَمْشِىْ بِهٖ فِىْ النَّاسِ كمنْ مِثْلُهُ فى الظلمات لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ للكافرينَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ لقد أحيا القرآن أمما‘ وأوجد مجتمعا‘ وألف جيلا لم يعرف له التاريخ مثيلا‘ فأخرج من العرب الذين كانوا رعاة الإبل والغنم‘ سادة الشعوب والأمم‘ فملكهم الدنيا حتى حكموا أقاصى المعمورة وكل ذلك بفضل هذا القرآن‘ معجزة خاتم الأنبياء والمرسلين. وفى ذلك يقول أمير الشعراء.

أخوك عيسى دعا ميتا فقام له وأنت أحييت أجيالا من العدم

ولئن كانت معجزة الأنبيا السابقين معجزات "حسية" تتناسب مع العصر والزمان الذى بعثوا فيه‘ كمعجزة (موسى) عليه السلام حيث كانت (اليد والعصا) لأنه بعث فى زمن كثر فيه السحرة واشتهر فيه السحر‘ وكذلك معجزة (عيسى) عليه السلام حيث كانت بإحياء الموتى‘ وإبراء الأكمه والأبرص‘ والإخبار عن بعض المغيبات‘ لأنه بعث فى عصر كثر فيه الطب والحكمة‘ وظهر فيه الأطباء البارعون‘ فأتاهم عيسى بن مريم بما أدهشهم وأعجزهم من شفاء المرضى‘ وإحياء الموتى‘ وإبراء العمى البكم الصم.

أقول: إذا كانت معجزات الأنبياء السابقين معجزات (مادية حسية) فإن معجزة محمد بن عبدالله معجزة (روحية عقلية) وقد خصه الله بالقرآن معجزة العقل الباقى على الزمان‘ ليراها

ذوو القلوب والبصر، فيستنيروا بضيائها ينتفعوا بهديها في المستقبل والحاضر، فقد ورد عن سيد المرسلين أنه قال:

ما من نبي من الانبياء إلا اعطى من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحاه الله إلى فأرجو أن أكون أكثرهم تابعا رواه البخاري......

أجل...... هذا الوحي السماوي الذي ألقاه الله على قلب نبيه الأمين ليكون ضياء ورحمة للعالمين, هو معجزة الإسلام الخالدة، وحجته الباقية، تقوم على فم الدنيا شاهدة بصدق الرسول، ناطقة بعظمة الإسلام وخلود هذا الدين، بينهما ذهبت المعجزات الحسية، ومضت مع أحداثها الكونية، وتلاشت من الوجود بعد وفاة الأنبياء الكرام الذين اتوابها، فلم يعد لها وجود و بيان إلا في هذا القرآن الذي أخبر عنها، فكان له الفضل الأعظم عليها سابقاً ولا حقا، ولله در القائل حيث يقول.

جاء النبيون بالآيات فانصرمت ۔۔۔ وجئتنا بكتاب غير منصرم

آياته كلما طال المدى جدد ۔۔۔ يزينهن جمال العتق والقدم

الآيات: المراد بها المعجزات جمع آية بمعنى المعجزة. انصرمت: أي ذهبت بذهابهم......

ترجمہ: آٹھویں فصل

اعجاز القرآن کے بارے میں

قرآن عظیم کی تعلیم کی طرف توجہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''انسانی تاریخ میں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی امت نے اپنی آسمانی کتاب کی طرف ایسی توجہ دی ہو جیسی کہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اپنی آسمانی کی طرف) دی۔ اور ہم کسی آسمانی کتاب کے بارے میں نہیں سنیں گے کہ اس نے حفظ ورعایت اور احترام وتقدس کا وہ حصہ پایا ہو کہ جو اس کتاب مجید نے پایا ہے کہ جو محمدؐ کا دائمی معجزہ اور آپ کی حجت بالغہ اور ساری کی ساری انسانیت کو آپ کی دعوت (عام) ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ قرآن عظیم نے یہ (قدرو) منزلت کی بلندی پائی اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بلند مرتبہ پایا ایسا اس لئے کہ جو حالات (وواقعات) اس کتاب مقدس کے نزول کے شریک حال رہے۔ انہوں نے اس کتاب کو تمام آسمانی کتابوں کا سردار بنا دیا اور تمام انبیاء ومرسلین جو ہدایت واصلاح اور تعلیم وتربیت اور بلندی وتشریع لے کر آئے ان میں اس کو برتر کرتے

رہے۔اور کہنے والے نے کیا ہی اچھی اور عمدہ بات کہی ہے۔''

الـلــه اکبـر ان دیـن مـحـمـد وکتـابـه أهـدی وأقـوم قیـلا

لا تذکروا الکتب السوالف عنده طلع الصباح فأطفیء القندیلا

(اس شعر کا ترجمہ گذشتہ صفحات میں گزر گیا ہے)

توضیح

سعید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے برابر تحریف وتبدیلی کا نشانہ اور تلف وتباہی کا تختہ مشق بنتے رہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لی تھی۔ اور ان کی ضرورت بھی ایک عرصہ تک رہی۔ اور یہ بات ایک تاریخی اور علمی حقیقت ہے کہ اس کا اعتراف خود اہل کتاب وغیرہ نے کیا ہے کہ عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتشزدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں۔ خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسا تین مرتبہ ہوا۔''

(۱) پہلی دفعہ جب بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں یہودیوں پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو توریت اور آل موسیٰ ؑ آل ہارونؑ کے محفوظ تبرکات سمیت آگ لگا دی۔

(۲) دوسری بار جب انطیوخوس چہارم نے Antio chus کہ جس کا لقب ابیقانس تھا یہ یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا۔ بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کر کے صحف مقدس کو آگ لگا دی۔

(۳) تیسری بار جب ٹائیٹس Titus رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷ ستمبر ۷۰ء کو حملہ کر کے ہیکل سلیمانی سمیت برباد کر دیا اور مقدس صحیفے اپنے ساتھ لے گیا۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سے سب سے آخری کتاب اور سب کی مصدق ونگران ہے اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمد سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی، اور کمی وزیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا ہے اس کو مسخ ہونے، اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے، حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اس کے وعدۂ حفاظت میں قرآن کے حفظ وبقاء اشاعت وفروغ، تلاوت کئے جانے پڑھنے اور سمجھے جانے، متروک واز کار رفتہ، ونا قابل عمل، نا قابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے اس لئے کہ عربی کا لفظ ''حفظ'' بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے جب اس کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا تو نفوس بشری، فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل میں لگا دیا کوئی آیت زبان نبوتؐ سے نکلی مسلمانوں نے اس کو حرز جان بنانے، دل پر نقش اور حافظہ میں

محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار گرتے۔ اور حفاظ کی تعداد مسلمانوں کی تعداد کے تناسب سے بڑھتی ہی رہی ہے اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرہ میں جاری ہے۔ (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۷ ملخصاً)

لغت: الباهر: غالب آجانیوالا۔ البرهان الدامغة: ناقابل تردید دلیل۔ عوج: کجی ٹیڑھاپن۔ انتشل: کھینچ باہر نکالنا۔ حضیض: پستی ذلت نکبت۔ اقاصی: اقصی کی جمع دور دراز دور پار۔ معمورہ: آبادی۔ البارع: ماہر با کمال۔ تلاشی: ناپید ہوجانا۔

ترجمہ: قرآن حضرت محمد ﷺ کا دائمی معجزہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"اللہ جل جلالہ کی یہ ازلی حکمت جاری (وساری) رہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء ومرسلین کی (انسانی عقلوں کو) خیرہ کر دینے والے معجزات، واضح دلائل، اور ان ناقابل تردید حج وبراہین کے ساتھ مدد (وتائید) فرماتے رہے ہیں کہ جو ان کی صداقت اور اس بات پر دلالت کرتے رہے ہیں کہ وہ انبیاء ہیں کہ جو اللہ عزیز وقدیر کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی (حضرت محمدؐ) کو قرآن کریم کے عظیم معجزہ کے ساتھ خاص کیا۔ یہ وہ نور ربانی اور وحی سماوی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل پر قرآن عربی بنا کر القاء کیا کہ جس میں کوئی کجی نہیں کہ جس کو آپؐ شب کی گھڑیوں اور دن کے گھنٹوں میں پڑھتے رہتے تھے اور جس قرآن کے ذریعے آپؐ نے قوموں (کی قوموں) کو عدم سے (نکال کر یعنی موت کے منہ سے نکال کر) زندہ کیا کہ جو قومیں (اپنی جہالت اور گمراہی اور حماقت وسفاہت کی وجہ سے) مردوں میں شمار ہوتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کے نور سے ان (مردہ قوموں) کو زندہ کیا۔ اور ان کو سیدھے راستے کی راہ نمائی کی۔ اور ان کو (جہالت وشرک وگمراہی کی ذلتوں اور) پستیوں سے نکالا۔ اور ان کو خیرامت کہ جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے (ماؤں کے پیٹوں سے) نکالی گئی ہے بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہوئے سچ فرماتے ہیں:

﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيِيناه وجعلنَا له نورًا يَمْشِيْ بِهٖ فِيْ النَّاسِ كمنْ مِثْلُهُ فى الظلمات لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ للكافرينَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الانعام: ۱۲۲)

"بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں، برابر ہوسکتا ہے اس کے کہ جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح مزین کر دیئے ہیں کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔" (تفسیر عثمانی)

تحقیق قرآن نے (کتنی) امتوں کو (گمراہی کی موت سے ہدایت کی) زندگی دی اور (ایسے) معاشرہ کو وجود بخشا اور (ایسی) نسلوں کو جوڑا کہ تاریخ اس کی مثال سے واقف نہیں۔ چنانچہ اس قرآن نے اونٹوں اور بکریاں چرانے والے عربوں

سے قوموں اور قبیلوں کے سردار پیدا کیے۔ پھر انہیں دنیا کا بادشاہ بنا دیا یہاں تک کہ انہوں نے دور دراز کے ملکوں (اور اطراف واکناف عالم) پر حکومت کی۔ اور یہ سب کچھ اس قرآن کریم کی برکت سے حاصل ہوا کہ جو خاتم الانبیاء والمرسلین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ہے۔

امیر الشعراء اسی بارے میں فرماتے ہیں:

أخوك عيسى دعا ميتا فقام له وأنت أحييت أجيالا من العدم

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بھائی (حضرت) عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک مردہ کے لئے دعا کی اور وہ (اللہ کے حکم سے) ان کے لئے (زندہ ہوکر) کھڑا ہوگیا۔''

جبکہ آپؐ نے قوموں (کی قوموں) کو عدم سے (وجود بخشا اور) حیات (نو) بخشی۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اگر گزشتہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے معجزے ''حسی'' تھے جو اس دور اور زمانے کے مناسب تھے کہ جن میں وہ بھیجے گئے جیسے حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معجزہ ید (بیضاء) اور عصا تھا کیونکہ آپ کی بعثت ایسے زمانے میں ہوئی کہ جسمیں جادو کی کثرت تھی۔ اور اس میں (فن) جادوگری (کی شہرت اور اس) کا چرچا تھا۔

جیسا کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں اور کوڑھیوں کو (اندھے پن اور کوڑھ سے) شفا دینا بعض غیب کی باتوں کو بتلا دینا تھا۔ کیونکہ آپؑ کی بعثت ایسے زمانے میں ہوئی تھی کہ جس میں (علم) حکمت اور طب کی کثرت تھی اس دور میں (بڑے بڑے ماہرو) باکمال طبیب ہوئے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے پاس ایسے معجزات لے کر آئے کہ جنہوں نے ان کو دہشت زدہ اور عاجز کر دیا جیسے مریضوں کو شفا دینا' مردوں کو زندہ کرنا' اندھوں گونگوں اور بہروں کو صحیح کرنا۔ (وغیرہ وغیرہ)

میں کہتا ہوں: جب گزشتہ انبیاء کے معجزے ''حسی اور مادی'' تھے تو حضرت محمدؐ کا معجزہ ''روحانی اور عقلی ہے' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس قرآن (کے معجزہ) کے ساتھ خاص فرمایا کہ جو معجزہ عقلی (اور قیامت تک کے) زمانوں تک باقی رہنے والا ہے۔ تاکہ اس کو اہل قلب ونظر (جانچتے پرکھتے اور) دیکھتے رہیں اور اس کی روشنی سے روشنی لیتے رہیں' اور موجودہ اور آئندہ (قیامت تک آنے والوں زمانوں) میں اس کی ہدایت سے نفع اٹھاتے رہیں۔

سید المرسلین نبیؐ سے روایت میں آتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''ہر ایک نبی کو (اللہ کی) نشانیوں میں سے جتنا دیا گیا اتنے کے بقدر ہی لوگ ان نشانیوں پر ایمان لائے' بے شک جو کچھ مجھے دیا گیا وہ ''وحی'' (یعنی قرآن) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کیا ہے' پس میں امید کرتا ہوں کہ (قیامت کے دن) میں سب سے زیادہ پیروکاروں والا ہوں گا۔'' (رواہ البخاری)

جی ہاں......... یہ ہے وہ آسمانی وحی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صادق و) امین کے قلب پر القاء کیا' تاکہ یہ تمام عالم

کے لئے روشنی اور رحمت بن جائے۔ یہ اسلام کا دائمی معجزہ اس کی باقی رہنے والی حجت ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دینے کے لئے' اسلام کی عظمت اور اس دین کے تا قیامت ہونے کو بیان کرنے کے لئے دنیا کے منہ پر قائم ہے۔

اس دوران کے وہ حسی معجزات (اس دنیا سے) رخصت ہو گئے اور اپنے حوادث کو نیہ سمیت ختم ہو گئے' اور ان انبیاء کرام (علیہم السلام) کی وفات کے بعد کہ جو انہیں لائے تھے' ان کا وجود نا پید ہو گیا۔ ان کا کوئی وجود اور ذکر نہ رہا سوائے اس قرآن میں مذکور ہونے کے جس نے ان کے بارے میں خبر دی۔ تو اس قرآن کی ان (سب) اگلے پچھلے (تمام) معجزات پر ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اللہ ہی کے لئے خوبی ہے اس (شعر) کہنے والے کے لئے کہ اس نے کہا:

جاء النبیون بالآیات فانصرمت وجئتنا بکتاب غیر منصرم

آیاته کلما طال المدی جدد یزینهن جمال العنق والقدم

(اس کا ترجمہ گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے)

(مولف کتاب شعر کے بعض کے الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

''الآیات سے مراد معجزات ہیں یہ آیت کی جمع ہے کہ جو معجزہ کے معنی میں ہے اور ''انصرمت''(فعل بمعنی ''ذهبت بذها بهم'' کے ہے (یعنی ان انبیاء کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے وہ معجزات ختم ہو گئے)

قال العلامة الزرقانی: (وهنا نلفت النظر إلى أن القرآن بما اشتمل علیه من المعجزات الكثیرة قد كتب له الخلود فلم یذهب بذهاب الأیام' ولم یمت بموت الرسول علیه الصلاة والسلام' بل هو قائم علی فم الدنیا یحاج كل مكذب' ویتحدی كل منكر' ویدعو أمم العالم جمعاء إلى ما فیه من هدایة الإسلام و سعادة بنی الانسان و من هذا یظهر الفرق جلیًا بین معجزات نبی الاسلام ﷺ ومعجزات إخوانه الأنبیاء علیهم أزكى الصلاة وأتم التسلیم' فمجعزات محمد فی القرآن وحده آلاف مؤلفة' وهی متمتعة بالبقاء إلى الیوم وإلى ما بعد الیوم حتی یرث الله الأرض ومن علیها' أما معجزات سائر الرسول فمحدودة العدد' قصیرة الأمد' ذهبت بذهاب زمانهم' وماتت بموته' ومن یطلبها الآن لا یجدها إلا فی خبر كان' ولا یسلم شاهد له بها إلا هذا القرآن؟ وتلك نعمة یمنها القرآن علی سائر الكتب والرسل' وما صح من الأدیان كافة' قال تعالی: ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَیْنَ یَدیه مِنْ الْكِتَابَ وَمُهَیْمِناً عَلَیْهِ...... ﴾ الآیة.

وقال عز اسمه: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ إلیه مِنْ ربه والمؤمنون كُلٌّ آمن باللّٰهِ وملائكتِهِ و كتبِهِ ورسلِهِ لا نفرّقَ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهِ...... ﴾ الآیة.

لهذا لم تكن معجزة سید الأنبیاء معجزة حسیة. تقرع الحس و تستولی علی النفوس' فلم تكن

عصا تنقلب حية كعصا موسى' أو نارا تصير بردا وسلامًا كالنار التى ألقى فيها الخليل' أو ناقة تخرج من صخر أصم ولها رغاء كناقة صالح' أو مريضا يشفى' أو أعمى يبرأ كما فعل عيسىٰ عليه السلام' وإنما كانت معجزة عقلية خالدة لأنها خاتمة الرسالات' فهى خالدة خلود الدهر' باقية بقاء الإنسان......

يقول الشيخ (محمد البنا) ما نصه: وإذا كان قد جرت خوارق للعادات على يد النبى ﷺ غير القرآن كما ورد فى صحاح السنة فإن النبى ﷺ لم يتحد بها' بل كان التحدى بالقرآن وحده' ولهذا كان القرآن معجزة الرسول التى تويد رسالته' وتشرق فى قلوب الذين اتبعوه من المومنين......ورسالة النبى ﷺ شاملة خالدة لأنها خاتمة الرسالات فكانت الحكمة أن تتفق معجزته من نوع رسالته' إذ كل نبى سبق كان يأتى برسالة لقوم بأعيانهم و تنتهى بما يأتى بعدها من الرسالات' ولم يكن من الممكن أن تكون معجزة خاتم الأنبياء أمرا حسيا يراه جماعة حين يقع' فإذا لحق الرسول بالرفيق الأعلى انقضى ذلك الأمر المحسوس ولا يراه أحد من بعده' لأن الأمور المحسوسة لا تتفق مع نوع هذه الرسالة ولا مع خلودها' لقد كان' القرآن معجزة للناس جمعيا' ولذلك جاء من نوع آخر غير نوع المعجزات السابقة' وقد جاء للدنيا بعد أن اكتملت المدارك البشرية' وارتقى الفكر الانسانى' لأن رسالة سيدنا محمدﷺ' وافت البشرية بعد أن أدركت رشدها وتكامل النمو العقلى فى مجموعها' فكانت معجزته تدرك (بالعقل) ولا تحتاج إلى أى نوع من الحس' فهى معان خالدة' يدرك سموها الإنسانى فى كل الأجيال' وهى معجزة يخاطب بها الناس جمعيا.

لغات: تستولى: غالب ہونا' قبضہ کرنا۔ اَصَمّ: ٹھوس' سخت۔ خارق: خلافِ عادت' اسباب عادیہ سے ماوراء۔ تحدّی: چیلنج کرنا۔ مدارك: حواس خمسہ' پانچ طاقتیں' قوتِ باصرہ' قوتِ سامعہ' قوتِ شامہ' قوتِ ذائقہ' قوتِ لامسہ۔ النموّ العقلی: عقلی نشوونما۔

ترجمہ: علامہ زرقانیؒ کی رائے

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ''علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

''اس مقام پر ہم اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن' اپنے ان بہت سے معجزات سمیت کو جن کو یہ مشتمل ہے' اس کے لئے ہمیشگی (مقدر کردی گئی ہے اور) ضروری قرار دی گئی ہے چنانچہ یہ مرورِ زمانہ سے ختم نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے فنا نہیں ہوا' بلکہ یہ دنیا کے منہ پر قائم ہے جو ہر جھٹلانے والے سے جھگڑ رہا ہے اور

ہر منکر کو چیلنج کر رہا ہے اور ساری کی ساری دنیا کی تمام قوموں کو اپنی اسلام کی ہدایت اور بنی نوع انسان کی (دینوی اخروی) سعادت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ یہیں سے نبی اسلام (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپؐ کے دوسرے بھائی انبیاء علیہم ازکی الصلوٰۃ واتم التسلیم' کے معجزات کے درمیات واضح فرق ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ صرف قرآن میں (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار ہا معجزات ہیں اور وہ (معجزات) آج کے دن تک اور آج کے بعد کے دن تک بقا (کی دولت) سے سرفراز ہیں۔''

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس سب کا وارث ہو جائے گا (یعنی یہ قرآن قیامت تک کے لئے باقی رہنے والی لازوال کتاب ہے۔ (نسیم)

رہے دوسرے تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے معجزات تو وہ محدود تعداد میں اور تھوڑے عرصہ کے لئے تھے' وہ معجزات ان انبیاء کے ادوار گزرنے سے رخصت ہو گئے اور ان انبیاء کی وفات سے ختم ہو گئے۔

اور جو اب ان کو تلاش کرے گا تو وہ سوائے ان کی خبر کے ان کو نہ پائے گا۔ اور اس متلاشی کے لئے ان معجزات کے لئے سوائے قرآن کے کوئی گواہ نہیں بچا ہے۔

یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا قرآن نے تمام (آسمانی) کتابوں اور (گزشتہ) انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر اور تمام صحیح (آسمانی) مذاہب پر (بار) احسان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيهِ مِنْ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ.....﴾ الآية [1] (المائده :٤٨)

''اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی' تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی' اور ان کے مضامین پر نگہبان۔'' (تفسیر عثمانی)

اور رب ذوالجلال نے (ایک اور جگہ) ارشاد فرمایا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اَنْزَلَ إليه مِنْ ربه والمؤمنون كُلّ آمن باللّٰهِ وملائكتِهِ وكُتُبِهِ ورسلِهِ لا نفرّقَ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهِ.....﴾ الآية. (البقرة: ٢٨٦)

''مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اسکی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

---

[1] اس مضمون کے لئے دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۲۳۲ جلد ۲۔

''اسی وجہ سے سید الانبیاء (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ، حسی معجزہ نہ تھا جو (آدمی کے) حواس پر چوٹ مارتا اورنفوس پر چھا جاتا۔ چنانچہ یہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی لاٹھی کی طرح لاٹھی نہیں تھی کہ سانپ بن جاتی، یا یہ آگ نہیں تھی کہ جو ٹھنڈ اور سلامتی بن جاتی جیسے وہ آگ کہ جس میں (حضرت ابراہیمؑ) خلیل (اللہ) کو ڈالا گیا۔ یا یہ کوئی اونٹنی نہیں کہ جو کسی سخت چٹان سے نکلی ہو اور بلبلا رہی ہو جیسے صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی (تھی) یا کوئی مریض کہ جسے شفا مل گئی یا کوئی اندھا کہ جس کی بینائی لوٹ آئی ہو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ (نہیں ایسا نہیں بلکہ) بے شک یہ ایک ''لازوال عقلی'' معجزہ ہے، کیونکہ یہ تمام رسالتوں (اور شریعتوں) کا ختم کرنے والا ہے پس رہتی دنیا تک ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے۔ اور جب تک انسان (یت) باقی ہے یہ باقی رہے گا۔''

شیخ محمد البناء فرماتے ہیں:

''جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قرآن کے علاوہ کئی قسم کے خارق عادت معجزات صادر ہوئے۔ جیسے کہ صحاح ستہ میں آتا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعہ (اپنی امت کو) چیلنج نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ نے فقط قرآن کے ذریعہ چیلنج کیا۔ اسی لئے قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے کہ جو آپ کی رسالت کی تائید (وتصدیق) کرتا ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین کے دلوں میں روشن ہوتا ہے (اور انہیں جلا بخشتا ہے)''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (سب تعلیمات کو) شامل اور دائمی ہے۔ کیونکہ آپؐ کی رسالت تمام (گزشتہ انبیاء اور رسولوں کی) رسالتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ پس (اللہ تعالیٰ کی) حکمت یہ تھی کہ آپؐ کا معجزہ بھی آپؐ کی رسالت کی قسم کے مطابق ہو۔ (یعنی جیسے آپؐ کی رسالت دائمی ہے مناسب یہ تھا کہ آپؐ کا معجزہ بھی دائمی ہوتا) کیونکہ ہر گزشتہ نبی اپنی رسالت کو اپنی قوم کے لوگوں کے لئے ہی لے کر آتا تھا اور وہ رسالت اس کے بعد آنے والی رسالتوں کی وجہ سے ختم ہو جاتی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہ تھی کہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ایک ایسا امر حسی ہوتا کہ جس کو ایک جماعت (فقط) اس کو وقوع کے وقت (ہی) دیکھتی۔ پھر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رفیق اعلیٰ سے جا ملتے تو وہ امر محسوس بھی رخصت ہو جاتا کہ جسے آپؐ کے بعد کوئی نہ دیکھتا۔ کیونکہ امور حسیہ اس قسم کی رسالت (کہ جو خاتمۃ الرسالات ہے) کے اور اس رسالت کے دوام کے مطابق نہیں ہیں۔

تحقیق کہ قرآن ساری کی ساری انسانیت کے لئے معجزہ تھا اسی لئے یہ دیگر معجزات کے طریق سے ہٹ کر ایک اور طریق سے (معجزہ بن کر) آیا۔ قرآن دنیا میں، بشری قوتوں کی تکمیل، اور فکر انسانی کے ارتقاء کے بعد آیا، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نے انسانیت کو اس کے سن شعور کو پالینے اور مجموعی طور پر عقلی (نشوو) نما کی تکمیل کے بعد پایا۔ پس آپؐ کا معجزہ (بھی ایسا ہونا چاہیے تھا کہ جو) عقل سے پہچانا جائے کہ جو کسی قسم کے امر حسی کا محتاج نہ ہو۔ پس یہ ہمیشہ رہنے والی معانی ہیں جن کی بلندی کو ہر صدی کا انسان پالیتا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے جس کے ذریعے ساری انسانیت کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ [1]

[1] اس کے لئے دیکھیں ''الکتاب والسنہ صفحہ ۲۲۔

توضیح

نبی امی اور اس کا اعجاز قرآنی

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

''پھر طرفہ یہ ہے کہ جو ہادی اس کتاب کو لایا اس نے نہ کسی درسگاہ میں تعلیم پائی نہ کسی لائبیریری کا مطالعہ کیا نہ کسی استاد اور معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور نہ اس کے گرد وپیش ایسے بیش بہا تعلیمات کا کوئی مواد موجود تھا۔ بلکہ اس کی اور اس کی قوم کی وہ حالت تھی جس کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے:''

''وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان میں سے (محمد کو) پیغمبر بنا کر بھیجا (کہ وہ) ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو (کفر وشرک کی گندگی سے) پاک صاف کرے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل کی باتیں) سکھاتے ہیں ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے۔''

نہ صرف یہ کہ قرآن نے اس کے امی ہونے کا اشارہ کیا بلکہ امی کا وصف اس کے لئے بمنزلہ ایک ممتاز لقب کے استعمال فرمایا، جس جگہ یہ فرمایا:

''(ان سے ہماری مراد اس زمانہ کے وہ اہل کتاب تھے) جو (ہمارے ان) رسول نبی امی (محمد) کی پیروی کرتے ہیں۔ جن (کی بشارت) کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

اور ایک موقع پر آپ کی نوشت وخواند کے متعلق ان لوگوں کے مجمع میں جن سے آپ کی چہل سال طویل زندگی کا کوئی ممتد واقعہ خصوصاً کہ وہ جس میں احتیاط غیروں کی ہو مستور نہ رہ سکتا تھا۔ صاف صاف اعلان کر دیا گیا۔

''نہ تو تم قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کو کچھ شک وشبہ کی گنجائش ہوتی۔''

یہی نہیں کہ آپ رسمی نوشت وخواند سے بالکل الگ تھلگ رہے بلکہ جو چیز بڑے سے بڑے متعصب اور معاند کو بھی محو حیرت بنا دینے والی ہے وہ یہ ہے کہ باوجود عرب کے نہایت ہی واجب التعظیم معزز وممتاز خاندان میں سے ہونے کے اس فن شاعری سے بھی نا آشنا رہے جس میں اس سرزمین کے بچے اور چھوکریاں بھی طبعی سلیقہ کے موافق ید طولی رکھتی تھیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایسے ملک کا جہاں کی سرزمین نباتات کی طرح شاعروں کو اگاتی تھی۔ ایسا مایہ ناز فرزند شعر گوئی سے کوئی علاقہ نہ رکھے؟ ایک شعر بھی اس کا عرب کے دواوین میں موجود نہ ہو۔ کسی مشاعرہ میں ایک قصیدہ بھی اس نے نہ پڑھا ہو جو یہی گمان کر لیا جائے کہ شاعری سے ترقی کرتے کرتے وحی والہام کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

''اور ہم نے ان (پیغمبر محمدؐ) کو شاعری نہیں سکھائی اور شاعری ان (کی شان) کے لائق بھی نہ تھی۔''

پھر لائے تو پورے چالیس سال بعد ایک ایسا کلام لائے جو نہ قصیدہ ہے نہ غزل نہ مرثیہ ہے اور نہ اس رنگ ڈھنگ کا کوئی

کلام ان کے یہاں موجود ہے نہ اس طرح کی کوئی تصنیف ان کے ہاں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ آفتاب کی طرح مکانوں کو نہیں' دلوں کو روشن کرنے والا کلام ہے۔ وہ حکمت ہے' علم ہے' شفا ہے' برہان ہے' نور ہے' قانون ہدایت ہے خلاصہ یہ کہ خدا کے علم سے روشن کی ہوئی ایک مشعل ہے جسے نہ کوئی ہوا کا جھونکا گل کرسکتا ہے اور نہ کوئی آندھی بجھا سکتی ہے دنیا کے فصحاء و بلغاء نے اس امی کی لائی ہوئی کتاب کے آگے سپر ڈال دی۔ بڑے بڑے شاعر ایسے بہک گئے کہ جس آدمی نے مدت العمر ایک شعر نہیں کہا تھا محض کلام سن کر اس کو شاعر کہنے لگے۔ اس کا خارق عادت معجزہ دیکھ کر سحر سے تعبیر کر دیا۔ اور یہی چیز ان کے زعم میں تمام فوق العادت کارناموں کی حد تھی۔ اور بعض ان میں سے قرآن کی فصاحت کو سجدہ کرنے لگے۔ قرآن کے علوم و قوانین نے ساری دنیا کے قانون ردی کر دیئے' اعلیٰ سے اعلیٰ حکمتوں اور تمدنوں کو پسپا کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور آخر کار امیوں کی جماعت کو دنیا کے مدعیان حکمت و تہذیب کا معلم بنا دیا۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۴۶ تا ۴۹)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوریؒ ''رحمت اللعالمین'' میں ''کوثر'' کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔

یہ وہی خیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد' جس کی مدح و ثنا کے استیفاء سے عاجز ہے' عمر نوح' اور فہم جبرئیل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔

بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے' یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔

معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود و نمونہ پایا جاتا تھا۔

موسیٰ کے عصا کا اژدھا بن جانا' پھر اژدھا کا سیرت اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کہ کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔

وہی عصا بنی اسرائیل کے لئے انفجار ماء کا آلہ بنا ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے' زندہ معجزہ ہے دائمی معجزہ ہے' ابدی معجزہ ہے' اس کا اعجاز ہر وقت ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت و بہ ہر حین پیش کرسکتا ہے' بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان من جانب رب رحمان ہونا ضروری تھا۔ (رحمت للعالمین جلد ۲ صفحہ ۴۲)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ آنحضرتؐ کے بے شمار معجزات ہیں کہ جن کو ان ثقات نے روایت کیا ہے جو توریت و انجیل کے رواۃ سے ہزار درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا معجزہ' جمیع معجزات سے افضل ہے۔

(۱) اس لئے کہ اور معجزات طرفۃ العین میں واقع ہو کر بعد میں محض حکایات ہی حکایات رہ جاتے ہیں۔ اور ان سے تصدیق کامل حاصل ہوگی تو خاص ان کو کہ جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اور باقی سننے والے کی نسبت بحکم ''شنیدہ

کے بود مانند دیدہ' ویسا اثر نہیں بخشتا بخلاف قرآن کے کہ یہ معجزہ بوقت نزول سے تا قیامت باقی ہے۔ جو ذوق سلیم بھی نہیں رکھتا اور عبارت عربیہ کے لطف سے بھی واقف نہیں ہے۔ وہ بھی مضامین کی خوبی پر عش عش کر جاتا ہے اور جو ایسا ہی کوئی کوڑھ مغز اور بھدی سمجھ کا ہو تو اس کا کیا ذکر ہے۔

(۲) اور معجزات سے محض تصدیق نبی کا فائدہ ہوتا ہے بخلاف قرآن کے کہ اس میں دونوں باتیں ہیں تصدیق نبوت اور قانون ہدایت۔

(۳) ہر نبی کو اکثر وہ معجزات عطا ہوئے کہ جن کا اس زمانہ میں چرچا ہوتا تھا۔ عہد موسیٰؑ میں سحر کا زور تھا ان کو ید بیضاء اور عصا ملا کہ جس سے تمام جادوگروں کا ناطقہ بند ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جالینوس کی طب کا بڑا چرچا تھا ان کو مردہ زندہ کرنے اور بیمار کو تندرست کرنے کا معجزہ ملا جس سے اطباء عاجز آ گئے۔ آپؐ کے عہد میں عرب لوگ فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی میں عجب ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اچھے جملوں پر عرب کو وجد آتا تھا۔ پس اس لئے آپؐ کو وہ کتاب ملی کہ جس سے تمام عرب حیرت میں آ گئے اور سحر مبین کہنے لگے۔ پس جس طرح بلاغت کو عموماً عرب لوگ جانتے تھے۔ اسی طرح اعجاز قرآن بھی عموماً متحقق ہوا۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ مقدمہ صفحہ ۱۴۱-۱۴۲ ملخصاً)

معنى إعجاز القرآن

الإعجاز في اللغة العربية هو: نسبة العجز إلى الغير قال تعالى: ﴿أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابُ فأوارى سوأة أخي﴾ وتسمى المعجزة (معجزة لأن البشر يعجزون عن الإتيان بمثلها لأنها أمر خارق للعادة' خارج عن حدود الأسباب المعروفة وإعجاز القرآن معناه: (إعجاز القرآن) هو تعجيز البشر لذات التعجيز أي تعريفهم بعجزهم عن الاتيان بمثل القرآن' فإن ذلك معلوم لدى كل عاقل' وإنما الغرض إظهار أن هذا الكتاب حق' وأن الرسول الذي جاء به رسول صادق' وهكذ اسائر معجزات الأنبياء الكرام التي يعجز البشر عنها ليس الغرض منها إلا إظهار صدقهم' وإثبات أن ما جاء وا به إنما هو بوحي من الحكيم العليم' وتنزيل من الإله القادر' وأنهم إنما يبلغون رسالات الله' وليس لهم إلا الاخبار والتبليغ' فالمعجزات إذا براهين من الله سبحانه إلى عباده' بصدق رسله وأنبيائه' فكأن الله تعالى– بواسطة هذه المعجزة– يقول: صدق عبدي فيما بلغ عني وأنا أرسلته ليبلغكم ذلك' والدليل على صدقه أن أجرى على يديه خوارق العادات مما لا يستطيع أحد منكم أن يأتي بمثله' ومما ليس بمقدور أحد من الناس أن يجاريه في مثل هذا الأمر العجيب ذالك هو معنى الإعجاز' وذلك هو مفهوم المعجزة.

متى يتحقق الإعجاز:

والإعجاز لا يتحقق إلا إذا توافرت أمور ثلاثة نجملها فيما يلي:

(أ) الأول: التحدى، أى (طلب المباراة والمعارضة)

(ب) الثاني: أن يكون الدافع إلى رد التحدى قائما

(ج) الثالث: أن يكون المانع منتفيا.

ولنوضح هذه الأمور الثلاثة ببعض الأمثلة فنقول:

(ا) هذا القرآن العظيم (معجزة محمد الكبرى) الذى تحدى الله به العرب خاصة، والناس اجمعين، يأتى به نبى أمى، لا يعرف القراءة والكتابة، ولم يدرس فى مدرسة. أو يتلق علومه فى جامعة من الجامعات الكبيرة ولم يثبت عنه أنه كان تلقى شيئا من العلوم والمعارف عن بعض النابغين من العلماء أو المبرزين فى صنوف الثقافة والعرفان، ولم يتصل بأحد من علماء أهل الكتاب (اليهود والنصارى) حتى يطلع على أنباء الأمم السابقين، وأخبار الانبياء المتقدمين، جاء هم بهذا الكتاب المجيد. متحديا لهم– وهم ائمة الفصاحة وفرسان البلاغة– وطلب منهم معارضة القرآن، بعبارات قوية. ولهجات واخزة تستفز العزيمة و تدفع إلى المباراة، وتنزل معهم من التحدى بجميع القرآن، إلى التحدى بعشر سور مثله، ثم إلى التحدى بسورة واحدة من مثله، وهم فى كل هذا واجمعون، لا ينبسون ببنت شفة، وهم رغم هذا التحدى ينتقلون من عجز إلى عجز، ومن هزيمة إلى هزيمة، أفليس فى هذا أكبر شاهد و برهان على إعجاز القرآن؟!

ترجمہ: اعجاز قرآن کا مطلب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''عربی زبان میں اعجاز دوسرے کی طرف عجز کی نسبت کرنے کو کہتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابُ فأوارى سَوْأَةَ اَخِى﴾ (المائده: ۳۱)

''مجھ سے اتنا نہ ہوسکا کہ ہوں برابر اس کوئے کے کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی۔'' (تفسیر عثمانی)

معجزہ کا نام معجزہ اس لئے رکھا جاتا ہے کہ انسان اس کی مثل لانے سے قاصر ہوتا ہے۔ کیونکہ معجزہ ایک خارق عادت اور اسباب معروفہ کی حدود سے خارج ایک امر ہوتا ہے۔ اور اعجاز القرآن کا مطلب ساری انسانیت کا، فرداً فرداً کا گروہ گروہ کا اس کی مثل لانے سے عاجز ثابت کرنا ہے، اعجاز القرآن سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسانوں کے عاجز ہونے کی وجہ سے ان کو عاجز کرنا

یعنی لوگوں کا قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہونے کو جاننا (کہ یہ اعجاز القرآن کا مطلب نہیں ہے) کیونکہ یہ بات ہر عقل مند (سمجھدار) انسان کو معلوم ہے (کہ وہ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہے بلکہ اعجاز القرآن سے) غرض بے شک اس بات کا اظہار ہے کہ یہ کتاب حق ہے اور جو رسول اس کو لے کر آیا ہے وہ سچا ہے اور اسی طرح وہ انبیاء کرام کے سارے معجزات جن (کی مثل لانے) سے انسان عاجز ہیں ان سے غرض (اور مقصود فقط) انبیاء کرام کی صداقت (پر شہادت) ہے اور اس بات کا اثبات ہے کہ انبیاء کرام جو (تعلیمات رشد وہدایت) بھی لے کر آئے ہیں وہ (اللہ) حکیم وعلیم کی وحی سے ہے اور (اللہ) الہ القادر کی اتاری ہوئی (تعلیم رشد وہدایت) ہے۔ اور یہ بتلاتا ہے کہ وہ بے شک رب کی رسالتوں کے پہنچانے والے ہیں۔ اور ان کے اختیار میں فقط (غیب کی) خبریں دنیا اور (رب کا پیغام) پہنچانا ہے۔

پس اس وقت معجزات اللہ کے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولوں اور انبیاء کے واسطے سے (اس کی سچی ہدایت اور تعلیم کے) براہین (ودلائل) ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان معجزات کے واسطوں سے (اپنے بندوں سے) یہ کہہ رہے ہیں۔

''میرے بندے نے میری طرف سے جو پہنچایا اس میں وہ سچا ہے اور اس کو میں نے بھیجا ہے تاکہ وہ تمہیں میری ہدایت پہنچائے اور اس کے سچے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ میں اس نبی کے ہاتھ پر اس خارق عادت امر کو جاری کر رہا ہوں کہ جس کی مثل کو تم میں سے کوئی نہیں لاسکتا۔ کہ کسی بندہ بشر کو اس کی استطاعت نہیں ہے کہ وہ اس عجیب امر کی مثل میں اس خارق عادت کو جاری کرے۔

یہ ہے اعجاز کا معنیٰ یہ ہے معجزہ کا مفہوم۔''

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ عہد آدم سے لے کر اب تک (اور انشاء اللہ قیامت تک) کوئی فصیح و بلیغ حکیم وذکی ایسی کتاب کا سواں حصہ بھی تصنیف نہ کرسکا۔ اور نہ کرسکے گا۔ آج فرانس اور جرمنی بالخصوص شام میں عیسائی علماء عربیت میں بڑا یدطولی رکھتے ہیں کسی نے قرآن میں کوئی نقص نہ ثابت کیا بلکہ بالاتفاق سب نے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا اقرار کیا مگر افسوس صد افسوس کہ جن پادریوں اور کرسٹینوں کو اچھی طرح اردو زبان بھی نہیں آتی انہوں نے منہ کھول کر قرآن پر اعتراض کیا۔ اور مقامات حریری کو (جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوئے تھا) قرآن سے بہتر کہا۔ مگر سچ ہے جس کو قوت شامہ نہ ہو تو وہ اگر بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں۔ وللہ در من قال ع

''چوں نیست درمشام عماد ہیچ امتیاز سرگین میش وعنبر سارا برابرست'' (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

لغت: مبارات: مقابلہ کرنا۔ معارضہ: مخالفت، رکاوٹ۔ واخزہ: کڑکدار۔ تستفز: اشتعال دلانا، جھنجھوڑنا۔

ترجمہ: اعجاز کب ثابت ہوتا ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''جب تین باتیں جمع ہو جائیں تو اعجاز ثابت ہو جاتا ہے ہم ذیل میں انہیں مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔''

(اول) چیلنج یعنی مقابلہ اور معارضہ کو طلب کرنا۔

(ثانی) اس چیلنج کے توڑنے کا محرک (اور سبب) موجود ہو۔

(ثالث) اس چیلنج کے (توڑنے میں) کوئی بات مانع نہ ہو۔

ہم ان تینوں باتوں کو چند مثالیں پیش کر کے واضح کرتے ہیں:

(امر اول) یہ قرآن عظیم کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ کبری ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کو اور خاص طور پر عربوں کو چیلنج کیا' اس قرآن کو وہ نبی امی لے کر آیا ہے کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہے اور اس نے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا۔ بڑی بڑی (درسگاہوں اور) جامعات میں سے کسی جامعہ سے علم حاصل نہیں کیا۔ اور نہ آپؐ کے بارے میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آپؐ نے علوم و معارف میں کچھ بھی کسی ماہر عالم سے یا تہذیب (وتمدن) اور (علم و) عرفان کے فنون کے ماہرین سے کچھ سیکھا ہو۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے کسی عالم سے ملے نہیں تاکہ (ان سے) گزشتوں امتوں کے احوال پہلے انبیاء کے قصوں کو جان لیا ہو۔''

وہ نبی یہ کتاب مجید لے کر ان کو چیلنج کرتا ہوا آیا جو کہ فصاحت کے امام اور بلاغت کے (شہ) سوار تھے۔ اور ان سے ایسی قوی عبارات اور کڑکدار لہجوں میں قرآن کا مقابلہ طلب کیا کہ جو حوصلہ کو جھنجھوڑے اور مقابلہ پر آمادہ کرے۔ اور وہ ان کے ساتھ پورے قرآن کا چیلنج کرتے کرتے دس ایسی سورتوں کے چیلنج تک اتر آیا (حتیٰ کہ) پھر قرآن جیسی ایک ہی آیت کے چیلنج تک اتر آیا۔ اور ان سب چیلنجوں میں وہ اور (نہ صرف وہ بلکہ عربوں کے علاوہ باقی) سب (بھی) اس چیلنج کے جواب میں اپنے) لب تک نہ ہلا سکے (جواب تو کیا دیتے) اور وہ سب اس چیلنج کی ناگواری کے باوجود درماندگی در درماندگی اور شکستگی در شکستگی میں پڑتے چلے گئے۔

کیا اس میں قرآن کے اعجاز کے لئے ایک بہت بڑی شہادت اور برہان نہیں ہے؟

اسلوب القرآن فی التحدی

جاء التحدی فی القرآن الکریم بصور متعددة' وأسالیب متنوعة' تهز کیان العرب هزا' وتجرهم إلی المیدان جرا' فی أسلوب ممتع أخاذ' یملك علیهم شعورهم' ویستحوذ علی أفئدتهم' بسحره وجماله و رونقه.

لقد تحداهم علی أن یأتوا بمثل القرآن. فعجزوا وولوا الأدبار. مع أنهم فرسان الفصاحة.

وملوك البيان.

فتتنزل معهم إلى (عشر سور) من مثله مفتريات، فانقطعوا واندحروا و عجزوا عن الاتيان بتلك السور العشر.

فتتنزل معهم إلى ما هو أسهل وأيسر، إلى الإتيان بمثل (سورة واحدة) فقط من سور القرآن، فلم يتقدم واحد منهم إلى حلبة الميدان...... وبذلك سجل عليهم القرآن العجز والهزيمة وثبتت معجزة محمد، النبى الإمى، على أن هذا القرآن تنزيل من رب العالمين. ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُo عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَo بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍo﴾ وصدق الله حيث يقول: ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّo لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ آمنوا وَهُدًى و بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾

أنواع التحدى:

والتحدى الذى جاء فى القرآن الكريم كان على نوعين:

(١) التحدى العام

(٢) التحدى الخاص

أما الأول: فقد ورد لجميع الخلائق، بما فيهم الفلاسفة، والعباقرة، والعلماء، والحكماء، وجاء لجميع البشر بدون استثناء، عربهم وعجمهم، أبيضهم وأسودهم، مؤمنهم وكافرهم، استمع إلى هذا التحدى الصارخ فى سورة الإسراء:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا o﴾

وأما الثانى: (التحدى الخاص) فقد جاء للعرب خاصة، وعلى الأخص منهم لكفار قريش، وقد ورد هذا التحدى على نوعين أيضا:

(١) تحدى كلى: وهو التحدى بجميع القرآن، فى أحكامه، وروعته و بلاغته، و بيانه.

(٢) تحدى جزئى: وهو التحدى بمثل سورة من سور القرآن الكريم، ولو من أقصر سورة كسورة الكوثر.

فالأول مثل قوله تعالى: ﴿﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴾ والمراد بالحديث فى هذه الآيات الكريمة (قرآن مثله) أى يأتوا بقرآن يشبه هذا الذى جاء هم به محمد رسول الله، والذى زعموا أنه افتراه وتقوله على الله، كما ورد التحدى بالقرآن كله فى سورة القصص فى

قوله تعالى:

﴿قُلْ فَأتوا بِكتَابٍ مِنْ عِنْد اللّٰهِ هو أهْدَى مِنْهُمَا أتَّبِعْه إنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

فقد طلب منهم أن يأتوا بكتاب كامل غير هذا الكتاب الكريم، فإذا لم يستجيبوا لدعوته فإنما هم أناس متعنتون، يعبدون الهوى، ويسيرون على غير هدى الله.

أما التحدى الجزئى: فقد ورد فى سورة (هود) فى قوله تعالى:

﴿أمْ يَقُوْلُوْنَ افتراهُ قُلْ فأتُوا بعشر سُوَرٍ مثلِهِ مفتريات، وادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دونِ اللّٰهِ إن كُنْتُمْ صَادِقِيْنَo فإنْ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا أنما أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰه، وأن لا إلٰهَ إلّا هو فَهلْ أنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾

كما ورد التحدى بأقل من ذلك تحداهم (بسورة) واحدة من أقصر سور القرآن، وجاء هذا التحدى مقرونا بالتعجيز الفاضح، فى الحاضر والمستقبل، ومسجلا عليهم ذلك العجز، بما يثير حميتهم و يغريهم بتكلف المعارضة، لا سيما بعد قولتهم القبيحة ودعواهم الكاذبة حين قالوا: ﴿لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَo﴾

جاء هم التحدى فى سورة البقرة فى قوله تعالى:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ o﴾

قال العلامة (القرطبى) فى تفسيره (الجامع لأحكام القرآن): قوله ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ يعنيى فيما مضى، ﴿وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ أى تطيقوا ذلك فيما يأتى، وفيه إثارة لهممهم، وتحريك لنفوسهم، ليكون عجزهم بعد ذلك أبدع، وهذا من الغيوب التى أخبر بها القرآن قبل وقوعها.

لغات: تھز: ہلا کر رکھ دینا۔ کیان: فطرت، طبیعت، وجود ہستی۔ استحوذ: غالب ہونا، دل و دماغ پر قبضہ جمانا۔ اِنْدَحَرُوا: شکست کھانا، دھتکارا جانا۔ حلبة المیدان: گھڑ دوڑ کا میدان مراد ہے مقابلہ کا میدان۔ عباقرہ: عبقری کی جمع، خداداد استعداد کا مالک، حیرت انگیز با کمال اور بے مثال آدمی۔ تقول: کسی کے خلاف جھوٹ گھڑنا۔ متعنت: ہٹ دھرم، ڈھیٹ، بے شرم۔ فاضح: رسواء کن۔ یغری: بھڑکانا۔

ترجمہ: چیلنج کرنے میں قرآن کا اسلوب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن پاک میں چیلنج کئی صورتوں اور مختلف اسالیب کے ساتھ آیا ہے جس نے عربوں کے وجود (طبیعت اور فطرت) کو ایسے مفید اور مسحور کن اسلوب کیساتھ ہلا کر رکھ دیا اور انہیں (قرآن سے مقابلہ کے) میدان میں کھینچ لایا کہ جس نے اپنی سحر (آفرینی) اور (حسن و) جمال اور رونق کے ذریعے سے ان کی عقل وشعور پر قبضہ جمالیا اور ان کے دلوں پر چھا گیا۔ تحقیق قرآن نے انہیں قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کیا جس سے وہ عاجز آ گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے باوجودیکہ وہ فصاحت (وبلاغت) کے (شہ) سوار اور (زبان و) بیان کے بادشاہ تھے۔''

قرآن ان کے ساتھ اس جیسی دس سورتیں ہی گھڑ لانے (کے چیلنج) تک اتر آیا۔ چنانچہ وہ اسی (جیسی) دس سورتیں لانے سے (بھی) رہ گئے' دھتکارے گئے اور عاجز ہو گئے پھر قرآن ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سہل اور آسان (یعنی) قرآن کی آیات میں سے فقط اس جیسی ایک آیت کی مثل لانے تک اتر آیا۔ پس کوئی بھی مقابلہ کے میدان میں آگے نہ بڑھا۔ اسی وجہ سے قرآن نے ان پر درماندگی و شکستگی ثبت کر دی اور نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات پر معجزہ قرار پایا کہ یہ رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:)

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الشعراء: ۱۹۲ - ۱۹۵)

''اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا۔ پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر تا کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ○ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (النحل: ۱۰۲)

''تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلا شبہ۔ تا کہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

چیلنج کی اقسام

قرآن میں آنے والا چیلنج دو قسم پر ہے۔

(۱) عام چیلنج

(۲) خاص چیلنج

پہلی قسم (عام چیلنج)

کہ جو جمیع خلائق کے فلاسفہ' عبقری شخصیات' علماء حکماء کے لئے آیا ہے اور ساری انسانیت کے لئے بغیر کسی کے استثناء کے

عربوں عجموں کالے گوروں مومنوں کافروں (تک) کے لئے آیا ہے۔
ذرا سورۂ اسراء کے اس بلند بانگ چیلنج کو کان لگا کر سن! (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)
﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾ (الاسراء: ۸۸)
''کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

دوسری قسم (خاص چیلنج)

یہ خاص طور پر عربوں (ہی) کے لئے آیا ہے اور ان میں سے بھی خاص طور پر کفار قریش کے لئے۔ اور یہ چیلنج بھی دو قسم پر آیا ہے۔

(۱) کل کا چیلنج

یہ پورے قرآن کا اس کے احکام اس کی شوکت (و دبدبہ کلام) اور اس کی بلاغت و بیان کا چیلنج ہے۔

(۲) جز کا چیلنج

یہ قرآن کریم کی سورتوں میں سے کسی سورت کی مثل لانے کا چیلنج ہے چاہے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہو جیسے سورۂ کوثر۔

کل کے چیلنج کی مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (طور: ۳٤)
''پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)
(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ) حدیث سے ان آیات کریمہ میں مراد ''قرآن کی مثل'' ہے یعنی وہ عرب ایسا قرآن لے کر آئیں کہ جو اس قرآن کے مشابہ ہو جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس لے کر آئے۔ اور اس قرآن کے (مشابہ ہو) کہ جس کو انہوں سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور اللہ پر اپنی طرف سے گھڑ لیا۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں اس ارشاد خداوندی میں سارے کے سارے قرآن (کی مثل لانے) کا چیلنج آیا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)
﴿قُلْ فَأتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ هو أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْه إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (القصص: ٤٩)
''تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں میں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب سے اس کتاب قرآن کے علاوہ ایک کامل کتاب لانے کو طلب کیا۔ جب انہوں نے اللہ کی اس پکار کا جواب نہ دیا تو وہ ایسے لوگ ہوئے کہ جو متعنت ہیں' جو اپنی خواہشات کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ہدایت الٰہی کے علاوہ (دوسرے) راستوں پر چلتے ہیں۔

جز کا چیلنج کی مثال

یہ سورۂ ہود میں اس ارشاد خداوندی میں آیا ہے۔

﴿أَمْ يَقُوْلُوْنَ افتراهُ قُلْ فأتُوا بعشر سُوَرٍ مثلِهِ مفتريات' وادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دونِ اللّٰهِ إن كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ٥ فإنْ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْآ اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ' وأن لا إلٰهَ إلاَّ هو فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ (هود: ١٣- ١٤)

''کیا کہتے ہیں کہ تو بنالایا ہے قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے' پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم نہیں اس کے سوا۔ پھر اب تم حکم مانتے ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

جیسا کہ اس سے بھی کم کا چیلنج آیا ہے کہ اللہ نے انہیں قرآن کی سب سے چھوٹی سورت کی ایک آیت کا مثل بنا لانے کا (بھی) چیلنج کیا ہے۔ اور موجودہ اور آئندہ ہر زمانے میں یہ چیلنج ان کے عاجز ہونے کے ساتھ مل کر آیا ہے ان پر اس درماندگی و عجز کی مہر لگاتا ہوا' اس درماندگی کے چیلنج کے ساتھ کہ جو ان کی حمیت (وعصبیت کے جوش) کو بھڑکائے اور انہیں مقابلہ کے تکلف پر اکسائے (اور ابھارے) خاص طور پر ان کی اس قبیح (اور نہایت بری) بات اور ان کے جھوٹے دعویٰ کے بعد کہ انہوں نے یہ کہا:

﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ٥﴾ (الانفال: ٣١)

''اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اس پر سورۂ بقرہ میں اس ارشاد خداوندی میں ان کو چیلنج ہوا۔

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ٥﴾ (البقرة: ٢٣- ٢٤)

''اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول "فان لم تفعلوا" یعنی (اس سے پہلے) گزشتہ زمانے میں اور "ولن تفعلوا" (کا معنی ہے) کہ تم اس کی آئندہ زمانہ میں (بھی) طاقت نہیں رکھتے۔ اس میں ان کو بھڑکانا اور ان کے جیوں کو اکسانا ہے تاکہ (وہ اس کوشش میں لگیں اور پھر نہ کر پائیں تو) ان کی عجز (درماندگی) اس کے بعد اور زیادہ واضح ہو جائے۔ یہ ان غیب کی خبروں میں سے ہے کہ جن کو قرآن نے ان کے وقوع سے پہلے ہی بتلا دیا۔ ❶

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس موقعہ پر فرماتے ہیں:

"قرآن ایک ایسا کلام ہے کہ جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے اسی وجہ سے اس کو سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے۔"

ذرا زمانہ جاہلیت کے عربوں کا حال تصور کیجئے' خطابت اور شاعری ان کے معاشرے کی روح رواں تھی۔ عربی شعر و ادب کا فطری ذوق ان کے بچے بچے میں سمایا ہوا تھا۔ فصاحت و بلاغت ان کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑ رہی تھی۔ ان کی مجلسوں کی رونق' ان کی محفلوں کی رنگینی' ان کے فخر و ناز کا سرمایہ اور ان کی نشر و اشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر و ادب تھا۔ اور انہیں اس پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو "عجم" یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔

ایسے ماحول میں ایک امی (جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کلام پیش کیا۔ اور اعلان فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ:

"اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا (کلام) پیش کرنا چاہیں تو اس جیسا پیش نہیں کر سکیں گے خواہ وہ ایک دورے کی کتنی مدد کیوں نہ کریں۔" (الاسراء: ۸۸)

یہ اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ دعویٰ اس ذات کی طرف سے تھا جس نے کبھی وقت کے مشہور ادباء و شعراء سے کوئی علم حاصل نہ کیا تھا' کبھی مشاعرے کی محفلوں میں کوئی ایک شعر بھی نہ پڑھا تھا اور کبھی کاہنوں کی صحبت بھی نہ اٹھائی تھی۔ خود شعر کہنا تو درکنار آپؐ کو دوسرے شعراء کے اشعار تک یاد نہیں تھے۔ پھر یہی وہ ذات تھی جسے میدان فصاحت کے یہ سورما ایک نئے دین کا بانی کہا کرتے تھے۔

اگر یہ اعلان سچا ثابت ہو جائے تو ان کے آبائی دین کی ساری عمارت منہ کے بل گر پڑتی اور ان کی صدیوں پرانی رسوم و روایات کا سارا پلندہ پیوند زمین ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ اعلان درحقیقت ان کی ادبی صلاحیتوں کو ایک زبردست چیلنج تھا' یہ ان کے دین و مذہب پر ایک کاری وار تھا' یہ ان کی قومی حمیت کے نام مبارزت کا ایک پیغام تھا۔ یہ ان کی غیرت کو ایک للکار تھی جس کا جواب دیئے بغیر کسی غیور عرب کے لئے چین سے بیٹھنا ممکن نہ تھا۔

---

❶ تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۳۲۔

لیکن ہوا کیا؟............اس اعلان کے بعد ان آتش بیان خطیبوں اور شعلہ نوا شاعروں کی محفل میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی شخص اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا۔ کچھ عرصہ بعد قرآن کریم نے پھر اعلان فرمایا کہ:

''اور اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں ذرا بھی شک شبہ ہو جو ہم نے اپنے رسول پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک (ہی) سورت بنا لاؤ' اگر سچے ہو اور اللہ کے سوا تمہارے جتنے حمایتی ہیں ان سب کو بلا لو پھر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (البقرہ:۲۳)

اس پر بھی بدستور سکوت طاری رہا اور کوئی شخص اس کلام کے مقابلہ میں چند جملے بھی بنا کر نہ لا سکا۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس قوم کی کیفیت' بقول علامہ جرجانیؒ [1] یہ ہو کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کے آخری سرے پر کوئی شخص اپنی فصاحت و بلاغت پر غیر معمولی گھمنڈ رکھتا ہے تو وہ اس پر تنقید کرنے اور اپنے اشعار میں اس پر چوٹیں کسنے سے باز نہ رہ سکتی تھی' اس بات کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کے ان مکرر سکرر اعلانات کے بعد بھی چپکی بیٹھی رہے اور اسے دم مارنے کی جراءت نہ ہو؟ اس بات کی کوئی تاویل اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ فصاحت و بلاغت کے سورما قرآن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ چکے تھے کہ انہوں نے آپؐ کو زک پہنچانے کے لئے ظلم وستم کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا' آپؐ کو ستایا' مجنون کہا' جادوگر کہا' شاعر اور کاہن کہا لیکن ان سے اتنا نہیں ہو سکا کہ قران کے مقابلے میں چند جملے پیش کر دیتے۔

پھر صرف یہی نہیں کہ یہ شعلہ بیان خطیب اور آتش نوا شاعر قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکے بلکہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کلام کی حیرت انگیز تاثیر کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔

امام حاکم اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے ولید بن مغیرہ کے قرآن کے بارے میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

واللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وانہ لیعلو و لا یعلی.

''خدا کی قسم! جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے۔ یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔'' [2]

یہ ولید بن مغیرہ ابوجہل کا بھتیجا تھا۔ ابوجہل کو جب معلوم ہوا کہ میرا بھتیجا اس کلام سے متاثر ہو رہا ہے تو وہ اسے تنبیہ کرنے کے لئے اس کے پاس آیا۔ اس پر ولید نے اسے جواب دیا: ''خدا کی قسم! تم میں کوئی شعر کے حسن و قبح کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا' خدا کی قسم محمدؐ جو کہتے ہیں شعر کو اس کے ساتھ کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں ہے۔ [3]

اس قسم کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ ادباء وشعراء نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کا معارضہ نہیں کر سکے بلکہ قرآن کریم کی اثر انگیزی کا قولی یا عملی طور سے اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔

---

[1] الرسالۃ الشافیہ لعبد القاھر الجرجانیؒ المطبوعہ فی ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن ص ۱۰۹ دار المعارف مصر

[2] الخصائص الکبری للسیوطیؒ جلد ا صفحہ ۱۱۳ اور الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۱۷۔ [3] الخصائص الکبری جلد ا صفحہ ۱۱۳۔

بعض غیر مسلم مصنفین یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے قرآن کریم کے مقابلے پر کوئی کلام پیش کیا ہو۔لیکن ہم تک وہ کلام نہ پہنچ سکا ہو۔علامہ ابوسلیمان خطابیؒ نے جو بڑے پایہ کے محدث ہونے کے علاوہ لغت وادب کے بھی امام ہیں۔اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑی اچھی بات لکھی ہے: وہ فرماتے ہیں:

''یہ خیال بالکل غلط ہے اس لئے کہ عام اور خاص لوگوں کی یہ عادت چلی آتی ہے کہ وہ اہم واقعات کو ضرور نقل کر کے آئندہ نسلوں کے لئے بیان کر جاتے ہیں بالخصوص وہ واقعات جن کی طرف لوگوں کی نظریں لگی ہوں۔ یہ معاملہ (قرآن کا چیلنج) تو اس وقت چار دانگ عالم میں شہرت پا چکا تھا اگر اس کا کوئی مقابلہ کیا گیا ہوتا تو اس کا ہم تک نہ پہنچنا ممکن ہی نہ تھا۔ اگر یہ بات ممکن ہوسکتی ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں کوئی اور نبی یا بے شمار انبیاء مبعوث ہوئے ہوں' ان پر کتابیں اتری ہوں اور ان میں شریعت محمدیؐ کے علاوہ کوئی اور شریعت بیان کی گئی ہو۔ اور یہ واقعات ہم تک نہ پہنچے ہوں۔

اگر یہ بات ناقابل تصور ہے تو قرآن کریم کے معارضہ کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔'' ❶

البتہ چند مسخروں نے قرآن کریم کے مقابلے میں چند مضحکہ خیز جملے بنائے تھے۔ وہ تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہیں۔اور اہل عرب ہمیشہ ان کا مذاق اڑاتے آئے ہیں۔مثلاً کسی نے سورۃ القارعہ اور سورۃ الفیل کے انداز پر یہ جملے کہے تھے۔

الفیل ما الفیل وما ادراك ما الفیل له مشفر طویل و ذنب اثیل و ماذالك من خلق ربنا لقلیل.

یا کسی نے قران کے مقابلہ میں یہ جملے بنائے تھے۔

الم تر الی ربك كیف فعل بالحُبلٰی اخرج فها نسمة تسعی بین شرا سیف وحشی.

''یا مسیلمہ کذاب نے ان جملوں کو قرآن کے مقابلے میں اپنی وحی قرار دیا تھا۔''

یا صفدع نقی كم تنقین لا الماء تكدرین ولا الوارد تنفرین. ❷

پھر نزول قرآن کے کافی عرصہ بعد عربی کے مشہور ادیب وانشاء پرداز عبداللہ ابن المقفع مترجم کلیلہ و دمنہ (متوفی ۱۴۲ ہجری) نے قرآن کریم کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا۔لیکن اسی دوران کسی بچے کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ:

وقیل یا ارض ابلعی ماءك ویا سماء اقلعی.

''تو پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں ہے۔ (علم القرآن صفحہ ۲۴۸-۲۵۴ ملخصاً) متن کتاب میں بھی یہ قصہ آ گے رہا ہے۔ (نسیم)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ''اعجاز القرآن'' میں اس مقام پر نہایت طویل کلام کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

''جیسے ہم خدائی کاموں کو مصنوعات عالم میں غور کر کے پہچان لیتے ہیں۔اسی طرح خدا کے کلام کے مقابلہ میں بہت

---

❶ ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن صفحہ ۵۰۔

❷ بیان اعجاز القرآن للخطابیؒ المطبوع فی ثلث رسائل فی اعجاز القرآن صفحہ ۵۰-۵۱۔

سے شعراء کے کلاموں کو اور دنیا کے برے بڑے بولنے والوں کے نتائج افکار کو ان کے شستہ و مہذب بیانوں کو غلغلہ انداز خطیبوں کو معرکتہ الآراء لیکچروں کو عرق ریزی سے لکھی ہوئی تالیفات کو ادبی اور علمی مصنفات کو سامنے رکھ کر ہم آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے آدمیوں کا کلام نہیں۔''

خدائی کلام کو پرکھنے کے لئے ہمیں چند امور پر غور کرنا پڑے گا۔

اس کلام کو لانے والے کا حال

یہ ایک یتیم بچہ ہے کہ جس کے سر پر نہ باپ نے سایہ کیا اور نہ زیادہ دونوں تک آغوش مادری کی راحت اٹھائی۔ نہ دولت نہ ثروت نہ گھرانہ علمی و صنعتی، نہ لڑکپن و جوانی میں بلکہ نبوت کے بعد بھی کوئی ظاہری علمی سامان ہے نہ اس کے وطن میں کوئی مکتب نہ مدرسہ نہ اس معاشرہ میں علوم وفنون کا چرچا اور نہ ان کے ذکر سے کسی کو آشنائی۔ اگر ہے تو فقط زبان ہے اور اس قدر طاقت لسانی اور قادر الکلامی کہ باقی سارے جہان کو ''عجم'' یعنی گونگا کہتے ہیں۔ ان کو قادر الکلام نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے مقابلہ میں سب کو ہیچ سمجھتے تھے۔ شاہوں کے درباروں میں نہایت شان وشوکت کے ساتھ بے دھڑک بولتے تھے۔ اونٹ چرانے والا معمولی انسان بھی برجستہ کلام کرتا ہے بولتے تو رعد کی کڑکتے بجلی کی طرح چمکتے اور بارش کی طرح برستے۔ تھوڑی سی دیر میں گھے بآب گھے بآتش کا سماں کھینچ دیتے۔ غرض اگر ان کے پاس کچھ تھا تو فقط زبان تھی۔

اب ایسے ماحول میں ایسی بے سروسامانی کے ساتھ زندگی گزارنے والا، جس نے نہ کبھی قلم پکڑا نہ کتاب کھولی، نہ کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ ایسا شخص ابواب تہذیب وتمدن اور معارف الٰہیہ اور حقائق توحید ذاتی وصفاتی و افعالی اور علوم ہدایت وامم واقوام میں کوئی سیدھی بات بھی نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بینات لوگوں کے سامنے پیش کرے جس کو دیکھ کر ارباب فنون اور علماء متبحرین حیران رہ جائیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے عقلاء اور حکماء اس کے چوکھٹ پر سر دھننے لگیں۔ جن وانس اس کا مثل پیش کرنے سے صریح عاجز و درماندہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں ہم ایسا کلام دیکھیں تو ضرور اس کو کلام الٰہی کہیں گے۔ اور از روئے عقل وتجربہ وانصاف یہ کہنے پر مجبور ہوں گے۔

قرآن کی طرف سے مقابلہ کا پرزور چیلنج

اس قرآن نے شروع ہی سے دعویٰ کیا کہ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ غیرت دلائی، جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھایا چابک مار مار کر معارضہ کے لئے کھڑا کیا اور کہا کہ میرے جیسی ایک چھوٹی سی سورت سب مل کر بنا لاؤ اور اسی پر فیصلہ ہے اگر نہ لا سکو اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ کبھی نہ لا سکو گے تو پھر مجھ کو خدا کا کلام تسلیم کرو ورنہ اس عذاب سے ڈرو جو منکرین کے لئے تیار ہے۔

اب دیکھئے کہ چیلنج کس زور کا تھا۔ کیا لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوگی یا پوری ہمت اور قوت سے مقابلہ کے لئے نہ نکلے ہوں گے۔ یقیناً نکلے اور انہوں نے ہر طرح سے آپ ؐ کو ستایا آپ ؐ کے قتل پر انعام مقرر کیا۔ آپ کے ماننے والوں پر عتاب کیا۔ غیض وغضب سے بیتاب ہو کر جنگ وجدال اور معرکہ آرائی شروع کر دی تلواریں اٹھائیں صف آرائیاں ہوئیں

خون کی ندیاں بہائیں جانیں گنوائیں خویشوں اور عزیزوں کے سر کٹوائے مال ومتاع برباد کئے کہ کسی نہ کسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم مغلوب ہوں۔ ادھر سب سے سہل اور آسان طریقہ کو کلیۃ اختیار نہ کیا اور وہ طریقہ خود قرآن نے بتلایا کہ صرف تین آیت کی ایک چھوٹی سی سورت اس شان کی لے آؤ جس شان میں قرآن تمہارے سامنے ہے تو ہم خود بخود تمام تحریک کو ختم کر کے اپنی جماعت بلکہ اپنے آپ کو بھی تمہارے حوالہ کر دیں گے۔ پھر اس چیلنج کے ساتھ یہ رنگا رنگ قسم کی سہولتیں بھی دیں کہ جتنے فصیح و بلیغ تعلیم یافتہ قبائل ہیں۔ سب جمع ہو جاؤ' اس پر بس نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسان جمع ہو جاؤ۔ بلکہ انسانوں کے ساتھ دوسری مخلوق کو جمع کر کے اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ مگر ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں' دماغ مفلوج ہو گئے اعضاء و جوارح معطل ہو گئے لیکن اس سہل ترین اور فیصلہ کن مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۵۲-۶۲ ملخصاً)

أما الأمر الثاني وهو:

(قيام المقتضى للمباراة والمعارضة) عند العرب فقد كان حاصلا وقائما' فإن النبى عليه الصلاة والسلام جاء هم بدين جديد' أبطل فيه دينهم' وسفه احلامهم' وسخر من آلهتهم وأصنامهم' وجعلهم اضحوكة بين الناس' ثم دعاهم الى اتباعه وإلى اعتقاد أنه رسول من عند الله' وقال لهم: إن الحجة على صدقى هذا الكتاب الذى أوحاه الله إلى' فإذا لم تصدقونى فى ذلك فأنا اتحداكم ان تأتوا بمثله' او بمثل سورة منه' وإذا عجزتم فذلك آية صدقى' و برهان رسالتى إليكم..... فما كان احوجهم إلى ان يأتوا بمثله خاصة بعد هذا التحدى السافر' والتهكم السديد اللاذع' بعقولهم وآلهتهم وأصنامهم' أقول ما كان أحوجهم الى دحض ما ادعاه وابطال أنه من عند الله' وذلك بسلوك ايسر الطرق' وولوج اقرب الابواب لرد دعواه وذلك عن طريق ما برعوا فيه' و اشتهروا بجودته واتقانه الا وهو (البيان) فى النطق و (الفاصحة) فى اللسان' وكان ذلك انفع لهم من الحرب التى ذاقوا و يلاتها' وخاضوا غمارها' حتى شربوا كووس الأسى وتجرعوا الموت الذوام' ولكنهم اختاروا طعن الرماح' و وقع النبال' ولم يدخلوا فى المباراة.

يقول القاضى (الباقلانى) رحمه الله: (كيف يجوز أن يقدروا على معارضة القرآن' السهلة عليهم' وذلك يدحض حجته' ويفسد دلالته' ويبطل أمره' فيعدلون عن ذلك إلى سائر ما صاروا إليه من الأمور التى ليس عليها مزيد فى المنابذة والمعاداة' ويتركون الأمر الخفيف؟ هذا ما يمتنع وقوعه فى العادات ولا يجوز اتفاقه من العقلاء)

وأما الأمر الثالث: وهو (انتفاء ما يمنعهم من معارضة القرآن) فلأنه نزل بلسان عربى' هو لسانهم' وألفاظه من أحرف العرب' وعباراته على أسلوب العرب' وهم أهل البيان واللسن'

وأمراء الفصاحة والبلاغة، وقد دلت أشعارهم، ونطقت خطبهم وحكمهم على براعتهم في ذلك، وعلى انهم حازوا قصب السبق في مضمار الفصاحة والبيان، كما أثبتت الأيام أنهم من ذوي القدرة و الاستطاعة على ان يبرزوا في الشعر والنثر، وان يحلقوا في سماء الفصحى ألا وهي لغتهم الأساسية (لغة القرآن) التي بها يتفاخرون ويتبارون، ويعقدون المنتديات، ويجتمعون في المحافل، ليستمعوا أروع القصائد والخطب، ويصوغوا اجمل الالفاظ والعبارات، ولم يكونوا في عجز من قدرتهم، او نقص في عقولهم، بل كانت قدرتهم موفورة، و استطاعتهم مشهورة، وهم أولوا النهى والألباب، ومع ذلك فالقرآن دعاهم أن يستعينوا بمن شاء وا، ويكملوا ما ينقصهم بأهل الأديان، ويستحضروا عدتهم بالاتصال بالسحرة والكهان، وبمن شاء وا من طوائف الإنس والجان، فليس أمامهم ثمة مانع، والنبي ﷺ لم يضرب لهم أجلا للمعارضة، ولم يحدد زمنا للمناقضة، حتى يقول قائل منهم: إن الزمن لا يكفي وليس فيه سعة كما أن القرآن لم ينزل جملة واحدة حتى يحتجوا بذلك، بل نزل مفرقا في ثلاث و عشرين سنة، بين كل مجموعة واخرى زمن متسع للمعارضة وللإتيان بمثله لو كان في مقدورهم ذلك، فلما عجزوا دل على أنه تنزيل رب العباد، وكفى بذلك دليلا و برهانا.

لغت: سَفَّهَ: بے وقوف ٹھہرانا۔ احلام: حلم کی جمع، عقل دماغ۔ اضحوکة: ٹھٹھہ، مذاق۔ السافر: واضح، واشگاف۔ التهكم: ہنسی، مذاق، ٹھٹھہ۔ اللاذع: چھبتی بات، نوکیلی گفتگو۔ دحض: دلیل کو بے اثر کرنا، دلیل توڑنا۔ ویلات: ویل کی جمع، ہلاکت، بربادی، آفت یہ کلمۂ عذاب ہے۔ موت ذُؤَام: جلد آنیوالی موت۔ طعن الرماح: نیزے مارنا۔ نبال: نبل کی جمع، تیر۔ منابذه: جنگ وجدال کرنا۔ معادات: دشمنی۔

ترجمہ: امر ثانی:

''وہ عربوں کے ہاں مقابلہ اور معارضہ کے مقتضیٰ کا موجود ہونا ہے اور وہ حاصل اور قائم تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایک نیا دین لے کر آئے جس میں آپؐ نے ان کے دین کو باطل کر دیا، اور ان کے (باطل اوہام و) خیالات کو غلط قرار دیا اور ان کے الٰہوں اور بتوں کی ہنسی اڑائی، اور انہیں لوگوں کے درمیان ٹھٹھہ بنا دیا۔ پھر انہیں اپنی اتباع کی دعوت اور اس بات کے اعتقاد کی دعوت دی کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور انہیں فرمایا: ''میری سچائی کی دلیل یہ کتاب ہے جسے اللہ نے میری طرف وحی کیا ہے، پس جب تم اس میں میری تصدیق نہ کرو گے تو تمہیں میں اس بات کا چیلنج کرتا ہوں کہ اس جیسی کتاب لاؤ یا اس کی ایک سورت جیسی (کوئی) سورت (ہی) بنا لاؤ۔ اور جب تم اس بات سے عاجز آؤ (اور ایسا نہ کر سکو) تو یہ میرے سچے ہونے کی دلیل اور تمہاری طرف (بھیجی گئی) میری رسالت کی

برہان ہوگی۔''

پس (آپ اندازہ کیجئے کہ) عرب اس کی مثل لانے کے کس قدر محتاج ہوں گے (اور اس کی مثال پیش کرنے پر کتنے مجبور ہوں گے) اور اس واضح (وواشگاف) چیلنج کے بعد اور ان کی عقلوں الٰہوں اور بتوں کی انتہائی اور از حد بے عزتی کے بعد (تو) خاص طور پر (اور بھی زیادہ مجبور ہوں گے)

میں کہتا ہوں:

''وہ آپؐ کے دعویٰ (رسالت و نبوت اور اس کتاب کے بے مثل ہونے کے دعویٰ) کے رد کردینے (اور اس دعویٰ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے) اور آپؐ کے اللہ کی طرف سے (رسول) ہونے (کے دعویٰ) کو باطل قرار دینے کے بہت زیادہ محتاج تھے۔''

اور یہ آپؐ کے دعویٰ کو رد کرنے کے لئے سب سے آسان راستہ پر چلنا اور سب سے قریبی دروازے میں داخل ہونا تھا۔ اور یہ وہ راستہ (اور طریقہ) تھا کہ جس میں وہ سب پر فائق اور اس کی عمدگی اور پختگی میں (چاردانگ عالم میں) مشہور تھے۔

ہاں ہاں وہ ان کی گفتگو میں وضاحت اور زبان کی فصاحت تھی۔ اور یہ راستہ ان کے لئے ان جنگوں سے زیادہ نافع تھا کہ جس کی تباہیوں (اور بربادیوں، ہلاکتوں اور عذابوں) کو انہوں نے چکھا اور ان لڑائیوں کے رن میں گھسے یہاں تک کہ انہوں نے غم کے پیالے پیئے اور تیزی سے آنے والی موت (کہ جس نے سب کو چاٹ لیا اور ان کی نسلیں برباد کردیں) کے پیالے کو انہوں نے (نہایت ناگواری سے) گھونٹ گھونٹ کر کے پیا۔

لیکن انہوں نے (تلواریں اٹھانے) نیزے مارنے اور تیر برسانے کو اختیار کیا اور (اس چیلنج کے) مقابلہ میں نہ آئے۔

قاضی باقلانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآن کا مقابلہ کرسکنا ان کے لئے آسان ہوتا، جبکہ یہ (قرآن) ان کے مقابلہ کی دلیل کو بے اثر، اس کی دلالت کو فاسد اور اس کے امر کو باطل کردیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس معارضہ (ومقابلہ کے چیلنج) سے منہ موڑ کر ان سب باتوں کی طرف رخ کرلئے ہیں کہ جنگ (وجدال) اور دشمنی (وعداوت) میں اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ (یعنی دشمنی اور لڑائی کی تو حد کردی مگر نہ کرسکے تو فقط قرآن کے چیلنج کا مقابلہ نہ کرسکے۔'' (نسیم)

اور معمولی (سی) بات کو ترک کرتے ہیں؟ (یعنی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی ایک آیت کے مثل ہی کوئی آیت بنا لائیں؟ (نسیم) یہ ایسی بات ہے کہ (روزمرہ کی) عادات (واطوار) میں اس کا وقوع (ناممکن اور) ممتنع ہے اور عقلاء کا اس پر اتفاق نہیں ہوتا۔

توضیح

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ عربوں کی بے بسی اور مذبوحی حرکات کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بھائیو! کیا یہ ممکن ہے کہ خود تمام مصیبتیں برداشت کریں اور دوسروں کو بھی ہر ایک مصیبت میں ڈالیں۔ قرآن پڑھنے والوں کے خلاف بادشاہوں کے پاس جا کر مدد مانگیں' ہر قسم کی سازشیں کریں لوگوں کو قرآن سننے سے روکیں۔''

از خود اقرار کریں کہ اس آواز سے ہماری عورتیں اور بچے مفتون ہوئے جاتے ہیں۔ قرآن ان مذہبوں پر ایسی ضرب کاری لگائے' ان کی سرداریوں کو خاک میں ملا دے' ان کے کبر ونخوت کے طلسم کو توڑ دے ان کے معبودوں کی حکومت میں زلزلہ ڈال دے' ان کے جتھے توڑ ڈالے ان کی قوتیں پراگندہ کر ڈالے بھائی کو بھائی سے' باپ کو بیٹے سے' میاں کو بیوی سے' دوست کو دوست سے' غرض آدمی کو کل محبوب چیزوں سے چھڑا کر صرف اپنا ہی والہ وشیداء بنالے مگر وہ برق زبانی اور شیوا زبانیوں کے مدعی زبانیں سی کر اور لبوں کو بند کر کے چپ بیٹھے رہیں اور باوجود ایسے صاحب البیان اور قادر الکلام ہونے کے دو چار جملے بنانے کی خواہش بھی نہ کریں۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۶۳-۶۴)

لغت: براعت: کمال' مہارت' فوقیت۔ حازوا: حاصل کرنا' قبضہ کرنا۔ قصب السبق: گوئے سبقت' اس کی اصل یہ ہے کہ عرب دوڑ کے میدان میں ایک بانس گاڑھ دیتے تھے پھر دوڑ میں جو آگے رہتا وہ اسے بطور جیتنے کی علامت کے اکھاڑ لیتا۔ مضمار: گھڑ دوڑ کا میدان۔ منتدیات: منتدی کی جمع' بیٹھک' جمی ہوئی مجلس۔ یَصُوْغُ: کلام کو مزین ومرتب کرنا۔

ترجمہ: امر ثالث

وہ معارضہ قرآن سے مانع اشیاء کا نہ ہونا ہے۔ وہ اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں اترا کہ جو ان کی زبان تھی۔ اور قرآن کے الفاظ حروف عرب میں سے تھے۔ اور اس کی عبارات (بھی) (اہل) عرب کے اسلوب پر تھیں۔ اور وہ اہل زبان و بیان تھے۔ اور فصاحت و بلاغت کے سردار (اور سورما) تھے۔ اور ان کے اشعار اس میں ان کے کمال پر دلالت کرتے تھے اور ان کے خطبے (اور تقریریں) اور حکمتیں ان کی اس میں (یعنی فصاحت و بلاغت میں) مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں اور باوجودیکہ وہ فصاحت (و بلاغت) اور (زبان و) بیان کے میدان میں گوئے سبقت لے گئے۔ جیسا کہ ایام (جاہلیت کے اشعار) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ لوگ اس بات کی قدرت اور استطاعت رکھتے تھے کہ شعر (وخطابت) اور (نظم و) نثر میں (سب پر) فوقیت لے جائیں اور فصاحت (و بلاغت) کی فضاؤں کی بلندیوں میں چکر لگائیں۔

ہاں ہاں (کیوں نہیں؟) وہ ان کی اساسی زبان' قرآن کی زبان تھی جس پر وہ (محفلوں میں) ایک دوسرے پر فخر اور ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اور محفلیں لگایا کرتے تھے اور مجلسیں جمایا کرتے تھے' تا کہ (ان مجلسوں اور محفلوں میں) نہایت عمدہ (پرشکوہ' شاندار اور خوبصورت) قصیدے اور تقریریں سنا کریں اور بہترین الفاظ و عبارات کو فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھالا کریں۔ اور (ایسا کرنے میں) وہ لوگ اپنی قدرت (واستطاعت) میں عاجز نہیں تھے یا ان کی عقلوں میں کوئی نقص (اور خلل) نہیں تھا بلکہ ان کی (زبان و بیان کی) قدرت بہت زیادہ تھی اور ان کی (فصاحت و بلاغت کی) استطاعت

(چاردانگ عالم میں) مشہور تھی۔ وہ عقل و دانش والے تھے۔اس سب کے باوجود قرآن نے انہیں للکارا کہ جس سے چاہے مدد لے لیں اور دوسرے مذاہب والوں سے اپنی کمی کی تلافی کر لیں۔ اور جادوگروں کاہنوں اور جن وانس کی جماعتوں (اور گروہوں) میں سے جس سے (بھی) چاہیں ان کی مدد سے اپنی تیاری کر لیں (اور قرآن کے اس چیلنج کو توڑنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں) یہاں ان کے سامنے کوئی روکاوٹ نہ تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (قرآن کی مثل لانے کے) اس مقابلہ کی ان کے لئے کوئی مدت متعین نہ کی۔ اور (قرآن کے اس چیلنج کو) توڑنے کا کوئی عرصہ مقرر نہ کیا کہ کوئی کہنے والا ان میں سے کہہ اٹھتا' کہ ''یہ مدت کافی نہیں اور اس میں (ہمیں مقابلہ کی) گنجائش نہیں (بلکہ ہمیں کچھ مدت اور دو)'' جیسا کہ قرآن سارے کا سارا ایک ہی دفعہ نہیں اترا یہاں تک کہ ان (کفار مشرکین) نے اس سے دلیل (بھی) پکڑی (اور معاوضہ قرآن کی مدت میں وسعت چاہی) بلکہ قرآن تیئیس سال کے عرصہ میں رفتہ رفتہ اترا۔

اسی اثناء میں ہر جماعت جبکہ دوسری طرف قرآن کی مثل لانے اور اس کا معاوضہ کرنے کے زمانے میں (کافی) گنجائش (بھی) تھی اگر وہ لوگ اس پر قادر ہوتے تو وہ (اس معارضہ ومناقضہ سے) عاجز نہ ہوتے (بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ بنا کر پیش کر دیتے) تو (یہ بات) اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قرآن رب العباد کا اتارا ہوا ہے۔

''تیرے لئے یہی بات کافی دلیل ہے۔''

مثل على إعجاز القرآن

وقد ذكر المرحوم (الشيخ الزرقاني) كلامًا نفيسًا في كتابه (مناهل العرفان) ننقله بنصه. قال رحمه الله في بحث تعريف (المعجزة) ما يلي:

(المعجزة: هي أمر خارج للعادة، خارق عن حدود الأسباب المعروفة، يخلقه الله تعالى على يد مدعي النبوة، عند دعواه إياها: شاهدًا على صدقه...... فإذا قام إنسان ما، وادعى أنه مبعوث من الله تعالى إلى عباده، و قال: إن آية صدقي فيما أدعيه، أن يغير الله الذي ارسلني عادة من عاداته على يدي، وأن يخرج الآن عن سنة من سننه العامة في وجوده ثم قال: وسيأتيكم الله بهذا الأمر العجاب، من باب ترون انكم فيه نابغون وعليه قادرون، وإني أتحدا كم زرافات ووحداناً أن تأتوا بمثل هذه الآية، وأمامكم الباب مفتوحاً كما تعتقدون، وفيكم النبوغ موفوراً كما تدعون، ثم أنتم مجتمعون وأنا وحدي، قال ذلك بلغة الواثق، وتحدانا هذا التحدي الظاهر، في وقت يثور فيه على عقائدنا وعاداتنا وأخلاقنا، ويسفه فيه أحلامنا وأحلام أمثالنا من آبائنا، ونحن أحرص ما نكون على تعجيزه و تبيهته والغلبة عليه والظفر به دفاعاً عن كرامتنا وانتصارا لأعز شئ لدينا، ثم لم يلبث أن قام وقمنا، وأجمع امره وأجمعنا، وإذا نحن جمعيا بعد محاولات

ومصاولات لم نستطع أن نأتی بمثل ما أتی به فضلاً عن أعظم منه، مع أننا أمة وهو فرد، ومع انه قد دخل الینا من أیسر الطرق فی نظرنا، ومن أشهر فن فی زماننا، ومع أنه قد أعطانا الفرصة الکافیة لمناظرته، وأنصفنا کل إنصاف من نفسه!!

هل یشك کل ذی مسکة من عقل، فی أن هذا الإنسان المتفوق الممتاز صادق فی رسالته و مُحق فی دعوته، خصوصاً اذا عرفنا فوق ذلك کله أنه نشأ فینا علی الصدق والأمانة ومکارم الاخلاق، من لدن صباه وطفولته إلی یوم مبعثه و رسالته!

لو أنه جاء بالمعجزة من باب لا نعرفه، لقلنا: رجل حذق فنا من الفنون التی لا علم لنا بها، او تعلم صناعة من الصناعات التی لم نحط بخبرها، أما وقد جاء نا من الناحیة التی نشهد لأنفسنا فیها بالتفوق والسبق، فلا یسعنا إلا ذعان له، والإیمان بما جاء به ما دمنا منصفین. ولنضرب لك مثلاً، جاء موسی علیه السلام بمعجزته عصا من الخشب، لا روح فیها ولا حرکة، ولا لین ولا رطوبة، ثم ألقاها باسم الذی أرسله، فإذا هی حیة تسعی، بینما الأمة التی تحداها بذلك کانت قد تفوقت فی السحر وحذقته، وضربت فیه بأوفر سهم و أوفی نصیب، خصوصاً انهم امة و هو فرد، وهم نابغون فی السحر وهو مع نشأته فیهم لم یعرف یوما من الأیام بمعالجة السحر، فهل یبقی– للشك ظل بعد أن ألقی موسی عصاه. ﴿فَإِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَایَأْ فِكُوْنَ.﴾ ؟ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانَ يَعْمَلُوْنَ.﴾ ، ﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ ساجدین○ قالوا آمنا برب العالمین رب موسی و هرون﴾؟؟ الحق أبلج، ولذلك کان أول من آمن به هم السحرة أنفسم لأنهم أعرف بالسحر ومقدماته و نتائجه، وقدر أوا رأی العین أن ذلك الإعجاز لیس من نوع السحر الذی عرفوه.

قل مثل ذلك فی معجزة کل رسول أرسله الله، قله فی عیسی بن مریم علیه السلام، وإبرائه الأکمه والأبرص، وإحیائه الموتی، وخلقه من الطین کهیئة الطیر بإذن الله، أمام قوم نبغوا فی الطب أیما نبوغ، و مهروا فیه أیما مهارة!......

وقل مثل ذلك وأکثر من ذلك فی خاتم الأنبیاء سیدنا محمد ﷺ وما جاء به من آیات بینات و معجزات واضحات، وحسبك القرآن وحده برهانا ساطعاً بل براهین ساطعات، کل مقدار ثلاث آیات منه حجة قاطعة تقوم فی فم الدنیا إلی یوم الساعة تتحدی العالم، بما یکون فیها من أسرار الفصاحة والبیان، والعلوم والمعارف، وأنباء الغیب وشواهد الحق.

لغات: یثور: جوش میں آنا، بھڑکنا، مشتعل ہونا۔ تبهیت: مبہوت کرنا۔ متحیر کرنا، حیرت زدہ کرنا، عقل دنگ کرنا۔ محاولات: کوششیں، حیلے۔ مصاولات: حملے۔ حذق: کسی کام کو کرتے کرتے ماہر ہوجانا۔ اذعان: حق پژوہی۔ ابلج:

واضح، روشن ہونا۔

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

الشیخ مرحوم (علامہ) زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں (ایک نہایت) عمدہ بات کہی ہے۔ ہم اس کو ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ علامہ نے معجزہ کی تعریف میں مندرجہ ذیل کلام فرمایا ہے (وہ فرماتے ہیں)

معجزہ یہ ایک (ایسا) امر ہے کہ جو عادت سے خارج اور اسباب معروفہ (یعنی روزمرہ زندگی کے متداول اسباب) کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ اس کو دعوی نبوت کرنے والا شخص کے ہاتھ پر اس نبی کے دعویٰ نبوت کے وقت (پردہ غیب سے ظاہر فرماتے ہیں اور اس عالم اسباب میں) پیدا فرماتے ہیں۔

جو اس نبی کی (نبوت کی) صداقت (کا ثبوت اور اس) کا گواہ ہوتا ہے۔

جب کوئی انسان کھڑا ہوتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوق کی طرف مبعوث اور اللہ کا اس کے بندوں کی طرف رسول ہے اور کہے کہ جو میں دعویٰ کرتا ہوں اس میں میرے سچے ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جس اللہ نے مجھے (تمہاری طرف) بھیجا ہے وہ میرے ہاتھ پر اپنی عادات میں کسی عادت کو بدل دیتا ہے اور ابھی اپنی سنن عامہ میں سے کسی سنت کو (اپنی عادت سے) ہٹ کر وجود میں لائے گا۔ اور پھر کہے' اللہ تمہارے پاس اس انوکھی بات کو ایسے دروازے سے لائے گا کہ تم دیکھو گے کہ تم (تو) اس میں برے ماہر (اور کامل) ہو اور اس بات پر قادر (بھی) ہو۔ اور میں تم (سب) کو چیلنج کرتا ہوں' فرد فرد کو (بھی) اور جماعتوں (اور گروہوں) کو (بھی) کہ اس آیت کی مثل لاؤ۔ اور تمہارے سامنے (اس چیلنج سے نبٹنے کا) دروازہ کھلا ہے۔ جیسا کہ تم (اس بات کا) اعتقاد رکھتے ہو (کہ زبان دانی میں تم سے بڑا ماہر کوئی نہیں) اور تم میں (اس کی) مہارت (اور کمال) بہت زیادہ ہے جیسا کہ تم کو (اس بات کا) دعویٰ (بھی) ہے۔ پھر تم سب اکٹھے ہو اور میں اکیلا ہوں۔

(علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ) یہ سب باتیں وہ مدعی نبوت (نہایت مستحکم اور) پائیدار زبان میں کرے اور وہ ہمیں ایسے وقت میں (اس بات کا) کھلا چیلنج دے کہ جسمیں وہ ہمارے عقائد' ہماری عادات اور ہمارے اخلاق کو جوش دلائے (اور بھڑکائے) اور ہماری عقلوں کو اور ہمارے جیسے ہمارے آباؤ اجداد کی عقلوں کو بے وقوف ٹھہرائے اور ہم اپنے نزدیک سب سے عزیز شئے کی مدد کرنے کے لئے اور اس کی عزت (اور بزرگی) کی حفاظت (اور دفاع) کے لئے اس کے عاجز اور مبہوت کر دینے اور اس پر غلبہ پانے اور اس (کو شکست دے کر اس) پر فتح پانے کے نہایت حریص (بھی) ہوں پھر بلا توقف وہ (بھی اس چیلنج کو لے کر) کھڑا ہو گیا اور ہم (بھی اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے) کھڑے ہو گئے' اور انہوں نے اس بات (پر اپنی کمر باندھ لی اور اپنی بات) کو پختہ کر لیا اور ہم نے (بھی اس چیلنج کو توڑنے کے لئے اپنے عزائم کو) پختہ کر لیا۔

پس اچانک سب کے سب (اپنی) کوششوں اور (ان کے چیلنج پر غالب آنے کی) کاوشوں کے بعد اس جیسا (کلام بھی) نہ لا سکے کہ جو وہ لایا چہ جائیکہ اس سے زیادہ بہتر لا سکیں۔

باوجودیکہ ہم ایک امت (اور جماعت) تھے اور وہ اکیلا تھا' اور باوجودیکہ وہ ہمارے پاس ہماری سوچ کے مطابق سب

سے آسان راستے سے اور ہمارے زمانے کے سب سے مشہور فن (یعنی زبانی دانی وفصاحت و بلاغت) کے واسطے سے آئے اور باوجودیکہ اس نے ہمیں اپنے ساتھ (بحث و) مناظرہ کی کافی فرصت (ومہلت بھی) دی اور اپنی طرف سے ہمارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔

کیا کوئی ذی رائے (اور ذی عقل اپنی) عقل سے اس برتر اور ممتاز آدمی کے اپنی رسالت میں سچے ہونے اور اپنی دعوت میں برحق ہونے میں شک کرسکتا ہے خصوصاً جب کہ ہم ان سب باتوں سے بڑھ کر اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ ہم میں اپنے بچپن' لڑکپن (اور جوانی کے زمانہ) سے لے کر اپنی بعثت اور رسالت کے دن تک سچائی' امانت اور مکارم اخلاق پر' جوان ہوا (اور پرورش پائی) ہے۔

(اب) اگر وہ ایسے دروازے سے (اور رستے سے) ایک معجزہ لاتا ہے کہ جس کو ہم جانتے نہیں تو ہم کہنے لگے۔''ایک آدمی ایسے فن میں ماہر ہوا کہ جس کا ہمیں علم نہیں اور ایسا ہنر (کاریگری اور زبان کی مہارت یعنی وہ کلام معجز لسان) سیکھا کہ جس کی خبر کا ہمیں احاطہ نہیں۔خبردار (ہرگز ہرگز یہ بات نہیں ہے بلکہ) وہ ہم میں ایسے رخ سے آیا ہے کہ جس میں خود ہم اپنے بارے میں برتری اور بڑائی کی گواہی دیتے ہیں۔پس جب تک ہم انصاف پر قائم ہیں تو ہمیں اس شخص کی فرمانبرداری اور اس کے لائے ہوئے پر ایمان لائے بغیر کوئی گنجائش (اور چارۂ کار) نہیں ہے۔ہم آپ کو اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لکڑی کی لاٹھی کا اپنا معجزہ لے کر آئے جس میں کوئی روح' حرکت' نرمی اور نمی نہیں ہے۔ اور وہ اس کو اس ذات کا نام لے کر (زمین پر) ڈالتے ہیں۔جس نے ان کو بھیجا ہے پس اچانک وہ دوڑنے والا سانپ (بن جاتا) ہے' اس (واقعہ اور معجزہ کے) اثنا میں وہ قوم کہ موسیٰ علیہ السلام نے جنہیں اس معجزہ کا چیلنج کیا وہ (خود) جادوگری میں آگے نکلی ہوئی تھی' اور اس میں بری ماہر تھی اور اس میں بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔خاص طور پر وہ ایک جماعت تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے اور وہ (فن) جادوگری میں (کمال) مہارت رکھتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام انہی میں پرورش پانے کے باوجود (اس فن) جادوگری سیکھنے میں کسی ایک دن بھی مشہور نہیں ہوئے۔تو کیا موسیٰ علیہ السلام کا اپنی لاٹھی ڈالنے کے بعد شک کی کوئی پرچھائیں باقی ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَایَاْفِكُوْنَ.﴾ (الاعراف: ١١٧)

''سو وہ جبھی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا۔'' (تفسیر عثمانی)

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوا یَعْمَلُوْنَ.﴾ (الاعراف: ١١٨)

''پس ظاہر ہوگیا حق اور غلط ہوگیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔'' (تفسیر عثمانی)

﴿وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ ------- وَهٰرُوْنَ.﴾ (الاعراف: ١٢٠- ١٢٢)

''اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔'' (تفسیر

عثمانی)

حق واضح ہو گیا اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہ خود جادوگر تھے۔ کیونکہ وہ جادو اس کے مقدمات اور اس کے نتائج کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

اور تحقیق انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ معجزہ جادو کی وہ قسم نہیں ہے کہ جو وہ جانتے ہیں۔

(تو پھر) آپ (بھی) یہی بات اللہ کے بھیجے ہوئے ہر رسول کے معجزہ کے بارے میں کہیۓ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسی قوم کے سامنے اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کرنے' مردوں کو زندہ کرنے اور گارے سے اللہ کے حکم سے پرندے کی سی شکل بنا دینے کے بارے میں (بھی) آپ یہی بات کہیۓ جو قوم کہ (فن) طب میں انتہائی کامل تھی اور اس میں بری ماہر تھی۔ اور آپ خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو روشن نشانیاں اور واضح معجزات آپؐ لے کر آئے ہیں ان کے بارے میں (بھی) یہی اور (بلکہ) اس سے زیادہ (یہ) بات کہیں۔

آپ کے لئے روشن دلیل بلکہ روشن دلیلیں ہونے کے لئے فقط اکیلا قرآن ہی کافی ہے۔ قرآن کی ہر (چھوٹی سی چھوٹی) تین آیات بھی قیامت تک دنیا کے منہ پر (اس کی زبان بندی کے لئے) حجت بن کر قائم ہے۔ اور (فقط) وہ تین آیات (ہی) پوری دنیا کو اپنی فصاحت و بیان کے اسرار اور علوم و معارف اور غیب کی خبروں اور حق کے شواہد کا چیلنج کرتی ہیں۔ ❶

معجزہ کی تحقیق

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ نے معجزہ پر جو کلام فرمایا ہے مناسب ہے کہ اس مقام پر اس کو اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں۔ (یہ نہ سمجھا جائے) کہ نبی کا کام تو ہدایت و راہنمائی ہے یہ عالم میں تصرفات اور معجزات کہ جو بظاہر قانون قدرت کے خلاف ہیں کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتدائے عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل کے اہل یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون اور ارسطو طفل مکتب ہیں ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں) اس لئے اب مجھ پر اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی۔

(۱) یہ معجزہ کیا ہے۔

(۲) یہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔

(۳) یہ نبی سے کس حکم سے صادر ہوتا ہے آیا نبی کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں۔

---

❶ یہاں تک کی عبارت علامہ زرقانیؒ کی کتاب مناہل العرفان صفحہ ۶۸ جلد ۱ سے لی گئی ہے۔

پہلی بات کی تحقیق

جو چیز کہ خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو اس کو ''خارق عادت'' کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت یا پتھر، گائے بھینس وغیرہ انسانوں سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آ سکتا وغیرہ ذالک یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا' یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا نہ کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیرہ ذالک۔ پس جو کوئی ایسا کام کر دے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہے اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو کام بذریعہ اسباب و آلات ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسے دوا سے بیمار کا تندرست کرنا' کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا' خارق عادت نہیں ہے پس جو باتیں سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیر نجات کے شعبدے ہوں وہ بعض محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے اسباب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔

پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اسکو معجزہ کہتے ہیں کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو۔

اس کے بعد علامہ ''معاونت' ارہاص' اور استدراج کی تعریف کے بعد دوسری بات کی تحقیق پر طویل کلام فرماتے ہیں۔ ہم نے اس کو غیر متعلق ہونے کی وجہ درج نہیں کیا۔

تیسری بات کی تحقیق

خدا کی رحمت عامہ کا یہ متقضی ہے کہ وہ اس نبی سے اپنی مخلوق کو بہرہ مند کرے اور اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچائے جو لوگ طبیعت سلیمہ اور قویٰ فطریہ رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو ہر طرح پہچان جاتے ہیں۔ کہ جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سنے اپنے ماں باپ کو پہچان جاتا ہے۔ کما تعالیٰ

﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۤءَهُمْ.﴾

پس جو شخص مبدء ولادت میں بچہ کو ماں کی چھاتیاں بتلاتا ہے وہی لوگوں کو مربی روحانی نبی کی خبر دیتا ہے۔ لیکن بعض وہ لوگ کہ جن کی طبیعت میں کچھ کجی ہوتی ہے۔ بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے پس جس طرح طبیب شفیق اس میں شرینی ملا دیتا ہے اسی طرح وہ حکیم و رحیم بھی نبی کے ہاتھوں کوئی امر خارق عادت کے کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں' ان کے لئے صادر کراتا ہے۔ (تفسیر حقانی جلد ا مقدمہ صفحہ ۹ تا ۱۴ ملخصاً)

قرآن کیونکر معجزہ ہے؟

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''واضح ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کا مثل بنانا طاقت بشریہ سے باہر ہے اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے عاجز آ گئے تھے۔ مقابلہ حروف سے مقاتلہ سیوف ان کے نزدیک آسان تھا۔ حالانکہ وہ لوگ اسباب فصاحت و بلاغت میں آنحضرت ﷺ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ کیونکہ جہاں کے آپ ﷺ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی، پھر ایک نہیں بلکہ مجتمع ہو کر بھی اس کا مثل بنا کر نہ لا سکے۔ اور ایک سورت کا دسواں حصہ بھی نہ لا سکے باوجودیکہ ان کو عار دلا کر کہا جاتا تھا۔ ''**فاتوا بسورة من مثله ان كنتم صادقين**'' اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور کیونکر اتفاق نہ ہو حالانکہ اعجاز قرآن بدلائل واثقہ اور بہ براہین قاطعہ ثابت ہے۔''

دلیل اول:

قرآن میں حکمت عملیہ اور حکمت نظریہ کو بتمامہا اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم اور فلاسفر اور ایک چرانے والا جنگلی کہ جس کو علوم حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو برابر سمجھتے ہیں۔ اول تو اتنے علوم کا ایک کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا گیا۔ دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایک وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کشت وخون اور چوری و زنا و بت پرستی کے، نہ کسی علم کا گزر ہو اور نہ کسی ہنر کا اور اس نے کسی سے تعلیم پائی ہو اور نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو باوجود اس کے وہ شخص نہ علوم وفنون وشعروشاعری کا مشاق ہو، نہ کبھی کسی نے ان میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مستغرق رہتا ہو۔

سوم پھر اس خوبی اور اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام نفوس نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں مضامین دردانگیز اور شیریں عبارت پر وحشی بھی دیوانہ اور شمع کا پروانہ ہو البتہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار ہا درجہ بڑھ کر کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے میں تو ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی یا کسی فریب یا اثر دوا یا سکتہ وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہو سکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں۔ پس (قرآن کا) معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ کیونکہ معجزہ کی تعریف قرآن پر بدرجہ اتم صادق آتی ہے۔

دوسری دلیل:

قرآن باعتبار خوبی مضامین وعبارات کے (۱) یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادۃً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا۔ (۲) یا مساوی۔ (۳) یا زائد بقدر معتاد۔ (۴) یا کم۔ چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے۔ دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ قرآن جب لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا سب سے مل کر

بھی باوجودتو افردوائی اور کثرت تحدی (چیلنج) کے قرآن کی ایک سورت کی مانند بھی نہ بن سکے تو یہ خارق عادت ہے اور جوامر خارق عادت مدعی نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اول پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خلاف عادت زائد ہو تو حد اعجاز میں داخل ہے۔

تیسری دلیل:

قرآن کا مثل بنانا لوگوں سے بوقت معارضہ ممکن تھا یا نہیں تھا۔ اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کا کلام اس قدر بلیغ ہوتا کہ اس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو خارق عادت ہے اور جو خارق عادت مدعی نبوت سے سرزد ہو وہ معجزہ ہے پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا پس باوجود امکان اور عار دلانے کے اس کا نظیر وقوع میں نہ آنا اول سے بھی خارق عادت سے پس قرآن معجزہ ہے۔

علاوہ اس کے اور بھی دلائل اعجاز قرآن کے ہیں۔ مگر یہاں سب کی گنجائش نہ تھی اس لئے انہیں پر بس کیا۔ (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ ملخصاً)

شروط المعجزة الإلهية:

وللمعجزة شرائط خمسة نبّه عليها العلماء، فإن اختل منها شرط لا تكون معجزة:

(١) الشرط الاول: أن تكون مما لا يقدر عليه إلا الله رب العالمين.

(٢) الشرط الثاني: أن تخرق العادة و تكون مخالفة للسنن الكونية.

(٣) الشرط الثالث: أن يستشهد بها مدعى الرسالة على صدق دعواه.

(٤) الشرط الرابع: أن تقع على وفق دعوى النبى المتحدى بتلك المعجزة.

(٥) الشرط الخامس: ألا يأتى أحد بمثل تلك المعجزة على وجه المعارضة.

فهذه الشروط الخمسة إن تحققت كان ذلك الأمر الخارق للعادة معجزة دالة على نبوة صاحب الدعوى، التى ظهرت المعجزة على يده، وإن لم تتحقق خرجت عن كونها معجزة ولم تدل على صدق صاحب الدعوى.

أما الشرط الأول:

فإنه لو أتى آت – فى زمن يصح فيه مجئ الرسل – وادعى الرسالة وجعل معجزته أن يقوم ويقعد، ويأكل ويشرب، ويتحرك من مكان إلى مكان لم يكن هذا الذى ادعاه معجزة، ولا دالاً على صدقه لقدرة الخلق على مثله وإنما يجب أن تكون المعجزات مما لا يقدر عليها البشر

كفلق البحر، وانشقاق القمر، وإحياء الموتى...... الخ.

وأما الثاني:

وهو خرق العادة فلو قال المدعي للنبوة معجزتي أن تطلع الشمس من المشرق و تغرب من المغرب، وأن يأتي النهار بعد الليل، لم يكن فيما ادعاه معجزة لأن هذه الأمور وإن كان لا يقدر عليها إلا الله لكنها لم تفعل من أجله، وقد كانت من قبله، فليس فيها دلالة على صدقه.

وأما الثالث:

وهو أن يستشهد بها مدعي للنبوة و تحصل عند طلبها تصديقا لدعواه، فلو ادعى إنسان أن معجزته أن ينقلب الجماد إلى حيوان أو إنسان، ولم ينقلب لا يدل على صدق دعواه.

وأما الرابع:

وهو أن تقع المعجزة على وفق الدعوى لا على خلافه لأنها حينذاك تكون تكذيبا له. روى أن (مسيلمة الكذاب) لعنه الله طلب منه أصحابه أن يتفل في بئر ليكثر فيها الماء تغارت البئر فدل على كذبه.

خامسا:

ألا تعارض المعجزة فإن عورضت بطل كونها معجزة، ولم تدل على صدق صاحبها، فلو استطاع أحد فلق البحر أو شق القمر لم تعد معجزة ولهذا قال تعالى في خطاب المشركين ﴿فلياتوا بحديث مثله إن كانوا صادقين﴾

ترجمہ: معجزۂ الٰہیہ کی شرائط:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''معجزہ کی پانچ شرائط ہیں کہ جن پر علماء نے متنبہ کیا ہے اگر ان (پانچ) میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ معجزہ نہیں ہوتا (وہ پانچ شرائط مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) پہلی شرط: یہ کہ معجزہ وہ کام ہو کہ جس پر اللہ رب العالمین ہی قادر ہو۔

(۲) دوسری شرط: یہ کہ وہ خارق عادت اور سنن کونیہ کے خلاف ہو۔

(۳) تیسری شرط: یہ کہ مدعی نبوت اس کو اپنے دعویٰ نبوت کی دلیل بنائے۔

(۴) چوتھی شرط: یہ کہ وہ (معجزہ) اس معجزہ کا چیلنج کرنے والے نبی کے دعویٰ کے مطابق ہو۔
(۵) پانچویں شرط: یہ کہ کوئی شخص مقابلہ کے طور پر اس معجزہ کی مثل نہ لا سکے۔

پس اگر یہ پانچ شرطیں پائی جائیں تو یہ خارق عادت امر معجزہ ہوگا کہ جو اس مدعی نبوت کے دعویٰ کی دلیل ہوگا کہ جس کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر ہوا ہے اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو وہ امر معجزہ ہونے سے نکل جائے گا۔ اور وہ مدعی نبوت کی صداقت پر دلیل نہ ہوگا۔

(ہر ایک شرط کی مختصر تفصیل بیان کرتے ہوئے مولف کتاب فرماتے ہیں)

پہلی شرط:

اگر کوئی شخص ایسے زمانے میں آئے کہ جس میں (انبیاء و) رسل کا آنا درست ہو اور وہ رسالت کا دعویٰ (بھی) کردے اور وہ اپنے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرنے کو اپنا معجزہ ٹھہرائے، تو اس کا یہ دعویٰ معجزہ نہ بنے گا اور لوگوں کے اس کے مثل لانے پر قادر ہونے کی وجہ سے اس کی صداقت کی دلیل نہ بنے گا۔

بلکہ ضروری ہے کہ معجزات وہ ہوں کہ لوگ اس (کی مثل لانے) پر قادر نہ ہوں جیسے دریا کو پھاڑنا، چاند (دو) ٹکڑے کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

توضیح

غلام احمد قادیانی کے جھوٹے معجزات

یہاں سے مرزا غلام احمد قادیانی لعین کی دجالی نبوت کی ملمع سازی عیاں ہو جاتی ہے کہ اس نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جھوٹی نبوت کا انگریزی سوانگ رچایا کہ آپؐ کے بعد کے زمانے میں سرے سے نبوت کی گنجائش ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس نے ایسی باتوں کو اپنا معجزہ ٹھہرایا کہ جو طاقت بشری سے باہر نہ تھے۔ مثلاً منی آرڈرز وغیرہ کا آنا۔ محمدی بیگم سے نکاح کا امکان، اولاد کا پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ (دیکھئے تحفہ قادنیت کی چار جلدیں۔ "نسیم")

ترجمہ: دوسری شرط:

اور وہ (معجزہ کا) خارق عادت ہونا ہے پس اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ "میرا معجزہ یہ ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اور دن رات کے بعد آتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ معجزہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ امور اگرچہ ان پر سوائے اللہ کے کوئی قادر نہیں لیکن یہ امور اس مدعی نبوت کے لئے نہیں صادر کئے جاتے جبکہ یہ امور اس سے پہلے بھی ہو رہے تھے۔ چنانچہ ان باتوں میں اس کی صداقت پر کوئی دلیل نہ ہوگی۔

توضیح

مسیلمہ کذاب کا ایک عقلی معجزہ

حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ مسیلمہ کذاب کے جھوٹے معجزات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''چونکہ مسیلمہ خوارق عادت دکھانے سے قاصر تھا۔''

اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور چاہیے۔ اس لئے اس نے اپنی جودت طبع سے ''بعض عقلی معجزے'' تجویز کر لئے تھے۔ اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے تنگ منہ والی بوتل میں بیضہ مرغ ڈال رکھا تھا اور جب کبھی کسی کی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اس انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا کہ تنگ منہ والی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت بشری کے حیطہ امکان سے باہر ہے اور اگر کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سرکے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا۔ اس طرح انڈہ بوتل میں بآسانی داخل ہو گیا تھا اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے کہ جس نے بیضہ کو بوتل میں داخل کیا۔ ❶ (آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۳-۷۴)

ترجمہ: تیسری شرط:

یہ کہ مدعی نبوت اس کو (اپنی نبوت کی) دلیل بنائے اور اس معجزہ کے مطالبہ کے وقت اس کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ وجود میں آئے۔

چنانچہ اگر ایک انسان اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کا معجزہ یہ ہے کہ پتھر (وغیرہ) انسان یا حیوان بن جاتے ہیں۔ اور (اس کا جب مطالبہ کیا جائے تو) وہ (پتھر) انسان یا حیوان نہ بنے تو یہ اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل نہ ہوگا۔

توضیح

غلام احمد قادیانی سے لوگوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردوں کو زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ نہ کر سکا۔ کہتے ہیں کہ چند میراثی اس کے پاس ایک کوڑھی لے کر گئے اور وہ ٹھیک نہ کر سکا تو انہوں نے کافی دنوں تک مرزا کے گھر کے سامنے اپنے مخصوص انداز میں اس کی تکذیب کا اعلان کئے رکھا۔ (دیکھئے تحفۂ قادیانیت کی چار جلدیں۔ ''نسیم'')

دوسرے کا گھر جلا کر پیشین گوئی پوری کر لی

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ لکھتے ہیں:

''جھوٹے مدعی (نبوت) تائید ربانی اور نصرت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے نقل کو اصل ظاہر کرنے

❶ الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ البیرونی الجوارزی صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ لیپزنگ جرمنی ۱۸۷۸ء۔

کے لئے انہیں حیلہ جوئیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے مختار (مدعی نبوت) بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیشین گوئیوں کے پورا کرنے کے لئے عجیب وغریب چالاکیاں کیا کرتا تھا۔''

مثلاً ایک مرتبہ لمبا چوڑا عربی الہام تالیف کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

وَرَبِّ السَّمَاءِ لَيَنْزِلَنَّ نَارٌ مِّنَ السَّمَاءِ فَلَيَحْرِقَنَّ دَارَ آسْمَاءَ.

''آسمان کے رب کی قسم! ضرور آگ آسمان سے نازل ہوگی۔ اور اسماء کا گھر جلا دے گی۔''

جب اسماء بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام اسباب وسامان نکال کر دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ ''مختار نے میرا گھر جلانے کی پیشین گوئی کی ہے۔ اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کے لئے ضرور میرا گھر نذر آتش کردے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوادی اور اپنے حلقہ مریدین میں ڈینگیں مارنے لگا کہ میری پیشین گوئی پوری ہوئی۔ دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان کو بھسم کرگئی۔ ❶ (آئمہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

مرزا غلام احمد قادیانی نے پادری عبداللہ آتھم سے مناظرہ کیا، جس میں وہ ہار گیا تو اس پر زچ ہوکر اس نے پادری عبداللہ کے ڈیڑھ سال بعد مرجانے کی پیش گوئی کردی۔ جوں جوں وقت قریب آتا گیا مرزا کی پریشانی بڑھتی گئی اپنی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ اس پر قاتلانہ حملہ کروایا اور دوسری مرتبہ اس پر سانپ پھنکوایا اور آخر میں کالے چنوں پر ٹونہ جادو کر کے ان کو اندھے کنویں میں پھنکوایا لیکن عبداللہ آتھم کو نہ مرنا تھا نہ مرا۔ پیشین گوئی کا وقت پورا ہونے کے بعد امرت سر کے عیسائیوں نے پادری آتھم کو ہاروں سے لاد کر پورے شہر میں پھروایا۔ (دیکھئے رئیس قادیان از مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ)

ترجمہ: چوتھی شرط

یہ ہے کہ وہ معجزہ دعویٰ (نبوت) کے موافق ہو نا کہ اس کے خلاف کیونکہ اس صورت میں یہ مدعی نبوت کی تکذیب ہوگا (نا کہ اس کی تصدیق) روایت کیا جاتا ہے کہ مسیلمہ کذاب (لعنہ اللہ) سے اس کے اصحاب نے یہ معجزہ طلب کیا کہ وہ کنویں میں تھوکے تا کہ اس کا پانی اور زیادہ ہوجائے (پھر اس نے تھوکا) تو کنویں کا پانی (بجائے زیادہ ہونے کے اور بھی) نیچے اتر گیا ''چنانچہ اس بات نے اس کے جھوٹے ہونے پر دلالت کی۔'' ❷

توضیح

مسیلمہ کذاب کے معجزات باہرہ

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ ''مسیلمی خصائص نبوت میں سے ایک نہایت دلچسپ اور مہتم

❶ الفرق بین الفرق صفحہ ۳۵۔

❷ اس کے لئے دیکھیں تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۷۰۔

بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز نمائی کے طور پر وہ جو کچھ کہتا اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلاف مدعی ظاہر ہوتا تھا اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جھوٹے مدعیان کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ دینی عزت وعظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرضمندانہ تعلّی اور دروغ بافی ان کی دعاؤں کو شرف استجابت وقبول سے محروم رکھتی ہے۔ اور غیرت خداوندی ان کی خودغرضانہ پیشین گوئیوں کے پورے ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے خصوصاً مسیلمہ کذاب کے بارے میں تو یہ کلیہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت اور سرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی کارفرمائی کے سوا کچھ اور نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایک دفعہ نہار نے مسیلمہ سے ذکر کیا حضرت سید کائنات صلی اللہ وسلم بچوں کے سر پر برکت کے لئے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور ان کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگر اس کا یہ معکوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے گنجے ہوئے اور تتلانے لگے۔ (آئمہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۲۷-۳۷ ملخصاً)

مرزا غلام احمد قادیانی لعین نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشین گوئی کی جو پوری نہ ہوئی جب شادی نہ ہوئی تو اس کی اور اس کے خاوند مرزا افضل بیگ کی موت کی پیشین گوئی کی مگر مرزا لعین ان دونوں کی زندگی میں ہی واصل جہنم ہوگیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ کی اپنی زندگی میں موت کی پیشین گوئی کی مگر حضرت مولانا ثناء اللہؒ مرزا کے آنجہانی ہونے کے چالیس سال بعد تک زندہ رہے۔ (دیکھیں تحفہ قادیانیت ۴ جلدیں "نسیم")

ترجمہ: پانچویں شرط:

یہ کہ (اس مدعی نبوت کے) معجزہ کا معارضہ نہ کیا گیا ہو۔ اور اس معجزہ کا معارضہ کیا گیا ہو تو اس کا معجزہ ہونا باطل ہو جائے گا۔ اور وہ صاحب معجزہ کے صدق پر دلالت نہ کرے گا۔ چنانچہ اگر کوئی دریا پھاڑ سکتا یا چاند کو دو ٹکڑے کر سکتا ہوتا تو وہ معجزہ نہ کہلاتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَلْيَاتُوْا ------- صَادِقِيْنَ. (الطور: ۳۴)

"پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

مدعی نبوت کے معجزہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے معجزہ کا معارضہ ممکن نہ ہو۔ جبکہ جتنے بھی جھوٹے مدعیان نبوت گزرے ہیں اور انہوں نے جو معجزات پیش کئے ان میں سے اکثر تو اس قدر مضحکہ خیز ہیں کہ بقول علامہ دلاوریؒ کے وہ (سب کچھ) اہل علم وبصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا کچھ ان کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ان کو معجزہ تسلیم کیا جائے مثلاً ہم ذیل میں اس کی مثال پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ جھوٹے مدعی نبوت بہافرید زوزانی نیشاپوری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''بہا فرید اوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیا وہاں سات سال تک قیام کیا مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے ساتھ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا اس کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ پوری قمیص ایک مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک زیادہ باریک کپڑے سے لوگ روشناس نہ ہوئے تھے۔ بہاء فرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے وطن واپس رات کو آیا اور بغیر کسی سے ملاقات کئے سید ھا بت خانہ چلا گیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو جب پجاری آئے تو آہستہ آہستہ نیچے اترا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ سات سال تک وطن سے باہر رہنے کے بعد اب اچانک بلندی سے کیسے نیچے اتر رہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا کہ حیرت زدہ نہ ہو' حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمانوں پر بلایا اور میں سات سال تک آسمانوں کی سیر وسیاحت کرتا رہا۔ وہاں مجھے جنت دوزخ کی سیر کرائی اور آخر کار مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ اور یہ قمیص پہن کر مجھے نیچے اترنے کا حکم دیا چنانچہ میں ابھی ابھی آسمان سے نازل ہو رہا ہوں مندر کے ساتھ ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا اس نے گواہی دی کہ میں نے اس کو آسمان سے اترتے دیکھا ہے۔ اس پر پجاریوں نے بھی تصدیق کر دی۔ بہا فرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوئی ہے زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ دنیا میں اس قدر باریک کپڑا بھی ہوتا ہے۔ لوگ اس قمیص کو دیکھ دیکھ کر محوِ حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزار ہا مجوسی اس کے پیرو ہو گئے۔'' (آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ ملخصاً)

بندہ عرض کناں ہے کہ اگر یہ معجزہ ہوتا تو قیامت تک اس کا مثل لانا بندوں کی بساط میں نہ ہوتا لیکن لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت کپڑا سازی کی ٹیکنالوجی کس قدر ترقی کر گئی ہے اور اس کی مثل بلکہ اس سے ہزار گنا بہتر باریک کپڑا اب بھی تیار ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ معجزہ نہ تھا۔ (نسیم)

تصویر کا دوسرا رخ

مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی دکھاؤ

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ تحریر فرماتے ہیں۔ ''اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک فرضی اور خیالی حمل کے ذریعہ سے عیسیٰ بن مریم بن گئے چنانچہ انہوں نے کتاب ''کشتی نوح'' (صفحہ ۴۶-۴۸) میں اپنے ابن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں بوضاحت بیان فرمایا ہے غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کمالات بھی دکھاؤ کہ جو جناب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ذات میں ودیعت تھے۔ مرزا صاحب کے پاس سوائے سخن سازی کے اور رکھا ہی کیا تھا۔ اس مطالبہ کے جواب میں بساط جرأت پر قدم رکھتے ہوئے سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کا ہی انکار کر دیا۔ اور جھٹ قرآن پاک پر اپنی ملحدانہ

تحریف کاری کا روغن قاز ملنے لگا۔غرض جب اعجاز نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا انہوں نے اس ''بکھیڑے'' اور ''جنجال'' سے بچنے کی آسان ترکیب نکالی کے سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخر کار یہاں تک لکھ مارا کہ ''عیسائیوں نے آپ (علیہ السلام) کے معجزے لکھے مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ (اعاذنا اللہ من المفتر یات والکذوبات) آئمہ تلبیس جلد اصفحہ ۲۴۷-۲۴۹ ملخصاً)

بم كان إعجاز القرآن؟

القرآن العظيم كلام الله المعجز للخلق' في اسلوبه و نظمه' و في روعته و بيانه' و في علومه و حكمه' و في تأثير هدايته' و في كشفه الحجب عن الغيوب الماضية والمستقبلة' ولقد جاء العلماء في كشف أسرار البيان' عن وجوه إعجاز القرآن' بعد أن ثبتت عندهم بالوجدان والبرهان' وقد أجمع أهل العربية قاطبة' وأهل اللسن منهم والبيان' على أن القرآن (معجز بذاته) أي: أن إعجازه إنما كان بفصاحة الفاظه' وروعة بيانه' و أسلوبه الفريد' الذي لا يشابهه فيه أسلوب' لا من نثر' ولا من شعر' ومسحته اللفظية الخلابة' التي تتجلى في نظامه الصوتي' وجماله اللغوي' و براعته الفنية.

مذهب أهل الصرفة:

وقد ذهب بعض المعتزلة منهم (أبو اسحق النظام) إلى أن إعجاز القرآن إما كان بـ (الصرفة) بمعنى أن الله عزوجل صرف البشر عن معارضة القرآن مع قدرتهم عليها و خلق فيهم العجز عن محاكاته في أنفسهم وألسنتهم' ولو لا أن الله صرفهم عن ذلك لا ستطاعوا أن يأتوا بمثله...... ولعمري هذا قول من لم يتذوق طعم العربية' ولا عرف أسرارها' بل قول من لم يدرك من العلوم إلا قشورا لا تسمن ولا تغني من جوع' وهو قول ساقط مرذول' مخالف لما أجمع عليه العلماء والفصحاء والبلغاء في القديم والحديث.

يقول حجة الأدب العربي (مصفطى الرافعي) رحمه الله: (وقد اختلفت آراء المعتزلة في وجه إعجاز القرآن' فذهب شيطان المتكلمين (أبو إسحق النظام) إلى أن الإعجاز كان بالصرفة' وهي أن الله صرف العرب عن معارضة القرآن مع قدرتهم عليها' فكان هذا الصرف خارقاً للعادة وقال (المرتضى من الشيعة): بل معنى الصرفة أن الله سلبهم العلوم التي يحتاج إليها في المعارضة ليجيئوا بمثل القرآن...... فكأنه يقول: إنهم بلغاء يقدرون على مثل النظم والأسلوب

ولا يستطيعون ما وراء ذلك مما لبسته ألفاظ القرآن من المعانى، إذا لم يكونوا أهل علم، ولا كان العلم فى زمنهم ...... وهذا رأى بين الخلط كما ترى!

ثم قال: وعلى الجملة فإن القول بالصرفة لا يختلف عن قول العرب فيه ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ۝﴾ وهذا زعم رده الله على أهله، وأكذبهم فيه، وجعل القول به ضربا من العمى ﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ.﴾

وعلى ذلك المذهب الفاسد يمكن أن يقال: إن المعجز ليس هو القرآن الكريم على حد زعمهم إنما هو (الصرفة) التى بسببها عجزوا عن الاتيان بمثله ﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۝﴾ (التوبة: ١٢٧) وقد أسف (ابن حزم) الظاهرى حين سلك ذلك المسلك الملتوى، وذهب إلى ما ذهب إليه سلفه (النظام) من سخف الكلام، ولكن بأسلوب رشيق رقيق حيث يقول فى كتابه (الفصل) فى سبب الإعجاز ما نصه:

(لم يقل أحد إن كلام الله تعالىٰ غير معجز، ولكن لما قاله الله تعالىٰ وجعله كلاماً له أصاره معجزا، ومنع من مماثلته، وهذا برهان كاف لا يحتاج إلى غيره)

فأنت ترى صاحب هذا الرأى يجعل القرآن الكريم معجزاً بمنع الله عزوجل من مماثلته وهذا عين رأى النظام الّذى يقول بالصرفة، وهو رأى باطل كما اسلفنا، والقوم محجوبون عن ضياء الحق الساطع، وما أجمل قول القائل:

قد تنكر العين ضوء الشمس من رمد
وينكر الفم طعم الماء من سقم

آراء العلماء فى الإعجاز

بعد أن أجمع العلماء على إعجاز القرآن بذاته، و على عدم استطاعة أحد من البشر الاتيان بمثله، اختلفت آراؤهم فى وجه إعجاز القرآن على آراء.

(أ) يرى بعضهم: أن وجه الإعجاز فى القرآن هو ما اشتمل عليه من النظم الغريب المخالف لنظم العرب و نثرهم، فى مطالعه، ومقاطعه، و فواصله.

(ب) ويرى البعض الآخر: أن وجه الإعجاز إنما يكمن فى فصاحت ألفاظه، وبلاغة عباراته، وجودة سبكه، إذ هو فى الدرجة العليا من البلاغة التى لم يعهد مثلها.

(جـ) ويرى آخرون أن الاعجاز فى خلوه من التناقض، واشتماله، على المعانى الدقيقة، والأمور

الغيبية التي ليست بمقدور البشر' ولا في استطاعتهم معرفتها' كما أنه سليم من التناقض والتعارض.

(د) وهناك من يقول: إن وجه الإعجاز هو ما تضمنه القرآن من المزايا الظاهرة والبدائع الرائقة' في الفواتح' والمقاصد' والخواتيم في كل سورة' والمعول عليه عندهم مايلي:

(۱) الفصاحة في الالفاظ

(۲) البلاغة في المعاني

(۳) صورة النظم البديع

وهذه الأقوال كلها لا تخرج عن دائرة واحدة هي (الدائرة البيانتة) التي امتاز بها القرآن' وهي وإن كانت حقا إلا أن إعجاز القرآن ليس في (الفصاحة والبلاغة) فحسب' بل هناك وجوه أخرى لإعجاز القرآن' وقد أجاد العلامة (القرطبي) رحمه الله في تفسيره القيم المسمى (الجامع لأحكام القرآن) فعد عشرة وجوه لإعجاز القرآن' كما ذكر فضيلة الشيخ (الزرقاني) في كتابه (مناهل العرفان) أربعة عشر وجها من وجوه الإعجاز' منها ما ذكره القرطبي ومنها ما لم يذكره' ونحن نذكر هذه الوجوه بالإعجاز ثم نعقبها بشئ من التفصيل' فنقول و من الله نستمد العون:

لغات: وجدان: لطیف احساس' ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کی قسم جو ادراک ومعرفت میں امتیاز رکھنے والے تمام احوال کے مقابلہ میں لذت والم سے جلد متاثر ہوتی ہے۔ قاطبة: سب کے سب۔ الخلابة: دلکش' جاذب نظر' دلفریب' پرفریب۔ محاکات: مثل لانا' نقل اتارنا' نقل کرنا۔ مرذول: گھٹیا۔ سلب: چھیننا' اچکنا۔ الملتوی: ٹیرھنا راستہ۔ سخف: بے ہودہ' پھسپھسہ' نامعقول' لچر۔ رشیق: سجیلا' خوش وضع' خوشنما۔ مقاطع: مقطع کی جمع' قصیدہ ونظم کا پہلا شعر' کلام کی ابتداء۔ فواصل: فاصلہ کی جمع دو کلاموں کے بیچ کا وقفہ۔ مطالع: مطلع کی جمع' وہ جگہ جہاں کلام ختم ہو کر رک جائے' وقف کی جگہ۔ جودة: عمدگی۔ سبك: سلاست۔ فواتح: فاتحہ کی جمع' ہر شی کا آغاز' اوّل۔ المعوّل علیه: معتمد علیہ کہ جس پر دارومدار ہو۔

ترجمہ: قرآن کی وجہ اعجاز کیا ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن عظیم اپنے نظم واسلوب اور اپنے حسن وبیان (اور شان وشوکت) اور اپنے علوم اور حکمتوں اور اپنی تاثیر ہدایت اور ماضی اور مستقبل کی غیب کی خبروں سے پردے اٹھانے میں مخلوق کے لئے اللہ کا کلام معجز ہے اور علماء کرام نے ان کے نزدیک وجدان اور برہان سے وجوہ اعجاز ثابت ہونے کے بعد' قرآن کی وجوہ اعجاز کے بیان کے اسرر

سے پردہ اٹھانے کی کوشش ہے اور تمام اہل عرب کا اور ان میں سے اہل زبان و بیان کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن بذات خود ایک معجزہ ہے یعنی بے شک قرآن کا اعجاز اس کے الفاظ کی فصاحت اور اس کے بیان کے حسن (وجمال اور شان وشوکت) اور اس کے اس منفرد (طرز اور اسلوب کی وجہ سے ہے کہ کوئی دوسرا طرز (اور اسلوب) اس کے مشابہ نہیں۔''

نا کہ (اس کے الفاظ کے) پھیلاؤ اور شعر اور اس کے ان پرکشش الفاظ کے (نشانات اور) اثر کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے صوتی نظام لغوی (حسن و) جمال اور فنی کمال میں ظاہر ہوتا ہے۔

اہل صرفہ کا مذہب:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''بعض معتزلہ کہ جن میں ابواسحٰق النظام معتزلی بھی ہیں اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کا اعجاز صرف اور صرف ''صرفہ'' کی وجہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی قرآن سے معارضہ کی قدرت کے باوجود انہیں قرآن سے معارضہ کرنے سے باز رکھا۔ اور ان میں اور ان کی زبانوں میں قرآن کی نقل اتارنے (اور اس کی مثل لانے سے) عاجزی (اور درماندگی) پیدا فرمادی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں اس سے باز نہ رکھتا تو وہ اس کی مثل لا سکتے تھے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''میری زندگی کی قسم! یہ ایسے شخص کا قول ہے کہ جس نے عربی زبان (کی لذت اور چاشنی) کا ذائقہ نہیں چکھا اور نہ ہی عربی زبان کے اسرار سے وہ واقف ہے بلکہ یہ اس شخص کا قول ہے کہ جو (مغز) علوم کو نہیں جانتا (بلکہ ان کے) چھلکے کو (یعنی اوپر اوپر سے جانتا ہے اور اسے علوم کی گہرائی نصیب نہیں ہوئی) اور وہ نہ موٹا ہوتا ہے اور نہ اس کی بھوک مٹتی ہے۔''

یہ قول ساقط (اور) گھٹیا (اور) اس بات کے خلاف ہے کہ جس پر متقدمین ومتاخرین (قدیم وجدید) علماء فصحاء اور بلغاء کا اجماع ہو چکا ہے۔

ادب عربی میں حجت (جناب) مصطفیٰ الرافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''معتزلہ کی اعجاز قرآن کی وجوہ میں آراء میں اختلاف ہے پس متکلمین کا شیطان (یعنی ان سب کا باوا اور سرغنہ) ابو اسحٰق النظام (معتزلی) اس طرف گیا ہے کہ قرآن کا اعجاز ''صرفہ'' (یعنی باز رکھنے) کی وجہ سے ہے اور صرفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو معارضہ قرآن پر قدرت کے باوجود انہیں اس سے باز رکھا۔ اور یہ باز رکھنا خارق عادت ہے اور مرتضی شیعہ یہ کہتا ہے کہ

''بلکہ صرفہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ علوم سلب کر لئے کہ جن کے وہ معارضہ قرآن میں محتاج تھے۔ پس گویا کہ (یہ بدبخت) یوں کہہ رہا ہے۔''

اہل عرب (نہایت فصیح و) بلیغ ہیں، وہ (قرآن کے) نظم واسلوب کی مثل لانے پر قادر ہیں اور اس کے ماوراء وہ ان معانی (کی مثل لانے) پر استطاعت نہیں رکھتے کہ جن کو الفاظ قرآن نے (اپنے اندر) چھپا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ علم والے نہ تھے۔ (یعنی امی تھے) اور نہ ہی ان کے زمانہ میں علم (کا چرچا) تھا۔ اور یہ رائے واضح طور پر بے ہودہ (اور لغو) ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

پھر (جناب رافعی مرحوم نے) فرمایا: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''صرفہ'' کا قول یہ اعجاز قرآن کے بارے میں عربوں کے اس قول سے مختلف نہیں ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝﴾ (المدثر: ۲۴)

''اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ وہ (جھوٹا) گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گمان والوں کا رد کیا ہے اور انہیں اس میں جھٹلایا ہے اور ایسے قول کو اندھے پن کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ.﴾ [1] (الطور: ۱۵)

''اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اس (مسخ اور بگڑے ہوئے) فاسد مذہب کی بنیاد پر (تو) یہ (بھی) کہا جا سکتا ہے۔ ''معجزہ یہ ان کے (جھوٹے) گمان کی حد تک قرآن کریم نہیں ہے (بلکہ) معجزہ تو بے شک وہ ''صرفہ'' ہے کہ جس کے سبب وہ قران کی مثل لانے سے عاجز ہوئے (جیسا کہ ارشاد بار تعالیٰ ہے)

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝﴾ (التوبة: ۱۲۷)

''پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کے وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ابن حزم ظاہری بھی، جب اس ٹیڑھے راستے پر چلے اور ادھر گئے کہ جدھر ان کے بڑے (جیسے نظام معتزلی وغیرہ) گئے۔ اس گھٹیا (اور لچر اور بے ہودہ) کلام میں الجھ گئے۔ لیکن انہوں نے (بڑے) بچاؤ والے (عمدہ) اور لطیف انداز سے (یہ بات کہی) کہ وہ اپنی کتاب ''الفصل'' میں (قرآن کے ''سبب اعجاز کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

''یہ تو کسی نے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام معجزہ نہیں ہے لیکن جب اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام

---

[1] اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ رافعیؒ کی کتاب اعجاز القرآن صفحہ ۱۶۴۔

ہے) اور اللہ نے اسے اپنا کلام بنالیا تو اس کو (کلام) معجز بنادیا اور اس کی مماثلت سے منع فرمادیا۔ اور یہ (سبب اعجاز قرآن کی) کافی دلیل ہے اس کے علاوہ کی حاجت نہیں۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) پس (جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے کہ:

"اس رائے والا قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی اس کی مماثلت لانے سے منع کرنے کی وجہ سے معجز ٹھہراتا ہے یہ بعینہٖ ہی اس نظام کی رائے ہے کہ جو "صرفۃ" کا قائل ہے اور یہ باطل رائے ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ میں بتلا دیا اور (میری) قوم (کہ یہ) روشن حق کی روشنی سے حجاب میں ہے اور کہنے والے نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے

قد تنکر العین ضوء الشمس من رمد

وینکر الفم طعم الماء من سقم

"اور آنکھ کبھی آشوب چشمی کی وجہ سے سورج کی روشنی کو پسند نہیں کرتی اور کبھی بیماری کی وجہ سے منہ کو پانی کا ذائقہ اچھا نہیں لگتا۔"

اعجاز (قرآن) کے بارے میں علماء کی آراء

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"علماء کرام کے قرآن کریم کے بذات خود معجز ہونے اور کسی بندہ بشر سے اس کی مثال لانے پر استطاعت نہ ہونے پر اجماع کے بعد قران کی وجہ اعجاز میں ان کی آراء (مندرجہ ذیل) آراء پر مختلف ہوگئیں۔

(الف) بعض کی رائے یہ ہے کہ قران کے اعجاز کی وجہ وہ انوکھا (طرز) نظم ہے کہ جو اپنے مطالع مقاطع اور فواصل میں عربوں کے (متداول اور رواجی طرز) نظم نثر کے مخالف ہے۔

(ب) بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ (قرآن کی) وجہ اعجاز بے شک اس کے الفاظ کی فصاحت' اس کی عبارات کی بلاغت اور اس (کے الفاظ کی) بناوٹ کی عمدگی میں چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ قرآن بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر ہے کہ جس کی مثل نہیں لائی گئی۔

(ج) بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ (قرآن کی وجہ) اعجاز اس (قرآن کے الفاظ) کا تناقض سے خالی ہونا اور اس کا ان معانی دقیقہ اور غیبی خبروں پر مشتمل ہونا ہے کہ جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اور ان کا جاننا بندوں کی استطاعت میں نہیں۔ جیسا کہ یہ قرآن تناقص اور تعارض سے (بھی) محفوظ (اور سلامت ہے)

(د) اور کوئی یہاں یہ کہتا ہے۔ (قرآن کی) وجہ اعجاز وہ ظاہری خوبیاں اور ہر سورت کے فواتح' مقاصد اور خواتیم میں وہ تحسین کلام کے ان عمدہ قواعد (وضوابط) سے ہے کہ جن کو (یہ) قرآن متضمن ہے۔ اور ان کے نزدیک اس بات کا دارومدار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

(۱) الفاظ کی فصاحت

(۲) معانی کی بلاغت

(۳) اور نظم بدیع کی صورت ❶

یہ سب کے سب اقوال ایک دائرہ سے باہر نہیں کہ جو وہ دائرہ بیانیہ ہے کہ جس میں قرآن (دوسرے تمام کلاموں سے) ممتاز ہے۔ یہ اقوال اگرچہ حق (اور درست) ہیں مگر یہ کہ قرآن کا اعجاز (صرف) فصاحت و بلاغت (ہی) میں نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کے اعجاز کی چند دوسری وجوہات بھی ہیں کہ جن کو علامہ قرطبیؒ نے اپنی قیمتی تفسیر کہ جس کا نام ''الجامع لاحکام القرآن'' ہے میں (بڑے) عمدہ (انداز میں) کہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اعجاز قرآن کی دس وجوہات شمار کی ہیں۔ جیسا کہ فضیلت الشیخ علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں (قرآن کی ۱۴ چودہ وجوہ اعجاز ذکر کی ہیں ان میں سے چند کا علامہ قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے اور چند کا ذکر نہیں کیا۔ ہم ان وجوہ (اعجاز) کو اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے پھر اس کے بعد اس کی کچھ تفصیل لائیں گے۔ پس ہم بیان کرتے ہیں اور اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

توضیح

وجہ اعجاز قرآن کے بارے میں علامہ حقانیؒ کی رائے

علامہ عبدالحق حقانیؒ تفسیر حقانی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''تمام امت کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن وجہ اعجاز ہر ایک محقق کے نزدیک جداگانہ ہے مگر جمہور بلاغت قرار دیتے ہیں۔ کوئی مضامین کی خوبی، کوئی مضامین کا اثر حد سے افزوں، کوئی اخبار عن المغیبات، کوئی تزکیہ روح، کوئی حالت غضب و رحم و سخاوت و کفایت شعاری وغیرہ صفات متضادہ میں استقامت کہتا ہے مگر یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ جو ایک چیز کا مقر ہے دوسرا اس کا انکار بھی نہیں کرتا اور جو ایک آدھ کم عقل نے کیا بھی تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہے؟ جیسا کہ ''نظام معتزلی'' وہ کہتا ہے اگر نفس عبارت قران پر لحاظ کیا جائے تو ویسی عبارت ممکن ہے مگر جب معانی اور نفس مطالب بھی اس کے ساتھ لحاظ کئے جائیں تب ممکن نہیں ہے کیا سید احمد خان صاحب کے انکار

---

❶ فصاحت: علم بیان کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ عبارت کا ہر لفظ شگفتہ اور اس کی ادائیگی آسان ہو۔ عبارت میں نحوی حرفی قواعد کا پورا لحاظ رکھا گیا ہو الفاظ موٹے موٹے اور ثقیل نہ ہوں ان کا معنی عام محاورہ میں مشہور ہوں۔

بلاغت: کا مطلب یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ ساتھ اس میں موقع محل اور مخاطب کی پوری رعایت ہو جاہلوں کے سامنے عالمانہ عبارت اور عالموں کے سامنے عامیانہ عبارت استعمال کی جائے گی تو وہ بلاغت کے خلاف ہوگی۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۰۶ حاشیہ علامہ تقی عثانی دامت برکاتہم)

بدیع: ایجاد کردہ شئے کو کہتے ہیں اور علم البدیع وہ علم ہے کہ جس سے تحسین کلام کے ضوابط معلوم ہوں۔ (القاموس الوحید صفحہ ۱۵۴ کالم نمبر ۱)

ملائکہ و معجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آ سکتا ہے؟ پس حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بجمیع وجوہ مذکور ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو اور کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے۔"

وللناس فیما یعشقون مذاهب (تفسیرِ حقانی جلد ۱ ص ۱۴۲)

معتزلہ کے نظریہ کے غلط ہونے کے دلائل

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

نظام کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) (اگر نظام کا دعویٰ درست ہوتا تو) عرب لوگ قرآن کریم کا معارضہ اس کلام سے کر سکتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ان کے شعراء اور فصحاء کے کلام کے ذخیرہ میں موجود تھا۔ وہ آسانی کے ساتھ قرآن کا مثل بن سکتا تھا۔

(۲) فصحائے عرب عام طور پر قرآنی الفاظ کے حسن اس کی بلاغت اور سلاست پر حیرت زدہ ہوئے تھے ان کی حیرانی کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم اس کا مقابلہ کرنے پر قادر کیوں نہ رہے حالانکہ پہلے ہمیں اس جیسے کلام پر قدرت تھی۔

(۳) اگر مقابلہ کی طاقت سلب کر کے قرآن میں اعجاز پیدا کرنا مقصود ہوتا تو زیادہ مناسب یہ تھا کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کا بالکل نہ لحاظ کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن اس صورت میں بھی خواہ بلاغت کے جس درجہ میں بھی ہوتا بلکہ اگر رکاکت کے کے درجہ میں داخل کر دیا جاتا تب بھی اس کا معارضہ دشوار ہوتا بلکہ ایسی صورت میں زیادہ تعجب انگیز اور خارق عادت ہوتا۔

(۴) قرآن کریم کی درج ذیل آیت اس کی تردید کرتی ہے۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لائیں گے۔ اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کی مدد کو کیوں نہ آ جائے۔" (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۲۹)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے

قرآن کا اصلی اعجاز اس کے انتہائی درجہ کی بلیغانہ نظم و اسلوب میں ہے۔

علامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ "نزول قرآن کے وقت بعض لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب مخترعات ہیں۔ ویقولون افترى على الله كذبا.

جواب یہ ہے کہ قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريات. اچھا اگر ہدایت کی باتیں نہ سہی تو تم بھی ایسی ہی مفتریات یعنی گھڑی ہوئی باتیں ایسے طرز بیان میں لے آؤ۔

محض ایک شاعرانہ مضمون کے ادا میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے ایک ہی خیال ہے جس کو (ایک) شاعر ایک رنگ سے ادا کرتا ہے اور دوسرا اس میں ایسی لطافت پیدا کر دیتا ہے کہ پہلے شاعر کا کلام اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتا ہے۔

(اس کے بعد علامہؒ متعدد شعرا کا کلام مثال میں پیش کرتے ہیں ہم اختصار کی وجہ سے ان میں سے ایک مثال کو ہی ذکر کرتے ہیں علامہؒ فرماتے ہیں)

(ابراہیم) ذوق ملک الشعراء ہے ایک غزل میں لکھتا ہے۔

آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا
کہیں یہ نہ جائے اس جنگ و جدل میں مارا

اس خیال کو دوسرا شاعر مکندرام جس کا نام بھی شاید کسی کو معلوم نہ ہو ایسی لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ سخن شناسوں کو ناچار اسی کے حق میں فیصلہ دینا پڑتا ہے کہتا ہے کہ

دل کی نہیں تقصیر مکند آنکھیں ہیں ظالم
یہ جا کے نہ لڑتیں وہ گرفتا نہ ہوتا

دیکھ لو ذوق کا کلام مکندرام کے مقابلہ میں کیسا پھیکا پڑ گیا ہے۔

(متعدد مثالیں پیش کرنے کے بعد علامہؒ فرماتے ہیں) یہ چند نمونے ہم نے اس لئے پیش کئے ہیں کہ یہ ثابت ہو سکے کہ بعض شاعرانہ تخیلات اور مفروض مخترع مضامین کے ادا میں بھی ترکیب کی بندش' الفاظ کی چستی اور روانی' اور دیگر لطائف و مزایا کی رعائت سے کس قدر فرق اور تفاوت ہو جاتا ہے پس ہم اجازت دیتے ہیں کہ آج بھی سارے فصیح و بلیغ مل کر ایک دو قصے کہانیاں ہی ایسی عبارات میں پیش کر دیں جو قرآن کی کسی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے مقابلہ میں لطیف تر اور فصیح تر ہو۔ کیا اس قدر سہولتیں ادا کرنے کے بعد بھی اگر مقابلہ کرنے سے عاجز رہے تو یہ اس کی دلیل نہ ہوگی کہ یہ کلام دنیا کے خالق اور مالک کا ہے۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۶۹-۷۲ ملخصاً)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ ''اظہار الحق'' میں فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات

جو چیزیں قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں بے شمار ہیں ان میں مسیح کے حواریوں کے شمار کے مطابق میں بارہ چیزوں کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں اور باقی ان جیسی چیزوں کو چھوڑ دیتا ہوں مثلاً قرآن کریم میں کسی دینی یا دنیوی بات کے بیان کے وقت مخالف اور معاند کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اور ہر چیز کے بیان کے وقت خواہ وہ ترغیبی ہو یا ڈرانے کی ہو' شفقت ہو یا عتاب ہو' اعتدال ملحوظ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں انسانی کلام میں نایاب ہیں۔ اس لئے کہ انسان ہر حالت کے بیان میں اس کے مناسب گفتگو کرتا ہے لہٰذا عتاب اور ناراضی کے موقع پر ان لوگوں کی قطعی رعایت نہیں کرتا جو شفقت کے لائق ہوں اسی

طرح اس کے برعکس نیز دنیا کے ذکر کے وقت آخرت کا حال یا آخرت کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیا کا حال ذکر نہیں کیا جاتا غصہ کی حالت میں قصور سے زیادہ کہہ جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

بلاغت

قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار تک پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی ان کے کلام کی بلاغت اس معیار تک پہنچنے سے قاصر ہے بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جا رہا ہے اس کے مناسب معنی کے بیان کے لئے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کئے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں نہ زیادہ لہٰذا جس قدر الفاظ زیادہ شاندار اور معانی شگفتہ ہوں گے اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہوگی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہوگا قرآن کریم بلاغت کے اس بلند معیار پر پورا اترتا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۳۰۵-۳۰۶)

وجوه إعجاز القرآن الكريم

أولاً: النظم البديع المخالف لكل نظم معهود في لسان العرب.

ثانياً: الأسلوب العجيب المخالف لجميع الأساليب العربية.

ثالثاً: الجزالة التي لا يمكن لمخلوق أن يأتي بمثلها.

رابعًا: التشريع الدقيق الكامل' الذي يبز كل تشريع وضعي.

خامسًا: الإخبار عن المغيبات التي لا تعرف إلا بالوحي.

سادسًا: عدم التعارض مع العلوم الكونية المقطوع بصحتها.

سابعًا: الوفاء بكل ما اخبر عنه القرآن الكريم من وعد ووعيد.

ثامناً: العلوم والمعارف التي اشتمل عليها (العلوم الشرعية والعلوم الكونية)

تاسعًا: وفاؤه بحاجات البشر.

عاشرًا: تأثيره في قلوب الأتباع والأعدا.

أما الوجه الاول

من وجوه إعجازه فهو (النظم البديع) المخالف لكل نظم معهود في لسان العرب' فالقرآن الكريم لا يشبهه شئ في نظمه' لا من شعر ولا من نثر' وذلك بشهادة أساطين البلاغة' وأئمة الفصاحة والبيان' (الوليد بن المغيرة) و (عتبة بن ربيعة) وغيرهما من فصحاء العرب ومشاهير هم.

امثلة من التاريخ:

(ا) يروى أن الوليد بن المغيرة جاء إلى النبى ﷺ فقرأ عليه القرآن' فكأنه رق له' فلبغ ذلك أبا جهل فأتاه فقال: يا عم' إن قومك يريدون أن يجمعوا لك مالاً ليعطوه لك' فإنك اتيت محمداً لتعرض لما قبله (أى لتنال من فضله) فقال الوليد: لقد علمت قريش أني من أكثرها مالاً' فقال له أبوجهل: فقل فيه قولاً يبلغ قومك أنك منكر له قال: وماذا أقول؟ فوالله ما فيكم رجل أعلم بالشعر منى' لا برجزه ولا بقصيده' ولا بأشعار الجن' والله ما يشبه هذا الذى يقول شيئا من هذا' و والله إن لقوله لحلاوة و إن عليه لطلاوة' وإن أعلاه لمثمر' وإن أسفله لمغدق' وإنه ليعلو وما يعلى عليه...... فقال أبوجهل اللعين: والله ما يرضى قومك حتى تقول فيه' قال: فدعنيى حتى أفكر' فلما فكر قال: ﴿إِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُo﴾ فنزل فيه قول الله تعالى ﴿ذَرْنِىْ ومَنْ خَلَقْتُ وحِيدًا وجعلتُ لَهُ مالاً مَمْدُوْدًا﴾ إلى قوله ﴿إنه فَكَّرَ وقَدَّرَo فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَo ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَo ثُمَّ نَظَرَo ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَo ثُمَّ أدبَرَ واسْتَكْبَرَo فقالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُo إنْ هذا إلا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾

(٢)ويروى أن (الوليد) لما سمع القرآن من النبى ﷺ تأثر تأثرا بالغا فجاء لقومه (بنى مخزوم) وقال لهم: والله لقد سمعت من محمد آنفا (أى سابقا) كلاما ما هو من كلام الإنس' والله إن له لحلاوة' وإن عليه لطلاوة...... الخ. فقالت قريش: صبأ والله الوليد' لتصبأن قريش كلها' فقال أبوجهل: أنا أكفيكموه' فقعد إليه حزينا وكلمه بما أغاظه' فقام الوليد وقام معه أبوجهل' فلما أتى قومه قال: تزعمون أن محمدًا مجنون فهل رأيتموه يخنق؟ فتقولون انه كاهن فهل رأيتموه يتكهن؟ وتزعمون انه شاعر فهل رأيتموه يتعاطى شعرا قط؟ و تزعمون أنه كذاب فهل جربتم عليه شيئا من الكذب؟ فقالوا فى كل ذلك. اللهم لا...... ثم قالوا: فما هو؟ ففكر' فقال: ما هو إلا ساحر' أما رأيتموه يفرق بين الرجل وأهله' و بين الوالد وولده' وما الذى يقوله إلا سحر يأثره (أى ينقله) عن أهل بابل' فارتج النادى فرحا' وتفرقوا معجبين بقوله' متعجبين منه فنزلت الآيات الكريمة.

(٣) وفى صحيح مسلم أن (أنسيا الغفارى) أخا أبى ذر' قال لأبى ذر: لقيت رجلا بمكة على دينك' يزعم أن الله أرسله' قلت: فما يقول الناس: قال يقولون: شاعر' ساحر' كاهن' وكان (أنيس) أحد الشعراء قال أنيس: لقد سمعت قول الكهنة' فما هو بقولهم' ولقد وضعت قوله

على اقراء الشعر (يريد أنواعه وبحوره) فلم يلتئم على لسان أحد منهم أنه شعر' والله إنهم لكاذبون وإنه لصادق.

(۴) وأخرج ابن إسحق في السيرة (أن أبا جهل قال في ملأ من قريش: لقد التبس علينا أمر محمد' فلو التمستم لنا رجلا عالما بالشعر' والكهانة' والسحر' فكلمه ثم أتانا ببيان عن أمره؟ فقال (عتبة بن ربيعة) ومن من أشراف القوم وسادتهم- أنا أقوم إليه وأكلمه! فأتاه فقال يا محمد: أنت خير أم هاشم؟ أنت خير أم عبدالمطلب؟ أنت خير أم عبدالله؟ فبم تشتم آلهتنا وتضللنا؟ فإن كنت تريد الرياسة' عقد لك اللواء فكنت رئيسنا' وان كنت تريد النساء زوجناك ماتشاءُ منهن تختا رمنْ اى بنات قريش ماشئت وإن كنت تريد المال جمعنا لك من أموالنا حتى تكون أغنانا وأكثرنا مالاً والنبى ﷺ ساكت لا يجيبه' فلما فرغ من عرضه قال له النبى ﷺ: أفرغت؟ قال: نعم' قال فاسمع إذا فتلا عليه سورة فصلت ﴿حٰمٓ○ تَنْزِيْلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ○ كِتَابٌ فَصِّلَتْ آياته قُرْاٰنًا عربيًا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ○ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا فأعرضَ اَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ..... ﴾ الخ حتى بلغ قوله تعالىٰ ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً ..... ﴾ الآية فأمسك عتبة عليه فيه و ناشده بالرحمن أن يكف' ورجع إلى أهله ولم يخرج إلى قريش' فلما احتبس عنهم قالوا: ما نرى عتبة الا قد صبأ! فانطلقوا إليه وقالوا يا عتبة: ما حبسك عنا إلا أنك قد صبأت' فغضب ثم قال لهم: والله لقد كلمته فأجابني بشئ والله ما هو بشعر' ولا بسحر' ولا بكهانة' وقد ناشدته بالرحم أن يكف خشية أن ينزل بكم العذاب' وقد علمتم أن محمداً إذا قال شيئا لم يكذب.

قال العلامةَ (القرطبى) رحمه الله

(وإذا اعترف عتبة على موضعه من اللسان' وموضعه من الفصاحة والبلاغة' بأنه ما سمع مثل القرآن قط' كان فى هذا القول' مقرا بإعجاز القرآن له ولضر بائه من المتحققين بالفصاحة والقدرة على التكلم بجميع أجناس القول وانواعه)

ترجمہ: قرآن کریم کی وجوہ اعجاز

(مولف کتاب وجوہ اعجاز کو مختصراً شمار کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں)

پہلی وجہ: وہ نظم بدیع کہ جو عربی زبان کے جانے پہچانے نظم کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ: وہ انوکھا (طرز بیان اور) اسلوب کہ جو عربی کے تمام اسلوبوں کے مخالف ہے۔

تیسری وجہ: ایسی فصاحت کہ مخلوق کو اس کی مثل لانا ممکن نہیں۔
چوتھی وجہ: ایسی کامل (اور) باریک تشریع کہ جو انسان کی وضع کردہ ہر تشریع پر غالب آتی ہے۔
پانچویں وجہ: ایسی غیب کی خبریں دینا کہ جن کو وحی کے ذریعے ہی جانا جا سکتا ہے۔
چھٹی وجہ: کائناتی علوم کہ جن کے درست ہونے کا یقین ہے‘ کے ساتھ عدم تعارض۔
ساتویں وجہ: قرآن کریم نے جو وعدہ اور وعید بھی کیا اس کا پورا کرنا۔
آٹھویں وجہ: ایسے علوم و معارف کہ جو علوم شرعیہ اور علوم کونیہ (یعنی کائناتی علوم) کو مشتمل ہوں۔
نویں وجہ: قرآن کا انسانی ضروریات (دینویہ واخرویہ) کو پورا کرنا۔
دسویں وجہ: قرآن کا تابعداروں اور دشمنوں (دونوں) کے دلوں کو (یکساں) متاثر کرنا۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ’’قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات‘‘ کے عنوان کے تحت یوں لکھتے ہیں۔

’’اب ہم مختصراً ان اہم خصوصیات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جن کی بنا پر قرآن کریم کا کلام معجز ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خصوصیات کا احاطہ تو بشری طاقت سے باہر ہے تاہم انسان کی محدود بصیرت کے تحت ان خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔‘‘

(۱) الفاظ کا اعجاز (۲) ترکیب کا اعجاز (۳) اسلوب کا اعجاز (۴) اور نظم کا اعجاز اس کے بعد علامہ دامت برکاتہم نے ان عناوین کے تحت نہایت تفصیلی بحث کی ہے چاہیے کہ اس کو اصل کتاب میں دیکھ لیا جاوے۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۰۴)

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

اعجاز قرآن کا دائرہ

’’قرآن فقط اپنے الفاظ و ترکیب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ہی معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے الفاظ و ترکیب میں بھی معجزہ ہے اور اپنے معانی و مضامین میں بھی‘ اپنے اعلیٰ علوم و معارف میں بھی‘ معلومات غیبی حقائق ابدی میں بھی‘ اپنی پیش کی ہوئی مذہبی و اخلاقی و معاشرتی اور مدنی تعلیمات میں بھی‘ اپنے اثرات و انقلاب میں بھی‘ اپنی پیشین گوئیوں اور اخبار میں بھی معجزہ ہے مگر جب صرف الفاظ میں کہ جو اس کے اعجاز کامل کا صرف ایک پہلو اور گوشہ ہے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکا تو اس کے اعجاز کامل میں کیا مماثلت ہو سکتی ہے؟‘‘

قرآن کا امتیاز خصوصی اور اس کے اعجاز کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور علم اللہ کا تعلق فقط الفاظ و ترکیب سے نہیں بلکہ معانی و حقائق سے بھی ہے لفظی فصاحت کے لئے قرآن نے جا بجا اپنے کو ’’قرآنا عربیا‘ کتب مبین‘‘ اور ’’لسان عربی مبین‘‘ کہا ہے جس میں اس کے لفظی محاسن اور لسانی تفوق کی طرف اشارہ ہے۔

پس قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کا لفظی اعجاز درحقیقت قرآن کے اعجاز کا ایک گوشہ ہے اور قرآن کا اعجاز اس میں منحصر نہیں۔ علمائے متقدمین نے جب قرآن کے اعجاز پر غور کیا یا اس موضوع پر قلم اٹھایا تو زمانہ کے رجحان عام یا عربوں کے ادبی ذوق یا زبان کی اہمیت کی وجہ سے ان کی نظر کے سامنے زیادہ تر قرآن کے اعجاز کا یہی گوشہ رہا اور کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اس دائرہ کے اندر کمال نکتہ دانی اور حسن مذاق کا ثبوت دیا اور بڑی دماغ سوزی سے کام لے کر اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر دیا۔ اس علمی ذخیرہ میں اضافہ مشکل ہے اس لئے اس باب میں انہی تالیفات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔
(مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۴۵ تا ۴۸ ملخصاً)

ترجمہ: (مولف کتاب لف ونشر مرتب کے طور پر اب ہر ایک وجہ کو ترتیب وار تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

قرآن پاک کی وجوہ اعجاز میں سے پہلی وجہ

''وہ قرآن پاک کا وہ نظم بدیع ہے کہ جو عربی زبان کے جانے پہچانے ہر نظم کے خلاف ہے پس کوئی شئے بھی، نہ کوئی شعر اور نہ کوئی نثر قرآن کے نظم میں اس کے مشابہ ہے اور یہ بات اساطین بلاغت اور فصاحت و بلاغت کے آئمہ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کی شہادت سے (ثابت) ہے کہ جو عرب کے فصحاء اور مشاہیر تھے۔''

تاریخ سے (اس کی) چند مثالیں

(۱) ایک روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا پس گویا کہ اسے آپؐ پر ترس آیا (یعنی وہ آپؐ کے کلام سے متاثر ہوا) یہ بات ابوجہل کو پہنچ گئی۔ پس وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آ کر کہنے لگا' اے میرے چچا! آپ کی قوم آپ کے لیے مال جمع کرنا چاہتی ہے تا کہ وہ آپ کو دیں۔ کیونکہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ان سے کچھ لینے گئے تھے۔ اس پر ولید نے جواب دیا۔ ''قریش جانتے ہیں کہ میں سب سے مالدار ہوں۔ تو ابوجہل نے اسے کہا۔'' (تو) پھر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ایسی بات کہہ کہ جو تیری قوم کو یہ بتلائے کہ تو اس کا منکر ہے۔ اس نے پوچھا ''میں کیا کہوں؟ خدا کی قسم! تم میں سے کوئی مجھ سے زیادہ شعر (گوئی) نہیں جانتا اور نہ شعر کے رجز وقصیدہ کو اور نہ ہی جنوں کے اشعار کو خدا کی قسم! جو وہ کہتے ہیں وہ ان میں سے کسی شئے کے بھی مشابہ نہیں اور خدا کی قسم! آپؐ کے کلام میں (بلا کی) شیرینی اور رونق ہے' اس کا سب سے اوپری حصہ پھل دار ہے اور سب سے نیچے والا حصہ بے انتہا (سیراب) ہے یہ کلام غالب ہی رہتا ہے یہ مغلوب نہیں ہوتا۔

اس پر (اس بدبخت) ابوجہل لعین نے کہا ''خدا کی قسم تیری قوم تجھ پر راضی نہ ہوگی یہاں تک کہ تو ان کے بارے میں کوئی (بری) بات کرے۔ تو ولید نے کہا کہ مجھے کچھ سوچنے کے لئے چھوڑ دو۔ پھر اس نے (سوچ) سوچ کر کہا (تو یہ کہا) ﴿اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ ''یہ کچھ نہیں مگر جادو کہ جو چلا آتا ہے۔''

تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے بارے میں نازل ہوا۔

﴿ذَرْنِی ومنْ خلقتُ وحیدًا وجعلتُ لَهُ مالاً مَمْدُوْدًا إنه فكَرَ وقَدَرَ o فقُتِلَ كَيفَ قَدَرَ o ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرْ o ثُمَّ نَظَرَ o ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ o ثُمَّ أدبَرَ واسْتَكْبَرَ o فقالَ إنْ هٰذَا إلَّا سِحْرٌ يُؤثَرُ o إنْ هذا إلا قَوْلُ الْبَشَر﴾ ❶ (المدثر: ۱۱ - ۲۰)

''چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے بنایا اکا اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی۔ اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرالیا۔ سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا آدمی کا۔'' (تفسیر عثمانی)

(۲) روایت میں آتا ہے کہ ولید نے (ایک دفعہ) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تو بہت ہی زیادہ متاثر ہوا اور اپنی قوم بنی مخزوم کے پاس آ کر کہنے لگا۔ خدا کی قسم! ابھی میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے کہ جو نہ انسانوں کا کلام ہے اور نہ جنوں کا خدا کی قسم! اس میں (بلا کی) شیرینی ہے اور اس کی (بہت) رونق ہے۔

تو اس پر قریش کہنے لگے۔ ''خدا کی قسم! ولید بے دین ہو گیا۔ (اور آج یہ بے دین ہوا ہے تو کل) سارے کے سارے قریش ضرور بہ ضرور بے دین ہو جائیں گے۔ ابو جہل کہنے لگا ولید کے بارے میں میں تمہیں کافی ہوں (میں اس کو سمجھا بجھا لوں گا) پھر وہ ولید کے پاس اداس (اور غم زدہ ہو کر) بیٹھ گیا اور اسے سخت غصہ دلانے والی باتیں کرنے لگا۔ تو ولید کھڑا ہو گیا اور ابو جہل بھی اس کے ساتھ کھڑا ہوا' پھر جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو ان سے کہنے لگا۔

تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانہ سمجھتے ہو کیا تم نے (کبھی) اس کو (کسی کا یا اپنا) گلا گھونٹتے دیکھا ہے؟

تم اسے کاہن کہتے ہو کیا تم نے اس کو کہانت (کہتے یا) کرتے دیکھا ہے؟

تم اس کو شاعر سمجھتے ہو کیا تم نے اس کو شعر گوئی میں کبھی منہمک دیکھا ہے؟

تم اس کو جھوٹا گردانتے ہو کیا تم نے (کبھی) اس پر کسی جھوٹ کو پرکھا ہے؟

ان سب باتوں کے جواب میں انہوں نے کہا۔ ''اے خدایا (تیری قسم) نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ (پھر آخر) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہے؟ تو اس پر ولید نے سوچ کر جواب دیا' وہ کچھ نہیں مگر جادوگر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ آدمی اور اس کے گھر والوں میں اور باپ اور بیٹے میں تفریق ڈال دیتا ہے۔

اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کہ جس کو وہ اہل بابل سے نقل کر (کے تمہیں بتلا) تا ہے۔ اس پر مجلس (والے)

---

❶ امام بیہقی نے اس تمام قصہ کو دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

خوشی سے اچھلنے لگے اور وہ اس کی بات پر لٹو ہوتے اور اس کی گفتگو پر حیرت زدہ ہوتے ہوئے بکھر گئے (اور چلے گئے) تو اس پر (سورۂ مدثر کی) یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ ❶

(۳) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے بھائی انیس غفاری نے (اپنے بھائی حضرت) ابوذرؓ سے کہا کہ ''میں مکہ میں ایک آدمی سے ملا ہوں کہ جو تمہارے دین پر ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے (رسول بنا کر) بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا تو پھر لوگ (اس کے بارے میں) کیا کہتے ہیں؟ انیس نے جواب دیا لوگ (اس کو) شاعر جادوگر (اور) کاہن کہتے ہیں۔ اور انیس (خود بھی) شعراء (عرب) میں سے ایک) مایہ ناز شاعر تھے' انیس کہنے لگے' میں نے کاہنوں کا کلام (بھی) سنا ہے یہ ان کا کلام نہیں ہے اور میں نے ان کا کلام شعر کے کافیوں (اور اس کی بحروں) پر پیش کیا' کسی کی زبان پر اس کا شعر بن کر ادا ہونا مشکل ہے۔
خدا کی قسم! وہ لوگ جھوٹے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ ❷

(۴) ابن اسحٰق نے اپنی ''سیرت'' (کی کتاب) میں روایت کی ہے کہ ''ابوجہل نے قریش کی ایک جماعت میں کہا'' ہم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ مشتبہ ہو گیا' تم کسی شعر کہانت اور جادو جاننے والے آدمی سے درخواست کیوں نہیں کرتے کہ وہ (جا کر) اس سے بات کرے اور پھر ہمارے پاس ان کے معاملہ کی وضاحت لے کر آئے۔ تو اس پر عتبہ بن ربیعہ نے کہا'' (میرے ہوتے ہوئے) قوم کے سرداروں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے کون ہے؟ میں ان کے پاس جاتا ہوں اور ان سے بات کرتا ہوں پھر وہ آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم بہتر ہو یا ہاشم؟ تم بہتر ہو یا عبدالمطلب؟ تم بہتر ہو یا عبداللہ؟ تو پھر تم کس لئے ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے ہو اور ہمیں گمراہ ٹھہراتے ہو؟ پس اگر تم سردار بننا چاہتے ہو تو اپنے لئے ایک جھنڈا گاڑھ دو اور (ہمارے) سردار بن جاؤ (ہم تمہیں اپنا بڑا مان لیں گے) اور اگر تم عورتیں چاہتے ہو تو ہم جس سے تم چاہو اس سے تیری شادی کر دیتے ہیں قریش کی بیٹیوں میں سے تم جس کو چاہو پسند کر لو۔ اور اگر تم مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اپنے اموال جمع کرتے ہیں یہاں تک کہ تم ہم سب سے غنی اور مالدار بن جاؤ گے۔ (عتبہ یہ گفتگو کرتا رہا) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ جب وہ اپنی عرض (معروض) سے فارغ ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا' کیا تم فارغ ہو گئے؟ اور (تم نے اپنی بات پوری کر لی) اس نے کہا ''ہاں'' آپؐ نے فرمایا تو پھر سن' پھر آپؐ نے سورۂ فصلت تلاوت فرمائی۔

﴿حٰمٓ ٥ تَنْزِيْلُ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ......﴾ (حم السجدة: ۱ - ۱۳)

''اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ایک کتاب ہے کہ جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں قرآن عربی

---

❶ دیکھئے الکشاف جلد۴ صفحہ۶۴۹۔ ❷ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد۱ صفحہ۷۳۔

زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو سنانے والا خوشخبری اور ڈر پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے۔"
(تفسیر عثمانی)

(آپؐ آگے تلاوت فرماتے رہے) یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول تک پہنچے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً. (حم السجدہ: ۱۳) "پھر اگر وہ ٹلائیں تو تو کہہ میں نے خبر سنا دی تم کو ایک سخت عذاب کی۔" (تفسیر عثمانی)

(جب آپؐ اس آیت پر پہنچے تو بدحواس ہو کر) عتبہ نے آپ کے دہان مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور قرابتداری کا واسطہ دے کر رک جانے کو کہا۔ اور (وہاں سے سیدھا) اپنے گھر چلا آیا اور قریش کی طرف باہر نہ نکلا جب وہ ان سے بند ہو کر (اپنے گھر میں) بیٹھ رہا تو قریش کہنے لگے' ہمارا تو یہی گمان ہے کہ عتبہ بے دین ہو گیا۔ پس قریش اس کے پاس آ کر کہنے لگے' اے عتبہ! تمہیں کس چیز نے ہم سے نہ روکے رکھا مگر یہ کہ تو بے دین ہو گیا ہے تو اس پر وہ ناراض ہو گیا اور انہیں کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے بات کی اور اس نے مجھے ایسی بات سے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ جادو نہ کہانت اور میں نے اسے قرابتداری کا واسطہ دے کر رک جانے کی درخواست کی تھی' مجھے ڈر تھا کہ (کہیں) تم پر عذاب نہ نازل ہو جائے اور تحقیق تم جانتے ہو کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم جب) کوئی بات کہہ دے تو وہ (ٹلتی نہیں اور نہ ہی) غلط ثابت ہوتی ہے۔ ❶

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"جب عتبہ نے اپنی زبان دانی اور فصاحت (وبلاغت) میں مہارت (اور کمال) کے باوجود اس بات کا اعتراف کر لیا کہ اس نے قرآن کی طرح کا کلام کبھی نہیں سنا تو اپنی اس بات میں وہ خود اپنے لئے اور اپنے جیسے ان دوسروں کے لئے قرآن کے اعجاز کا اقرار کر رہا ہے کہ جو گفتگو کی تمام اجناس وانواع پر تکلم کی قدرت اور فصاحت (وبلاغت) میں مانے ہوئے ہیں۔"

توضیح

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جہلائے عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیب غریب وقصائد عجیب کے مالک' رجز فاخرہ واسجاع موجزہ اور خطب بلیغہ کے انشاء پر قادر تھے۔ صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں شاعروں اور خطیبوں سے یہ منوا دیا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔

ذرا غور کرو کہ دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو کہ جو دنیا بھر سے نرالہ اور فائق تر ہو۔ جیسے خاتم النبیین' رسول کافۃ للناس رحمۃ للعالمین اور مطاع عالم کے اعلام سے نمایاں ہے اور ہے اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اسی کو اپنے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور دعویٰ کا انکار

---

❶ دیکھئے الکشاف جلد ۴ صفحہ ۱۹۲۔

کرنے والوں کوضلالت وعمایت اورخلودنار وغیرہ کی ذلتوں کی مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

پھرایسی حالت میں بھی اسی کے ملک میں رہنے والے اسی کی زبان کے بولنے والے اسی زبان کے قادر الکلام اورسحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت وخاموش اور متحیر ومدہوش رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے قرآن مجید پیش کرنے والے (فداہ ابی وامی) نے معارضہ کی چھ قسمیں بتلائیں اور ہرایک قسم میں سب کو عاجز اور درماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گوعربی مبین ہے مگراس کی فصاحت و بلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد۳ صفحہ ۲۶۶-۲۶۷)

أما الوجه الثانى لإعجاز القرآن:

(الأسلوب العجيب) المخالف لجميع الأساليب العربية. فقد جاء القرآن بذلك الأسلوب الرائع الخلاب، الذى بهر العرب برونقه وجماله، وعذوبته وحلاوته، وقد كانت فيه من الخصائص العليا ما لم توجد فى كلام بشر على نحو ما وجدت فى القرآن، خصوصًا وأن النبى ﷺ تحدى به فأعجز أساطين الفصحاء. وأعيا مقاويل البلغاء، وأخرس ألسنة فحول البيان، وذلك فى عصر كانت القوى فيه قد توافرت على الإجادة والتبريز فى هذا الميدان، وفى أمة كانت مواهبها محشودة للتفوق فى هذه الناحية.

يقول (الزرقانى) رحمه الله: (وها قد مرت على اللغة العربية، من عهد نزول القرآن إلى عصرنا هذا، أدوار مختلفة بين علو و نزول واتساع وانقباض، وحركة وجمود، وحضارة و بداوة، والقرآن فى كل هذه الأدوار، واقف فى عليائه، يطل على الجميع من سمائه. وهو يشع نوراً وهداية، ويفيض عذوبة وجلالة و يسيل رقة وجزالة، ويرف جدة وطلاوة ولا يزال كما كان غضا طريا، يحمل راية الإعجاز وصولته ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○﴾ (الاسراء: ۸۸)

خصائص أسلوب القرآن:

وللقرآن الكريم فى أسلوبه العجيب المخالف لجميع الأساليب البشرية خصائص عديدة نجملها فيما يلى:

الخاصة الاولى: مسحة القرآن اللفظية' التى تتجلى فى نظامه الصوتى' وجماله اللغوى.
الخاصة الثانية: إرضاؤه العامة والخاصة' بمعنى أن الجميع يحسون بجلاله ويشعرون بروعته.
الخاصة الثالثة: إرضاؤه العقل والعاطفة معًا فالقرآن يخاطب العقل والقلب' ويجمع الحق والجمال معًا.
الخاصة الرابعة: جودة سبك القرآن وإحكام سرده' فكأنه سبيكة واحدة تلعب بالعقول وتأخذ بالأبصار.
الخاصة الخامسة: براعته فى تصريف القول' و تفننه فى ضروب الكلام' بمعنى أنه يورد المعنى الواحد بألفاظ شتى' وطرق مختلفة' وكلها رائعة فائقة.
الخاصة السادسة: جمع القرآن بين الإجمال والبيان.
الخاصة السابعة: الوفاء بالمعنى مع القصد فى اللفظ.

لغات: عذوبت: مٹھاس۔ أعيىٰ: تھکا دینا۔ عاجز کر دینا۔ اَخْرَسَ: گونگا کرنا۔ زبان گنگ کرنا۔ فحول: بلند پایۂ اہل علم۔ محشوده: جمع کی گئیں یعنی جمع ہیں' مہیا ہیں۔ حضارة: شہری وتمدنی زندگی۔ بداوت: دیہاتی زندگی۔ يطل: برسانا۔ يرف: لہلہانا۔ طلاوة: رونق۔ غضا طريا: شگفتہ وتروتازہ۔

ترجمہ: اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ (قرآن کا) وہ انوکھا طرز (نگارش و) بیان ہے کہ جو تمام اسالیب عربیہ کے خلاف ہے پس قرآن اس شاندار دل کش اسلوب کو لایا جس نے عربوں کو اپنی رونق و جمال اور مٹھاس اور شرینی سے حیران کر دیا۔ اور اس طرز میں وہ بلند خوبیاں تھیں کہ کسی انسان کے کلام میں اس طرح نہیں پائی گئیں کہ جس طرح قرآن میں پائی گئیں' خصوصاً جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا چیلنج بھی کیا پس قرآن کے اس انوکھے طرز بیان نے اساطین فصحاء کو عاجز کر دیا اور بلغاء کے کلاموں کو تھکا کر چور کر دیا اور بلند پایہ اہل بیان لوگوں کی زبانوں کو گونگا کر دیا اور یہ چیلنج ایسے دور میں تھا کہ جب اس میدان میں (انہیں) عمدہ کلام پیش کرنے اور (اس میں) سبقت لے جانے کی ہمتیں تھیں اور (یہ چیلنج) ایسی قوم کو تھا کہ جن کی خداداد صلاحیتیں (اور ملکہ ومہارت) خاص اس پہلو میں برتری کے لئے جمع تھیں۔''

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

''اور سنو! عربی زبان پر' نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک' بلندی و پستی کشادگی و تنگی (گنجائش اور گھٹن) حرکت و جمود اور تہذیب (وتمدن اور شہری زندگی) اور دیہاتی (صحرائی) زندگی کے درمیان مختلف ادوار گزرے ہیں۔ اور قرآن ہر دور میں اپنی بلندیوں پر کھڑا ہے اور سب پر (یکساں طور پر) اپنے آسمان سے

(فیض کی) بارش برسا رہا ہے اور نور اور ہدایت کی روشنی ڈال رہا ہے اور مٹھاس اور عظمت کو (سب پر) عام کر رہا ہے اور (اپنی) شیریں گفتاری اور خوش بیانی (یعنی فصاحت و بلاغت) کو (سب پر یکساں) بہا رہا ہے اور جدت اور رونق کو لہلہا رہا ہے اور یہ قرآن ہمیشہ سے پہلے کی طرح (آج بھی) تروتازہ اور خوشگوار (اور بارونق) ہے کہ جس نے اعجاز کا جھنڈا اٹھایا ہوا ہے اور اقوام عالم کو پورے یقین اور بھروسے کے ساتھ اعجاز کے غلبہ اور دبدبہ اور واضح حق اور اس کی قوت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے چیلنج کر رہا ہے۔''

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾ [1] (الاسراء: ۸۸)

''کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے قرآن کریم کے نادر اسلوب پر نہایت مفصل روشنی ڈال ہے یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:

''دوسری چیز جو قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترکیب' نادر اسلوب آیتوں کے آغاز و انتہا کا انداز' ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا' نیز حسن عبارت اور پاکیزہ اشارے اور سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب۔ ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں۔''

انسانوں میں جتنے بھی ادیب گزرے ہیں چاہے وہ نثر نگار ہوں یا شاعر' خاص طور پر اپنے کلام کے آغاز کو (یعنی مطالع کو) حسین تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ حسن ابتداء ہی ایک ادیب کے کلام کو چمکا دیتی ہے کہ اس میں کوئی لغزش پورے کلام کے حسن کو غارت کر دیتی ہے مثلاً امراء القیس کا یہ شعر کہ جو ایک مشہور قصیدے کا مطلع ہے۔

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل
بسقط اللوى بين الدخول فحومل [2]

---

[1] اس کے لئے دیکھئے علامہ زرقانیؒ کی مناہل العرفان جلد۲ صفحہ۲۲۹۔

[2] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ شاعر اپنے دوستوں کے ساتھ محبوب کے ایک پرانے مکان کے پاس سے گزرتا ہے جو اب کھنڈر بن چکا ہے تو ساتھیوں سے کہتا ہے۔

ٹھہرو! ذرا محبوب اور اس کے گھر کو یاد کر کے رولیں وہ گھر جو ٹیلے کے کنارے مقابل دخول اور مقام حومل کے درمیان واقع تھا۔

اس شعر کے معنی پر بعض ناقدروں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ محبوب کی یاد میں دوسروں کو رونے کی دعوت دینا یہ غیرت عاشقی کے خلاف ہے۔

(حاشیہ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۳۱۹)

شعر کے ناقدوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلا مصرعہ تو اپنے الفاظ کی شیرینی' نزاکت اور مختلف قسم کے معانی اپنے اندر جمع کر لینے کے اعتبار سے بے نظیر ہے اس لئے کہ اس میں وہ اپنے آپ کو بھی محبوب کی یاد میں ٹھہرنے کی دعوت دے رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی' خود بھی رو رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلا رہا ہے محبوب کو بھی یاد کر رہا ہے اس کے گھر کو بھی لیکن دوسرا مصرعہ ان تمام نزاکتوں سے خالی ہے۔ غرض بڑے بڑے مشہور شعراء نے لغزشیں اور ٹھوکریں کھائیں ہیں۔ شرفاء عرب باوجود اسکے کہ وہ کلام کے اسرار پر پوری طرح مہارت رکھتے تھے اور اسلام سے شدید عداوت بھی۔ لیکن قرآن کی بلاغت اور الفاظ کی خوبصورت اور اسلوب وطرز کی عمدگی میں انگلی رکھنے کی مجال نہ پاسکے۔ اور نہ کوئی عیب نکالنے کی قدرت ہوئی۔ بلکہ اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ کلام شاعروں اور خطیبوں جیسا نہیں البتہ اس کی فصاحت پر حیران ہو کر کبھی اس کو جادو اور کبھی اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تراشیدہ کہا اور کبھی یہ کہا کہ یہ پہلوں کی باتیں ہیں کہ جو نقل ہوتی چلی آتی ہیں۔

ثابت ہوا کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن الفاظ کی بنا پر معجز ہے اور جب ان سے قرآن کی بلاغت کا مقابلہ نہ ہو سکا تو جنگ وجدل کو ترجیح دی' زبانی مقابلہ کی بجائے مار دھاڑ کو گوارا کیا۔ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی بلاغت ان کو تسلیم تھی اور وہ اس کے معارضہ سے عاجز تھے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۱۸-۳۲۳ ملخصاً)

ترجمہ: اسلوب قرآن کے خصائص

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کریم کے اس عجیب اسلوب کی کہ جو تمام اسالیب بشریہ کے خلاف ہے۔ چند خصوصیات ہیں جن کو ہم ذیل میں مختصراً ذکر کرتے ہیں۔''

پہلی خصوصیت:

(یہ) قرآن کا وہ لفظی اثر ہے کہ جو اس کے نظام صوتی اور جمال لغوی میں ظاہر ہوتا ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم ایسی نثر پر مشتمل ہے کہ جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ لطافت (اور لذت) اور حلاوت کا حامل ہے انسان کا جمالیاتی ذوق نظم اور شعر میں ایک ایسی لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے جو نثر میں محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا راز درحقیقت لفظوں کی اس ترکیب میں مضمر ہے جو ایک خاص صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے عربی اردو فارسی کی قدیم شاعری میں اس آہنگ کی لذت شعر کے خاص اوزان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ہی صوتی وزن کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑتے ہیں تو اس سے ذوق سلیم کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے پھر جب وزن کے ساتھ قافیہ مل جائے تو یہ لذت دوچند

ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ردیف کی یکسانیت لذت میں اور اضافہ کرتی ہے اور اگر مصرعوں کے بیچ بیچ میں عروضی اوزان کے ساتھ حرفی اوازن اور قوافی کی یکسانیت بھی شامل ہو جائے (جیسا کہ مرصع اشعار میں ہوتا ہے) تو یہ لذت اور بڑھ جاتی ہے۔''

لیکن اوازن اور قوافی کے اصول ہر خطے اور ہر زبان میں یکساں نہیں ہوتے ہر زبان کے لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مختلف قواعد مقرر کرتے ہیں۔ لیکن ایک چیز ان سب زبانوں اور ان سب قوموں میں قدر مشترک رکھتی ہے اور وہ ہے ایک ''متوازن صوتی آہنگ'' یعنی الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا کہ ان کے تلفظ سے اور انہیں سن کر انسان کا جمالیاتی ذوق حظ محسوس کرے۔

اسی لیے مختلف شعراء جب اپنے کلام میں لطف پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان کو لازماً اپنے ماحول کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کی پابندی کرنا پڑتی ہے یہ صرف قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے دنیا کے کسی خطے کے قواعد وضوابط کی پابندی اختیار نہیں کی بلکہ ایک ''مواتر صوتی آہنگ'' کو کہ جو ایک قدر مشترک ہے اختیار کیا ہے جو ان سارے قواعد کا اصل مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نثر ہونے کے باوجود شعر سے زیادہ لطافت اور لذت کا حامل ہے اور صرف اہل عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان کے لوگ اس کو سن کر غیر معمولی لذت اور تاثیر محسوس کرتے ہیں۔ (علوم القرآن از صفحہ ۲۵۰-۲۶۲ ملخصاً)

ترجمہ: دوسری خاصیت

قرآن کا ہر خاص و عام کو مطمئن کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ سب اس کی عظمت کو محسوس کرتے ہیں اور اس کی شان وشوکت (کلام) کو سمجھتے ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کے مخاطب الھڑ دیہاتی بھی ہیں اور پڑھے لوگ بھی اعلیٰ درجہ کے علماء اور ماہرین فنون بھی لیکن اس کا ایک اسلوب بیک وقت ان تینوں طبقوں کو متاثر کرتا ہے ایک طرف ان پڑھ آدمی کو اس میں سادہ حقائق ملتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ قرآن میرے لئے ہی اترا ہے لیکن دوسری طرف علماء اور محققین اس میں گہری نظری ڈالتے ہیں تو انہیں اس میں علمی نکات نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب علم وفن کی ایسی باریکیوں پر مشتمل ہے کہ معمولی واقفیت کا آدمی انہیں سمجھ ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم کا طریق استدلال نہایت سادہ ہے اور زیادہ تر مشاہدہ کی دلیلوں پر مبنی ہے۔ توحید، رسالت آخرت وغیرہ کے باریک فلسفیانہ مسائل بالکل سامنے کی دلیلوں سے ثابت کرتا ہے مظاہر فطرت سے ایک ادنیٰ سمجھ کے معیار کے آدمی پر بھی حقائق واضح کرتا ہے لیکن اگر انہی کی گہرائیوں میں اتریے تو عقلی و منطقی دلائل بھی ملیں گے کہ جو فلسفیانہ موشگافیوں کے مریض کو شفا بخشتے ہیں۔''

باتوں باتوں میں قرآن نے فلسفہ اور سائنس کے وہ مسائل بھی حل کر دیئے ہیں کہ جن کی تحقیق کے لئے بڑے بڑے فلسفی آخر تک پیچ وتاب کھاتے رہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۶۳-۲۶۴ ملخصاً)

تیسری خصوصیت

قرآن کا عقل اور جذبات دونوں کو ایک ساتھ مطمئن کرنا چنانچہ قرآن عقل اور دل دونوں سے مخاطب ہے اور حق اور جمال کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے۔

توضیح

جاننا چاہیے کہ عقل کا دائرہ کار احکام وفرائض تک ہے کہ جس کی ترجمانی شوکت کلام سے ہوتی ہے اور جذبات وعواطف کا دائرہ اخلاق، وآداب، زہد وعبادات آخرت اور ترک دنیا، امثال عبرت اور انذار وتبشیر سے ہوتا ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ قاضی سلیمان منصور پوری ؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے وہ احکام شریعت اور مواعظ وامثال اخبار وانذار میں زمانہ ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر القاء فرمارہا ہے اور بایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت اور روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت وبلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۶۷)

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ؒ اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

''قرآن کریم نے عبادات کے فرض ہونے، ناشائستہ امور کے حرام ہونے، اچھے اخلاق کی ترغیب دینے دنیا کو ترک کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے یا اور اس قسم کی دوسری باتوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ان چیزوں کا ذکر وتذکرہ کلام کی فصاحت وبلاغت کو کم کرنے کا موجب ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی فصیح شاعر یا ادیب فقہ یا عقائد کے نو دس مسئلے ایسی بہترین فصیح عبارت میں لکھنے کی کوشش کرے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعاروں کو لئے ہوئے ہو تو وہ قطعی عاجز ہوگا اور اپنے مقصد میں ناکام'' (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

قاضی سلیمان منصور پوریؒ فردوسی، ہومر، سعدی، شیکسپیئر، والمیک، ملٹن، گوئیٹے، بیکن، نابغہ، سر، امراء والقیس اور خسرو وغیرہ کی فصاحت وبلاغت کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''اگر انہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون کوئی ضابطہ لکھنا پڑھتا اگر حقائق الہیات رموز فطریات یا اسرار آخرینش پر انہیں چند سطریں بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سست، الفاظ کیسے گھٹیل، طرز ادا کتنا متبذل ہوتا۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۶۷)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کے الفاظ میں اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''کلام کی شوکت اور اس کی نزاکت وشیرینی (یعنی کلام اللہ کی حقانیت اور اس کا جمال) دو متضاد صفتیں ہیں، دونوں

کے لئے الگ اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے۔ان دونوں صفتوں کو ایک عبارت میں جمع کر دینا انسانی قدرت سے باہر ہے یہ صرف قرآنی اسلوب کا اعجاز ہے کہ اس میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال یکجا پائے جاتے ہیں'' (علوم القرآن صفحہ۲۶۴)

علامہ حقانی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شاعری جتلانے اور فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑانے کا میدان رزم و بزم مدح حسن و جمال و وصف زلف و خال وغیرہ امور حسیہ ہوتے ہیں مگر حکیمانہ باتوں میں آکر قافیہ تنگ ہو جاتا ہے۔ذرا کسی بڑے شاعر سے دو چار جز مسائل فقہ و میراث میں تو لکھوایئے پھر شاعری ملاحظہ فرمایئے۔مگر قرآن میں باوجود اس التزام کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔'' (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۴۹)

ترجمہ: چوتھی خصوصیت

قرآن کے (الفاظ کے) ڈھلاؤ (اور چناؤ) کی عمدگی اور اس کے بیان (اور تسلسل کلام) کی پختگی ہے گویا کہ ایک ہی ڈھلا ہوا کلام ہے کہ جو عقلوں کا کھلواڑ بناتا ہے اور آنکھوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔

توضیح

قرآن پاک کی اس خصوصیت کو ''الفاظ کا اعجاز'' کہتے ہیں علامہ عثمانی ؒ نے علوم القرآن صفحہ ۲۵۴-۲۵۸ پر اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے یہ بحث پڑھنے کے قابل ہے ہم نے طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کیا' چاہیے کہ وہاں دیکھ لی جائے۔ (نسیم)

علامہ رحمت اللہ صاحب کیرانوی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

''کسی قصیدہ کے تمام اشعار (اور اس کے الفاظ) شروع سے آخر تک فصیح نہیں ہوتے بلکہ تمام قصیدہ میں ایک دو شعر ہی معیاری ہوتے ہیں اور باقی اشعار پھیکے اور بے مزہ۔قرآن کریم اس کے برعکس باوجود اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے کے سارے کا سارا اس درجہ فصیح ہے کہ تمام مخلوق اس کے معارضہ اور مقابلہ سے عاجز ہے جس کسی نے سورۂ یوسف کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتا ہے کہ اتنا طویل قصہ بیان کے لحاظ سے جان بلاغت ہے۔'' (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

علامہ حقانی ؒ قرآن کی آیات کی تیس خوبیاں گنوانے کے بعد فرماتے ہیں:

''اب منصف غور کرلے کہ اس قدر مضامین کو کہ جن کی خوبی اور ضروری ہونے میں کسی اہل عقل کو کلام نہیں۔قرآن نے کس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے۔''

اس کے بعد علامہ حقانی ؒ نے الفاظ قرآن کے اعجاز کو اس قدر تفصیل اور شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ جس کا خلاصہ پیش

کرنا بھی بندہ کی قدرت میں نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کا مطالعہ اصل کتاب سے کرلیا جائے۔ (دیکھیں تفسیر حقانی مقدمہ جلدا صفحہ۱۴۲-۱۵۱)

علامہ حقانیؒ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''سب میں بڑھ کر بلاغت کلام میں امر ضرور دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اور وسط اور اخیر کو کیا نسبت ہے؟ اگر تینوں موقعوں پر کلام عالی اور مطلب خیز ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کلام درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔'' (تفسیر حقانی جلدا صفحہ۱۴۹ مقدمہ)

ترجمہ: پانچویں خصوصیت

قرآن کی کلام کے تکرار میں (کمال مہارت اور) فوقیت اور کلام کی امثال میں قرآن کا تفنن جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک ہی (بات کو اور) معنی کو کئی الفاظ اور مختلف طریقوں سے لاتا ہے اور وہ سب طریقہ (ہی) شاندار (اور) اعلیٰ ہے۔

توضیح

علامہ حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جب کوئی فصیح و بلیغ ایک مضمون کو ایک بار کہہ کر پھر کہتا ہے تو وہ لطف نہیں رہتا لیکن قرآن نے مکرر مضامین بیان فرمائے اور ہر جگہ جدا جدا لطف ہے۔'' (تفسیر حقانی مقدمہ جلدا صفحہ۱۴۹)

اسی بات کو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''اگر کوئی شاعر یا ادیب کسی مضمون یا قصہ کو ایک یا زیادہ بار بیان کرتا ہے تو اس کا دوسرا کلام پہلے کلام جیسا ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، پیدائش و آخرت کے احوال واحکام اور صفات خداوندی بکثرت اور بارہا بیان کئے گئے ہیں۔ انداز بیان بھی اختصار اور تطویل کے اعتبار سے مختلف ہے، عنوان و بیان میں ایک ہی اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے اس کے باوجود ہر تعبیر اور ہر عبارت انتہائی فصاحت کی حامل ہے اس لحاظ سے دونوں عبارتوں میں کچھ بھی تفاوت محسوس نہیں ہوتا (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۳۰۸)

ترجمہ: چھٹی خصوصیت

قرآن کا اجمال اور (تفصیل و) بیان کو جمع کرنا۔

ساتویں خصوصیت

الفاظ کے اعتدال کے ساتھ معانی کی تکمیل۔ ❶

---

❶ ان سب خصوصیات کے لئے دیکھئے علامہ زرقانیؒ کی ''مناہل العرفان''

توضیح

اس کو "ترکیب کا اعجاز" کہا جاتا ہے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اس کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ فرماتے ہیں۔
"قرآن کریم کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی اس طرح سمو لیتا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں' اس جامعیت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت اور شیرینی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔"
اس کے بعد سورۂ "ص" پر مفصل تبصرہ کے بعد فرماتے ہیں۔
"(اس سورت کے) یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔"
(بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۳۱۲-۳۱۳ ملخصاً)
علامہ عثانی دامت برکاتہم اس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:
"قرآن کریم کے جملوں کی ترکیب' ساخت اور نشست کا اعجاز بھی اوج کمال پر ہے قرآن کے جملوں کے دروبست میں وہ شوکت' سلاست اور شیرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔" (علوم القرآن صفحہ ۲۵۹)
علامہ حقانیؒ قرآن کی اس خوبی کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:
"(پھر) کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیا۔ یعنی جہاں تقدیم مسند الیہ کا موقع تھا وہاں تقدیم کی اور جہاں تاخیر کا مقام تھا وہاں تاخیر کی' جس قدر جہاں مطلوب تھی وہاں اس قدر تاکید کی۔ جہاں وصل کا موقع تھا وہاں وصل کیا اور جہاں فصل کا مقام تھا وہاں فصل کیا۔ جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا وہاں نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی وہاں معرفہ استعمال کیا۔ اسناد حقیقی کے موقع پر حقیقی اور مجازی کے موقعہ پر مجازی۔ قصر جس درجہ مطلوب تھا وہاں اتنا ہی قصر کیا' وغیرہ۔" (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۴۵)
قرآن کے اس اعجاز قصر و ایجاز اور اختصار و اعتدال اور قلت الفاظ مع کثرت معانی کی علماء ایک مشہور مثال دیتے ہیں مناسب ہے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔

اعجاز قرآنی کا ایک حیرت انگیز نمونہ

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ.
"اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔"
قاتل سے قصاص لینا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی۔ اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لئے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے۔ مثلاً
(۱) القتل احياءٌ للجميع. "قتل اجتماعی زندگی ہے۔"
(۲) قتل البعض احياءٌ للجميع. "بعض لوگوں کا قتل باقی انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے۔"

(۳) اکثر وا القتل لیقل القتل. ''قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائیں۔''
(۴) القتل انفی للقتل. قتل قتل کو دور کرتا ہے (اور اس سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے)''

ان جملوں کو اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ یہ زبان زد عام تھے۔ اور فصیح سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی اس مفہوم کو ادا فرمایا مگر کس شان سے؟ ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ.

اس جملے کے اختصار، جامعیت، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھئے بلاغت کا معجز شاہکار معلوم ہوتا ہے اور پہلے کے تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔ اس جملے کی بلاغت پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اس قدر اختصار اور پھر بے شمار معانی سے ❶ مالا مال، بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ دو متقابل معانی یعنی قصاص اور حیوۃ کے درمیان مطابقت پر مشتمل ہے ساتھ مضمون کی ندرت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ قتل جو حیات کو فنا کر دینے والا ہے اس کو خود حیات کا ظرف قرار دیا گیا ہے۔ یہ کلام مذکورہ بالا تمام تعبیرات اور مقولوں سے عمدہ اور بہتر ہے۔

لیکن قرآنی جملہ ان سب سے مندرجہ ذیل وجوہات سے زیادہ فصیح ہے۔

(۱) باوجود مقصود پورا کرنے کے اس کے الفاظ دوسرے جملوں سے کم ہیں کیونکہ اس جملہ کے گیارہ حروف ہیں اور باقیوں کے اس سے زیادہ۔
(۲) اس میں مقصود یعنی حیات مذکور ہے جبکہ دوسرے جملوں میں ایک شئے خود اپنی نفی کا سبب معلوم ہوتی ہے اور یہ عیب ہے۔
(۳) حیوۃ کی تنوین میں تعظیم ہے یعنی قصاص میں تمہارے لئے بڑی زندگانی ہے کیونکہ قصاص کے اجراء سے کوئی کسی کو نہ مارے گا۔
(۴) یا یہ تنوین نوعیت کی ہے کہ (حیات) قاتل کو قصاص میں مارے جانے سے بسبب باز رہنے کے اور مقتول کو قتل ہونے سے حاصل ہوئی۔
(۵) یہ ہر موقع پر صادق آتا ہے کیونکہ ہر قصاص میں حیات ہے بخلاف قتل کے کہ ہر قتل قتل کو نہیں مٹاتا۔ بلکہ قتل ناحق تو اور بھی قتل کی ترغیب دیتا ہے اس لئے انسانی کلام بظاہر غلط اور قرآنی الفاظ ظاہر و باطنی طور پر فصیح ہیں۔

---

❶ مطابق یا طباق علم بدیع کی اصطلاح میں ایک صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے ایک جملہ میں دو یا دو سے زیادہ متضاد چیزوں کو جمع کر دینا۔ مثلاً

گل تبسم کر رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی کہ گریہ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

مذکورہ بالا آیت میں بھی قصاص اور زندگی کو یکجا کر کے ایک حسین مطابقت پیدا کر دی گئی ہے۔ (حاشیہ بائبل سے قرآن تک ج ۲ از علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم)

(۶) اس میں لفظ مکرر نہیں۔ جبکہ ان (مقولوں) میں الفاظ کا تکرار ہے کہ جو عیب ہے۔

(۷) ان کے بہترین کلام میں فقط قتل سے روکا گیا ہے۔ جبکہ قصاص میں قتل کرنے اور زخمی کرنے دونوں سے روکا گیا ہے۔ اس لئے یہ کلام زیادہ مفید اور عام ہے۔

(۸) اس میں مقدر اور محذوف کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۹) اس میں صفت مطابقت (کہ جس کا بیان اوپر گزر گیا) حاصل ہے۔

(۱۰) ان کہاوتوں [1] میں قتل کو ایک دوسری حکمت کا تابع بنا کر اسے مطلوب قرار دیا گیا ہے اس کے برعکس قرآنی الفاظ میں بلاغت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ قتل کا نتیجہ زندگی کو قرار دیتا ہے جو اصل مطلوب ہے۔

(یہ تمام مضمون بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۱۳-۳۱۵ اور تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ اور علوم القرآن صفحہ ۲۵۹ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

أمثلة توضيحية على خصائص أسلوب القران

يقول حجة الأدب العربي الفقيد (مصطفى الرافعي) رحمه الله.

(۱) لو تدبرت ألفاظ القرآن في نظمها' لرأيت حركاتها الصرفية واللغوية' تجرى في الوضع والتركيب مجّرى الحروف أنفسها فيما هي له من أمر الفصاحة' ولن تجدها إلا مؤتلفة مع أصوات الحروف مساوقة لها في النظم الموسيقي' حتى إن الحركة ربما كانت ثقيلة' فلا تعذب ولا تساغ فإذا هي استعملت في القرآن رأيت لها شأنا عجيبا...... من ذلك لفظة (النذر) جمع نذير' فإن الضمة ثقيلة فيها لتواليها على النون والذال معا' فضلا عن جسأة هذا الحرف' و نبوّه في اللسان' ولكنه' جاء في القرآن على العكس في قوله تعالى. ﴿وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ.﴾ فتأمل هذا التركيب' وأنعم ثم أنعم على تأمله' وتذوق مواقع الحروف' وأجر حركاتها في حس السمع' وتأمل مواضع القلقلة في دال (لقد) و في الطاء من (بَطْشَتَنَا) و في الفتحات المتوالية فيما وراء الطاء إلى الواو من قوله (بطشتنا فتماروا) مع الفصل بالمد' ليكون ثقل الضمة عليه مستخفا بعد' ولتكون هذه الضمة قد أصابت موضعها كما تكون الاحماض في الأطعمة.

---

[1] دوسرے یہ کہ ان کہاوتوں کے اندر کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ کونسا مفید ہے اور کونسا مضر قرآن کریم نے قتل کی بجائے قصاص کا لفظ استعمال فرما کر یہ تفصیل بھی بیان کردی۔ (حاشیہ بائبل سے قرآن تک ج ۲ از علامہ تقی عثانی دامت برکاتہم)

(۲) وفی القرآن لفظة غریبة هی من اغرب ما فیه' وما حسنت فی کلام قط الا فی موقعها فیه' وهی کلمة (ضیزی) من قوله تعالی ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۝﴾ ومع ذلك فإن حسنها فی نظم الكلام من أغرب الحسن ومن أعجبه' ولو أردت اللغة العربية ما صلح لهذا الموضع غيرها' فإن السورة التی هی منها وهی سورة (النجم) مفصلة كلها على الياء' فجاء ت الكلمة فاصلة من الفواصل' ثم هی فی معرض الإنكار على العرب' إذ وزدت فی ذكر الاصنام' وزعمهم فی قسمة الاولاد' فإنهم جعلوا الملائكة والأصنام بنات لله' مع وأدهم للبنات فقال تعالی ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۝﴾ فكانت غرابة اللفظة أشد الاشياء ملاء مة لغرابة هذه القسمة التی انكرها' وكانت الجملة كلها كأنها تصور فی هيئة النطق بها' الإنكار فی الأولی' والتهكم فی الاخری' وكان هذا التصوير أبلغ ما فی البلاغة' وخاصة فی اللفظة الغريبة التی تمكنت فی موضعها من الفصل......

(۳) ومما لا يسعه طوق انسان فی نظم الكلام البليغ' ثم مما يدل على ان نظم القرآن مادة فوق الصنعة' ومن وراء الفكر' وكأنها صبت على الجملة صبا' انك ترى بعض الا لفاظ لم يأت فيه لا مجموعا' ولم يستعمل منه صيغة المفرد' فإذا احتاج الی هذه الصيغة استعمل مراد فها' كلفظة (اللب) إنها لم ترد إلا مجموعة كقولة تعالی ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَذِكْرٰى لِأُولِی الْاَلبَابِ.﴾ وقوله ﴿وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا لْاَلْبَابِ.﴾ ونحوهما ولم ترد فيه مفردة' بل جاء مكانها (القلب) فی قوله تعالی ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أو اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ.﴾ وذلك لان لفظ (الباء) شديد مجتمع' ولا يفضی الی هذه الشدة الا من اللام الشديدة المسترخية' فلما لم تحسن اللفظة اسقطها من نظمه بتة......

وكذلك لفظ (الكوب) استعمك فيه مجموعة' ولم يأت بها مفردة' لأنه لا يتهيأ فيها ما يجعلها فی النطق– من الظهور والرقة والانكشاف وحسن التناسب– كلفظ (أكواب) الذی هو الجمع' و (الارجاء) لم يستعمل القرآن لفظها إلا مجموعا' وترك المفرد وهو الرجا: ای الجانب لعلة لفظه' وانه لا يسوغ فی نظمه كما ترى......

وعكس ذلك لفظة (الأرض فإنها لم ترد فيه الا مفردة' ولم يرد فی القرآن صيغة الجمع (أرضين) ولما احتاج الی جمعها. اخرجها على هذی الصورة التی ذهبت بسر

الفصاحة' وذهب بها حتى خرجت من الروعة بحيث يسجدلها كل فكر سجدة طويلة' وذلك فى قوله تعالى: ﴿اللّٰهُ الَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ' يَتَنَزَّلُ الْأمرُ بَيْنَهُنَّ﴾ ولم يقل (وسبع أرضين) لهذه الجسأة تدخل للفظ' ويختل بها النظم اختلالا......

(۴) وتأمل قوله تعالى. ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ.﴾ فإنها خمسة اسماء أخفها فى اللفظ (الطوفان' والجراد' والدم) وأثقلها (القمل والضفادع) فقدم (الطوفان) لمكان المدين فيها' حتى يأنس اللسان بخفتها' ثم (الجراد) وفيها كذلك مد' ثم جاء باللفظين الشديدين مبتدئا باخفهما فى اللسان' وابعدهما فى الصوت لمكان تلك الغنة فيه' ثم جئ بلفظة (والدم) آخرا' وهى اخفف الخمسة واقلها حروفا' ليسرع اللسان فيها' ويستقيم لها ذوق النظم' ويتم بها هذا الاعجاز فى التركيب' وانت فمهما قلبت هذه الاسماء الخمسة' فإنك لا ترى لها فصاحة الا فى هذا الوضع' فلو قدمت او أخرت لبادرك التهافت والتعثر' ولأعنتك ان تجئ منه بلفظ' او نظم فصيح......

من ذلك يخلص لنا أن القرآن الكريم إنما ينفرد بأسلوبه' لأنه ليس وضعا انسانيا البتة' ولو كان من وضع انسان لجاء على طبقة تشبه أسلوبا من أساليب العرب' او من جاء بعدهم الى هذا العهد. ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.﴾ ولقد أحس العرب بهذا المعنى' واستقينه بلغاؤهم' ولولاه ما افحموا' ولا انقطعوا من دونه' لأنهم رأوا جنسا من الكلام غير ما توديه طباعهم' وكيف لهم فى معارضته بطبيعة غير مخلوقة؟!......

ويقول المرحوم فضيلة الشيخ (الزرقانى) فى موضوع خصائص أسلوب القرآن: (للقرآن مسحة خلابة عجيبة' تتجلى فى نظامه الصوتى' وجماله اللغوى...... ونريد بنظام القرآن الصوتى: اتساق القرآن وائتلافة فى حركاته وسكناته' ومداته وغناته' واتصالاته وسكتاته' اتساقا عجيبا' وائتلافا رائعا' يسترعى الاسماع ويستهوى النفوس' بطريقة لا يمكن أن يصل اليها أى كلام آخر من منظوم و منثور......

ونريد بجمال القرآن اللغوى' تلك الظاهرة العجبية التى امتاز بها القرآن فى وصف حروفه و ترتيب كلماته' ترتيبا دونه كل ترتيب تعاطاه الناس فى كلامهم' ولقد وصل

هذا الجمال اللغوی الی قمة الاعجاز' بحیث لو دخل فی القرآن شئ من کلام الناس' لا عتل مذاقه فی افواه قارئیه' واختل نظامه فی آذان سامعیه' ومن عجیب أمر هذا الجمال اللغوی' وذلك النظام الصوتی' انهما کما کانا دلیل اعجاز من ناحیة' کانا سوراً منیعا لحفظ القرآن من ناحیة أخری' وذلك ان من شأن الجمال اللغوی' والنظام الصوتی' ان یسترعی الاسماع' و یثیر الانتباه' ویحرك داعیة الإقبال فی کل إنسان' إلی هذا القرآن الکریم' وبذلك یبقی أبد الدهر سائدا علی ألسنة الخلق و فی آذانهم و یعرف بذاته ومزایاه بینهم فلا یجرؤ احد علی تغییره و تبدیله' مصداقا لقوله سبحانه:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ.﴾ (الحجر: ۹)

لغات: مساوقة: ہم نوا۔ لَاتُسَاغُ: ناخوشگوار ہونا۔ جَسْاَۃ: خشونت' کھردراپن۔ نبوٌّ: ناموزوں' کسی چیز کا اپنی جگہ فٹ نہ ہونا۔ احماض: کھٹا کرنا' ترش بنانا۔ ملائمة: مناسب۔

ترجمہ:

اسلوب قرآن کے خصائص کی توضیحی مثالیں

مولف کتاب فرماتے ہیں کہ:

(۱) اگر تو الفاظ قرآنی کی نظم (وترتیب) میں غور کرے گا تو تو ان الفاظ کی حرکات حرفیہ اور لغویہ کو دیکھے گا کہ وہ خود ان حروف کی جگہ وضع اور ترکیب میں اس فصاحت میں جاری ہوں گی کہ جس کے (حصول) کے لئے خود یہ الفاظ ہیں۔

اور تو (لازماً) ضرور ان حرکات کو حروف کی آوازوں کے ساتھ ملا ہوا اور نظم موسیقی میں ان حروف کا ہم نوا پائے گا۔ یہاں تک کہ (وہ) حرکت کہ جو کبھی کبھی ثقیل ہوتی ہے' جو نہ شیریں ہوتی ہے اور نہ خوشگوار پھر اچانک وہ قرآن میں استعمال ہوتی ہے تو تو اس کی ایک عجیب شان دیکھتا ہے۔ اسی وجہ سے لفظ ''نذر'' کہ ''نذیر'' کی جمع ہے کہ اس میں ضمہ نون اور ذال پر پے در پے ہونے کی وجہ سے ثقیل ہے قطع نظر اس لفظ کی خشونت (اور کھردرے پن) اور زبان پر ناموس ہونے کے لیکن وہ قرآن میں اس (وضعی وصف) کے برعکس اس ارشاد باری تعالیٰ میں آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ.﴾ (القمر: ۳۶)

''اور وہ ڈرا چکا تھا ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو۔'' (تفسیر عثمانی)

ذرا تو اس ترکیب کو سوچ (اور) پھر اپنی (اس) سوچ میں اچھی طرح غور کر پھر (گہرائی سے) غور کر اور حروف کی جگہوں کا بار بار مزہ لے (اور ان کی لذت کو چکھ) اور ان حروف کی حرکات کو (اپنی) قوت سماعت میں جاری کر اور ''ولقد'' کی دال میں

اور ''بَطْشَتَنَا'' کی طا'' میں قلقلوں کی جگہ میں اور اللہ تعالیٰ کے قول ''بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا'' میں طا کے بعد سے لے کر واو تک آنے والے پے در پے فتحات میں غور کر کہ جس میں مد کے ذریعہ (یعنی الف کے ذریعہ) فصل ہے تا کہ اس لفظ پر ضمہ کا ثقل بعد میں ہلکا ہو جائے اور تا کہ یہ ضمہ اپنی جگہ کو پالے جیسا کہ کھانوں میں ترشی ہوتی ہے (کہ وہ بھی لذت کا باعث ہوتی ہے)

(۲) قرآن میں ایک لفظ غریب ❶ ہے اور یہ قرآن کا سب سے انوکھا (اور اوپرا) لفظ ہے کہ جو کبھی کسی کلام میں چپا نہیں مگر قرآن میں جس جگہ آیا ہے وہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾ (النجم: ۲۲)

میں لفظ ''ضیــــزی'' ہے۔ اور اس کے باوجود نظم کلام میں اس کا حسن بہت حسین اور بہت ہی عجیب ہے اور اگر تو عربی زبان میں تلاش کرے تو اس مقام پر کوئی دوسرا لفظ صحیح نہ ہو۔ کیونکہ جس سورۃ کا یہ لفظ ہے وہ سورۂ النجم ہے اور وہ ساری کی ساری ''یا'' پر تفصیل کے ساتھ آئی ہے (یعنی اس کی ہر آیت ''یا'' پر ختم ہوتی ہے)

پس یہ کلمہ فواصل میں سے ایک فاصلہ بن کر آیا۔ پھر یہ عربوں پر انکار کی جگہ میں ہے کیونکہ یہ لفظ بتوں کے ذکر اور اولاد کی تقسیم میں ان کے (جھوٹے) گمان میں آیا ہے کیونکہ انہوں نے فرشتوں اور بتوں کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا رکھا تھا (باوجودیکہ) خود بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾ (النجم: ۲۱-۲۲)

''کیا تم کو تو ملیں بیٹے اور اس کو بیٹیاں یہ بانٹا تو بہت بھونڈا۔'' (تفسیر عثمانی)

پس لفظ کی غرابت سب سے سخت چیز تھی کہ جو اس تقسیم کی غرابت کے مناسب تھی کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے انکار کیا۔ اور یہ پورے کا پورا جملہ گویا کہ اس انکار کی نطق کی ہیئت کا تصور ہے پہلے انکار ہے اور پھر (ان کی) تحقیر (اور ان کا مذاق اڑانا) ہے۔ یہ تصویر بلاغت میں بہت بلیغ ہے اور خاص طور پر اس لفظ غریب میں کہ جو فصل کی جگہ میں جم گیا ہے۔

توضیح

فصاحت کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ عبارت کے الفاظ ثقیل اور نامانوس نہ ہوں۔ بعض ملحدین نے قران پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ قرآن میں بعض الفاظ ثقیل استعمال ہوئے ہیں۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''قرآن کریم کے بعض الفاظ پر بعض ملحدوں نے ثقیل ہونے کا اعتراض کیا ہے مثلاً لفظ ''ضیـــزی''، لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ بعض الفاظ اپنی ذات میں ثقیل ہوتے ہیں لیکن ادیب انہیں ایسے سلیقے سے استعمال کرتا ہے کہ اس

---

❶ اہل معانی نے لفظ غریب کی تعریف یہ لکھی ہے وهی كون الكلمة وحشية غير ظاهرة المعنى ولا مانوسة الاستعمال. (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

جگہ اس سے بہتر لفظ نہیں لایا جاسکتا اردو میں اس کا مثال یہ ہے کہ ''ڈھول دھپا'' ایک مبتذل لفظ سمجھا جاتا ہے جیسے فصیح و بلیغ عبارتوں میں عموماً استعمال نہیں کیا جاتا لیکن غالب کا یہ شعر دیکھئے۔

ڈھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

یہاں یہ لفظ ایسے سلیقے کے ساتھ آیا ہے کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو حسن بیان پر پانی پھر جائے۔

قرآن کریم میں بھی لفظ ''صیــزی'' ایسے حسن کے ساتھ آیا ہے کہ اس کی جگہ کوئی خوبصورت سے خوبصورت لفظ بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾ (النجم: ۲۱- ۲۲)

اگر انفرادی طور سے دیکھا جائے تو ''قسمة جائرة'' یا قسمة ظالمة'' کے الفاظ ''ضیزی'' کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتے ہیں لیکن سیاق میں لفظ ضیزی قرآن میں آیا ہے وہاں اگر ''جائرة'' یا ''ظالمة'' کے الفاظ رکھ دیئے جائیں تو کلام کی ساری روانی ختم ہو جائے۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ ملخصاً)

ترجمہ: (۳) اور کلام بلیغ کے اس نظم میں سے کہ جس کی انسانی طاقت میں گنجائش نہیں پھر جو بات اس پر دلالت کرے کہ نظم قرآن مافوق الصفت ایک مادہ اور ماوراء فکر ہے گویا کہ وہ جملے پر بہا دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ (قرآن میں) بعض الفاظ جمع ہی آتے ہیں اور ان کا مفرد کا صیغہ استعمال نہیں کیا اور اگر اس مفرد صیغہ کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اس کا مرادف لفظ (یعنی اس جمع کے مفرد کے مرادف لفظ کو) استعمال کیا ہے جیسے لفظ ''لــب'' (بمعنی عقل اور دل) کہ یہ (قرآن میں) جمع ہی آیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ.﴾ (الزمر: ۲۱)

''بے شک اس میں نصیحت ہے عقل مندوں کے واسطے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ.﴾ (ابراھیم: ۵۲)

''اور تاکہ سوچ لیں عقل والے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اسی طرح دوسری آیتیں (ہیں کہ جہاں یہ جمع استعمال ہوا ہے) اور قرآن میں (اس کا) مفرد نہیں آیا۔ بلکہ (اس کے) مفرد کی جگہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں لفظ قلب آیا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ------ وَهُوَ شَهِيْدٌ.﴾ (ق: ۳۷)

''اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ اس لئے کہ لفظ باء (یہاں) مشدد ہے کہ جس کے مخرج میں سختی ہے اور اس تک لام مشدد کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا

ہے کہ جس کے مخرج میں نرمی ہے۔

پس جب یہ لفظ بہترین نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نظم قرآن سے ساقط ہی کر دیا اسی طرح لفظ "کــوب" ❶ ہے کہ جو قرآن میں جمع استعمال ہوا ہے اور قرآن اس کی مفرد نہیں لایا۔

کیونکہ اس مفرد میں وہ ظہور، رقت، انکشاف اور حسن تناسب میسر نہیں ہے جو بولنے (اور نطق کلام میں) اس میں رکھا ہوا ہے جیسے کہ لفظ "اکواب" میں (ہے) جو اس کی جمع ہے۔

اور لفظ "ارجــاء" کہ قرآن نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا مگر جمع ہی۔ اور اس کے مفرد کو کہ جو "رجــاء" ❷ ہے اس کو استعمال نہیں کیا کیونکہ اس لفظ میں ایک علت ہے اور یہ نظم قرآن میں (آسانی سے فٹ نہیں ہوتا اور اچھا اور) خوشگوار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تو دیکھتا ہے...... اس کے برعکس لفظ "ارض" ہے کہ جو قرآن میں مفرد ہی آتا ہے اور قرآن میں (اس کا) جمع کا صیغہ "ارضون" نہیں آتا۔ اور جب اس کی جمع (لانے) کی ضرورت پڑی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے اس صورت سے نکال دیا کہ جو اعلیٰ فصاحت کو زائل کر دے اور اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ نکال دیا کہ کہیں (کلام کی شان و) شوکت (نہ) جاتی رہے اس طور پر ہر فکر اس کو ایک طویل سجدہ کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِی ---- بَیْنَهُنَّ﴾ (الطلاق: ١٢)

"اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر۔" (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے "سبع ارضیــن" نہیں کہا اس خشونت (اور کھردرے پن) کی وجہ سے کہ جو اس لفظ میں داخل ہے اور جس سے نظم (قرآنی) میں بالکل ہی خلل آجاتا ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"عربی میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو مفرد ہونے کی حالت میں تو سبک اور فصیح ہیں لیکن ان کی جمع ثقیل سمجھی جاتی ہے (اور اس کے بالعکس بعض الفاظ میں کہ ان کی جمع فصیح ہے اور مفرد ثقیل ہے) مثلاً زمین کے معنی میں لفظ ارض ایک سبک لفظ ہے عربی میں اس کی دو جمعیں مستعمل ہیں "ارضون" اور "اراضی" یہ دونوں ہی ثقیل ہیں کہ ان کی وجہ سے کلام کی سلاست اور روانی میں فرق آجاتا ہے لیکن جہاں ان کے جمع کی ضرورت ہوتی ہے تو ادباء عرب انہی کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن کے اکثر مقامات پر سموات کو تو بصیغہ جمع ذکر کیا ہے لیکن "ارض" کو اس کے مفرد ہی استعمال کیا ہے کہیں جمع استعمال نہیں کیا۔ البتہ جب اس کی جمع لانی ضروری تھی وہاں

---

❶ کوب: گلاس، پیالہ، پیالی، بے دستہ کا کوزہ (القاموس الوحید صفحہ ١٤٣٢ کالم نمبر ٣)

❷ رجاء: کونہ، گوشہ، جانب، کنارہ (القاموس الوحید صفحہ ٦٠٦ کالم نمبر ٢)

اس کی جمع سے احتراز کر کے ایسی خوبصورت تعبیر اختیار کی کہ مفہوم بھی ٹھیک ٹھیک ادا ہو گیا اور نہ ہی کلام میں ثقل پیدا ہوا بلکہ حسن کلام میں چند در چند اضافہ ہو گیا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ ------ مِثْلَهُنَّ.﴾ (الطلاق: ۱۲)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور زمین میں سے بھی اتنی ہی۔''

دیکھئے یہاں ''سماء'' کی جمع تو لائی گئی لیکن قرآن نے ''ارض'' کی جمع لانے کی بجائے اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ''وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'' کی تعبیر اختیار فرمائی۔ جس کے اسرار و نکات پر جس قدر غور کیجئے معجزانہ بلاغت کا دریا موجزن نظر آتا ہے۔ (علوم القرآن بتصرف صفحہ ۲۵۶-۲۵۷)

لغات: تھافت: ٹوٹ پھوٹ، بوسیدگی۔ التعثر: ٹھوکر لگنا، ڈگمگانا۔ اَعْنَتَ: تھکا دینا، مصیبت میں ڈالنا۔

ترجمہ: (۴) اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تو (ذرا) غور (تو) کر۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ.﴾ (الاعراف: ۱۳۳)

''پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی اور چیچڑی اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ (یہاں) یہ پانچ نام ہیں۔ ان میں لفظوں میں ہلکے (یہ تین ہیں) طوفان، جراد اور دم، اور ان میں ثقیل (یہ لفظ ہیں) قمل'' اور ''ضفادع'' پس (ان پانچ میں سے لفظ) طوفان کو مقدم کیا کیونکہ اس میں دو مدیں ہیں (یعنی واو اور الف) یہاں تک زبان اس کی خفت (اور ہلکے پن) سے مانوس ہو جائے۔ پھر ''جراد'' کو ذکر کیا اور اس میں بھی (ایک) مد ہے (اور وہ الف ہے) پھر دو مشدد لفظ لے کر آئے (ایسے دو لفظوں سے) ابتداء کرتے ہوئے کہ جو زبان پر ان دونوں سے ہلکے ہیں۔ اور (مخرج) صوتی میں ان دونوں سے دور ہیں کیونکہ اس صوت (و آواز) میں غنہ ہے۔ پھر لفظ دم کو (سب سے) آخر میں لایا گیا جو ان پانچویں میں سب سے ہلکا اور کم حروف والا ہے۔ تاکہ زبان اس میں روانی سے چلے اور نظم (قرآنی) کا ذوق اس کے لئے مستقیم (اور ٹھیک) رہے اور اس لفظ کے ذریعے سے ترکیب میں یہ اعجاز تمام ہو جائے۔ (اور مکمل ہو جائے) اور تو جب جب بھی ان پانچ الفاظ (کی ترکیب) کو الٹ پلٹ کرے گا۔ تو تو اس میں فصاحت نہیں دیکھے مگر اس ترتیب میں۔ پس اگر تو (ان پانچ ناموں کو) آگے پیچھے کرے گا تو تجھے (فصاحت کی) ٹوٹ پھوٹ (اور شکستگی اور بوسیدگی) اور (کلام کی سلاست اور روانی میں) ڈگمگاہٹ آن لپکے گی۔

اور تجھے ان پانچ میں سے ایک لفظ یہ (کسی) فصیح نظم کا (بھی اپنی مرضی سے) لانا تھکا کے رکھ دے گا۔ (یعنی کوشش کے باوجود بھی تو ایسی فصاحت الفاظ کی اس ترتیب کو بدل کر نہ لا سکے گا)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کے بقول قرآن کی اس صنف اعجاز کو ''الفاظ کا اعجاز'' کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

''کسی زبان کا کوئی شاعر یا ادیب خواہ اپنے فن میں کمال کے کتنے ہی بلند مرتبے تک پہنچا ہوا ہو۔ وہ اس بات کا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے کلام میں کہیں کوئی غیر فصیح لفظ استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ بسا اوقات انسان کسی غیر فصیح لفظ کے استعمال پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن پورے قرآن کریم میں الحمد سے لے کر والناس تک نہ صرف یہ کہ کوئی لفظ کہیں غیر فصیح نہیں ہے بلکہ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسا اٹل ہے کہ اسے بدل کر اسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ دوسرا لفظ لانا ممکن ہی نہیں۔'' (علوم القرآن ۲۸۴)

جیسا کہ مصنف دامت برکاتہم نے بھی چوتھی مثال کے آخر میں یہی ارشاد فرمایا ہے۔

لغات: مسحة: اثر، شان۔ یسترعی: متوجہ کرنا۔ توجہ مبذول کرانا۔ یستھوی: لبھانا، دل موہ لینا، مسحور کرنا، دل و دماغ پر چھا جانا۔ اعتلّ: بیمار ہونا، خراب ہونا، بگڑنا۔ اختل: خراب ہونا، بگڑنا۔ سوْر: چہار دیواری۔ منیعٌ: مضبوط۔ سائد: شان و شوکت والا۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اس وضاحت سے ہمارے سامنے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ بے شک قرآن کریم اپنے اسلوب میں منفرد (و یکتا) ہے کیونکہ یقیناً یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے اور اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہوتا تو یہ ایسے مرتبہ پر آتا کہ اسالیب عرب یا ان کے بعد آنے والوں میں سے ہمارے اس زمانے تک کے (کسی کے) اسلوب کے مشابہ ہوتا۔ (ارشاد باری تعالیٰ)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.﴾ (النساء : ۸۲)

''اگر یہ ہوتا کسی اور کا اللہ کے سوا، تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔'' (تفسیر عثمانی)

یقیناً عربوں نے یہ معنیٰ (و مطلب) محسوس کر لیا (تھا) اور ان کے (فصحاء و) بلغاء نے یہ یقین کر لیا تھا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ (ساکت اور) لاجواب نہ ہوتے اور نہ ہی وہ اس سے باز رہتے کیونکہ انہوں نے کلام کی وہ قسم دیکھی کہ جو ان کی طبائع کی دسترس سے باہر تھی۔

اور وہ قرآن کی غیر مخلوق طبیعت (و خاصیت) کا معارضہ کر بھی کیسے سکتے تھے۔

فضیلت الشیخ (علامہ) زرقانیؒ اسلوب قرآن کے خصائص کے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

''قرآن کا ایک عجیب پرکشش اثر ہے جو اس کے نظام صوتی اور جمال لغوی میں روشن ہو کر سامنے آتا ہے اور قرآن کے نظام صوتی سے ہماری مراد یہ ہے ''قرآن کا اپنی حرکات و سکنات اور غنون اور مدوں اور اتصالات و سکتوں میں عجیب طریقے سے جڑنا اور شاندار طرز پر ملا ہوا ہونا ہے کہ جو کانوں کو ایسے طریقے سے (اپنی طرف) متوجہ کرتا ہے اور جیوؤں کو اس طرح موہ لیتا ہے (اور جیوں کو بھاتا ہے) کہ کسی دوسرے کلام کو خواہ نظم ہو یا نثر اس (درجہ اور طریقہ) تک پہنچنا ممکن (ہی) نہیں۔''

اور قرآن کے جمال لغوی سے ہماری مراد یہ ہے ''یہ (الفاظ قرآنی کا) وہ عجیب مظہر ہے کہ جس کے ذریعہ قرآن اپنے

حروف کے وصف اور کلمات کی ترتیب میں ممتاز ہے ایسی ترتیب کہ جس سے ہر وہ ترتیب (رتبہ و مرتبہ فصاحت و بلاغت میں) کمتر ہے کہ انسان اپنے کلام میں جس میں منہک رہتے ہیں۔ اور تحقیق کہ یہ جمال لغوی اعجاز کی اس (سر بلند) چوٹی تک پہنچ گیا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی انسانی کلام داخل ہو جائے تو قرآن پڑھنے والوں کے منہ میں اس کا ذائقہ بگڑ جائے اور اس کے سننے والوں کا کانوں میں اس کا نظام خراب ہو جائے۔

اس جمال لغوی اور نظام صوتی کی ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ (جہاں) وہ ایک پہلو سے قرآن کے اعجاز کی دلیل ہیں (وہیں) وہ دوسرے پہلو سے قرآن کی حفاظت کی ایک مضبوط دیوار بھی ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ (قرآن کے) جمال لغوی اور نظام صوتی کی یہ شان ہے کہ وہ کانوں کو متوجہ کرتا ہے اور وہ توجہ کو جوش دلاتا ہے اور اس قرآن کریم کی طرف ہر انسان میں توجہ کے سبب کو مہمیز کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ قرآن رہتی دنیا تک (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) مخلوق کی زبانوں اور کانوں پر حکمران رہے گا اور مخلوق کے درمیان اپنی خوبیوں اور ذات سے متعارف رہے گا۔ اور کوئی شخص اس میں تغیر و تبدیلی کی جرأت نہ کرے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہونے کی وجہ سے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ.﴾ (الحجر: ۹) [1]

''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

ومن خصائص اسلوب القرآن العظيم انه يخاطب العقل والقلب معا' ويجمع الحق والجمال معا' انظر إليه وهو في معمعان إقامة الدليل العقلي على البعث والنشور في مواجهة المنكرين المكذبين' كيف يسوق استدلاله سوقا يهز القلوب هزا' ويمتع العاطفة امتاعا' بما جاء في طي هذه الادلة المسكتة المقنعة' إذ قال سبحانه في سورة (فصلت):

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً' فإذا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهتزت وَرَبَتْ' إنّ الَّذِىْ أحياها لَمُحْيِى الْمَوْتٰى' اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ﴾ واستمع إليه في سورة (ق) إذ يقول: ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِo وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌo رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُo﴾

تأمل هذا الاسلوب البارع' الذى اقنع العقل' وامتع العاطفة في آن واحد' حتى في الجملة التي هي بمثابة النتيجة من مقدمات الدليل' إذ قال في الآية الأولى ﴿اِنَّ الَّذِىْ اَحْيَاهَا لَمُحْيِى الْمَوْتٰى.﴾ وفي الآيات الأخيرة قال ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجَ﴾ اى الخروج من القبور' والبعث والنشور.

---

[1] اس کے لئے دیکھیں مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۲۰۸۔

یا للجمال الساحر، ویا للإعجاز الباهر، الذی یستقبل عقل الانسان وقلبه معا، بأنصع الأدلة، واجمل البیان، فی هذه الکلمات المعدودات!!

ثم أنظر الی القرآن وهو یسوق قصة (یوسف) مثلاً کیف یأتی فی خلالها بالعظات البالغة، ویطلع من خلالها بالبراهین الساطعة، علی وجوب الاعتصام، بالعفاف، والشرف، والأمانة، إذ قال فی فصل من فصول تلك القصة الرائعة: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ بَیْتِهَا عَنْ نَفْسِهٖ، وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ، وَقَالَتْ: هَیْتَ لَكَ، قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهٗ رَبِّیْ أَحْسَنَ مَثْوَایَ، إِنَّه لا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

فتأمل فی هذه الآیة کیف قوبلت دواعی الغوایة الثلاث، بدواعی العفاف الثلاث، مقابلة صورت من القصص الممتع جدالا عنیفا بین (جندالرحمن) و (جند الشیطان) ووضعتهما امام العقل المنصف فی کفتی میزان!! وهکذا تجد القرآن کله مزیجا حلوا سائغا، فهل تسعد بمثل هذا فی کلام البشر؟ لا، ثم لا، فکلام البشر إن وفی بحق العقل، بخس العاطفة حقها، وإن وفی بحق العاطفة بخس العقل حقه، حتی لقد بات العرف العام یقسم الاسالیب البشریة الی قسمین، لا ثالث لهما (اسلوب علمی) و (اسلوب ادبی) فطلاب العلم لا یرضیهم اسلوب الادب، وطلاب الادب لا یرضیهم اسلوب العلم، وهکذا تجد کلام العلماء والمحققین فیه من الجفاء والعری، مالا یهز القلوب ویحرك النفوس، وتجد فی کلام العلماء والمحقیقین فیه من الجفاء والعریٔ مالا یهز القلوب و یحرك النفوس و تجد فی کلام الأدباء والشعراء، من الهزال والعقم العلمی ما لا یغذی الأفکار ویقنع العقول، اما القرآن فقد انفرد بهذه المزیة بین أنواع الکلام، لأنه تنزیل من القادر الذی لا یشغله شأن عن شأن ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ.﴾......

لغات: معمعان: شدت، جوش۔ المقنع: لاجواب کرنے والا، منوانے والا، تسلیم کروانے والا۔ اعتصام: تھامنا، پکڑنا۔ الغوایة: گمراہی۔ الممتع: مفید۔ عنیف: سخت۔ مزیج: ملا ہوا، باہم دیگر مرتب۔ لفتات: لفت کی جمع پہلو، جانب۔ الجفاء: بے رخی۔ العقم: بے اثر و نتیجہ، بیکار۔

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن عظیم کے اسلوب کے خصائص میں سے (ایک بات) یہ (بھی) ہے کہ وہ عقل اور دل (دونوں کو) بیک وقت مخاطب کرتا ہے اور حق اور جمال کو جمع کرتا ہے تو قرآن کی طرف (ذرا) دیکھ کر وہ منکرین مکذبین کے بالمقابل قیامت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر دلیل عقلی قائم کرنے کے جوش میں، اپنے استدلال کو کیسے ان مثالوں سے بیان کرتا ہے کہ جو دلوں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیں اور جذبات کو تسکین (بھی) دیں کہ جن کو وہ ان مسکت اور لاجواب دلائل کے ضمن میں لایا ہے۔''

کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سورۂ فصلت میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(حم السجدة: ۳۹)

''اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازی ہوئی ابھری بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کردے گا مردوں کو وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور تو ارشاد باری تعالیٰ کو ذرا غور سے (کان لگا کر) سن کہ وہ سورۂ (ق) میں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ○ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○﴾ (ق: ۹-۱۱)

''اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ پرتہ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اس سے ایک مردہ دیس کو یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا۔'' (تفسیر عثمانی)

(ذرا) تو اس باکمال اسلوب پر (تو) غور کر کہ جو ایک ہی وقت میں عقل کو (بھی) لاجواب کردے اور جذبات کو (بھی) تسکین دے۔ یہاں تک کہ اس جملہ میں کہ جو مقدمات دلیل کے نتیجہ کے بمنزل ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس سے) پہلی آیت میں فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِيْ أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتٰى.﴾ (فصلت: ۳۹)

''بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کردے گا مردوں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

اور آخری آیات میں فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ یعنی قبروں سے نکلنا اور (روز قیامت) اٹھنا اور (قبروں سے زندہ ہوکر) نکل کھڑے ہونا۔

کیا ہی سحر انگیز حسن ہے اور کیا دلفریب (اور حیرت انگیز) اعجاز ہے کہ جو انسان کے دل اور عقل کو ان چند کلمات میں کیسی روشن دلیلوں اور کیسے خوبصورت بیان کیساتھ یکساں طور پر مخاطب کرتا ہے۔

پھر تو قرآن کی طرف دیکھ کہ وہ مثلاً یوسف (علیہ السلام) کا قصہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس قصہ کے دوران کیسی بلیغ نصیحتیں لاتا ہے اور اس قصہ کے دوران روشن دلائل کے ساتھ پاکیزگی، شرافت اور امانت کو لازم پکڑنے کو بتلاتا ہے۔ کہ اس نہایت شاندار قصے کے مختلف واقعات کے دوران ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ.﴾ (یوسف: ۲۳)

''اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کردیئے دروازے اور بولی شتابی کر

کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو' بے شک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

پس ذرا تو اس آیت میں غور کر کیسے گمراہی کے تین دواعی کا پاکیزگی کے تین دواعی سے مقابلہ کیا گیا ہے ایک مفید قصہ کی صورت میں رحمٰن کے لشکروں اور شیطان کے لشکروں کے درمیان سخت (مقابلہ اور) لڑائی کرتے ہوئے۔ پھر تو ان دونوں باتوں کو انصاف پسند عقل کے سامنے (انصاف کے) ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ دے۔ تو پورے قرآن کو اسی طرح' باہم ملا ہوا' شیریں ورخوشگوار پائے گا جو جیوؤں پر دلائل عقلیہ کو گلے سے اتارنے کو آسان کر دیتا ہے اور آدمی کو عقلوں سے نرم جذبات کی طرف پھیر دیتا ہے کیا تو آدمی کے کلام میں اس جیسا حظ پا سکتا ہے؟ نہیں (نہیں) پھر نہیں پس آدمی کا کلام اگر عقل کا حصہ پورا کرے تو وہ جذبات کے حق میں کمی کر دیتا ہے اور اگر وہ جذبات کا حق ادا کرے تو وہ عقل کا حق کم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ عرف عام اسالیب بشریہ کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے کہ جن کی تیسری قسم نہیں ہوتی (ایک) اسلوب علمی اور (دوسرے) اسلوب ادبی پس (اسلوب) علمی کے طلباء کو اسلوب ادب پسند نہیں آتا اور (اسلوب) ادبی کے طلباء انہیں اسلوب علم پسند نہیں آتا۔ اور اس طرح تو علماء اور محققین کے کلام میں وہ پھیکا پن اور خالی پن دیکھے کہ جو دلوں کو نہ تو جھنجھوڑے اور جیوؤں کو نہ (ہی) مہمیز کرے۔ اور تو ادباء اور شعراء کے کلام میں وہ کمزوری اور علمی بانجھ پن دیکھے گا کہ جو افکار (ونظریات) کو (تازہ) غذا نہ دے اور عقلوں کو مطمئن نہ کرے۔

البتہ قرآن تو وہ اس خصوصیت (اور خوبی) میں کلام کی تمام انواع میں منفرد (اور نادرۂ روزگار) ہے کیونکہ یہ اس قادر کا اتارا ہوا ہے کہ جس کو ایک کام دوسرے سے غافل نہیں کرتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ.﴾ [1] (غافر: ٦٤)

''سو بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

اس مضمون کو علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ان الفاظ کے ساتھ ادا فرماتے ہیں:

حقانیت قرآن

''قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ ہٹ دھرمی اور عناد کی بات تو اور ہے لیکن جو شخص بھی غیر جانبداری اور اخلاص کے ساتھ اس کو پڑھے گا وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن کریم بیک وقت عقل اور دل دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی صداقت اور حقانیت دل

---

[1] اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۲۱۰۔

میں اترتی چلی جاتی ہے اور قرآن کی حقانیت کے دلائل پر غور کیا جائے تو ایک غیر مسلم تک کو بھی اس کی حقانیت تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۲۴۱)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ قرآن کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''ہر شاعر کی سحر کلامی ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے' اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے جیسا کہ شعراء عرب کے متعلق مشہور ہے کہ امراء القیس کے اشعار شراب' کباب' عورتوں کے ذکر اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل اور لاجواب ہیں۔ نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں' اعشی کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں' زہیر کے اشعار رغبت اور امید کے بیان میں بے نظیر ہوتے ہیں۔ شعراء فارس نظامی اور فردوسی جنگ وجدل کے بیان میں یکتا ہیں۔ سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں تو انوری قصیدہ گوئی کے امام ہیں۔''

اس کے برعکس قرآن حکیم خواہ کوئی مضمون بیان کرے ترغیب کا ہو یا ترہیب کا' ڈرانے والا ہو یا نصیحت کا' ہر مضمون میں اس کی فصاحت کا سورج نصف النہار کو پہنچا ہوا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۰۹)

اس مضمون کو مولانا سید سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے رحمۃ اللعالمین جلد۳ صفحہ ۲۶۷ میں نہایت عمدہ بیان کیا ہے کہ جو گزشتہ میں گزر گیا۔

(۳) الوجه الثالث من وجوه الاعجاز' ذلك الايجاز الرائع' والجزالة الخارقة التى ليس بإمكان مخلوق من البشر ان يحيط بها' أو يأتى بمثلها لأنها فوق الطاقة البشرية' والقدرة الانسانية. لقد كان البدوى' راعى الغنم' يسمع القرآن فيخر ساجدا لله رب العالمين' وذلك لروعة هذا الكتاب المجيد' ولما يفعل به فى نفوس السامعين' وهو دليل رقة الإحساس' ولطف الشعور من اولئك الرعاة الجفاة.

قصة الجارية والأصمعي:

يروى أن (الأصمعي) خرج ذات يوم فلقى جارية خماسية او سد اسيه' وسمعها تنشد أبياتا من الشعر رائعة' فأعجب بتلك الابيان وهزت منه النفس والقلب' بجمال اسلوبها' وروعة بيانها' وفصاحة الفاظها' فقال لها: قاتلك الله ما أفصحك؟ فقالت له: ويحك أو يعد هذا فصاحت بعد قول الله تبارك و تعالى ﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ٥﴾ ثم قالت له: فقد جمعت هذه الآية على وجازتها بين أمرين' و نهيين' وخبرين' و بشارتين...... الخ قال الاصمعى فأعجبت بفهمها وإدرا كها اكثر ما اعجبت بشعرها' فهى جارية بدوية صغيرة السن

ولكنها واسعة العلم والفهم' أما الأبيات التى كانت تنشدها فهى قولها:

أستغفر الله لذنبى كله ... قبلت إنسانا بغير حله

مثل الغزال ناعما فى دله ... وانتصف الليل ولم أصله

وقد أشارت هذه الجارية على الأصمعى بروعة ما فى القرآن من بلاغة وفصاحة' وإيجاز وإعجاز' فالآية الكريمة جمعت بين امرين وهما (أرضعيه) و (ألقيه فى اليم) ونهين وهما (لا تخافى) و (لا تحزنى) و خبرين وهما (أو حينا) و (خفت) وبشارتين و هما (إنا رادوه إليك) و (جاعلوه من المرسلين) فالبشارة الأولى برده اليها سليما كريما' والبشارة الثانية وهى أن الله سبحانه وتعالى سيجعله رسولا هاديا. فانظر رعاك الله- كيف أدركت هذه الجارية البدوية' بفطرتها العربية' سرا من أسرار هذا الايجاز والاعجاز' وانتبهت الى ما لم يدركه هو من أسرار هذا القرآن' فكأن الآية نظمت فى عقد من اللؤ لؤ والمرجان' فكانت لآلئها بميزان......

(ب) ويروى أن (ابن المقفع) الكاتب البليغ المشهور' حاول أن يعارض القرآن ذات مرة' فسمع صبيا يقرأ قوله تعالى: ﴿وَقِيْلَ يآاَرْضُ ابْلَعِىْ مَاءَ كَ' وَيَاسَماء أقلِعى' وَغِيضَ الماءُ' وَقُضِىَ الْاَمْرُ' وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِى' وَقِيْلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ.﴾ فكسر الأقلام' ومزق الصحف التى كان قد بدأ بها فى المعارضة وقال: هذا والله مما لا يستطيع البشر أن يأتوا بمثله' فمزق ما جمع واستحيا على نفسه من إظهاره......

وهكذا رجع الأديب الكبير البليغ عن عزمه' بعد ان حدثته نفسه بمعارضة بعض سوره لأنه شعر بروعة القرآن......

ثم انظر الى الجزالة والايجاز فى أسلوب القرآن' وقارنها بأروع اسلوب نطق به عربى' وهو أسلوب افصح من نطق بالضاد' سيد المرسلين محمد بن عبدالله' الذى شهد ببلاغته وفصاحته اعداؤه قبل أنصاره' قارن بين (القرآن والسنة النبوية) تجد الفرق شاسعا' والبون بعيدا' كفرق ما بين السماء والأرض' فبلاغة القرآن ونضارته واشراقته فى أعلى طبقات الإحسان' وأرفع درجات الايجاز والبيان' تأمل قوله ﷺ فى صفة الجنة وما فيها من نعيم وخلود:

فيها ما لا عين رأت' ولا أذن سمعت' ولا خطر على قلب بشر...... الحديث' وقارن بين هذه الألفاظ على روعتها و بين قوله تعالى فى وصف نعيم أهل الجنة......

﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ.﴾ الآية. وقوله تعالى ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَآ اُخْفِىَ لَهُمْ

﴿مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ فهذا أعدل وزنا، وأحسن تركيبا، وأعذب لفظا، وأجزل عبارة، وأقل حروفا!!

ووازن بين قوله ﷺ "كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته، الرجل راع في بيته ومسؤول عن رعيته" وبين قوله تعالى ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْاَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَo عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.﴾ وقوله ﴿فَلَنَسْاَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْاَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ.﴾ وكذلك قارن بين سائر اقواله ﷺ و بين القرآن الكريم تجد أن كلام الرسول على بلاغته لا يخرج عن كونه كلام بشر في الذروة العليا من الكلام، أما كلام الله تعالى فلا يشبهه كلام لانه كلام خالق البشر، انظر إليه وهو يتحدث في جزء آية من آياته المجيدة عن احوال الامم السابقين، ومآل الجاحدين المكذبين، وما حل بهم من كوارث ونكبات، نتيجة لطغيانهم و تمردهم، ثم كيف انتقم الله منهم جميعا بعد ان جاوزوا الحد في الطغيان، فلم ينج منهم إنسان يقول جل ثناؤه:

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا، وَّمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ، وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الأرضَ، وَمِنْهُمْ مَنْ أغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

يقول القرطبي رحمه الله نقلا عن (ابن الحصار): وهذه الثلاثة او جه من (النظم، والاسلوب، والجزالة) لازمة كل سورة، بل هي لازمة كل آية، وبمجموع هذه الثلاثة يتميز مسموع كل آية وكل سورة عن سائر كلام البشر، و بها و قع التحدي والتعجيز، ومع هذا فكل سورة تنفرد بهذه الثلاثة، من غير ان ينضاف اليها أمر آخر من الوجوه العشرة، فهذه سورة (الكوثر) ثلاث آيات قصار، وهي اقصر سورة في القرآن، وقد تضمنت الإخبار عن معنيين:

أحدهما: الإخبار عن الكوثر (نهر في الجنة) وعظمه وسعته وكثرة اوانيه، وذلك يدل على ان المصدقين به أكثر من أتباع سائر الرسل......

والثاني: الإخبار عن (الوليد بن المغيرة) وكان عند نزول الآية ذا مال وولد، ثم أهلك الله سبحانه ماله وولده، وانقطع نسله......) انتهى.

لغات: جُفَاة: جافی کی جمع، تندخو، درشت، اکھڑ مزاج۔ ناعم: نرم ونازک۔ دَل: وقاراور سنجیدگی۔ بَلِعَ: نگلنا۔ اَقْلَعَ: آسمان کا تھم جانا، برسنا بند ہو جانا۔ قَارَنَ: مقابلہ وموازنہ کرنا۔ کوارث: کارثہ کی جمع، بڑی مصیبت، بڑا حادثہ۔ نکبات: نکبة کی جمع مصیبتیں۔ تمرد: نافرمانی، شر وفساد پر کمر بستہ رہنا۔ ینضاف: ملنا

ترجمہ: (قرآن کی) تیسری وجہ اعجاز

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ وہ شاندار (اورنہایت عمدہ) ایجاز (واختصار) اور خارق (عادت) فصاحت ❶ (وبلاغت) ہے کہ مخلوق میں سے کسی (بندہ) بشر کو اس کا احاطہ کرنا یا اس کی مثل لانا ممکن نہیں کیونکہ یہ طاقت بشریہ اور قدرت انسانیہ سے مافوق ہے۔ تحقیق ایک بدوی (جنگلی) بھیڑوں کا چرواہا' قرآن سنتا تھا اور اللہ رب العالمین کے لئے سجدے میں گر جاتا تھا۔ اور یہ اس کتاب مجید کی شان وشوکت (اورحسن وجمال) اور سننے والوں کے جیوؤں میں (قرآن) جو اس سے ڈالتا تھا' اس کی وجہ سے تھا۔ اور یہ ان (تندمزاج) اکھڑ (قسم کے) چرواہوں کے لطف شعور اور رقت احساس کی دلیل ہے۔''

ایک لڑکی اور اصمعی کا قصہ

بیان کیا جاتا ہے کہ (امام) اصمعیؒ ایک دن باہر نکلے وہ ایک درمیانے قد کی لڑکی سے ملے کہ جس کو انہوں نے عربی کے نہایت شاندار اشعار گنگناتے سنا۔ پس انہیں یہ اشعار بڑے اچھے لگے اور ان اشعار کے اسلوب کے حسن اور ان کے بیان کی شان وشوکت اور اس کے الفاظ کی فصاحت سے ان کا دل اور جی کھل اٹھا۔ پس انہوں نے اس لڑکی سے کہا۔ ''اللہ تجھے برکت دے! تو کتنی فصیح (زبانی والی) ہے۔ تو اس پر اس لڑکی نے جواب دیا۔ ''تیرا بھلا ہو!'' کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے بعد بھی اس کو فصاحت سمجھا جائے گا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ٥﴾ (القصص: ۷)

''اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو' ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے۔'' (تفسیر عثمانی)

پھر اس لڑکی نے (امام اصمعیؒ سے یہ کہا ''تحقیق اس آیت نے اپنے اختصار کے باوجود دو امروں دو نہیوں' دو خبروں اور دو بشارتوں کو جمع کیا ہے۔'' ❷

---

❶ مولف کتاب جزالت یعنی فصاحت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جزالت الفاظ کی عظمت اور تعبیر کی عمدگی' (الفاظ کی تراش و خراش اور بناوٹ کی قوت اور (الفاظ کے) الجھاؤ کہ نہ ہونے کے ساتھ' کو کہتے ہیں۔ اس سے قبل ''بائبل سے قرآن تک'' جلد۲ صفحہ ۳۰۶ کے حوالہ سے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے جو فصاحت کی تعریف کی ہے وہ گزشتہ میں بیان کر دی گئی۔

علامہ عبدالحق حقانیؒ بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''بلاغت' مفردات الفاظ کا کلام میں غرابت اور تنافر حروف اور مخالفت قیاس سے بری ہونا اور مجموعہ کلام کا ضعف تالیف اور تنافر کلمات اور تعقید لفظی ومعنی سے بچنا ہے۔'' (تفسیر حقانی جلد ۱ مقدمہ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴ بتصرف)

❷ اس قصہ کو امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کی تیرہویں جلد کے صفحہ نمبر ۲۵۲ پر ذکر کیا ہے اور صاحب منار نے اسے (اپنی تفسیر کی) پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۲۸ پر ذکر کیا ہے اور (خماسیۃ او سداسیۃ) سے مراد اس کے قد کا پانچ یا چھ بالشت ہونا ہے یعنی وہ درمیانے قد کی لڑکی تھی۔

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں: میں اس کے (قرآن کے) فہم وادراک پر اس کے اشعار سے بھی زیادہ حیران ہوا۔ کہ وہ ایک دیہاتی (الھڑ قسم کی) کمسن لڑکی ہے لیکن وہ وسیع علم وفہم والی ہے' رہے وہ اشعار کہ جو وہ گنگنا رہی تھی تو وہ یہ ہیں۔

أستغفر الله لذنبي كله قبلت ❶ إنسانا بغير حله

مثل الغزال ناعما في دله وانتصف الليل ولم أصله

''میں اللہ تعالیٰ سے اپنے ہر گناہ کی معافی مانگتی ہوں۔ میں نے ایک ایسے انسان کو چوما کہ جس کو چومنا جائز نہ تھا' جو اپنے وقار اور سنجیدگی میں ہرنی کے بچہ کی طرح نرم ونازک تھا جبکہ آدھی رات بیت گئی اور میں نے اس کو جلایا نہیں۔''

تحقیق اس لڑکی نے (علامہ) اصمعیؒ کو قرآن کی فصاحت اور بلاغت اور ایجاز واعجاز کی شان وشوکت کی طرف اشارہ کیا۔ پس اس آیت کریمہ نے دو امروں کو کہ جو ''اَرْضِعِیْهِ'' اور ''اَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ'' ہیں اور دو نہیوں کو کہ جو ''لَا تَخَافِیْ'' اور ''لَا تَحْزَنِیْ'' ہیں اور دو خبروں کو کہ جو ''اَوْحَیْنَا'' اور ''خِفْتِ'' ہیں اور دو بشارتوں کو کہ جو ''اِنَّا رَادُّوْہُ'' اور ''جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ'' ہیں' کو جمع کیا ہے۔

چنانچہ پہلی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کی طرف سلامت باکرامت واپس کرنے کی ہے اور دوسری بشارت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنقریب ان کو رسول ہادی بنائے گا۔ پس تو دیکھ ''اللہ تیری حفاظت کرے۔'' کہ کیسے اس دیہاتی لڑکی نے اپنی عربی فطرت کی وجہ سے (قرآن کے) اس ایجاز واعجاز کے بھیدوں میں سے ایک بھید کو پالیا۔ اور اس قرآن کے ان اسرار پر متنبہ ہوئی کہ جن کو امام اصمعیؒ نہ پا سکے۔ گویا کہ یہ آیت (فصاحت وبلاغت اور ایجاز واعجاز کے) موتی اور مونگوں میں پروئی ہوئی ہے کہ اس آیت کے موتی (انتہائی) متوازن (اور متناسب) ہیں۔

ب: روایت کیا جاتا ہے کہ ابن المقفع ❷ کہ جو مشہور (فصیح و) بلیغ انشاء پرداز تھا اس نے ایک مرتبہ قرآن کے معارضہ کی کوشش کی۔ اس نے ایک بچہ کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پڑھتے سنا۔

﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاءَكِ وَيٰسَمَاءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (هود: ٤٤)

''اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی' پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اس پر اس نے قلموں کو توڑ دیا اور وہ اوراق پھاڑ ڈالے کہ جن میں اس (قرآن کے) معارضہ کے لئے (لکھنا) شروع

❶ ''بائبل سے قرآن تک'' جلد۲ صفحہ ۳۲۶ میں یہ لفظ ''قتلت'' ہے۔

❷ عبداللہ ابن المقفع عربی کا مشہور انشاء پرداز جس کی نثر کو عربی میں سند مانا گیا۔ ''کلیلہ ودمنہ'' کو عربی میں اس نے منتقل کیا۔ نسلاً آتش پرست تھا۔ پھر مسلمان ہوگیا۔ بہت سے لوگوں کو اس کے ایمان پر آخر تک شک رہا۔ پیدائش ۱۰۶ ہجری وفات ۱۴۲ ہجری (حاشیہ بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۲۷ از علامہ تقی عثمانی بحوالہ (الادب العربی وتاریخہ) اور یہ قصہ علامہ باقلانیؒ نے اعجاز القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۰ میں نقل کیا ہے۔

کیا تھا۔ اور کہنے لگا ''خدا کی قسم! (یہ) اس (کلام) میں سے ہے کہ جس کی بشر کو طاقت نہیں کہ اس کا مثل لائے۔'' پس اس نے جو جمع کیا تھا وہ پھاڑ ڈالا اور وہ اس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ سے شرمانے لگا۔

اور اس طرح (اس) بڑے (فصیح و) بلیغ ادیب نے اپنے جی میں قرآن کی بعض سورتوں کے معارضہ کے خیال کے بعد اپنا (یہ) ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ اس نے قرآن کی شان وشوکت کو پہچان لیا۔

پھر تو قرآنی اسلوب کی فصاحت اور ایجاز میں نظر کر۔ اور پھر اس کو سب سے شاندار اسلوب سے ملا کہ جس کو ایک عرب نے بولا۔ یہ اسلوب ضاد کے ادا کرنے والے سے بھی زیادہ فصیح ہے کہ جو سید المرسلین محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کی فصاحت و بلاغت کی ان کے دشمنوں نے بھی ان کے (اعوان و) انصار (اور مددگاروں) سے (بھی) پہلے گواہی دی۔ تو قرآن اور حدیث کو ملا تو ان کے درمیان طویل فاصلہ اور بڑی دوری پائے گا۔ جیسے آسمان اور زمین کا فرق ہوتا ہے چنانچہ قرآن کی (فصاحت و) بلاغت اس کی شگفتگی (وتروتازگی) اور اس کی چمک (دمک اور اس کا نور معرفت) احسان کے اعلیٰ طبقات اور ایجاز و بیان کے اونچے درجات میں ہے تو جنت کی صفت اور اس کی نعمتوں اور ہمیشگی کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں غور کر۔

فیها ما لا عین رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر. (الحدیث)

''جنت میں وہ نعمتیں ہیں کہ جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کسی کان نے (ان کے بارے میں) سنا نہیں۔ اور نہ ہی کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔''

تو ان الفاظ کی شان وشوکت اور اہل جنت کی نعمتوں کے وصف میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ملا (اور پھر دیکھ)

﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ.﴾ (الزخرف: ۷۱)

''اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (السجدة: ۱۷)

''سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ یہ ارشاد خداوندی زیادہ معتدل وزن، زیادہ خوبصورت ترکیب، زیادہ میٹھے الفاظ زیادہ (فصیح و) بلیغ عبارت اور کم حروف والا ہے۔

اور تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول:

کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته، الرجل راع فی بیته ومسؤول عن رعیته. (الحدیث)

''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر کا نگہبان ہے اور آدمی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ٥ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ.﴾ (الحجر: ۹۲- ۹۳)

''سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ کرتے تھے۔'' (تفسیرِ عثمانی)

اور اس قول کے درمیان موازنہ کر کے دیکھ:

﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ.﴾ (الاعراف: ٦)

''سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اسی طرح تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمودات اور قرآن کریم کو ملا کر دیکھ تو تو یہ بات پائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنی بلاغت میں کلام کی بلند چوٹی پر ہونے کے باوجود کلام بشر ہونے سے نہیں نکلا جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام کہ کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں کیونکہ یہ خالق بشر کا کلام ہے تو (ذرا) کلام الٰہی کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات مجیدہ کی ایک آیت کے جزء میں گزشتہ امتوں کے احوال اور ہٹ دھرم منکرین مکذبین کے انجام اور ان کی سرکشی اور (کھلم کھلا) نافرمانی وبغاوت کے نتیجے میں جو ان پر مصیبتیں اور ذلتیں آئیں ان کو بیان کر رہے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب سے سرکشی میں ان کے حد سے نکلنے کے بعد کیسے انتقام لیا۔ پس ان میں سے کوئی انسان نجات نہ پا سکا۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا، وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ، وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (العنکبوت: ۴۰)

''پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے اور کوئی تھا کہ اس کو دھسا دیا ہم نے زمین میں اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے' اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پھر تھے وہ اپنا آپ ہی برا کرتے۔'' (تفسیر عثمانی)

علامہ قرطبیؒ ابن حصارؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''(اعجاز قرآنی کی) یہ تینوں وجوہات یعنی نظم' اسلوب اور جزالت (یعنی بلاغت) یہ (قرآن کی) ہر سورت کا لازمہ ہیں بلکہ ہر آیت کا لازمہ ہیں۔ ان تینوں مجموعی باتوں کی وجہ سے ہر آیت اور ہر سورت کا سنا جانا اس کو تمام انسانی کلاموں سے جدا کرتا ہے اور ان ہی کے ذریعے سے (تمام انسانیت کو) چیلنج اور ان کو عاجز کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر سورت (اعجاز کی) دوسری دس وجوہات میں کسی وجہ کی طرف ملائے بغیر ان وجوہات میں (ضرور) منفرد ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ سورۂ کوثر ہے (یہ) تین چھوٹی آیتوں والی ہے یہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورت ہے اور تحقیق کہ یہ

(بھی) یہ دو معانی کے اخبار کو شامل ہے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ جنت کی ایک نہر کوثر' اس کی بڑائی' (چوڑائی اور) وسعت اور اس کے (کنارے رکھے ہوئے) برتنوں کی کثرت کی خبر دیتی ہے اور یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے آپؐ کی تصدیق کرنے والے دوسرے (انبیاء و) مرسلین کے ماننے والوں سے زیادہ ہوں گے۔

(۲) دوسرے یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں خبر دیتی ہے کہ تحقیق وہ اس آیت کے نزول کے وقت (بڑے) مال و اولاد والا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو برباد کر دیا ❶ اور اس کی نسل ختم ہوگئی۔......(ابن حصارؒ کا کلام ختم ہوا) ❷

قرآن مجموعہ صفات ہے

توضیح

جس شخص نے بھی قرآن پر جس زاویہ سے نگاہ ڈالی ہے اس کو قرآن اس صفت میں بے مثل اور یکتا نظر آیا ہے۔ حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم قرآن کی اس اعجازی صفت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''علمائے بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں قرار دیں ہیں (۱) خطابی (۲) علمی اور (۳) ادبی۔ ان تینوں قسموں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ ہر ایک کی خصوصیات جدا اور مواقع مختلف ہیں۔ اور ایک ہی عبارت میں ان تینوں اسالیب کو جمع کر دینا ممکن نہیں ہے۔ آپ جب تقریر کرتے ہیں تو آپ کا انداز اور ہوتا ہے اور جب کوئی ادبی نثر لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب بالکل جدا ہوتا ہے اور جب کوئی علمی مقالہ لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب کچھ اور اختیار کرتے ہیں۔ لیکن قران کریم کا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں اسالیب کو ساتھ لے کر چلتا ہے اس میں خطابت کا زور' ادب کی شگفتگی اور علم کی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہے اور کسی چیز میں کوئی کمی نہیں آنے پاتی۔'' (علوم القرآن صفحہ ۲۶۴)

قرآن ایجاز واختصار اور کثرت معانی کا حسین مجموعہ

قرآن کی اس خوبی پر کہ جس کو مولف کتاب دامت برکاتہم نے ذکر فرمایا ہے' علامہ رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ ان الفاظ کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

''سورۂ ص'' کی ابتدائی آیات پر غور کیا جائے کہ کس عجیب طریقہ پر اس کی ابتداء کی گئی ہے' کفار کے واقعات اور ان کی

---

❶ مولف کتاب ''الابتر'' کا معنی بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''ابتر وہ ہوتا ہے کہ جس کی کوئی اولاد اور نسل نہ ہو۔ (اور اگر ہو بھی تو صفحۂ ہستی سے مٹ جائے)'' ''الشانی'' کا معنی ہے بغض رکھنے والا (دشمن) علامہ زمخشریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔

❷ اس کے لئے دیکھئے علامہ قرطبی کی شہرۂ آفاق تفسیر ''الجامع للاحکام القرآن'' جلد اصفحہ ۴۷۔

مخالفت وعناد کے بیان کے ساتھ گزشتہ امتوں کے ہلاک کئے جانے سے اس کو تنبیہ کی گئی' ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اور قرآن کریم کے نازل ہونے پر ان کا حیرت اور تعجب کرنا بیان کیا گیا۔ پھر ان کے سرداروں کا کفر پر متفق ہونا' ان کے کلام میں' حسد کا نمایاں ہونا اور ان کی تعجیز وتحقیر دنیا وآخرت میں ان کی رسوائی اور ذلت کی دھمکی' ان سے پہلی قوموں کی تکذیب کا بیان اور اللہ کا ان کو ہلاک کرنا قریش اور ان کے دوسرے سرداروں کو امم سابقہ کی سی ہلاکت کی دھمکی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ایذاء رسانی پر صبر کی ترغیب اور آپؐ کی دلداری اور تسلی اس کے بعد داؤد' ایوب' سلیمان' ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کے واقعات کا بیان۔

یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۱۲-۳۱۳)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس کو اور بھی زیادہ انوکھے انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

قرآن میں ایک مضمون دوسرے سے مغلوب نہیں ہوتا

''انسان چونکہ مخلوق ہے اور کمزور مخلوق ہے اس لئے جب اس پر کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کے مقابل والی حالت مضمحل اور مغلوب ہو جاتی ہے بڑے سے بڑا قادر الکلام لیکچرار جب غصہ میں بھرا ہوا مضمون بیان کرتا ہے تو بعین اسی وقت ملاطفت اور مہربانی کی تقریر ویسے زور سے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شفقت ورحمت کے ساتھ اگر غضب وسخط کی بھی ضرورت ہو تو دونوں کا مساویانہ توازن قائم رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے یہ صرف خداوند اکبر ہی کی ذات کا خاصہ ہے جس کی ایک صفت دوسری صفت کے لئے مزاحم نہیں ہوتی۔ اور جس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کر سکتی۔ وہ ہر وقت وہر آن تمامی متقابل صفات کے ساتھ متصف ہے اس لئے اس کے کلام کو جب ہم پڑھتے ہیں تو رحمت کے ساتھ غضب' وعدہ کے ساتھ وعید' تبشیر کے ساتھ انداز اور خوف جب ترازو کے دو پلوں کی طرح ہمیں برابر نظر آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی دوسرے سے جھکا نہ ہو۔ عین غصہ کے وقت پیار' اور پیار کے ساتھ غصہ اس طرح کہ ایک کا بیان وزن میں دوسرے سے گھٹنے نہ پائے۔ یہ صرف اسی رب العالمین کے کلام میں دیکھا گیا ہے۔ (اعجاز القران صفحہ ۹۳-۹۴)

۴- التشريع الالهى الكامل:

ومن وجوه إعجاز القرآن الكريم ذلك التشريع الإلهى الكامل' الذى يسمو فوق كل تشريع وضعى عرفه البشر' فى القديم والحديث' فالقرآن الكريم هو الذى وضع أصول العقائد' وأحكام العبادات' وقوانين الفضائل والآداب' وقواعد التشريع الاقتصادى' والسياسى' والمدنى' والاجتماعى' وهو الذى نظم حياة الاسرة' والمجتمع' ووضع أعدل المبادىء الانسانية الكريمة التى ينادى بها دعاة الإصلاح فى القرن العشرين ألا وهى (المساواة' الحرية'

العدالة التی یسمونها (الدیمقراطیة) الشوری) الی غیر ما هنالك من أسس الحضارة والتشریع' الذی تسعی الیه المدنیة الحدیثة. ففی العقائد دعا القرآن الی عقیدة طاهرة سامیة' واضحة جلیة' عمادها الایمان بالله عزوجل والتصدیق بجمیع انبیائه و رسله' والایمان بجمیع الکتب السماویة مصداقاً لقوله تعالی:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ ودعا أهل الکتاب (الیهود والنصاری) الی کلمة سواء' لا انحراف فیها ولا التواء قال تعالی: ﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فقولوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:٦٤) وفی العبادات جاء القرآن العظیم بأسس العبادات و دعائمها' فشرع الصلاة' والصیام' والحج' والزکاة' وسائر اعمال البر' والطاعة' ولیست (العبادة) فی الاسلام قاصرة علی هذه الدعائم والأرکان' بل هی تشمل کل عمل خیر' وفعل بر او طاعة' ولهذا فإن العلماء قرروا أن کل عمل یقصد به الإنسان وجه الله یکون عبادة' وقالوا (إن النیة الصالحة تقلب العادة الی عبادة) فإذا عمل الإنسان واحترف له صنعة بقصد التعفف عن الحرام والإنفاق علی أهله وعیاله' وإذا اکل أو شرب بقصد التقوی علی طاعة الله کان عمله عبادة یثاب علیها' والاصل فی هذا قول النبی الکریم. "وإنك لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله إلا اجرت علیها' حتی اللقمة تضعها فی فی امرأتك. الحدیث۔ وقوله ﷺ "وفی بضع احدکم صدقة' قالوا یا رسول الله: أیأتی احدنا شهوته ویکون له فیها أجر؟ قال: أرأیتم لو وضعها فی حرام اکان علیه وزر؟ فکذلك اذا وضعها فی حلال کان له أجر" وإذا امعنا النظر فی اصول العبادات المفروضة نجد ان الإسلام قد وسّعها و نوّعها' وجعلها ضروباً متفاوتة' فمنها ما هو (عباد مالیة) کالزکاة والصدقات' ومنها ما هو (عبادة بدنیة) کالصلاة والصیام' ومنها ما هو یجمع بین الامرین (عبادة مالیة و بدنیة) کالجهاد فی سبیل الله یکون بالمال والنفس وهذا التنویع له مغزاه وحکمته السامیة وذلك لئلا تألف النفس شیئا فتصبح لها عادة او تمل و تضجر من العبادة الواحدة. وفی مجال (التشریع العام) نجد القرآن العظیم قد وضع قواعد عامة فی التشریع المدنی' والجنائی' والسیاسی' والاقتصادی' ووضع أسا للتعامل الدولی فی حالة السلم والحرب' علی اکمل وجه واعدل نظام' ففی أمر المعاملات حرم القرآن اکل اموال الناس بالباطل ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِّنكُمْ.﴾ الآية. ودعا الى الاشهاد عند ابرام البيع وبكتابة الدين "يا ايهالذين امنوا اذا تداينتم بدين الى اجل مسمًّى فاكتبوه وليكتب بينكم كاتب بالعدل" الآية وفى الأمور الجنائية شرع القرآن الحدود، وأوجب على الأمة تنفيذها، من أجل حماية المجتمع وصيانته من الفوضى والاضطراب وتأمين الأمة على حياتها و مستقبلها، وأموالها وأعراضها لتعيش الحياة الكريمة االسعيدة التى لن تكون إلا عن طريق (الأمن والاستقرار)

وقد نص القرآن الكريم على أمهات الجرائم، وأعظمها خطراً على مستقبل الفرد والجماعة، ووضع لكل منها عقوبات مقدرة لا يجوز الزيادة عليها او النقصان منها، أو التساهل فى تطبيقها، وترك ما سوى ذلك من (الجرائم الخفيفة) للحاكم المسلم، ينفذ فيها ما يراه من العقوبة، على ضوء السنة النبوية المطهرة، وبالشكل الذى يحقق روح الإسلام من إرادة الخير للناس، وتطهير المجتمع من المفاسد والمظالم الا جتماعية، أما الجرائم الكبيرة التى عين لها القرآن عقوبات رادعة فهى خمسة: (جريمة القتل، جريمة الزنى، جريمة السرقة، جريمة قطع الطريق، جريمة الاعتداء على كرامة الناس بالقذف)

ولعل أروع مثل للمقارنة بين (التشريع الإلهى القرآنى) و بين (التشريع الوضعى) الذى هو من صنيع البشر ذلك الأثر العظيم الذى تركه القرآن الكريم فى نفوس العرب بسبب تلك الطريقة الحكيمة التى سلكها فى معالجة المفاسد والأمراض الاجمتاعية، حيث قضى على كل فساد، واستأصل كل جريمة من نفوسهم وجعلهم خير أمة اخرجت للناس، فملكوا الدنيا وسادوا العالم......

أمثلة من واقع الحياة

ومن الأمثلة على تفوق ذلك التشريع القرآنى الحكيم، على بقية التشاريع البشرية والنظم الارضية ما نلمسه فى واقع الحياة، ويمكن ان نشير إشارة خاطفة الى سمو الشريعة الإسلامية على بقية النظم فيما يلى:

(١) منذ زمن قريب حرمت (أمريكا) الخمر، ولكنها فشلت ولم تنجح لأنها لم توفق الى الطريقة الحكيمة التى اتبعها الإسلام فى تحريم الخمر، فعادت الى إباحته مع اعتقادها بضرره الفادح.

(٢) أباحت بعض الدول الغربية وخاصة (أمريكا) الطلاق بعد ان كان ممنوعا لديها بسبب

تعاليم الكنيسة، ولكنها أسرفت فيه إلى درجة ضارة، ولا تزال تأخذ بتشريع الطلاق......

(۳) مصلحو اوربا يرفعون اصواتهم بضرورة السماح (بتعدد الزوجات) حتى بعض نسائهم طالبن بذلك نتيجة لكثرة العوانس من النساء، بحيث أصبحت المشكلة ذات أهمية خطيرة على المجتمع الاوربى......

(۴) الخيانات الزوجية انتشرت فى المجتمع الاوربى (المتمدن) بشكل فظيع، وبصورة مذهلة حتى أصبحت الاسر مهددة بانفصام عراها، وكثر فيها اللقطاء وذلك بسبب السفور والتبرج والاختلاط بين الجنسين......

(۵) إسبانيا أصدرت حكومتها قرار او سنت قانونا بمنع البغاء الرسمى فى بلادها، وبمنع النساء من البروز على الشواطىء فى ثياب الاستحمام......

(٦) زعيم فرنسا نادى غداة هزيمتها امام الألمان فى الحرب الاخيرة يقول: إن سبب انهيار دولة فرنسا و سبب هزيمتها وانكسارها هو انغماسهم فى الشهوات الجنسية، وإسرافهم فى المفاسد والمفاتن......

(۷) وأخيرا نجد ان الجرائم تزداد فى كل يوم فى المجتمع المتمدن (المجتمع العربى) مع صراحة العقوبات المشروعة، عندهم بالجس والسجن السنوات الطوال، او الإعدام بالشنق، ومع ذلك نجد الجرائم المروعة من خطف للفتيات والفتيان، وإذهاق للأرواح، وسرقة- فى وضع النهار- للبيوت والبنوك والمحلات الكبيرة حتى لقد اصبحنا نسمع عن وجود عصابات خطيرة، تهدد امن البلاد وسلامة العباد، وذلك من أعظم البراهين على فشل النظم الوضعية، والتشريعات البشرية، امام الاسلام فقد حقق الامن والسلام، وقضى على الجريمة فى مهدها ولقد أحسن من قال:

أينما نظمت عقول ضعاف　　　من نظام المهيمن الديان
إيه عصر العشرين ظنوا عصرا　　　نير الوجه مسعد الانسان
لست نورا بل انت نار وظلم　　　مذ جعلت الإنسان كالحيوان

ذلك هو الفرق بين تشريع الرحمن، و تشريع الإنسان، ولكن أكثر الناس لا يعلمون.

لغات: اقتصادى: معاشی۔ اسرة: خاندان، کنبہ۔ الجتمع: معاشرہ۔ دعاة الاصلاح: مبلغین اصلاح۔ ديمقراطيه: جمہوریت۔

ترجمہ: چوتھی وجہ اعجاز ''کامل تشریع الٰہی''

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اس کا وہ کامل تشریع الٰہی ہونا ہے کہ جو (انسانوں کی) بنائی ہوئی اس قدیم وجدید تشریع سے بلند ہے کہ جس کو انسان جانتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے عقائد کے اصول عبادات کے احکام' فضائل وآداب کے قوانین' اقتصادی' مدنی سیاسی اور اجتماعی تشریع کے قواعد کی وضاحت فرمائی ہے یہ وہ قرآن ہے کہ جس نے خاندان اور معاشرے کی حیات کی تنظیم کی ہے اور انسانیت کے وہ قابل احترام (اور) عدل (وانصاف کی دولت سے مالا مال) بنیادی اصول وضع کئے ہیں کہ جن کی (آج) بیسویں صدی کے داعیان اصلاح آواز لگا رہے ہیں۔ ہاں ہاں یہ وہ مساوات' حریت اور عدل (وانصاف کے اصول) ہیں جن کا (ان جدید مصلحین یورپ نے) شورائی جمہوریت نام رکھ دیا ہے۔ ان کے علاوہ وہ تشریعی (وقانونی) اور تہذیب (وتمدن) کی بنیادیں ہیں کہ جن (کے قیام وبیان) کی (آج) جدید تہذیب کوشش کر رہی ہے۔ چنانچہ عقائد میں قرآن نے ایک پاک' بلند' واضح اور روشن عقیدہ کی طرف بلایا ہے کہ جس کا (بنیادی) ستون اللہ عزوجل پر ایمان' تمام انبیاء ومرسلین کی تصدیق اور تمام کتب سماویہ پر ایمان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ .﴾ (البقرة: ٢٨٥)

''مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی' سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو' اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو' کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو ایک ایسے (برابر اور) مشترک کلمہ کی طرف بلایا کہ جس میں کوئی انحراف اور کجی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمران: ٦٤)

''تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنا دے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

''جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کی جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی کرنا اس سے جنگ کرنا اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا یہ نبوت (اور قرآن) کا بنیادی مقصد ہے۔'' (منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۶۴ بتصرف)

لغات: قاصر: محدود: احترَفَ: پیشہ اختیار کرنا' کمائی کرنا۔ اَمْعَنَ: گہرائی میں جانا۔ تضجر: تنگ آنا' پریشان ہونا' کبیدہ خاطر ہونا۔ مغزا: ماحصل' مراد' خلاصہ' نتیجہ۔ الجنائی: تشریع الجنائی' فوجداری قانون۔ امهات الجرائم: جرائم کے سرچشمے' بنیادی جرائم' سب جرائم کی جڑ۔

ترجمہ: ''اور عبادات میں قرآن کریم نے اہم ترین اور بنیادی عبادات کو بیان کیا ہے۔ پس اس نے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور نیکی وطاعت کے تمام اعمال کو مشروع کیا۔ اسلام میں عبادت (فقط) انہی بنیادی عبادات اور ارکان پر ہی مقصود (اور منحصر) نہیں ہیں بلکہ یہ ہر خیر کے عمل اور نیکی اور طاعت کے فعل کو مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے یہ بات (طے کی ہے اور) مقرر کی ہے کہ ہر وہ کام کہ جس سے بندہ کو اللہ کریم کی رضا مقصود ہو وہ عبادت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نیک نیت عادت کو (بھی) عبادت بنا دیتی ہے۔''

چنانچہ جب کوئی انسان کوئی کام کرتا ہے اور حرام سے بچنے اور اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے ارادے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے قوت حاصل کرنے کے لئے کھاتا پیتا ہے۔

تو اس کا یہ عمل عبادت ہے کہ جس پر اس کو اجر ملے گا۔ اس میں بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ''بے شک تو نہیں خرچ کرتا ہے کچھ بھی کہ جس سے اللہ کی رضا چاہے مگر تجھ کو اس کا اجر ملے گا۔ حتیٰ کہ جو لقمہ کہ تو اپنی بیوی کے منہ میں رکھے (اس پر بھی تجھ کو اجر ملے گا) الحدیث۔ ❶

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ''میں سے کسی کے (اپنی بیوی کی) شرمگاہ میں (آنے کا بھی) صدقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اس میں بھی اس کو صدقہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر وہ اس کو حرام میں رکھے تو (کیا) اس کو اس کا گناہ نہ ہوگا؟ پس اسی طرح جب وہ اس کو حلال میں رکھے گا تو اس کا اس کو اجر ہوگا۔'' (الحدیث) ❷

---

❶ یہ حدیث بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قصہ کے بارے میں ہے کہ جب رسول اللہؐ ان کی سخت تکلیف میں ان کو ملنے گئے۔ ❷ یہ حدیث مسلم شریف کی روایت ہے کہ جو ''کثرۃ طرق الخیر'' کے باب میں ہے۔ اس کی پہلی حدیث یہ ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ''مال والے تو اجر لے اڑے۔''

اور جب ہم فرض عبادات کی (جڑ اور ان کی) اصل میں گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم یہ بات پاتے ہیں کہ اسلام نے ان کو بہت وسیع رکھا ہے اور اس کو کئی قسم کا بنایا ہے اور اس کی مختلف صورتیں بنا دیں ہیں۔ پس ان میں کوئی عبادت مالیہ ہے جیسے زکوٰۃ صدقات وغیرہ۔ بعض عبادات بدنیہ ہیں۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ اور بعض عبادات دونوں کی جامع ہیں (یعنی عبادت بدنیہ اور مالیہ دونوں کی جامع ہیں) جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کہ جو نفس اور مال (دونوں) سے ہوتا ہے۔ اور یہی (عبادات کی تقسیم و اقسام اسلام کا خلاصہ (اور مقصد و مراد) اور اس کی بلند حکمت ہے۔

اور ایسا اس لئے کہ نفس ایک شئے سے انس کرنے لگتا ہے پھر (اس کا عادی ہو جاتا ہے اور) وہ اس کی عادت بن جاتی ہے یا (یہ) کہ ایک (ہی طرح کی) عبادت سے نفس اکتا جاتا ہے اور تنگ ہو جاتا ہے۔

تشریع عام کے دائرہ کار میں ہم قرآن کو پاتے ہیں کہ اس نے اقتصادی، سیاسی، فوجداری اور شہری قوانین میں عام (ضابطے اور) قواعد مقرر کئے ہیں۔ اور جنگ اور امن کی حالت میں عالمی تعلقات کے لئے، نہایت کامل طور پر اور نہایت مبنی بر انصاف نظام کی بنیادیں وضع کی ہیں۔ اور معاملات میں قرآن نے لوگوں کے اموال کو ناجائز طور پر کھانے کو حرام کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.﴾

(النساء: ۲۹)

''اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور قرآن نے (عقد) بیع کو حتمی شکل دینے کے وقت گواہ بنانے اور دین کی کتابت (یعنی اسکو لکھ لینے) کی دعوت دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ط وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾

(البقرة: ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور چاہیے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور جرائم (اور بدعنوانیوں) کے معاملات میں قرآن نے حدود مشروع کی ہیں اور معاشرہ کی انتشار و اضطراب (اور لاقانونیت اور بدامنی) سے حفاظت و صیانت کے لئے اور امت کی زندگی و مستقبل، ان کے اموال اور ان کی عزتوں کو امن دینے کے لئے امت پر ان حدود کی تنفیذ لازم ٹھہرائی ہے۔ تاکہ یہ انسانی معاشرہ وہ باعزت اور باسعادت زندگی گزارے کہ جو صرف اور صرف امن اور سکون سے ہی ممکن ہے۔

تحقیق قرآن کریم نے فرد اور جماعت کے مستقبل کے پیش نظر بنیادی اور بڑے بڑے جرائم کا (واشگاف) لفظوں میں

ذکر کیا ہے اور ان کی ایسی قرار واقعی سزائیں مقرر کی ہیں کہ جن میں کمی یا زیادتی یا ان کی تطبیق میں تساہل (اور مداہنت اور چشم پوشی یا سستی) جائز نہیں۔ اور ان کے علاوہ معمولی جرائم کو مسلمان حاکم (کی صوابدید) پر چھوڑ دیا ہے۔

کہ وہ ان جرائم میں سنت نبویہ مطہرہ کی روشنی میں اپنی رائے میں جو مناسب سمجھے سزا جاری کرے اور اس صورت کو نافذ کرے کہ جو معاشرہ کو اجتماعی مفاسد و مظالم سے پاک کرنے اور انسانوں کی خیر خواہی میں اسلام کی روح کو ثابت کرے۔

البتہ وہ بڑے بڑے جرائم کہ جن کی قرآن (کریم) نے (نہایت سخت) تہدیدی سزائیں معین (اور مقرر) کی ہیں وہ پانچ ہیں۔

(۱) جرم قتل (۲) جرم زنا (۳) جرم سرقہ (چوری)

(۴) ڈاکہ ڈالنا (۵) لوگوں کی عزتوں پر تہمت دھرنے کے ظلم کا جرم۔

اور یقیناً تشریع الٰہی قرآنی اور تشریع وضعی کہ جو انسانوں کی بنائی ہوئی ہے کے درمیان موازنہ کی سب سے شاندار مثال وہ عظیم الشان اثر ہے کہ جس کو قرآن نے عربوں کے جیوؤں میں اس حکیمانہ طریقہ کے سبب چھوڑا کہ جس پر قرآن (معاشرہ کے) اجتماعی امراض و مفاسد کے معالجہ (اور انسداد) کے لئے چلا کہ قرآن نے ہر فساد (اور برائی) کو ختم کر دیا اور ہر جرم کو ان کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا اور انہیں خیر امت بنا دیا کہ جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے (غیر دیار عرب کی طرف) نکالی گئی۔ پس وہ دنیا کے بادشاہ بن گئے اور جہان کے سردار۔

توضیح

مولف کتاب موصوف نے ایک نہایت طویل عمیق اور دقیق موضوع چھیڑا ہے کہ جس کا متعلقہ علمی مواد اسلامی ذخیرہ کتب میں از حد منتشر ہے۔

علماء امت نے قرآنی تعلیمات کی جملہ خوبیاں پر اس قدر متنوع الموضوع قلم اٹھایا ہے کہ فقط ان موضوعات کا ہی احاطہ دشوار ہے اور ان موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کے اعداد و شمار کے لئے بھی دفتر کے دفتر چاہییں۔ چونکہ سر دست موضوع عبادات اور اخلاق اور فلسفہ عقوبات ہے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ از حد مفید ہے۔

(۱) ارکان اربعہ (مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ)

(۳) حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ)

(۴) رجم کی شرعی حیثیت (مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ)

دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار نظریات (مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ)

''ایں نمونہ مشتے از خروارے است'' (نسیم)

لغات: **نلمس:** چھونا' محسوس کرنا۔ **اشارۃ خاطفۃ:** اچٹتا اشارہ' طائرانہ' نظر سرسری ملاحظہ' **فادح:** تباہ کن' اور **ربا:** یورپ۔ **سماح:** نرمی' لچک' اجازت۔ **عوانس:** عانس کی جمع' بے خاوند کی عورت خواہ بے بیاہی ہو یا بیوہ یا مطلقہ۔ **الخیانات**

الـزوجية: ازدواجی بے اعتدالیاں، زن وشوئی کی بدعنوانیاں۔ فـظـيـع: گھناؤنا۔ مـذهـلة: ہوش اڑا دینے والی، اوسان خطا کر دینوالی۔ انفصام: ٹوٹ پھوٹ جانا۔ عرا: مکان کا صحن۔ لـقـطـاء: لقیط کی جمع راستہ میں پڑا ہوا نا معلوم بچہ کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ راہ سے اٹھایا ہوا بچہ۔ سـفـور: عورت کا بے حجاب ہونا۔ التبـرج: غیر خاوند کے سامنے بناؤ سنگھا کرنا۔ البـغـاء الـرسـمـي: سرکاری قحبہ خانہ، بازارِ حسن۔ ثـيـاب الاسـتـحـمـام: نہانے کے کپڑے۔ الـمـان: جرمنی۔ انهيـار: شکست۔ انغماس: ڈوبنا۔ حبس: قید۔ السجن السنوات الطوال: سالوں کی جیل۔ الشنق: پھانسی دینا۔ خطف: اغواء کرنا۔ ازهاق الارواح: قتل کرنا۔ البنوك: بنک کی جمع یعنی (Bank)۔ المحلات الكبيره: بڑی بڑی عمارتیں۔ پلازے۔ عصابات: عصابہ کی جمع، گروہ جماعت مراد ہے۔ شر پسندوں کا ٹولہ۔

ترجمہ: زندگی کے حقائق سے اس کی مثالیں

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اس حکیمانہ تشریع قرآنی کی باقی تمام بشری تشریعات اور زمینی نظاموں پر برتری کی مثالوں میں وہ باتیں ہیں کہ جن کو ہم (اپنی) حقیقی زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔ ہم شریعت اسلامیہ کی باقی نظاموں پر برتری کی طرف ذیل میں ایک اچٹتا سا اشارہ کر سکتے ہیں۔

(۱) قریب زمانے میں ہی امریکہ نے شراب (پر پابندی لگائی اور اس) کو ممنوع (اور حرام) قرار دیا لیکن وہ (اس میں) ناکام ہو گیا اور کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ امریکا نے اس حکیمانہ طریقہ کار سے موافقت نہیں کی کہ جس پر شراب کو حرام کرنے میں اسلام چلا پس (نتیجتاً) امریکا (دوبارہ) اس کو جائز قرار دینے کی طرف لوٹ آیا باوجودیکہ وہ شراب کے زبردست نقصانات کا اعتقاد بھی رکھتا ہے۔ (علماء کرام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ (نسیم)

(۲) بعض مغربی ممالک نے خاص طور پر امریکہ نے طلاق کو جائز قرار دیا بعد اس کے کہ وہ گرجا (اور کلیسا) کی تعلیمات کے سبب ان کے نزدیک ممنوع تھی۔ لیکن ان ممالک نے اس میں نقصان دہ حد تک اسراف (اور زیادتی) کی۔ اور (ابھی تک) وہ طلاق کی قانون سازی کر رہے ہیں۔ (کہ جس میں اب تک وہ کوئی معتدل قانون بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے)

توضیح

(۱) اس کے لئے دیکھیں ''ہمارا عائلی نظام'' مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم

(۲) ''دور حاضر کے تجدید پسندوں کے افکار و نظریات'' (مولانا یوسف صاحب شہیدؒ)

ترجمہ: (۳) مصلحین یورپ تعدد ازواج کی اجازت کی ضرورت کی آواز اٹھا رہے ہیں۔ یہاں تک خود عورتوں نے 'بے شمار عورتوں کے بغیر شادی کے رہ جانے کے نتیجہ میں خود اس کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ یورپی معاشرہ میں یہ مشکل نہایت خطرناک

اہمیت کی مالک بن چکی ہے۔

توضیح

(اس کی تفصیل کے لئے دیکھیں)

(الف) کثرۃ الازواج لصاحب المعراج (مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(ب) اصلاح خواتین (مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(ج) اسلام کا نظام عفت وعصمت (مفتی ظفر الدین صاحب دیوبندیؒ)

(د) شرعی پردہ (قاری طیب صاحبؒ)

(ہ) پردہ کے شرعی احکام (مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

ترجمہ: (۴) (جدید) متمدن (ومہذب) یورپی معاشرہ میں از دواجی بدعوانیاں (اور بے اعتدالیاں و بے ایمانیاں) (نہایت) گھناؤنی (مکروہ اور قبیح) شکل اور اوسان خطا کر دینے والی صورت میں پھیل گئیں ہیں۔ یہاں تک کہ خاندانوں کے خاندان باہمی تعلق (ورابطہ اور ازدواجی نظام زندگی) کے نہ ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے ہیں۔ اور اس معاشرہ میں (گمنام ماؤں کی) لاوارث اولادوں کی کثرت ہوگئی ہے اور یہ سب کچھ بے حیائی، عورتوں کے غیر شوہر کے سامنے بن ٹھن کر آنے اور مرد وعورت کے (آزادانہ) اختلاط کی وجہ سے ہے۔

اس کے لئے دیکھیں

توضیح

(اس کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں)

(الف) اسلام کا نظام عفت وعصمت (مفتی ظفر الدین صاحبؒ)

(ب) شرعی پردہ (قاری طیب صاحبؒ)

(ج) اسلام کا معاشی نظام (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

ترجمہ: (۵) اسپین کی حکومت نے اپنے شہروں میں سرکاری قحبہ خانوں کے بند کرنے، اور عورتوں کے (دریاؤں اور سمندروں کے) کناروں پر نہانے کے لباس میں نکلنے کو منع کرنے کی قرارداد جاری کی ہے اور اس کا قانون مقرر کیا ہے۔ [1]

---

[1] جیسا کہ اس زمانے میں بلاد یورپ میں عورتوں کا عام لباس فقط ایک جانگیا نما سا لباس نچلے بدن پر اور فقط ایک معمولی سی حجم کی کرتی سی بالائی بدن پر پہننے کا عام رواج ہے۔

اور ہاکس بے اور سمندروں کے کنارے بنے ہوئے ہوٹلوں وغیرہ میں سن باتھ Sun Batth کے نام پر برائے نام لباس پہن کر ننگے گھومنے پھرنے اور آزادانہ اختلاط کا بے تحاشا رواج ہے اور اس کی برائی اور بھیانک نتائج یورپ جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ (نسیم)

(۶) فرانس کے صدر نے آخری جنگ میں اپنی شکست کے دن ''جرمنی'' کے سامنے پکار کر یہ کہا ''حکومت فرانس کے گرنے اور شکست و ہزیمت کی وجہ ان کا جنسی شہوات میں ڈوب جانا اور برائیوں اور فتنوں میں حد سے آگے نکل جاتا ہے۔

(۷) اور آخری بات یہ ہے کہ ہم ان جرائم کو مہذب معاشرہ (خاص طور پر) عرب معاشرہ میں' ان کے ہاں قید اور سالوں بھر کی جیل یا پھانسی کی شرعی سزاؤں کی صراحت کے باوجود دن بدن بڑھتا ہوا پا رہے ہیں۔ اور اس کے باوجود ہم ان بھیانک جرائم کو ہوتا ہوا پا رہے ہیں۔ جن میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اغواء کرنا' اور لوگوں کی جان لے لینا (انہیں قتل کر دینا) اور دن دیہاڑے گھروں' بنکوں اور بڑے بڑے پلازوں (اور تجارتی منڈیوں) میں چوری کرنا (اور ان میں ڈاکے ڈالنا)۔ یہاں تک کہ تحقیق ہم ایسی خطرناک جماعتوں (اور دہشت گرد ٹولوں) کے وجود میں آنے کو سن رہے ہیں کہ جو شہروں کے امن اور لوگوں کی سلامتی کو (تباہ و) برباد کر رہی ہیں۔

اور (یہ بات خود ساختہ) وضعی نظاموں اور بشری (قوانین و) تشریعات کی شکست کی بہت بری دلیلوں میں سے ایک ہے۔

البتہ اسلام نے امن وامان کو قائم کیا ہے اور جرم کو اس کی قبر میں جا اتارا ہے (اور ختم کر دیا ہے) بے شک کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

أينما نظمت عقول ضعاف	من نظام المهيمن الديان
إيه عصر العشرين ظنوا عصرا	نير الوجه مسعد اللانسان
لست نورا بل انت نار وظلم	مذ جعلت الإنسان كالحيوان

''(انسانی) کمزور عقلیں کہاں (اللہ) محافظ ونگران حاکم کے نظام جیسا نظام بنا سکتیں ہیں اے بیسویں صدی تجھے لوگوں نے روشن چہرہ والا اور انسان کو خوش بخت بنانے والا دور سمجھا۔ (تو سن لے کہ) تو نور نہیں نار (آگ) اور ظلم ہے جب سے تو نے انسان کو جانور جیسا بنا دیا ہے۔''

تشریع رحمٰن اور تشریع انسان میں یہی فرق ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ [1]

[1] مولف کتاب نے یہ مضمون علامہ زرقانیؒ کی مناہل العرفان سے لیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں۔ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' اور ''تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات'' (از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) اور ''اسلام کا معاشی نظام'' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

(۵) الإخبار عن المغيبات

ومن وجوه إعجاز القرآن الكريم (إخباره عن المغيبات) وذلك برهان ساطع' و دليل قاطع على أن هذا القرآن ليس من كلام البشر' إنما هو كلام علام الغيوب' الذى لا تخفى عليه خافية' ولو كان من صنع محمد- كما زعموا- لظهرت علائم الوضع فى تلك الأخبار الغيبية' بوقوعها على خلاف ما اخبر و لا فتضح امره بالكذب الصريح' وحاشاه ﷺ من الكذب على الله.

(الف) فمن هذه الاخبار الغيبية' إخباره عن الحرب التى ستقع بين الروم والفرس' وستكون الغلبة فيها والانتصار للروم بعد ان انكسروا فى الحرب السابقة وذلك فى قوله تعالى: ﴿الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِىْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ.﴾ (الروم: ١-٥) يذكر المفسرون فى سبب نزول هذه الآية ان حربا وقعت بين دولة الروم وهى (مسيحية) و دولة الفرس وهى (وثنية) فانتصر الفرس على الروم' ففرح المشركون وشمتوا وقالوا للمسلمين: تزعمون انكم أهل كتاب وأن النصارى أهل كتاب' وها قد ظهر إخواننا على إخوانكم' ولنظهرن نحن عليكم' فاغتم المسلمون وحزنوا لا نهزام الروم وهم دولة متدينة' أمام دولة الفرس وهم و ثنيون' فنزلت الآية الكريمة تبشر المسلمين بانتصار الروم على الفرس فى مدة و جيزة تتراوح بين الثلاث والتسع من السنين (فى بضع سنين) ولم يكن مظنونا وقت تلك البشارة أن الروم تنتصر على الفرس' لأن الحروب الطاحنة انهكتها حتى غزيت فى عقر دارها' ولأن دولة الفرس كانت قوية منيعة' وزادها الظفر الأخير قوة و منعة. فلما نزلت الآية الكريمة راهن ابو بكر بعض المشركين وهو (أبى بن خلف) على مائة ناقة الى تسع سنين' ولم تمض المدة حتى وقعت الحرب بين الروم والفرس' فانتصر فيها الروم وانهزمت الفرس وتحققت نبوءة القرآن وذلك. ٦٢٢ ميلادية الموافقة للسنة الثانية من الهجرة النبوية' وكسب أبوبكر الرهان فأمره ﷺ بالتصدق به.

وفى الآية نبوءة اخرى وهى ان المسلمين سيفرحون بنصر قريب' فى الوقت الذى ينتصر فيه الروم ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ. ......﴾ ولقد صدق الله وعده فى هذه كما صدقه فى تلك' فكان ظفر المسلمين فى بدر واقعاً فى الظرف الذى

انتصر فيه الروم، وهكذا تحققت النبوء تان فی وقت واحد بفضل الله.

يقول الزمخشری: (وهذه الآية من الآيات البينة الشاهدة على صحة النبوة، وأن القرآن من عند الله، لأنها إنباء عن علم الغيب الذی لا يعلمه إلا الله)

(ب) التنبو بدخول الرسول واصحابه مكة آمنين مطمئنين...... روی ان النبیﷺ رأی رؤيا فی منامه وزلك قبل خروجه الی الحديبية، رأی كأنه هو وأصحابه قد دخلوا مكة آمنين وقد حلقوا وقصروا فقص الرؤيا على أصحابه، ففرحوا واستبشروا، وحسبوا انهم داخلوها من عامهم، وقالوا: إن رويا رسول الله ﷺ حق، فلما كان صلح الحديبية، خرجوا من المدينة محرمين يسوقون الهدی إلی مكة لا يقصدون حربا، وإنما يقصدون العمرة والنسك، ولكن قريشا صدتهم، وكادت تقع الحرب بين المسلمين والمشركين لولا ان الرسول ﷺ رضی معهم بالصلح إثارا منه للسلم وحبا للسلام العام، وكان من شروط ذلك الصلح ان يرجع الرسول ومن معه من ذلك العام على ان يدخلوا مكة فی العام القابل، واتخذ المنافقون ضعفاء الايمان من ذلك سبيلا الی الطعن والدس واللمز، حتى قال رئيس المنافقين (عبدالله بن أبيی) والله ما حلقنا، ولا قصرنا، ولا رأينا المسجد الحرام، ولكن نزلت الآية الكريمة تحمل تلك الوعود الثلاثة المؤكدة وهی: دخول مكة، وأداء النسك، والأمن من قريش، على رغم ما هو معروف من غدر قريش ونكثهم العهود، وتقطيعهم الأرحام، وقد انجز الله وعده فتم الأمر ودخل المومنون مكة آمنين مطمئنين وفی ذلك يقول القرآن الكريم:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّوْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًاo (الفتح: ٢٧)

(ج) تنبؤ القرآن بانهزام المشركين قبل وقوع الحرب وذلك فی قوله تعالى فی سورة القمر:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌo سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَo بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى و أَمَرّ.﴾ (القمر: ٤٤ – ٤٦)

وسورة القمر مكية، و الجهاد لم يشرع إلا فی السنة الثانية من الهجرة، فأين هی إذا فكرة الحرب، ومن الذی كان يجول بخاطره ان ينهزم جمع المشركين، وينتصر

علیهم المسلمون وهم قلة فی العدد والعدد؟ ولکنه وعد الله لا یخلف......

روی عن عکرمة انه قال: لما نزلت هذه الآیة ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَo﴾ قال عمر بن الخطاب: أی جمع هذا الذی سیهزم؟ فلما کانت غزوة بدر رأی رسول الله ﷺ وهو یثب فی الدرع ویقول ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَo﴾ فعرف عمر تأویلها وروی عن ابن عباس: کان بین نزول هذه الآیة وبین بدر سبع سنین......

(د) تنبؤ القرآن بذلك المستقبل الاسود الذی ینتظر کفار قریش، وذلك فی قوله تعالی فی سورة الدخان.

﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍo یَّغْشَی النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌo رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَo اَنّٰی لَهُمُ الذِّکْرٰی وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌo ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌo اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَo یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْکُبْرٰی اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَo﴾ (الدخان: ١٠-١٦)

وسبب نزول هذه الآیات الکریمة أن أهل مکة لما کذبوا رسول الله ﷺ واستعصوا و تمردوا علیه، دعا علیهم فقال: اللهم أعنی علیهم بسبع کسبع یوسف، فأخذتهم سنة حصت کل شئ حتی أکلوا الجلود والمیتة من الجوع، وینظر احدهم الی السماء فیری کهیئة الدخان، فأتاه، (أبوسفیان) فقال: یا محمد إنك جئت تأمر بطاعة الله، وبصلة الرحم، وإن قومك قد هلکوا فادعوا الله لهم فأنزل الله هذه الآیات الکریمة.

قال الزرقانی رحمه الله: وفی هذه الآیات عند التأمل خمسة تنبؤات:

أولها: الإخبار بما یغشاهم من القحط والجوع حتی یری الرجل بینه و بین السماء کهیئة الدخان.

الثانی: الاخبار بأنهم سیضرعون الی الله حین تحل بهم هذه الازمة......

الثالث: الاخبار بأن الله سیکشف عنهم ذلك العذاب قلیلا......

الرابع: الإخبار بأنهم سیعودون إلی کفرهم وعتوهم......

الخامس: الإخبار بأن الله سینتقم منهم یوم البطشة وهو یوم بدر. ثم قال: ولقد حقق الله ذلك کله ما انخرم منه ولا نبوءة واحدة، فأصیبوا بالقحط حتی أکلوا العظام وجعل الرجل ینظر إلی السماء فیری بینه و بینها کهیئة الدخان من شدة جوعه وجهده، ثم قالوا متضرعین ﴿ربنا اکشف عنا العذاب إنا مومنون﴾ ثم کشف الله عنهم العذاب قلیلا ثم عادوا الی کفرهم

وعتوهم' فانتقم الله منهم يوم بدر فبطش بهم البطشة الكبرى حيث قتل منهم سبعون وأسر سبعون وأديل للمسلمين منهم أرأيت ذلك كله هل يمكن ان يصدر مثله من مخلوق؟ كلا بل هو الله العزيز الحكيم.

ترجمہ: (۵) (قرآن مجید کا پانچواں معجزہ) غیبی واقعات کی خبر دینا ہے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک (قرآن کا) غیبی واقعات کی خبریں دینا ہے اور یہ اس قرآن کے کلام بشر نہ ہونے پر ایک روشن دلیل اور قطعی حجت (ہے اور دلیل ہے) بے شک یہ علام الغیوب کا کلام ہے کہ جس سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکتا۔ اگر یہ قران آپ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ وہ کفار سمجھتے تھے' تو ان غیبی خبروں میں' آپ کے بتلائے ہوئے کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے وضع (یعنی کسی دوسرے کے بنانے) کی علامت ظاہر ہو جاتیں۔ اور قرآن کا معاملہ صریح جھوٹ ہونے کی وجہ سے جگ ہنسائی کا سبب بن جاتا۔ اور آپ ﷺ کبھی بھی اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔ (معاذ اللہ)

توضیح

علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ قرآن کے اس اعجاز پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

"قرآن مجید میں انبیاء سابقین اور گزشتہ قوموں کے متعلق جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے۔ اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ آپؐ کے لئے ان اطلاعات کا سرچشمہ اور ان روایات کا ماخذ علم الٰہی کے فیض اور غیب کی اطلاع (وحی) کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ امی تھے' یہ واقعات وقصص زیادہ تر بلکہ تمام تر کی صورتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور وہاں باتفاق مورخین کوئی یہودی اور عیسائی نہ تھا۔ ورقہ بن نوفل جو انجیل کا علم رکھتے تھے۔ صحیح روایات کے مطابق نبوت کے پہلے سال ہی وفات پا گئے تھے۔"

ہجرت سے پہلے دو عیسائیوں کا آپؐ سے ملنا بیان کیا جاتا ہے ایک بحیرہ راہب دوسرا عداس اول الذکر سے شام کے شہر بصرہ میں اور آخر الذکر سے حجاز کے شہر طائف میں ملنا مذکور ہے لیکن پہلی ملاقات چند گھنٹوں اور دوسری ملاقات چند منٹوں سے زیادہ نہیں۔ پہلی ملاقات میں آپؐ کی عمر تیرہ سال تھی۔ اتنی چھوٹی عمر میں اور اتنی مختصر ملاقات میں (زبان کی بیگانگی کے ساتھ) کوئی ذی ہوش انسان یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ آپؐ نے وہ تمام علوم حاصل کر لئے کہ جو نبوت کے بیس سال میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس صحت واتقان کے ساتھ جس سے خود یہودی مسیحی صحیفے قاصر ہیں' بیان فرمائے' عداس کوئی عالم نہ تھا وہ خود آپ ﷺ کا معتقد ہوا۔ اس لئے اتنی کمزور روایتی اور درایتی بنیاد پر کسی طرح اس قیاس کی عمارت نہیں اٹھتی کہ آپ کے علوم غیبیہ جن کا ایک ایک حرف اور نقطہ تمام تحقیقات اور انکشافات کے بعد صحیح ثابت ہوا' ان لوگوں کے علوم سے ماخوذ ہیں' جن

کی شخصیت ہر طرح سے مشتبہ ہے اور جن کا اضافہ ان کی اصل سے زیادہ ہے۔ جس چراغ میں خود نور نہ ہو اس سے کوئی دوسری مشعل کیسے جل سکتی ہے؟ ان غریب عیسائیوں کے پاس' جن سے آپؐ کے تلمذ اور استفادہ کی نسبت کی جاتی ہے خود کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جس کو صحیح علم کہا جا سکے۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ ان واقعات کا کم سے کم آپؐ کے لئے کوئی ذریعہ اطلاع نہ تھا یہ تمام تر واقعات محض وحی الٰہی کا کرشمہ ہیں۔ اور اعجاز کا یہی پہلو ہے کہ جس کی طرف قرآن نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ (مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۶۰-۶۱)

علامہ عثمانیؒ اس پر نہایت پر مغز کلام فرماتے ہیں:

''قرآن کے مضامین کے متعلق ایک اور ضروری چیز' اہم واقعات ماضیہ اور سنین گزشتہ کی ایسی مفصل اور درست خبریں اور واقعات کے متعلق اس کی متعدد پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکیں یہ نہیں کہ کاہنوں اور منجموں کے اٹکل پچو بیانات کی طرح سو میں ایک دو دفعہ تر نشانہ پر جا لگا بلکہ قرآن نے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح نور افزائے دیدہ بصیرت ہوئے۔ گزشتہ واقعات تو اسی طرح ثابت ہوئے لیکن مستقبل کے متعلق جو بکثرت خبریں دی گئیں اور ایک کی بھی کوئی تکذیب نہ کر سکا۔ ان میں بجز اس کے کہ عالم الغیب والشہادات کی طرف نسبت کیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۹۵-۹۷ ملخصاً)

اس تفصیل کے بعد مولف کتاب نے قرآن کے جن غیبی واقعات کو ذکر کیا ہے ہم آخر تک اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

لغات: **مسیحیة**: نصرانی' عیسائی حکومت۔ **وثنیه**: بت پرست۔ **مدةٍ و جیزہ**: مختصر زمانہ۔ **تتراوح**: اتنے اتنے کے درمیان ہونا۔ **الحروب الطاحنه**: خونریز لڑائیاں' خون آشام جنگیں۔ **الرھان**: شرط۔ **نبؤة**: پیشین گوئی۔

ترجمہ

(الف) ان غیبی واقعات میں سے (کہ جن کی قرآن نے خبر دی ہے ایک) اس جنگ کی خبر دینا ہے کہ جو عنقریب رومیوں اور ایرانیوں میں ہونے والی تھی۔ اور جس میں عنقریب غلبہ اور مدد رومیوں کی ہونی تھی بعد اس بات کے کہ انہوں نے پہلی جنگ میں شکست کھائی۔ اور یہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿آلٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰہِ. ینصر من یشاء وھوا العزیز الرحیم○﴾

(الروم: ۱-۵)

''مغلوب ہو گئے ہیں رومی پاس کے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں اللہ کے ہاتھ سب کام ہیں۔ پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا۔'' (تفسیر عثمانی)

مفسرین اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ سلطنت روم کہ جو مسیحی تھی اور بادشاہت ایران کہ جو بت پرست تھی کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ پس (پہلے) ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی۔ تو اس پر مشرکین نے خوشی منائی اور (رومیوں کو شکست کی تکلیف میں دیکھ کر) خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہا' تم (بھی) اپنے آپ کو اہل کتاب گردانتے ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں۔ یہ لو ہمارے بھائی (یعنی بت پرست مشرک ایرانی) تمہارے بھائیوں (اہل کتاب مسیحیوں) پر غالب آ گئے اور ہم بھی ضرور بہ ضرور تم پر غالب آ کر رہیں گے۔ پس (اس سے) مسلمان غم زدہ ہوگئے اور رومیوں کی شکست پر انہیں دکھ ہوا۔ اور ایرانی حکومت کے بالمقابل (روم) ایک دیندار (ایک آسمانی مذہب کی قائل) حکومت تھی جبکہ ایرانی بت پرست تھے۔ پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے مسلمانوں کو تھوڑی مدت میں ہی رومیوں کے ایرانیوں پر فتح پانے کی خوشخبری دی کہ جو (''بضع سنین'' یعنی) تین اور نو سال کے درمیان کی مدت تھی۔ اور اس بشارت دیئے جانے کے وقت رومیوں کے ایرانیوں پر فتح پانے کا گمان بھی نہ تھا۔ کیونکہ (ان) خونریز جنگوں نے اس کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی یہاں تک کہ ان کے ملک کے اندر گھس کر (گھمسان کی) جنگ لڑی گئی۔ اور اس لئے (بھی) کہ ایرانی حکومت (بڑی) طاقتور اور مضبوط تھی۔ اور آخری فتح میں ان کی قوت اور طاقت میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مشرک امیہ بن خلف کے ساتھ سو اونٹوں پر نو سال تک کی شرط لگائی۔ ابھی یہ نو سال کی مدت گزرنے نہ پائی تھی۔ کہ روم اور ایران میں ایک جنگ چھڑ گئی کہ جس میں رومیوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اور قرآن کی (پیش گوئی اور) غیب کی دی ہوئی خبر سچی ثابت ہوئی۔ اور یہ ۶۲۲ء بمطابق ۲ ہجری کا واقعہ ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے وہ شرط جیت لی۔ آپؐ نے ان کو وہ اونٹ صدقہ کرنے کا حکم دیا۔'' اس آیت میں ایک اور پیشین گوئی بھی ہے کہ مسلمان عنقریب ایک قریبی فتح سے اس وقت خوش ہوں گے کہ جس میں رومیوں کو فتح ہوگی۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ٥ بِنَصْرِ اللّٰهِ....﴾

''اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ بھی پورا کیا جس طرح وہ پورا کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی بدر (کی جنگ) کی فتح اسی زمانہ میں ہوئی کہ جس میں رومیوں نے فتح پائی۔''

چنانچہ اس طرح ایک ہی وقت میں اللہ تعالیٰ کے (خاص) فضل (وکرم) سے دو پیشین گوئیاں (اور بشارتیں) سچی ثابت ہوئی (اور پوری ہوئیں)

زمخشری (اس آیت کے بارے میں) یہ کہتے ہیں:

''یہ (واقعہ اور یہ) پیشین گوئی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) نبوت کی سچائی اور اس قرآن کے اللہ کی طرف سے ہونے کی ایک روشن نشانی (اور) گواہی ہے۔''

کیونکہ یہ اس غیب کے علم کی خبر دینا ہے کہ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [1]

---

[1] اس کے لئے دیکھئے الکشاف جلد ۴ صفحہ ۳۴۵ (اس آیت کا سبب نزول)

(اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔)

(۱) علوم القرآن صفحہ ۲۶۸-۲۷۰۔

(۲) اعجاز القرآن صفحہ ۹۵-۹۷۔

(۳) بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۳۵-۳۳۷۔

(۴) مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۸۷-۱۰۷۔ (نسیم)

(ب) رسول اللہؐ اور آپ کے اصحابؓ کے مکہ میں امن واطمینان سے داخل ہونے کی پیشینگوئی

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے میں ایک خواب دیکھا اور آپؐ نے یہ خواب حدیبیہ روانہ ہونے سے پہلے دیکھا' آپؐ نے دیکھا گویا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے (مناسک حج کی ادائیگی کے بعد) سروں کو منڈوا اور بالوں کو کتروالیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو یہ خواب سنایا پس وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی خوشی منائی۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اسی سال مکہ داخل ہو کر رہیں گے اور کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہے' پھر جب صلح حدیبیہ کا موقع آیا تو وہ لوگ مدینہ سے مکہ کی طرف احرام باندھ کر اور قربانی کے جانور لے کر نکلے ان کا ارادہ لڑائی کا نہ تھا۔ ان کا ارادہ فقط عمرہ اور قربانی کا تھا۔ لیکن قریش نے ان کو روک دیا اور قریب تھا کہ مسلمانوں اور مشرکین میں لڑائی (اور جنگ) چھڑ جاتی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح سے امن (وامان) پر تیار کرنے کے لئے اور امن عامہ کی محبت کے لئے ان سے صلح نہ کرتے اور صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ (بھی) تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہؓ اس شرط پر مدینہ واپس چلے جائیں کہ وہ اگلے سال مکہ داخل ہوں گے۔ اس صلح کی وجہ سے منافقین اور کمزور ایمان والوں نے (زبان) طعن (دراز کرنی) اور دسیسہ کاری (وچغل خوری) اور عیب جوئی کرنی شروع کر دی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کہنے لگا ''خدا کی قسم نہ ہم نے سر منڈوایا' نہ قصر کروایا اور نہ ہی مسجد حرام دیکھی۔

لیکن یہ آیت کریمہ تین پکے وعدوں کو لے کر نازل ہوئی تھی۔ اور وہ تھے' مکہ میں داخل ہونا۔

مناسک (عمرہ) ادا کرنا اور قریش سے امن ہونا۔ قریش کی غداری' عہد شکنی اور ان کی قطع رحمی کے باوجود۔ پس تحقیق اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور بات پوری ہوئی اور ایمان والے مکہ میں امن واطمینان سے داخل ہوئے اسی واقعہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا٥﴾ (الفتح: ۲۷)

''اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کی خواب تحقیقی کو تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال

مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کتراتے ہوئے بے کھٹکے پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی اس سے پہلے ایک فتح نزدیک۔'' (تفسیر عثمانی)

(اس کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۰ پیشین گوئی نمبر (۱)

مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۱۱۶ پیشین گوئی نمبر (۱۰))

(ج) اور قرآن کریم کا جنگ چھڑنے سے پہلے ہی مشرکین کی شکست کی پیشین گوئی کرنا

اور یہ پیشین گوئی سورۂ قمر کے اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ.﴾ (القمر: ٤٤ - ٤٦)

''کیا کہتے ہیں ہم سب کا مجمع ہے بدلہ لینے والا اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں پیٹھ پھیر کر بلکہ قیامت ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور کڑوی۔'' (تفسیر عثمانی)

سورۂ قمر یہ مکیہ ہے اور جہاد نہیں مشروع ہوا مگر ۲ ہجری میں۔ تو اس وقت جنگ کا تصور کہاں؟ اور کس کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ (قریش کے یعنی) مشرکین کے جتھے شکست کھائیں گے اور مسلمان ان پر فتح پائیں گے جبکہ وہ تعداد اور سامان جنگ میں تھوڑے تھے۔ لیکن یہ اس اللہ کا وعدہ ہے کہ جو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ یہ کونسی جماعت ہوگی کہ جو عنقریب شکست کھائے گی؟ [1] پھر جب غزوۂ بدر ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ زرہ پہن کر حملہ کر رہے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾

''پس (اس دن) حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب سمجھا۔'' [2]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''اس آیت کے نزول اور غزوۂ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ تھا۔'' (یعنی یہ آیت سات سال پہلے یہ پیشین گوئی لے کر اتری تھی)

(اس کے لئے دیکھیں' بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۸ - ۳۳۹' پیشین گوئی نمبر ۱۳)

---

[1] علامہ تقی عثمانی اس پر تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عمرؓ یہ بات کیسے سمجھتے جبکہ یہ آیت کی زندگی میں اس وقت نازل ہو رہی ہے کہ جب مسلمان ہر طرف سے کفار کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے۔ اور اف کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور پورے عزم و ادعا کے ساتھ یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ سب منہ کی کھائیں گے۔

غور فرمایئے کیا کوئی انسان ایسے وثوق کے ساتھ ایسی حالت میں یہ بات کہہ سکتا ہے؟ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۹ - ۳۴۰)

[2] اس کے لئے دیکھیں الکشاف جلد۴ صفحہ ۴۴۰۔

(د) قرآن کا (قریش کے) اس سیاہ مستقبل کی پیشین گوئی کرنا کہ جس کا قریش انتظار کرتے رہے تھے۔ اور وہ سورۂ دخان میں یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ٥ یَّغْشَی النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ٥ اَنّٰی لَهُمُ الذِّكْرٰی وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ٥ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ٥ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ٥ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰی اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ٥﴾

(الدخان: ١٠ - ١٦)

''سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح جو گھیر لے لوگوں کو یہ ہے عذاب دردناک۔ اے رب' کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ان کے پاس رسول کھول کر سنانے والا پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے باؤلا۔ ہم کھول دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تو پھر تم وہی کرو گے جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ۔ تحقیق ہم بدلہ لینے والے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور سرکشی کی تو اس آپؐ نے ان پر بددعا کی اور فرمایا:

اے اللہ! تو ان کے خلاف میری مدد کر قحط سالی سے 'یوسف علیہ السلام کی قحط سالی کی طرح'' پس پھر ان پر قحط سالی آن پڑی جس نے ان کی ہر شئے کو بنجر کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بھوک کی وجہ سے چمڑے اور مردار (تک) کھائے اور ان میں کوئی آسمان کی طرف نگاہ کرتا تو اس کو دھواں سا دکھائی دیتا۔ پس ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا پیغام لے کر آئے۔ اور (یہ) آپ کی قوم (بھوک اور خشک سالی اور قحط سے) ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ آپؐ ان کے لئے دعا فرمائیے (کہ اللہ ان پر سے قحط کو دور فرمائے) تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ❶

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

''ان آیات میں غور کرنے سے (پتا چلتا ہے کہ اس میں) پانچ پیشین گوئیاں ہیں۔

(١) ایک اس قحط اور بھوک کے ان پر چھا جانے کی خبر دینا یہاں تک کہ آدمی اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا دیکھے گا۔

(٢) دوسرے اس بات کی پیشین گوئی کہ جب ان پر یہ مصیبت نازل ہوگی تو وہ اللہ کے آگے (روئیں گے اور) گڑ گڑائیں گے۔

(٣) تیسرے اس بات کی پیشین گوئی کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب تھوڑا سا ہٹا دیں گے۔

❶ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہے۔

(۴) چوتھے اس بات کی پیشین گوئی کہ وہ دوبارہ اپنے کفر و سرکشی میں لوٹ جائیں گے۔

(۵) پانچویں اس بات کی پیشین گوئی کہ اللہ تعالیٰ ان سے (ایک سخت) پکڑ کے دن ان سے انتقام لیں گے اور وہ بدر کا دن ہے۔

اس کے بعد علامہؒ مرحوم فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے سب کی سب باتیں سچ کر دکھائیں اس میں سے کچھ بھی نہ ٹلا حتیٰ کہ ایک پیشین گوئی بھی، چنانچہ وہ قحط میں بھی مبتلا ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں اور ایک آدمی آسمان پر نگاہ ڈالتا تو بھوک اور سختی کی شدت کی وجہ سے اس کو اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا دکھائی دیتا پھر وہ گڑگڑا کر کہنے لگے۔''

ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون.

پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب تھوڑا سا ہٹالیا۔ پھر وہ دوبارہ اپنے کفر اور سرکشی میں لوٹ گئے۔

تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بدر کے دن انتقام لیا اور انہیں ایک بڑی پکڑ میں لیا وہ اس طرح کہ ان میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کی گئی۔

تیرا کیا گمان ہے کہ یہ سب کا سب کیا ممکن ہے کہ اس کی مثل کسی مخلوق سے صادر ہو؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہے زبردست حکمت والا ❶ (اس سے ہی ان سب باتوں کا صادر ہونا ممکن ہے)

(اس کے لئے دیکھیں: معارف القرآن) مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب دیوبندیؒ جلد ۷ صفحہ ۷۶۰ تا ۷۶۴۔

(هـ) التنبؤ بإظهار الاسلام على جميع الأديان، وذلك فى قوله تعالىٰ: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف: ٩)

وكذلك التنبؤ بالمستقبل الباسم الذى سيكون للمومنين وذلك فى قوله تعالى: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (النور: ٥٥)

وقد تحقق هذا الوعد الإلهى فأظهر الله الإسلام على جميع الأديان، ومكن للمسلمين فى الأرض فى حياة النبى ﷺ حتى استولوا على جميع البلاد العربية، ولم يبق جزء منها إلا دان للمسلمين بالطاعة ومن لم يدخل فى الاسلام دخل فى ذمة المسلمين، وخضع لسلطانهم، ودفع الجزية لهم، ثم سار أصحابه من بعده إلى ارض كسرى وأرض هرقل، فأزالوا دولة الفرس، دولة الرومان، ولم يمض قرن من الزمان حتى اتسعت رقعة الدولة الاسلامية، فصارت تمتد من بحر الظلمات فى المغرب الى تخوم الصين فى المشرق، فتحقق بذلك الوعد الكريم، وكان وعد

❶ اس کے لئے دیکھیں مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔

الله مفعولاً......

وكل هذه– وأمثالها فى القرآن كثير– أخبار عن المستقبل وقد تحققت جميعها، وهذا أمر خارق للعادة فكان وجها من وجوه الإعجاز لأن مثله لا يتفق إلا بإخبار من عند الله جل وعلا. ولا يغيب عن بالنا أن جميع القصص التى جاء فى القرآن الكريم هو من باب الإخبار عن غيوب الماضى الذى أطلع الله رسوله الكريم عليه، وما كان له علم بها، ولهذا ذكر الله جل ثناؤه قصة نوح ثم اعقبها بهذه الآية الكريمة وهى قوله تعالى: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (هود:٤٩)

وما اروع قصص القرآن الذى نزل على خاتم المرسلين، ليكون تثبيتا لقلبه وذكرى للمومنين؟! وذلك أعظم برهان على أنه تنزيل رب العالمين، فيا لها من حكمة سامية ومعجزة باهرة!!

سادسا: عدم التعارض مع العلم الحديث:

ومن وجوه إعجاز القرآن تلك الإشارات الدقيقة، إلى بعض العلوم الكونية، التى سبق اليها القرآن قبل ان يكتشفها العلم الحديث، ثم عدم تعارضه مع ما يكشفه العلم من نظريات علمية حديثة، وقد أشار القرآن الكريم الى هذه الناحية من نواحى الإعجاز بقوله جل شأنه:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (حم السجدة: ٥٣).

ومع اعتقادنا بأن القرآن العظيم ليس كتاب طبيعة أو هندسة او فيزياء، وإنما هو كتاب (هداية و إرشاد) وكتاب (تشريع وإصلاح) ولكن مع ذلك لم تخل آياته من الإشارات الدقيقة، والحقائق الخفية، إلى بعض المسائل الطبيعية، والطبية، والجغرافية مما يدل إعجاز القرآن وكونه وحيا من عند الله، فمن المقطوع به ان محمدا ﷺ كان أميا لا يقرأ ولا يكتب، وانه نشأ فى بيئة بعيدة عن مظاهر الحضارة، حيث لم تكن علوم ولا معارف ولا مدارس تقرأ فيها العلوم الكونية، لأن قومه وعشيرته كانوا (أميين) ومع ذلك فإن النظريات العلمية التى أشار إليها القرآن لم تكن معلومة فى عصره، ولم يكتشف العلم أسرارها إلا منذ زمن قريب، وذلك من أصدق البراهين على ان هذا القرآن ليس من تأليف محمد– كما يزعم بعض المستشرقين– إنما هو وحى من الله، أنزله على قلب سيد المرسلين، بلسان عربى متين. ولقد أجاد الاستاذ

(عفیف طبارة) فی کتابه (روح الدین الإسلامی) فذکر بعض هذه الحقائق العلمیة الدقیقة، ونحن ننقل بعضها بشئ من الایجاز مع التصرف.

ترجمہ: (ھ) (دین) اسلام کی تمام ادیان پر غلبہ کی پیشین گوئی

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ (التوبة: ۳۳)

''اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کرتا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر، اور پڑے برا مانیں مشرک۔'' (تفسیر عثمانی)

ایک (روشن اور ہنستے) مسکراتے مستقبل کی پیشین گوئی کہ جو عنقریب مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ اور وہ پیشین گوئی اس ارشاد خداوندی میں ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾(النور: ۵۵) ❶

''وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان کے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے ان کو ان کے ڈر کے بدلہ میں امن۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق کہ یہ وعدالٰہی پورا ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دیا۔ اور مسلمانوں کو آپؐ کی زندگی میں ہی زمین میں جما دیا۔ (انہیں مضبوط کر دیا اور ان کی ایک مضبوط حکومت مدینہ اور اطراف مدینہ میں قائم ہوگئی) یہاں تک کہ انہوں نے تمام بلاد عرب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور بلاد عرب کا کوئی ٹکڑا نہ باقی رہا مگر وہ مسلمانوں کا اطاعت کے ساتھ فرمانبردار بن گیا اور جو اسلام میں داخل نہ ہوا وہ مسلمانوں کا ذمی بن کر زندگی گزارنے لگا۔

اور مسلمانوں کے غلبہ واقتدار کے آگے سرنگوں ہوگیا اور انہیں جزیہ دینے لگا۔ پھر آپؐ کے (دنیا سے پردہ فرمانے کے) بعد آپؐ کے صحابہؓ قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کی طرف چلے (اور ادھر کا رخ کیا) اور ایرانیوں اور رومیوں کی سلطنتوں کے نام ونشان مٹا دیئے اور ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ سلطنت اسلامیہ کا رقبہ (نہایت) پھیل گیا۔ چنانچہ یہ مغرب میں بحر ظلمات (یعنی بحر اوقیانوس) سے لے کر مشرق میں چین کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ پس اس (وسعت سلطنت اسلامیہ) سے وعدۂ کریم (الٰہی) پورا ہوا اور اللہ کا وعدہ ہو کر رہتا ہے۔

---

❶ اس کے لئے دیکھئے علامہ زمخشری کی تفسیر الکشاف جلد۳ صفحہ۲۵۲۔

(اس کے لئے دیکھیں بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۰-۳۳۲ پیشین گوئی نمبر۲ مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ پیشین گوئی نمبر۵۔

اور غلبہ اسلام اور صحابہ کرام کی فتوحات اور سلطنت اسلامیہ کی وسعت کے بارے میں مندرجہ کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

تاریخ اسلام (مولانا اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی)

تاریخ اسلام (مولانا معین الدین ندویؒ)

سیر الصحابہؓ (نسیم)

مولف کتاب فرماتے ہیں:

''یہ سب پیشین گوئیاں اور ان جیسی (اور) مثالیں قران میں بہت (ذکر) ہیں (اور) مستقبل کے بارے میں (قرآن نے جتنی بھی) خبریں (دی ہیں) وہ سب کی سب سچ ثابت ہوئیں ہیں۔ اور یہ ایک خارق عادت امر ہے' پس یہ بھی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ سے کیونکہ ان جیسی باتیں نہیں واقع ہوتیں مگر اللہ جل وعلا کی طرف سے (غیب کی) خبر دیئے جانے کے ذریعہ ہی۔ اور ہم سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ وہ تمام قصے کہ جو قرآن کریم میں آئے ہیں۔ وہ اس گزشتہ کے اخبار عن الغیب کے باب سے ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو اطلاع دی اور آپ کو ان کی (مطلق) خبر نہ تھی۔''

اسی وجہ سے اللہ جل جلالہ نے حضرت نوحؑ کا قصہ ذکر کیا۔ پھر اس قصہ کے بعد یہ آیت کریمہ لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْـبَـآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (هود:٤٩)

''یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں سے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی۔ اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور کتنے ہی شاندار ہیں قرآن کے وہ قصے کہ جو خاتم المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترے تا کہ وہ آپؐ کے دل کی مضبوطی اور مومنوں کے لئے نصیحت ہو۔ اور یہ ایک عظیم دلیل ہے کہ یہ رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے کتنی ہی اس کی بلند بالا حکمت ہے اور کیا ہی غالب معجزہ ہے۔

توضیح

ماضی کی خبریں قرآن کا ایک اعجاز

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ قرآن کی اس اعجازی صفت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''(قرآن کریم کا ایک اعجاز) وہ واقعات اور خبریں ہیں کہ جو آپؐ نے گزشتہ قوموں اور ہلاک کی جانے والی امتوں کے بارے میں بیان کیں۔ حالانکہ یہ امر قطعی ہے کہ آپؐ امی اور ناخواندہ تھے۔ کسی سے نہ کبھی پڑھا تھا نہ اہل علم کے ساتھ درس و تدریس کا اتفاق ہوا' اور نہ فضلاء کی مجلسوں میں شرکت ہی کا موقع ملا بلکہ ایسے لوگوں میں پرورش پائی جو بت پرست تھے اور کتاب کو جانتے بھی نہ تھے۔ عقلی علوم بھی کسی سے نہ پڑھے تھے۔ نہ کبھی اپنی قوم سے اتنا عرصہ غائب رہے جس میں کسی شخص کے علم حاصل ہو سکنے کا امکان ہوتا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۴۸)

ترجمہ: (اعجاز قرآن کی چھٹی وجہ) جدید علوم کے ساتھ (قرآن کے علوم کا) تعارض نہ ہونا

مولف کتاب فرماتے ہیں:

اعجاز قرآن کی ایک وجہ بعض کائناتی (اور آفاقی) علوم کی طرف وہ دقیق (اور باریک) اشارے ہیں کہ جن کی طرف پہلے قرآن نے سبقت کی ہے اس سے پہلے کہ جدید (سائنسی) علوم ان کا انکشاف کرتے اور پھر قرآن کا ان جدید علمی نظریات سے عدم تعارض کہ جن کو (جدید سائنسی) علم نے کھولا۔ تحقیق قرآن کریم نے اپنے اعجاز کے پہلوؤں میں سے اس پہلو کی طرف اس ارشاد خداوندی سے اشارہ فرماتا ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (حم السجدة: ۵۳)

''اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ساتھ ہی ہمارا یہ اعتقاد (بھی) ہے کہ یہ قرآن عظیم (کوئی فزیکل) سائنس یا ریاضی یا فزیالوجی کی کتاب نہیں ہے بے شک یہ ہدایت و راہ نمائی (دنیا و آخرت) کی کتاب ہے اور تشریع و اصلاح کی کتاب ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کی آیات ان بعض سائنسی طبی اور جغرافیائی مسائل کی طرف باریک اشاروں اور مخفی حقائق سے خالی نہیں ہے کہ جو قرآن کے اعجاز اور اس کے اللہ کی طرف سے وحی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ پس یہ یقینی بات ہے کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے۔ اور آپؐ نے تہذیب (وتمدن) کے مظاہر سے دور ایک ماحول میں پرورش پائی (اور پروان چڑھے) کہ جہاں علوم و معارف اور مدارس نہ تھے کہ جن میں کائناتی (وآفاقی اور فنی) علوم پڑھائے جاتے ہوں کیونکہ آپ ﷺ کی قوم اور آپؐ کا خاندان (سب کے سب) امی تھے۔ اس کے باوجود وہ علمی نظریات کہ جن کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا اس

زمانے میں (ان کو) کوئی جانتا نہ تھا۔ اور وہ ان لوگوں میں معروف (ومعلوم) نہ تھے۔ اور (جدید) علوم نے ان اسرار (اور کائناتی رازوں) کو نہ کھولا تھا مگر کچھ عرصہ پہلے ہی۔ ❶ اور یہ سب سے زیادہ سچی دلیل ہے کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تالیف نہیں جیسا کہ بعض مستشرقین کا گمان ہے بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے متین عربی زبان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر اتارا ہے۔

تحقیق استاد ''عفیف طبارہ'' نے اپنی کتاب ''روح الدین الاسلامی'' میں ایک عمدہ بات کہی ہے چنانچہ انہوں نے بعض ان دقیق علمی حقائق کو بیان کیا ہے ہم ان میں سے چند کو مختصر طور پر معمولی تصرف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

توضیح

مولف کتاب نے آئندہ مذکورہ مضامین اور فصل ثامن میں قرآن کے بعض علمی معجزات کی یہ تمہید اور دیباچہ بیان کیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے بطور اصول اور اساس کے علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ایک مضمون اور علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ایک مختصر عبارت پیش کر دی جائے کہ جس کی روشنی میں ان آئندہ مذکورہ علمی معجزات کو شرح صدر کے ساتھ سمجھنا آسان ہوگا۔ اس اصولی بات کے بعد ہم فقط آخر تک اس فصل کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔ (نسیم)

علم وتحقیق جدید کی تصدیق

علامہ علی میاںؒ فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں جدید علمی (سائنٹیفک) حقائق کو تلاش کرنے اور ایک طرف اس کے بعض اشارات اور اجمالی بیانات اور دوسری طرف جدید تحقیقات واکتشافات میں تطبیق (جس کی سب سے بڑے پیمانہ پر کوشش اس صدی میں علامہ طنطاوی مصری جوہری نے اپنی مشہور تفسیر ''جواہر القرآن'' میں کی ہے بڑا نازک اور کسی حد تک پرخطر کام ہے اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے (اور علم وتحقیق کی تاریخ میں اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ علم وتحقیق کے یہ نتائج کہ جو اس وقت بالکل بدیہی اور ثابت شدہ حقائق سمجھے جا رہے ہیں' بالکل بدل جائیں یا ان کا ثبوت وقطعیت مشکوک ومجروح ہو جائے۔ نیز اس علمی کاوش میں (جس کی نیک نیتی اور کسی قدر افادیت میں شک نہیں کیا جا سکتا) قرآن مجید کے اصل موضوع ومقصد سے دوری' اور جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ فلسفہ قدیم اور مشہور متعارف تاریخ روایات کے سلسلہ میں بعض قدیم مفسرین سے بھی یہ لغزش ہوئی ہے لیکن چونکہ اس کا حصہ قرآن عظیم کے تفاسیر کے عظیم وموثر ذخیرہ میں بہت قلیل رہا ہے اور وہ مسلمانوں کے علمی حلقہ میں زیادہ شہرت اور وقعت نہیں حاصل کر سکا ہے' اس لئے قرآن مجید کو کسی دور میں بھی اس ابتلاء کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے' جو عہد قدیم

---

❶ اکتشافات جدیدہ اور یورپ کی حاضر سائنسی وصنعتی ترقی پر سیر حاصل بصیرت حاصل کرنے کے لئے ان دو کتابوں کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

(۱) کتاب ''العلم والعلماء'' (مترجم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ)

کتاب ہذا کا مقدمہ

(۲) آلات جدیدہ اور ان کے شرعی احکام (حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ)۔

کے صحیفوں (بائبل) کو ان رائج الوقت طبیعاتی، فلکی اور جغرافیائی تشریحات واضافات کی شمولیت سے پیش آیا اور جن کا نام ہی قرون وسطی کی مسیحی دنیا میں (Chiristian To Pography) ''مسیحی جغرافیہ مقدس'' پڑ گیا تھا۔

لیکن ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج طالب علم (جو بیک وقت جمود اور علم جدید کی مرعوبیت سے پاک ہے) مطالعہ قرآنی کے وقت یہ حقیقت معلوم کر کے ششدر و حیران رہ جاتا ہے کہ اگرچہ یہ کتاب ایک امی پر آج سے ۱۴۰۰ سو برس پہلے محدود اور علمی دنیا سے منقطع ماحول میں نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں بڑی تعداد میں ان حقائق و اشیاء کا ذکر آیا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعات، فلکیات، اجرام سماوی علم الحیات، طب، انسان کی خلقت اور اس کے جسم کی تقویم و ترکیب اور ایسے بہت سے علوم سے بہت گہرا ہے، جن کے بارے میں ان پچھلی صدیوں میں حقائق و معلومات کا ایک نیا عالم منکشف ہو گیا ہے اور علم انسانی کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جس کو علم جدید نے خلاف واقعہ ثابت کر دیا ہو۔ بلکہ اس سلسلہ میں بہت سے ایسے حقائق و مضمرات آ گئے ہیں جن کی علم جدید نے ابھی حال میں نقاب کشائی کی ہے اور اس کو ان تک ابھی حال ہی میں رسائی حاصل ہوئی ہے اس اجمال کی تفصیل ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کے ایک سلسلہ کی طالب ہے ہم یہاں پر ایک فرانسیسی فاضل و محقق کی صرف ایک شہادت پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حال میں مشہور فرنچ فاضل مورس بوکائی (Maurice Bucailee) کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' (The Bibl, The Quran and Science) اور اس کا عربی ترجمہ ''دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف الحدیثۃ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

محقق موصوف اس کتاب میں لکھتا ہے:

''ان علمی پہلوؤں نے جو قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں ابتداء ہی میں مجھے ششدر و حیران بنا دیا میرے ذہن میں کبھی بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک ایسی کتاب میں جس پر تیرہ سو برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اتنی بڑی تعداد میں مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے دعوے، اور اعلانات ہوں گے جن میں شدید تنوع پایا جاتا ہے اور جدید علمی تحقیقات سے پورے طور پر مطابق پائے جائیں گے۔'' ❶

منصف موصوف نے اس سلسلہ میں آسمانوں، زمین کی پیدائش اور کائنات کے وجود، اجرام فلکی، ماہیت آسمانی، فلکی دنیا کے ارتقاء فضائے آسمانی، پانی اور سمندروں کے حیات انسانی میں بنیادی کردار ادا کرنے، سطح زمین اور پہاڑوں، نباتات اور حیوانات کی دنیا زندگی کے مبدء و آغاز، انسانی توالد و تناسل، تربیت جنسین، نیز اہم تاریخی واقعات (طوفان نوح، مصر میں بنی اسرائیل کا زمانہ قیام، مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خروج، حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون، اس کی کیفیت و موت وغیرہ) پر علیحدہ علیحدہ بحث ❷ اور طبیعات، فلکیات، علم الحیات، طب اور تاریخ کی جدید تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید اور بائبل کی تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

---

❶ ''دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف الحدیثۃ'' (دار المعارف القاہرہ ص ۱۴۴)

❷ ان مفصل و مستقل مباحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے صفحات از ۱۵۷-۲۷۱۔

''توریت وانجیل کی ان تصریحات کے مقابلہ میں قرآن مجید کی تصریحات، علم وتحقیق کے جدید ترین نتائج سے مطابقت میں بالکل منفرد اور ممتاز ہیں۔'' ❶

وہ اپنی فاضلانہ کتاب کو ان سطروں پر ختم کرتا ہے:

''انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ کثیر التعداد بیانات ودعاوی جو خالص علمی انداز کے ہیں کسی انسان کی تصنیف ہوسکتی ہے، علوم ومعارف کی اس سطح کو سامنے رکھتے ہوئے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا ہر طرح قرینہ انصاف وعقل ہوگا کہ یہ قرآن وحی خداوندی پر مبنی ہے اور اس کو اس لحاظ سے خصوصی مقام دیا جانا چاہیے کہ اس کی صحت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ ایسے علمی نتائج اور مضامین پر مشتمل ہے جن کا عصر حاضر میں پورے طور پر مطالعہ اور ان کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے پھر ان کی صحت ثابت ہوئی۔'' ❷

اسی طرح قرآن مجید پر انسانوں کے وقتی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی رجحانات کا کوئی اثر نہیں اس کا ہدایت نامہ ان مسائل میں بھی ابدی اور دائمی ہے (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۹ ملخصاً)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم یوں فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کے انکشافات

''پیشگی خبروں کے علاوہ قرآن کریم نے بہت سے ایسے علمی اور تاریخی حقائق کی نشاندہی فرمائی ہے جو اس زمانہ میں نہ صرف یہ کہ نامعلوم تھے، بلکہ اس وقت ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کو جمع کر کے اگر ان کی مفصل تفسیر بیان کی جائے تو بلاشبہ ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے یہاں ان سب آیات کا استیعاب تو ممکن نہیں البتہ چند مختصر مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ جس وقت فرعون دریا میں غرق ہونے لگا تو اس نے جان بچانے کے لئے زبانی طور پر ایمان لانے کا اقرار کیا جس کے جواب میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ کُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ o فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً.﴾

(یونس: ۹۱- ۹۲)

''اب (ایمان لاتا ہے)؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فساد مچانے والوں سے تھا پس آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت بن جائے۔''

---

❶ ان مفصل ومستقل مباحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے ص ۴۸۶۔

❷ ''دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف الحدیثۃ

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اور اس کے بعد بھی صدیوں تک کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون کی لاش اب تک صحیح سلامت موجود ہے۔ لیکن اب سے کچھ عرصہ پہلے یہ لاش دریافت ہوئی اور آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

(۲) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.﴾

''ہم نے ایک چیز کے دو جوڑے پیدا کئے ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت عالم تصور یہ تھا کہ نر اور مادہ کے جوڑے صرف انسانوں یا جانوروں میں ہوتے ہیں۔ پھر چند نباتات میں لیکن سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ پرانی حقیقت واضح ہوتی جارہی کہ نر اور مادہ ہر چیز میں موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں ان جوڑوں کا نام نر اور مادہ رکھ لیا جائے۔ کہیں مثبت (Positive) اور منفی (Negative) اور کہیں الیکٹرون اور پروٹان اور کہیں نیوٹرون اور پوزی ٹرون۔ بلکہ ایک آیت میں قرآن کریم نے صراحتاً یہ بھی واضح فرما دیا بہت چیزوں میں جوڑوں کا پایا جانا ابھی لوگوں کو معلوم نہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ.

''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا۔ نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے اور ان چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے۔'' (علوم القرآن صفحہ ۲۷۵-۲۷۶)

اب اس کے بعد مولف کتاب کی فصل ثامن کا مسلسل ترجمہ کرتے ہیں کہ اس کی تمام تفصیل کی بنیاد یہی ہے کہ جو اوپر ان دو اکابر کے علوم سے استفادہ کر کے بیان کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

الفصل التاسع

معجزات القرآن العلمية

أولا وحدة الكون:

أظهر النظريات العلمية الحديثة تقول: إن الأرض كانت جزء ا من المجموعة الشمسية ثم انفصلت عنها وتبردت وأصبحت صالحة لسكنى الإنسان، و يبرهنون على صحة هذه النظرية بوجود البراكين والمواد الملتهبة فى باطن الأرض، وقذف الارض بين حين وحين بهذه الحمم من المواد البركانية الملتهبة...... الخ.

هذه النظرية تتفق مع ما أشار اليه القرآن الكريم فى قوله جل ثناؤه......

﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَاط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ٥﴾ (الانبياء : ٣٠)

يقول الاستاذ (طبارة) هذه معجزة من معجزات القرآن يويدها العلم الحديث الذى قرر ان الكون كان شيئا واحدا متصلا من غاز ثم انقسم الى سدائم، وعالمنا الشمسى كان نتيجة تلك الانقسامات، اما الشطر الثانى من الآية ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ فهو من أبلغ ما جاء فى تقرير حقيقة علمية أدرك العلماء سرها ومعظم العلميات الكيمياوية تحتاج إلى الماء، وهو العنصر الأساسى لاستمرار الحياة لجميع الكائنات والنباتات وللماء خواص أخرى تدل على ان مبدع الكون قد صممه بما يحقق صالح مخلوقاته، والماء يمتص كميات كبيرة من الأوكسجين عند ما تكون درجة حرارته منخفضة، وعند ما يتجمد تنطلق منه كميات كبيرة من الحرارة تساعد الأحياء التى تعيش فى البحار من أسماك وغيرها، فما أعجب حكمة القرآن الذى يبين بكلمات جليلة سر الحياة؟!......

وقد روى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال فى تفسير هذه الآية الكريمة: كانت السماء رتقا لا تنبت، فلما خلق لأرض أهلا، فتق السماء بالمطر، وفتق الأرض بالنبات. ......

أقول: هذا التفسير جميل و حسن ويكون من باب (الاستعارة) وهو الذى ذهب إليه المفسرون القدامى، ولكن لا يمنع أن يكون فى القرآن بعض هذه الروائع العلمية التى كشف عنها العلم الحديث، فالقرآن حمّال وجوه، وليس هناك تحكم فى فهم أسراره، فربما فهم

المتأخرون ما لم يفهمه المتقدمون، والله تعالي يقول: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ فلعل هذه من الآيات التی أطلعهم الله عليها فی القرن العشرين.

ثانيا: نشأة الكون:

يقول العالم الفلكی (جينز) (إن مادة الكون بدأت غازاً منتشرا خلال الفضاء بانتظام، وإن السدائم (المجموعات الفلكية) خلقت من تكاثف هذا الغاز)......

ويقول الدكتور (جامو): (إن الكون فی بدء نشأته كان مملوءاً بغاز موزع توزيعا منتظما ومنه حدثت عمليات)

هذه النظرية نجد لها فی القرآن الكريم ما يويدها— ولو لا أن القرآن أخبر عن ذلك لا ستبعدنا هذه النظرية— يقول تعالي: ﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ (حم السجدة: ١١) فالقرآن صور مصدر خلق هذا الكون (بالدخان) وهو الشئ الذی يفهمه العرب من الأشياء الملموسة. أيكون فی مقدور امی— منذ أربعة عشر قرنا— أن يدرك هذا فی وقت كان الناس لا يعرفون شيئا عن هذا الكون وخفاياه؟!

ثالثا: تقسيم الذرة:

ظل الاعتقاد السائد حتى القرن التاسع عشر أن الذرة هی أصغر، جزء يمكن إن يوجد فی عنصر من العناصر— وأنها غير قابلة للتجزئة لأنها الجزء الذی لا يتجزأ، وقد مضت قرون علی هذا الاعتقاد و منذ عشرات السنين الماضية حول العلماء اهتمامهم الی مشكلة (الذرة) فأمكنهم تجزئتها و تقسيمها، وقد وجدوا أنها تحتوی علی الدقائق الآتية: (ا) البروتون. (٢)النيترون (٣) الالكترون، و بواسطة هذه التجزئة اخترعوا القنبلة الذرية، والقنبلة الهيدرو جينية، و نعوذ بالله من قيام الساعة و من شر ابليس اللعين. إستمع إلی قوله تعالی عند الإخبار عن الذرة ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (يونس: ٦١)

فكلمة (أصغر) من الذرة فی الآية القرآنية تصريح جليی بإمكان تجزئتها، و فی قوله (ولا فی السماء) بيان بأن خواص الذرات فی الأرض هی نفس خواص الذرات الموجودة فی الشمس والنجوم والكواكب. فهل درس محمد خواص الذرة وأمكنه تجزئتها والوقوف علی

خواصها في الأرض والسماء؟ إنها لدليل قوي على أن القرآن وحي إلهي.

لغات: النظريات العلمية الحديثة: جدید علمی نظریات۔ مجموعة الشمسية: نظامِ شمسی۔ براكين: برکان کی جمع آتش فشاں پہاڑ۔ مواد ملتهبه: سلگتا مادہ مراد ہے لاوا۔ حمم: گرم غاز: گیس۔ سدائم: سدیم کی جمع' اجرامِ ساوی کے ٹکڑے۔ صَمَّمَ: بنانا۔ يمتص: چوسنا' جذب کرنا۔ تكاثف: گاڑھا ہونا' گھنا ہونا۔ توزيع: تقسیم کرنا۔ استبعد: دور کا سمجھنا' ناممکن سمجھنا۔ سائد: زبردست۔ القنبلة الذريه: ایٹم بم۔ الذره: ایٹم۔ القنبلة الهيد رو جنية: ہائیڈروجن بم۔ نجم: ستارہ۔ کوکب: سیارہ

ترجمہ: نویں فصل

قرآن کے علمی معجزات

(۱) وحدت کون (وحدت کائنات کا بیان)

علامہ عفیف طبارہ فرماتے ہیں:

''جدید علمی نظریات میں سے سب سے ظاہر (یعنی جدید ترین علمی) نظریہ یہ کہتا ہے کہ ''زمین (اس) مجموعی (نظام) شمسی (یا خود سورج) کا ایک حصہ تھی پھر وہ سورج سے جدا ہوگئی اور ٹھنڈی ہوگئی اور انسانوں کے رہنے کے قابل ہوگئی۔ اور (سائنسدان) اس نظریہ کی صداقت پر زمین کی تہہ میں موجود آتش فشاں (کے جوار بھاٹوں) اور آتش گیر (بھڑکتے ہوئے) مادوں کی موجودگی اور زمین کے وقتاً فوقتاً (ان آتش گیر) سلگتے آتش فشاں لاوے کے اگلنے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔''

اور یہ نظریہ اس بات کے موافق ہے کہ جس کی طرف قرآن کریم نے اس ارشاد باری تعالیٰ جل ثناءہ میں ذکر کیا ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۝﴾ (الانبیاء: ۳۰)

''اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ ❶ بند تھے۔ ہم نے ان کو کھول دیا ❷ اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک شئے جس میں جان ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ وہ جدید (سائنسی) علم اس معجزہ کی تائید کرتا ہے جس نے یہ بات طے کی ہے کہ یہ کائنات (اپنی ابتداء میں) ایک (ہی) شئے تھی جو گیس سے ملی ہوئی تھی۔ پھر یہ کائنات کئی ٹکڑوں (اور اجرام سماوی) میں

---

❶ رتق کا معنی ملانا اور باہم پیوست ہونا ہے۔

❷ فتق کا معنی دو چیزوں کو جدا کرنا ہے۔ (از مولف کتاب)

تقسیم ہوگئی اور ہمارا یہ (نظام) عالم شمسی ان تقسیموں کا نتیجہ ہے۔

اور اس آیت کا دوسرا حصہ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ یہ اس علمی حقیقت کی تقریر سے زیادہ بلیغ ہے کہ جس کے راز کو سائنسدانوں نے جانا ہے چنانچہ کیمیائی عوامل کا ایک بڑا حصہ پانی کا محتاج ہوتا ہے اور پانی پوری کائنات اور نباتات کی حیات کے دوام کا اساسی (اور بنیادی) عنصر ہے۔ اور پانی کے دیگر خواص بھی ہیں کہ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خالق کائنات نے پانی کو (ایسے اجزاء پر مبنی) بنایا ہے کہ جو مخلوقات کے لئے مفید ہیں اور جس وقت پانی کا درجہ حرارت کم (یعنی گرا ہوا) ہوتا ہے تو یہ آکسیجن کی بہت بڑی مقدار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور جس وقت یہ جم جاتا ہے تو اس میں سے حرارت کی ایک بڑی مقدار (نکل کر) پھیلتی ہے کہ جو سمندروں میں زندگی گزارنے والی مخلوقات جیسے مچھلیاں وغیرہ کی زندگی میں مدد دیتی ہے۔ قرآن کی حکمت کس قدر عجیب (اور انوکھی) ہے کہ جو واضح الفاظ کے ساتھ زندگی کے راز کو بیان کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ''آسمان منہ بند تھا (یعنی) بارش نہیں برساتا تھا اور زمین (بھی) منہ بند تھی کہ (کچھ) اگاتی نہیں تھی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں مخلوقات پیدا کیں تو آسمان کو بارش کے ذریعہ کھولا اور زمین کو نباتات کے ذریعہ۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی اچھی اور عمدہ تفسیر ہے اور یہ باب استعارہ میں سے ہے اسی مفہوم کی طرف متقدمین مفسرین گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ممنوع نہیں ہے کہ قرآن میں بعض وہ شاندار علمی باتیں ہوں کہ جن کا جدید (سائنسی) علوم نے انکشاف کیا ہے۔ پس قرآن کئی وجوہ (معانی ومطالب) کا متحمل ہے اور قرآن کے اسرار (ورموز) کے سمجھنے میں یہاں کوئی (زور) زبردستی نہیں ہے۔ بہت دفعہ متاخرین نے وہ بات سمجھی ہے کہ جس کو متقدمین نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حم السجدة: ٥٣)

''اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

شاید یہ بھی انہی نشانیوں میں سے ایک ہو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان (جدید علوم والوں) کو بیسویں صدی میں بتلایا (اور سمجھایا) ہو۔

(۲) تخلیق کائنات

استاد طبارہ فرماتے ہیں:

''علم فلکیات کا عالم جینز کہتا ہے۔'' کائنات کا مادہ ایک منتشر گیس کی شکل میں فضاء میں ایک منظم شکل میں پھیلنا شروع ہوا اور یہ اجرام سماوی (یعنی تمام فلکی اجسام) اسی گیس کے گاڑھے (سیال مادہ کی شکل میں تبدیل) ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔''

ڈاکٹر جاموکہتا ہے:

''یہ کائنات اپنی ابتدائے آفرینش میں گیس سے بھری ہوئی تھی (اور) ایک ترتیب سے پھیل رہی تھی۔ اور اسی سے تمام نظام (اور قسم ہا قسم کی کائناتی وجودی شکلیں) پیدا ہوئیں۔''

ہم قرآن میں وہ بات پاتے ہیں کہ جو اس نظریہ کی تائید کرتی ہے اگر قرآن نے اس کی خبر نہ دی ہوتی تو ہم اس نظریہ کو بہت مستبعد (اور دور کا ناممکن الوجود نظریہ) سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ o﴾ (حم السجدة: ١١)

''پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے ہیں خوشی سے۔'' (تفسیر عثمانی)

پس قرآن نے اس کائنات کی جائے پیدائش کی دھوئیں کے ساتھ تصویر پیش کی ہے اور یہ وہ شئے ہے کہ جس کو عرب چھوئی جانے والی اشیاء میں سے (یعنی محسوس اشیاء میں سے) سمجھتے تھے۔ کیا کسی امی کی (آج سے) چودہ صدیاں پہلے یہ قدرت تھی کہ ان باتوں کا ایسے وقت میں ادراک کر لیتا کہ جب لوگ اس کائنات اور اس کے مخفی رازوں کو نہیں جانتے تھے۔

(۳) ایٹم کی تقسیم

انیسویں صدی (عیسوی) تک یہی زبردست اعتقاد رہا کہ ایٹم (ہی) وہ سب سے چھوٹا جز ہے کہ جس کا کسی عنصر میں پایا جانا ممکن ہے اور یہ کہ وہ ناقابل تجزی (اور ناقابل تقسیم) ہے کیونکہ یہ وہ جز ہے کہ جو تقسیم نہیں ہوتا۔ تحقیق اس نظریہ (و اعتقاد) پر صدیاں بیت گئیں اور گزشتہ دسیوں سالوں سے علماء نے اپنی دلچسپی (اور توجہ) کو ایٹم کے (اس) پیچیدہ مسئلہ کی طرف پھیرا اور انہیں ایٹم کی تقسیم و تجزیہ کرنا ممکن ہوا۔ انہیں نے پایا (اور انہیں معلوم ہوا) کہ ایٹم

ان دقائق (اور مزید باریک ذرات) پر مشتمل ہے (وہ یہ ہیں)

(۱) پروٹان (Proton) (۲) نیوٹران (Newtron) (۳) اور الیکٹرون (Electron)

اسی (تقسیم و) تجزیہ (کی بنا پر اور) اس کے واسطے سے انہوں نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ایجاد کیا۔ اور ہم قیامت کے قائم ہونے اور ابلیس لعین کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

ذرا تو ذرہ کی خبر دیتے ہوئے اس ارشاد خداوندی کو کان لگا کر سن!

﴿وَمَا يَعْزُبُ ❶ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ﴾ (یونس: ٦١)

''اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے کھلی کتاب میں۔'' (تفسیر عثمانی)

چنانچہ آیت قرآنیہ میں لفظ ''اصغر من الذرة'' یہ ایٹم کی تقسیم کے امکان پر نہایت واضح تصریح ہے اور ''وَلَا فِي السَّمَآءِ'' کے ارشاد خداوندی میں اس بات کا بیان ہے کہ زمینی ایٹم (اور ذرات) کے خواص یہ بعینہٖ ہی سورج (چاند) ستاروں اور سیاروں ❷ میں موجود ایٹموں کے خواص ہیں۔ تو کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ذرہ (اور ایٹم) کے خواص کو (کسی سائنسدان اور نظام شمسی کے ماہر عالم سے) پڑھا اور کیا انہیں ایٹم کی تقسیم اور زمین و آسمان میں موجود ان کے خواص کی واقفیت اور اس کی تقسیم (وتجزیہ) ممکن تھا؟

بے شک یہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کی قوی دلیل ہے۔

رابعا: نقص الاوكسجين:

منذ اكتشاف الطيران ظهرت للعلماء بادرة طبيعية وهى نقص الاوكسجين فى طبقات الجو العلياء فكلما حلق الإنسان وارتفع فى أجواء السماء كلما أدركته هذه الظاهرة، وشعر عند ذلك بضيق الصدر و صعوبة التنفس، حتى ليكاد يشعر بالاختناق، ولهذا فإن الطيارين يعطون تعليمات للركاب بأن يستعملوا (الأوكسجين الصناعى) حين تعلوبهم الطائرة مرتفعات عالية تزيد عن ٣٥ خمسة وثلاثين الف قدم. هذه الظاهرة العلمية أشار اليها القرآن الكريم قبل اختراع الطيران و قبل أربعة عشر قرنا. استمع إلى قوله تعالى: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أن يُضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّما يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ﴾

ولقد كان القدماء يفسرون هذا الآية حسب مفاهيمهم التى تتفق مع زمانهم فكانوا يقولون (كأنما يصعد فى السماء) أى كمن يحاول الصعود إلى السماء وهو ليس بمستطيع او كمن

❶ مولف کتاب ''یعزب'' کا معنی غائب ہو جانا اور چھپ جانا بیان کرتے ہیں۔

❷ استاد طبارہ نے لفظ کواکب استعمال کیا ہے، کواکب، علم الفلک میں سورج کے گرد گھومنے والا اور اس سے روشنی حاصل کرنے والا آسمان جرم ہوتا ہے۔ سورج کے قریب ہونے کے مراتب کے لحاظ سے مشہور کواکب یہ ہیں۔ عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورانس، نپٹون اور پلوٹون (القاموس الوحید صفحہ ۱۴۱۷ کالم نمبر ۱)

اسی لئے بندہ نے کواکب کا ترجمہ ''سیاروں'' کے لفظ سے کیا ہے۔ واللہ اعلم (نسیم)

يحاول عمل المستحيل، وقد جاء هذا العصر فأظهر معجزة القرآن، وسجل اتفاقا رائعا للآية القرآنية مع الواقع العلمي فكان تأييدا لصدق نبوة محمد ﷺ، فلله ما أروع هذا القرآن وما أسماه؟!؟

خامسا: الزوجية منبثة فی كل شیء:

كان الناس يعتقدون بأن الزوجية (الذكر والأنثى) منبثة بين النوعين (الإنسان والحيوان) فقط، فجاء العلم الحديث فأثبت انها الزوجية توجد فی النبات كذلك وفی الجماد، وفی كل ذرة من ذرات الكون والوجود، حتى الكهرباء ففيها (الموجب) وفيها (السالب) هذه فيها شحنة كهر بائية موجبة، وتلك فيها شحنة كهر بائية سالبة، وحتى الذرة فيها (البروتون) و (النيترون) وكل منهما يشبه الذكر والأنثى وهذا الاكتشاف سبق اليه القرآن العظيم فی عديد من الآيات الكريمة استمع إلى هذه الروائع البينات......

(الف) ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ فالعموم هناواضح (ومن كل شیء)

(ب) ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْبَتْنَافِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كريم﴾ (الاشارة هنا للنبات)

(ج) ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنَ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

فهذه الآية الكريمة عممت الزوجية فی النبات والإنسان وفی كل شیء مما نعلمه او لا نعلمه فسبحان الإله القدير العليم، الذی أحاط علمه بكل الأكوان وأحصى كل شیء عددا......!

سادسا: أغشية الجنين:

ثبت علميا فی بطن أمه محاط بثلاثة أغشية، وهذه الأغشية لا تظهر إلا بالتشريح الدقيق، وتظهر بالعين المجردة كأنها غشاء واحد، وهذه الأغشية هی التی تسمى (الغشاء المنباری) و (الخوربون) و (اللفائفی) هذا ما أثبته الطب الحديث، وقد جاء القرآن الكريم مؤيدا هذه الحقيقة العلمية، وذلك فی سورة الزمر فی قوله جل وعلا: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِی ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ ففی هذه الآية معجزة علمية للقرآن، فقد أخبر ان الجنين له ثلاثة اغشية أسماها (ظلمات) لأن الغشاء حاجز و حجاب يحجز عنه النور والضياء، وهی فی العلم الحديث ثلاثة أغشية.

سابعًا التلقيح بو اسطة الرياح:

أثبت العلم الحديث أن الهواء ينقل الأعضاء المذكرة إلى المونثة فى النخيل والتين وغيرها من الأشجار المثمرة. فيكون التلقيح بو اسطة الرياح والهواء' وهذه الناحية العلمية تحدث عنها القرآن الكريم فى قوله جل ثناؤ. ﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّماءِ ماءً فأسْقَيْنَا كُمُوهُ ومَا أَنْتُمْ لَهُ بِخازِنينَ﴾ وهذا سبق للقرآن فى الحقائق العلمية الثابتة مما يدل على صدق النبوة.

ثامنا: الحيوان المنوى:

اكتشف الطب الحديث أن هذا السائل من منى الإنسان يحوى حيوانات صغيرة تسمى (الحيوانات المنوية) وهى لا ترى بالعين المجردة' إنما ترى (بالمكر سكوب) وكل حيوان منها له رأس و رقبة وذيل يشبه دودة العلق فى شكلها ورسمها' وأن هذا الحيوان يختلط بالبويضة الأنثوية فيلقحها' فإذا ما تم اللقاح انطبق عنق الرحم فلم يدخل شئ من بعده الى الرحم' وأما بقية الحيوانات فتموت' وهذه الناحية العلمية وهى أن الحيوان المنوى يشبه العلق فى الشكل والرسم فقد أثبتها القرآن' استمع الى قوله جل وعلا: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَo خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo﴾

فهذه الآية معجزة بليغة من معجزات القرآن لم يظهر وقت نزولها ولا بعده بمئات السنين إلى أن اكتشف المجهر المكبر (المكر سكوب) وعرف كيف يتكون الإنسان بقدرة الله.

تاسعا: اختلاف بصمات الإنسان:

فى القرن الماضى سنة ١٨٨٣م استعملت فى انكلترا رسميا طريقة للتعرف على الشخص بواسطة بصمات الأصابع' وأصبحت هذه الطريقة متبعة فى جميع البلاد' ذلك لأن بشرة الأصابع مغطاة بخطوط دقيقة وعلى عدة أنواع (أقواس' عراو' دوامات) وهذه الخطوط لا تتغير مدى الحياة وجميع أعضاء الجسم تتشابه أحيانا ولكن الأصابع لها مميزات خاصة إذ انها لا تتشابه ولا تتقارب وهنا المعجزة الإلهية' فلماذا اختار الله سبحانه بنان الإنسان فى إقامة الدليل على البعث. ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنسانُ الَّنْ نجمَعَ عِظَامَهُo بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى انْ نُسَوِّىَ بَنَانَه﴾

لغات: اكتشاف: دریافت۔ اختناق: گلاگھٹنا۔ الاو كسيجن الصناعى: مصنوعی آکسیجن۔ الطيار: پائلٹ'

کیپٹن۔ قدم: فٹ۔ اختراع: ایجاد۔ صعود: اوپر چڑھنا۔ زوجیت: جوڑا جوڑا ہونا۔ دوصنفوں والا ہونا۔ شحنۃ: بیڑی۔ تار۔ الموجب: مثبت (Positive)۔ السالب: منفی (Negative)۔ اغشیہ: غشاء کی جمع' رحم مادر کی جھلی کہ جس میں بچہ لیٹا ہوتا ہے۔ تلقیح: درختوں کی پیوند کاری' بارآوری' حمل کاری۔ الحیون المنوی: مرد کا نطفہ۔ Mlae semen male sperm مکروسکوب: Microscope خوردبین۔ انکلترا: England برطانیہ۔ صمات الاصبع: Finger Prints انگلیوں کے نشانات۔ اقواس: قوس کی جمع' کمان۔ عراو: عروہ کی جمع' گول کڑا۔ دوامات: دوامہ کی جمع' گول لٹو نما۔ بنان: انگلیوں کے پورے۔

ترجمہ: (۴) آکسیجن کی کمی

استاد طبارہ فرماتے ہیں:

جہازوں کی ایجاد کے بعد سائنسدانوں پر (یہ) بدیہی طبیعی بات ظاہر ہوئی کہ فضا (وخلا) کے بالائی (اور اوپر کے) طبقات میں آکسیجن کی کمی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب جب بھی انسان نے (آسمانی فضاؤں میں) پرواز کی اور آسمانی فضا میں بلندی پر گیا' تب تب اس نے اس بدیہی بات کو محسوس کیا اور وہاں سینہ کی تنگی اور سانس لینے کی دقت کو محسوس کیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ گلا گھٹتا محسوس کرتا۔ اسی لئے پائلٹ (اور جہاز کے کیپٹن) سواریوں کو یہ تعلیم (اور ہدایات) دیتے ہیں کہ وہ مصنوعی آکسیجن کو استعمال کریں جب جہاز انہیں ۳۵ ہزار فٹ سے زائد بلندیوں پر لے جائے۔ یہ وہ بدیہی (اور ظاہر) علمی (حقیقت) ہے کہ جس کی طرف قرآن کریم نے (آج سے) چودہ سو سال پہلے (ان) جہازوں کی ایجاد سے پہلے (ہی) اشارہ کر دیا تھا۔

(ذرا) تو اس ارشاد خداوندی کو (کان لگا کر) سن!

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینے کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے' کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بے نہایت [1] تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق متقدمین مفسرین اس آیت کی تفسیر ان مفاھیم (ومطالب) کے مطابق کرتے تھے کہ جو ان کے زمانہ کے موافق (اور اس دور میں متعارف ومشہور) ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ ''کانما یصعد الی السماء'' (کی تفسیر) میں یہ کہا کرتے تھے۔ ''یعنی جیسے وہ شخص کہ جو آسمان پر چڑھنے کی کوشش کرے جبکہ اس میں اس کی استطاعت نہیں ہے یا اس شخص کی طرح کہ جو ایک ناممکن کام کرنے کی کوشش کرے۔'' پھر یہ (جدید) دور آیا۔ اور اس نے قرآن کا (یہ) معجزہ ظاہر کیا۔ (یعنی قرآن کا یہ معجزہ جواب

---

[1] حرجا کا مطلب مولف کتاب نہایت تنگ سے کرتے ہیں دیکھئے حاشیہ کتاب ہذا صفحہ ۱۳۳۔ (نسیم)

تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا وہ کھل کر سامنے آیا نہ کہ اس معجزہ کی ساخت و پرداخت میں اس دور کا کوئی عمل دخل ہے (نسیم) اور اس نے علمی حقائق کے ساتھ اس قرآنی آیت کے ساتھ نہایت عمدہ (اور شاندار) اتفاق (اور موافقت) بیان کی۔
پس یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے قرآن کا نہایت شان وشوکت والا ہونا اور اس کا بلند مرتبہ ہونا۔

(۵) ہر شئے میں جوڑا جوڑا ہونا پھیلا ہوا ہے

الاستاد طبارہ فرماتے ہیں:
''(پہلے) لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے (اور سمجھتے تھے کہ) زوجیت ہونا (یعنی مذکر اور مونث ہونا) یہ فقط دو نوعوں (یعنی) انسان اور حیوان میں شائع (اور پھیلی ہوئی) ہے پھر جدید (سائنسی) علم (کا دور) آیا جس نے یہ ثابت کیا کہ زوجیت (یعنی مذکر، مونث ہونا) یہ نباتات میں (بھی) پائی جاتی ہے [1] اسی طرح کائنات اور (اشیاء) موجودہ کے ہر ہر ذرہ اور جمادات میں (بھی) یہاں تک کہ بجلی کہ اس میں بھی مثبت (Positive) اور منفی (Negative) ہونا (پایا جاتا ہے) اور (یوں کہا جاتا ہے) ''اس میں مثبت کرنٹ والی بجلی ہے اور اس میں منفی کرنٹ والی بجلی ہے (یا یہ Positive بیٹری ہے اور وہ Negative بیٹری ہے) یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ مثبت تار ہے اور وہ منفی تار ہے۔ (نسیم) حتیٰ کہ ایٹم میں بھی پروٹان اور نیوٹران کی زوجیت ہے ان میں سے ہر ایک مذکر اور مونث کے مشابہ ہے۔ (یعنی جوڑا جوڑا ہیں) اور اس دریافت کی طرف قرآن کریم نے متعدد آیات میں سبقت کی ہے (یعنی اس دریافت کو سب سے پہلے قران کریم نے متعدد آیات میں بیان کیا ہے)''
تو (ذرا ان) شاندار دلائل کو (کان لگا کر) سن (کہ جو قرآن نے بیان کئے ہیں۔
(ا) ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (الذریات: ۴۹)
''اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تا کہ تم دھیان کرو۔'' (تفسیر عثمانی)
اس مقام پر ''ومن کل شیء'' سے (ہر ایک شی میں جوڑا جوتا ہونے کا) عموم واضح ہے۔
(۲) ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ﴾ (الشعراء: ۷)
''کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی خاص چیزیں۔'' (تفسیر عثمانی)
یہاں نباتات کی طرف اشارہ ہے:
﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یسین: ۳۶)

---

[1] اس کے لئے دیکھئے F.Sc اور B.Sc کی بیالوجی زوالوجی اور باٹنی کی پنجاب بورڈ کی نصابی کتب۔ (نسیم)

''پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگتا ہے زمین میں اور خود ان میں سے اور ان چیزوں میں سے کہ جن کی ان کو خبر نہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

پس یہ آیات کریمہ زوجیت (یعنی جوڑا جوڑا ہونے) کو نباتات اور انسان (اور حیوان) اور اس شی میں عام کرتے ہیں کہ جن کو ہم جانتے ہیں یا ہم کو ان کی خبر نہیں۔ پس پاک ہے وہ معبود کہ جو قدیر و علیم ہے جس کے علم نے تمام کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر ایک شئے کو گن کر شمار کر رکھا ہے۔

(٦) جنین ❶ کی جھلیاں (اور پردے)

یہ بات علمی طور پر ثابت ہے کہ بطن مادر میں جنین تین پردوں میں (چھپا اور) گھرا ہوتا ہے اور یہ تینوں پردے صرف خورد بنی ❷ تجزیہ سے ہی ظاہر ہوتے ہیں اور (خوردبین کے بغیر) محض آنکھ سے گویا کہ یہ ایک ہی پردہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تینوں پردے کہ جن کا نام۔

(۱) ممبرین سیل پہلی مادری شکمی دیوار The Maternal Anterior Abdominal Wall

(۲) رحمی دیوار The Vterine Wall

(۳) غلاف جنین، جھلی ❸The Amniochorionic Membrane

اس کو جدید طب نے ثابت کیا ہے اور قرآن کریم اس علمی حقیقت کی تائید کرتا ہوا آیا ہے اور یہ بات سورۂ زمر میں اس ارشاد خداوندی میں ہے:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾

(زمر: ٦)

''بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے تین اندھیروں کے بیچ وہ اللہ ہے رب تمہارا اسی کا راج ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

پس اس آیت میں قرآن کا (ایک) علمی معجزہ ہے چنانچہ قرآن نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جنین کے تین پردے ہوتے ہیں جن کے نام ''ظلمات'' (یعنی اندھیریاں) ہیں۔ کیونکہ یہ پردہ لاکاوٹ اور حجاب ہے کہ جس سے نور اور روشنی حجاب میں رہتی ہے (اور اوٹ میں رہتی ہے کہ جنین پر نہیں پڑتی) اور جدید علم میں یہ تین پردے (کہلاتے) ہیں۔

❶ رحم مادر میں رہنے والا بچہ۔ اصطلاح اطباء میں حمل کا وہ ابتدائی تخم جو آٹھویں ہفتے تک رہتا ہے پھر حمل کہلاتا ہے اور علم الاحیاء میں دانہ میں پیدا ہونے والی پہلی روئیدگی۔ (القاموس الوحید ص ۲۸۹ کالم نمبر ۱)

❷ الاستاد طبارہ نے یہاں تشریح کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا معنی گوشت اور اعضائے انسانی کا طبی معائنہ اور تحقیق ہے اور علم التشریح سے مراد بھی یہی ہے اور التشریح المجہری خوردبینی تجزیہ کو کہتے ہیں۔ بندہ نے کافی غور و غوض کے بعد اسکا ترجمہ خوردبینی تجزیہ سے کیا ہے ممکن ہے کہ صحیح نہ ہو لیکن بظاہر سیاق عبارت سے میل کھاتا ہے۔ (نسیم) (اس کے لئے دیکھیں القاموس الوحید صفحہ ۸۵۳ کالم نمبر ۳۔)

❸ ششماہی مجلہ ''السیرہ العالمی'' شمارہ (۳) جون ۲۰۰۰ ص ۲۱۳

(۷) ہواؤں کے ذریعے (نباتات میں نر اور مادہ میں) بار آوری (اور عمل تولید)

جدید علم نے یہ بات ثابت کی ہے کہ ہوا کھجور اور انجیر وغیرہ پھل دار درختوں کے مذکر ذرات کو (اڑا کر) مونث ذرات کی طرف منتقل کرتی ہے۔ چنانچہ یہ عمل تولید (اور بار آوری) ہواؤں کے ذریعہ ❶ ہوتی ہے اور قرآن کریم اس علمی پہلو (کے بارے میں نقاب کشائی کرتا ہے اور اس) کو اس ارشاد خداوندی جل ثناء میں بیان کرتا ہے۔

﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَسْقَيْنَاكُمُوْهُ وَمَا اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ﴾ (الحجر: ۲۲)

"اور چلائیں ہم نے ہوائیں اوس بھری پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ۔" (تفسیر عثمانی)

اور قرآن کا ان ثابت شدہ علمی حقائق کی طرف پہل کرنا ان باتوں میں سے ہے کہ جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۸) حیوان منوی

جدید طب نے یہ بات دریافت کی ہے کہ انسان کی منی کا سائل مادہ یہ چھوٹے چھوٹے حیوانات پر مشتمل ہے کہ جن کو حیوان منوی کہتے ہیں (اور بیالوجی کی اصطلاح میں سپرم کہتے ہیں) یہ انسانی آنکھ سے نظر نہیں آتے بلکہ مائیکروسکوپ (خورد بین) سے نظر آتے ہیں اور ان میں سے ہر حیوان کا سر، گردن اور نچلا دھڑ ہے کہ جو اپنی شکل و شباہت میں بلڈ سیل (Blood Cell) (واللہ اعلم) سے ملتا جلتا ہوتا ہے پھر یہ حیوان مادہ انڈے کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کو حاملہ (یعنی بار آور) بنا دیتا ہے (اور اس کو بیالوجی کی اصطلاح میں (Zygot) کہتے ہیں) پھر جب یہ عمل بار آوری پورا ہو جاتا ہے تو رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد رحم میں کچھ داخل نہیں ہوتا۔ اور (مادۂ منویہ کے) باقی حیوانات (کہ جن کا اس عمل تولید اور بار آوری میں کوئی عملی کردار نہیں ہوتا) وہ مر جاتے ہیں۔

یہ علمی پہلو کہ (مادۂ و) حیوان منوی شکل و شباہت میں جمے ہوئے خون کے مشابہ ہوتا ہے تحقیق کہ اس کو قرآن کریم نے ثابت کیا ہے۔

(ذرا) اس ارشاد خداوندی کو (کان دھر کر) سن۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَo خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo﴾ (العلق: ۱-۲)

---

❶ آکسفورڈ یونیورسٹی کے پچھلی صدی کے استاد مشہور مستشرق مسٹر اجیری کہتا ہے کہ "اونٹوں والے (یعنی عرب) اس بات کو جانتے تھے کہ ہوائیں درختوں اور پھلوں کی بار آوری کرتی ہیں (اور وہ لوگ یہ بات) اصل یورپ سے تیرہ سو سال پہلے جانتے تھے۔"
مسٹر اجیری اس بات سے یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ قرآن نے اس نظریہ کی طرف پہلے مسابقت کی ہے۔ اور بڑائی وہ ہوتی ہے کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔ (محمد علی الصابونی)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔'' (تفسیر عثمانی)

پس یہ آیت قرآن کے معجزات میں سے ایک بلیغ معجزہ ہے جو نزول قرآن کے وقت اور اس کے بعد کئی صدیوں تک ظاہر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مائیکروسکوپ ایجاد ہوئی۔ اور (پھر) یہ جانا گیا کہ انسان کیسے اللہ کی قدرت سے تخلیق پاتا ہے۔

(۹) انسان (کی انگلیوں) کے نشانات کا اختلاف

گزشتہ صدی ۱۸۸۴ء میں ملک (انگلستان) میں سرکاری طور پر انگلیوں کے نشانات (یعنی فنگر پرنٹس) کے ذریعے آدمیوں کی پہچان کا ایک طریقہ استعمال کیا گیا پھر یہ طریقہ تمام ملکوں میں استعمال کیا جانے لگا وہ اس لئے کہ (انسانی) انگلی کی کھال باریک لکیروں (اور نشانات) سے چھپی ہوتی ہے۔ اور وہ لکیریں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔

(قوس نما) کڑوں اور حلقوں (نما) اور پانی کی لہروں (نما) اور یہ انگلیوں کی لکیریں (اور نشانات) زندگی بھر نہیں (مٹتے اور نہ ہی) بدلتے ہیں اور باقی تمام انسانی اعضاء (باہم) یکساں (اور ہم شکل) ہو جاتے ہیں۔ لیکن انگلیوں کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں کیونکہ وہ نہ ہی باہم یکساں (اور) ہم شکل ہوتی ہیں اور نہ ہی قریب قریب (ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ پس یہ ایک معجزۂ الٰہیہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد جی اٹھنے پر دلیل قائم کرنے کے لئے انسانی انگلیوں کے پوروں کو (دلیل کے طور پر) اختیار کیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗo بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗo﴾ (القیامة: ۳-۴)

''کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی پوریاں۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

مناسب ہے کہ ''ختام المسک'' کے طور پر علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک مضمون مختصر ذکر کر دیا جائے۔

قرآن کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا

(علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں)

''بعض حضرات اس جستجو میں رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے کائنات کے تمام سائنسی اور طبعی مسائل اور حقائق مستنبط کریں۔ اور سائنس کے مسلمات کو قرآن سے ثابت کیا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کریم سے یہ مسائل ثابت نہ ہوئے تو (معاذ اللہ) یہ قرآن کریم کا نقص ہوگا۔ چنانچہ وہ پورے خلوص کے ساتھ قرآن کریم سے سائنسی مسلمات ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کوشش میں وہ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط معنی پہنا دیتے ہیں۔ حالانکہ واقع یہ ہے کہ قرآن کریم کا اصل موضوع سائنس نہیں ہے اگر اس میں کہیں کائنات حقائق کا ذکر

ہے تو ضمنی طور پر آیا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں کوئی سائنٹیفک حقیقت واضح طور پر مل جائے تو اس پر بلا شبہ ایمان رکھنا چاہیے لیکن سائنس کا کوئی مسئلہ پہلے سے ذہن میں رکھ کر قرآن کریم سے اس کو زبردستی نکالنے کی کوشش کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص طب کی کتاب میں قانون کے مسائل تلاش کرنے لگے۔

قرآن کریم نے اپنا موضوع اور مقصد نزولی مبہم نہیں چھوڑا بلکہ بیسیوں آیات میں واضح کر دیا ہے کہ اسے کیوں نازل کیا گیا ہے اس کے بعد علامہ دامت برکاتہم نہایت تفصیل سے قرآنی آیات کو اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

یہ چند مثالیں ہیں اگر صرف انہی پر غور کر لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کا اصل مقصد انسان کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب و تعلیم دینا ہے اور باقی تاریخی واقعات اور آفاقی و کائناتی حقائق اس بنیادی موضوع کی تائید و تقویت کے لئے ہیں۔ لہٰذا اگر اس میں سائنس کا کوئی مشہور مسئلہ نہ ہو تو نہ یہ عیب کی بات ہے اور نہ تعجب کی کیونکہ یہ قرآن کا موضوع ہی نہیں۔ بعض لوگ غیر مسلموں کے اعتراضات سے متاثر ہو کر اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے سائنس وغیرہ کا کوئی نہ کوئی مسئلہ کسی نہ کسی طرح ثابت کیا جائے، یہ دراصل قرآن کی کوئی قابل قدر خدمت نہیں ہے کہ قرآنی الفاظ کو زبردستی توڑ موڑ کر اس سے سائنس کے مسائل نکالے جائیں۔ صحیح یہ ہے کہ قرآن کریم نہ سائنس یا انجینئرنگ کی کتاب ہے۔ اور نہ ہی مادی ترقی حاصل کرنے کے طریقے کا موضوع ہیں۔"

ہماری اس گزارش کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کریم سے سائنس کا کوئی مسئلہ اخذ کرنا علی الاطلاق جرم ہے ہمیں یہ تسلیم ہے کہ قرآن کریم میں ضمنی طور پر بہت سے سائنسی حقائق کا ذکر آیا ہے چنانچہ جہاں کسی آیت سے کوئی واضح سائنٹیفک بات معلوم ہو رہی ہو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس معاملہ میں مندرجہ ذیل غلطیوں سے پرہیز کی جائے۔

(۱) جو مسائل سائنس کے قرآن میں ضمناً مذکور ہیں ان کی بنیاد پر قرآن کو سائنس کی کتاب باور کرنا غلط ہے۔

(۲) کسی جگہ کوئی سائنس کا مسئلہ نامکمل ہو وہاں محض زور زبردستی سے الفاظ کو توڑ مروڑ کر سائنس کی کسی دریافت پر چسپاں کرنا درست نہیں۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ قرآن سے سائنٹیفک مسائل کا استنباط بسا اوقات خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کا منشا غیر مسلموں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ دیکھو جو بات تم نے صدیوں کے بعد معلوم کی ہے وہ قرآن نے پہلے ہی بتلا دی ہے لیکن اگر یہ استنباط اصول تفسیر کو توڑ کر کیا گیا ہے تو یہ قرآن کے ساتھ نادان دوستی کا ثبوت ہوگا۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ [1] (علوم القرآن صفحہ ۳۸۶-۳۹۵ ملخصاً و بتصرف)

---

[1] اس کے لئے دیکھیں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتاب "الانتباہات المفیدہ" اور اس کی حل الانتباہ تنبیہ چہارم جلد ۲ صفحہ ۲۷-۴۶ مطبوعہ دہلی۔

(۷) الوفاء بالوعد:

ومن وجوه الإعجاز فی القرآن الکریم (الوفاء بالوعد) فی کل ما أخبر عنه، و فی کل ما وعد الله سبحانه عباده به، وهذا الوعد ینقسم إلی قسمین:

(الف) وعد مطلق.

(ب) وعد مقید.

فالوعد المطلق، کوعده بنصر رسوله، وإخراج الذین أخرجوه من وطنه، ونصر المومنین علی الکافرین، وقد تحقق ذلک کله إن شئت قوله جل وعلا:
﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○﴾ (الفتح: ۱ - ۳) وقد تحقق هذا النصر بفتح مکة، وبدخول الناس فی الإسلام أفواجا أفواجا، وبذلک تمت النعمة علی سید الأنام محمد ﷺ وأقر الله عینه بنصره علی أعدائه. ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○﴾ (النصر: ۱ - ۳)
وصدق الله وعده بنصرته لأنبیائه وأولیائه ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (الغافر: ۵۱)

ومن الوعد المطلق قوله جل ثناؤه: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○﴾ وقد تحقق نصر المومنین فی مواطن عدیدة (فی بدر، وأحد) وغیرهما من المعارک العظیمة التی شهدها تاریخ الإسلام، إقرأ قوله تعالی ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَّ أَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ وقوله جل و علا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ﴾ تحسونهم: أی تقتلونهم قتلاً ذریعا.

ومن الوعد المطلق قوله سبحانه: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ۵۵) الآیة.

وقد تحقق الوعد فانتصر المومنون حتی فتحوا مشارق الأرض ومغاربها، وسارت جیوشهم حتی بلغت أقاصی المعمورة، وقد کان (أبوبکر) إذا أرسل جیوشه للغزو عرفهم ما وعدهم الله لیتقوا بالصبر ویستیقنوا بالظفر. ومن الوعد المطلق قوله سبحانه: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ○﴾ (الفتح : ۲۸)

أما الوعد المقید فهو ما کان فیه شرط، کشرط التقوی، وشرط الصبر، وشرط نصرة دین

الله وما شابه ذلك . قال تعالیٰ: ﴿إن تنصروا الله ينصر كم ويثبت اقدامكم﴾ وقال تعالى: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب﴾ وقال تعالیٰ: ﴿ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرا﴾ وقد وعد الله المومنين بالنصر بشرط الصبر كما قال تعالى:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ٥﴾ (الانفال: ٦٥)

ترجمہ:

اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ (الٰہی) وعد (وں) کا پورا ہونا

مولف کتاب یہاں سے پھر اعجاز قرآن کی وجوہ کے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک (یہ ہے کہ قرآن نے) جس وعدہ کی بھی خبر دی ہے اس ''وعدہ کا ایفاء'' ہے اور ہر اس بات کا پورا کرنا ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے۔''

یہ وعدہ دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے:

(۱) مطلق وعدہ (۲) مقید وعدہ

(۱) مطلق وعدہ

جیسے اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کی مدد کا وعدہ، اور ان لوگوں کے نکالے جانے کا وعدہ کہ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے وطن (مبارک) سے نکالا اور مومنوں کی کفار کے مقابلے میں مدد کا وعدہ۔ تحقیق یہ سب کے سب کے وعدہ پورے ہوئے۔

اگر تو چاہے تو اس ارشاد خداوندی کو پڑھ۔ [1]

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ٥ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ٥ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ٥﴾ (الفتح: ۱ - ۳)

''ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔'' (تفسیر عثمانی)

---

[1] غالباً یہاں متن کتاب میں کاتب یا مولف موصوف سے سہو ہوا ہے کتاب کی عبارت ''ان شئت قول جل وعلا'' ہے:
اگر یہ عبارت یوں ہوتی ''ان شئت فتقرأ قول جل وعلا'' یا اس جیسا کوئی مرادف المعنی مادہ فعل ہوتا۔ تو زیادہ مناسب ہوتا۔ جیسا کہ خود مولف موصوف ص ۱۳۶ پر یوں عبارت لا رہے ہیں ''اقرأ قوله تعالى''
اہل علم حضرات بنظر امعان شاید بندہ کی اس رائے سے اتفاق کریں۔ (نسیم)

تحقیق یہ نصرت فتح مکہ اور لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے سے پوری ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد کر کے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ (ارشاد باری تعالیٰ)

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا o﴾ (النصر: ۱ - ۳)

''جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی نصرت کا وعدہ سچ کر دکھایا (ارشادِ باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ .... یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (غافر: ۵۱)

''ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔'' (تفسیر عثمانی)

اور مطلق وعدہ کے متعلق اللہ جل ثناءہ کا یہ قول (بھی) ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ o﴾ (الروم: ۴۷)

''اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ایمان والوں کی مدد کئی جگہوں (مثلاً) بدر اور احد اور دوسرے بڑے بڑے عظیم الشان (جنگی) معرکوں میں ظاہر ہوئی جس کی تاریخ اسلام گواہی دیتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول (پڑھ)

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ .﴾ (آل عمران:۱۲۳)

''اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے تا کہ تم احسان مانو۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اس ارشاد خداوندی (کو بھی پڑھ)

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمْ ------- بِاِذْنِهٖ.﴾ (آل عمران: ۱۵۲)

''اور اللہ تو سچا کر چکا اپنا وعدہ تم سے جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے۔'' (تفسیر عثمانی)

مولف کتاب ''تحسونهم'' کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یعنی تم ان کو بے تحاشا قتل کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول (بھی) مطلق وعدہ میں سے ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ.

''وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان کے اگلوں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

بے شک یہ وعدہ پورا ہوا مسلمان نصرت یافتہ ہوئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مشرق ومغرب کو فتح کرلیا۔ ان کے لشکر چلے یہاں تک کہ وہ دور دراز کی آبادیوں تک پہنچے اور (حضرت) ابوبکر (صدیقؓ) جب کسی غزوہ کے لئے اپنے لشکر روانہ فرمایا کرتے تھے تو انہیں بتلاتے کہ اللہ نے ان سے کیا وعدہ کر رکھا ہے تا کہ وہ صبر کے ساتھ تقویٰ اختیار کریں۔ (اور جمے رہیں) اور انہیں (اپنی) کامیابی کا یقین ہو جائے۔

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (الغافر: ۵۱)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد (بھی) وعدہ مطلق میں سے ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ط وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًاO﴾ (الفتح: ۲۸)

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تا کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

مقید وعدہ

یہ وہ وعدہ ہے کہ جس میں کوئی شرط تھی۔ جیسے تقویٰ' صبر اور اللہ کے دین کی نصرت کرنے کی شرط اور اس جیسی اور شرطیں وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ -------- اَقْدَامَكُمْ.﴾ (محمد: ۷)

''اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاO وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۲ - ۳)

''اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کا گزارہ (چھٹکارہ) اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًاO﴾ (الطلاق: ۴)

''اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دے وہ اس کے کام میں آسانی۔'' (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے صبر (اور لڑائی میں جم جانے) کی شرط کے ساتھ ایمان والوں کی نصرت (ومدد) کا وعدہ فرمایا جیسا

کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ ﴾ (الانفال: ٦٥)

''اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

درحقیقت یہ بھی قرآنی پیشین گوئیوں کی ہی ایک قسم ہے کہ جو وعدہ کی صورت میں تھیں۔ علماء کرام نے قرآنی وعدوں کو جمع فرمایا ہے اس کے لئے دیکھیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۰ تا ۳۴۸)

(٨) العلوم والمعارف:

ومن وجوه إعجاز القرآن هذه العلوم والمعارف التى زخر بها القرآن الكريم، والتى بلغت من نصاعة البرهان وقوة الحجة مبلغا يستحيل على محمد- وهو رجل أمي نشأ بين الأميين- ان يأتى بها من عند نفسه، بل يستحيل على أهل الأرض جميعا من أدباء وعلماء، وفلاسفة وحكماء، ومن مشرعين و عباقرة، أن يأتوا بمثل هذه العلوم والمعارف، وفى هذا الوجه من وجوه إعجاز القرآن حجة دامغة، وبرهان ساطع، يقصم ظهر كل أفاك معاند، يزعم أن ما جاء به محمد إن هو إلا (تعاليم الكتب السابقة) استمدها محمد من بعض أهل الكتاب فى عصره ثم نسبها إلى ربه ليستمد من هذه النسبة قد سيتها ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴾ ونحن نقول لهؤلاء العمى: كيف يكون القرآن نسخة عن الكتب السابقة، وقد جاء منكرا على أهلها، مخالفا لأكثرها، بل جاء مبطلا وهادما لأصول أفكارها وعقائدها بسبب ما دخل فيها من تحريف و تبديل؟! كيف يمكن أن تتفق عقيدة (التوحيد) مع عقيدة (التثليث) وبينهما كما بين السماء والأرض؟!ألم يسمعوا الحكم القاطع الجازم فيهم بأنهم كفرة فجرة يعبدون احبارهم و رهبانهم من دون الله؟ ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ، وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ، ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ ○ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اِنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لا اله الا هو سبحانه عما يشركون . ﴾ (التوبة: ٣٠- ٣١)

جاء القرآن بالعلوم المتنوعة، والمعارف المتعددة، فى العقائد، والعبادات والتشريع

والتنظيم' و في الأخلاق والمعاملات' وفي حقول شتى' في التربية' والتعليم' و في السياسة والاقتصاد' و في الفلسفة والاجتماع' وكذلك في القصص والأخبار' و في أصول المناظرة والجدل. ولا شك أن هذا الوجه من أظهر وجوه الإعجاز' فكيف يستطيع رجل أمي' لم يقرأ ولم يكتب ولا نشأ في بلد علم وتشريع' ولا في مدينة ذات حضارة و مدنية أن يأتي بمثل ما في القرآن من هذه العلوم والمعارف تحقيقا وكمالا' مويدا بالحجج والبراهين بعد أن قضى معظم حياته لا يعرف شيئا عنها' ولم ينطق بقاعدة او أصل منها' ولا حكم بفرع من فروعها إلا ان يكون ذلك وحيا من الله تعالى؟!وأحب أن أقتصر هنا على مثل من هذه العلوم المتنوعة العديدة' وهو بحث (العقيدة في القرآن) وأن أقارن بين تعاليم الإسلام' وتعاليم اليهودية والنصرانية على عهد نزوله' ليتبين الصبح لذي عينين' ونظهر ضياء الحق الساطع' ونوره الباهر وكما قيل: (وبضدها تتميز الأشياء)

لغات: نصاعت: صاف' ستھرا ہونا۔ افاك: بہت جھوٹا۔ تشلیث: تین خدا ماننے کا عقیدہ' یعنی ایک خدا میں دو خدا اور حلول کئے ہوئے ہیں۔ حقول: حقل کی جمع' کھیلا میدان۔

ترجمہ:

آٹھواں اعجاز (قرآن کے) علوم ومعارف

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کی وجوہ اعجاز میں سے ایک وہ علوم ومعارف ہیں کہ جن کو قرآن نے اپنے اندر سمویا ہوا ہے اور جو دلیل کی (پاکیزگی و) صفائی اور حجت کی قوت میں اس مقدار تک پہنچے ہوئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے آدمی کا ان کو اپنی طرف سے لے آنا ناممکن تھا' جو خود بھی امی تھے اور انہوں نے پرورش بھی امیوں میں پائی۔ بلکہ روئے زمین کے تمام ادباء' علماء' حکماء اور فلاسفہ سے اور قانون دانوں (اور قانون سازوں) اور (خداداد صلاحیتوں کے مالک) عبقری انسانوں سے ایسے علوم ومعارف کی مثل لانا ناممکن ہے۔ قرآن کی وجوہ اعجاز میں سے ایسی وجہ اعجاز میں ایک ناقابل تردید دلیل اور روشن حجت ہے جو ہر جھوٹے (گمراہ) اور جان بوجھ کر حق کو ٹھکرانے والے کی کمر توڑ کر رکھ دیتی ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو (قرآن) لے کر آئے ہیں وہ کچھ نہیں مگر کتب سابقہ کی تعلیمات سے ہیں۔ کہ جن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زمانے کے بعض اہل کتاب سے حاصل کیا پھر ان کی نسبت اپنے رب کی طرف کردی تاکہ ان کی تقدیس (وتنزیہہ) حاصل کرے۔ نہیں ہرگز نہیں۔''

(ذرا اس ارشاد خداوندی کو سن)

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ (الکھف: ۵)

''کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

ہم ان اندھوں سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن گزشتہ (آسمانی) کتابوں سے کیسے ماخوذ ہوسکتا ہے جبکہ وہ خود اہل کتاب کا منکر بن کر آیا ہے اور ان اکثر کتابوں کے مخالف (بھی) ہے۔ بلکہ قرآن تو ان کتابوں کے عقائد وافکار کو ان میں داخل ہو جانے والی تحریف وتبدیلی کی وجہ سے باطل قرار دینے والا (اور ان محرف عقائد وافکار کو) مٹانے والا (اور بیخ کنی کرنے والا) بن کر آیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عقیدہ توحید' عقیدۂ تثلیث کے موافق (ومطابق) ہو۔ جبکہ ان کے درمیان (اتنی دوری ہے کہ) جتنی زمین وآسمان میں ہے؟

کیا یہ (اہل کتاب قرآن کے اس) قطعی اور پختہ حکم کو اپنے بارے میں نہیں سنتے کہ یہ لوگ کافر اور نافرمان ہیں اپنے علماء اور درویشیوں (پیشواؤں) کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں؟ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ○ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لا اله الا هو سبحانه عما يشركون.﴾ (التوبۃ: ۳۰-۳۱)

''اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی۔ اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔'' (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم' عقائد وعبادات اور تشریع وتنظیم میں اور اخلاق ومعاملات میں اور تربیت وتعلیم کے اور سیاست واقتصاد کے اور فلسفۂ واجتماع کے متعدد میدانوں میں کئی قسم کے علوم اور متعدد معارف لے کر آیا۔ اور اسی طرح قصوں اور (غیب کی) خبروں میں مناظرہ وجدل کے اصولوں میں (بھی کئی طرح کے علوم ومعارف اور حقائق لے کر آیا) بے شک یہ قرآن کی سب سے ظاہر او (اور واضح) وجہ اعجاز ہے۔ تو ایک امی شخص کے لئے یہ کیسے ممکن ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اور نہ ہی اس نے کسی علم وتشریع (کے چرچوں والے) یا کسی تہذیب وتمدن والے شہر میں پرورش پائی ہو' کہ وہ قرآن میں موجود ان علوم ومعارف کی تحقیق و کمال اور دلائل وبراہین کی تائید کے ساتھ' مثل لائے (اور وہ بھی) اس بات کے بعد اس نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ (جو کہ چالیس سال ہے) گزار دیا ہو (اور) وہ ان (علوم ومعارف میں) سے کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ اور نہ کبھی ان کا کوئی قاعدہ اور اصل (بیان کی ہو) اور نہ ہی ان (علوم ومعارف) کی فروعات میں سے کسی فرع کا حکم بیان کیا ہو۔ مگر یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو؟

میں چاہتا ہوں کہ یہاں متنوع (و) متعدد علوم میں سے ایک ہی مثال دینے پر (اقتصار کروں اور وہ ''قرآن میں عقیدہ'' کی بحث ہے اور میں نزول قرآن کے وقت تعلیمات اسلامیہ اور یہود ونصاریٰ کی تعلیمات کے درمیان (اس عقیدہ کی بابت) موازنہ کروں۔ تاکہ آنکھوں والے کے سامنے صبح (کے نور کا سپیدہ ظاہر اور) روشن ہو جائے۔ اور ہم حق کی چمکتی (دمکتی نگاہ کفر کو خیرہ کرتی) روشنی اور اس کے (نگاہ کو) چکاچوند کر دینے والے نور کو ظاہر کر دیں۔

اور جیسا کہ (مشہور) مقولہ ہے:

''اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔''

قرآنی علوم

توضیح

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس عنوان کے تحت یوں لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کے مختصر جملوں میں وہ وسیع علوم سمٹے ہوئے ہیں کہ جن سے ہر دور اور ہر زمانہ میں راہ نمائی لی جا سکتی ہے۔ ۱۴۰۰ سال گزر جانے پر بھی اس کے علوم پرانے نہیں ہوئے۔ اس عرصہ میں زندگی نے کتنے پلٹے کھائے اور کیسے کیسے عظیم انقلابات رونما ہوئے لیکن قران کریم سدابہار ہے اور رہے گا۔ قرآن کریم نے چند مختصر جملوں میں سیاست و جہانبانی کے وہ اصول بیان کر دیئے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک انسانیت کی راہ نمائی کریں گے۔ قرآن نے معاشیات وعمرانیات کے موضوع پر وہ جامع ہدایات دے دیں ہیں کہ دنیا کے علوم سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔'' (علوم القرآن صفحہ ۲۹۵ بتصرف)

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ یوں رقمطراز ہیں:

''قرآن حکیم میں ان علوم کلیہ وجزئیہ کو جمع کر دیا گیا ہے جو اہل عرب کے یہاں معروف ومروج نہ تھے۔ بالکل آپؐ تو ان سے قطعی ناآشنا تھے۔ یعنی علوم شرعیہ کے دلائل عقلیہ پر تنبیہ' سوانح اور مواعظ' احوال آخرت' اخلاق حسنہ اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ علوم یا تو دینی ہوتے ہیں یا دوسرے اور مرتبہ کے لحاظ سے دینی علوم کا اعلیٰ وارفع ہونا ظاہر ہے۔ جن کا مصداق علوم عقائد ہیں یا علوم اعمال وعقائد ودین کا حاصل' اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور یوم آخرت کی پہچان اور شناخت ہے قرآن اب سب کے دلائل اور تفصیلات وتفریعات پر اس طرح مشتمل ہے کہ کوئی دوسری کتاب سماوی اس کی نظیر نہیں۔ بلکہ وہ ان کے قریب بھی نہیں پہنچتی۔ قرآن کریم تمام علوم نقلیہ کا جامع ہے۔'' [1] (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ ملخصاً وبتصرف)

---

[1] علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں قرآن کریم کی تمام اقسام کے عقلی دلائل اور ان سے مستنبط ہونے والے علوم کو جمع کیا ہے۔ (از علامہ تقی عثمانی'' بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)

علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن کا (ایک معجزہ اس کے وہ بے پایاں علوم و معارف اور حقائق و اسرار ہیں۔ جو اس کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جن میں سے ہر ایک' ایک مستقل معجزہ ہے انسان کا علم جتنا ترقی کرے گا۔ اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اٹھتے جائیں گے' قرآن کا جمال اس کو بے نقاب نظر آئے گا''۔

درحقیقت انسانی فہم کا ظرف تنگ ہے اور قرآن کی وسعتوں کا متحمل نہیں اس لئے جو کچھ حصہ میں آئے غنیمت ہے۔

ان معجزات میں اعجاز کے کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو قرآنی حقائق کی ابدیت اور قطعیت ہے یہ ابدیت اور قطعیت حقیقت میں علم الٰہی اور کتب الٰہیہ کا خاصہ ہے۔ تغییر اور اشتباہ انسانی علم اور انسانی معلومات کے لوازم میں سے چونکہ قرآن پورے طور پر محفوظ ہے اس لئے اس کے حقائق کی ابدیت اور قطعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ (مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۵۲-۵۳ ملخصاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل کتاب

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''بعض یورپی مصنفین کا کہنا ہے کہ آپؐ نے پچھلی امتوں کے واقعات (معاذ اللہ) یہود و نصاریٰ سے سنے تھے۔ اور اس سلسلے میں خاص طور پر بحیرہ راہب اور نسطورا راہب کے نام لئے جاتے ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ان سے آپ ﷺ کی ملاقات کا قصہ مذکور ہے اور بعض مغربی مصنفین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ راہب آریوسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جو توحید کا قائل تھا۔ انہی راہبوں سے آپؐ نے (معاذ اللہ) توحید کا تصور اخذ کیا۔ اور ان سے پچھلی کتابوں کا علم حاصل کیا اور انہی سے پچھلی امتوں کے واقعات سیکھے۔

لیکن اگر انصاف و دیانت دنیا سے بالکل اٹھ ہی نہ گئی ہو تو ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ سفر شام کے دوران اس مختصر سی ملاقات میں ان راہبوں نے اپنے سینے کی تمام معلومات آپؐ کے سامنے انڈیل دی ہوگی۔ اور آپؐ نے ان کو راتوں رات جذب کر کے ایک انقلاب آفریں دین کی بنیاد ڈال دی ہوگی۔ یہ دعویٰ کئی لحاظ سے بے بنیاد اور بلا دلیل ہے۔

(۱) کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ان راہبوں کا تعلق آریوسی فرقہ سے تھا جبکہ اس فرقہ کو تو چوتھی صدی عیسوی میں ہی بدعتی اور ملحد (Heretic) قرار دے کر ان کا نام لینا بھی قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا تھا۔

(۲) دوسرے جن روایتون میں ان راہبوں سے ملاقات کا ذکر ہے ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ ملاقات نہایت مختصر سرسری اور ضمنی تھی کہ جس میں تعلیم و تعلم کی گنجائش ممکن نہ تھی۔ تعجب ان لوگوں پر ہے کہ جو ان مضحکہ خیز باتوں پر تو ایمان لاتے ہیں مگر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے۔ اگر بحیرہ راہب سے ملاقات کی روایات کو مفصل پڑھا جائے تو خورد بین لگا کر بھی اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ آپؐ نے اس راہب سے کچھ واقعات سیکھے ہوں گے۔

(۳) پھر یہ کہ یہ ملاقات مختصر تھی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک بھی اس وقت بارہ تیرہ سال تھی۔ کیا یہ بات کوئی صحیح العقل آدمی تسلیم کرسکتا ہے کہ اس کم سنی میں چند گھنٹوں کی ملاقات میں پچھلی امتوں کا ایسا گہرا علم آپؐ کو عطا کر دیا گیا ہو کہ آپؐ اہل کتاب کو چیلنج کر کے ان کی کتابوں میں تحریف ثابت کریں اور ان کی غلطیاں واضح کریں؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ایسا بے تکا اعتراض ہے کہ جس کو آپؐ کے کٹر مخالف نے بھی اپنی زبان سے نکالنا پسند نہ کیا۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۷ ملخصاً)

العقيدة الإسلامة:

جاء القرآن بعقيدة سمحة صافية' بيضاء نقية' في ذات الله تبارك و تعالى' و في حق رسله الكرام' فالله رب العالمين واحد أحد' فرد صمد' ليس له والد ولا ولد' له جميع صفات الكمال' و منزه عن جميع صفات النقص: (لا ذاته تشبهها الذوات: ولا حكت صفاته الصفات) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ج وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُo﴾ وهو جل وعلا قيوم' لا تأخذه سنة ولا نوم ولا يشغله شأن عن شأن ﴿لَهُ مَا فِيْ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَرى﴾..... هو الخالق المتفرد بالخلق والايجاد' وبيده ناصية العباد' يضل من يشاء ويهدى من يشاء' وهو على كل شئ قدير' الكل خلقه والجميع عبيده ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًاo﴾ إقرأ إن شئت هذه الآيات الرائعة في صفات الله عزوجل:

(۱) ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَواحدٌo رَبَ السَّمٰوَاتِ والْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقْ.﴾ (الصفات: ٤-٥)

(۲) ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰه الذى لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلّ شيء عِلْمًا.﴾ (طه: ۹۸)

(۳) ﴿قُلْ ادعو اللّٰه اُو ادْعوا الرَّحْمٰنِ اَيًّا مَا تَدْعُوْ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى' وَلَا تَجْهَر بِصَلَاتِكَ وَلا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذُوَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِيْ الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيّ منَ الذلَ وَ كِبْرَهُ تكْبِيْرًاo﴾ (الاسراء: ۱۱۰-۱۱۱)

(۴) ﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَراءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰه هوَ الْغَنِىُ الْحَمِيْدo اِنْ يَّشَاءُ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدo وَمَا ذٰلِكَ عَلى اللّٰه بِعَزِيزٍ﴾ (الفاطر: ۱۵-۱۷)

وضل اليهود بعد موسى فعبدوا بَعلا' وزعموا أن لله ابنا هو العزير وشبهوا الله بالإنسان فزعموا انه تعب من خلق السموات والأرض فاستراح يوم السبت واستلقى على قفاه' وركبوا رؤوسهم فقالوا إنه- جل وعلا- ظهر فى صورة إنسان وصارع اسرائيل فلم يستطع أن يغلبه

ولم يتخلص منه الرب حتى باركه وذريته فأطلقه عند ذلك يعقوب، وادعوا انهم الشعب المختار من بين الشعوب، وأنهم ابناء الله وأحباؤه، وأن الدار الآخرة خالصة لهم من دون الناس، وان النار لن تمسهم إلا أياما معدودة، هی مدة عبادتهم العجل أربعين يوما، كما افتروا على السيد المسيح (عيسى) فزعموا أنه ابن زنی، وأن أمه زانية، وأنهم صلبوه ليطهروا بنی اسرائيل من هذه الجريمة الشنيعة. كل هذا و أمثاله كثير من اباطيل واضاليل اليهود، جاء القرآن هادما لها، و حربا عليها، فكيف يزعمون أن القرآن نسخة عن التوراة؟

العقيدة النصرانية:

وضل النصارى فزعموا ان لله ولدا، وذهبوا الى عقيدة معقدة من الايمان بالتثليث (الآب، والابن، وروح القدس) وسموها بالأقانيم، فعيسى هو (الاقنوم) الثانی من الثالوث الإلهی الذی هو عين الأول والثالث، وكل منهما عين الآخر، الثالثة واحد، والواحد ثلاثة، وخلعوا على رجال كهنوتهم ما هو حق لله وحده من التشريع والتحليل والتحريم، وزعموا أن (ابن الإله) صلب ليخلص الإنسان من خطيئته ويطهره من أوزاره، والأعجب من هذا أن كثيرين منهم يعتقدون بأن (عيسى بن مريم) هو الله نزل الى الأرض بصورة بشر، إلى غير ذلك من الأباطيل والمخازی التی نسبوها إلى الله تعالى. ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾

فانظر مدى البون الشاسع بين الحق الذی جاء به القرآن، و بين الباطل الذی جاء به هو لاء وهو لاء على أن القرآن الكريم لم يكتف بسرد هذه الأباطيل والإخبار بها عن تحريف أهل الكتاب، بل رد على أولئك ببراهينه الساطعة، وأدلته القاطعة، استمع إليه وهو يقول عن أهل الكتاب (النصارى)

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ و كلمته القاها الیٰ مريم و روح منه، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ، وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ، انْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ، لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًاo لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًاo﴾ (النساء: ١٧١ - ١٧٣)

واستمع اليه وهو يتكلم عن أهل الكتاب (اليهود) فيقول: ﴿فِيْمَا نَقْضِهِم مِّيْثَاقِهِمْ، وكُفرهم بآياتِ اللّٰهِ، و قَتلهم الْاَنْبِيَاء بِغَيْرِ حَقٍّ وَ قَوْلِهِم قُلُوبنا غُلْفٌ، بَلْ طبع اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًاo وَ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلُهُمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًاo وَ قَوْلِهِم اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا قَتَلُوْهُ وما صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوا فِيْهِ لَفِىْ شك مِنْهُ، مَا لَهُمْ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعُ الظَّنِّ، وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo﴾ (النساء: ١٥٥- ١٥٨)

ولقد صرح القرآن بالتحريف الذى وقع عند أهل الكتاب فى (التوراة والانجيل) و بين ان مهمة الرسول إنما هى فى تصحيح ما ارتكبه أهل الكتاب من الكذب والبهتان، وفى كشف ما أخفوه من آيات الله فى التوراة والانجيل.

﴿يٰاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْجَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌo يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo﴾ (المائدة: ١٥- ١٦)

فهل بعد هذا البرهان من حجة أوضح على صدق سيد المرسلين و يرحم الله (البوصيرى) حيث يقول:

كفاك بالعلم فى الأمى معجزة   فى الجاهلية والتأديب فى اليتم

لغات: شنیع: قابل نفرت، بھیانک، برا، گھناؤنا، قبیح۔ اقانیم: اقنوم کی جمع، شخص، اصل، عیسائیوں کے نزدیک تین اقانیم ہیں۔ اب (باپ) ابن (بیٹا) روح القدس (فرشتہ)۔ کَهَنُوت: مذہبی پیشوائی۔ مذہبی منصب، تشریع کا نصب۔ خَلَعَ: عطا کیا۔ دیا۔ مخازی: رسوائیاں۔

ترجمہ:

اسلام کا عقیدہ (توحید)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات (بابرکات) اور اس کے انبیاء کرام (علیہم السلام) کے بارے میں ایک فراخ، صاف، روشن اور خالص عقیدہ لے کر آیا ہے۔ چنانچہ (قرآن کریم کے عقیدہ توحید کے مطابق) اللہ رب العالمین، اکیلا، یکتا، تنہا (اور) بے نیاز ہے اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا۔ تمام صفات کمالیہ اس کے لئے ثابت ہیں۔ اور وہ عیب کی تمام صفات سے پاک (اور بری) ہے نہ اس کی ذات (دوسری) ذاتوں کے مشابہ ہے اور نہ (ہی) اس کی صفات (کسی کے) صفات کے مشابہ ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ج وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُo﴾ (الشورى: ١١)

''نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور وہ ذات بڑی اور بلند ہے' سب کو تھامنے والی' اس کو نیند اور اونگھ نہیں پکڑ سکتی (اور) ایک شان اس کو دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿لَهٗ مَا فِيْ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ (طه: ٦)

''اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے۔'' (تفسیر عثمانی)

تمام مخلوقات کو پیدا کرنے اور (عدم سے) وجود میں لانے میں وہ اکیلا (تنہا بلا شرکت غیرے کے) خالق ہے اور تمام بندوں کی پیشانیاں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ جس کو چاہے بھٹکائے' جس کو چاہے سیدھی راہ پر ڈالے وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے سب کچھ اس کی مخلوق ہے اور سب کے سب اس کے غلام ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (مریم: ٩٣)

''کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔'' (تفسیر عثمانی)

اگر تو چاہے تو ان عظیم الشان آیات کو اللہ عزوجل کی صفات کے بارے میں پڑھ۔

(١) ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ.﴾ (الصفات: ٤-٥)

''بے شک حاکم تم سب کا ایک ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور رب مشرقوں کا۔'' (تفسیر عثمانی)

(٢) ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الذى لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شىء عِلْمًا.﴾ (طه: ٩٨)

''تمہارا معبود ❶ تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ سب چیز سما گئی ہے اس کے علم میں۔'' (تفسیر عثمانی)

(٣) ﴿قُلِ ادعو اللّٰهَ اَوِ ادْعوا الرَّحْمٰنِ اَيًّا مَا تَدْعُوْ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، وَلَا تَجْهَر بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝﴾ (الاسراء: ١١٠-١١١)

''کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ۔ اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔'' (تفسیر عثمانی)

❶ قرآن میں یہ آیت ''ان ربکم اللہ'' کے الفاظ سے نہیں بلکہ ''انما الھکم وللہ'' کے الفاظ سے آتی ہے۔ (نسیم)

(۴) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ٥ إِنْ يَّشَاءُ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ٥ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ (الفاطر: ۱۵ - ۱۷)

''اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا۔ اگر چاہے تم کو لے جائے اور لے آئے ایک نئی خلقت اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

یہودی عقیدہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور یہود (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد گمراہ ہو گئے پس انہوں نے بعل (بت کی) عبادت شروع کی اور یہ گمان باندھا کہ اللہ کا ایک بیٹا ہے جو عزیر (علیہ السلام) ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کو انسان کے مشابہ قرار دیا۔ اور یہ باطل خیال گھڑ لیا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کی آفرینش سے تھک گیا۔ پھر اس نے ہفتہ کے دن آرام کیا۔ اور گدی کے بل چت لیٹ گیا (اور تھوڑی دیر آرام کیا) اور ان کے سرداروں نے یہ بات تراشی اور کہنے لگے۔ ''اللہ تعالیٰ انسان کی شکل میں ظاہر ہوا اور اس نے اسرائیل سے کشتی لڑی پس وہ اس پر غالب نہ آسکا اور رب اس سے رہائی نہ پا سکا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل اور اس کی ذریت کو برکت دی تب اس وقت یعقوب نے انہیں چھوڑا۔ (معاذ اللہ نسیم)

انہیں اس بات کا ادعا (اور دعویٰ) تھا کہ وہ اقوام (عالم) میں (سب سے) پسندیدہ قوم ہیں اور وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اور دار آخرت خالص انہی کا ہے نا کہ دوسروں کا اور یہ کہ (جہنم کی) ان کو آگ چند دن ہی چھوئے گی اور یہ ان کے بچھڑے کو پوجنے کی مدت (کے بقدر) ہے کہ جو چالیس دن ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت سید مسیح عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھا اور یہ باطل گمان کیا کہ وہ (نعوذ باللہ) زنا کی اولاد ہیں۔ اور (نعوذ باللہ) ان کی ماں زانیہ ہے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھا دیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو اس گھناؤنے جرم (کے گناہ کی نحوست سے) پاک کریں۔

یہ سب کچھ اور اس کی اور دوسری بہت سی مثالیں (یہ) یہود کی باطل اور گمراہ کن باتوں میں سے ہیں۔ قرآن ان سب کو ختم کرتا ہوا (برباد کرتا ہوا اور ڈھاتا ہوا) اور اس کے خلاف چلتا ہوا آیا ہے پس یہ یہود کیسے یہ گمان کرتے ہیں کہ قرآن تورات سے ماخوذ ہے۔

عیسائی عقیدہ

اور نصاریٰ یعنی (عیسائی بھی) بھی گمراہ ہوئے۔ انہوں نے (بھی) یہ (جھوٹا) گمان باندھا کہ اللہ کا بیٹا ہے اور وہ تثلیث پر ایمان کے الجھے ہوئے عقیدہ کی طرف گئے۔ (تثلیث سے مراد باپ روح القدس اور بیٹا ہیں) اور ان تینوں کا نام انہوں نے

اقانیم رکھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ تین خداؤں ❶ کے مجموعہ میں سے دوسرا ہے جو اول اور ثالث کا عین ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے۔ (لہٰذا) تین ایک ہیں اور ایک تین ہے اور انہوں نے اپنی مذہبی علماء (پوپ اور پادریوں) کو تشریع اور تحلیل و تحریم کا وہ منصب عطا کیا کہ جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور یہ عقیدہ تراشا کہ اللہ کا بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ) سولی چڑھ گئے تا کہ وہ انسان کو اس کے گناہوں (کی سزا) سے چھٹکارہ دیں اور انہیں ان کے گناہوں سے پاک کریں۔ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثروں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) ہی اللہ ہیں کہ جو زمین پر انسانی صورت میں اتر آئے۔ اور ان کے دوسرے کئی باطل (اور گمراہ کن اور) رسوا کن نظریات ہیں کہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❷ ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ (الاسراء: ۴۳)

''وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت۔'' (تفسیر عثمانی)

ذرا تو اس حق کہ جس کو قرآن لے کر آیا ہے اور اس باطل کہ جس کو یہ یہود و نصاریٰ لے کر آئے ہیں کے درمیان زمین و آسمان کے فرق (اور ان کے درمیان انتہائی دوری) کو دیکھ مزید یہ کہ قرآن کریم نے (فقط) ان گمراہ کن نظریات کے لانے اور ان کے بارے میں اہل کتاب کی تحریف کی خبر دینے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کا روشن دلائل اور نا قابل تردید دلیلوں سے رد بھی کیا تو (ذرا) قرآن کریم کو کان لگا کر سن وہ اہل کتاب نصاریٰ کے بارے میں (کیا) کہہ رہا ہے............ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يَاۤ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ و كلمته القاها الى مريم و روح منه فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝﴾ (النساء: ۱۷۱ - ۱۷۳)

''اے کتاب والو! مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات، بے شک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو۔ بہتر ہوگا تمہارے واسطے بے شک اللہ معبود ہے

❶ ثالوث: یہ نصاریٰ کے نزدیک تین خداؤں کے مجموعہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے نزدیک اقانیم ثلاثہ کا ایک رمز ہے۔ (دیکھئے القاموس الوحید صفحہ ۲۲۰ کالم ۱-۲)

❷ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے سبحنه و تعلى عما يقولون علوا كبيرا. (نسیم)

اکیلا اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں ہے کہ ہو وہ بندہ اللہ کا۔ اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں اور جس کو عار آئے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا اپنے پاس ان سب کو اکٹھا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور سن قرآن کریم کو وہ اہل کتاب (یہود) کے بارے میں (کیا کہہ رہا ہے۔)

قرآن کہتا ہے:

﴿فِيمَا نَقْضِهِم مِيثَاقِهِم، وكُفرِهم بآياتِ اللّٰهِ، و قَتْلِهم الْانبِيَاء بغَيْر حَقٍّ وَ قَوْلِهم قُلُوبنا غُلْفٌ، بَلْ طبع اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِيلًاo وَ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًاo وَ قَوْلِهم اِنَّا قَتَلْنا الْمَسِيْحَ عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَم رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوا فِيْهِ لَفِيْ شك مِنْهُ، مَا لَهُمْ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ، وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo﴾ (النساء: ۱۵۵ - ۱۵۸)

''ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں مگر اللہ نے مہر کر دی ان کے دل پر کفر کی سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور انہوں نے اس کو نہ مارا اور نہ سولی پر چڑھایا و لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔ اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں۔ اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔'' (تفسیر عثمانی)

بے شک قرآن نے واشگاف لفظوں میں وہ تحریف بتلائی کہ جو تورات اور انجیل میں اہل کتاب کے ہاں ہوئی۔ اور اس بات کو بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ اس جھوٹ اور بہتان کی تصحیح (اور بیخ کنی) ہے کہ جس کا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے ارتکاب کیا اور توریت اور انجیل کے ان احکامات الٰہیہ کو کھول کر بیان کرنا ہے کہ جن کو یہود و نصاریٰ نے (اپنی قوموں سے) چھپایا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتَابَ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌo يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo﴾ (المائدۃ: ۱۵ - ۱۶)

''اے کتاب والو! تحقیق تمہارے پاس آیا ہے رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے۔ بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور

کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں۔ اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ۔'' (تفسیر عثمانی)

کیا اس دلیل کے بعد سید المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت) کی صداقت پر کوئی اس سے (بھی) زیادہ واضح (اور روشن) دلیل ہے؟

اللہ رحم فرمائے۔ بوصیریؔ پر کہ اس نے (کیا ہی خوب) کہا ہے:

کـفـاك بـالعلم فی الأمی مـعجزة فـی الـجـاهـلية و الـتـأديـب فـی الـيتم

''تیرے لئے یہی معجزہ کافی ہے کہ (دور) جاہلیت میں ایک امی میں علم کا ہونا اور (ایک یتیم میں یتیمی میں (اخلاق و آداب تہذیب و) تادیب کا ہونا۔''

توضیح

''عیسائیت اور یہودیت'' مولف کتاب نے ایک نہایت طویل موضوع کو چھیڑا ہے اور اس کو بہت ہی مختصر بیان کر کے ساتھ ہی اس موضوع کو ختم بھی کر دیا ہے۔ بندہ کی علمی بساط اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اس پر کچھ لکھ سکے البتہ طالبان علوم قرآن اگر مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں تو ان کے لئے نہایت مفید ہوگا کہ ان کتابوں میں ان دونوں باطل مذاہب پر ہمہ جہتی روشنی اور ان کی اباطیل و اکاذیب کی پوری پوری نقاب کشائی کی ہے۔

(۱) بائبل سے قرآن تک ۳ جلد کامل (مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ)

(۲) عیسائیت کیا ہے؟ (مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم)

(۳) تحریف بائبل بزبان بائبل (مولانا عبداللطیف مسعودؒ صاحب ڈسکہ)

(۴) مقدمہ تفسیر فتح المنان (المعروف تفسیر حقانی) مولانا عبدالحق حقانیؒ صاحب

(۵) فری مسنیری ایک خفیہ یہودی تنظیم (جناب بشرالدین صاحب اسلام آباد)

(۶) یہودیت اور اس کا تعارف (جناب یوسف صاحب)

وفاؤه بحاجات البشر:

وهذا الوجه من وجوه الإعجاز ظاهر جلي، يدركه كل متأمل في شريعة الإسلام، فقد جاء القرآن الكريم بهدايات تامة كاملة، شاملة واسعة، تفي بحاجات البشر في كل زمان و مكان و يتجلى ذلك اذا استعرضت المقاصد النبيلة التي رمى إليها القرآن في هدايته وارشاده وهي بإيجاز: (۱) اصلاح الافراد (۲) اصلاح المجتمعات (۳) إصلاح العقائد (۴) إصلاح العبادات (۵) إصلاح الاخلاق (۶) إصلاح الحكم والسياسة (۷) اصلاح الشؤون المالية (۸) اصلاح

الشؤون الحربية (٩) اصلاح الثقافة العلمية (١٠) تحرير العقول والأفكار من الخرافات. ولقد احسن من قال:

شــريــعة الــلــه لــلإنســان تبيــان وكــل شــئ ســوى الـقــرآن خســران

(١٠) تأثير القرآن فى القلوب:

ومن وجوه إعجاز القرآن ذلك التأثير البالغ الذى أحدثه فى قلوب أتباعه وأعدائه، حتى لقد بلغ من شدة التأثير ان المشركين أنفسهم كانوا يخرجون فى جنح الليل يستمعون إلى تلاوة القرآن من المسلمين، وحتى تواصوا فيما بينهم الا يستمعوا الى القرآن، وان يرفعوا أصواتهم بالضجيج حينما يتلوه محمد لئلا يؤمن به الناس.

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ و الْغَوا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ.﴾ (فصلت:٢٦)

ولقد بلغ من تأثير القرآن فى القلوب ان يفئ الى ظلاله أشد الناس عداوة له وأعظمهم عنادا، فيسلم كثير من هولاء الزعماء، وعلى رأسهم (عمر بن الخطاب) و (سعد بن معاذ) و (أسيد بن حضير) وغيرهم من القادة والرؤساء، هذا هو عمر بن الخطاب الذى يبلغ من شدة قسوته على المسلمين أن يقول فيه احدهم (والله لن يسلم حتى يسلم حمار الخطاب) والذى يبلغ من شـدة عدائه ان يتقلد سيفه بالظهيرة ثم يخرج ليفتش عن محمد ﷺ ليقتله ثم لا يأتى المساء إلا وقد رجع معتنقا للإسلام بسبب بضع آيات سمعها فى بيت اخته من (سعيد بن زيد) و القصة مـشهورة وتأمل كيف أسلم (سعد بن معاذ) سيد قبيلة (الخزرج) هو وابن أخيه (أسيد بن حضير) تروى كتب السيرة ان رسول الله ﷺ حين كان فى مكة جاء ہ وفد المدينة الذين بايعوه بيعة العقبة فأرسل معهم مبعوثين جليلين يعلمانهم الإسلام والقرآن وهما (مصعب بن عمير) و (عبدالله بن أم مكتوم)، فلما وصلا المدينة أخذا يعلمان الناس القرآن، فبلغ ذلك (سعد بن معاذ) سيد القبيلة فقال لا بن اخيه (أسيد بن حضير) ألا تذهب إلى هذين الرجلين، اللذين جاء ايسفهان ضعفاء نا فتنها هما و تزجرهما عن هذا الضيع؟ فسار إليهما (أسيد) فلما انتهى إليهما قال لهما: ما جاء بكما جئتما تسفهان ضعفاء نا؟ ثم توعدهما وهددهما فقال: اعتزلا إن كانت لكما فى أنفسكما حاجة؟ فقال له (مصعب) رضى الله عنه: أو تجلس فتسمع؟ فإن رضيت أمرا قبلته وإن كرهته كففنا عنك ما تكره فجلس أسيد وجعل مصعب يقرأ وهو يسمع، فما انتهى من مجلسه حتى أسلم، ثم كر راجعا إلى سعد فقال له، والله ما رأيت بالرجلين

بأسا' وأخفى أمامه إسلامه' فغضب (سعد) وقام بنفسه ثائرا مهتاجا' فقال لهما: ما جاء بكما أجئتما تسفهان ضعفاء نا؟ اعتزلانا' فقال له مصعب: أو تجلس فتسمع فإن رضيت أمرا قبلته منا وإن كرهته كففنا عنك ما تكره' فقال أنصفتما' فجعل مصعب يتلو القرآن عليه وسعد يستمع' يقول (مصعب) والله لقد كان وجه سعد يشرق بالإيمان وهو يستمع القرآن فما انتهى مصعب من القراء ة حتى أعلن سيد الأوس إيمانه' ثم كر راجعا فجمع قبليته وقال لهم: كيف تعدونني فيكم؟ قالوا: سيدنا وابن سيدنا' فقال لهم سعد: كلام رجالكم ونساء كم علي حرام حتى تسلموا بمحمد' فدخلوا جميعا فی الإسلام...... رضی الله عن سعد وأرضاه!!

هكذا كان تأثير القرآن فی قلوب الأولياء والأعداء' ولا تنس قصة (الوليد بن المغيرة) و (عتبة بن ربيعة) وغيرهما ممن تأثروا بالقرآن' ولولا حب الزعامة' ولولا حب الجاه والسلطان لدخلوا جميعا فی دين الله' ولكن الهداية بيد الله ﴿يَضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ﴿وَهُوَ أعلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾

ذكر صاحب تفسير المنار أن فيلسوفا من فلا سفة فرنسا ألف كتابا رد فيه ما زعمه دعاة النصرانية من أن محمدا ﷺ لم يأت بمثل آيات (موسى و عيسى) عليهما السلام' ولم يكن له من الآيات الخوارق ما كان لمن قبله فقال ذلك الفيلسوف: إن محمدا كان يقرأ القرآن خاشعا مولها مدلها' صادعا و متضرعا فيفعل فی جذب القلوب إلى الإيمان به فوق ما كانت تفعله جميع آيات الأنبياء السابقين انظر تفسير المنار.

وذكر الرافعی' كلمة قيمة فی كتابه (إعجاز القرآن) هذه الكلمة نقلها عن الامير شكيب ارسلان: أن (لوثير) و (كلفين) المصلحين المعروفين فی التاريخ المسيحی' ذكرا مرة امام (فولتير) فيلسوف فرنسا فقال: إنهما لا يليقان حذائين لنعال محمدﷺ.

(١١) سلامته من التناقض:

وأخيرا فإن من وجوه الإعجاز فی القرآن االكريم سلامته من التناقض والتعارض خلافا لجميع كلام البشر وصدق الله حيث يقول ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.﴾ هذه بعض وجوه الإعجاز فی القرآن وهناك وجوه أخرى ضربنا عنها صفحا خشية التطويل' ولا يزال الزمن يكشف عن أسرار إعجاز القرآن' فكلما تقدم الزمن تجلت نواح من نواحی إعجازه' وقام البرهان القاطع أنه تنزيل الحكيم الحميد' ومع ذلك فإن هذه الأسرار التی

ذكرها العلماء إن هي إلا قطرة من بحر علوم القرآن، ومهما اتسع القول وعظم البيان، فإن كلام الله تعالى لا يحيط به أحد، كما لا يحيط أحد بعظمة ذاته، وجليل صفاته!!

ترجمہ:

قرآن کریم کا نواں اعجاز ''حاجات بشریہ کو پورا کرنا''

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''وجوہ اعجاز میں سے (قرآن کی) یہ وجہ اعجاز (بالکل) ظاہر (اور) واضح (روشن) ہے۔

جس کو ہر غور کرنے والا (قرآن کی پیش کردہ) شریعت اسلام میں پا سکتا ہے۔ تحقیق کہ قرآن کریم ایسی ہدایات کو لایا ہے کہ جو کامل ومکمل اور (جملہ ضروریات کو) شامل اور وسیع ہیں جو ہر زمانے اور ہر جگہ میں بشری حاجات کو پورا کرتی ہیں۔ اور یہ بات روشن ہو کر سامنے آئے گی کہ جب تو ان شاندار مقاصد میں بحث کرے گا جن کو قرآن نے اپنی ہدایت وارشاد میں موضوع مقصد بنایا ہے۔

ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) فرد کی صلاح (۲) معاشرہ کی اصلاح (۳) عقائد کی اصلاح (۴) عبادات کی اصلاح (۵) اخلاق کی اصلاح (۶) حکومت وسیاست کی اصلاح (۷) مالی معاملات کی اصلاح (۸) جنگی معاملات کی اصلاح (۹) علمی ثقافت (علمی تعلیم و تربیت) کی اصلاح (۱۰) عقلوں اور افکار کو (طرح طرح کی) خرافات سے آزاد کرنا۔ (وغیرہ وغیرہ) اور کسی نے کیا (ہی) خوب کہا ہے ۔

شريعة الله للإنسان تبيان ... وكل شيء سوى القرآن خسران ❶

''اللہ کی شریعت انسان کے لئے (ایک واضح اور) روشن (راستہ) ہے اور قرآن کے سوا ہر چیز (میں) خسارہ (ہی خسارہ) ہے۔''

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس موضوع پر اپنے خاص انداز میں اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''قرآن مجید میں بے شمار وہ علوم ہیں کہ جن کی طرف بندوں کو سخت حاجت ہے کہ جن کے بغیر نصاب رسالت تمام ہو ہی نہیں سکتا۔ ان میں سے یہ پانچ علم کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) علم المخاصمہ

یعنی گمراہوں کے عقائد باطلہ کا رد۔

---

❶ یہ شعر ''الاستاذ والید الاعظمی'' کے قصیدہ سے لیا گیا ہے۔

(۲) علم التذکیر بالاء اللہ

یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کا بیان' زمین وآسمان اور رات دن میں جو کچھ عجائب مخلوقات ہیں کہ جو اس کی ذات وصفات کے ثبوت کے لئے آیات بینات اور علامات ہیں' ان کا ذکر' ان چیزوں کا بیان کہ جو خدا تعالیٰ نے بندوں کو الہام کی ہیں جو ان کی دنیا وآخرت میں کارآمد اور مناسب ہیں۔ تدبیر منزل و سیاست مدن وتہذیب اخلاق کو بھی نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

(۳) علم التذکیر بایام اللہ

یعنی ان واقعات اور حوادث کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعام الٰہی مذکور ہوں اور نافرمان اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں پیش آئے گا اس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) علم التذکیر بالموت و ما بعدہ

یعنی انسان کے فنا ہونے کی کیفیت اور فنا ہونے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر گزرے گا۔ اس کا بیان۔ اسی طرح اس عالم کی فنا اور علامات قیامت کا ذکر کہ جن میں نزول مسیح دابۃ الارض کا نکلنا یا جوج ماجوج کا زمین پر زور پکڑنا نفخ صور اور اس عالم کی بیخ و بنیاد کا گرایا جانا۔ وغیرہ وغیرہ کہ ان کو قرآن نے نئے نئے اسلوب سے مختلف سورتوں میں ذکر کیا کہ جس کو سن کر انسان کے دل پر عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت ظہور کرتی ہے اور دنیا و مافیہا نظروں میں سرد اور گرد معلوم ہوتی ہے یہ بھی قرآن مجید کا خاص معجزہ ہے کہ ان مضامین کو گزشتہ کتابوں میں ناقص بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں نہایت عمدہ طور پر بیان ہے۔

(۵) علم الاحکام

یعنی بندوں کے لئے دنیا وآخرت میں جو امور ضروریہ اور نافع ہیں ان کو فرض واجب اور مستحب بنایا اور جو چیزیں مضر ہیں ان کے ضرر کے لحاظ سے (انہیں) حرام مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی قرار دیا۔ جو چیزیں اشد ضروری ہیں ان کو فرض اس سے کم کو واجب اور ان سے کم کو مستحب بنایا۔ اسی طرح جس کا سخت ضرر انسان کے دنیاوی معاملات پر یا روح پر پہنچتا ہے تو اس کو حرام پھر اس سے کم کو مکروہ تحریمی اور اس سے کم کو مکروہ تنزیہی اور جو مساوی الطرفین ہونا مضر ہونا' نافع اس کو مباح بنایا۔ پس ان مجموعہ احکام کا نام شریعت ہے جس کو پادری لوگ شریعت اخلاق اور باطنی احکام اور اصل شریعت کہتے ہیں۔ پر ان احکام کی دو قسمیں ہیں۔ بعض کا تعلق اعضاء سے ہے اور بعض کا دل سے ان کو نظری کہتے ہیں۔ کہ جن کی تفصیل علم العقائد میں ہے اور اول الذکر کو عملی کہتے ہیں۔ احکام عملیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور جہاد اور کلمہ شہادت وغیرہ اور دوسری قسم کا تعلق بندوں سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) شخصی احوال واخلاق کو "تہذیب الاخلاق" کہتے ہیں۔ جیسے چوری نہ کرنا' جھوٹ نہ بولنا' کسی کو نہ ستانا۔ وغیرہ

(ب) اور اگر ان احکام کا تعلق ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے ہے تو اس کو ''تدبیر منزل'' کہتے ہیں۔ جیسے باپ بیٹے سے کس طرح برتاؤ کرے خاوند بیوی سے کیا معاملہ کرے وغیرہ۔

(ج) اور اگر ان احکام کو شہر یا ملک سے علاقہ ہو تو اس کو سیاست ملک کہتے ہیں۔ جیسے چوروں اور قزاقوں اور امن وامان میں خلل انداز ہونے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ پس حکمت عملی وحکمت نظری بتمام وکمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارت ظاہریہ و باطنیہ حدود وقصاص' میراث وطلاق کی بابت کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور نجس طبعی تھیں ان کی حرمت اور جو چیزیں پاک اور ستھری تھیں ان کی حلت بیان کر دی۔ (تفسیر حقانی جلد ا مقدمہ از صفحہ ۱۲۳ تا ص ۱۳۸ ملخصا وتبصرف)

لغات: الضجیج: غل غپاڑہ۔ یفی: پناہ لینا۔ معتنق: گلے لگانے والا۔ یفتش: تلاش کرنا۔ مُوَلّه: فریفتہ' محبت میں گرفتار۔ مُدله: وارفتہ' سرشار۔ صادع: بلند آواز سے پڑھنے والا' کہنے والا۔

ترجمہ: قرآن کریم کا دسواں اعجاز قرآن کی دلوں میں تاثیر

مولف کتاب فرماتے ہیں:

''قرآن کی وجوہ اعجاز میں سے ایک وہ بلیغ تاثیر ہے کہ جو قرآن نے اپنوں اور پرائیوں (دوستوں اور دشمنوں' فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں سب سے کے دلوں میں پیدا کی۔ یہاں تک کہ قرآن کی شدت تاثیر یہاں تک جا پہنچی کہ خود مشرکین رات کے اندھیروں میں (لوگوں سے چھپ چھپا کر) نکلتے (اور) مسلمانوں کی تلاوت قرآن کو سنتے۔ اور یہاں تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو فہمائش کرتے تھے کہ یہ قرآن نہ سنو اور جس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پڑھ رہے ہوں اس وقت غل غپاڑہ کر کے اپنی آوازوں کو بلند کر دیا کرو تا کہ (کہیں) لوگ ایمان نہ لے آئیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ و الغَوا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ.﴾ (فصلت: ٢٦)

''اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق قرآن کریم کی تاثیر دلوں میں یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں میں اس کے سخت ترین دشمن اور اس کے سب سے بڑے معانداس کے سائے تلے لوٹ آئے۔ ان سرداروں میں سے بہت سارے ایمان لے آئے۔ ان میں سرفہرست (جن کا نام آتا ہے وہ یہ ہیں) حضرت عمر بن خطاب' حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم جو (عرب کے) قائدین اور (ان کے) سرداروں میں سے تھے۔ یہ عمر بن خطابؓ ہیں جو مسلمانوں پر سختی کی شدت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ ان

کے بارے میں وہ لوگ کہتے تھے۔ ''خدا کی قسم عمر ہرگز نہ ایمان لائیں گے حتیٰ کہ ان کا گدھا ایمان لے آئے (لیکن وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں گے) یہ وہ عمر بن خطابؓ ہیں جو اپنی عداوت کی شدت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ دوپہر کو اپنی تلوار لٹکاتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلتے ہیں تاکہ انہیں قتل کر دیں۔ پھر (یہ کیا ماجرا ہوا کہ ابھی) شام نہیں پڑتی کہ وہ اپنی بہن کے گھر سے حضرت سعید بن زیدؓ سے چند آیات قرآنیہ سننے کی وجہ سے (مذہب) اسلام کو اختیار کرتے ہوئے لوٹ رہے ہیں۔ اور (ان کے اسلام لانے کا) قصہ مشہور ہے۔ اور تو (ذرا) سوچ کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور ان کا بھتیجا حضرت اسید بن حضیر کیسے اسلام لائے۔ کتب سیرت میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو ان کے مدینہ کے ان لوگوں کا وفد آیا جنہوں نے بیعت عقبہ کی تھی۔ پھر آپؐ نے ان کے ساتھ دو جلیل القدر (صحابہؓ) بھیجے جو انہیں اسلام اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور عبداللہ ابن ام مکتومؓ ہیں۔ جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا شروع کی۔ یہ بات قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ تک پہنچ گئی۔ تو اس پر انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت اسید بن حضرؓ سے کہا کہ اگر تو ان دونوں شخصوں کی طرف چلا جاتا کہ جو ہمارے کمزور لوگوں کو غلط ٹھہرا رہے ہیں تو ان کو روک آتا اور انہیں اس فضول کام پر ڈانٹ آتا۔ (اور انہیں دھمکا آتا) چنانچہ حضرت اسیدؓ ان کے پاس گئے جب وہ ان دونوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان دونوں حضرات سے کہا ''تم کس کام آئے ہو، تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے آئے ہو؟ پھر انہوں نے ان کو ڈرایا اور دھمکایا اور کہا: ''اگر تمہیں کوئی اپنا کام ہو تو ہم سے الگ ہو جاؤ؟'' تو اس پر حضرت مصعبؓ نے ان سے فرمایا: ''کیا آپ ہمارے پاس بیٹھتے نہیں کہ (ہماری بات اور قرآن کی تعلیم کو ذرا) سن لیں؟ پس اگر آپ کو یہ بات پسند آئے تو اس کو قبول کر لیں اور اگر آپ کو یہ بات ناپسند ہو تو ہم آپ سے اس ناگواری کو دور کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت اسیدؓ بیٹھ گئے اور حضرت مصعبؓ نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور وہ (توجہ سے) سنتے رہے۔ پس وہ اپنی مجلس پوری نہیں کر چکے تھے کہ اسلام لے آئے۔ پھر وہ حضرت سعد بن معاذؓ کی طرف (انہی قدموں) لوٹ آئے اور ان سے کہا ''خدا کی قسم میں نے ان دونوں شخصوں میں کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ اور ان کے سامنے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ تو اس پر حضرت سعدؓ ناراض ہو گئے اور غصے سے بھڑکتے ہوئے مشتعل ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (اور ان کے پاس گئے) اور ان سے کہا ''تم دونوں کس کام آئے ہو؟ کیا تم ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنانے آئے ہو۔ تم دونوں ہم سے دور ہو جاؤ۔ تو اس پر حضرت مصعبؓ نے ان سے کہا ''کیا آپ ہمارے پاس نہیں بیٹھتے کہ (ہماری دعوت اور قرآن کی تعلیم کو ذرا) سن لیں؟ پس اگر آپ کو یہ بات پسند آئی تو اس کو ہم سے قبول کر لیں اور اگر آپ کو ناپسند ہو تو ہم آپ سے اس ناگوار بات کو دور کر دیں گے۔

تو اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا ''تم دونوں نے انصاف کی بات کہی۔ پس حضرت مصعبؓ نے ان پر قرآن پڑھنا شروع کیا اور سعدؓ سنتے رہے۔ حضرت مصعبؓ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! سعد کا چہرہ ایمان (کی روشنی) سے چمکنے لگا جب وہ قرآن سن رہے تھے۔ اور حضرت مصعبؓ نے اپنی تلاوت ختم نہیں کی حتیٰ کہ اوس (قبیلہ) کے سردار نے اپنے ایمان کا (بانگ دھل) اعلان کر دیا۔ پھر وہ انہی قدموں لوٹ آئے اور (آ کر) اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ اور ان سے پوچھا تم مجھے اپنے درمیان کیسا سمجھتے

ہو؟ وہ کہنے لگے ''(تم) ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے (ہو)'' تو اس پر حضرت سعدؓ نے انہیں کہا ''تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں کا بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لاؤ۔ چنانچہ وہ سب کے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سعدؓ سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔!!![1]

دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں اس قرآن کریم کی یونہی تاثیر تھی۔ اور ولید بن مغیرہ اور عقبہ بن ربیعہ وغیرہ کہ جو قرآن سے متاثر ہوئے (اگرچہ ایمان نہ لائے) تو ان لوگوں کے قصے نہ بھول۔ اور اگر سرداری کی محبت، اور حب جاہ اور حکومت کی محبت نہ ہوتی تو یہ سب لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جاتے۔ مگر (بات یہ ہے کہ) ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ (النحل: ۹۳)

''راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (النحل: ۱۲۵)

''اور وہی بہتر جانتا ہے ان کو جو راہ پر ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) صاحب تفسیر منار نے ذکر کیا ہے:

''فرانسیسی فلسفیوں میں سے ایک فلسفی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے عیسائی پادریوں کے اس (جھوٹے) گمان کا رد کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت موسیٰ وعیسیٰ (علیہما السلام) جیسی آیات لے کر نہیں آئے۔ اور آپؐ کو اپنے سے انبیاء کی طرح خارق عادت نشانیاں (اور معجزہ) عطا نہیں ہوئے۔ وہ فلسفی کہتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو خشوع، گرویدگی (وارفتگی) بلند آواز اور تضرع (وزاری) سے پڑھتے تھے۔ اور آپؐ لوگوں کے دلوں کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے کھینچنے میں تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ کرتے تھے۔'' (اس کے لئے دیکھئے تفسیر منار)

علامہ رافعیؒ نے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں ایک قیمتی بات ذکر کی ہے۔ اور انہوں نے یہ بات (علامہ) امیر شکیب ارسلان سے نقل کی ہے (وہ بات یہ ہے)

''لوثیر'' اور ''کلفین'' کہ جو مسیحی تاریخ کے مشہور مصلحین ہیں ان کا ایک دفعہ ''فولیتر'' فرانسیسی فلسفی کے سامنے ذکر کیا گیا تو اس نے کہا ''یہ دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوتیوں کے (بھی) لائق نہیں ہیں۔

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے یہ واقعہ حکایات صحابہ صفحہ ۱۰۱ پر ذکر کیا ہے۔ (نسیم)

توضیح

اس عنوان کے تحت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ لکھتے ہیں:

''قرآن میں وہ خشیت اور ہیبت ہے کہ جو اس کے سننے والوں کے دلوں پر طاری ہوتی ہے اور یہ کیفیت ان لوگوں پر بھی طاری ہوتی ہے کہ جو اس کے معانی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پہلی مرتبہ قرآن سننے کے بعد ایمان لے آتے ہیں۔ اور بعض لوگ اگرچہ اس وقت مشرف با اسلام نہ ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد اس کی کشش نے اسلام کا طوق اطاعت ان کی گردنوں میں ڈال ہی دیا۔''

اس بارے شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کا قرآن سنانا اور اس کا سن کر شدید متاثر ہو کر ایمان لے آنا مشہور قصہ ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی تفسیر میں علامہ علی القوشجی کے ایک یہودی عالم کے ساتھ ایک ماہ تک برابر مناظرہ کا ذکر کیا ہے مگر اس یہودی نے ان کی کوئی دلیل تسلیم نہ کی۔ اتفاق سے ایک روز وہ علی الصباح قاضی صاحب کے گھر آیا اور اس وقت قاضی صاحب قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اگرچہ قاضی صاحب کی آواز بڑی بھونڈی اور کریہہ تھی مگر اس کو سن کر وہ یہودی اس قدر متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔ علامہ نے اس سے ایمان لانے کا سبب دریافت کیا تو کہا ''میں نے پوری زندگی میں آپ سے زیادہ مکروہ اور بھونڈی آواز کسی کی نہیں سنی۔ اس کے باوجود دروازے پر جیسے ہی میرے کانوں میں قرآن کے الفاظ پڑے میرے قلب کو اس نے شدت تاثیر سے (متاثر کر لیا۔ اور) مسخر لیا۔ مجھ کو اس کے وحی ہونے کا یقین ہو گیا۔

آخر میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں ''ان واقعات سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم معجزہ ہے کیوں نہ ہو کہ جب اس کے الفاظ فصیح ہیں، اس کی ترتیب و تالیف عمدہ ہے اور اس کے مضامین پاکیزہ ہیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۵۵-۳۵۷ ملخصاً)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''قرآن نے اس قوم پر کیا اثر ڈالا جس نے اسے نو بنو اور تازہ بہ تازہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ اس سوال کا جواب تاریخ ان درخشاں واقعات میں سے ہے جس کا اعتراف دوست دشمن ہر ایک کو کرنا پڑا ہے دنیا نے جب سے جنم لیا، آسمان نے جب سے سایہ ڈالا زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولادِ آدم کو اٹھا لیا۔ کبھی ایسا عظیم، ایسا سریع، ایسا محیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں دیکھا ہو گا۔ جیسا بے نظیر انقلاب عرب کی حالت میں بلا واسطہ اور سارے ربع مسکون کی روحانی حالت میں بالواسطہ اس بے مثال خدا کے اتارے ہوئے بے مثال قرآن کی بے مثال تعلیم سے برپا ہوا اور رونما ہوا۔

صاحب آیات بینات لکھتا ہے ''قرآن حکیم ایک ایسے زمانے میں اترا جب کہ دنیا ایک عجیب سکتے کی حالت میں تھی۔ اور آپؐ ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں روحانی تعلیم کا کوئی سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی تعلیم آپؐ کے ذمہ کی گئی کہ جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق اور جنگ جوئی کے کسی

قسم کی اخلاقی ..... نہ رکھتے تھے۔ مگر آپؐ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب وغریب تاثیر کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ اور برسوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے وہ ایمان لائے۔ جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے۔ جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھلانے لگے۔ جاہلانہ عصبیت اور وحشیانہ حمیت کا ان میں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ نخوت وغرور سے خالی ہو گئے۔ اور ان کے دل صبر و توکل، حلم و بردباری، زہد و پرہیز گار اور جمیع اخلاق وصفات سے بھر گئے۔ آپؐ کی تعلیم وہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرۂ عرب میں گونج رہی تھی وہ بند ہو گئی۔ اور اس کے بدلے ایک بے چوں و چگوں اور بے شبہ و بے نموں کی منادی پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا رستہ لیا۔ بت خانوں کے نشان مٹ گئے۔ آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور درخشانِ نبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت میں سچے رسول اور خدا ہی طرف سے موید تھے۔ (اور یہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے)۔ (اعجاز القرآن ص ۷۷۔ ۷۸ ملخصاً)

ترجمہ: قرآن کی گیارہویں وجہ اعجاز (مضامین قرآن کا) تناقض سے سلامت ہونا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور آخر میں (ہم یہ کہتے ہیں کہ) قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک اس کا تناقض اور تعارض سے سلامت ہونا ہے، بخلاف تمام انسانی کلاموں کے۔ اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.﴾ (النساء : ۸۲)

''اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ قرآن پاک کی بعض وجوہ اعجاز ہیں اس کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز ہیں کہ جن سے ہم نے تطویل کے خوف سے منہ پھیر لیا۔ اور زمانہ قرآن کے اعجاز کے اسرار سے پردے اٹھاتا ہی رہے گا۔ پس جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے (اور آگے بڑھتا جائے گا) اس کے اعجاز کے پہلوؤں میں سے (طرح طرح کے) پہلو روشن (اور ظاہر) ہوتے رہیں گے۔ اور قرآن کے (اللہ جو کہ) ستودہ صفات (اور) حکمت والا ہے، کا اتارا ہوا (کلام) ہونے پر قطعی دلیل قائم ہوتی رہے گی۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ بات (بھی) ہے کہ (قرآن کریم کے) یہ اسرار (و رموز) کہ جن کو علماء نے بیان کیا ہے یہ کچھ نہیں ہیں مگر علوم قرآنی کے سمندر کا ایک قطرہ۔ اور جب جب بھی بات پھیلتی جائے گی اور بیان بڑھتا جائے گا تو کلام اللہ تعالیٰ کا کوئی (بھی) احاطہ نہ کر سکے گا۔ جس طرح کہ کوئی اس کی ذات کی عظمت اور اس کی صفات کی جلالت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

توضیح

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اس موضوع کی ان الفاظ کے ساتھ وضاحت فرماتے ہیں:

''قرآن کریم اتنی بڑی کتاب ہونے اور مختلف النوع علوم کا مجموعہ ہونے کے باوجود یہ کمال خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کے مضامین اور مطالب اور بیانات میں نہ کوئی اختلاف وتضاد ہے نہ تباین وتفاوت' اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو لازماً اس کے بیان اور آیات میں تناقض اور تعارض ہوتا۔ اتنی بڑی اور طویل کتاب اس قسم کی کمزوری سے خالی نہیں ہوسکتی ہے لیکن چونکہ قرآن میں اس تفاوت واختلاف کا کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے اس لئے ہم کو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا جزم ویقین ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اس قسم کی بلاغت اور اسلوب عجیب اور غیبی امور کی اطلاع' مختلف النوع علوم پر حاوی ہونا اور باوجود اتنی بڑی کتاب ہونے کے اختلاف تناقض سے پاک ہونا۔ ایسی خصوصیت والا کلام ایسی ذات سے صادر ہوسکتا ہے جس کا علم اس قدر ہمہ گیر اور محیط ہو کہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب اور باہر نہ ہو۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ۲۵۲-۳۵۳ ملخصاً)

دفع شبهة القول بالصرفة:

وإذ قد انتهينا من وجوه إعجاز القرآن الكريم نرى لزاماً علينا أن ندفع تلك الشبهة التى ذهب إليها بعض المعتزلة و بعض الشيعة وهى (شبهة القول بالصرفة) وخلاصتها: أن الله عزوجل صرف العرب عن معارضته على حين أنه لم يتجاوز فى بلاغته المستوى الذى يعجز عنه البشرة ولولا أن الله صرف هممهم عن معارضته لا ستطاعوا أن يأتوا بمثله..... الخ. فأنت ترى أصحاب هذا القول يذهبون إلى ان القرآن ليس معجزاً وإنما كان إعجازه بسبب أمرين:

الاول: الصارف الإلهى الذى زهدهم فى المعارضة' فكسلوا و قعدوا'

الثانى: العارض المفاجىء الذى عطل مواهبهم البيانية وقدرتهم البلاغية.

وهذا القول- بشقيه باطل' لا يثبت أمام البحث' ولا يتفق مع الواقع وذلك لعدة أسباب:

أولا: لو كان هذا القول صحيحا لكان الإعجاز فى (الصرفة) لا فى القرآن نفسه و هذا باطل بالإجماع.

ثانيا: لو صح القول بالصرفة لكان ذلك (تعجيزا) لا (إعجازا) لأنه حينئذ يشبه ما لو قطعنا لسان إنسان ثم كلفناه بعد ذلك بالكلام' فهذا ليس من باب العجز و إنما هو من باب التعجيز.

ألقاه فى اليم مكتوفا و قال له إياك إياك أن تبتل بالماء

ثالثا: لو كان هناك صارف زهدهم فى المعارضة من (كسل أو ملل) لما و قفوا فى وجه نبى

الإسلام، ولما آذوه وأصحابه، ولما عذبوا المسلمين وشردوهم، ولما قاطعوا الرسول وعشيرته وحاصر وهم فى الشعب حتى أكلوا ورق الشجر، ولما فاوضوه وساوموه على أن يترك الدعوة ثم اضطروه الى الهجرة هو و أصحابه الكرام، إلى غير ما هنالك من دوافع و بواعث جعلتهم يسلكون كل سبيل للقضاء على الإسلام.

رابعا: لو كان هناك عارض مفاجىء عطل مواهبهم البيانية لأعلنوا ذلك فى الناس، ليلتمسوا العذر لأنفسهم، وبالتالى ليقللوا من شأن القرآن، ولكانوا بعد نزول القرآن أقل فصاحت و بلاغة منهم قبل نزوله، وهذا باطل واضح البطلان.

خامسا: لو كان هذا العارض المفاجىء صحيحا لأمكننا نحن الآن، وأمكن المشتغلين بالأدب العربيى فى كل عصر أن يعارضوا القرآن، وأن يتبينوا الكذب فى دعوى إعجازه. وكل هذه الأشياء باطلة فهل يرضى عاقل لنفسه ان يقول بعد ذلك كله: إن العرب كانوا مصروفين عن معارضة القرآن و نبى القرآن، وأنهم كانوا مخلدين الى العجز والكسل زاهدين فى النزول لذلك الميدان؟ وهل يصح لإنسان يحترم نفسى و عقله أن يصدق بمثل هذا الافتراء القول بتعطيل المواهب والحواس) بعد أن يستمع الى شهادة ألد الأعداء من صناديد قريش وهو (الوليد بن المغيرة) حين قال كلمته المشهورة..... (والله لقد سمعت آتفا كلاما ليس من كلام بشر ليس بشعر ولا نثر ولا كهانة، والله إن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة، وإن أعلاه لمثمر، وإن اسفله لمغدق، وإنه ليعلو وما يعلى) والفضل ما شهدت به الأعداء.

وأختم هذه الكلمة بما ذكره العلامة القرطبى فى تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) حيث قال: (فهذه عشرة وجوه ذكرها علماؤنا رحمهم الله فى إعجاز القرآن)، وهناك قول آخر ذكره النظام: أن وجه الإعجاز هو المنع من معارضته، والصرفة عند التحدى بمثله، وان المنع و الصرفة هو المعجزة دون ذات القرآن، وذلك أن الله تعالى صرف هممهم عن معارضته مع تحديهم بأن يأتوا بسورة من مثله، وهذه فاسد، لأن اجماع الأمة أن القرآن هو المعجز، فلو قلنا إن المنع والصرفة هو المعجز لخرج القرآن ان يكون معجزا..... انتهى ..... والصحيح ان الإتيان بمثل القرآن لم يكن قط فى قدرة أحد من المخلوقين، ويظهر لك قصور البشر فى عجزهم عن الإتيان بمثل سورة من أقصر سور القرآن مع التحدى اللاذع.

ترجمہ:

''صرفہ'' کے قول کے اعتراض کا جواب

(مولف کتاب وجوہ اعجاز کے بیان کے بعد اب قرآن پر کئے جانے والے فرقہ معتزلہ کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں)

''جب ہم قرآن کریم کی وجوہ اعجاز (کے بیان سے فارغ ہو گئے اور ان) کو پورا کر چکے تو ہم نے اپنے اوپر یہ لازم جانا کہ اس شبہ کا جواب دیں (اور اس کا دلائل و براہین کے ساتھ رد کریں کہ) جس طرف بعض معتزلہ اور بعض شیعہ گئے ہیں اور وہ ''صرفہ کا قول'' کرنے کا اعتراض (اور شبہ) ہے اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے ''اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس وقت (کہ جب قرآن نازل ہوا) قرآن کے معارضہ سے پھیر دیا کہ وہ اپنی (فصاحت و) بلاغت میں اس درجہ سے آگے نہ بڑھ سکے کہ جس سے بندہ عاجز ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے عزم (وارادہ) کو قرآن کے معارضہ سے نہ پھیرا ہوتا تو وہ لوگ اس کی مثل لا سکتے تھے......الخ'' پس آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس قول والے اس طرف گئے ہیں کہ یہ قران معجز (یعنی معجزہ) نہیں ہے اور بے شک اس کا (ان کے زعم باطل میں) اعجاز دو سبب سے تھا۔

(۱) وہ صارف الٰہی کہ جس نے ان کو قرآن کے معارضہ سے بے رغبت کر دیا چنانچہ وہ (اس سے) سست پڑ گئے اور (اس کے معارضہ سے) بیٹھ رہے۔

(۲) وہ اچانک آ جانے والا عارضہ کہ جس نے بیانی صلاحیتوں اور بلاغت کی قدرتوں کو معطل (اور بیکار) کر (کے رکھ) دیا۔

اور یہ قول اپنے دونوں پہلوؤں (اور شقوں) میں باطل ہے، نہ ہی یہ بات بحث (وتمحیص) کے آگے ثابت ہے (اور نہ بحث کے وقت یہ باطل قول ٹھہر سکتا ہے) اور نہ ہی واقعہ کے مطابق ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ (جو مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) اگر یہ قول صحیح ہوتا تو یہ اعجاز ''صرفہ'' (یعنی کافروں کو قرآن کے معارضہ سے پھیر دینے) میں ہوتا نا کہ خود قرآن میں اور یہ قول بالاجماع باطل ہے۔

(۲) اور اگر صرفہ کا قول صحیح ہوتا تو یہ تعجیز ہوتا نا کہ اعجاز (یعنی قرآن نے لوگوں کو عاجز بنایا نا کہ وہ عاجز تھے اور یہ قرآن معجزہ نہ ہوگا) (نسیم) کیونکہ اب یہ بات اس مثال کے مشابہ ہوتی کہ (پہلے) ہم ایک آدمی کی زبان کاٹ دیں پھر اس کو بولنے لگا (حکم دیں اور اس کا) مکلف بنائیں۔ پس یہ عجز کے باب میں سے نہ ہوگا بلکہ یہ تعجیز (یعنی عاجز بنا دینے) کے باب میں سے ہوتا۔

(ایسی بات کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے)

ألقاہ فی الیم مکتوفا و قال لہ ‏ ‏ ‏ ‏ ایاك ایاك أن تبتل بالماء

''اس نے اس کو دریا میں ہاتھ باندھ کر پھینک دیا اور اسے کہنے لگا کہ تم پانی میں بھیگنے سے بچو۔''

(۳) اگر وہاں کوئی ایسا صارف ہوتا جس نے ان لوگوں کو معارضہ قرآن سے سستی اور اکتاہٹ (وآزردگی) کی وجہ سے بے رغبت کر دیا تھا تو وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں شک اور تردد نہ کرتے اور آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو نہ ستاتے، اور مسلمانوں کو تکلیف نہ دیتے اور مسلمانوں کو دیس نکالا نہ دیتے (اور انہیں نہ بکھیرتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کا بائیکاٹ نہ کرتے اور انہیں گھاٹی میں بند نہ کرتے۔ ❶ (یعنی اس گھاٹی میں ان کا گھیراؤ نہ کرتے) یہاں تک کہ ان سب حضرات نے درختوں کے پتے (تک) کھائے اور وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اس) دعوت کے ترک کر دینے کی گفت وشنید (اور بات چیت) اور بھاؤ تاؤ نہ کرتے۔ ❷

پھر انہوں نے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ دوسرے (بہت سے اسباب و محرکات اور وجوہات کہ جنہوں نے انہیں (یعنی کفار مکہ کو) اسلام کے (روئے زمین سے) ختم کر دینے کے راستہ پر چلایا۔

(۴) اگر وہاں (انہیں) اچانک پیش آجانے والا عارضہ تھا جس نے ان کی بیانی صلاحیتوں کو معطل کر (کے رکھ) دیا تھا تو وہ لوگ (ضرور) اس کا لوگوں میں (برملا) اعلان کر دیتے تاکہ وہ اپنے لئے بہانہ تلاش کر لیتے لہٰذا وہ قرآن کی شان گھٹاتے اور (اور اس کی حیثیت اور رتبہ کو کم کرتے) اور وہ نزول قرآن کے بعد (باعتبار) اس کے نزول سے پہلے، خود اپنے سے کم فصاحت و بلاغت والے ہوتے (یعنی قرآن کے نزول سے پہلے وہ جتنے فصیح و بلیغ تھے اتنے وہ اس کے نزول کے بعد نہ رہے۔ (نسیم)

(۵) اگر یہ اچانک پیش آجانے والا عارضہ صحیح ہوتا۔ تو آج ہمیں (اس کا معارضہ کرنا) ممکن ہوتا اور (مزید یہ کہ) ہر زمانے میں ادب عربی میں مشغول لوگوں کو قرآن کا معارضہ (اور مقابلہ اور اس کی مثل لانا) ممکن ہوتا۔ اور وہ قرآن کے دعوئے اعجاز کو جھوٹا ظاہر کرتے (اور اس جھوٹ کا پتا لگا لیتے) اور یہ سب ہی باتیں باطل ہیں۔ کیا کوئی عقل مند آدمی ان سب باتوں کے بعد اپنے لئے یہ کہنا پسند کرے گا کہ عربوں کا قرآن اور نبیؐ قرآن سے معارضہ سے منہ موڑ دیا گیا تھا اور درماندگی اور سستی کی طرف مائل اور اس میدان میں اترنے سے بے رغبت تھے؟؟؟ اور کسی انسان کے لئے یہ درست ہے جو اپنی عقل اور اپنا لحاظ رکھتا ہو کہ وہ اسم قسم کے جھوٹے الزام یعنی صلاحیتوں (اور استعدادوں) اور (عقل و) حواس کے معطل کر دیے جانے کی۔ تصدیق کرے (وہ بھی) قریش کے سرداروں میں سے (بدترین) جھگڑالو دشمن ولید بن مغیرہ کی گواہی سننے کے بعد کہ جب اس نے اپنی وہ مشہور بات کہی۔ (وہ یہ ہے) ''خدا کی قسم ابھی میں نے وہ کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام نہیں، جو نہ شعر ہے نہ نثر ہے اور نہ ہی کہانت ہے خدا کی قسم! اس کی (غضب کی) شرینی ہے اور (بلا کی) رونق ہے اور اس کا سب سے اوپر

---

❶ یہ گھاٹی شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ ''نسیم'' ❷ جیسا کہ انہوں نے سرداری۔ مال اور عورتوں کی پیش کش کی۔ ''نسیم''

والا حصہ پھل دار ہے اور نیچے والا حصہ سیراب (سرسبز اور شاداب ہے) اور یہ کلام بلند (ہی) رہتا ہے اور کوئی اس پر غالب نہیں آتا۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اور فضیلت (و بڑائی اور بزرگی) وہی ہے جس کی دشمن (بھی) گواہی دیں۔''

اور میں اس بات کو اس پر ختم کرتا ہوں جو علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

''یہ دس وجوہات ہیں کہ جن کو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے اعجاز القرآن کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ اس مقام پر ایک اور قول بھی ہے کہ جس کو نظام (معتزلی) [1] نے ذکر کیا ہے۔ (نظام کہتا ہے) قرآن کی وجہ اعجاز' یہ اس کے معارضہ سے روکنا اور اس کے مثل لانے کے چیلنج کے وقت (اس سے لوگوں کا) رخ پھیرنا ہے بے شک یہ منع اور صرفہ یہ معجزہ ہے نا کہ قرآن کی ذات (یعنی نا کہ خود قرآن) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمتوں (اور ارادوں اور عزائم) کو' قرآن کی ایک سورت کی مثل لانے کے چیلنج کے باوجود' قرآن کے معارضہ سے موڑ دیا۔ یہ فاسد (قول) ہے۔''

کیونکہ امت کا اجماع ہے کہ قرآن معجز (یعنی معجزہ) ہے اگر ہم صرف و منع کے معجز ہونے کا قول کریں تو قرآن معجز ہونے سے نکل جائے گا۔ (علامہ قرطبی کا کلام ختم ہوا۔ آگے مولف موصوف فرماتے ہیں) صحیح بات یہ ہے کہ قران کی مثل لانا مخلوق میں سے کسی کی قدرت میں بالکل نہیں ہے اور قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل سورت لانے سے بندوں کے عاجز ہونے قاصر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے میں (دل و دماغ کو) چھبنے والے (اور کچکو کے مارنے والے) چیلنج کے باوجود' تیرے لئے آدمی کا (اس چیلنج کے معارضہ سے) قاصر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

توضیح

ہم گزشتہ صفحات میں اس مضمون کو۔''بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۲۸ - ۳۳۹ اور اعجاز القرآن صفحہ ۶۲ تا ۶۴'' کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

---

[1] ابراہیم بن سیار النظام (متوفی ۲۲۰ ہجری) معتزلہ کے مشہور قائدین میں سے ہے اگرچہ اس کے نظریات عام معتزلہ سے بھی مختلف ہیں۔ اس پر فلسفہ یونان کا غلبہ تھا جس کی بنا پر بہت سے مسائل میں اس نے تمام مسلمانوں کے خلاف ان کی آراء کو اختیار کیا۔ وجود کائنات کے متعلق اس کے نظریات ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے ملتے جلتے تھے۔ اجماع اور قیاس کو حجت نہیں مانتا تھا۔ اعجاز قرآن کے بارے میں بھی اس کا نظریہ پوری امت کے خلاف وہ تھا جو (علامہ قرطبیؒ) نے اوپر ذکر کیا ہے رفض کی طرف بھی مائل تھا جس کی بنا پر بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق اس کی گستاخیاں منقول ہیں۔ (بائبل سے قرآن تک'' جلد۲ صفحہ ۳۲۸' حاشیہ بتصرف'' بحوالہ الملل والنحل للشہرستانی جلد۱ صفحہ ۶۷ تا ۷۷)

هل حاول احد معارضة القرآن؟

أجمع رواة التاريخ والآثار، على ان اساطين البلغاء، وفحول الشعراء من مشركي العرب لم تحدثهم أنفسهم بمعارضة القرآن، ولم ينقل عن احد منهم أنه حاول ان يأتي بمعارضة للقرآن، مع شدة حرصهم على صد الناس عن الإسلام، والتكذيب برسالة محمد عليه الصلاة والسلام ...... ولكن نقل عن بعض السفهاء الحمقى، انهم حاولوا معارضة القرآن، فكان ما أتوا به لا يخرج عن أن يكون محاولات مضحكة، أخجلتهم امام البشر، وجعلتهم اضحوكة لدى العقلاء، فباءوا بغضب من الله وسخط من الناس، وكان مصرعهم هذا كسبا جديدا للحق، وبرهانا ناصعا على أن القرآن كلام الله الذي لا يستطيع معارضته إنسان فمن أولئك:

(الف) مسيلمة الكذاب) الذي أدعى النبوة، وزعهم انه شريك لرسول الله في شأن النبوة وقد كتب إليه في السنة العاشرة للهجرة يقول: (اما بعد، فإني قد شوركت في الأرض معك، وإنما لنا نصف الأرض، ولقريش نصفها، لكن قريشا قوم يعتدون......!)

وقد زعم (مسيلمة) أن له قرآنا نزل عليه من السماء، ويأتيه به ملك يسمى (رحمن)، وها نحن ننقل طائفة من أقواله وهذيانه، ليظهر كذب هذا الأحمق الدجال، ويتضح امره، فكفاه ذلك الوصف أنه كذاب.

قال أخزاه الله معارضا سورة العاديات:

(والطاحنات طحنا، والعاجنات عجنا، والخابزات خبزا، والثاردات ثردا، واللاقمات لقما، إهالة وسمنا...... لقد فضلتم على أهل الوبر، وما سبقكم أهل المدر...... ريفكم فامنعوه، والمقبر فآووه! والباغي فناوئوه) وقال: (والشاء وألوانها، وأعجبها السود و البانها والشاة السوداء واللبن الابيض انه لعجب محض وقد حرم المذق فما لكم لا تمجعون)

ومن قرآنه المفترى: (الفيل ما الفيل، وما ادراك ما الفيل، له زنب وبيل، وخرطوم طويل......) الخ. وقوله (يا ضفدع بنت ضفدعين، نقى ما تنقين، نصفك في الماء و نصفك في الطين، لا الماء تكدرين، ولا الشارب تمنعين)

وقد زعم انه عارض سورة الكوثر فخرج إلى الناس بهذا الهذيان.

(إن أعطيناك الجماهر، فصل لربك وجاهر، إن شانئك هو الكافر)

وكل كلامه على هذا النمط واه سخيف لا ينهض ولا يتماسك، وأنت خبير بأن مثل ذلك الإسفاف ليس من المعارضة في قليل ولا كثير، يقول (الرافعي) رحمه الله: إن

مسيلمة لم يرد أن يعرض للقرآن من ناحية (الصناعة البيانية) وإنما اراد أن يأخذ سبيله الى استهواء قومه من ناحية اخرى ظنها اهون عليه وأقرب تاثيرا في نفوسهم، وذلك أنه رأى العرب تعظم الكهان في الجاهلية، وكانت عامة أساليب الكهان من هذا السجع القلق، الذى يزعمون انه من كلام الجن كقولهم: (يا جليح، امر نجيح، رجل فصيح، يقول لا إله إلا الله) فجعل يسجع ليوهم أنه يوحى إليه، على أنه لم يفلح في هذه الحيلة إذ كان أشياعه يعرفونه بالكذب والحماقة، ويقولون: إنه لم يكن في تعاطيه الكهانة حاذقا، ولا في دعوى النبوة صادقا، وإنما كان أتباعهم إياه على حد قول قائلهم: كذاب ربيعة أحب الينا من صادق مضر......)

(ب) ومنهم (الاسود العنسى) ادعى النبوة في اليمن، وكان يزعم ان الوحى ينزل عليه فيخفض رأسه الى الأرض ثم يرفعه فيقول: قال لى كذا وكذا- يعنيي شيطانه- الذى يوحى إليه، وكان جبارا ولكنه كان فصيحا معروفا بالكهانة والمسجع والخطابة والشعر والنسب، ولم يذكر أنه حاول المعارضة للقرآن وإنما اكتفى بدعوى النبوة و بنزول الوحى عليه ﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلَى اَوْلِيَآئِهِمْ.﴾

(ج) ومنهم (طليحة بن خويلد الأسدى) ادعى النبوة، وكان يزعم ان (ذا النون) يأتيه بالوحى ولكنه لم يدعى لنفسه قرآنا لأن قومه كانوا من الفصحاء، ولكنهم تابعوه عصبية وطلبا للجاه والشهرة، وقد ذكر صاحب (معجم البلدان) أن له كلاما كان يزعم أنه نزل عليه بالوحى ولم يظفر من كلامه إلا على هذه المقالة (إن الله لا يصنع بتعفير وجوهكم، وقبح أدباركم شيئا، فاذكروا الله قياما، فإن الرغوة فوق الصريح) يريد لا تركعوا ولا تسجدوا واكتفوا بالصلاة قياما وبذكر الله في حالة القيام، وقد أرسل له أبوبكر جيشا بقيادة خالد بن الوليد فلما التقى الجمعان، قتل عدد كبير من أتباعه، و تزمل هو بكساء ينتظر الوحى، فقال له (عيينة) هل أتاك بعد؟ فقال وهو من تحت الكساء، لا والله ما جاء بعد، فقال له عيينة: لقد تركك أحوج ما كنت إليه، ثم قال: يا بنى فزارة هذا كذاب ما بورك لنا وله فيما يطلب، ثم انهزم طليحة ولحق بنوا حى الشام، ويقال أنه أسلم بعد ذلك وكان له في القادسية بلاء حسن.

(د) ومنهم (النضر بن الحارث) وهو من صناديد قريش، و روساء الكفر والضلالة، وهو لم يدع النبوة ولا الوحى ولكنه زعم أنه يعارض القرآن، فلفق أخبارا من حوادث الفرس

وملوك العجم، وكان يجلس إلى قريش فيحدثهم بهذه الأساطير ثم يقول لهم: هذا خير مما أنزل على محمد.

(٥) ويروى أن (أبا العلاء المعرى) و (المتنبى) و (ابن المقفع) حاولوا معارضة القرآن ولكنهم، ما كادوا يبدوون هذه المحاولة حتى خجلوا واستحيوا فكسروا الأقلام و مزقوا الصحف، وقد ذكرنا فيما مضى محاولة (ابن المقفع) وأنه بعد أن عزم على المعارضة وبدأ بها فعلًا، سمع صبيا يقرأ قوله تعالى:

﴿وَقِيْلَ يٰآَرْضُ ابْلَعِيْ مَآئَكِ وَيَاسَمَآءُ أَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْأَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِىِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ.﴾ (هود : ٤٤)

فمزق ما جمع واستحيا من إظهاره أمام الناس بعد أن قال قولته المشهورة: هذا والله ما يستطيع البشر أن يأتوا بمثله. وهذه القصة عن (ابن المقفع) يذكرها (الرافعى) عليه رحمة الله ثم يعقب عليها بقوله:

((إن ابن المقفع من أبصر الناس باستحالة المعارضة، لا لشيء من الأشياء إلا لأنه من أبلغ الناس وإذا قيل لك: إن فلانا يزعم إمكان المعارضة ويحتج لذلك و ينازع فيه، فاعلم أن فلانا فى الصناعة أحد رجلين اثنين: إما جاهل يصدق فى نفسه، وإما عالم يكذب على الناس، ولن يكون ثالث ثلاثة)) فالرافعى ينكر صحة هذه الرواية عن (ابن المقفع) كما ينكرها على (المعرى فكلاهما فى نظره باطل وافتراء عليهما)

(و) وتحدثنا الأيام القريبة أن زعماء (البهائية والقاديانية) وضعوا كتبا يزعمون أنهم يعارضون بها القرآن ثم خافوا أو خجلوا أن يظهروها أمام الناس، فأخفوها على أمل أن يأتى الوقت المناسب فيخرجوها بعد أن يكثر الجهل و يطيش العقل.

ترجمہ: کیا کسی نے معارضہ قرآن کی کوشش کی؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''تاریخ وآثار کے راویوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مشرکین عرب کے بلند پایہ قادر الکلام شعراء اور فصاحت و بلاغت کی نادرۂ روزگار شخصیات کے دلوں میں معارضہ قرآن کا خیال نہیں آیا۔ اور ان میں سے کسی شخص کے بارے میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ اس نے معارضہ قرآن کی کوشش کی ہو باوجودیکہ وہ لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب پر نہایت حریص (بھی) تھے۔ لیکن بعض احمق (پھسڈی قسم کے) بیوقوف لوگوں کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ جو کچھ بھی

(گھڑ کر) لائے وہ ان مضحکہ خیز کاوشوں کے ہونے سے نہ نکل سکا جس نے انہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ (اور رسوا) کیا اور عقلاء کے سامنے انہیں مذاق (اور ٹھٹھہ) بنا دیا۔ پس وہ اللہ کے غضب اور لوگوں کی ناراضی لے کر لوٹے۔ ان (پرلے درجے کے بے وقوف لوگوں کی) یہ شکست (اور پٹخنی) حق کی ایک نئی جیت اور اس بات کی ایک روشن دلیل تھی کہ یہ قرآن اس اللہ کا کلام ہے کہ جس کوئی مقابلہ (ومعارضہ) نہیں کر سکتا' چنانچہ یہ (بدنصیب) لوگ کون ہیں؟ (ان کا مختصر سا تعارف مندرجہ ذیل ہے)''

(۱) مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ (جھوٹا) گمان باندھا کہ وہ نبوت کے معاملہ میں نبی ﷺ کا شریک (کار) ہے اور اس نے ۱۰ ہجری میں نبی ﷺ کو لکھ بھیجا وہ کہتا ہے۔'' اما بعد! تحقیق مجھے تیرے ساتھ (ساتھ) زمین کا شریک بنا دیا گیا۔ بے شک آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی۔ مگر قریش بے انصافی کرتے ہیں۔''

اور مسیلمہ کا یہ گمان تھا کہ تحقیق اس کا (ایک) قرآن ہے جو اس پر آسمان سے نازل ہوا اور اس کو ایک فرشتہ لے کر اترتا ہے جس کا نام ''رحمٰن'' ہے۔

ہم یہاں اس کی باتوں اور بکواسات کا ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں تا کہ اس احمق دجال کا کذب (خوب) ظاہر ہو جائے۔ اور اس کا معاملہ کھل کر سامنے آ جائے۔ اور تیرے لئے یہی بات اس کے کذاب (اور دجال) ہونے کے لئے کافی ہے۔

اللہ اس (ذلیل اور کمینے انسان) کو رسوا کرے کہ اس نے سورۂ ''عادیات'' کا معارضہ کرتے ہوئے یہ بک بک کی۔''

والطاحنات طحنا' والعاجنات عجنا' والخابزات خبزا' والثاردات ثردا' واللاقمات لقما' إهالة وسمنا...... لقد فضلتم على أهل الوبر' وما سبقكم أهل المدر...... ريفكم فامنعوه' والمقبر فآووه! والباغي فناوئوه.

''اور قسم ہے آٹا پیسنے والیوں کی جو آٹا پیستی ہیں اور روٹی پکانے والیوں کی جو روٹی پکاتی ہیں اور سالن پکانے والیوں کی جو سالن پکاتی ہیں اور قسم ہے لقمہ کھانے والیوں کی کہ جو تیل اور گھی کے لقمے کھاتی ہیں۔ کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی۔ اور مٹی (سے مکان بنانے) والے (شہری عرب بھی) تم سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ تم اپنی روکی سوکھی ❶ روٹی کی حفاظت کرو۔ عاجز و ❷ درماندہ کو پناہ دو اور طالب اور مانگنے والے کو

---

❶ مولانا ابوالقاسم رفیقؒ دلاوریؒ نے یہاں لفظ ''ریفکم'' نقل کیا۔ جس کا معنی روکھی سوکھی روٹی ہے (القاموس الوحید صفحہ ۶۹۲ کالم نمبر ۲) اور مولف کتاب نے لفظ ''ریفکم'' نقل کیا ہے جس کا مطلب سرسبز زمین اور زراعتی زمین ہے (القاموس الوحید ۶۹۲ کالم نمبر ۱) بندہ نے اس عبارت کا ترجمہ آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۰ سے لیا ہے اس لئے اس کو ترجیح دی ہے البتہ مولف موصوف کے مذکورہ لفظ کا ترجمہ بھی حاشیہ میں دے دیا ہے۔ (نسیم)

❷ مولف موصوف نے ''المقبر'' لکھا ہے جس معنی ہے کسی کے لئے قبر بنانے والا (القاموس الوحید صفحہ ۱۲۶۸ کالم نمبر ۱)

اور مولانا دلاوریؒ نے لفظ ''المعینینی'' لکھا ہے جس کا معنی بندہ کو لغت میں نہیں مل سکا۔

مولف موصوف نے ''الباغی'' کے بعد ''فناوئوہ'' لکھا ہے جس کا مطلب ''دشمنی کرنا مخالفت کرنا'' ہے (القاموس الوحید صفحہ ۱۷۱۲ کالم نمبر ۱)

اور مولانا مرحومؒ نے لفظ ''فتادوہ'' لکھا ہے جس کا معنی ''پناہ لینا'' ہے۔ (القاموس الوحید صفحہ ۱۴۳ کالم نمبر ۱)

لغت میں وبیل کا معنی ''سخت'' لکھا ہے۔ (القاموس الوحید صفحہ ۱۸۰۵ کالم نمبر ۳)

اپنے پاس ٹھہراؤ۔''
اور (ایک اور جگہ یونہی اول فول ہانکتا ہے اور) کہتا ہے:
والشاء وألوانها' وأعجبها .... لكم لا تمجعون.
''قسم ہے بھیڑوں کی اور ان کے رنگوں کی اور قسم ہے ان میں سب سے عجیب کالی بھیڑ کی اور ان کے دودھوں کی۔
اور قسم ہے کالی بھیڑ کی اور سفید دودھ کی (یا اور بھیڑ کالی ہے جبکہ دودھ سفید ہے)''
یہ ترجمہ اس وقت ہوگا کہ جب یہ جملہ خبریہ ہونا کہ قسمیہ (نسیم) کہ یہ ''محض عجیب بات ہے۔ دودھ میں پانی ملانا حرام ہوا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم دودھ اور کھجور کا حلوہ نہیں کھاتے۔'' اور اس کے (خانہ ساز جھوٹے گھڑے ہوئے قرآن میں سے یہ (بھی) ہے۔

الفيل ما الفيل' وما ادراك ما الفيل' له زنب وبيل' وخرطوم طويل.
''ہاتھی (وہ) ہاتھی کیا ہے اور تمہیں کیا معلوم وہ ہاتھی کیا ہے اس کی بدنما ❶ دم اور لمبی سونڈ ہے۔'' ❷
اور (اس کے ہذیان اور خرافات میں سے) اس کا یہ قول (بھی) ہے:
يا ضفدع بنت ضفدعين' نقی ما تنقين' نصفك فی الماء و نصفك فی الطين' لا الماء تكدرين' ولا الشارب تمنعين.
''اے مینڈکی' مینڈکی کی بیٹی اسے صاف کر جیسے تو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں۔ ❸ نہ تو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے۔'' ❹
اور اس نے یہ سمجھا کہ اس نے سورۂ کوثر کا معارضہ کرلیا ہے پس وہ لوگوں کے پاس یہ بکواس لے کر نکلا۔
❺ **إن أعطيناك الجماهر' فصل لربك وجاهر' إن شانئك هو الكافر.**
''ہم نے تمہیں ہر چیز کا بڑا حصہ دیا۔ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور کھل کر دشمنی کر بے شک تیرا دشمن وہ کافر ہے۔''
اس کا اس طرز کا ہر کلام بے تکا' لچر (بے ہودہ' پھسپھسا اور نا معقول) ہے جو نہ ہی مستعد (اور سلیس) ہے اور نا ہی باہم پیوست (اور مرتب) ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی (بے تکی الجھی) الجھی باتیں معارضہ (قرآن) میں سے نہیں نہ کم نہ زیادہ۔
(علامہ) رافعیؒ فرماتے ہیں:

---

❶ ترجمہ از آئمہ تلبیس (جلد ا صفحہ ۷۰) ❷ آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۰ پر یہ لفظ مفرد ہے۔
❸ آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۰ کی عبارت یوں ہے' اعلاك فی الماء ''اسفلك فی الطين'' کتاب کا ترجمہ یہ ہے ''تیرا آدھا بدن پانی میں ہے اور آدھا کیچڑ میں۔''
❹ ترجمہ از آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۰-۷۱۔ ❺ غالبًا یہ لفظ ''انا'' ہے۔ (نسیم)

''مسیلمہ نے صنعت بیان کے پہلو سے قرآن کے معارضہ کا ارادہ نہ کیا (بلکہ) تحقیق اس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ وہ ایک ایسے دوسرے پہلو سے اپنی قوم کو (اپنے دام پر فریب میں پھنسائے اور انہیں) لبھائے، جس کو اس نے اپنے لئے آسان اور لوگوں کے دلوں پر تاثیر کے زیادہ قریب گردانا۔ وہ یہ کہ اس نے دیکھا کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں کاہنوں کی (بڑی) تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور کاہنوں کا عام طرز بیان اس پراگندہ تک ❶ بندی پر ہوتے تھے کہ جس کو لوگ جنوں کا کلام سمجھتے تھے۔ جیسا کہ کاہنوں کا یہ قول:

یا جلیح، امر نجیح، رجل فصیح، یقول لا إله إلا الله.

''اے گنجے، (ایک) کامیاب معاملہ، اے فصیح و بلیغ شخص کہتا ہے۔ ''لا اله الا الله''

چنانچہ اس نے مسجع کلام لانا شروع کیا تا کہ (لوگوں کو) شبہ (اور دھوکہ) میں ڈال دے کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے اس حیلہ میں کامیاب (بھی) نہ ہوا کیونکہ اس کے پیروکار اس کے جھوٹ اور حماقت (وسفاہت) کو پہچانتے تھے۔ اور وہ (اس کے بارے میں یہ) کہتے تھے کہ ''یہ اپنے کہانت کے کام میں مشغول ہونے میں (اتنا) ماہر نہیں اور اپنے دعویٰ نبوت میں سچا (بھی) نہیں۔ اور بے شک اس کے پیروکاران کے ایک کہنے والے کے اس قول پر جمع ہوئے تھے'' کہ ربیعہ (قبیلہ) کا جھوٹا ہمیں مضر (قبیلہ) کے سچے سے زیادہ پسند ہے۔''

توضیح

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ مسیلمہ کے احوال اور اس کی جھوٹی وحی اور خود اس کے ماننے والوں کی اس کے بارے میں رائے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تقدس کے دوکاندار اور خانہ ساز نبی اپنے سلسلہ تزویر میں کلام الٰہی کو نفس وشیطان کا بازیچہ لہو ولعب بنانا چاہتے ہیں۔ اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس کے نام سے مکروفریب کا کاروبار جاری کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے۔ مسیلمہ نے قرآن کے مقابلے میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا۔ مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ مسیلمہ کا ''کلام الٰہی'' ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق سلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں۔''

اس کے بعد مولانا مرحوم مسیلمہ کی وحی کے چند نمونے پیش کر کے آخر میں فرماتے ہیں علامہ خیرالدین آفندی آلوسی سابق وزیر طونس نے اپنی کتاب ''الجواب الفسیح'' میں عبدالمسیح نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ:

---

❶ بندہ نے یہ لفظ سجع کا ترجمہ کیا ہے۔ سجع لغت میں قافیہ بند کلام کہ جس میں وزن شعر نہ ہو۔'' کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ کلام منثور کہ جس کے جملوں کے آخر میں حرکت اور سکون میں یکسانیت ملحوظ ہو۔ (القاموس الوحید صفحہ ۷۴۵ کالم نمبر۳)

''میں نے مسیلمہ کا پورا مصحف پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک ضخیم کتاب ہی تیار کر ڈالی تھی۔ اور دعویٰ یہ تھا کہ یہ الہامی کتاب ہے۔ (ائمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۶۹-۷۱ ملخصاً)

مسیلمہ کے بارے میں اس کے پیروکاروں کی رائے

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ فرماتے ہیں: ''بعض لوگ مسیلمہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلیحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے۔ وہ لوگ بگڑ کر کہنے لگے ''خبردار'' آئندہ سرکار عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکارنا'' طلیحہ نے کہا ''میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر اس کو رسول اللہ نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلمہ ہو۔ اس نے کہا ہاں۔

پوچھا تمہارے پاس کون آتا ہے؟

کہنے لگا ''رحمٰن''

طلیحہ نے پوچھا روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟

کہا تاریکی میں۔

طلیحہ بولا: میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ صادق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس انبیاء سلف کی طرح دن میں وحی نازل ہوتی ہے تاہم میرے لئے ربیعہ کا جھوٹا نبی قبیلہ مضر کے سچے نبی سے بہر حال عزیز و محبوب ہے یہ طلیحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگ عقرباء میں بحالت کفر ہلاک ہوا۔ (آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۶۱)

ترجمہ: (ب) ان میں سے ایک اسود عنسی ہے کہ جس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ یہ گمان کرتا تھا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ زمین کی طرف سر جھکاتا اور پھر سر اٹھا کر یہ کہتا ''مجھے یہ یہ کہا!!! یعنی اس کے شیطان نے (اس کو یہ یہ کہا) جو اس کی طرف وحی کرتا تھا۔ وہ بڑا بے رحم (اور مغرور) تھا لیکن وہ فصیح (و بلیغ شخص تھا) اور کہانت' سجع' خطابت' شعر گوئی اور نسب میں معروف تھا۔ (یعنی علم الانساب کا ماہر تھا) ایسی کوئی روایت نہیں آتی کہ اس نے قرآن کے معارضہ کی کوشش کی ہو۔ اس نے فقط نبوت اور اپنے اوپر وحی کے نازل ہونے کے دعویٰ پر ہی اکتفاء کیا۔ (ایسے شخصوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں)

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآئِهِمْ.﴾ (الانعام: ۱۲۱)

''اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے۔'' (تفسیر عثمانی)

(ج) ان میں سے ایک طلیحہ اسدی ہے کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کا گمان تھا کہ ''مچھلی والا اس کی طرف وحی لے کر آتا ہے لیکن اس نے قرآن کا دعویٰ نہ کیا کیونکہ اس کی قوم بڑی فصیح و بلیغ تھی۔'' لیکن انہوں نے عصبیت

اور جاہ وشہوت کے لئے اس کی اتباع کی۔ صاحب معجم البلدان نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ایک کلام تھا اس کو وہ اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی سمجھتا تھا۔ اور وہ اپنے کلام میں فقط اس مقولے میں ہی کامیاب ہوسکا (یعنی فقط یہی کلام گھڑسکا اور وہ یہ ہے) ''ان الله لا یصنع بتعفیر وجوهكم وقبح ادبار كم شيئا فاذكروا الله قياما فان الرغوه فوق الصريح''

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے مونہوں پر خاک ملنے اور تمہاری پیٹھوں کے جھکنے سے کچھ نہ کرے گا (یعنی وہ تمہارے سجدوں اور رکوعوں سے بے نیاز ہے) پس اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے یاد کرلیا کرو۔ کہ غیر واضح بات صریح بات سے بہتر ہے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اس مقولہ سے) اس کی مراد یہ تھی کہ رکوع سجدہ نہ کرو۔ اور نماز میں (فقط) قیام اور قیام کی حالت میں ذکر کرنے پر اکتفاء کرو۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں اس کے خلاف ایک لشکر بھیجا پھر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو اس کے پیروکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد ماری گئی۔ اور (خود) طلیحہ چادر اوڑھے وحی آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ تو اس پر عیینہ نے اس سے پوچھا ''کیا تیرے پاس (وہ) دوبارہ آیا؟'' تو اس نے چادر کے نیچے سے جواب دیا ''نہیں! خدا کی قسم اس کے بعد وہ نہ آیا۔'' تو اس پر عیینہ نے اس سے کہا کہ ''(تیرے شیطان نے) تجھے چھوڑا تمہیں اس کی حاجت (اب پہلے سے) زیادہ تھی۔ پھر کہا! اے بنی فزارہ! یہ جھوٹا ہے ہمیں اور اس کو اس کے مطلوب میں برکت نہ دی جائے گی۔ پھر طلیحہ کو شکست ہوئی اور شام چلا گیا اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ایمان لے آیا اور اس کے (جنگ) قادسیہ میں شاندار کارنامے ہیں۔ (اس کے مفصل حالات کے لئے پڑھیے آئمہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۴۰ تا ۵۸)

(د) ایک ان میں سے حارث بن نضر تھا یہ شرفائے قریش اور کفر وضلالت کے سرداروں میں سے تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا اور نہ ہی وحی کا بلکہ اس نے گمان کیا کہ وہ قرآن کا معارضہ کر لے گا۔ چنانچہ اس نے ایران کے (تاریخی) واقعات اور عجم کے بادشاہوں کے قصوں میں سخن سازی کی (اور ایک باطل کلام گھڑ لیا) اور وہ قریش کے درمیان بیٹھ کر ان کہانیوں کو سنایا کرتا تھا۔ اور انہیں کہتا تھا کہ ''یہ قصے کہانیاں اس سے بہتر ہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترتا ہے۔

(ھ) روایت کیا جاتا ہے کہ ابوالعلاء معری اور متنبیؔ اور ابن المقفع نے معارضہ قرآن کی کوشش کی۔ لیکن ابھی یہ لوگ اس کوشش کے شروع کرنے کے قریب ہی تھے کہ شرمندہ ہوئے اور انہیں شرمسار ہونا پڑا اور انہوں نے (اپنی) قلموں کو توڑ دیا اور صحیفوں کو پھاڑ دیا۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں ابن المقفع کی کوشش کا ذکر کیا ہے۔ اس نے معارضہ قرآن کے پختہ ارادہ کرنے کے بعد عملاً اس معارضہ کو شروع کیا۔ تو اس نے ایک بچہ کو یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھتے سنا۔

﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى

الْجُوْدِی وَ قِیْلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔﴾ (ھود: ٤٤)

''اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم۔'' (تفسیر عثمانی)

تو اس نے (لکھ کر) جو جمع کر رکھا تھا اس کو پھاڑ ڈالا اور وہ اپنے اس مشہور مقولہ کے کہنے کے بعد لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے شرمانے لگا (اس کا مشہور قول یہ ہے) خدا کی قسم! یہ کسی بشر کو اس کی مثل لانے کی سکت نہیں۔

علامہ رافعیؒ ابن المقفع کے اس قصہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

''ابن المقفع لوگوں میں سب سے زیادہ معارضہ قرآن کے ناممکن ہونے کو جانتا تھا۔ کسی (اور) وجہ سے نہیں۔ مگر یہ کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ (فصیح و) بلیغ تھا۔''

(آگے علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں)

''جب تجھے یہ کہا جائے کہ فلانا قرآن کے معارضہ کو ممکن سمجھتا ہے اور اس پر دلیل قائم کرتا ہے اور اس میں جھگڑا کرتا ہے تو تو جان لے کہ وہ (اپنی اس جھوٹی) کاریگری میں دو آدمیوں میں سے ایک ہے۔ یا تو وہ جاہل ہے کہ اپنے تئیں (اپنے کو) سچا سمجھتا ہے اور یا عالم ہے کہ لوگوں کو جھوٹ بولتا ہے۔ اور تین میں سے تیسرا نہ ہوگا۔ ❶ (یعنی اس میں تیسری بات کا امکان نہیں۔ ''نسیم'')

چنانچہ علامہ رافعیؒ ابن المقفع سے منقول اس روایت کو نہیں مانتے جس طرح وہ معری کے بارے میں بھی (اس بات کو) نہیں مانتے (کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشش کی تھی) چنانچہ یہ دونوں کی دونوں روایتیں ان کی نظر میں غلط ہیں۔ اور یہ ان دونوں حضرات پر جھوٹا الزام ہیں (کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشس کی تھی)

(و) ہمارے قریب زمانے میں ہی یہ بات پیش آئی ہے کہ بہائیوں اور قادیانیوں کے بڑوں (اور پیشواؤں) نے چند کتابیں لکھ ماری ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کتابوں سے وہ قرآن کا معارضہ کریں گے پھر وہ ڈر جاتے ہیں یا شرمندہ ہوتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں پس انہوں نے ان کتابوں کو اس امید پر چھپا رکھا ہے کہ کوئی مناسب وقت آئے گا۔ تو وہ ان کتابوں کو (لوگوں میں) باہر نکالیں گے بعد اس کے کہ جہالت عام ہو چکی ہوگی اور عقل (عامۃ الناس کی) بہک چکی ہوگی۔

توضیح

ہمارے دیار ہندوستان میں انگریزی حکومت کی حفاظت کی چھاؤں اور ان کی تلوار کے سایہ میں قادیانیت کی خانہ ساز نبوت پروان چڑھی اکابر علماء دیوبند نے اس فتنہ کی خطرناکی کو قبل از وقت ہی بھانپ لیا اور اس فتنہ کی بیخ کنی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اور ان کے دام ہمرنگ زمین کو آشکارا کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحتیں اس عظیم مقصد میں جھونک دیں۔ اور

---

❶ اس کے لئے دیکھیں علامہ رافعیؒ کی اعجاز القرآن۔

علم کا ایک نیا خزانہ تیار کر کے امت کو دے دیا۔ اکابر علماء دیوبند میں سے شاید کوئی ایک ہو کہ جس نے اس فتنہ کی شدت اور خطرنا کی کو واضح نہ کیا ہو۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کے فقط موضوعات اتنے متنوع ہیں کہ ان کی فہرست بھی کئی کتب میں جا کر تیار ہو۔

بندہ کی طالبان علوم قرآن سے گزارش ہے کہ وہ قادیانیت کا ہر رنگ، ہر انداز اور ہر طرح سے مطالعہ کریں۔ اس بارے میں مجلس ختم نبوت ملتان و کراچی و شیخوپورہ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ اور مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری صاحب اور مولانا اللہ وسایا صاحب کو اللہ تعالیٰ جزئے خیر دے کہ جنھوں نے اکابر کی تمام تحریروں کو منصۂ شہود پر لانے کی انتہائی کوشش کیں ہیں۔ البتہ خاص ان کتب کا مطالعہ طالبان علوم قرآن ناگزیر سمجھیں۔

(۱) تحفہ قادیانیت	۵ جلد	مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ
(۲) احتساب قادیانیت	۱۱ جلد	....
(۳) رئیس قادیان		مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ
(۴) ختم نبوت	۳ جلد	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
(۵) ثبوت حاضر ہیں	۲ جلد	پروفیسر محمد الیاس برنی
(۶) کادیانیت کا سیاسی تجزیہ	۲ جلد	صاحبزادہ طارق محمود
(۷) ''قادیانیت ہماری نظر میں''		متین خالد صاحب
(۸) ربوہ سے تل ابیب تک		ابو مدثرہ
(۹) تحریک ختم نبوت		شورش کاشمیری
(۱۰) شہر سدوم		حافظ شفیق مرزا

تلک عشرہ کاملۃ۔ ان کتب کے انتخاب میں بندہ نے جو موضوعات کی رعایت رکھی ہے اس کی افادیت انشاء اللہ مطالعہ کے بعد معلوم ہوگی۔ (نسیم)

شبهات حول إعجاز القرآن والرد عليها:

الشبهة الأولى: يقول أعداء الإسلام في معرض الطعن في القرآن، وفي نبي القرآن: إن محمدا ﷺ قد تلقى هذا القرآن من (بحيرا الراهب) ونسبه إلى الله عزوجل ليوهم البشر قدسيته، والجواب: أن هذه فرية ما فيها مرية، وهؤلاء الخبثاء من الصليبيين وأعوانهم من الملاحدة، إنما يروجون مثل هذه الأباطيل ليشوشوا على المثقفين من أبناء المسلمين دينهم و يفسدوا عليهم عقائدهم بأمثال هذه الشبهات والافتراء ات، وهذه الشبهة باطلة لعدة أمور:

أولا: ان الرسول لم يثبت عنه أنه سافر إلى الشام إلا مرتين: مرة فى صغره مع عمه (أبى طالب) و مـــرة فى شبابه مع (ميسرة) غلام السيدة خديجة، ولم يحدثنا التاريخ إنه سمع من (بحيرا) أو تلقى عنه درسا واحدا، وإنما غاية الأمر أن (بحيرا الراهب) رأى سحابة تظلل الرسول، فحدث عمه بأن هذا الغلام سيكون له شان، ثم طلب منه أن يعيده إلى مكة خوفا عليه من اليهود، ثم هل يعقل والرسول فى سن الصغر أن يتلقى هذه العلوم و المعارف؟ أو يأتى بمثل هذا القرآن المعجز وهو لم يتجاوز بعد سن العاشرة؟ و فى المرة الثانية كان غرضه التجارة ولم يثبت أنه ألتقى بأحد من الرهبان فى هذه السفرة، فمن أين لهم هذا البهتان و الافتراء؟

ثانيا: من المستحيل عقلا على أى إنسان أن يصبح فى هذه المرتبة (أستاذ العالم) لمجرد مصادفته لراهب من الرهبان مرتين مع أنه كان فى الأولى صغيرا و فى الثانية تاجرا، وأن يأتى بهذا الكتاب وهو امى لمجرد التقائه بأحد الرهبان مرة أو مرتين.

ثالثا: لو كان هذا الراهب المسمى (بحيرا) هو مصدر هذا القرآن، لكان هو الأحرى بالنبوء ة والرسالة، أو لكانت عبقريته تفوق عباقرة الدنيا، لأنه أتى بكلام أعجز فيه الأولين والآخرين.

رابعا: نقول إن المشركين من كفار قريش كانوا أعقل وأسلم تفكيرا من هو لاء المجانين لأنهم- مـــع شـــدة حـــرصهم على تكذيب الرسول و تبهيته- لم يقبلوا على أنفسهم مثل هذا الكذب الرخيص، ولم يفكروا أن يقولوا إنه تعلم م
ن (بحيرا الراهب) لمجرد الالتقاء به مرتين
لأن العقل لا يستسيغ ذلك.

الشبهة الثانية: يقولون هذا القرآن من تعليم (جبر الرومى) تعلم منه الرسول فى مكة ...... الخ. والجواب أن هذه الشبهة قد تولى الله عزوجل الرد عليها بأبلغ حجة وأنصح بيان فقال عز من قائل: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ط لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ٥﴾ (النحل: ١٠٣)

فهذا الرجل الذين ينسبون إليه تعليم محمد ﷺ هو رومى أعجمى لا يعرف اللسان العربى فكيف يعلمه القرآن؟ وقد كان (جبر) هذا حددا يمتهن الحدادة و قد أسلم، فكان النبى ﷺ كثيرا ما يمر عليه فيجلس عنده، فقال المشركون: وا للّٰه ما يعلم محمدا هذا القرآن إلا جبر الرومى، وكان سيده يضربه ويقول له: أنت تعلم محمدا، فيقول: لا والله، بل هو يعلمنى ويهدينى...... ومن الغريب أن هذه التهمة قد لاقت استحسانا عند بعض الأفراد مع أنها فى منتهى الغرابة والهزل، إذ كيف يكون الأستاذ عبدا حدادا أعجميا، لا يفقه شيئا من اللغة العربية

ثم يعلم الرسول لغة الضاد!! وهل من المعقول أن يكون هذا الرومی الأعجمی مصدرا لهذا القران الذی هوا بلغ نصوص العربية بل هو معجزة من المعجزات و مفخرة العرب واللغة العربية!! ولهذا كان رد القرآن مفحما وقاطعا ﴿لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳)

الشبهة الثالثة: إن محمدا عبقرية فذة، وهذه العبقرية الخارقة، لماذا لا يمكن أن تكون هی منبع هذه الأخبار، وأن يكون هذا القرآن من تأليف محمد و ترتيبه لأنه ذو شخصية رائعة؟

والجواب: إن هذا الكلام إنما يصدر عن جاهل لا يعرف شيئا عن حياة النبی ﷺ ولا عن تاريخ عشيرته وقومه، فالرسول ﷺ عاش أربعين سنة بين قومه وهو يشار إليه بالبنان، فی صدقه وأمانته ونبله وفضله، حتی كان المشركون يلقبونه بـ (الصادق الأمين) فهل يعقل بعد هذه الحياة الشريفة الطاهرة، أن يأتی بأعظم بهتان فيزعم أن هذا القرآن من عند الله، وأنه رسول الله؟ وبداية الإنسان تدل علی نهايته فكيف يتفق هذا مع تاريخ الرسول الشريف الطاهر، وحياته الفاضلة العطرة، وحين سأل (هرقل) ملك الروم أبا سفيان عن رسول الله. هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ أجابه أبو سفيان بقوله: لا، بل هو عندنا الصادق الأمين، فقال له هرقل: لم يكن ليدع الكذب علی الناس ويكذب علی الله. ومن ناحية ثانية فقد ثبت فی التاريخ ثبوتا قاطعًا أن محمدا ﷺ كان أميا لا يعرف القراءة والكتابة، وقد أكد هذا القرآن بقوله عز من قائل. ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝﴾ فمن أين لرسول الله معرفة أخبار الأولين من الأنبياء والمرسلين؟ ومن أين له معرفة دقائق التاريخ وأحوال الأمم الغابرة وأنباء من سبق من البشر علی وجه الدقة والتفصيل، وهو بعد لم يقرأ كتابا، ولم يدرس علما، ولم يتلق هذه الأنباء عن أحد من علماء أهل الكتاب؟

ثم مهما كانت عبقرية الإنسان فذة، و نبوغه عظيما، وذكاؤه وافرا فمن أين له معرفة أمور الغيب، وأحوال المستقبل، وهل يمكن لبشر مهما سما أن يخبر عن الغيب بحيث لا يشذ عن أخباره واحدة من هذه المغيبات إلا أن يكون رسولا صادقا يوحی إليه من عند الله؟ إن العقل ليجزم بأن هذا ليس فی طوق البشر، ومهما بلغت العبقرية من النبوغ والذكاء، ومهما كانت الشخصية قوية و مثالية، فلن تستطيع أن تخرق أستار الغيب أو تخبر بما ليس فی مقدورها وصدق الله ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَاقَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝﴾

الشبهة الرابعة: يقولون: إن عجز البشر عن الإتيان بمثل هذا القرآن لا يدل علی أنه كلام

الله، وما هذا إلا كمثل عجزهم عن الإتيان بمثل (الكلام النبوى) فهل يكون كلام الرسول من عند الله؟ أو يقال إنه كلام الله؟

والجواب: أن الحديث النبوى إن عجز عامة الناس عن الإتيان بمثله فلن يعجز أحد الخاصة عن الإتيان بمثل بعضه، ولو بمقدار حديث واحد أوسطر واحد من كلامه، وكلام الرسول ﷺ وإن كان فى الذروة العليا من الفصاحة والبلاغة إلا أنه لا يخرج عن كونه كلام بشر، وقد يشتبه كلام البشر بعضهم مع بعض، حتى لنجد تشابها بين كلام النبوة وكلام بعض الخواص من الصحابة و نسمع الحديث فيشتبه علينا أمره: أهو مرفوع ينتهى إلى النبى ﷺ؟ أم هو موقوف عند الصحابى أى من كلامه؟ أم مقطوع عند التابعى؟ ولا نستطيع أن نميز حتى يرشدنا السند إلى عين قائله. ومن أوتى حاسة بيانية يدرك هذا الشبه كثيرا، وقد يلتبس علينا الأمر حين نسمع كلاما رائعا بليغا لأحد الفصحاء فنظنه من كلام الرسول ﷺ، فإذا قد يكون هناك بعض الشبه بين كلام أفصح من نطق بالضاد و بين كلام بعض النبغاء واستمع مثلا إلى هذه الجملة الرائعة (المعدة بيت الداء، والحمية رأس كل دواء، وعودوا كل جسم ما اعتاد) فإن الإنسان إذا سمع هذه لم يستبعد أن تكون حديثا لجمالها وصحتها وأسلوبها الأخاذ، وربما جزم بأنها حديث شريف مع أنها ليست بحديث إنما هى من كلام طبيب العرب المشهور (ابن كلدة) وأما القرآن فذاك له شأن آخر لا يلتبس مع غيره من الكلام، ولن تستطيع أن تجد له شبيها أو ندا، لأن الذى صنعه على عينه لن تستطيع أن تجد له شبيها أو ندا، فكيف يقاس القرآن الكريم بالحديث الشريف فى هذا المقام؟

ثانيا: ومن ناحية ثانية لو كان هذا القرآن من تأليف محمد ﷺ لكان ينبغى أن يكون الأسلوب فى (القرآن والسنة) واحدا ضرورة أنهما صادران عن شخص واحد، استعداده واحد، ومزجه واحد، مع اننا نجد الفرق بينهما واضحا، والبون شاسعا، فأسلوب القرآن ضرب وحده تظهر عليه سمات الألوهية والربوبية التى تجل عن المشابهة والمماثلة، وأسلوب الحديث الشريف ضرب آخر، لا يجل عن المشابهة والمماثلة، بل هو محلق فى جو البيان بقدر الأساليب البشرية الرفيعة، ولا يستطيع بحال أن يصعد إلى سماء إعجاز القرآن، وهذه يدركه كل إنسان إذا ما قارن بين الأسلوبين بأبسط نظره وصدق الله حيث يقول:

﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ.﴾ (لقمان : ٢٧) ﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا

الْقُرْآنِ لا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا.﴾ (الاسراء: ۸۸)

ترجمہ: اعجاز قرآن کے بارے میں چند اعتراضات اور ان کے جوابات

یہاں سے مولف کتاب اعجاز قرآن پر کئے جانے والے چند اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کر رہے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

پہلا اعتراض

دشمنان اسلام قرآن اور نبی قرآن (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن بحیرہ راہب سے سیکھا اور اس کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کردی تاکہ لوگوں کو اپنی بزرگی (و پاکی) کا دھوکہ دے۔

جواب

بے شک یہ وہ جھوٹ (اور بہتان) ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یہ خبیث صلیبی (پادری) اور ان کے ملحد اعوان (وانصار اور مستشرق مددگار) بے شک یہ اس قسم کی جھوٹی باتیں عام کرتے ہیں (اور عوام میں یہ باتیں اڑاتے ہیں) تاکہ وہ ان اعتراضات اور جھوٹے الزامات کی وجہ سے تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ان کا دین گڈمڈ کردیں اور ان کے عقائد کو بگاڑ دیں۔

یہ اعتراض چند وجہ سے باطل (اور غلط) ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (فقط) دومرتبہ ہی شام کا سفر کرنا ثابت ہے ایک دفعہ اپنی کم سنی میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ اور ایک دفعہ سیدہ خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ اپنی نوجوانی میں۔ اور تاریخ ہمیں یہ نہیں بتلاتی کہ آپؐ نے بحیرا (راہب) سے کچھ سنا ہو یا اس سے ایک ہی درس لیا ہو۔ بے شک (آخری بات اور) مقصد یہ ہے کہ بحیرا راہب نے آپؐ پر بادل کا ایک ٹکڑا دیکھا جو آپ ﷺ کو سایہ کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ اس راہب نے آپؐ کے چچا (ابوطالب) کو یہ بتلایا کہ اس لڑکے کی ایک (عجیب) شان ہوگی۔ پھر یہود کے ان پر اندیشہ کی وجہ سے ابوطالب سے ان کو واپس مکہ بھیج دینے کا مطالبہ کیا۔ پھر کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کم سنی میں یہ علوم و معارف (اس راہب) سے سیکھ لئے ہوں؟ یا اس معجز (کلام) قرآن (کریم) کی مثل لے آئے جبکہ آپ ﷺ کی عمر (اس وقت) دس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور دوسری مرتبہ (کے سفر میں) آپ ﷺ کی غرض تجارت تھی۔ اس سفر میں آپ ﷺ کا کسی راہب سے ملنا ثابت نہیں۔ تو پھر ان (یہود و نصاریٰ، ملحدین و مستشرقین) کو اس (بے بنیاد) الزام اور جھوٹ کی کہاں سے گنجائش ہے؟

(۲) کسی بھی انسان کے لئے عقلاً یہ محال ہے کہ وہ کسی ایک راہب سے (فقط) دومرتبہ ملنے سے اس مرتبہ تک (یعنی پورے عالم کا استاد بننے تک) پہنچ جائے۔ باوجودیکہ کہ پہلی ملاقات میں وہ ایک کمسن لڑکا ہو اور دوسری ملاقات

میں ایک تاجر۔ اور اس معجز کتاب کو فقط کسی راہب سے ایک دو ملاقات کے کرنے سے ہی لے آئے۔ جب کہ وہ امی (بھی) ہو۔ (کہ یہ بھی عقلاً کسی انسان کے لئے محال ہے)

(۳) اگر یہ راہب جس کا نام بحیرا تھا وہی قرآن کا مصدر تھا (یعنی قرآن اس سے صادر ہوا) تو رسالت و نبوت کے وہ زیادہ لائق تھا۔

یا یہ کہ اس (راہب) کی عبقریت تمام دنیا کے عباقرہ (اور خداداد صلاحیتوں والے یکتائے روز لوگوں) سے بڑھ کر ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک ایسا کلام لے کر آیا ہے کہ جس نے اولین و آخرین کو عاجز کر دیا۔

(۴) ہم یہ کہتے ہیں کہ کفار قریش میں مشرکین ان دیوانوں (اور پاگلوں) سے زیادہ عقل مند اور سلامت فکر والے تھے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب اور (آپؐ کو) لاجواب کرنے کی شدید حرص کے باوجود انہوں نے آپؐ اس گھٹیا جھوٹ کو تھوپنا پسند نہ کیا۔

اور انہوں نے یہ کہنے کے لئے (کبھی) نہ سوچا کہ آپؐ نے (یہ سب کچھ) بحیرا راہب سے صرف دو ملاقاتوں میں سیکھ لیا۔ کیونکہ یہ بات عقل میں آسانی سے نہیں اترتی۔

(ہم اس پر تفصیلی کلام 'علوم القرآن' صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۷ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں۔ اس کے لئے مزید دیکھیں بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۴۸-۳۴۹ حاشیہ نمبر ۱۲ از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم)

دوسرا اعتراض

یہ کرتے ہیں کہ یہ قرآن ''جبر الرومی'' کے سکھلانے سے تھا کہ آپؐ نے اس سے مکہ میں (یہ قرآن) سیکھا (اور حاصل کیا)............

جواب

(اس کا یہ ہے) کہ خود اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغ دلیل اور واضح اور روشن بیان کے ساتھ اس اعتراض کے رد کی ذمہ داری اٹھالی۔

چنانچہ اللہ عزوجل یہ فرماتے ہیں:

❶ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳)

''اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ اس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی جس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف۔'' (تفسیر عثمانی)

❶ متن کتاب میں لفظ ''لسان'' کے بعد ''الذی'' کا لفظ کتابت سے رہ گیا ہے۔ (نسیم)

چنانچہ یہ آدمی کہ جس کی طرف محمد ﷺ کو تعلیم دینے کی نسبت (یہ بے دین اندھے لوگ) کرتے ہیں یہ رومی عجمی تھا کہ جو عربی زبان کو (اچھے طریقہ سے) جانتا (بھی) نہ تھا تو وہ محمد (ﷺ) کو قرآن کیسے سکھلاتا۔ اور یہ آدمی (کہ جس کا نام) جبر تھا یہ لوہار تھا۔ جو لوہاری کا کام کرتا تھا۔ وہ ایمان لے آیا۔ چنانچہ آپؐ اکثر اس کے پاس سے گزرتے تو اس کے پاس بیٹھ جاتے تو اس پر مشرکین کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو یہ قرآن جبر رومی ہی سکھلاتا ہے۔ اور اس کا آقا (کیونکہ یہ غلام تھے) ان کو مارتا (پیٹتا) اور کہتا کہ تو محمد (ﷺ) کو (یہ قرآن) سکھلاتا ہے وہ کہتا: نہیں خدا کی قسم! (نہیں) بلکہ مجھے تو وہ سکھلاتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ بعض لوگوں کو یہ الزام بڑا پسند آیا باوجودیکہ یہ غرابت اور ضعف (اور بلکہ اپنے چھچھورپن) کی انتہا پر ہے۔ کیونکہ ایک استاذ غلام لوہار عجمی کیسے ہوسکتا ہے کہ جو عربی زبان میں سے کچھ نہیں جانتا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصیح عربی زبان سکھلائے کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ یہ عجمی رومی اس قرآن کا مصدر (اور جائے حصول) ہو کہ جو نصوص عربیہ (اور کلام عربی) میں سب سے بلیغ ہو!! اسی لئے قرآن نے لاجواب اور ناقابل تردید جواب دیا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳)

''جس کی تعریفیں کرتے ہیں اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف۔''

توضیح

معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۴۰۴ پر اس رومی عجمی لوہار کا نام بلعام یا مقیس لکھا ہے (بحوالہ الدر المنثور) خلاصہ تفسیر میں بحوالہ بیان القرآن جلد ۶ صفحہ ۶۲ میں بعنوان ''جواب شبہات بر نبوت مع تہدید'' کے نہایت عمدہ کلام درج ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس نہایت نامعقول اعتراض کا بہمہ وجوہ جواب دیا ہے دیکھئے حوالہ بالا۔

حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ''وہ غلام کچھ انجیل بھی جانتا تھا۔ جس سے کافروں کو یہ اعتراض کرنے کا موقع ملا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن لفظ و معنی دونوں کا مجموعہ ہے اگر تم معنی کی جزالت خارقہ نہیں سمجھ سکتے ہو تو الفاظ کی بلاغت خارقہ کو تو (اے مشرکو!) تم سمجھتے ہو۔ اگر مان بھی لیا کہ مضامین اس نے سکھلا دیئے تو بھلا وہ الفاظ اس کو کہاں سے آ گئے۔

ترجمہ: تیسرا اعتراض

یہ ہے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کی عبقریت شاذ (اور منفرد اور یکتائے روزگار) تھی۔ تو اس عبقریت خارقہ سے یہ بات کیوں نہیں ممکن کہ وہ ان خبروں کا منبع ہو (کہ یہ سب کچھ اس لاثانی خداداد صلاحیت سے ظہور پذیر ہوا) اور (یہ بات کیوں ممکن نہیں کہ) یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تالیف و ترتیب ہو۔ کیونکہ آپؐ ایک نہایت شاندار شخصیت کے مالک تھے۔

جواب

اس کا یہ ہے کہ یہ بات کسی ایسے جاہل سے ہی صادر ہوسکتی ہے کہ جو آپ ﷺ کی زندگی اور آپ کی قوم اور خاندان کی

تاریخ سے ناواقف ہو۔تو (سنیے) رسول اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے درمیان ۴۰ سال زندگی گزارتے رہے اور آپ ﷺ کی صداقت، امانت، رتبہ اور بڑائی کے بارے میں انگلیوں سے اشارہ کئے جاتے تھے۔(یعنی شہادت دی جاتی تھی) یہاں تک کہ مشرکین نے آپ کا لقب ''الصادق، الامین'' رکھ دیا تھا۔تو اس شرافت والی پاکیزہ زندگی کے بعد یہ بات عقل میں سماتی ہے کہ آپؐ (ایک دم) ایک نہایت بہتان (اور جھوٹ گھڑ) لائیں۔جبکہ آپ ﷺ کو یہ یقین تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں؟ (پس قاعدہ یہ ہے کہ) آدمی کی ابتداء اس کی انتہا پر دلالت کرتی ہے۔تو یہ بات رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریف (اور) پاک تاریخ اور آپ ﷺ کی بزرگ اور (نیکیوں کی خوشبو میں) رچی بسی زندگی اس (الزام) کے کیسے مطابق ہوسکتی ہے۔

اور جب روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے (کہ اس وقت وہ اسلام نہ لائے تھے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یہ پوچھا ''کیا تم ان پر ان کے ان باتوں کے کہنے سے پہلے جھوٹ کی تہمت دھرتے تھے؟

تو ابوسفیانؓ نے اپنے اس قول سے جواب دیا: نہیں (ایسا نہیں) بلکہ وہ ہمارے ہاں صادق الامین (مشہور) ہیں (کہ اس کی عرب کا بچہ بچہ گواہی دیتا ہے) تو اس پر ہرقل نے ابوسفیانؓ سے کہا، یہ نہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو جھوٹ سے چھوڑ دے اور اللہ پر جھوٹ باندھے (یعنی لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے مگر اللہ پر جھوٹی بات لگائے یہ نہیں ہوسکتا)

اور ایک دوسرے پہلو سے یہ بات ایک ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ ثابت ہے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔اور قرآن نے یہ بات اس ارشاد خداوندی عزوجل سے پکی کر دی ہے۔(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝﴾ (العنکبوت: ۴۸)

''اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔''
(تفسیر عثمانی)

تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے انبیاء و مرسلین کی خبریں کہاں سے مل گئیں؟

اور آپ ﷺ کو تاریخ کے دقائق اور گزشتہ امتوں کے احوال اور پہلوں انسانوں کی خبروں کی اتنی باریکی اور تفصیل کے ساتھ معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی؟ اور آپؐ نے بعد میں (بھی) کوئی کتاب نہیں پڑھی اور کسی علم کا سبق نہیں پڑھا اور اہل کتاب کے کسی عالم سے ان خبروں کو حاصل (بھی) نہیں کیا؟

پھر کیا جب ایک آدمی کی خداداد صلاحیتیں بے مثال ہوں گی اور اس کے علم و فن کی مہارت عظیم ہوگی اور اس کی عقل کامل ہوگی تو اس کو غیب کی باتوں اور آئندہ کے حالات کی خبر کہاں سے ہوگی؟ اور کیا کسی انسان کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ جب اس کو یہ اشتیاق ہو کہ وہ غیب کی خبریں دے اس طور پر کہ وہ اپنی خبروں میں غیب کی خبروں میں سے کسی ایک میں بھی الگ (اور شاذ) نہ ہو مگر یہ کہ وہ سچا رسول ہو جس کی طرف اللہ کی وحی آتی ہو؟ بے شک عقل اس بات کا یقین کرتی ہے کہ یہ کسی انسان کی قدرت میں نہیں۔اور جب بھی عبقریت (اور خداداد صلاحیت) علم و فن میں اور عقل و فہم میں پختہ اور کامل ہو جائے گی۔اور اس

کی شخصیت قوی اور مثالی ہو جائے گی تو وہ غیب کے پردوں کو ہرگز نہیں پھاڑ سکے گا اور ان باتوں کی خبر نہ دے سکے گا جن کی اسے قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَاقَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝﴾ (طٰہٰ: ۹۹)

''یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو اپنے احوال جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح

حقانیت قرآن اور مغرب کے غیر مسلم مصنفین

حضرت علامہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس عنوان کے تحت اس موضوع پر طویل روشنی ڈالتے ہیں ہم یہاں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

''ایک زمانہ تھا جب مغربی مصنفین عیسائیت کے تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا یوں کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانی بوجھی تصنیف ہے اور (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے نبوت خود ساختہ تھا۔ لیکن اب خود مغرب کے غیر مسلم مصنفین کا یہ کہنا ہے کہ پچھلے اہل مغرب کا نظریہ محض ایک معاندانہ نظریہ تھا۔ جس کی پشت پر کوئی دلیل نہ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس بات کی تکذیب کرتی ہے۔''

عہد حاضر کے مشہور مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

''قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہ نظریہ عام کیا گیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک (معاذ اللہ) جھوٹے پیغمبر تھے جو (معاذ اللہ) غلط طور سے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے لیکن قرون وسطیٰ کے یہ تصورات جو دراصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اتر رہے ہیں۔'' ❶

پروفیسر واٹ نے بالکل ٹھیک کہا کہ آپؐ کی تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہ تھے بلکہ یہ اس پروپیگنڈے کا ایک جز تھا جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ضروری سمجھا جا رہا تھا۔ انہوں نے خاصی تفصیل کے ساتھ ان قدیم اہل یورپ کی تردید کی ہے جو آپؐ پر معاذ اللہ جھوٹے دعوے یا جنون یا کسی بیماری کا الزام عائد کرتے تھے اور بتایا کہ عہد حاضر کے مذہبی سکالر روشن دلائل کی وجہ سے ان الزامات کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں قرون وسطیٰ کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دے دینا چاہیے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسا انسان سمجھنا چاہیے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے وہ پیغامات سناتے تھے

❶ Watt: Bell's Introduction to Quran Ch.2, P.17

جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ان کے پاس خدا کی طرف سے آ رہے ہیں۔'' ❶

اس اعتراف کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاف الفاظ میں سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر لیا جاتا۔ لیکن صدیوں سے ذہنوں پر جمے ہوئے تصورات آسانی سے نہیں مٹتے۔ چنانچہ پروفیسر واٹ صاحب کو گزشتہ مصنفین کے غلط ہونے کا تو اقرار ہے لیکن دوسری طرف اپنے مذہب کو چھوڑ کر علی الاعلان انہیں اسلام قبول کر لینا دشوار ہے۔
(علوم القرآن صفحہ ۲۷۷-۲۷۸ ملخصًا)

ترجمہ: چوتھا اعتراض:

وہ یہ کہ ملحدین کہتے ہیں کہ آدمی کا اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہونا یہ اسکے کلام اللہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ نہیں مگر (اسی طرح) کہ جیسے لوگ کلام نبویؐ کی مثل لانے سے قاصر ہیں۔ تو کیا (اب اس وجہ سے) کلام الرسول بھی اللہ کی طرف سے ہوگا؟ یا یہ کہا جائے کہ یہ کلام اللہ ہے؟

جواب

اس اعتراض کا یہ ہے کہ اگرچہ بعض عام لوگ حدیث نبویؐ کے مثل لانے سے عاجز ہیں مگر بعض خواص اس کے بعض کی مثل لانے سے ہرگز عاجز نہیں ہیں۔

اگرچہ وہ مثل کلام الرسول کی ایک حدیث یا ایک سطر کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور کلام الرسول۔

اگرچہ فصاحت و بلاغت کی بلند چوٹیوں پر ہے مگر یہ کہ یہ کلام بشر ہونے سے نہیں نکلا (کہ وہ کلام معجز بن جائے) اور کبھی ایک انسان کا کلام دوسرے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم کلام نبوت اور بعض خواص صحابہ کرامؓ کے کلام میں مشابہت پاتے ہیں۔ (چنانچہ) ہم ایک حدیث سنتے ہیں اور ہم پر یہ بات مشتبہ ہو جاتی ہے کہ آیا یہ حدیث مرفوع ہے کہ (جس کی سند) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے یا یہ صحابی تک موقوف ہے یعنی اس کا کلام ہے یا یہ کہ وہ تابعی تک مقطوع ❷ ہے۔ اور ہم (اس کلام میں) تمیز نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اس کے قائل تک ہماری راہنمائی (اس حدیث کی) سند کرتی ہے۔ اور جس کو (قوت) بیان کی حس دی گئی ہے اسے یہ شبہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور کبھی ہم پر بات مشتبہ ہو جاتی ہے یہاں تک ہم ایک شاندار (اور عمدہ فصیح و بلیغ کلام سنتے ہیں۔ اور اس کو کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ بیٹھتے ہیں۔ تو پھر (اس مقام پر) کبھی کبھی سب سے فصیح (و بلیغ) عربی بولنے والے کے کلام (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام) اور بعض زبان و بیان کے ماہرین کے بیان کے درمیان شبہ ہو جاتا ہے مثلاً تو اس شاندار جملہ کو غور سے سن۔

المعدة بيت الداء، والحمية رأس كل دواء، وعودوا كل جسم ما اعتاد.

---

❶ Watt: Bell's Introduction to Quran Ch.2, P.18

❷ اصطلاحات علم حدیث کے لئے دیکھیں مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا نہایت مفید رسالہ ''خیر الاصول'' (نسیم)

''معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سب دواؤں کی جڑ ہے اور ہر جسم کو اسی کا عادی بناؤ۔ جس کا وہ عادی ہو۔''

بے شک انسان جب اس جملہ کو سنتا ہے تو وہ اس جملے حسن اور اس کے مسحور کن اسلوب کی وجہ سے اس کے حدیث ہونے کو ناممکن نہیں سمجھتا اور کبھی وہ اس کو حدیث شریف (ہی) سمجھ بیٹھتا ہے باوجودیکہ وہ حدیث نہیں ہے بے شک یہ تو عرب کے مشہور طبیب ابن کلدہ کا کلام ہے۔

البتہ قرآن تو اس کی ایک اور ہی شان ہے یہ کسی دوسرے کے کلام سے میل نہیں کھاتا' تو ہرگز اس کی مثل اور نظیر نہیں تلاش کرسکتا کیونکہ وہ ذات کہ جس نے اس کلام کو اپنی نگرانی میں بنایا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) تو اس کی مثل اور نظیر تلاش نہیں کرسکتا۔

تو اس مقام پر حدیث شریف کو قرآن کریم پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟

(۲) (اس اعتراض کا جواب) ایک دوسرے پہلو سے (یہ ہے کہ) اگر یہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف ہوتا تو چاہیے تھا کہ قرآن اور حدیث کا ایک ہی اسلوب ہوتا اس بات کے ضروری ہونے کی وجہ سے کہ یہ دونوں (قرآن وحدیث) ایک ہی ذات سے صادر ہوئے ہیں جس کی استعداد اور مزاج (اور انداز گفتگو) ایک ہی ہے۔ اس کے باوجود ہم قرآن اور حدیث میں واضح فرق اور زمین وآسمان کا فاصلہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کا اسلوب ایک واحد مثال ہے کہ جس پر الوہیت اور ربوبیت کے وہ رخ ظاہر ہوتے ہیں کہ جو مشابہت اور مماثلت سے دور ہیں۔ اور حدیث شریف کا اسلوب ایک دوسرا (طرز اور) نمونہ ہے کہ جو مشابہت اور مماثلت سے دور نہیں۔ بلکہ وہ فضائے بیان میں بلند بشری اسالیب کے بقدر منڈلا رہی ہے وہ کسی حال میں اس کی استطاعت نہیں رکھتی کہ وہ اعجاز قرآن کے آسمان پر چڑھ جائے۔ اس کو ہر وہ انسان پاسکتا ہے کہ جو ان دونوں اسلوب کے درمیان کشادہ بینی سے موازنہ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ م بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.﴾ (لقمان: ۲۷)

''اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی اس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی۔ بے شک اللہ زبردست ہے' حکمتوں والا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا.﴾ (الاسراء: ۸۸)

''کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔'' (تفسیر عثمانی)

من كنوز المعلومات

قال تعالٰى: ﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَابِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ○﴾ (الانبياء: ٨٣-٨٤)

مالضرا لذى مس ايوب عليه الصلاة والسلام؟

لقد ابتلى ايوب عليه الصلاة والسلام۔ ببلاء شديد و ذلك ان الشيطان سلط على جسده ابتلاء من الله و امتحانا فنفخ فى جسده فتقرح قروحا عظيمة و مكث مدة طويلة واشتد به البلاء ومات اهله و ذهب ماله فنادى ربه متوسلاً فاستجاب الله له فاذهب عنه مابه من الاذى و منحه الله العافية و من الاهل والمال شيئًا كثيرًا۔

قال رسول اللّٰه ﷺ : و اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها فرارا منه' واذا وقع بارضٍ و لستم بها فلا تهبطوا عليها مآذا يقصد الرسول ﷺ بهذا الحديث؟

الطاعون: قال رسول الله ﷺ الطاعون شهادة لكل مسلم (اخرجه البخارى ١٠/١٥٦

وقال ﷺ "جعله الله رحمة للمؤمنين' فليس من عبديقع الطاعون فيمكث فى بلده صابراً يعلم انه لن يصيبه الا ماكتب الله له الا كان له مثل اجر الشهيد" (واخرجه البخارى ١٠/١٥٧' احمد ٦/٦٤)

معلومات کا خزانہ

سوال: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَابِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ○﴾ (الانبياء: ٨٣-٨٤)

"اور ایوب کو جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی اس کی فریاد۔ سو دور کردی جو اس پر تھی تکلیف اور عطا کئے اس کو اس کے گھر والے اتنے ہی اور ان کے ساتھ۔ رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت بندگی کرنیوالوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

وہ کونسی تکلیف تھی کہ جو حضرت ایوب علیہ السلام کو ہوئی؟

جواب: حضرت ایوب علیہ السلام بہت شدید آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔ آپ کے بدن مبارک پر اللہ کی طرف سے آزمائش اور امتحان کے طور پر شیطان کو مسلط کر دیا گیا۔ اس نے آپ کے بدن پر پھونک ماری جس سے آپ

کے بدن پر بڑے بڑے پھوڑے نکل آئے۔ اور وہ بڑے عرصہ تک باقی رہے اور آپ پر آزمائش سخت ہوتی چلی گئی (حتیٰ کہ) آپ کے اہل وعیال کا انتقال ہوگیا اور آپ کا مال (اسباب سب) ضائع ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے رب سے مدد مانگتے ہوئے دعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ سے تکلیف کو دور کر دیا۔ آپ کو عافیت اور اہل وعیال اور بہت سا مال عطا فرمایا۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا ''کہ وہ جب کسی زمین میں آن پڑے اور تم بھی وہیں ہو اور اس سے بچنے کے لیے وہاں سے مت نکلو۔ اور جب وہ کسی زمین ہو اور تم وہاں نہ ہو تو تم وہاں جانہ ٹھہرو۔'' (اس حدیث میں ہو وہ کونسی شی مراد ہے؟)

جواب: وہ طاعون ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! طاعون (کے ذریعہ مرجانا) ہر مسلمان کے لیے شہادت (کا سبب) ہے۔ (بخاری شریف ۱۰/۱۵۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے طاعون کو مومنین کے کے لئے رحمت بنایا ہے نہیں ہے کوئی بندہ کہ طاعون آن پڑے اور وہ اپنے شہر ہی میں صبر کر کے ٹھہرا رہے۔ (کہ جہاں طاعون پھوٹا ہے) اور اسکا یقین ہے کہ اسکو وہی پہنچے گا کہ جو اللہ نے اس کے لیے (مقدر میں) لکھ دیا ہے مگر اس کے لیے شہید جتنا اجر ہے۔ (بخاری شریف ۱۰/ ۱۵۷ احمد ۶/۶۴)

☆☆☆

القسم الثانى

التفسير بالدراية (الرأى)

بعد أن تحدثنا عن التفسير بالرواية' ننتقل الآن إلى الحديث عن التفسير بالدراية' وهذا النوع يسمى عند علماء التفسير (التفسير بالرأى) أو التفسير بالمعقول' لأن المفسر لكتاب الله تعالى يعتمد فيه على اجتهاده' لا على المأثور المنقول عن الصحابة أو التابعين' بل يكون فيه الاعتماد على اللغة العربية' و فهم أسلوبها على طريقة العرب' ومعرفة طريقة التخاطب عندهم' وإدراك العلوم الضرورية' التى ينبغى أن يكون ملما بها كل من أراد تفسير القرآن' كالنحو والصرف و علوم البلاغة' وأصول الفقه' ومعرفة أسباب النزول' إلى غير ما هنالك من العلوم التى يحتاج إليها المفسر' كما سنبينه فيما بعد إن شاء الله تعالى.

معنى التفسير بالرأى:

المراد بالرأى هنا (الاجتهاد) المبنى على أصول صحيحة' وقواعد سليمة متبعة' يجب أن يأخذ بها من أراد الخوض فى تفسير الكتاب' أو التصدى لبيان معانيه' وليس المراد به مجرد (الرأى) أو مجرد (الهوى) أو تفسير القرآن بحسب ما يخطر للإنسان من خواطر' أو بحسب ما يشاء. فقد قال القرطبى: من قال فى القرآن بما سنح فى وهمه' أو خطر على باله' من غير استدلال عليه بالأصول' فهو مخطى' مذموم' وعليه يحمل الحديث الشريف ((من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار' ومن قال فى القران برأيه فليتبوأ مقعده من النار))

وقد قال ﷺ: ((من قال فى القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ))

قال القرطبى رحمه الله فى مقدمة تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) ما نصه:

فسر حديث ابن عباس ((ومن قال فى القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) تفسرين:

أحدهما: من قال فى مشكل القرآن بما لا يعرف من مذهب الصحابة والتابعين فهو متعرض لسخط الله.

ثانيهما: من قال فى القرآن قولا يعلم أن الحق غيره فليتبوأ مقعده من النار.

وقد رجح القرطبى القول الثانى فقال: وهو أثبت القولين' وأصحّهما معنى. ثم قال: وأما حديث (جندب) فقد حمل بعض أهل العلم هذا الحديث على أن الرأى معنيّ به (الهوى)

والمراد من قال فى القرآن قولا يوافق هواه، لم يأخذه عن أئمة السلف فأصاب فقد أخطأ، لحكمه على القرآن بما لا يعرف أصله، ولا يقف على مذهب أهل الأثر والنقل فيه.

وقال ابن عطية: ومعنى هذا أن يسأل الرجل على معنى فى كتاب الله عزوجل، فيسور عليه (أى يهجم عليه) برأيه دون نظر فيما قال العلماء واقتضته قوانين العلم كالنحو والأصول، وليس يدخل فى هذا الحديث، أن يفسر اللغويون لغته، والنحويون نحوه، والفقهاء معانيه وأحكامه، ويقول كل واحد باجتهاده المبنى على قوانين علم ونظر، فإن القائل على هذه الصفة ليس قائلا بمجرد رأيه.

أنواع التفسير بالرأى:

وعلى هذا يمكن تقسيم التفسير بالرأى إلى قسمين:

(١) تفسير محمود.

(٢) تفسير مذموم.

فالتفسير المحمود:

ما كان موافقا لغرض الشارع، بعيدا عن الجهالة والضلالة، متمشيا مع قواعد اللغة العربية، معتمدا على أساليبها فى فهم النصوص القرآنية الكريمة، فمن فسر القرآن برأيه (أى باجتهاده) متلزما الوقوف عند هذه الشروط، معتمدا عليها فيما يرى من معانى الكتاب العزيز، كان تفسيره جائزا سائغا، جديرا بأن يسمى (التفسير المحمود) أو التفسير المشروع.

وأما التفسير المذموم:

فهو أن يفسر القرآن بدون علم، أو يفسره حسب الهوى، مع الجهالة بقوانين اللغة أو الشريعة، أو يحمل كلام الله على مذهبه الفاسد، وبدعته الضالة، أو يخوض فيما استأثر الله بعلمه، ويجزم بأن المراد من كلام الله هو كذا و كذا، فهذا النوع من التفسير هو (التفسير المذموم) أو التفسير الباطل. و باختصار: فإن التفسير المحمود، ما كان صاحبه عارفا بقوانين اللغة، خبيرا بأساليبها، بصيرا بقانون الشريعة.

والتفسير الباطل المذموم: ما كان منبعثا عن الهوى، قائما على الجهالة والضلاة. مثاله: ما ورد عن بعض الجهلة من ادعياء العلم فى قوله تعالى. ﴿يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ أنَاسٍ بإمامهم﴾ أن المراد

بها أن الله تعالى ينادى الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم سترا عليهم' فقد فسر هذا الجاهل (الإمام) بالأمهات وظن أن الإمام جمع أم' مع أن اللغة العربية تأبى هذا' لأن جمع الأم أمهات قال تعالى. ﴿وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ولا يكون جمع الأم إماما فإن ذلك فاسد لغة وشرعا' والمراد بالإمام هنا (النبى) الذى اتبعته أمته' أو كتاب الأعمال بدليل تتمة الآية: ﴿فَمَنْ أوتِىْ كِتَابَه بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يقرء ونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾

فإذا لم يفهم الإنسان قواعد اللغة' ولا أصول العربية' خبط خبط عشواء وكان عليل الرأى' سقيم الفهم' وكذلك من لم يفهم غرض الشرع' وقع فى الجهالة والضلالة' كمن يأخذ بظاهر الآية الكريمة وهى قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ هذه أعمى' فَهُوَ فِیْ الآخرة أعمى وأضلَ سَبِيْلًا﴾ فيحكمْ على كل أعمى بالشقاوة والخسران و دخول جهنم' مع أن المراد بالعمى ليس عمى البصر' وإنما هو (عمى القلب) بدليل قوله تعالى: ﴿فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ٥﴾ و ربما كان عمى البصر سببا لسعادة الإنسان كما جاء فى الحديث القدسى: (من ابتليته بجبيبته (يعنى عينيه) فصبر عوضته الجنة)

وسنذكر بعض النماذج عن التفسير الباطل المذموم عند الكلام على غرائب التفسير فارجع إليه هناك.

ترجمہ: دوسری قسم

تفسیر بالدرایہ یعنی تفسیر بالرائے

تفسیر بالروایہ پر گفتگو کرنے کے بعد ہم اب تفسیر بالدرایہ (یعنی تفسیر بالرائے) پر گفتگو کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور (تفسیر کی) اس قسم کا نام علماء تفسیر کے نزدیک تفسیر بالرائے یا "تفسیر بالمعقول" رکھا جاتا ہے کیونکہ (اس میں) کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والا اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتا ہے نا کہ صحابہ وتابعین سے منقول اقوال پر بلکہ اس میں وہ لغت عربیہ اور عربی طریقہ پر لغت عربی کے اسلوب کے فہم اور عربوں کے نزدیک طریقہ تخاطب کی معرفت اور ان ضروری علوم کے ادراک پر اعتماد کرتا ہے کہ جن کا ہر اس شخص کو واقف ہونا ضروری ہے کہ جو قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرے۔ جیسے (علم) نحو وصرف اور علوم بلاغت اور اصول فقہ اور اسباب نزول کی معرفت اور ان کے علاوہ وہ بہت سے دوسرے علوم کہ جن (کے جاننے) کا (ایک) مفسر محتاج ہوتا ہے جیسا کہ ہم ان (سب کی تفصیل) کو عنقریب آئندہ کلام میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر بالرائے کامعنی

رائے سے یہاں (ہماری) مراد وہ اجتہاد ہے جو اصول صحیحہ اور قواعد سلیمہ متوارثہ (موتراترہ کہ جن کی پیروی کی جاتی ہو) پر مبنی ہو۔ اور جو آدمی بھی تفسیر کتاب میں پڑنا اور اس کے معانی کے بیان کے درپے ہونا چاہتا ہے اس پر ان (اصول صحیح وقواعد سلیمہ متوارثہ) کو لینا (اور جاننا) واجب ہے اور ہماری مراد محض رائے یا محض ہوائے (نفس) یا قرآن کی تفسیر دل پر گزرنے والے خیالات کے مطابق کرنا' یا من چاہی تفسیر کرنا نہیں ہے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''جس نے قرآن کے بارے میں وہ بات کہی جو اس کے خیال میں سوجھی یا دل میں آگئی اس پر اصول (وقواعد صحیحہ) سے استدلال کے بغیر' تو وہ خطا کار اور برا (شخص) ہے اور ایسے (ہی) شخص پر اس حدیث کو محمول کیا جائے گا۔''

من كذب على متعمدا مليتبوأ مقعده من النار.

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔''

اور دوسری حدیث:

ومن قال في القران برأيه فليتبوأ مقعده من النار.

''اور جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔''

اور تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ.

''جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو اگر صحیح بات بھی کہی تو اس نے غلطی کی۔''

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' کے مقدمہ میں یہ کہا ہے: حدیث ابن عباسؓ **ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار.** کی دو تفسیریں بیان کی گئیں ہیں۔

(۱) جس نے قران کے ''مشکل'' ❶ کے بارے میں وہ بات کہی کہ جو صحابہؓ اور تابعین کے مذہب میں معروف (اور مشہور) نہ ہو تو ایسا شخص رب کی ناراضی کے درپے ہونے والا ہے۔

(۲) (دوسری تفسیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ) جس نے قران کے بارے میں ایسی بات کہی کہ وہ جانتا ہے کہ حق دوسری بات ہے (پھر بھی اس غلط کو کہا یعنی جانتے بوجھتے غلط بات کہی) تو ایسا شخص جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں) تحقیق علامہ قرطبیؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ''یہ دونوں میں زیادہ

---

❶ ''مشکل'' کی تعریف کے لئے دیکھیں ''اصول الشاشی'' صفحہ۲۴ فقال: ''فهو ما ازداد خفاء على الخفي كا نه بعد ما خفي على السامع حقيقته دخل في اشكاله و امثاله حتى لا ينال المراد الا بالطلب ثم بالتأمل حتى يتميز عن امثاله'' انتهى.

مضبوط (واضح اور محقق) قول ہے۔ اور دونوں میں معنی کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ پھر یہ ارشاد فرمایا: ''رہی حضرت جندبؓ (سے مروی) حدیث' تو بعض اہل علم نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ ''رائے'' سے مراد ''ھوای'' (یعنی خواہش نفس) ہے (اب اس حدیث کا) مطلب یہ ہے کہ ''جس نے قرآن کے بارے میں ایسا قول کیا کہ جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو کہ جس کو اس نے آئمہ سلف (اور علماء متقدمین اور جمہور) سے نہ لیا ہو۔ تو اس نے اگر صحیح بھی کہا تو غلط کہا کیونکہ اس نے قرآن پر ایسا حکم لگایا کہ جس کی اصل کو وہ نہیں جانتا اور وہ اصحاب اثر (وروایت) کے مذہب کو اور اس قول کے بارے میں ''نقل'' کو نہیں جانتا۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سے کتاب اللہ عزوجل کے کسی معنی کو دریافت کیا جائے اور وہ قرآن پر اپنی رائے دھونس مارے (یعنی اپنی رائے لے کر قرآن پر چڑھ دوڑے) یہ دیکھے بغیر کے علماء نے اس بارے میں کیا کہا ہے اور قوانین علم جیسے نحو اور ''اصول'' وغیرہ کا اس بارے میں کیا مقتضی ہے۔

اور اس حدیث میں یہ بات داخل نہیں ہے کہ اہل لغت اپنی لغت سے' اور نحوی نحو سے اور فقہاء قرآن کے معانی اور اس کے احکام سے اس کی تفسیر کریں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اس اجتہاد کی بنا پر قول کر رہا ہے جو علم ونظر کے قوانین پر مبنی ہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ (قرآن کے بارے میں کوئی) قول کرنے والا محض اپنی رائے سے قول کرنے والا نہیں۔

تفسیر بالرائے کی اقسام

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''اس (مذکورہ تفصیل کی) بنا پر تفسیر بالرائے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔''

(۱) تفسیر محمود (پسندیدہ تفسیر)

(۲) تفسیر مذموم (بری تفسیر)

تفسیر محمود

تفسیر محمود وہ تفسیر ہے کہ جو غرض شارع کے موافق' جہالت وضلالت سے دور قواعد لغت عربیہ کے ساتھ ساتھ چلنے والی اور قرآن کریم کی نصوص کے فہم میں لغت عربیہ کے اسالیب پر اعتماد کرنے والی ہو۔ پس جس شخص نے اپنی رائے (یعنی اپنے اجتہاد) سے ان شروط سے واقفیت کو لازم پکڑتے ہوئے اور کتاب عزیز کے بارے میں اپنی رائے میں ان شروط پر اعتماد کرتے ہوئے تفسیر کی تو وہ تفسیر جائز (پسندیدہ و) خوشگوار (اور اچھی) اور اس بات کے لائق ہے کہ اس کا نام تفسیر محمود یا تفسیر مشروع (شرع کی مراد کے موافق تفسیر) رکھا جائے۔

تفسیر مذموم

(یہ) وہ (تفسیر) ہے کہ (جس میں) بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرے یا اپنی خواہش نفس کے مطابق کرے باوجودیکہ لغت یا شریعت کے قوانین سے ناواقف ہو۔ یا کلام اللہ کو اپنے فاسد (اور بگڑے ہوئے) مذہب یا اپنی گمراہ (کن) بدعت پر محمول کرے۔ یا ان (آیات) میں دخل دے کہ جن (کی مراد) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص کرلیا ہے اور وہ پورے وثوق سے کہے کہ کلام اللہ کی مراد یہ ہے' یہ ہے۔

تفسیر کی یہ قسم مذموم تفسیر یا باطل تفسیر ہے۔

مختصر یہ ہے کہ تفسیر محمود وہ تفسیر ہے کہ اس کا مفسر قوانین لغت کو جاننے والا' اسالیب لغت کی خبر (اور شد بد) رکھنے والا اور قانون شریعت کو دیکھنے (اور اس کا لحاظ کرنے) والا ہو۔

اور تفسیر باطل (و) مذموم وہ تفسیر ہے کہ جو خواہش نفس سے ابھری ہو (اور) جہالت وضلالت پر قائم ہو۔

تفسیر مذموم کی مثال وہ ہے کہ جو بعض علم کے دعویدار جاہلوں سے (نقل ہوکر) اس ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں آئی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ أُنَاسٍ بامامهم﴾ (الاسراء: ۷۱)

''جس دن ہم پکاریں گے ہر فرقہ کو اس کے سرداروں کے ساتھ۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ستاری کرنے کے لئے' ان کی ماؤں کے نام سے پکارے گا۔ پس تحقیق اس جاہل (مفسر) نے ''امام'' کی تفسیر ''امہات'' سے کی اور یہ سمجھا کہ (لفظ) ''امام'' (یہ) ''ام'' کی جمع ہے باوجودیکہ عربی لغت اس کا انکار کرتی ہے کیونکہ (لغت عربی میں) ام کی جمع ''امہات'' (آتی) ہے۔ (اور اسکی دلیل یہ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء: ۲۳)

''اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ام کی جمع امام نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ لغت اور شرع (دونوں کے) اعتبار سے فاسد ہے اور یہاں امام سے مراد وہ نبی ہے کہ جس کی تابع اس کی امت ہوگی۔ یا نامہ اعمال ہے (اور یہ تفسیر) اس آیت کے آخر کی دلیل سے ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿فَمَنْ اُوتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يقرء ونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ (الاسراء: ۷۱)

''سو جس کو ملا اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے کا۔'' (تفسیر عثمانی)

پس جب آدمی لغت کے قواعد کو نہیں سمجھتا اور نہ ہی اصول عربیہ کو تو وہ بے سوچے سمجھے کام کرتا ہے (اور بے ہدایت اور بے

بصیرت ہوتا ہے) اور وہ بیمار رائے اور مریض سمجھ والا ہوتا ہے اسی طرح جو شرع (شریف) کی غرض نہیں سمجھتا وہ جہالت وگمراہی میں جا پڑتا ہے اس شخص کی طرح جو آیت کریمہ کے ظاہر کو لے لیتا ہے۔ وہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هذه أعمى فَهُوَ فِيْ الآخرة أعمى و أضلَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: ٧٢)

''اور جو کوئی رہا اس جہاں میں اندھا سو وہ پچھلے جہاں میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے۔'' (تفسیر عثمانی)

پس یہ (ظاہر بین) ہر اندھے پر بدبختی اور خسارہ اور دخول جہنم کا حکم لگاتا ہے باوجودیکہ اندھے پن سے (اس آیت میں) نگاہوں کا اندھا پن مراد نہیں ہے اور بے شک وہ اس ارشاد باری کی دلیل سے دل کا اندھا پا مراد ہے۔

﴿فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ o﴾ (الحج: ٤٦)

''سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور آنکھوں کا اندھا پن تو کبھی انسان کی سعادت کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: مـن ''ابتـلـيتـه بجبيبته (يعني عينيه) فصبر عوضته الجنة''

(اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جس سے میں اس کے دو محبوب کی آزمائش لے لوں پھر وہ صبر کرے تو اس کے بدلہ میں میں اس کو جنت دوں گا۔''

حدیث میں ''حبیبتیہ'' سے مراد دونوں آنکھیں ہیں (یعنی جس کی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں دونوں آنکھیں چھین لے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کا بدلہ اس کو جنت کی صورت میں ملے گا ''نسیم'')

اور ہم عنقریب غرائب تفسیر پر کلام کے وقت اس باطل مذموم تفسیر کے چند (اور) نمونے پیش کریں گے۔ (اگر تو چاہے تو) وہاں مراجعت کر لے۔

توضیح

اس موضوع پر ہم چند علماء کرام کی تحریروں کے نمونے پیش کرتے ہیں:

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ فرماتے ہیں:

تفسیر بالرائے پر وعید اور اس کا مطلب

(مولانا مرحوم تفسیر بالرائے کے متعلق ابوداؤد و ترمذی اور نسائی کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

(ان روایات) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قران مجید کے معانی میں غور وغوض اور ان سے احکام ومسائل کا استنباط ہی سرے سے ممنوع ہے کیونکہ قرآن نے خود جگہ جگہ اپنی آیات میں غور وتدبر کی دعوت دی ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو ان میں انہماک رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل جو لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے ان کی مذمت کی گئی ہے اس بنا پر جس

حدیث میں قرانِ مجید کے بارے میں بغیر علم کے گفتگو کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ فہم قرآن کا سلیقہ نہیں رکھتے یعنی اس کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جو فہم قرآن کے باب میں مبادی اور اصول موضوعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ وہ ان سے بے خبر ہیں ان لوگوں کو محض قیاس وتخمین سے قرآن مجید کے احکم ومسائل یا حقائق ومعانی کے بارہ میں گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیے۔

غور کیجئے دونوں روایتوں میں ''بغیر علم'' کے الفاظ ہیں۔ اس بنا پر اس روایت کا مطلب یہی ہوگا کہ جو لوگ نہ جاننے کے باوجود قرآن کے بارے میں آزادی کے ساتھ لا ابالیانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں وہ اللہ کی وعید (اس) کے مستحق ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اس بنا پر اس قدر شدید وعید کی گئی ہے۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ بغیر علم کے ایک قرآن ہی کیا' کسی مسئلہ پر بھی گفتگو کرنا شیوۂ دانشمندی سے بعید ہے۔ ایک عام اور مشہور شعر ہے ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند　　در جہل مرکب ابدالدھر بماند

(فہم قرآن صفحہ ۲۶ تا ۲۸ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم رقمطراز ہیں:

''لفظ ''الرائے'' کا اطلاق' اعتقاد' اجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے اس لئے قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے بنابر اس تفسیر بالرائے سے وہ تفسیر قرآن مراد ہے کہ جو اجتہاد کی مدد سے کی جائے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ عربوں کے اسلوب کلام عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالات سے بخوبی واقف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اشعار جاہلی' اسباب نزول' ناسخ ومنسوخ' اور ان امور سے نابلد نہ ہو جو مفسر کے لئے از بس ناگزیر ہیں۔'' (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۳۳)

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس موضوع پر ان الفاظ کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

''علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ بعض غلو پسند لوگوں نے اس حدیث سے (کہ جس میں اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں گفتگو کی ممانعت ہے) یہ مطلب لیا ہے کہ قرآن کریم کے بارے میں کوئی بات فکر اور رائے کی بنیاد پر کہنا (درست اور) جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اجتہاد کے ذریعے قرآن کریم سے ایسے احکام بھی مستنبط نہیں کئے جاسکتے جو اصول شرعیہ کے مطابق ہوں لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ قرآن نے خود جابجا غور وتدبر اور استنباط کو مستحسن قرار دیا ہے اور اگر فکر وتدبر پر بالکل پابندی لگادی جائے تو قرآن وسنت سے شرعی احکام وقوانین مستنبط کرنے کا سرے سے دروازہ ہی بند ہوجائے گا۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب ہر قسم کی رائے پر پابندی لگانا نہیں ہے۔ ❶

چنانچہ اس بات پر جمہور علماء متفق ہیں کہ خود قرآن وسنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں اس حدیث کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معاملے میں غور وفکر اور عقل ورائے کو بالکل استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کا اصل منشا یہ ہے کہ قرآن کریم

❶ یہ مضمون الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ نوع نمبر ۷۸ سے ماخوذ ہے۔

کی تفسیر کے متعلق جو اصول اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہیں ان کو نظر انداز کر کے جو تفسیر محض رائے کی بنیاد پر کی جائے گی وہ ناجائز ہوگی اور اگر اسی طرح تفسیر کے معاملہ میں دخل دے کر کوئی شخص اتفاقاً کسی صحیح نتیجے پر پہنچ بھی جائے تو وہ خطا کار ہے کیونکہ اس نے غلط راستہ اختیار کیا۔

اب اصول تفسیر کو نظر انداز کرنے کی بہت سے صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) بغیر اہلیت کے محض اپنی رائے کی بل بوتے پر قرآن کے بارے میں تفسیر پر گفتگو کرے۔

(۲) کسی آیت کے بارے میں منقول کسی صاف وصریح حدیث یا کسی صحابیؓ و تابعیؒ کے قول کو چھوڑ کر اپنے رائے سے اس کا معنی بیان کرے۔

(۳) جن آیات کے بارے میں کوئی حدیث یا اثر وروایت منقول نہ ہو اس کے بارے میں لغت اور زبان وادب کے اصول کو پامال کر کے کوئی تشریح کرے۔

(۴) قرآن وسنت سے براہ راست احکام ومسائل کے استنباط اور اجتہاد کی اہلیت کے بغیر اجتہاد شروع کرے۔

(۵) قرآن کریم کی متشابہ آیات (کہ جن کا منشا ومراد فقط علم الٰہی میں ہے) ان کی جزم وثوق کے ساتھ کوئی تفسیر بھی بیان کرے اور اس کے صحیح ہونے پر مصر بھی ہو۔

(۶) اسلام کے مسلمہ طے شدہ اجماعی اصول وقواعد وعقائد کو مجروح کر کے کوئی تفسیر بیان کرے۔

(۷) جہاں عقل ورائے کی گنجائش ہو وہاں بغیر کسی قطعی دلیل کے اپنی تفسیر کو صحیح اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو باطل قرار دے۔

یہ سب وہ صورتیں ہیں کہ جن کی حدیث میں ممانعت ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں یہ تمام مطالب اس مختصر جملے میں سمٹ آئے ہیں۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار.

''جو شخص قرآن کریم کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

البتہ اگر اجماعی طور پر طے شدہ قواعد وضوابط کے مطابق کوئی تفسیر کی جائے کہ جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

البتہ اس قسم کا اظہار رائے بھی قرآن وسنت کے وسیع وعمیق علم اور اسلامی علوم میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔

علماء نے اس بارے میں کچھ کارآمد اصول مقرر فرمائے ہیں۔ جو اصول فقہ اور اصول تفسیر میں مفصل بیان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک نہایت مفید خلاصہ علامہ بدر الدین زرکشیؒ نے اپنی کتاب ''البرهان فی علوم القرآن'' کی نوع نمبر ۴۱ میں بالخصوص ''اقسام تفسیر'' کے زیر عنوان (صفحہ ۱۶۴-۱۷۰) بیان فرمایا ہے یہ پوری بحث نہایت قابل قدر ہے۔ (طالبان علوم قرآن وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں) (علوم القرآن صفحہ ۳۵۶-۳۵۹ مخلصاً وبتصرف)

آخر میں علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ کی ایک نہایت دلچسپ اور ادیبانہ تحریر پیش خدمت ہے:
''بعض روایات میں تفسیر بالرائے کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے جرأت بے جا قرار دیتے ہوئے دھمکی دی گئی ہے کہ اس جرم کا ارتکاب جہنم کو آدمی کا ٹھکانہ (مقعد) بنا دیتی ہے اس کا عام مطلب یہ پھیلا دیا گیا ہے کہ قرآنی آیات کا مطلب کوئی بیان ہی نہیں کرسکتا جب تک اس مطلب کی تائید میں کسی روایت کی پشت پناہی حاصل نہ ہو۔ اسی وجہ سے تفسیر کی ان کتابوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے کہ جن میں ہر آیت کے تحت میں روایات کے درج کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے ابن جریر طبری کی تفسیر کا زیادہ تر اس پر مدار ہے۔ اس نقطہ نظر سے کہنے والوں نے امام فخر الدینؒ رازی کے متعلق یہ لطیفہ مشہور کر رکھا ہے۔''

فیه کل شئ الا التفسیر.

''امام رازی کی تفسیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔''

بہر حال اس فقرہ سے اشارہ اسی طرف کیا گیا ہے کہ جتنی توجہ روایات کی طرف امام صاحب کو چاہیے تھی، نہیں کی۔

اس کے مقابلے میں ایک طبقہ بے باکوں کا بھی ہے جو قرآنی آیات کی تشریح و توجیہ میں نہ اس ماحول ہی کو اپنے سامنے رکھنا چاہتا ہے، جس میں قرآن نازل ہوا تھا۔ یا جن بزرگوں کو اپنا مخاطب قرآن نے پہلی دفعہ بنایا تھا (یعنی صحابہ کرامؓ) قرآنی آیات کے متعلق ان کے تاثرات کی وہ پرواہ نہیں کرتا۔

حتیٰ کہ شوریدہ سری میں عقل باختوں کا یہ گروہ کبھی کبھی ترقی کر کے اس حد تک آ پہنچتا ہے کہ عربی لغت اور الفاظ کے لغوی معانی کی رعایت سے بھی، اس راہ میں اگر ضرورت ہوئی تو آزاد ہو گیا۔

تاریخ کے ہر دور میں اس قسم کی ناہمواریوں کا مشاہدہ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح میں کیا گیا ہے۔ ''اتقان'' میں سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ ''لیطمئن قلبی'' کے لفظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک دوست کی طرف اشارہ کیا جس کا نام قلبی تھا۔ (یہ قصہ آگے متن میں بھی آ رہا ہے۔ ''نسیم'') مقصد یہ تھا کہ میں تو مرنے کے بعد جی اٹھنے پر مطمئن ہوں مگر میرا دوست قلبی وہ مطمئن نہیں اس لئے یہ تماشا دکھلایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔

اسی طرح بعض کا یہ قول ہے کہ میتۃ، لحم خنزیر وغیرہ بعض مردوں اور عورتوں کے نام ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے ملنے جلنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان خرافات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔ بقول ابو مسلم اصفہانی ان اقوال کا ذکر اس لئے کیا جانا چاہیے تاکہ:

ان یعلم ان فیمن یدعی العلم حمقی.

''معلوم ہو کہ علم کا دعویٰ کرنے والوں میں احمقوں کی کمی نہیں۔''

اور ان حماقتوں کا تعلق تو ''قدیم علم'' اور ''دانش پارینہ'' سے تھا۔ اس کے مقابلے میں ''دانش نو'' کی بوالعجبیوں کا جو طوفان عہد حاضر میں امنڈ آیا ہے اس کا نہ اور ہے اور نہ چھور!!! بھلا اس دعویٰ کے ساتھ کہ قرآن میں نہ غلامی کا ذکر ہے نہ تعدد ازواج

کے قانون کا' نہ معجزوں کا نہ کرامتوں کا' نہ فرشتوں کا نہ جنت دوزخ کا نہ جنتوں کی نعمتوں کا نہ جہنم کے عذابوں کا'' الغرض قرآن میں جو کچھ ہے وہی کچھ قرآن میں نہیں۔''

اس عجیب وغریب ادعا کے ساتھ قرآنی الفاظ کی تشریح وتوضیح میں جن طلسماتی نیرنگیوں کے تماشے سامنے آسکتے ہیں یہ صرف احتمال ہی نہیں بلکہ کر کے دکھایا گیا۔ اور قرآن کے ساتھ ان بدبختانہ بازی گروں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ عربی زبان کی ایک سطر بھی جو صحیح طرح پڑھ نہیں سکتے وہی قرآن کے اردو ترجموں کی مدد سے ان ہی ناقابل برداشت کوتاہیوں اور گستاخیوں کے بل بوتے پر کوتاہ نصیبوں کا یہ گروہ جری ہوگیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ ان مذبوحی حرکات پر داد کا طالب بھی ہے۔ آج ان مجرمانہ جسارتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مقصد اور جس مطلب کو بھی چاہا جاتا ہے اس کو قرآنی مطالب کے سرتھوپ دیا جاتا ہے۔

اب ایک طرف تو روایت کے بغیر تفسیر منع ہے دوسری طرف فقط روایت پر اعتماد ہے خواہ کس درجہ ہی کی ہو۔ تیسری طرف آزادی ہی آزادی ہے کہ جو وسوسہ اور وہم بھی جی میں آیا اس کو قرآن کی طرف منسوب کر دیا۔ بقول اکبر مرحوم کے ؎

''مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے''

حضرت علامہ انور شاہ صاحب اس کا مطلب یہ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں میں نسلاً بعد نسل خلفاً عن سلف جن حقائق سے اسلام دینی کی تقویم وتعمیر ہوئی ہے کہ جن کے بغیر اسلام کا تصور کوئی مسلمان نہیں کر سکتا یعنی ضروریات دین کہ جو اول تا آخر بغیر کسی اختلاف کے اسلام کی جانی پہچانی باتیں ہیں۔ ان سے ہٹ کر قرآنی آیات کی تشریح ایمان سوز جرأت ہے۔ تفسیر وتاویل کی اسی قسم کو شاہ صاحبؒ تفسیر بالرائے قرار دیتے ہیں۔

لیکن بغیر کسی روایت کی پشت پناہی کے قرآنی آیات کی تشریح کرنے والا اپنی من مانی تشریح کر رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کی سختی سے تردید فرمایا کرتے تھے۔

اس کے بعد ایک طویل علمی بحث فرمانے کے بعد علامہ گیلانیؒ فرماتے ہیں:

''مگر قرآنی آیات سے صحیح واقفیت کے لیے جن قدرتی اسباب وذرائع کی ضرورت ہے' جو ان سے تہی دامن ہوگا اس کے اگلوں اور پچھلوں کی تفسیر کی جرأت محض بے شرمی اور بے حیائی اور جہالت ہی کی وجہ سے ہوسکتی ہے ان پر افسوس صد افسوس ہے۔ یہی لوگ جہنم کے مستحق ہیں۔ (احاطہ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن صفحہ ۱۳۰-۱۳۸ ملخصاً وبتصرف)

أمهات التفسير:

والأمور التي ينبغي استناد الرأى إليها في التفسير' أمهاتها أربعة كما ذكرها (الزركشي) في كتابه البرهان' ونقلها السيوطي عنه في كتابه الإتقان و نحن نلخصها بإيجاز:

الأول: النقل عن الرسول ﷺ مع التحرز عن الضعیف و الموضوع.

الثانی: الأخذ بقول الصحابی فی التفسیر، فإنه فی حکم المرفوع.

الثالث: الأخذ بمطلق اللغة، فإن القرآن نزل بلسان عربی مبین، مع ترك ما لا تحتمله لغة العرب.

الرابع: الأخذ بما یوافق الکلام العربی، ویدل علیه قانون الشرع، وهذا هو الذی دعا به النبی علیه السلام لابن عباس فی قوله: ((اللهم فقهه فی الدین وعلمه التأویل))

العلوم التی یحتاجها المفسر:

یحتاج المفسر لکتاب الله تعالی، إلی انواع من العلوم والمعارف، یجب أن تتوفر فیه، حتی یکون أهلا للتفسیر، وإلا کان داخلا فی الوعید السابق ((ومن قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار)) وقد ذکر العلماء أنواع العلوم التی یجب توفرها فی المفسر، وأوصلها السیوطی فی کتابه (الاتقان) الی خمسة عشر علما، ونحن نوجزها فیما یلی:

(١) معرفة اللغة العربیة و قواعدها (علم النحو، والصرف، وعلم الاشتقاق)

(٢) معرفة علوم البلاغة (علم المعانی، والبیان، والبدیع)

(٣) معرفة أصول الفقه (من خاص، وعام، ومجمل، ومفصل...... الخ)

(٤) معرفة أسباب النزول.

(٥) معرفة الناسخ والمنسوخ.

(٦) معرفة علم القراء ات.

(٧) علم الموهبة.

أما الأول:

وهو اللغة وما یتعلق بها من نحو و صرف واشتقاق، فإنه ضروری للمفسر، إذ کیف یمکن فهم الآیة بدون معرفة المفردات والتراکیب وهل باستطاعة أحد أن یفسر قوله تعالی ﴿لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآؤا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo﴾ بدون أن یعرف المعنی اللغوی للإیلاء، والتربص،

قال الإمام مالك (لا أوتی برجل غیر عالم بلغة العرب، یفسر کتاب الله، إلا جعلته نکالا.

وقال مجاهد:

لا يحل لأحد يومن بالله واليوم الآخر أن يتكلم فی كتاب الله، إذا لم يكن عالما بلغات العرب.

فإذا لم يتفق اللفظ مع المعنى اللغوى كان باطلا" كتفسير بعض الروافض قوله تعالى. ﴿مَرَجَ الْبَحْرينِ يلتقيانِ﴾ أنهما على وفاطمة، و قوله ﴿يَخْرُجُ مِنهُمَا اللُؤلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ يعنى الحسن والحسين.

وكتفسير (فرعون) بالقلب فی قوله تعالى: ﴿اَذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ويريد به قلب الإنسان القاسی، قال القرطبی: وهذا الجنس قد يستعمله بعض الوعاظ فی المقاصد الصحيحة، تحسينا للكلام، و ترغيبا للمستمع، وهو ممنوع لأنه قياس فی اللغة، وذلك غير جائز، وهو أحد وجهيی المنع من التفسير بالرأی.

وعلم النحو ضروری للمفسر، لأن المعنى يتغير بتغير الحركات تغيرا كبيرا، فقوله تعالى: ﴿إنّمَا يَخْشى اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءَ﴾ بنصب هاء الجلالة، و رفع همزة العلماء، والمعنى صحيح، لأن معنى الآية: الذين يخشون الله من عباده العلماء دون غيرهم، فمن ازداد علما بالله، ازداد منه خوفا، ولو عكس فضم هاء الجلالة، ونصب همزة العلماء لفسد المعنى.

قصة لطيفة:

ذكر القرطبی فی تفسيره هذه القصة فی عدم اللحن فی القرآن، قال: (قدم أعرابی فی زمان عمر بن الخطابؓ إلى المدينة المنورة فقال: من يقرئنی مما أنزل على محمد ﷺ؟ قال: فأقرأه رجل سورة (براء ة) فقرأ عليه الآية الكريمة ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلِهٖ﴾ بالجر أی بجر اللام فی (رسوله) بدل الضم فقال الأعرابی: أو قد بری ء الله من رسوله؟ فإن يكن الله بریء من رسوله، فأنا أيضا أبرا من رسوله، فاستعظم الناس الأمر، و بلغ عمر مقالة الأعرابی، فدعاه فقال يا أعرابی؟ أتبرأ من رسول الله ﷺ؟

فقال يا أمير المومنين: إنی قدمت المدينة، ولا علم لی بالقرآن، فسألت من يقرئنی؟ فأقرأنی هذا الرجل سورة (براء ة) فقال: ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلِهٖ﴾ فقلت: أو قد بری ء الله من رسوله، إن يكن الله بری ء من رسوله فأنا أبرأ منه، فقال عمر: ما هكذا الآية يا

أعرابى؟ قال: فكيف هى يا أمير المؤمنين؟ قال: ﴿أَنَّ اللّٰهَ بَرِىٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾ فقال الأعرابى: وأنا والله أبرأ مما برىء الله و رسوله منه' أبرأ من المشركين...... فأمر عمر بن الخطاب رضى الله عنه ألا يقرىء الناس إلا عالم باللغة' وأمر أبا الأسود فوضع النحو.

ومعرفة علم الصرف والاشتقاق ضرورية ايضًا للمفسر' حتى لا يخبط الإنسان خبط عشواء' قال الزمخشرى: من بدع التفاسير قول من قال إن (الإمام) فى قوله تعالى؟ ﴿يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ أَنَاسٍ بإمامهم﴾ جمع أم' وأن الناس يدعون يوم القيامة بأمهاتهم دون آبائهم' قال: وهذا غلط فاحش أوجبه جهل القائل بالتصريف فإن (أما) لا تجمع على إمام.

(٢) وأما علوم (المعانى والبيان والبديع) فضرورية لمن أراد تفسير الكتاب العزيز' لأنه لا بدله من مراعاة ما يقتضيه الإعجاز' وذلك لا يدرك إلا بهذه العلوم' فمثلا قوله تعالى ﴿وَأُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ أى أشربوا حب العجل فهو على حذف مضاف. و مثله ﴿واسأل القرية﴾ المراد أهل القرية وقوله تعالى ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ليس على الحقيقة و إنما هو استعارة فكما يستر اللباس العورة' ويزين الإنسان و يجمله' كذلك الرجل والمرأة كل منهما كاللباس لصاحبه يزينه ويكمله و يجمله' وهو من روائع النظم' وبدائع الكلام' وإذا حمل الإنسان المعنى على ظاهره' فسد المعنى' كما يذكر أن (الفرنسيين) أرادوا ترجمة القرآن إلى لغتهم' فلما وصلوا إلى هذه الآية الكريمة ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ترجموها بالظاهر ولم يدركوا السر الدقيق فيها' فكانت الترجمة كالتالى (هن بنطلونات لكم' وأنتم بنطلونات لهن) لأن اللباس عندهم يسمى (البنطلون) وهكذا ساء فهمهم ولم يدركوا روعة تعبير القرآن. وقريب من هذا ما وقع لبعض الأعراب حين سمع قوله تعالى. ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيطُ الأَبْيَضُ من الخيطِ الأسود﴾ أخذ عقالين أبيض وأسود وجعل يأكل وينظر إليهما حتى كادت الشمس. أن تطلع' فجاء إلى النبى ﷺ فأخبره بذلك فقال له: إنك لعريض القفا إنما ذلك بياض النهار' و سواد الليل. و فى القرآن الكريم أمثلة كثيرة على الاستعارة والكناية والمجاز' ولا بد فى فهمها من معرفة علم البيان والبديع مثل قوله تعالى عن سفينة نوح ﴿تجرى باعيننا﴾ أى بحفظنا و رعايتنا' وقوله ﴿قدم صدق﴾ و ﴿لسان صدق﴾ و ﴿جناح الذل﴾ كل ذلك و أشباهه يحتاج إلى فهم علوم البلاغة وأسرار البيان.

ترجمہ: تفسیر کے بنیادی اصول (یعنی تفسیر کے مآخذ)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''وہ امور کہ تفسیر میں جن کی طرف رائے کو منسوب کرنا (اور رائے کا جن پر اعتماد کرنا) لازمی ہے ان کے بنیادی اصول چار ہیں۔ جیسا کہ علامہ زرکشی نے انہیں اپنی کتاب ''البرہان'' (فی علوم القرآن) میں ذکر کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے انہیں اپنی کتاب ''الاتقان'' میں ذکر کیا ہے ہم اختصار کے ساتھ (یہاں) ان کا خلاصہ (ذیل میں) پیش کرتے ہیں۔''

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایت کہ جس میں ضعیف اور موضوع روایت سے بچا جائے۔

(۲) تفسیر میں صحابیؓ کے قول کو اختیار کرنا کہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

(۳) محض لغت (سے استدلال کرنا اور اس کے لغوی معنی) کو لینا کیونکہ قرآن صاف عربی زبان میں اترا ہے اس کے ساتھ اس معنی کو ترک کرنا کہ لغت عرب جس کا احتمال نہ رکھتی ہو۔

(۴) ایسی بات سے استدلال کرنا کہ جو کلام عربی کے موافق ہو۔ اور قانون شرع شریف (بھی) اس پر دلالت کرتا ہو۔ یہی وہ بات ہے کہ جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ (ارشاد نبوی ہے)

اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل. [1]

''اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور تفسیر کا علم سکھا۔''

توضیح

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں اب ایسے حضرات کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے جو مطالب قرآنی کے صحیح مفہوم کے لئے احادیث کو شرط قرار نہیں دیتے ان کی رائے میں احادیث ناقابل اعتبار واستناد ہیں اور اس بنا پر ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ تشریح احکام یا تفسیر قرآن میں ان سے مدد لی جائے۔''

سنت سے احتجاج کا انکار ہمارے دور نامسعود ہی کی خصوصیت نہیں' علامہ ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی کتاب ''احکام الاحکام'' میں کہا ہے کہ ''دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید کو تو آدمی کتاب الٰہی مانے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا قائل بھی ہو لیکن اس کے باوجود وہ احادیث واخبار کی حجیت کا انکار کرے۔

آگے چل کر مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

---

[1] اس کے لئے دیکھیں الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۶۔

''اگر فہم قرآن میں سنت سے مدد نہ لی جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ہم منقولات شرعیہ (یعنی وہ الفاظ کہ جو لغۃً کسی معنی میں استعمال ہوتے تھے لیکن شریعت نے ان کے معانی مخصوص اور متعین کر دیئے۔ جیسے صوم' صلوٰۃ زکوٰۃ وغیرہ) کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ لغت کی روشنی میں بھی بعض آیات کے مفہوم کو صحیح طور پر متعین نہیں کر سکتے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''دراصل دین الٰہی کا مکمل نقشہ قرآن وسنت کے امتزاج ہی سے سامنے آ سکتا ہے قرآن بطریق متن اور سنت بہ طور تفسیر وتشریح ہے اور تشریع احکام کا مبنی دونوں ہیں۔'' (اس کے لئے دیکھئے حدیث کے بارے میں مکمل بحث ''فہم قرآن'' صفحہ ۷۲ تا ۱۰۰)

لغت عرب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن کو سمجھنے کے لئے عربیت شرط ہے کیونکہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ اور عربی سے مراد عربی زبان کی صرف اتنی استعداد نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی سے اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکے۔ صرف اتنی استعداد سے کوئی شخص قرآن کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے لیکن جب تک اس کا ذوق عربیت پختہ نہ ہو اور بقول امام شافعیؒ جب تک اس میں کسی عربی عبارت کو عربی کے انداز فہم وتعبیر کے مطابق ہی سمجھنے کی صلاحیت نہ ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہ ہو سکے گا۔ اس بنا پر قرآنی مطلب ومفہوم کے بہت سے گوشے اور پہلو ایسے ہوں گے جو اس کے عقل وفہم کی گرفت میں نہ آ سکیں گے۔''

اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کوئی عربی کی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے کہ کسی زبان کے جاننے اور بولنے والے سبھی یکساں نہیں ہوتے۔ وہی ایک سادہ سا جملہ اور فقرہ ہوتا ہے ایک عام اور بد ذوق اردو داں اس کو سنتا ہے اس پر خاک اثر نہیں ہوتا لیکن ایک صاحب ذوق اس کو سنتا ہے تو بے اختیار ہو کر سر دھننے لگتا ہے اور اس جملہ میں اس کو حقائق ومعانی کا ایک دفتر نظر آتا ہے۔

استاد مومن کا ایک شعر ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا ۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کتنے لوگوں نے پڑھا ہوگا لیکن مرزا غالب نے سنا تو کہنے لگے اے کاش! مومن یہ ایک شعر مجھے دے دیتے اور اس کے عوض میں میرا پورا دیوان مجھ سے لے لیتے۔'' (فہم قرآن صفحہ ۲۹-۳۰ ملخصاً)

ترجمہ: وہ علوم جن کی مفسر کو احتیاج ہے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''کتاب اللہ تعالیٰ کا مفسر علوم ومعارف کی بہت سی انواع (واقسام کو جاننے) کا محتاج ہے اور لازم ہے کہ وہ علوم اس

میں درجۂ مہارت تک ہوں۔ یہاں تک کہ وہ تفسیر کا اہل ہو جائے۔ وگرنہ وہ گزشتہ وعید میں داخل ہوگا۔ (جو یہ ہے)''

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار.

علماء کرام نے علوم کی ان انواع کا ذکر کیا ہے کہ جن میں مفسر کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں ان (کی تعداد) کو پندرہ تک پہنچا دیا ہے۔ ❶

ہم ان کو مختصر طور پر ذیل میں درجہ کرتے ہیں:

(۱) لغت عربیہ اور اس کے قواعد کو جاننا (یعنی علم نحو، علم صرف اور علم اشتقاق وغیرہ کو جاننا)

(۲) علوم بلاغت کو جاننا (یعنی علم معانی و بیان و بدیع (کو جاننا)

(۳) اصول فقہ کو جاننا (جیسے خاص۔ عام، مجمل، مفصل وغیرہ وغیرہ......)

(۴) اسباب نزول کو جاننا۔

(۵) ناسخ و منسوخ جاننا۔

(۶) علم قراءات کو جاننا

(۷) علم وہبی (یعنی علم لدنی ہونا)

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس بارے نہایت علمی روشنی ڈالتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

علم تفسیر کے دو جز ہیں۔ (۱) تفسیر حقیقی (۲) حل لغات و بیان محاورات و دفع اشکالات۔ پہلی قسم کی تفسیر کو تفسیر نقلی کہتے ہیں۔ یہ آثار سلف و قدماء کی طرف مستند ہے۔ اس کی شاخیں یہ ہیں۔

(۱) معرفت ناسخ و منسوخ

(۲) معرفت اسباب نزول

(۳) مقاصد آیات کی معرفت

(۴) شرح مجمل قرآنی

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''علم تفسیر کے مبادی یعنی جو اس علم میں کارآمد ہیں (وہ یہ ہیں) صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، فقہ و اصول و حدیث و

---

❶ علامہ سیوطیؒ نے انہیں پندرہ شمار کیا ہے اور اس ترتیب سے انہیں ذکر کیا ہے۔ (۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) بیان (۶) معانی (۷) بدیع (۸) علم قراءات (۹) اصول دین (۱۰) اصول فقہ (۱۱) اسباب نزول (۱۲) علم ناسخ و منسوخ (۱۳) علم فقہ (۱۴) مجمل و مختصر آیات کو بیان کرنے والی احادیث (کا جاننا) (۱۵) علم وھبی (یہی مضمون الاتقان سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے)

کلام وغیرہ۔ اور جن امور سے بحث کرنا مفسر کو ضرور ہے اور جن کے نہ جاننے سے مطالب فہمی قرآن میں قصور آتا ہے یہ ہیں۔''

(۱) ناسخ ومنسوخ کا پہچاننا
(۲) شان نزول کی معرفت
(۳) توجیہ مشکل کی معرفت
(۴) شرح غریب کی معرفت
(۵) حذف کی معرفت
(۶) ابدال کی معرفت
(۷) علم محاورات
(۸) محکم ومتشابہ کی معرفت
(۹) اختلاف قراءات کی معرفت
(۱۰) تقدیم وتاخیر آیات کی معرفت

(اس کے لئے دیکھیں تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۵۱-۱۷۰ مقدمہ ہم نے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے(نسیم))

ترجمہ: پہلی بات

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

یہ لغت اور اس کے متعلقات جیسے صرف، نحو اور علم اشتقاق (وغیرہ) ہیں کہ مفسر کے لئے یہ ضروری ہے (کہ وہ ان کا علم رکھتا ہو) کیونکہ مفردات اور تراکیب کی معرفت کے بغیر کتاب ہدایت کا سمجھنا کیسے ممکن ہے۔ کیا کسی شخص کے لئے ''ایلاء'' اور ''تربص'' کے معنی جانے بغیر اس آیت کی تفسیر ممکن ہے۔ (ارشادِ باری تعالیٰ ہے)

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥﴾ (البقرة: ٢٢٦)

''جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''میں لغت عربی نہ جاننے والے کو اجازت نہ دوں گا کہ وہ کتاب اللہ کی تفسیر کرے وگرنہ میں اس کو سزا دوں گا۔

مجاہد فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ وہ بدون معرفت لغات عرب کے کلام میں کچھ لب کشائی کرے۔'' ❶

چنانچہ جب ایک لفظ اپنے لغوی معنی کے موافق نہ ہوگا تو یہ (تفسیر) باطل ہوگی۔ جیسا کہ بعض روافض نے اس ارشاد باری تعالیٰ کی:

﴿مَرَجَ الْبَحْرِینِ یلتقیانِ﴾ (الرحمن: ۱۹)

''چلائے دو دریا مل کر چلنے والے۔'' (تفسیر عثمانی)

تفسیر یہ کی ہے کہ یہ (دو دریا کہ جو مل کر چل رہے ہیں یہ) حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ ہیں اور اس ارشاد خداوندی کی

﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (الرحمن: ۲۲)

''نکلتا ہے ان دونوں سے موتی اور مونگا۔'' (تفسیر عثمانی)

تفسیر یہ کی کہ یہ (موتی اور مونگے) حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔

جیسا کہ اس ارشاد خاوندی میں ''فرعون'' (لفظ) کی تفسیر (لفظ) ''قلب'' (یعنی دل) سے کی ہے۔ (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی﴾ (طٰهٰ: ۲۴)

''جا طرف فرعون کی اس نے بہت سر اٹھایا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور وہ (جاہل مفسر) فرعون سے مراد انسان کا سخت دل لیتا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''اس قسم کی تفسیر بعض واعظین اپنے صحیح مقاصد کے لئے (حسن نیت کے ساتھ) تحسین کلام اور سننے والے (مجمع) کی ترغیب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ❷ یہ ممنوع ہے کیونکہ یہ قیاس لغوی ہے اور وہ (تفسیر قرآن میں) ناجائز ہے اور یہ تفسیر بالرائے کے ممنوع ہونے کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔ ❸

توضیح

مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

(تفسیر قرآن کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان میں) اول لغت جس سے قرآن پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جائیں۔ اور اس میں چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں۔ اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک

---

❶ اس جملہ کا ترجمہ فضائل قرآن (مولفہ مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ) صفحہ ۲۰ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

❷ جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں بعض نام نہاد مبلغ محض لوگوں میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لئے عجیب وغریب باتیں سناتے ہیں اور اس سے لوگوں کے دلوں پر اپنی عظمت کا سکہ جماتے ہیں۔ (نسیم)

❸ اس کے لیے دیکھیں تفسیر قرطبیؒ ج ۱ ص ۳۴

ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔ (فضائل قرآن صفحہ۲۰)

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

''قرآن مجید میں جو الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معانی میں کسی وجہ سے خفاء ہو تو ان کے (لغت عرب کا تتبع کر کے یا سیاق وسباق پر نظر کر کے یا اس کلمہ کے اس جملہ سے کہ جس میں یہ واقع ہے مناسبت دیکھ کر) معانی بیان کر دے۔ اس مقام پر اختلاف فہم کی گنجائش ہے۔ کیونکہ زبان عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لئے آتا ہے تو اس میں اول سیاق وسباق دیکھئے دوم وجوہ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے (تفسیر حقانی جلد ا مقدمہ صفحہ ۱۶۰ ملخصاً امر چہارم)

علامہ حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''لغت سے معمولی آشنائی اس ضمن میں کافی نہیں۔ بلکہ خصوصی وسعت و مہارت ضروری ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایک لفظ مشترک ہوتا ہے اور اس کے کئے معانی ہوتے ہیں۔ مفسر ایک معنی سے واقف ہوتا ہے اور دوسرے سے نہیں حالانکہ قرآن میں وہی معنی مراد ہوتا ہے جس سے مفسر آگاہ ہی نہیں (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۴۲)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

''اور مفسر کے لئے علم نحو (کا جاننا بھی) ضروری ہے کیونکہ (بسا اوقات فقط) حرکات کے بدلنے سے (لفظ کے) معنی میں بہت بڑی تبدیلی آجاتی ہے۔''

جیسا کہ اس ارشاد خداوندی میں۔

﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸)

''اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جن کو سمجھ ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(لفظ) اللہ ''ھا'' کے نصب کے ساتھ ہے (یعنی لفظی فتحہ کے ساتھ کہ جو مفعول ہونے کی علامت ہے) اور (لفظ) علماء ہمزہ کے رفع ساتھ ہے (یعنی لفظی ضمہ کے ساتھ کہ جو فاعل ہونے کی علامت ہے) اور (اس صورت میں آیت کا) معنی صحیح ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے علماء ہیں نا کہ دوسرے۔ چنانچہ جو جتنا معرفت خداوندی میں بڑھتا جائے گا۔ وہ خوف خداوندی میں بھی ترقی کرتا جائے گا۔ اور اگر اس آیت کے اعراب اس کے الٹ کر دیئے جائیں (جیسے یوں کہ (لفظ) اللہ کی ہا پر ضمہ ڈال دیں اور (لفظ) علماء کی ہمزہ پر نصب تو معنی بگڑ جائے گا۔

ایک مزیدار قصہ

علامہ قرطبیؒ نے یہ قصہ اپنی تفسیر میں عدم لحن ❶ کے بارے میں لکھا ہے (وہ قصہ یوں ہے) ایک بدوی حضرت عمر بن

❶ مراد غلط عربی بولنا ہے۔ (نسیم)

خطابؓ کے زمانہ (خلافت) میں مدینہ منورہ آیا۔ اور کہنے لگا ''کون مجھے وہ پڑھ سنائے گا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا۔ راوی کہتے ہیں پس ایک آدمی نے اس کو سورۂ براءت پڑھ کر سنانا شروع کی اور (اس کی) یہ آیت کریمہ۔

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبة: ۳)

''کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول۔'' (تفسیر عثمانی)

لفظ رسول کے ''لام'' کے جر کے ساتھ بجائے اس کے ضمہ کے پڑھ کر سنائی۔ تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا۔ ''کیا اللہ اپنے رسول سے الگ ہے؟ پس اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس کے رسول سے الگ ہوتا ہوں۔

پس لوگوں نے اس کو بہت بڑی بات سمجھا اور حضرت عمرؓ کو اعرابی کی یہ بات پہنچ گئی چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو بلوا بھیجا اور پوچھا ''کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بری ہے؟'' تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا۔ اے امیر المومنین! میں مدینہ آیا مجھے قرآن کا کوئی علم نہ تھا۔ میں نے سوال کیا ''کوئی مجھے قرآن پڑھ سنائے؟'' پھر اس (فلاں فلاں) آدمی نے مجھے سورۂ براءت پڑھ سنائی اور کہا ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلِهٖ﴾ تو اس پر میں نے کہا ''کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہے؟ اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس سے بری ہوں۔'' تو اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا اے اعرابی یہ آیت یوں نہیں۔ اس نے پوچھا اے امیر المومنین! تو پھر یہ کس طرح ہے؟ آپؓ نے فرمایا (یہ آیت یوں ہے)

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾

تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا ''خدا کی قسم! میں بھی اس سے بری ہوں جس سے اللہ اور اس کا رسول بری ہیں، میں (بھی) مشرکین سے بری ہوں، پھر (بعد میں) حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم نہ دے مگر وہ جو لغت کو جانتا ہو۔ اور حضرت ابوالاسودؒ کو حکم دیا (کہ وہ علم) نحو (کے قوانین اور اصول) وضع کریں چنانچہ انہوں نے (علم) نحو کو (باقاعدہ طور پر) وضع کیا۔ ❶

توضیح

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دوسرے علم نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔'' (فضائل قرآن صفحہ ۲۰)

علامہ حریری مرحوم اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

''مفسر کے لئے علم نحو پر مہارت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ اعرابی حالت کی تبدیلی سے بھی معنی میں فرق آ جاتا ہے مشہور لغوی عالم ابو عبیدؒ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر

---

❶ یہ قصہ تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۲۴ پر درج ہے۔

کوئی شخص عربیت میں اس لئے مہارت حاصل کرنا چاہے تا کہ وہ اچھی طرح بول چال سکے اور قراءات کو درست کر سکے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کہنے لگے۔ ''عربیت سیکھنا چاہیے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور اس کو غلط معنی پہنا کر اپنی ہلاکت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔'' (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۴۲-۲۴۳)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور مفسر کے لئے علم صرف اور (علم) اشتقاق (کا جاننا) بھی ضروری ہے یہاں تک کہ کوئی آدمی (اوٹ پٹانگ نہ ہانکنے لگے اور) بے سوچے سمجھے کوئی بات نہ کرے۔

(علامہ) زمخشری فرماتے ہیں:

''نہایت عجیب و غریب تفسیروں میں سے ایک اس شخص کا قول ہے کہ جس نے اس ارشاد خداوندی میں

﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ﴾

لفظ ''امام'' کو ''ام'' کی جمع کہا۔ کہ لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے نا کہ اپنے باپوں کے نام سے۔

یہ بات بالکل غلط ہے یہ اور اس کے قائل کے علم صرف سے جاہل ہونے کو (واجب اور) ثابت کرتی ہے کیونکہ ''لفظ'' ام کی جمع ''امام'' نہیں لائی جاتی (بلکہ امہات آتی ہے)

توضیح

مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارسؒ فرماتے ہیں: ''جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔'' (فضائل قرآن صفحہ ۲۰)

علامہ حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''علم صرف ہی کے مدد سے کسی لفظ کے وزن اور صیغے کا پتا چلتا ہے اس لئے اس علم کا سیکھنا بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔''

مشہور نحوی ابن فارس لکھتے ہیں:

''جو شخص علم صرف سے محروم رہا وہ علم کے ایک بڑے حصے سے نابلد رہا مثال کے طور پر ''وجد'' ایک مبہم کلمہ ہے جب اس کے مشتقات کو دیکھا جائے گا تو اس کا معنی و مفہوم کا پتا چلے گا۔''

اس کے بعد علامہ مرحوم ''زمخشری کی مذکورہ مندرجہ در متن روایت کو پیش کر کے ان کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

''اس غلط ترجمانی کی وجہ علم صرف سے ناآشنائی ہے اس کے قائل کو یہ نہیں معلوم کہ ام کی جمع امام نہیں آتی۔''

ترجمہ: (۲) اور علوم معانی و بیان و بدیع تو جو شخص کتاب عزیز کی تفسیر کرنا چاہے اس کے لئے (ان کا جاننا) ضروری ہے۔
کیونکہ اس کو اعجاز (قرآن) کے مقتضیٰ کی رعایت ضروری ہے اور اس کا علم فقط ان ہی علوم سے ہوتا ہے۔
مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے:
﴿وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرة: ۹۳)
''اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اس بچھڑے کی'' (تفسیر عثمانی)
یعنی ان کو بچھڑے کی محبت پلائی گئی (نا کہ بچھڑا پلایا گیا کہ) یہاں مضاف حذف ہے (اور تقدیری عبارت ''حب العجل'' ہے)
اس طرح کی ایک مثال یہ ہے:
﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ.﴾ (یوسف: ۸۲)
''اور پوچھ لے اس بستی سے۔'' (تفسیر عثمانی)
اور مراد اس سے اہل قریہ (یعنی بستی والے) ہیں (نا کہ بستی کہ بستی سے نہیں بلکہ بسی والوں سے سوال ہوتا ہے)
اور اللہ تعالیٰ کا قول:
﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة: ۱۸۷)
''وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہوں ان کی۔'' (تفسیر عثمانی)
کہ یہ (آیت اپنے) حقیقی معنی میں نہیں ہے اور بے شک یہ استعارہ ہے چنانچہ جس طرح لباس انسان کا ستر چھپاتا ہے اور اس کو زینت بخشا اور حسن و جمال عطا کرتا ہے اسی طرح خاوند اور بیوی دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لباس کی طرح ہے کہ اس کو آراستہ کرتا ہے اور اس (کے کردار و اخلاق) کی (تشکیل کی) تکمیل کرتا ہے اور اس کو (ظاہری و باطنی) حسن و (جمال) بخشتا ہے۔ یہ استعارہ نہایت عمدہ نظم اور بدیع کلام میں سے ہے اور جب آدمی (اس آیت کے) معنی کو اس کے ظاہر پر محمول کرے گا تو (آیت کا) معنی فاسد ہو جائے گا۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ فرانسیسیوں نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کرنا چاہا۔ پس جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے۔
﴿هنَّ لباسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾
تو انہوں نے اس آیت کا ترجمہ اس کے ظاہری معنی سے کیا اور وہ اس کے باریک (اور لطیف) راز کو نہ پا سکے جو اس میں ہے ان کا ترجمہ یہ تھا۔
''وہ تمہاری پینٹ (اور شرٹ) ہیں اور تم ان کی پینٹ (اور شرٹ) ہو۔''
کیونکہ ان کے ہاں لباس کا نام ''بنظلون'' (یعنی پینٹ شرٹ) ہے اور یوں ان کی سمجھ بگڑی (اور انہوں نے ٹھوکر کھائی) اور انہوں نے قرآن کی تعبیر کی عمدگی کو نہ پایا۔

اسی کے قریب قریب وہ واقعہ ہے کہ جو بعض اعرابیوں (یعنی دیہاتیوں) سے ہوا جب انہوں نے یہ ارشاد خداوندی سنا۔

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ.﴾ (البقرة:١٨٧)

''اور کھاؤ اور پیو جب تک صاف نظر نہ آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ ایک آدمی نے دو دھاگے سیاہ اور سفید (رنگ کے) لئے اور انہیں دیکھ دیکھ کر کھاتا رہتا یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے قریب ہو جاتا۔ پس وہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سب کی خبر دی تو آپ ؐ نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو چوڑی گدی [1] والا ہے (یعنی موٹی عقل والا ہے)۔

بے شک یہ تو دن کی روشنی (اور سپیدی) اور رات کی سیاہی (اور تاریکی) ہیں۔'' اور قرآن کریم میں استعارہ کنایہ اور مجاز کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور ان کو سمجھنے کے لئے علم بیان اور (علم) بدیع کی معرفت لازمی ہے۔

جیسے کشتی نوح کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا. (القمر: ١٤)

''بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔'' (تفسیر عثمانی)

اس سے مراد ''ہماری حفاظت اور ہماری نگرانی میں (بہتی تھی) ہے اور ارشاد خداوندی:

قَدَمَ صِدْقٍ. (یونس: ٧)

''پایہ سچا۔'' (تفسیر عثمانی)

اور

لِسَانَ صِدْقٍ. (مریم: ٥٥)

''سچا بول۔'' (تفسیر عثمانی)

اور

جَنَاحَ الذُّلِّ. (الاسراء: ٢٤)

''کندھے عاجزی (کے)'' (تفسیر عثمانی)

یہ سب اور اس جیسی سب کی سب آیتیں علوم بلاغت اور اسرار بیان کے فہم کی محتاج ہیں۔

توضیح

علم معانی بیان و بدیع

اس عنوان کے تحت علامہ حریری مرحوم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] مولف کتاب فرماتے ہیں: یہ بے وقوفی اور سوئے فہم (یعنی ناسمجھی) کی طرف اشارہ ہے۔

''ہر سہ علم یعنی معانی' بیان اور بدیع کو علم البلاغت کہا جاتا ہے۔ علم معانی کی مدد سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کلام کی مخصوص تراکیب سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ علم بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فلاں قسم کی ترکیب آیا اپنا مفہوم ادا کرنے میں واضح ہے یا پوشیدہ۔ علم البدیع کی مدد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلام کو حسین اور پرکشش کیونکر بنایا جاتا ہے۔''

یہ تینوں علوم مفسر کے لئے ازبس ناگزیر ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۴۴)

حضرت مولانا زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''(مفسر کے لئے) علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہیں۔ پھر علم بیان کہ جس سے کلام کا ظہور و خفاء تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے پھر علم بدیع کہ جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں۔ یہ مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے ان سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔'' (فضائل قرآن صفحہ ۲۱)

مناسب ہے کہ یہاں علم معانی بیان اور بدیع کی تعریف درج کردی جائے۔

علم معانی

یہ وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے لفظ عربی کے ان احوال کو جانا جاتا ہے جن احوال کی وجہ سے لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوتا ہے۔ (تکمیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

علم البیان

هو علم يبحث فيه عن التشبيه والمجاز والكناية.

یہ وہ علم ہے کہ جس میں تشبیہ' مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔'' (دروس البلاغہ مع شرحہ شموس البراعۃ صفحہ ۹۶)

علم البدیع

هو علم يعرف به وجوه تحسين الكلام المطابق المقتضى الحال.

یہ وہ علم ہے کہ جس میں اس کلام کی وجوہ تحسین کو جانا جاتا ہے جو مقتضی حال کے مطابق ہو۔ (دروس البلاغۃ مع شرحہ شموس البراعۃ۔ صفحہ ۱۲۸)

اور تشبیہ کنایہ مجاز اور دوسری اصطلاحات کے لئے دیکھیں۔

(۱) مختصر المعانی

(۲) دروس البلاغہ مع شرحہ شموس البراعہ
(۳) تکمیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی
(۴) فیض سبحانی شرح اردو مختصر المعانی وغیرہ (نسیم)

وهكذا بقية العلوم من:

(أصول الفقه، وأسباب النزول، و معرفة الناسخ والمنسوخ، و علم القراء ات) كل ذلك مما يحتاج إليه المفسر لكتاب الله تعالى، حتى لا يخطئ في الفهم، ولا تزل قدمه بسبب الجهل بهذه الأمور الضرورية.

و أما علم الموهبة:

فيقصد منه العلم اللدني الرباني ﴿وَآتَيْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ الذى يورثه الله تعالى لمن عمل بما علم، و يفتح قلبه لفهم أسراره قال تعالى. ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ .﴾ فهو ثمرة التقوى والإخلاص، ولا ينال هذا العلم من كان فى قلبه بدعة، أو كبر، أو حب للدنيا، أو ميل إلى المعاصى قال الله تعالى:
﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ....﴾ (الاعراف: ١٤٦) الآية، وما أجمل قول الشافعى رحمه الله:

شكوت إلى وكيع سوء حفظى — فأرشدنى إلى ترك المعاصى
وأخبرنى بأن العلم نور — ونور الله لا يهدى لعاصى

قال السيوطى:

ولعلك تستشكل علم الموهبة وتقول: هذا شئ وليس فى قدرة الإنسان، وليس كما ظننت من الإشكال، والطريق فى تحصيله، ارتكاب الأسباب الموجبة له من العمل والزهد. ثم قال: علوم القرآن وما يستنبط منه بحر لا ساحل له، فهذه العلوم التى ذكرنا ها هى كالآلة للمفسر، ولا يكون مفسرا إلا بتحصيلها، فمن فسر بدونها كان مفسرا بالرأى المنهى عنه.

وهذه الشروط التى ذكرها العلماء إنما هى لتحصيل أعلى مراتب التفسير وهناك معان عامة يفهمها الإنسان عند سماع اللفظ الكريم، فقد سهل الله القرآن ويسره، وأمر بالتدبر والتذكر لكتابه المجيد ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ.﴾ وذلك أدنى مراتب التفسير والله الموفق.

مراتب التفسير:

وقد قسم المرحوم الشيخ محمد عبده التفسير إلى مرتبتين:

(١) مرتبة عليا.

(٢) ومرتبة دنيا.

أما المرتبة الأولى (العليا) فهى لا تتم إلا بأمور:

أحدها: فهم حقائق الألفاظ المفردة، التى أودعت فى القرآن عن طريق استعمالات أهل اللغة.

ثانيها: معرفة الأساليب الرفيعة. وذلك يحصل بممارسة الكلام البليغ و مزاولته، مع التفطن لنكته ومحاسنه.

ثالثها: علم أحوال البشر، و معرفة السنن الإلهية الكونية فى تطور الأمم واختلاف أحوالهم، من قوة وضعف، و عزو ذل، وإيمان و كفر.

رابعها: العلم بوجه هداية القرآن للبشرية، وما كان عليه العرب فى الجاهلية من شقاء وضلال، فقد روى عن عمر أنه قال: ولا يعرف فضل الإسلام من لم يقرأ حياة الجاهلية.

خامسها: العلم بسيرة النبى ﷺ وأصحابه، وما كانوا عليه من علم و عمل، فى الشؤون الدينية والدنيوية.

المرتبة الدنيا:

وأما أدنى مراتب التفسير: فهو أن يتبين بالإجمال ما يشرب قلبه عظمة الله و تنزيهه ويصرف النفس عن الشر، ويجذبها إلى الخير، وهذه ميسرة لكل أحد كما قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ، فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟﴾

أوجه التفسير:

روى السيوطى نقلا عن ابن جرير من طرق متعددة، عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال:

التفسير أربعة أوجه:

(١) وجه تعرفه العرب من كلامها.

(٢) و تفسير لا يعذر أحد بجهالته.

(٣) وتفسير يعرفه العلماء.

(٤) وتفسير لا يعلمه إلا الله تعالى.

أقوال العلماء فی جواز التفسير بالرأی

بعد أن عرفنا معنی (التفسير بالرأی) و شروطه، و نذكر الآن أقوال العلماء فيه، وأدلة كل من المجيزين والمانعين له، حتی يظهر الحق أبلج ساطعاً مثل الشمس فی رابعة النهار، فنقول ومن الله نستمد العون: المراد بالرأی هنا الاجتهاد، وعليه فالتفسير بالرأی معناه تفسير القرآن بالاجتهاد، بعد معرفة المفسر لكلام العرب وأسلوبهم فی الخطاب، و معرفته للألفاظ العربية ووجوه دلالتها، وقد اختلف العلماء فی جواز التفسير بالرأی علي مذهبين:

المذهب الأول: عدم جواز التفسير بالرأی، لأن التفسير موقوف علی السماع، وهو قول طائفة من العلماء.

المذهب الثانی: جواز التفسير بالرأی بالشروط المتقدمة، وهو مذهب جمهور العلماء.

أدلة المانعين:

استدل المانعون للتفسير بالرأی بعدة أدلة نوجزها فيما يلی:

أولا: إن التفسير بالرآی قول علی الله بغير علم، وهو منهی عنه بقوله تعالی: ﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.﴾

ثانيا: ما ورد فی الحديث الشريف من الوعيد الشديد لمن فسر القرآن الكريم برأيه، وهو قوله ((اتقوا الحديث علی إلا ما علمتم، فمن كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال فی القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) رواه الترمذی.

ثالثا: قوله تعالی:

﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (النحل: ٤٤)

فقد أضاف البيان إلی الرسول ﷺ فعلم أنه ليس لغيره شئ من البيان لمعانی القرآن.

رابعا: تحرج الصحابة من القول فی القرآن بآرائهم، حتی روی عن الصديق أنه قال: ((وأی أرض تقلنی؟ إذا قلت فی القرآن برأی، أو قلت فيه بما لا أعلم؟))

ترجمہ:

مولف کتاب فرماتے ہیں:

اسی طرح باقی علوم ہیں (جیسے) اصول فقہ' اسباب نزول' ناسخ ومنسوخ کی معرفت اور علم قراءات کہ کتاب اللہ تعالیٰ کا مفسر ان میں سے ہر ایک (کے جاننے) کا محتاج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (اپنی) فہم (اور سمجھ) میں خطا نہ کھائے اور ان امور ضروریہ کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کا قدم (کسی مقام پر بھی حق سے) نہ پھسلے۔

رہا علم وھبی تو' اس سے (ہمارا) مقصود علم لدنی ربانی ہے۔ (جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے)

﴿وَاٰتَیْنٰهُ ❶ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (کھف: ٦٥)

''اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ وہ علم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرتے ہیں کہ جو اپنے علم پر عمل کرے۔ اور اس کے دل کو قرآن کے اسرار کے فہم کے لئے کھول دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ .﴾ (البقرة: ٢٨٢)

''اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ (علم لدنی) تقویٰ اور اخلاص کا ثمرہ ہے۔ اور یہ علم وہ نہیں پاتا کہ جس کے دل میں بدعت یا تکبر یا دنیا کی محبت یا گناہوں کی رغبت ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ......﴾ (الاعراف: ١٤٦)

''میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔'' تفسیر عثمانی)

اور امام شافعی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی فأرشدنی إلی ترك المعاصی

وأخبرنی بأن العلم نور ونور الله لا یهدی لعاصی

''میں نے (اپنے استاد) وکیعؒ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت کی۔ اور مجھے یہ بتلایا کہ (یہ) علم (اللہ کا) نور ہے۔ اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔''

(علامہ) سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''ہو سکتا ہے کہ تو علم وہبی (کے عطا کئے جانے) کو مشکل (اور دشوار) سمجھے کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو آدمی کی قدرت میں نہیں۔ جب کہ بات وہ نہیں ہے جیسا کہ تو نے اشکال کیا۔ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے اس عمل اور (تقویٰ و) پرہیز گاری کے اسباب کو اختیار کرنا ہے کہ جو اس کو ثابت کرتے ہیں۔ (اور اللہ سے یہ علم وہبی

---

❶ قرآن میں ''اتیناه'' کی بجائے ''علمناه'' ہے۔ (نسیم)

دلواتے ہیں۔) پھر فرمایا ''علوم القرآن اور جو علم اس سے مستنبط ہیں۔ (یہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ) یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔

پس جو علوم ہم نے ذکر کئے ہیں یہ مفسر کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں۔ کہ مفسر ان کے حاصل ہونے کے بعد ہی مفسر بنے گا۔ اور جس نے ان علوم کے بغیر تفسیر کی تو وہ 'وہ مفسر بالرائے ہوگا۔ جس کی ممانعت آئی ہے۔

توضیح

حضرت مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں ''ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وھبی ہے کہ جو حق سبحانہ وتقدس کا خاص عطیہ ہے اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا جس کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے۔''

''من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم.''

''جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔''

اسی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا جب کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپؓ نے آپؐ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں۔ یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرما دیں۔ ابن ابی الدنیا کا مقولہ ہے کہ ''علوم قرآن اور جو اس سے حاصل ہو۔ وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں۔ یہ علوم جو بیان کئے گئے مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے لئے علوم عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد تھے۔

کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔

(۱) وہ جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو۔

(۲) دوسرے وہ شخص کہ جو کسی کبیرہ پر مصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔

(۳) تیسرے وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلام اللہ کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اچٹتی ہو۔ اس شخص کو بھی فہم قرآن کا حصہ نہیں ملتا۔

اللهم احفظنا منهم. (فضائل قرآن صفحہ ۲۱-۲۲ ملخصاً)

داد ربانی

علامہ حریری مرحوم ''داد ربانی'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''یہ علم خاص عطیہ ربانی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرے۔''

علامہ بدرالدین زرکشیؒ البرہان'' میں لکھتے ہیں۔

''خوب جان لیجئے کہ وحی کے اسرار ورموز کسی شخص پر اس وقت منکشف ہوتے ہیں جب اس کا دماغ بدعت کبر ہو اور ہوس اور جب دنیا سے خالی ہو۔ جب کوئی شخص کسی گناہ کے کرنے پر مصر ہو یا ضعیف الایمان ہو یا کسی جاہل مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھتا ہو تو اس پر وحی الٰہی کا راز نہیں کھل سکتا۔ یہ سب حجابات اور موانع ہیں جن میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ پختہ اور سنگین ہیں۔'' (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۴۵ ملخصاً)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

یہ وہ شروط ہیں کہ جن کا علماء نے ذکر کیا بے شک یہ تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے ہیں۔ (قرآن میں) یہاں کچھ ایسی معانی بھی ہیں کہ جن کو انسان قرآن کریم سنتے ہوئے (ازخود) سمجھ لیتا ہے کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سہل کر دیا ہے اور اس کو آسان کر دیا ہے اور اپنی کتاب مجید میں تدبر اور (اس سے) نصیحت لینے کا حکم دیا ہے (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ.﴾ (محمد: ٢٤' النساء: ٨٢)

''کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔'' (تفسیر عثمانی ترجمہ از سورۂ نساء)

اور یہ تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ ہے واللہ والموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

توضیح

قرآن کے سہل ہونے کا مطلب

سید مناظر احسن گیلانیؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا نکتہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' (قرآن کے آسان ہونے کا) مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآنی معارف وگہرائیوں تک ہر کہ ومہ کی رسائی ممکن ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مرضی مبارک کے مطابق زندگی گزارنے کا جو طریقہ قرآن میں پیش کیا گیا۔ اس کا ذکر کچھ اس انداز سے قرآن میں کیا گیا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' اس بارے میں قرآن کا طریقہ خطاب اتنا واضح صاف' شستہ اور روشن ہے کہ کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ قرآن اپنی حجت پوری کر چکا ہے۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن (۱۱۴-۱۱۵ ملخصاً)

ترجمہ: مراتب تفسیر

الشیخ محمد عبدہ مرحوم نے تفسیر کو دو مراتب پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) مرتبہ علیاً (اعلیٰ مرتبہ)

(۲) مرتبہ دنیا (ادنیٰ مرتبہ)

تفسیر کا اعلیٰ مرتبہ

رہا پہلا (یعنی علیا اعلیٰ) مرتبہ تو وہ (مندرجہ ذیل) چند امور سے ہی تمام (اور مکمل) ہوتا ہے۔

(۱) ان مفرد الفاظ کے حقائق کا علم جو قرآن میں اہل لغت کے طریقہ استعمالات کے مطابق قرآن میں رکھے ہوئے ہیں۔

(۲) اسالیب رفیعہ (بلند طریقہ استعمالات الفاظ مفردہ) کی معرفت اور یہ بلیغ کلام کے ساتھ (مسلسل) لگے رہنے اور اس کی مشق کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ الفاظ مفردہ کے (باریک) نکات اور اس کے محاسن کو سمجھنا (بھی ہو)

(۳) انسان کے احوال کا علم اور امتوں کے تدریجی تغیر (اور زمانے کے ساتھ ساتھ ان میں آنے والی تبدیلیوں) اور قوت وضعف اور عزت وذلت اور ایمان اور کفر میں (گزشتہ) امتوں کے اختلاف احوال میں کائناتی سنن الٰہیہ کا علم (اور اس کی معرفت)

(۴) قرآن کے انسانیت کو ہدایت دینے کے طریقہ کا علم اور زمانہ جاہلیت میں عرب جس بدبختی اور گمراہی پر (ڈٹے ہوئے) تھے ان کا علم۔

تحقیق حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا: ''وہ شخص اسلام کی فضیلت کو نہیں جان سکتا جو (زمانہ) جاہلیت کی زندگی (کے حالات) کو نہیں پڑھتا (یعنی نہیں جانتا)

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی سیرت کا علم اور جس علم وعمل اور جن دینی ودنیاوی اعمال پر وہ لوگ قائم تھے ان کا علم۔

تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ

رہا تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت (وتقدیس) اور پاکی پیوست ہوگئی ہے اس کو جمالاً بیان کردے۔ اور نفس کو برائیوں سے موڑ دے اور اس کو خیر کی طرف کھینچے اور یہ ہر ایک کو حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ؟﴾ (القمر: ۱۷) [1]

اور ہم نے آسان کردیا قرآن سمجھنے کو پھر کوئی سوچنے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

---

[1] یہاں تک کا مضمون تفسیر منار سے معمولی تصرف اور اختصار کے ساتھ لیا گیا تھا۔

توضیح

علامہ غلام احمد حریریؒ مرحوم اس کی تفصیل میں ایک طویل تحریر درج کرتے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہ علامہ سید رشید رضا مصریؒ کی تفسیر المنار کے مقدمہ کا ایک مضمون ہے جو ان کے استاد گرامی امام شیخ محمد عبدہ کے لیکچروں سے مستفاد ہے۔

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تفسیر کی شرائط

سید رشید رضا لکھتے ہیں:

تفسیر قرآن کے چند مراتب ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل پر خدا کی عظمت و تقدیس کا جو نقش ثبت ہو چکا ہو اس کو اجمالاً بیان کر دیا جائے۔ نفس انسانی کو شر سے دور رکھنے کی طرف مائل کیا جائے۔ یہ درجہ آسان ہے اور ہر شخص کو میسر ہے۔ تفسیر کے اعلیٰ مراتب کی تکمیل مندرجہ ذیل امور کے بغیر ممکن نہیں۔

(۱) مفرد الفاظ کا فہم و ادراک

کہ مفسر قرآن عزیز میں وارد و شدہ مفرد الفاظ کی حقیقت سمجھنے پر قادر ہو اور جانتا ہو کہ اہل لغت نے ان کو کن معانی میں استعمال کیا ہے صرف اہل لغت کے چند اقوال معلوم کر لینا کافی نہیں۔ اکثر مفسرین قرآنی الفاظ کو ان اصطلاحات میں استعمال کرتے ہیں کہ جو قرون ثلثہ کے بعد ملت میں ظہور پذیر ہوئے ایک محقق پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کی تشریح ان معانی و مطالب کے مطابق کرے جو اس کے عصر نزول میں ان الفاظ سے مراد لئے جاتے تھے۔

(۲) اسلوب قرآن

اسالیب قرآن میں مہارت اور براعت بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب مفسر کلام بلیغ اور اس کے نکات و محاسن سے بخوبی آشنا اور آگاہ ہو۔ اور جانتا ہو کہ متکلم کی اس سے کیا مراد ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہم کلام الٰہی کا مطلوب و مقصود پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ استطاعت بشری کی حد تک ہم اس کا مفہوم سمجھنے پر قادر ہیں۔ اس کے لئے علم نحو و معانی اور بیان سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ مگر تنہا ان علوم کے جان لینے اور ان کے مسائل و احکام کے فہم و حفظ سے کام نہیں چلتا۔

(۳) علم احوال البشر

اس آخری کتاب قرآن کریم میں وہ کچھ بیان ہوا ہے جو دوسری کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ اس کتاب میں مخلوقات کے احوال و طبائع اور انسان کے بارے میں سنن الٰہیہ کی تفصیلات مذکور ہیں۔ اس میں سابقہ امم کے احوال و واقعات پر بھی روشنی

ڈالی گئی ہے۔

اس بنا پر جو شخص قرآن کریم پر غائرانہ نگاہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کے مختلف مراحل و ادوار' ان کے اسباب اختلاف قوت وضعف' عزت ذلت علم وجہل اور ایمان اور کفر کے حالات سے بخوبی واقف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ عالم علوی و سفلی کے حالات سے بھی بے بہرہ نہ ہو۔ اور تاریخ کے جملہ انواع میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

(۴) قرآن کریم کا طریق دعوت

یہ بھی ضروری ہے کہ مفسر قرآن کریم کے طریق دعوت سے آگاہ ہو۔ اسے عہد رسالت کے عربوں اور دیگر قوموں کے احوال بخوبی معلوم ہوں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس وقت سب گمراہ تھے۔ اور ان سب کی ہدایت کے لئے آپ ؐ کو مبعوث کیا گیا۔ تو جب مفسر ان لوگوں کے احوال و عادات سے ناواقف ہو گا تو قرآن کی ان آیات کا مفہوم کیسے سمجھے گا کہ جن میں ان پر سخت جرح اور تنقید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ان احوال سے بے گانہ ہو وہ نہیں جان سکتا کہ قرآن نے ان میں کیا انقلاب برپا کیا۔ جو شخص دور جاہلیت کی ضلالت اور جہالت سے ناآشنا ہے اس کی نگاہ میں اسلام کی چنداں اہمیت نہیں۔

(۵) سیرت رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ

مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیرت اور ان کے علم وعمل اور ان کے دینی و دنیاوی کارناموں سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۴۶-۲۴۹ ملخصاً بحوالہ تفسیر المنار ج۱ صفحہ ۲۱-۲۴)

ترجمہ: تفسیر کی قسمیں

(علامہ) سیوطیؒ نے ابن جریرؒ سے نقل کرتے ہوئے متعدد طریقوں سے' حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

تفسیر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ قسم کہ جس کو عرب اپنے کلام سے پہچانتے ہیں۔

(۲) وہ تفسیر کہ اپنی جہالت کی وجہ سے کوئی آدمی (اس میں) قابل معافی (اور معذور) نہ ہوگا۔ ❶

(۳) وہ تفسیر جس کو علماء (ہی) جانتے ہیں۔

(۴) وہ تفسیر کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں (کوئی دوسرا نہیں)

توضیح

علامہ حریری مرحوم اس مضمون کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ (تفسیر کے متعلق)

❶ یا یہ کہ "کوئی آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ (نسیم)

علوم القرآن کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم وہ اسرار و رموز ہیں کہ جن کی اطلاع اللہ نے کسی کو نہیں دی۔ مثلاً ذات خداوندی کی حقیقت غیب کی باتیں۔ ان میں دخل اندازی بالا جماع ناجائز ہے۔

(۲) وہ اسرار کہ جن کی اطلاع اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ اور وہ آپ کے ساتھ خاص ہیں ایسے امور میں رائے ذاتی کا حق فقط آپ ﷺ کو ہی ہے۔ یا جس کو آپ اس کی اجازت دیں۔ حروف مقطعات اس میں داخل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک پہلی قسم میں داخل ہیں۔

(۳) وہ علوم جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ودیعت فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلائے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ایک قسم وہ ہے کہ جن میں شارع سے سنے بغیر رائے زنی درست نہیں۔ مثلاً ناسخ منسوخ اسباب نزول مختلف قراء تیں۔ لغات گزشتہ قوموں کے واقعات حشر نشر وغیرہ۔

(ب) دوسری قسم وہ ہے کہ جن میں نظر و استدلال اور استنباط سے کام لیا جا سکتا ہے جیسے احکام شرعیہ اور حکم و اشارات کا استنباط جو بالاتفاق جائز ہے۔

اور ان آیات متشابہات کی تاویل جو صفات باری تعالیٰ میں وارد ہیں۔ مگر ان کی تاویل کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم) (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۵۳ ملخصاً)

ترجمہ: تفسیر بالرائے کے متعلق علماء کے اقوال

تفسیر بالرائے کا معنی اور اس کی شرائط جاننے کے بعد اب ہم اس بارے میں علماء کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کو جائز سمجھنے والوں اور اس سے منع کرنے والوں میں سے ہر ایک کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق نصف النہار کے سورج طرح روشن اور واضح ہو کر ظاہر ہو جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں (اور اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں)

یہاں رائے سے مراد اجتہاد ہے اس بنا پر تفسیر بالرائے کا مطلب قرآن کی اجتہاد کے ذریعے تفسیر کرنا ہے بعد اس کے کہ مفسر کلام عرب اور عربوں کے خطاب میں اسلوب کو جان لے اور عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالات کو جان لے۔ تفسیر بالرائے کے متعلق جواز کے بارے علماء نے دو مذہبوں پر مشتمل اختلاف کیا ہے (یعنی علماء کا اختلاف دو مذاہب پر مشتمل ہے)

پہلا مذہب

تفسیر بالرائے کے عدم جواز کا ہے کیونکہ تفسیر موقوف ہے سماع پر اور یہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

دوسرا مذہب

گزشتہ شرائط کے ساتھ تفسیر بالرائے کے جواز (کا ہے) اور یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

مانعین کے دلائل

تفسیر بالرائے سے منع کرنے والے (علماء) چند دلائل کے ساتھ استدلال کرتے ہیں ہم ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) تفسیر بالرائے یہ بغیر علم کے اللہ پر جھوٹ لگانا ہے اس کی ممانعت اس ارشاد خداوندی میں ہے:

﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.﴾ (البقرة: ١٦٩)

''اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔'' (تفسیر عثمانی)

(۲) وہ وعید شدید ہے کہ جو حدیث شریف میں قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کرنے والے کے بارے میں ہے اور وہ آپؐ کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

اتقوا الحديث علي إلا ما علمتم' فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار' ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. (رواه الترمذي)

''مجھ پر جھوٹ باندھنے سے بچو مگر جو تم جانتے ہو۔ پس جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگایا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے اور جس نے اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں کچھ کہا وہ (بھی) اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' (اس کو ترمذیؒ نے روایت کیا ہے)

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ٥﴾ (النحل: ٤٤)

''اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ہے ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔'' (تفسیر عثمانی)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے بیان (وتشریح اور تفسیر وتفصیل) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی میں کچھ بیان کرنے کا حق کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے۔

(۴) صحابہ کرامؓ قرآن کے بارے میں اپنی کوئی رائے دینے سے گریز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

''کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟ اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے [1] گی؟ (اور میں کہاں جاؤں گا اور کیا

---

[1] یہاں تک کا ترجمہ تاریخ تفسیر ومفسرین ص ۲۳۶ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

کروں گا) جب میں قرآن کے بارے میں اپنی رائے دوں یا قرآن کے بارے میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔"

أدلة المجيزين للتفسير بالرأى:

وقد استدل المجيزون للتفسير بالرأى وهم (الجمهور) بعدة أدلة نوجزها فيما يلى:

أولا: لقد حثنا الله على التدبر، و تعبدنا فى القرآن فقال عز من قائل: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ.﴾ (ص: ٢٩)

وقال تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۝﴾ (محمد: ٢٤)

والتدبر والتذكر لا يكون إلا بالغوص عن أسرار القرآن، والاجتهاد فى فهم معانيه، فهل يعقل أن يكون تأويل ما لم يستأثر الله بعلمه محظورا على علماء، مع انه طريق العلم، و سبيل المعرفة؟

ثانيا: إن الله تعالى قسم الناس قسمين: عامة، وعلماء، وأمر بالرجوع إلى أهل العلم الذين يستنبطون الأحكام فقال تعالى:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ و الى اولى الامر مِنْهُمْ لعلمه الذين يستنبطونه مِنْهُمْ﴾ (النساء: ٨٣)

الآية، والاستنباط هو استخراج المعانى الدقيقة بثاقب الذهن، وهو إنما يكون بالاجتهاد والغوص فى أسرار القرآن، كما يغوص السباح فى أعماق البحر، لاستخراج الجواهر واللالىء.

ثالثا: قالوا، لو كان التفسير بالاجتهاد غير جائز، لما كان الاجتهاد جائزا، ولتعطل كثير من الأحكام، وهذا باطل بإن المجتهد فى حكم الشرع مأجور سواء أصاب أو أخطأ، ما دام أنه قد استفرغ جهده، و بذل ما فى وسعه، بغية الوصول إلى الحق والصواب.

رابعا: إن الصحابة قرؤا القرآن، واختلفوا فى تفسيره على وجوه، و معلوم أنهم لم يسمعوا كل ما قالوه فى تفسير القرآن من النبى ﷺ إذ أنه لم يبين لهم كل شئ، بل بين لهم الضرورى منه، و ترك البعض الآخر الذى توصلوا إلى معرفته بعقولهم واجتهادهم، و لو بين لهم كل معانيه لما وقع بينهم اختلاف فى التفسير.

خامسا: ان النبى صلى الله عليه وسلم دعالا بن عباسؓ فقال "اللهم فقه فى الدين وعلمه التأويل" فلو كان التاويل مقصوراً على السماع والنقل كالتنزيل لما كان هناك فائدة فى تخصيص ابن عباس بهذا الدعاء فدل على ان التاويل هوا التفسير بالراى والا

جتهاد

الرد على ادلة المانعين

و قد ردّوا على ادلة المانعين بحجج دامغة و براهين قاطعة تثبت خطاهم فقالوا في الرد على الدليل الاوّل۔ ان التفسير بالاجتهاد ليس قولاً على الله بغير علم بل هو قول بعلم مأذون به من الشارع' فقد بين عليه السلام أن المجتهد إذا اجتهد فأصاب فله أجران وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد' فكيف يكون مأجورا إذا لم يكن مسموحا له بالاجتهاد؟

ثانيا: أما الدليل الثانى وهو حديث ((من قال فى القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده من النار)) فقد رد السيوطى بخمسة أدلة عليه فقال جملة ما تحصل فى معنى التفسير بالرأى خمسة أقوال:

أحدها: التفسير من غير حصول على العلوم التى يجوز معها التفسير.

الثانى: تفسير المتشابه الذى لا يعلمه إلا الله تعالى.

الثالث: التفسير المقرر للمذهب الفاسد' فيجعل المذهب أصلا والتفسير تابعا.

الرابع: الحكم بأن مراد الله كذا على وجه القطع من غير دليل.

الخامس: التفسير بالاستحسان والهوى.

ثالثا: فى الرد على الدليل الثالث قالو: نعم إن النبى ﷺ مأمور بالبيان ولكنه انتقل إلى جوار الله ولم يبين لهم كل شيء' فما ورد بيانه عنه ﷺ ففيه الكفاية' وما لم يرد عنه بيانه فلا بد فيه من الاجتهاد وإعمال الفكر' وختام الآية يشهد ذلك. ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ فلا بد إذا من الفكر والاجتهاد.

رابعا: وفى الرد على الدليل الرابع قالوا: إن إحجام الصحابة إنما كان منهم (ورعا واحتياطا) خشية ألا يصيبوا عين اليقين' وكانوا يرون أن التفسير شهادة على الله بأنه أراد باللفظ كذا فأمسكوا عنه خشية ألا يكون الصواب جانبهم' وأما إذا ترجح لهم وجه الصواب فإنهم لا يمتنعون' وهذا أبوبكر الصديق يفتى فى الكلالة برأيه فى قوله تعالى. ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهِ يُفْتِيكُمْ فِى الْكَلَالَةِ﴾ فيقول رضى الله عنه: أقول فيها برأى' فإن كان صوابا فمن الله' وإن كان غير ذلك فمنى ومن الشيطان الكلالة: ما خلا الوالد والولد.

من هذه النظرة الغابرة يتبين لنا خطا وجهة الذين منعوا تفسير القرآن بالاجتهاد' و قصروه على المنقول والمأثور' وقد علمت أدلة الجمهور القوية' و تفنيدهم لأدلة المانعين' و نزيد هنا كلمة للإمام الغزالى' وأخرى للراغب الأصفهانى' وثالثة للقرطبى حول جواز تفسير القرآن

بالاجتهاد.

كلمة الإمام الغزالی:

قال الغزالی فی الإحیاء ((إن فی فهم معانی القرآن مجالا رحبا، و متسعا بالغا، وإن المنقول من ظاهر التفسیر، لیس منتهی الإدراك فیه، فبطل أن یشترط السماع فی التأویل، وجاز لكل واحد أن یستنبط من القرآن بقدر فهمه، وحد عقله......

كلمة الراغب الأصفهانی:

وقال الراغب الأصفانی فی مقدمة التفسیر – بعد أن ذكر المذهبین وأدلتهما – قال: "وذكر بعض المحققین أن المذهبین هما (الغلو والتقصیر) فمن اقتصر علی المنقول فقد ترك كثیرا مما یحتاج إلیه، ومن أجاز لكل أحد الخوض فیه فقد غرضه للتخلیط، ولم یعتبر حقیقة قوله تعالی: ﴿لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرُ اُوْلُوْ الْأَلْبَابِ﴾

كلمة الإمام القرطبی:

وقال العلامة القرطبی فی تفسیره الجامع لأحكام القرآن ما نصه:

وقال بعض العلماء: إن التفسیر موقوف علی السماع لقوله تعالی. ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ الآیة، وهذا فاسد، لأن النهی عن تفسیر القرآن لا یخلو إما أن یكون المراد به الاقتصار علی النقل والمسموع و ترك استنباط ، أو المراد به أمر آخر، وباطل أن یكون المراد به ألا یتكلم أحد فی القرآن، إلا بما سمعه، فإن الصحابة رضی الله عنهم قد قرؤوا القرآن واختلفوا فی تفسیره علی وجوه ولیس كل ما قالوه سمعوه من النبی ﷺ فان النبی ﷺ دعا لابن عباس فقال ((اللهم فقهه فی الدین وعلمه التأویل)) فإن كان التأویل مسموعا كالتنزیل فما فائدة تخصیصه بذلك؟ ثم قال: والنهی محمول علی أحد وجهین:

أحدهما: أن یكون له فی الشیٔ رأی، وإلیه میل من الطبع والهوی، فیتأول القرآن علی وفق رأیه وهواه.

الثانی: أن یتسارع إلی تفسیر القرآن بظاهر العربیة، من غیر استظهار بالسماع والنقل، فیما یتعلق بغرائب القرآن، وما فیه من الحذف والاضمار، والتقدیم والتأخیر، تأمل قوله تعالی: ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا﴾

فإن معناه: آتينا ثمود الناقة معجزة واضحة' وآية ظاهرة' فظلموا أنفسهم بقتلها. والناظر إلى ظاهر العربية يظن أن الناقة كانت مبصرة' ولا يدرى بماذا ظلموا. وأنهم ظلموا غيرهم او أنفسهم' فهذا من الحذف والإضمار' وأمثال هذافى القرآن كثير' وما عدا هذين الوجهين فلا يشمله النهيى۔

ترجمہ:تفسیر بالرائے کو جائز کہنے والوں کے دلائل

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

تفسیر بالرائے کو جائز قرار دینے والوں (اور وہ جمہور علماء کرام ہیں) نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے ہم ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہمیں تدبر (کرنے) پر ابھارا ہے اور قرآن میں ہمیں (اس کی) دعوت دی ہے چنانچہ اللہ جل جلالہ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرُ اُولُوْ الأَلْبَابِ.﴾ (ص: ۲۹)

''ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تمہاری طرف برکت کی تا دھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا٥﴾ (محمد: ۲٤)

''کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ تدبر اور تذکر (غور وفکر اور نصیحت پکڑنا' دھیان کرنا) یہ نہیں ہوسکتا مگر اسرار قرآنی میں غوطہ زنی (اور ان کی گہرائیوں میں ڈوب جانے) سے اور اس کے معانی کے فہم (اور سمجھنے) میں اجتہاد کرنے سے۔تو کیا یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے کہ ان چیزوں کا مطلب بیان کرنے کی علماء پر بندش ہو کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مخصوص نہیں جب کہ یہ (غور وتدبر) علم کا طریقہ اور معرفت (اسرار الٰہیہ ومعارف قرآنی) کا راستہ (بھی) ہو؟

(۲) بیشک اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے ایک عوام اور دوسرے علماء اور (عوام کو) ان اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جو احکام (قرآنی) کا استنباط کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ و الى اولى الامر مِنْهُمْ لعلمه الذين يستنبطونه مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

''اور اگر اس کو پہنچادے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں۔ اس کی۔'' (تفسیر عثمانی)

اور استنباط یہ پختہ ذہن کے ساتھ (اور تربیت یافتہ عقل کے ساتھ) دقیق معانی کا استخراج کرنا ہے اور یہ صرف اجتہاد کے ذریعے اور اسرار قرآن میں غوطہ زنی سے ہی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ تیراک موتی اور جواہر نکالنے کے لئے دریاؤں کی گہرائیوں میں غوطہ لگاتا ہے (تب کہیں جا کے وہ حاصل ہوتے ہیں)

(۳) (جواز کے قائل علماء) کہتے ہیں کہ اجتہاد کے ساتھ تفسیر ناجائز ہوتی تو اجتہاد ہی (سرے سے) ناجائز ہوتا۔ اور بہت سارے احکام (شرعیہ) معطل ہو (کررہ) جاتے۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ شرع (شریف) کے مطابق مجتہد ماجور (یعنی اجر دیا گیا) ہے چاہے وہ درستی کو پائے یا خطا کر بیٹھے جب تک کہ وہ حق وصواب (اور درستی وراستی) تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا رہتا ہے اور جو اس کے بس میں ہو وہ لگا تار رہتا ہے۔

(۴) صحابہ کرامؓ نے بے شک قرآن کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی) پڑھا اور اس کی تفسیر میں کئی طرح سے (آپس میں باہمی آراء کا) اختلاف کیا۔ اور یہ بات معلوم (ومعروف) ہے کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر میں جو کچھ کہا وہ سب کچھ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن نہیں رکھا تھا۔ کیونکہ آپؐ نے ان کو ہر چیز (یعنی جزء جزء، فرع فرع) کھول کر بیان نہیں کی تھی۔ بلکہ انہیں قرآن کے ضروی حصہ کو خوب کھول کر بیان کیا تھا اور دوسری بعض باتوں (کی وضاحت کو) چھوڑ دیا جن کی معرفت تک صحابہ کرام اپنی (خداداد) عقلوں اور اپنے (حق وصواب اور درست وراست) اجتہاد کے ذریعہ پہنچے۔ (لہٰذا) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قرآن کے تمام معانی بیان کردیئے ہوتے تو ان کے درمیان (قرآن کی) تفسیر میں اختلاف نہ ہوتا۔

(۵) بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے یہ دعا فرمائی:

اللهم فقهه في الدين و علمه التاويل.

''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کے معانی سکھلا۔''

پس اگر تاویل (یعنی قرآن کے معانی کا بیان کرنا) قرآن (کے الفاظ) کی طرح (فقط) سماع اور نقل پر ہی بند (اور موقوف) ہوتا تو اس جگہ حضرت ابن عباسؓ کو اس دعا کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ یہ دعا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تاویل یہ رائے اور اجتہاد کے ساتھ (قرآن کی) تفسیر (کرنا) ہے۔

مانعین کے دلائل کا جواب

(علماء کرام نے) مانعین (جواز تفسیر بالرائے) کے دلائل کا ناقابل تردید دلائل اور قاطع (اور روشن) براہین کے ساتھ رد کیا ہے جو ان کی خطا کو ثابت کرتے ہیں چنانچہ وہ مانعین کی پہلی دلیل کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) اجتہاد کے ساتھ (تفسیر یہ) اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے جھوٹ لگانا نہیں ہے بلکہ یہ اس علم کے ساتھ قول کرنا ہے جس کی شارع کی طرف سے اجازت ہے تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر یہ بیان کیا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرتا

ہے اور درستی کو پالیتا ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کرتا ہے اور خطا کر بیٹھتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ تو بھلا اس کے لئے اجر کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس کو اجتہاد کی اجازت ہی نہ ہو؟

(۲) رہی (ان کی) دوسری دلیل جو یہ حدیث ہے ''**من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ معقده من النار.** تحقیق (علامہ) سیوطیؒ نے اس حدیث کا پانچ دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ اور فرمایا کہ تفسیر بالرائے کے معنی میں جو ماحصل ہے اس کا خلاصہ (مندرجہ ذیل) پانچ اقوال ہیں۔

(الف) ان علوم کی تحصیل کے بغیر تفسیر کرنا جن کے ساتھ تفسیر جائز ہوتا ہے (یعنی ان ضروری علوم کے بغیر تفسیر کرنا یہ ناجائز ہے)

(ب) ان متشابہہ (آیات) کی تفسیر کرنا کہ جن (کی مراد) کو اللہ (کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ) ہی جانتے ہیں۔

(ج) وہ تفسیر جو فاسد مذہب کی (تائید و) تقویت کرے پس مذہب (فاسد) کو اصل بنائے اور تفسیر کو (اس کے) تابع بنائے۔

(د) بغیر کسی دلیل کے یقینی طور پر حکم لگانا کہ یہی اللہ کی مراد ہے۔

(ھ) (اپنی) خواہش اور پسند کی تفسیر کرنا۔

(۳) (مانعین کی) تیسری دلیل کے رد میں علماء کرام یہ کہتے ہیں ''جی ہاں (ہم یہ مانتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن کی تشریح و) بیان کے مامور تھے۔ لیکن آپؐ رب (ذوالجلال) کے جوار رحمت میں تشریف لے گئے اور (دنیا سے اس حال میں پردہ فرما گئے کہ) صحابہ کرامؓ کو ہر (ہر) چیز بیان کر کے نہ گئے۔ لہٰذا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیان وارد ہوا ہو تو اس میں وہ (ہی) کافی ہے اور جس چیز کے بارے میں آپؐ کا بیان نہیں وارد ہوا اس میں اجتہاد اور (غور و) فکر کرنا ناگزیر ہے جبکہ (جس آیت کا حوالہ دے کر یہ مانعین تفسیر بالرائے سے منع کرتے ہیں اس ہی) آیت کا آخر (ی کلمہ) اسی بات کی شہادت دیتا ہے (اور وہ ہے) ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ (النحل:۴۴) جز آیت ''تا کہ وہ غور کریں۔ (تفسیر عثمانی)

تو پھر (غور و) فکر اور اجتہاد (واستنباط از بس) ناگزیر ہوا۔

(۴) (مانعین کی) چوتھی دلیل کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''بے شک صحابہ کرامؓ (کا تفسیر بالرائے سے) باز رہنا جز ایں نیست کہ وہ ان کے تقویٰ اور احتیاط (اور) اس بات کے ڈر کی وجہ سے تھا کہ (کہیں) وہ عین حق تک نہ پہنچ پائیں (کہ پھر وہ بات ان کی گردنوں پر رہے گی) اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ تفسیر (بالرائے) یہ اللہ پر اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (مثلاً فلاں فلاں) لفظ سے (یہ) مراد لی ہے۔ چنانچہ وہ اس بات سے باز رہے اس ڈر کی وجہ سے کہ (شاید) وہ راستی ان کی جانب نہ ہو (بلکہ دوسری طرف ہو تو غلط بات ان کے ذمہ ہوگی)

البتہ جب ان کے نزدیک درستی کا پہلو راجح ہوا تھا تو وہ (تفسیر بالرائے سے) رکتے نہ تھے۔ (لیجئے) یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اس ارشاد خداوندی میں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

﴿يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ.﴾ (النساء: ١٧٦)

''حکم پوچھتے ہیں تجھ سے' سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔'' (تفسیر عثمانی)

آپؓ فرمایا کرتے تھے ''میں کلالہ کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں پس اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر اس کے علاوہ ہے (یعنی درست نہیں) تو پھر وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔''

مولف کتاب کلالہ کا ذکر آنے کی وجہ سے کلالہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کلالہ

وہ ہے جس کا باپ اور بیٹا نہ ہو۔

(آگے فرماتے ہیں) اس طائرانہ نگاہ (اور سرسری اور اچٹتی نظر ڈالنے) سے ہمارے سامنے ان لوگوں کے نظریہ کی خطا کھل کر سامنے آتی ہے کہ جو قرآن کی اجتہاد سے تفسیر کو منع کرتے ہیں اور اس کو منقول و ماثور تک محدود کرتے ہیں اور تحقیق جمہور (علماء) کے مضبوط دلائل اور ان کا مانعین کے دلائل کی غلطی کو واضح کرنا آپ نے جان لیا۔ اور ہم اس مقام پر اجتہاد سے تفسیر قرآن کے متعلق امام غزالیؒ کے ارشاد اور پھر امام راغب اصفہانیؒ کا قول اور پھر اس کے بعد علامہ قرطبیؒ کا ارشاد مزید (ذکر) کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا ارشاد

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ارشاد فرمایا ہے:

''قرآن ❶ (عزیز) کے معانی (ومطالب) کے فہم (وادراک) کا میدان (بڑا) وسیع ہے اور (اس میں) بڑی وسعت (وگنجائش) ہے اور منقول ظاہر تفسیر میں کہ اس کے ادراک (فہم) کی کوئی حد نہیں ہے۔

تو پھر (اس بنا پر) تفسیر (وتاویل بالرائے) میں (نقل و) سماع کی شرط لگانا باطل ٹھہرا۔ اور ہر شخص کے لئے یہ بات جائز ٹھہری کہ وہ فہم کے بعد اور اپنی عقل کی حد تک قرآن (کے مطاب ومعانی) کا استنباط کرے۔ ❷

امام راغب اصفہانیؒ کا ارشاد

امام راغب اصفہانیؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں دونوں مذاہب اور ان کے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں ''بعض محقق علماء نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں مذاہب افراط وتفریط (پر مبنی) ہیں یعنی غلو اور تقصیر (شدت اور کمی) پر مبنی) ہیں۔ چنانچہ جس نے (فقط) منقول پر انحصار کیا تو اس نے وہ بہت سا (ضروری حصہ) چھوڑ دیا کہ جس کی تفسیر کی قرآن میں) حاجت

❶ اس عبارت کا ترجمہ تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۳۹ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ (نسیم) ❷ دیکھئے احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۶' ۳۷

ہے۔اور جس نے ہر کس و ناکس کو قرآن میں (بے جا دخل اندازی اور غور و) غوض کی اجازت دے دی تو اس نے کتاب اللہ کو غلط ملط کرنے (اور اختلاط و امتزاج) کا نشانہ بنا دیا۔(گویا کہ) اس نے اس ارشاد خداوندی کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ❶

(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ.﴾ (ص: ٢٩)

''تا دھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل ❷ والے۔'' (تفسیر عثمانی)

امام قرطبیؒ کا ارشاد

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں یہ ارشاد فرماتے ہیں۔بعض علماء فرماتے ہیں۔تفسیر (فقط) سماع پر موقوف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ.﴾ (النساء: ٥٩)

''پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ (خیال) فاسد ہے کیونکہ تفسیر قرآن سے نہی دو باتوں سے خالی نہیں ہو سکتی ہے

(۱) (یا تو اس سے) یہ مراد ہے کہ نقل اور سماع تک ہی محدود رہنا اور استنباط کو ترک کر دینا۔

(۲) یا اس سے دوسرا (کوئی) امر مراد ہے اور یہ بات باطل ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے بارے میں کوئی بات نہ کرے مگر وہی جو اس نے (اثر رسول یا اثر صحابی سے) سن رکھا ہو۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تحقیق کہ قرآن کو پڑھا اور کئی طور پر اس کی تفسیر میں (باہم) اختلاف کیا۔اور ہر وہ بات کہ جو انہوں نے ارشاد فرمائی وہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سن رکھی تھی۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی۔

اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل.

''اے اللہ! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما اور قرآن کے تفسیر سکھلا۔''

چنانچہ اگر تاویل (وتفسیر) تنزیل (یعنی قرآن) کی طرح (فقط) مسموع ہی ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کو اس دعا کے ساتھ خاص کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ ❸

پھر اس کے بعد علامہ قرطبیؒ نے ارشاد فرمایا:

''یہ نہی (کہ جو حدیث میں تفسیر قرآن بالرائے کے بارے میں آئی ہے یہ) دو میں سے ایک بات پر محمول ہے۔''

(۱) (یا تو یہ کہ) مفسر کی کسی چیز کے بارے میں کوئی (ذاتی) رائے ہو اور اس کی طرف طبعاً اور ہوائے (نفس) کے

---

❶ اس عبارت کا ترجمہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۳۹ کی مدد سے کیا گیا ہے۔(نسیم)

❷ دیکھئے امام راغبؒ اصفہانی کا مقدمہ تفسیر صفحہ ۴۲۳۔

❸ اس کے لئے دیکھئے ''الجامع لاحکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۲۔

طور پر میلان ہو۔ پس وہ قرآن کا مطلب اپنی رائے اور خواہش کے مطابق کرے۔

(۲) (یا یہ کہ) ایک آدمی عربی (زبان) کے ظاہر (الفاظ) کی مدد سے، سماع اور نقل سے مدد چاہے بغیر ان معاملات میں قرآن کی تفسیر کی طرف مسابقت کرے کہ جن کا تعلق غرائب قرآن سے ہے اور حذف واضمار اور تقدیم وتاخیر میں (تفسیر قرآن میں مسابقت کرے)

(ذرا) تو اس ارشاد خداوندی میں غور کر۔

﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ (الاسراء: ۵۹)

''اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اس پر۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ اس (آیت) کا معنی یہ ہے (کہ) ہم نے ثمود کو اونٹنی (ایک) واضح (اور روشن) معجزہ (بنا کر) اور ظاہری نشانی (بنا کر) دی۔ پھر انہوں نے اس کو قتل کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔

اور (اب) عربی کے ظاہری الفاظ کو دیکھنے والا یہ گمان کرے گا کہ وہ اونٹنی (خود) سمجھانے والی تھی اور وہ نہیں جانتا کہ انہوں نے کس پر ظلم کیا۔ (آیا) انہوں نے دوسروں پر ظلم کیا یا اپنے اوپر ظلم کیا۔

پس یہ حذف اور اضمار (کی قبیل) میں سے ہے اور قرآن میں اس قسم کی مثالیں بہت کثرت سے ہیں۔ اور (حدیث میں وارد تفسیر بالرائے کے متعلق) نہی ان دو قسموں کے علاوہ کسی (اور تیسری) قسم کو شامل نہیں ہے۔ ❶

توضیح

علامہ قرطبیؒ کے اس آخری مضمون سے متعلق حضرت علامہ عبدالحق حقانیؒ کی ایک مختصر تحریر کا حوالہ دینے کے بعد ہم علامہ حریری مرحوم کی ایک طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔ کہ جس کے اکثر مضامین خود متن کتاب میں آ گئے ہیں۔ البتہ جو مضامین متعلقہ مضمون متن کتاب مذکور نہیں ہے اس کا خلاصہ پیش کریں گے۔

علامہ عبدالحق حقانیؒ حذف کی بابت ارشاد فرماتے ہیں:

''کلام میں سے برعایت محاورہ بعض اجزائے کلام یا ادوات کو حذف کر دیا جس سے کسی قدر معنی میں خفا ہو جائے (کہ یہ حذف ہے) پس یہ بھی قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ مفسر کو ضروری ہے کہ امر محذوف کو ظاہر کر کے کلام میں وضاحت کر دے۔ اس حذف کی چند اقسام ہیں۔ حذف موصوف، حذف متعلق وغیرہ۔ اور یہ حذف کچھ زبان عرب پر ہی منحصر نہیں۔ ہر زبان میں بلغاء کے کلام میں حذف ہوتا ہے اگر نہ ہو گو مطلب کی عامی کے نزدیک کسی قدر وضاحت ہو جائے گی۔ مگر کلام بے لطف ہو جائے گا۔''

اس کے بعد علامہؒ نے حذف کی چند مثالیں پیش کیں ہیں۔ جن میں اول الذکر مثال وہی ہے کہ جو متن کتاب میں مذکور

---

❶ الجامع لاحکام القرآن جلد ا صفحہ ۳۴

ہے (دیکھیں تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۶۰ مقدمہ امر پنجم بحث حذف) اب ہم علامہ حریری مرحوم کی ایک طویل عبارت کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں کہ جو مذکورہ عبارت کے متعلق ہیں۔

تفسیر بالرائے سے متعلق علماء کا موقف

علماء قرآن کریم کی تفسیر اپنے رائے سے کرنے کے سلسلہ میں شروع ہی سے مختلف الخیال رہے ہیں۔اس ضمن میں ان کے نظریات وافکار بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔علماء کی ایک جماعت اس میں تشدد سے کام لیتی ہے اور تفسیر قرآن کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔اگر چہ وہ کس قدر عالم' ادیب' فقیہ' لغوی اور نحوی کیوں نہ ہوں۔بخلاف ازیں قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب رجوع کرنا چاہیے جو نزول قرآن کے شاہد عدل تھے۔(مقدمہ تفسیر للراغب اصفہانی)

اس کے بعد علامہ مرحوم مانعین کی پہلی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مانعین کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنے رائے سے کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی جانب بغیر علم کے ایک بات کو منسوب کرتا ہے اور یہ ممنوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رائے سے تفسیر کرنے والے کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد فلاں آیت سے کیا ہے بلکہ وہ اپنے ظن کی بنا پر ایک بات کہتا ہے۔اور ظن کی اساس پر کچھ کہنا گویا بلا دلیل و برہان خدا پر ایک الزام عائد کرنا ہے۔''

مجوزین کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کے صغریٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔اس لئے کہ ظن بھی علم ہی کی ایک قسم ہے۔کیونکہ ظن جانب راجح کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صغریٰ درست ہے تو ہم اس کے کبریٰ کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ظن اس وقت ممنوع ہوتا ہے جب قطعی اور یقینی علم تک پہنچنا ممکن ہو۔بایں طور کہ شرعی نصوص میں سے کوئی قطعی نص موجود ہو۔یا ایسی عقلی دلیل پائی جاتی ہو جو مفید یقین ہو مگر جہاں یقین کا کوئی امکان نہ ہو وہاں ظن ہی کافی ہے ایسی صورت میں خداوند کریم نے بھی ظن پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا.﴾ (البقرۃ: ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' (تفسیر عثمانی)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح اجتہاد کرنے والے کو دو اجر اور خطا کار کو ایک اجر کا مستحق ٹھہرایا۔جب آپؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو دریافت کیا۔

''آپ پیش آمدہ امور کا فیصلہ کیونکر کریں گے۔

حضرت معاذؓ نے کہا۔

''کتاب اللہ کی روشنی میں'' فرمایا اگر کتاب الٰہی میں اس کا حل موجود نہ ہو تو پھر؟ کہا ''سنت رسول کے مطابق'' اگر

اس میں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہو۔'' معاذؓ کہنے لگے ''میں اجتہاد سے کام لوں گا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شاباش دی اور فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے میرے فرستادہ کو احکام خداوندی پر چلنے کی توفیق بخشی۔''

علامہ مرحوم مانعین کی چوتھی دلیل نقل کرتے ہیں کہ صحابہ وتابعین تفسیر بالرائے سے احتراز کیا کرتے تھے۔ چند آثار درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت سعید بن المسیبؒ سے جب حلال وحرام سے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے مگر قرآن کی کسی آیت کی جب تفسیر معلوم کی جاتی تو یوں خاموش رہتے گویا کچھ سنا ہی نہیں۔

(۲) امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے ''جب تک زندہ ہوں تین چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا قرآن۔ روح۔ رائے اور قیاس۔

(۳) ابن مجاہد ذکر کرتے ہیں کہ کسی شخص نے میرے والد سے کہا ''آپ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔'' میرے والد یہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے ''پھر تو میری جسارت کے کیا کہنے'' میں نے آپؐ کے متعدد صحابہؓ سے تفسیر قرآن کا درس لیا ہے۔''

(۴) اصمعیؒ لغت اور نحو کے جلیل القدر امام ہونے کے باوصف تفسیر قرآن سے احتراز کیا کرتے تھے۔ جب کسی لفظ کے معنی دریافت کئے جاتے تو کہتے ''عرب کہتے ہیں کہ اس کے معنی فلاں فلاں ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتاب وسنت میں کون سے معنی مراد ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۴۲۲ وتہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۶۱)

مجوزین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ علماء سلف' ورع وتقویٰ کے تقاضوں کے پیش نظر تفسیر بالرائے سے احتراز کرتے تھے۔ کہ مبادا وہ حق بات بیان نہ کرسکیں جسکے لئے وہ مکلّف و مامور ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ قران کی تفسیر کرنے کے معنی اس امر کی شہادت دینا ہے کہ مراد الٰہی یہی ہے لہٰذا وہ اس اندیشہ کے پیش نظر اس کی جسارت نہ کر سکے کہ شاید مراد ربانی وہ نہ ہو جو وہ کہہ رہے ہیں۔ بعض علماء سلف تفسیر قرآن سے اس لئے بھی گھبراتے تھے کہ مبادا انہیں امام تفسیر قرار دے کران کی پیروی کی جائے۔ اور لوگ اسی روش پر گامزن ہونے لگیں۔ عین ممکن ہے کہ متاخرین میں سے کوئی شخص قرآن کی غلط تفسیر کرے اور بڑے آرام سے یہ بات کہہ دے کہ میں نے علماء سلف میں سے فلاں کی پیروی میں یہ بات کہی ہے۔''

اس کے بعد علامہ مرحوم تفسیر بالرائے کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں امام راغب اصفہانی کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ جو متن کتاب میں درج ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

اختلاف کی حقیقت

امام راغبؒ نے جس نظریہ کا اظہار کیا ہے ہم اس سے کلیتہً متفق ہیں۔ ہماری نگاہ میں نقلی تفسیر تک محدود رہنا تفریط ہے اور

ہر شخص کو اس کی کھلی چھٹی دینے کا نام بلاشبہ وشک غلو وافراط ہے۔

تاہم مانعین نے جس تشدد سے کام لیا ہے اگر اس کے اسباب ووجوہ پر غور کیا جائے اور ساتھ ہی دیکھا جائے کہ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے انہوں نے اس ضمن میں کون سی شرائط عائد کی ہیں جن کا پایا جانا تفسیر بالرائے کرنے والوں میں ضروری ہے اس کے پہلو بہ پہلو دقت نظر کے ساتھ فریقین کے براہین ودلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ یہ اختلاف ونزاع صرف لفظی ہے حقیقی نہیں۔

اس کے بعد علامہ مرحوم ان دورائیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو متن کتاب میں مذکور ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

''تم کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والی ایسی قوموں کو پاؤ گے جو بذات خود کلام الٰہی کو پس پشت ڈال چکے ہیں ایسے حالات میں تم علم ودلیل کے دامن کو تھامے رکھنا اور بدعات اور تکلف سے احتراز کرنا۔''

حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد گرامی ہے:

''مجھے دو آدمیوں سے ڈر لگتا ہے ایک وہ شخص جو قرآن عزیز کی غلط تاویل کرتا ہے دوسرے وہ شخص جو بادشاہ کو اپنے بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔''

اس قسم کے تمام احوال اسی قسم کی تفسیر کے بارے میں منقول ہیں جس میں قوانین لغت اور شرعی دلائل کو اپنی ذاتی رائے اور اپنے مذہب ومسلک کے تابع بنا دیا گیا ہو۔ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے سے منع کیا ہے وہ اسی قسم کی تفسیر ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مانعین تفسیر بالرائے کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''آئمہ سلف سے اس ضمن میں جو اقوال بھی منقول ہیں وہ اسی قسم کی تفسیر کے متعلق ہیں جو بلا علم و برہان ہو۔ جہاں تک لغت وشرع پر مبنی تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اور ان کے یہ اقوال علم وتحقیق پر مبنی ہیں۔ جو بات انہیں معلوم نہ ہوتی۔ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے۔ یہی بات اہل علم پر واجب بھی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کے بارے میں سکوت سے کام لیا جائے اور جو معلوم ہو اس کا برملاء اظہار کر دیا جائے۔ اور اس کو چھپایا نہ جائے۔'' قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لتبیننه للناس ولا تکتمونه.﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

''اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو روز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ (مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۳۱-۳۲)

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مذموم اور ناروا ہے۔

(۲) دوسری قسم جائز اور درست ہے۔

پھر یہ کہ تفسیر کی جو قسم جائز ہے اس کی چند حدود و قیود ہیں۔ لہذا اب یہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ مفسر کے لئے کن علوم کا جاننا از بس ناگزیر ہے۔ نیز یہ کہ وہ کون سے اوصاف و حالات ہیں کہ جب کسی مفسر کے اندر بتمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ تو وہ مفسر نہیں رہتا ہے۔ اس بحث کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مندرجہ ذیل کتب (مقدمہ تفسیر قرطبیؒ جلد ۱ صفحہ ۳۱- الاحیاء للغزالی جلد ۳ صفحہ ۱۳۴، الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، مقدمہ تفسیر راغب اصفہانی صفحہ ۴۲۲) مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۲۹- ۳۲) (یہ تمام مضمون بکمالہ دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین از ص ۲۳۳ تا ۲۴۲)

القسم الثالث

التفسير الإشارى وغرائب التفسير

النوع الثالث من التفسير هو (التفسير الإشارى) وسنتعرض فى هذا البحث إلى معنى التفسير الإشارى، وإلى شروطه، وإلى آراء العلماء فيه، ثم نعقب ذلك ببيان نماذج عن التفسير الإشارى، وأهم الكتب التى نحت هذا المنحى، وما فيها من حسنات و سيئات.

معنى التفسير الإشارى:

التفسير الإشارى هو: تأويل القرآن على خلاف ظاهره، لإشارات خفية تظهر لبعض أولى العلم، أو تظهر للعارفين بالله من أرباب السلوك والمجاهدة للنفس، ممن نور الله بصائرهم فأدركوا أسرار القرآن العظيم، أو انقدحت فى أذهانهم بعض المعانى الدقيقة، بواسطة الإلهام الإلهى، أو الفتح الربانى، مع إمكان الجمع بينها و بين الظاهر المراد من الآيات الكريمة.

فالتفسير الإشارى هو أن يرى المفسر معنى آخر، غير معنى الظاهر تحتمله الآية الكريمة، ولكنه لا يظهر لكل إنسان وإنما يظهر لمن فتح الله قلبه، وأنار بصيرته، وسلكه فى ضمن عبادة الصالحين، الذين منحهم الله الفهم والإدراك، كما قال تعالى فى قصة الخضر مع موسى عليه السلام ﴿ فَوَاجَدَا عَبْدًا مِنْ عَبادنا اتيناه رَحْمَةً من عندنا، وَ عَلَمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا. ﴾ (كهف: ٦٥)

وهذا النوع من العلم ليس من العلم (الكسبى) الذى ينال بالبحث والمذاكرة وإنما هو من العلم (اللدنى) أى الوهبى الذى هو أثر التقى والاستقامة والصلاح كما قال تعالى: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْ ءٍ عَلِيْمٌ. ﴾

آراء العلماء فى التفسير الإشارى:

اختلف العلماء فى التفسير الإشارى، وتباينت فيه آراؤهم، فمنهم من أجازه، ومنهم من منعه، ومنهم من عدة من كمال الإيمان، ومحض العرفان ومنهم من اعتبره زيغا وضلالا، وانحرافا عن دين الله تبارك و تعالى والواقع أن الموضوع دقيق، يحتاج إلى بصيرة ورؤية، وغوص إلى أعماق الحقيقة، ليظهر ما إذا كان الغرض من هذا النوع من التفسير هو اتباع

الهوى، والتلاعب فى آيات الله كما فعل (الباطنية) فيكون ذلك زندقة وإلحادا أو الغرض منه الإشارة إلى أن كلام الله تعالى، لا يحيط به بشر، لأنه كلام خالق القوى والقدر، وأن لكلامه تعالى مفاهيم وأسرارا، ونكتا ودقائق، وعجائب لا تنقضى، فيكون ذلك من محض العرفان وكمال الإيمان، كما قال ابن عباس رضى الله عنهما: (إن القرآن ذو شجون وفنون، وظهور وبطون، لا تنقضى عجائبه، ولا تبلغ غايته، فمن أوغل فيه برفق نجا، ومن أوغل فيه بعنف هوى، أخبار وأمثال، وحلال وحرام، وناسخ و منسوخ ومحكم و متشابه، وظهر و بطن، فظهره التلاوة، وبطنه التأويل، فجالسوا به العلماء، وجانبوا به السفها)

أدلة المجيزين:

وقد استدل القائلون بجواز التفسير الإشارى بما رواه البخارى فى صحيحه فى باب التفسير، عند تفسير سورة (النصر) ونص الحديث.

عن ابن عباس رضى الله عنه أنه قال:

كان عمر يدخلنى مع أشياخ بدر، فكأن بعضهم وجد فى نفسه، فقال: لم تدخل هذا معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال: إنه من علمتم؟ فدعانى ذات يوم فأدخلنى معهم، قال: فما رأيت أنه دعانى إلا ليريهم، فقال عمر: ما تقولون فى قول الله تعالى. ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ ؟ فقال بعضهم: أمرنا بأن نحمد الله ونستغفره، إذا نصرنا وفتح علينا، وسكت بعضهم فلم يقل شيئا، فقال لى: أكذا تقول يا ابن عباس؟ قلت: لا، قال: فما تقول؟ قلت: هو أجل رسول الله ﷺ أعلمه، فقال: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ فذلك علامة أجلك
﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا٥﴾ فقال عمر: ما أعلم منها إلا ما تقول.

فهذا الفهم من ابن عباس لم يفهمه بقية الصحابة، وإنما فهمه عمر وفهمه ابن عباس، وهو من (التفسير الإشارى) الذى يلهمه الله من شاء من خلقه، ويطلع عليه بعض عباده، فالسورة الكريمة فيها (نعيى) للنبى عليه الصلاة والسلام وإشارة دنو أجله. ومثل هذا ما ورد فى الحديث الشريف أن النبى ﷺ خطب الناس يوما، فقال فى جملة خطبته: ((إن الله خير عبدا بين الدنيا، و بين ما عنده فاختار ما عنده)) فبكى أبوبكر – وفى رواية فقال فديناك يا رسول الله بآبائنا وأمهاتنا – فعجبنا له يبكى، فلما قبض رسول الله ﷺ علمنا أنه كان هو المخير، وكان أبوبكر أعلمنا.

فأبوبكر الصديق فهم (بطريق الإشارة) ما لم يفهمه عامة الصحابة، وكان الأمر كما قال:

طائفة من أقوال العلماء:

وأنا أنقل هنا طائفة من أقوال العلماء في التفسير الإشارى بإيجاز، سائلا المولى أن يلهمنا السداد والرشاد، وأن يجنبنا الخطأ والضلال، ثم أعقبها بكلمة لحجة الإسلام الإمام (الغزالى) رحمه الله فهى مسك الختام، فأقول ومن الله أستمد العون:

كلمة الزركشى فى البرهان:

وقال الزركشي في البرهان: كلام الصوفية في تفسير القرآن قيل انه ليس بتفسير و انما هو معانٍ ومواجيد يجدونها عند التلاوة كقول بعضهم فى قول تعالىٰ "قاتلوا الذين يلونكم من الكفار" إنَّ المراد النفس يريدون ان علة الامر بقتال من يلينا هي القرب واقرب شيئى الى الانسان نفسه۔

كلمة النسفى والتفتازانى:

وقال النسفى فى العقائد: ((النصوص على ظواهر ها، والعدول عنها إلى معان يدعيها أهل الباطل إلحاد......))

وقال التفتازانى فى شرحه على العقائد: ((سميت الملاحدة باطنيةلادعائهم أن النصوص ليست على ظاهرها، بل لها معان لا يعرفها إلا المعلم، وقصدهم بذلك نفى الشريعة بالكلية، قال : وأما ما يذهب إليه بعض المحققين من ان النصوص على ظواهر ها و مع ذالك فيها اشارات خفيّة الى دقائق تنكشف لأرباب السلوك، يمكن التوفيق بينها وبين الظواهر المرادة، فهو من كمال الإيمان، ومحض العرفان)) فأنت ترى أن النسفى أشار إلى (الباطنية) وبين أن طريقهم إلحاد فى دين الله، والتفتارانى فصل البحث، ووضع الموضوع، فرد على (الباطنية) ضلالهم، وأقر لبعض أرباب السلوك طريقهم في استنباط الدقائق، والإشارات الخفية، وجعلها من كمال المعرفة والإيمان.

ومن هنا يظهر لنا الفرق جليا بين (التفسير الإشارى) الذى هو تفسير بعض العارفين بالله، و بين (التفسير الباطنى) الذى هو تفسير الباطنية الملاحدة الذين يحرفون معانى الكتاب العزيز.

فالأولون: لا یمنعون إرادة الظاهر، بل یقولون إنه هو الأصل والأساس ویحضون علیه ویقولون: لا بد من معرفة الظاهر أولا، إذ من ادعی فهم أسرار القرآن ولم یحکم الظاهر، یکون کمن ادعی بلوغ سطح البیت قبل أن یلج الباب.

وأما الباطنیة: فإنهم یقولون: إن الظاهر غیر مراد اصلا، وإنما المراد الباطن وقصدهم من وراء هذا الکلام، نفی الشریعة وإبطال الأحکام، وهذا بلا شک إلحاد فی الدین، وقد قال الله تبارک و تعالی:

﴿إنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیاتنا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا، افمَنْ یُلقی فِی النَّارِ خَیْرٌ ام مَنْ یاتی آمنا یَوْمِ الْقِیَامَةِ، اعملوا ما شئتم انه بما تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا.﴾ (فصلت: ٤)

کلام السیوطی فی الاتقان:

والعلامة السیوطی ذکر فی کتابه (الاتقان) عن ابن عطاء النص الآتی: ((اعلم أن التفسیر من هذه الطائفة (یعنی التفسیر الإشاری) لکلام الله و کلام رسوله بالمعانی العربیة، لیس إحالة للظاهر عن ظاهره، ولکن ظاهر الآیة مفهوم منه ماجاء ت الآیة له، ودلت علیه فی عرف اللسان، ولهم أفهام باطنة تفهم عند الآیة والحدیث، لمن فتح الله قلبه.

فلا یصدنك عن تلقی هذه المعانی منهم، أن یقول لك ذو جدل و معارضة هذا إحالة لکلام الله و کلام رسوله ﷺ، فلیس ذلك بإحالة، وإنما یکون حالة لو قالوا: لا معنی للآیة إلا هذا، وهم لم یقولوا ذلك، بل یقرون الظواهر علی ظواهرها، مرادا بها موضوعاتها، ویفهمون عن الله ما ألهمهم.

أقول: هذا کلام الإنصاف، فقد وضع الشیخ الحق فی نصابه، وجمع بین النصوص الظاهرة، والمعانی الخفیة الواردة، التی تشرق علی قلب المومن العارف بالله، کما کان الحال مع الصدیق و عمر، ولا عجب فالله تعالی یعطی الحکمة من یشاء، ویضع الفهم فیمن أراد، وهذا هو القرآن الکریم یخبرنا عن (داود و سلیمان) فی أمر عرض علیهما فحکم کل واحد منهما بحکم یخالف الآخر فیقول: ﴿ففهمناها سلیمان وکلا آتینا حکما و علما﴾

ترجمہ: قسم ثالث

تفسیر اشاری اور غرائب التفسیر

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

تفسیر کی تیسری قسم وہ "تفسیر اشاری" ہے اور ہم اس بحث میں تفسیر اشاری کے معنی اس کی شروط اور اس کے بارے میں علماء کی آراء کے کچھ نمونوں اور وہ اہم کتابیں جو اس نقش قدم پر چلیں اور اس میں جو اچھائیاں اور برائیاں ہیں ان کے بیان کو لائیں گے۔

تفسیر اشاری کا معنی

تفسیر اشاری یہ قرآن کی تفسیر کو ایسے خفیہ اشارات کے ذریعہ اس کے ظاہر کے خلاف کرنا ہے جو بعض اہل علم پر ظاہر ہوتے ہیں یا مجاہدہ نفس اور سلوک (کی منزلیں طے کرنے) والے عارفین باللہ پر ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کی بصیرتوں (اور بصارتوں کو اور اندرونی ملکات) کو اللہ نے روشن کر دیا چنانچہ انہوں نے قرآن عظیم کے اسرار کو پالیا یا الہام الٰہی یا رب کے کھولنے کے واسطہ سے ان کے ذہنوں میں (قرآن کے) بعض دقیق معانی روشن ہو گئے ہوں (اور ان کی معرفت کی آگ سلگ اٹھی) اس امکان کے ساتھ کہ ان (مکاشفات و) الہامات اور آیات کریمہ کی ظاہر مراد کو جمع کیا جا سکے۔

چنانچہ تفسیر اشاری یہ ہے کہ مفسر ایک دوسرا معنی سمجھے جو اس ظاہری معنی کے علاوہ ہو جو اس آیت کریمہ میں موجود ہو لیکن وہ (مخصوص معنی) ہر ایک انسان پر ظاہر نہ ہوتا ہو بے شک یہ اسی پر ظاہر کہ جس کے دل کو اللہ نے کھول دیا ہو۔ اور اس کی بصیرت کو روشن کر دیا ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ان نیک بندوں کے ضمن میں داخل کر دیا ہو کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے (فہم و شعور قرآن کے لئے خصوصی) فہم و ادراک بخشا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قصہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَوَاجَدَا عَبْدًا مِنْ عَبادِنا اتيناه رَحْمَةً من عندنا' وَ عَلَمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. ﴾ (کهف: ٦٥)

"پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا۔ جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔" (تفسیر عثمانی)

اور علم کی یہ قسم وہ علم کسبی نہیں ہے کہ جو بحث و مذاکرہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بیشک یہ وہ علم لدنی (یعنی وہبی) ہے جو تقویٰ واستقامت اور صلاح (و نیکی) کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيمٌ. ﴾ (البقرة: ٢٨٢)

"اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

علامہ حریری مرحوم فرماتے ہیں:

''تفسیر اشاری کا مطلب یہ ہے کہ پوشیدہ اشارات کی بنا پر جو اصحاب تصوف ہی کو معلوم ہوتے ہیں قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کی جائے جو اس کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہو۔ البتہ ظاہری اور باطنی تفسیر میں تطبیق کا امکان ہو۔''

تفسیر اشاری کی بنیاد واساس علمی نکات پر نہیں رکھی جاتی بلکہ یہ روحانی ریاضت کے زیر اثر ہوتی ہے کہ صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر عبادت کے پردہ میں کچھ اشارات قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ اور اس طرح آیات میں جو معارف وحقائق ہوتے ہیں وہ ابر غیب سے اس پر برس پڑتے ہیں۔

تفسیر اشاری میں صوفی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ آیت میں دوسرے معنی کی گنجائش ہے بلکہ وہ ظاہری معنی ہیں اور انسانی ذہن سب سے پہلے اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ (اور اسی طرف متوجہ ہوتا ہے)۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۳۴-۵۳۵ ملخصاً)

ترجمہ: تفسیر اشاری کے بارے میں علماء کی آرا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''تفسیر اشاری کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اس میں ان کی آراء باہم (ایک دوسرے کے) متضاد ہیں بعض نے اس کو جائز کہا ہے اور بعض نے اس کو منع کیا ہے۔ بعض نے اس کو کمال ایمان اور عرفان محض (خداوندی) میں سے شمار کیا ہے اور بعض نے اس کو زیغ وضلال اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین سے (کھلا) انحراف اعتبار کیا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع (نہایت) دقیق (اور نازک) ہے جو بصیرت اور سمجھ اور حقیقت کی گہرائیوں تک اترنے کا محتاج ہے۔ تا کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اس قسم کی تفسیر سے غرض اگر اتباع ہوائے (نفس) اور آیات اللہ سے کھلواڑ ہو جیسا کہ باطنیہ نے کہا تو یہ زندقہ اور الحاد ہوگا۔ یا اس سے غرض اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قدرتوں اور قوتوں کے خالق کا کلام ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کے کلام کے بہت سے مفہوم اور اسرار (ہیں) اور نکات اور دقائق (ہیں) اور لامتناہی عجائب ہیں تو یہ عرفان محض اور کمال ایمان (میں سے) ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

''بے شک قرآن کئی اقسام اور کئی انواع اور کئی ظاہر اور کئی باطن والا ہے اس کی عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ اور اس کی انتہا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ (جس نے نرمی کے ساتھ اس میں غوطہ لگایا) اور نرمی کے ساتھ اس میں آگے بڑھتا گیا اس نے نجات پائی۔ اور جو اس میں سختی کے ساتھ آگے بڑھے گا وہ ہلاک ہوگا۔ (اور اس کے) اخبار اور امثال، حرام اور حلال، ناسخ اور منسوخ، محکم اور متشابہ اور ظاہر اور باطن (ہیں) پس اس کا ظاہر اس کی تلاوت (اور اس کا درس اور

مطالعہ) ہے اور اس کا باطن اس کی تفسیر (اور تاویل) ہے اور قرآن (کی معلومات) کے لئے علماء کی مجلس میں بیٹھو اور قرآن (کو ضائع ہونے سے بچانے) کے لئے جہلاء سے کنارہ کشی کرو۔'' ❶

(تفسیر اشاری کو) جائز قرار دینے والے علماء کے دلائل

تفسیر اشاری کے جواز کے قائل علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب تفسیر میں سورۂ نصر کی تفسیر کے وقت روایت کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ مجھے بدر کے اکابر (صحابہ کرامؓ) کے ساتھ بٹھلایا کرتے تھے۔ تو گویا کہ بعض صحابہؓ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ''یہ ہمارے ساتھ (اس مجلس میں بیٹھتا ہے کہ جو بزرگوں کی مجلس ہے) جبکہ ہمارے (بھی) اتنے اتنے بیٹے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جو (کچھ) ہے تم (اس کو عنقریب) جان لو گے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مجھے ایک دن بلوایا۔ اور ان کے ساتھ شریک مجلس کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میرا نہیں خیال تھا کہ انہوں نے مجھے (آج کس کام کے لئے) بلایا ہے مگر ان کو دکھلانے کے لئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۝﴾ (النصر: ۱)

تو کسی نے کہا کہ ہمیں اللہ کی حمد اور اس سے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب ہماری نصرت کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے۔ اور بعض خاموش رہے انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ پھر مجھے کہا: ''اے ابن عباس! کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا ''نہیں'' حضرت عمرؓ نے کہا' تو (پھر) تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: ''یہ آپ ﷺ کی اجل ہے کہ جو اللہ نے آپ کو بتلائی۔ پس کہا ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ کہ یہ آپ ﷺ کی اجل کی علامت ہے (اور جب موت کا وقت آ گیا ہے تو اور بھی زیادہ حمد وثنا اور استغفار کرو اس لئے کہا) ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝﴾ (النصر: ۳)

تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اس آیت کا میں بھی وہی مطلب جانتا ہوں جو تم کہتے ہو۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

یہ جو حضرت ابن عباسؓ نے سمجھا وہ باقی صحابہؓ نے نہ سمجھا بے شک یہ (فقط) حضرت عمرؓ نے سمجھا اور حضرت ابن عباسؓ نے سمجھا۔ یہ اس تفسیر اشاری میں سے ہے کہ جس کا اللہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں الہام فرماتے ہیں اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مطلع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی اطلاع ہے اور وفات وقت کے قریب آ جانے کا اشارہ ہے۔ اسی طرح کی ایک بات حدیث شریف میں آتی ہے کہ ایک دن نبی علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا اور خطبہ کے دوران یہ فرمایا: ''بے شک اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دیا

---

❶ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق سے روایت کیا ہے اس کے لئے دیکھیں الاتقان جلد۲ صفحہ ۱۸۵۔

(کہ دونوں میں سے جو مرضی چن لے) پس اس بندے نے اس کو چنا جو اللہ کے پاس تھا۔'' تو اس پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔''

اور ایک روایت میں ہے: حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا '' ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یا رسول اللہ (راوی کہتے ہیں) ہمیں حضرت ابوبکرؓ پر تعجب ہوا کہ وہ رو رہے ہیں۔ پس جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تب ہم نے جانا کہ وہ اختیار کرنیو الا (بندہ خدا) کون تھا حضرت ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔''❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں) چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ سے وہ بات جان لی جو (دوسرے) تمام صحابہؓ نہ سمجھ سکے۔ اور بات وہی تھی جیسی انہوں نے کہی تھی۔

ترجمہ: (تفسیر اشاری کے بارے میں) علماء کے چند اقوال

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

'' میں یہاں تفسیر اشاری کے بارے میں اختصار کے ساتھ علماء کے چند اقوال نقل کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں سیدھے اور حق راستے کا الہام کرے اور ہمیں خطا اور گمراہی سے بچائے۔ پھر ان چند اقوال کے بعد میں حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول نقل کروں گا کہ وہ '' ختام المسک '' ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے کہتا ہوں۔''

(علامہ بدرالدین) زرکشیؒ کا قول (اپنی کتاب) البرہان میں

علامہ زرکشیؒ البرہان میں فرماتے ہیں: '' قرآن کی تفسیر میں صوفیاء کا قول کہا جاتا ہے کہ وہ تفسیر نہیں ہے بے شک یہ وہ معانی اور وجدانات ہیں کہ جو صوفیاء تلاوت (قرآن) کے وقت پاتے ہیں جیسا کہ بعض نے اس ارشاد خداوندی میں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (التوبہ: ۱۲۳)

'' لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ قول کیا ہے کہ (کفار سے) مراد وہ (انسان کا اپنا) نفس ہے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے قریب والے سے قتال کے حکم کی علت وہ '' قرب '' ہے اور انسان کے سب سے زیادہ قریب وہ انسان کا '' نفس '' ہے۔

علامہ نسفیؒ اور علامہ تفتازانیؒ کا قول

علامہ نسفی عقائد میں فرماتے ہیں: '' (قرآنی) نصوص اپنے ظاہر پر (محمول) ہیں اور ان کے ظاہر سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جن کا اہل باطل دعویٰ کرتے ہیں یہ '' الحاد '' (اور بے دینی) ہے علامہ تفتازانی عقائد (نسفیہ) کی شرح میں فرماتے ہیں:

❶ اس حدیث کو بخاری و ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے۔

ملاحدہ کا نام باطنیہ رکھا گیا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے چند معانی ہیں کہ جن کو فقط معلم ہی جانتا ہے۔" اور اس بات سے ان کا مقصد (و مراد) شریعت کی بالکلیہ نفی ہے۔

وہ فرماتے ہیں: "البتہ بعض محققین جو اس طرف گئے ہیں کہ نصوص اپنے ظاہر پر ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان میں بعض دقیق باتوں کی طرف خفیہ اشارے ہیں جو ارباب سلوک پر کھلتے ہیں۔ ان میں اور ظاہر مراد میں تطبیق (اور توفیق اور موافقت) ممکن ہے۔ تو یہ کمال ایمان میں سے ہے اور عرفان محض میں سے ہے۔" ❶

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ علامہ نسفیؒ نے باطنیہ کی طرف اشارہ کیا اور یہ بیان کیا کہ ان کا طریقہ دین میں الحاد کرنا ہے اور تفتازانیؒ نے (اس) بحث کو تفصیل سے بیان کیا اور (اس) موضوع کو (خوب) واضح کیا۔ چنانچہ باطنیہ پر ان کی گمراہی کا رد کیا۔ اور بعض ارباب سلوک کے لئے دقائق کے استنباط اور خفیہ اشارات کے طریقہ کا اقرار کیا۔ اور اس کو ایمان اور معرفت کے کمال میں سے ٹھہرایا۔

یہیں سے ہمارے سامنے اس تفسیر اشاری جو بعض عارضین باللہ کی ہے کا اور اس باطنی تفسیر کے درمیان کھلا فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو ان ملحد باطنیہ کی تفسیر ہے جو کتاب عزیز کے معانی میں تحریف کرتے ہیں چنانچہ

پہلا طبقہ:

(کہ جو عارفین کا ہے) وہ ظاہر کو مراد لینے سے منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اصل اور اساس ہے۔ اور وہ اس پر ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ظاہر کا مراد لینا از بس ناگزیر ہے کیونکہ جو اسرار قرآن کے فہم کا دعویٰ کرے اور ظاہر کو پختہ نہیں کرتا (یعنی اس کو مراد نہیں لیتا اور نہ ہی اس کو سمجھتا ہے) وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جو دروازے سے داخل ہونے سے پہلے ہی گھر کی چھت پر پہنچنے کا دعویٰ کرے۔

اور باطنیہ:

تو وہ کہتے ہیں "کہ (قرآن) کا ظاہر یہ اصل میں مراد (ہی) نہیں ہوتا بے شک مراد تو (قرآن کا) باطن (ہی) ہوتا ہے اور اس بات کے پس پردہ ان کی مراد شریعت کی نفی اور احکام کا باطل کرنا ہے اور یہ بے شک دین میں الحاد ہے۔

اور تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیاتِنا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا' افَمَنْ یُلْقی فِی النَّارِ خَیْرٌ ام مِنْ یاتی آمنا یَوْمِ الْقِیَامَةِ' اعملوا ما شئتم انه بما تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا.﴾ (فصلت: ٤٠)

"جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں۔ بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے قیامت کے دن کئے جاؤ جو چاہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

---

❶ "شرح عقائد نسفیہ" للتفتازانی۔

اتقان میں علامہ سیوطیؒ کا قول:

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں ابن عطاء سے درج ذیل کلام ذکر کیا ہے:

"تو جان لے کہ اس (صوفیاء کے) گروہ سے کلام اللہ اور کلام رسول کی تفسیر (یعنی تفسیر اشاری) عربی معانی کے ساتھ کرنا (یعنی عجیب وغریب معانی بیان کرنا) یہ ظاہر کو ظاہر سے پھیرنا نہیں ہے۔"

لیکن (ان کی مراد یہ ہے کہ) آیت کے ظاہر سے جو مفہوم ہوتا ہے آیت اس کے لئے آئی ہوتی ہے اور اس ظاہر مفہوم پر (عربی) زبان کا عرف دلالت کرتا ہے اور ان آیات واحادیث کے کچھ باطنی مفہوم بھی ہوتے ہیں کہ جو قرآن وحدیث میں ان کو سمجھ آتے ہیں جن کا دل اللہ تعالیٰ نے (ان کے لئے) کھول دیا ہوتا ہے، پس تجھ کو ان معانی کے لینے سے جھگڑا کرنے والے اور مناقشہ کرنے والے کا تجھ کو یہ کہنا نہ روکے کہ "یہ کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے ظاہر سے) پھیرنا ہے۔ کیونکہ یہ (ظاہر سے) پھیرنا نہیں ہے اور یہ احالہ (یعنی آیت کو اس کے ظاہر سے پھیرنا) بے شک اس وقت ہوگا کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اس آیت کا یہی معنی ہے۔ جبکہ (صوفیاء) وہ یہ نہیں کہتے۔ بلکہ ظاہری معانی کو ان کے ظاہر پر پکار رکھتے ہیں۔ ان سے ان کے موضوعات (اور معانی) کو مراد لیتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے وہ سمجھتے ہیں کہ جو اللہ انہیں الہام کرے۔ ❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) میں (یہ) کہتا ہوں کہ "یہ انصاف کی بات ہے شیخ نے حق کو اپنی اصل پر رکھا ہے اور نصوص ظاہرہ اور ان خفیہ وارد ہونے والے معانی کے درمیان تطبیق بٹھائی ہے جو ایک مومن عارف باللہ شخص کے دل پر روشن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ حال تھا۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ اور (دین کی) فہم (وبصیرت وہ) جس میں چاہے رکھ دیتا ہے۔

یہ (دیکھئے یہ) ہے قرآن مجید جو ہمیں حضرت داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کے بارے میں ایک معاملہ کی خبر دیتا ہے جو ان پر پیش کیا گیا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک نے اس پر وہ حکم لگایا جو دوسرے کے مخالف تھا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا.﴾ (الانبیاء: ۸۹)

"پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ" (تفسیر عثمانی)

معنى الحديث الوارد في التفسير الإشاري:

ويجدر بنا هنا أن نبين معنى الحديث الوارد في التفسير الإشاري، في بيان معنى ظهر الآية وبطنها، وحد الحرف، ومطلع الحد...... الخ. لئلا يتخذه الملاحدة الباطنية حجة لهم في دعواهم الباطلة، في تفسير كلام الله تعالىٰ على طريقتهم الباطنية، وتلاعبهم في النصوص الكريمة حسب الأهواء.

---

❶ دیکھئے الاتقان جلد۲ صفحہ ۱۸۵۔

روی الفريابی بسنده عن الحسن عن النبی ﷺ أنه قال: ((لكل آية ظهر وبطن، ولكل حرف حد، ولكل حد مطلع))

وروی الطبرانی عن ابن مسعود موقوفا: ((إن هذا القرآن ليس منه حرف إلا له حد، ولكل حد مطلع))

وقد ذكر العلامة السيوطي بعض الوجوه فی تأويل الحديث الشريف فی معنی (الظهر والبطن) ونحن نذكر أقرب هذه الأوجه إلی الصواب:

الوجه الأول: أن المراد بالظاهر لفظها، والباطن تأويلها.

الوجه الثانی: أن المراد بالظاهر، ما ظهر من معانيها لأهل العلم بالظاهر، وبطنها ما تضمنته من الأسرار التی أطلع الله عليها أرباب الحقائق.

الوجه الثالث: أن القصص التی قصها الله تعالی عن الأمم الماضية، وما عاقبهم به، ظاهرها الإخبار بهلاك الأولين، وباطنها وعظ الآخرين، وتحذيرهم أن يفعلوا كفعلهم، فيحل بهم مثل ما حل بهم، قال السيوطی: وهذا الوجه اشبهها بالصواب.

وأما المراد (بالحد) فهو أحكام الحلال والحرام، والمراد (بالمطلع) الوعد والوعيد ويؤيده حديث ابن عباس السابق (إن القرآن ذو شجون و فنون) الحديث و قد مرمعك ذكره.

شروط قبول التفسير الإشاری:

والتفسير الإشاری لا يكون مقبولا إلا إذا توفرت فيه الشروط الآتية:

أولا: عدم التنافی مع المعنی الظاهر فی النظم الكريم.

ثانيا: عدم ادعاء أنه المراد وحده دون الظاهر.

ثالثًا: ألا يكون التأويل بعيدا سخيفا لا يحتمله اللفظ، كتفسير الباطنية قوله تعالی ﴿وورث سليمان داود﴾ أی أن الإمام عليا ورث النبی فی علمه.

رابعا: ألا يكون له معارض شرعی أو عقلی.

خامسا: ألا يكون فيه تشويش علی أفهام الناس.

وبدون هذه الشروط لا يقبل التفسير الإشاری، ويكون عند ذلك من قبيل التفسير بالهوی والرأی المنهی عنه والله الموفق والهادی إلی سواء السبيل.

ترجمہ: تفسیر اشاری کے بارے میں وارد حدیث کا معنی:

(علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں)

ہمارے لئے مناسب ہے کہ اس مقام پر ہم تفسیر اشاری کے بارے میں آنے والی حدیث کا معنی' آیت کے ظاہر اور اس کے باطن اور حرف کی حد اور حد کے مطلع کے معنی بیان کرنے کے لئے بیان کریں۔ تا کہ کہیں یہ ملحدین باطنیہ اس حدیث کو اپنے باطنی طریقہ پر اور اپنی خواہشات کے مطابق آیات کریمہ کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کلام اللہ کی تفسیر میں اپنے باطل دعویٰ میں اپنے لئے حجت نہ بنالیں۔ (وہ حدیث یہ ہے)

''فریابی نے اپنی سند کے ساتھ (حضرت) حسنؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔'' طبرانیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ ''اس قرآن کا نہیں ہوئی حرف مگر اس کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث شریف کی تاویل میں ظاہر اور باطن کے معنی میں چند وجوہ کو ذکر کیا ہے اور ہم درستی کے قریب ترین وجہ کو ذکر کرتے ہیں۔

پہلی وجہ (پہلا مطلب)

ظاہر سے مراد اس کے لفظ اور باطن سے مراد اس کے معنی ہیں۔

دوسرا مطلب

ظاہر سے مراد اس کے وہ معانی ہیں کہ جو اہل علم کو ان (الفاظ) کے ظاہر سے ہی پتا چل جائیں۔ اور ان کے باطن سے مراد وہ اسرار ہیں کہ جن کو یہ آیات متضمن ہیں کہ جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ ارباب حقائق کو دیتے ہیں۔

تیسرا مطلب

وہ قصے کہ جو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کے بارے میں بیان کئے اور جو ان کا انجام کیا۔

ان آیات کا ظاہر پہلوں کی ہلاکت کی خبر دینا ہے اور ان کا باطن دوسروں کو نصیحت (اور عبرت اور وعظ) کرنا ہے اور انہیں ان جیسے افعال کرنے سے ڈرانا ہے کہ پھر کہیں ان پر (بھی) وہ عذاب (نہ) آن پڑے جو ان پر آن پڑا۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں ''یہ مطلب ان میں درستی کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ [1]

''اور حد'' سے مراد حلال وحرام کے احکام ہیں اور ''مطلع'' سے مراد وعدہ اور وعید ہیں۔ اور اس مطلب کی تائید حضرت

---

[1] یہ مضمون الاتقان سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے دیکھئے۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔

ابن عباسؓ کی ''ذو شجون وفنون'' والی حدیث ہے کہ جو ابھی آپ کے سامنے (گزشتہ صفحات میں) ذکر کی گئی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

صوفیائے کرام سے قرآن کریم کی آیات کے تحت کچھ ایسی باتیں منقول ہیں جو بظاہر تفسیر معلوم ہوتی ہیں مگر وہ آیت کے ظاہری اور ماثور معنی کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (التوبہ: ۱۲۳)

''قتال کرو ان کافروں سے جو تم سے متصل ہیں۔''

اس کے تحت بعض صوفیاء نے کہا ہے:

قَاتِلُوْا النَّفْسَ فَاِنَّهَا تَلَى الْاِنْسَانَ.

''نفس سے قتال کرو کیونکہ وہ انسان سے سب سے زیادہ قریب ہے۔''

اس قسم کے جملوں کو بعض حضرات نے قرآن کریم کی تفسیر سمجھ لیا ہے حالانکہ درحقیقت وہ تفسیر نہیں۔ صوفیاء کرام کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کی اصلی مراد یہی ہے اور جو مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آ رہا ہے وہ مراد نہیں بلکہ وہ قرآن کریم کے ظاہری مفہوم پر جو اس کے اصل مآخذ سے ثابت ہو پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر وہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے وجدانی استنباطات کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ جو اس آیت کی تلاوت کے وقت ان کے قلب پر وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں صوفیائے کرام کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اس آیت میں کفار کے مقابلے پر قتال و جہاد کا حکم مراد نہیں۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ کفار سے جہاد و قتال تو اس آیت کا اصل تقاضا ہے ہی لیکن اس آیت سے انسان کو وجدانی طور پر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ سب سے قریبی نافرمان اس کا نفس ہے جو اسے برائیوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا کفار سے جہاد کے ساتھ ساتھ اس سے جہاد بھی ضروری ہے۔

ماضی قریب کے مشہور و معروف مفسر علامہ شہاب الدین محمود آلوسیؒ جن کی تفسیر میں صوفیائے کرام کے اس قسم کی وجدانی استنباطات بکثرت ملتے ہیں۔ صوفیاء کے منشاء کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''قرآن کریم میں سادات صوفیاء سے جو کلام منقول ہے وہ درحقیقت ان دقیق امور کی طرف اشارہ ہوتے ہیں۔ جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ اور ان اشارات اور قرآن کریم کے ظاہری مفہوم میں جو حقیقتاً مراد ہوتا ہے' تطبیق ممکن ہے۔ صوفیاء کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ ظاہری مفہوم مراد نہیں۔ اور باطنی مفہوم مراد ہے۔ اس لئے کہ یہ تو باطنی ملحدوں کا اعتقاد ہے جیسے انہوں نے شریعت کی بالکلیہ نفی کا زینہ بنایا ہے۔ ہمارے صوفیاء کرام کا اس اعتقاد سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جب کہ صوفیاء نے یہ تاکید کی ہے کہ قرآن کریم کی ظاہری تفسیر کو سب سے پہلے

حاصل کیا جائے۔'' ❶ (علوم القرآن صفحہ ۳۵۳-۳۵۴)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے اس موضوع پر نہایت طویل کلام کیا ہے۔ انہوں نے لفظ تصوف کی اصل، تصوف کا معنی و مفہوم، تصوف کا ارتقاء، اقسام تصوف (نظری تصوف و عملی تصوف) نظریہ صوفیاء کی تفسیریں بیان کرنے کے بعد ابن عربیؒ کے فلسفیانہ تصوف کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم بیانگ دھل اس بات کا اعلان واظہار کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی اس قسم کی تفسیر کے بانی وموسس تھے۔ اگرچہ ان کا نام تفسیر اشاری میں بھی لیا جاتا ہے لیکن فلسفیانہ تصوف میں ان کا قدم سب سے آگے ہے۔ البتہ تفسیر اشاری کا ان کو بانی نہیں کہا جاسکتا۔''

اس کے بعد علامہ مرحوم شیخ کے نظریات اور ان کے عقیدہ وحدت الوجود کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اسی خود ساختہ تصوف کے زیر اثر منصور حلاج نے ''انا اللہ'' (میں اللہ ہوں) کہا اور شیخ نے کہا ''بنی اسرائیل کے بچھڑے کو مظہر بنا کر اللہ خود اس میں حلول کر آیا۔ اور یہ کہا کہ جملہ ادیان و مذاہب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی۔ اس لئے کہ سب لوگ اس الٰہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جس کا ظہور ان کی اپنی اور تمام معبودات کی صورت میں ہوا۔''

پھر علامہ مرحوم تفسیر اشاری کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں: ''کسی قاری کے ذہن میں طبعاً یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ آیا تفسیر اشاری کی کوئی اصل اور اساس بھی ہے؟

جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز میں تفسیر اشاری کا انداز نیا نہیں۔ یہ وقت نزول سے جانا پہچانا ہے خود آپؐ نے اس سے آگاہ کیا اور صحابہ کرامؓ بھی اس سے آگاہ وآشنا تھے۔

کیونکہ قرآن کی بہت سی آیات ہیں جن میں کفار کو قرآن میں تدبر نہ کرنے پر ملامت ہے کہ وہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ وہ خود عرب تھے عربی ان کی مادری زبان تھی۔ وہ قرآن کے ظاہری مفہوم سے پوری طرح آگاہ تھے۔ منشاء الٰہی دراصل یہ ہے کہ وہ مراد ربانی کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے ان کو آیات قرآنی میں فکر و تدبر کی دعوت دی گئی۔ یہی قرآن کا وہ باطنی مفہوم ہے کہ جس سے وہ ناآشنا تھے۔ (الموافقات۔ شاطبی جلد۳ صفحہ ۳۸۲)

اس کے بعد علامہ مرحوم اس کی تائید میں متن کتاب میں مذکورہ فریابیؒ کی روایت کو نقل کرتے ہیں اور ظاہر و باطن کے مفہوم میں متعدد علماء کرام کے اقوال نقل کرنے کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی ''ذو شجون وفنون'' والی روایت کو نقل کرتے ہیں جو متن کتاب میں درج ہے۔ پھر فرماتے ہیں ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی تفسیر اشاری کیا کرتے تھے۔ اس کی تائید میں بخاری شریف کی وہ طویل حدیث نقل کرتے ہیں جو سورۂ نصر کی تفسیر میں ہے جو متن کتاب میں مذکور ہے۔ چند اور آثار صحابہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

❶ روح المعانی جلد ا صفحہ ۷ مقدمہ فائدہ ثانیہ اور یہی مضمون علامہ سیوطیؒ نے شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندری سے (ان کی کتاب ''لطائف المنن'' سے) نقل کیا ہے (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

''یہ دلائل و براہین اس امر کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ قرآن کا ظاہری بھی ہے اور باطن بھی۔ ہر عربی دان قرآن کے ظاہری فہم وادراک پر قادر ہے۔ البتہ باطن سے ارباب دانش وبصیرت ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ باطنی معانی کی آخری سرحد وہ نہیں ہے کہ جہاں تک ہمارے حواس کی رسائی ہے بلکہ یہ امر ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔''

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

فہم قرآن کا میدان بہت وسیع ہے جو شخص اولین وآخرین کے علوم سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ قرآن کا مطالعہ کرے۔

(تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۲۶-۵۳۸ ملخصاً)

ترجمہ: تفسیر اشاری کے قبول کی شرائط:

تفسیر اشاری مقبول نہ ہوگی مگر جب اس میں (یہ) آئندہ (مذکورہ) شرائط پائی جائیں

(۱) نظم قرآن کریم کے ظاہری معنی کے مخالف نہ ہو۔ (اور نہ اس ظاہری معنی کی نفی ہو)

(۲) یہ دعویٰ نہ ہو کہ یہی مراد ہے نا کہ ظاہری معنی۔

(۳) بہت دراز کار رکیک قسم کی تاویل نہ ہو کہ لفظ اس (کے معنی کو) متحمل ہی نہ ہو۔

جیسا کہ باطنیہ (ملاحدہ) کی تفسیر اس ارشاد خداوندی میں

﴿وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ.﴾ (النمل: ١٦)

(ہے کہ وہ اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں) ''امام علیؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے علم میں وارث ہوئے۔''

(۴) (یہ کہ) اس تفسیر کا کوئی شرعی یا عقلی معارض (اور مخالف) نہ ہو۔

(۵) (یہ کہ) اس میں لوگوں کی عقلوں کو تشویش (اور الجھن) میں نہ ڈالنا ہو۔

ان شرائط کے بغیر تفسیر اشاری مقبول نہ ہوگی۔ اور اس وقت یہ ممنوع رائے اور (ممنوع) خواہش (نفس) کے مطابق تفسیر کی قبیل میں سے ہوگی۔

اللہ ہی توفیق دینے والا اور سیدھے رستہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم تفسیر اشاری کی یہ شرائط بیان کرتے ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ باطنی معنی عربی زبان کے اصول وقواعد کے متصادم نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی نص موجود ہو جس سے باطنی معنی کی تائید ہوتی ہو اور اس کا کوئی معارض نہ ہو۔

(۳) تفسیر اشاری قرآن کریم کی ظاہری نظم وترتیب کے منافی نہ ہو۔

(۴) کسی شرعی دلیل وبرہان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۵) اس کا کوئی شرعی یا عقلی معارض نہ ہو۔

(۶) یہ دعویٰ نہ ہو کہ صرف تفسیر اشاری ہی مراد ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں۔ بخلاف ازیں پہلے ظاہری معنی کا اعتراف ضروری ہے اس لئے کہ جب تک ظاہری معنی کی تعیین نہ کی جائے باطنی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں۔ جو شخص قرآنی اسرار کے فہم و ادراک کا مدعی ہو مگر ظاہری تفسیر نہ جانتا ہو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دروازہ عبور کرنے سے پہلے ہی کسی گھر کے مرکز تک پہنچ جانے کا مدعی ہو (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۵۴۰-۵۵۰ ملخصاً بحوالہ الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

كلمة قيمة للشيخ الزرقاني:

ونسوق هنا كلمة قيمة للشيخ محمد عبدالعظيم الزرقانى حول التفسير الإشارى، فيها حكمة بالغة. ونصيحة صادقة، لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد. قال رحمه الله:

((ولعلك تلاحظ معى أن بعض الناس قد فتنوا بالإقبال على دراسة تلك الإشارات والخواطر، فدخل فى روعهم أن الكتاب والسنة، بل والإسلام كله ما هى إلا سوانح وواردات، على هذا النحو من التأويلات والتوجيهات وزعموا أن الأمر ما هو إلا تخييلات، وأن المطلوب منهم هو الشطح مع الخيال أينما شطح، فلم يتقيدوا بتكاليف الشريعة، ولم يحترموا قوانين اللغة العربية، فى فهم أبلغ النصوص العربية، كتاب الله وسنة رسوله.

والأدهى من ذلك أنهم يتخيلون للناس، أنهم هم أهل الحقيقة الذين أدركوا الغاية، واتصلوا بالله اتصالا أسقط عنهم التكليف، وسمابهم عن حضيض الأخذ بالأسباب، ما داموا فى زعمهم مع رب الأرباب، وهذا، لعمر الله- هو المصاب العظيم، الذى عمل له الباطنية كيما يهدموا التشريع من أصوله، ويأتوا بنيانه من قواعده......

فواجب النصح لإخواننا المسلمين يقتضينا أن نحذرهم الوقوع فى هذه الشباك، ونشير عليهم أن ينفضوا أيديهم من أمثال تلك التفاسير الإشارية الملتوية، لأنها كلها أذواق ومواجيد خارجة عن حدود الضبط والتقييد، وكثيرا ما يختلط فيها الخيال بالحقيقة، والحق بالباطل، فالأحرى بالفطن العاقل أن ينأى بنفسه عن هذه المزالق، وأن يفر بدينه من هذه الشبهات، وأمامه فى الكتاب والسنة، وشروحهما على قوانين الشريعة واللغة، رياض وجنات ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ.﴾؟

کلمة حجة الإسلام الغزالی:

ويقول حجة الإسلام الغزالی رحمه الله فی کتابه (إحياء علوم الدين) فی فصل الذکر والتذکير ما نصه:

((وأما الشطح فنعنی به صنفين من الکلام أحدثهما بعض الصوفية:))

أحدهما: الدعاوی الطويلة العريضة فی العشق مع الله تعالی، والوصال المغنی عن الأعمال الظاهرة، حتی ينتهی قوم إلی دعوی الاتحاد، وارتفاع الحجاب، والمشاهدة بالرؤية، والمشافهة بالخطاب، فيقولون: قيل لنا کذا وقلنا کذا، ويتشبهون فيه بالحسين (الحلاج) الذی صلب لاجل إطلاقه کلمات من هذا الجنس، ويستشهدون بقوله: ((أنا الحق)) وهذا فن من الکلام عظيم ضرره علی العوام، حتی من نطق بشئ منه فقتله أفضل فی دين الله من إحياء عشرة.

الثانی: کلمات غير مفهومة، لها ظواهر رائقة، وفيها عبارات هائلة وليس وراء ها طائل ولا فائدة لهذا الجنس من الکلام إلا أنه يشوش القلوب يدهش العقول، ويحير الأذهان، وقد قال ابن مسعود رضی الله عنه ((ما حدث أحد قوما بحديث لا يفقهونه إلا کان فتنة عليهم))

وقال علی کرم الله وجهه: ((کلموا الناس بما يعرفون أتريدون أن يکذب الله و رسوله))

أمثلة علی التأويل الإشاری الفاسد:

ثم قال طيب الله ثراه: ((وأما الطاعات فيدخلها ما ذکرناه من الشطح، وأمر آخر يخصها وهو: صرف ألفاظ الشرع عن ظواهر ها المفهومة، إلی أمور باطنة لا يسبق منها إلی الأفهام فائدة، فهذا أيضا حرام و وضرره عظيم. ومن أمثلة تأويل أهل الطامات، قول بعضهم فی تأويل قوله تعالی. ﴿اِذْهَبْ اِلَی فِرْعَوْنِ اِنَّهٗ طغی.﴾ إنه إشارة إلی قلبه، وقال هو المراد بفرعون، وهو الطاغی علی کل انسان. و فی قوله تعالی ﴿وَان اَلْقِ عصاكَ.﴾ ای کل ما يتوکأ عليه ويعتمده مما سوی الله عزوجل فينبغی أن يلقيه.

وفی قوله ﷺ ((تسحروا فإن فی السحور برکة)) فسروا السحور بأنه الاستغفار فی الأسحار وأمثال ذلك حتی ليحرفون القرآن من أوله إلی آخره عن ظاهره، وعن تفسيره المنقول عن ابن عباس وسائر العلماء، وبعض هذه التأويلات يعلم بطلانها قطعا، کتنزيل فرعون

على القلب، فإن فرعون شخص محسوس تواتر إلينا النقل بوجوده، و بعضها يعلم بطلانه بغالب الظن، وكل ذلك حرام وضلالة، وإفساد للدين على الخلق.

ومن يستجيز من أهل الطامات مثل هذه التأويلات، مع علمه بأنها غير مرادة بالألفاظ، يضاهى من يستجيز الاختراع والوضع (الكذب) على رسول الله ﷺ كمن يضع فى كل مسألة يراها، حديثا عن النبى ﷺ فذالك ظلم وضلال، ودخول فى الوعيد ((من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار)) ...... بل الشر فى تأويل هذه الألفظ أطم وأعظم، لأنه مبطل للثقة بالألفاظ، وقاطع طريق الاستفاده والفهم من القرآن بالكلية..... انتهى كلام الغزالى.

خلاصة البحث:

ومما تقدم يتبين لنا أن التفسير الإشارى له ما يؤيده من الشرع، ولكنه، قد دخلت عليه بعض التأويلات الفاسدة، وسلك فيه بعض الناس مسلك الباطنية ولم يراعوا الشروط التى وضعها العلماء، وأخذوا يخبطون فيه خبط عشواء بل أصبح كل من هب (ودب) يتطاول على كتاب الله تعالى، و فيتأوله حسب ما يمليه عليه الهوى، أو يسوس له به الشيطان، ويزعم أنه من التفسير الإشارى مع أنه سفاهة وضلالة وجهالة، لأنه تحريف لكتاب الله، وسلوك لمسلك الباطنية الملاحدة و هو إن لم يكن تحريفا لألفاظه فإنه تحريف لمعانيه. ولقد سمعت من يستشهد بالآية الكريمة ﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِى خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانعام: ٩١) على ضرورة ملازمة المريد لذكر الله تعالى بلفظ (الله) فجعل هذه اللفظة مقول القول: أى (قل: الله) وما درى هذا الجاهل الغبيى أن هذه جملة حذف منها الخبر، والتقدير: (الله أنزله) بدليل سياق الآية الكريمة.

﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِى وَمَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِنْ شَىْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِى جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى ﴾ الى قوله: ﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِى خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ وأمثال هذا التخليط كثير. فلا ينبغى لعلماء المسلمين أن يسمحوا لأمثال هؤلاء الجهلة، بالتطاول على كتاب الله، و بتفسيره بما يخالف الظاهر، ويجافى الحق والصواب، زعما منهم أنه من نوع (التفسير الاشارى) فالتفسير له حدود وشروط، وليس لكل انسان أن يقول فيه برأيه، أو يعبث فى نصوصه بفهمه العليل، ولقد صدق شيخ الإسلام (ابن تيمية) حين قال: ((نصف طبيب يفسد الأبدان، ونصف عالم يفسد الأديان)) والله يقول الحق وهو يهدى السبيل.

لغات: نَسُوقُ: کلام کو تسلسل کے ساتھ تفصیل سے بیان کرنا۔ خواطر: خاطر کی جمع' دل میں آنیوالا خیال' رائے' آئیڈیا۔ رُوع: دل' خیال' عقل۔ سوانح: سانح کی جمع حاصل ہونیوالے خیالات۔ واردات: واردة کی جمع' جی میں آنیوالا خیال۔ الشطح: صوفیاء کے حالت سکر وجذب کے احوال واقوال۔ ادھی: بڑی آفت' بڑی مصیبت۔ الشباك: جال۔ نَفَضَ: ہٹانا' جھٹکنا' پھینک دینا۔ مواجید: بےخودی' سرشاری۔ الفطن: سمجھدار۔ مشافھة: روبرو' منہ درمنہ بات کرنا۔ رائق: خوشنما۔ اھل الطامات: گمراہ لوگ۔ یضاھي: مشابہ ہونا۔ کل من ھبَّ و دبَّ: ہرکس وناکس۔ یتطاول: دست درازی کرنا' دخل اندازی کرنا۔ غبي: کوڑھ مغز' کند ذہن۔

ترجمہ: شیخ زرقانیؒ کی قیمتی بات

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

ہم یہاں شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ کی ایک قیمتی بات کو بیان کرتے ہیں۔ جس میں حکمت بالغہ اور سچی نصیحت ہے "اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔"

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

"شاید تو میرے ساتھ اس بات پر غور کرلے کہ بعض لوگ ان اشارات اور (قلبی) خیالات کی تعلیم کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے۔ ان کے دماغ میں یہ بات گھس گئی کہ کتاب وسنت (ہی) نہیں بلکہ پورے کا پورا اسلام کچھ نہیں مگر اس طرز پر مبنی تاویلات اور توجیہات کے (چند) خیالات اور واردات ہیں۔ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ (اسلام کا) معاملہ فقط تخیلات (اور چند اوہام) ہیں۔ اور ان لوگوں کا مطلوب خیال کے ساتھ حال ہے جہاں بھی وہ طاری ہو جائے۔ اور انہوں نے شریعت کے احکام کی قید نہیں لگائی اور انہوں نے بلیغ نصوص عربیہ اور کتاب اللہ اور سنت رسول کو سمجھنے میں لغت عربیہ کے قواعد کا احترام نہیں کیا۔"

اور اس سے بڑی آفت یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں یہ جھانسہ دیا ہے کہ وہ لوگ ہی حقیقت والے ہیں جنہوں نے انتہا کو پالیا اور اللہ تک اس مقام پر پہنچ گئے کہ اللہ نے ان سے تکلیف کو ساقط کردیا اور انہیں اور انہیں اسباب اختیار کرنے پر ابھارنے سے بلند کردیا ہے (یعنی انہیں اسباب کے اختیار کرنے سے بے نیاز کردیا ہے) جب تک کہ اپنے گمان میں وہ لوگ رب الارباب کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس پر ان باطنیوں نے عمل کیا تاکہ وہ شریعت کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں اور اس کی بنیادوں کو ان کے قواعد سے نکال دیں۔

اپنے مسلمان بھائیوں کو ضروری طور پر نصیحت کرنا ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم انہیں اس جال میں پھنسنے سے ڈرائیں (اور اس سے بچائیں) اور انہیں اس بات کا مشورہ دیں کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ان غلط سلط قسم کی اشاری تفسیروں سے ہٹالیں۔ کیونکہ یہ سب کی سب (اشاری تفسیریں ان لوگوں کے خاص رجحانات اور) ذوق اور (ان کے) وجدانیات ہیں جو (ضبط و

تقیید کی حدود سے باہر ہیں۔ اور) بندش اور پابندی سے ماوراء ہیں اور بسا اوقات ان اشاری تفسیروں میں حقیقت کے ساتھ خیال اور حق کے ساتھ باطل مل جاتا ہے لہٰذا ایک سمجھدار عقل مند کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان پھسلنے کی جگہوں سے دور رکھے۔ (اور لغزشوں سے اپنے آپ کو بچائے) اور اپنے دین کو ان شبہات سے بھگا (کر بچا) لے جائے۔ جبکہ اس کے سامنے کتاب وسنت (موجود) ہے اور قوانین شریعت اور (قوانین) لغت کے مطابق ان کی شروحات (بھی موجود ہیں) اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے سامنے آخرت کے) باغات اور جنتیں (ہیں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ.﴾ (البقرہ: ٦١)

''کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے۔'' ❶ (تفسیر عثمانی)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا قول

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' کی فصل ''الذکر والتذکیر'' میں یہ فرماتے ہیں۔

''رہا ''شطح'' تو اس سے مراد ہماری کلام کی وہ دو قسمیں ہیں کہ جو بعض صوفیاء نے ایجاد کی ہیں۔''

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کے لمبے چوڑے دعوے کرنا اور اس وصال کے (دعوے کرنا کہ) جو ظاہری اعمال سے بے نیاز کر دیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ (ذات باری تعالیٰ کیساتھ) اتحاد اور (اپنے اور اپنے رب ذوالجلال کے درمیان) حجاب کے اٹھ جانے (ذات باری تعالیٰ کو) دیکھنے کے ساتھ مشاہدہ کرنے اور زو برو گفتگو کرنے (تک) کے دعویٰ تک جا پہنچے۔ چنانچہ وہ (یوں) کہنے لگے۔

''ہمیں (اللہ کی طرف سے) یہ کہا گیا۔ ہم نے (اس کے جواب میں) یہ کہا۔''

اور اس (طرز و روش) میں وہ حسین (منصور) حلاج کی نقل اتارنے لگے جس کو (اپنے بارے میں) اس طرح کے چند کلمات بولنے کی وجہ سے سولی چڑھا دیا گیا۔ اور وہ لوگ منصور حلاج کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں۔ ''انا الحق''

(امام غزالی فرماتے ہیں) یہ کلام کی وہ قسم ہے جو عوام کے لئے نہایت نقصان دہ ہے یہاں تک کہ جو ایسی باتیں کریں اس کا قتل کرنا یہ دین الٰہی میں دس انسانوں کے زندہ کرنے سے افضل ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ کلمات ہیں جو سمجھ نہیں آتے ان کا ظاہر (بڑا) پرکشش اور ان میں خطرناک عبارات ہوتی ہیں کہ جن کے پیچھے کوئی مقصد کی بات نہیں ہوتی اس نوع کے کلام کا کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے یہ دلوں کو تشویش (اور الجھن میں) ڈالتا ہے اور عقلوں کو اڑا دیتا ہے اور ذہنوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ''نہیں بتلائی کسی نے لوگوں کو ایسی بات جو وہ سمجھ نہ سکے ہوں مگر یہ کہ وہ بات ان کے لئے فتنہ بن گئی۔'' ❷

---

❶ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ زرقانیؒ کی مناہل العرفان جلد ا صفحہ ۵۵۸۔

❷ یہ حدیث صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے۔

اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''لوگوں سے وہ بات کرو جو وہ جانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔'' ❶

فاسد تفسیر اشاری کی چند مثالیں

پھر امام غزالیؒ نے فرمایا: ''اللہ ان کی قبر کو خوشبودار بنائے۔'' رہی عبادات تو ہماری مذکورہ ''شطح'' بھی ان میں داخل ہو جاتیں ہیں۔ اور دوسرا امر کہ جو ان طاعات کے ساتھ (ان لوگوں کا) خاص (کرنا) ہے۔ وہ الفاظ شرع کو ان کے ظاہری مفہوم سے ایسے باطنی امور کی طرف پھیرنا ہے کہ جن سے عقلوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس یہ بھی حرام ہے اور اس کا نقصان بہت زیادہ ہے ان قیامت ڈھانے والے (فتنہ پردازوں) کی تاویل کی مثالوں میں سے بعض کا اس ارشاد خداوندی کی تاویل میں یہ قول ہے۔ (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى.﴾ (طه: ٢٤)

''جا طرف فرعون کے کہ اس نے بہت سر اٹھایا۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ اس میں آدمی کے دل کی طرف اشارہ ہے اور اس نے کہا ''کہ فرعون سے دل ہی مراد ہے۔'' کہ وہ ہی پر انسان پر سرکش (اور سر چڑھا) ہے۔

اور (کسی بد دماغ نے) اس ارشاد خداوندی میں:

﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ.﴾ (القصص: ٣١)

''اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔'' (تفسیر عثمانی)

(یہ کہا کہ اس کا) مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شئے کہ جس پر انسان اللہ عزوجل کے علاوہ سہارا لیتا ہے اور بھروسا کرتا ہے پس مناسب ہے کہ اس کو ڈال دے۔ ❷

اور اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں:

تسحروا فإن في السحور بركة.

''سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کے کھانے میں برکت ہے۔''

پس ان (شوریدہ سر) لوگوں نے سحور کی تفسیر پو پھوٹنے سے پہلے کے وقتوں میں استغفار کرنے سے کی ہے۔''

اور اس جیسی (دوسری) مثالیں ہیں تا کہ یہ لوگ قرآن کو اس کے اول سے لے کر اس کے آخر تک اس کے ظاہر سے اور

---

❶ اسے امام بخاریؒ نے حضرت علیؓ سے موقوف روایت کیا ہے۔

❷ جیسا کہ آج کل بعض نام نہاد مبلغین اپنے ہفتہ واری بیانات میں بڑی شد و مد کے ساتھ تقویٰ و توکل کے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ پہلے ان اسباب کو توڑو اور چھوڑو کہ جو ہاتھ میں ہیں پھر رب پر بھروسا کرو اس مشق سے توکل کی حقیقت نصیب ہوگی۔ اور اس قول کا بطلان اہل علم پر واضح ہے۔ (نسیم)

اس تفسیر سے پھیر دیں کہ جو حضرت ابن عباسؓ اور تمام علماء سے منقول ہے (اور جمہور اور سلف علماء سے نقل ہے)

بعض ان تاویلات (رکیکہ) کے بطلان کو قطعاً جان لیا گیا ہے۔ جیسے کہ فرعون کو دل کے بمنزل قرار دینا۔ کیونکہ فرعون ایک شخص محسوس ہے اس کے وجود کے بارے میں نقل ہم تک متواتر پہنچی ہے۔ اور بعض تاویلات (رکیکہ) کے بطلان کو غالب ظن (یعنی گمان غالب) سے جان لیا گیا ہے۔

یہ سب تاویلات حرام اور گمراہی ہیں اور لوگوں پر ان کا دین فاسد کرنا ہے۔

اور ان فتنہ پردازوں میں سے جو اس قسم کی تاویلات کو جائز قرار دیتا ہے باوجودیکہ اسے علم ہے کہ یہ الفاظ کی مراد نہیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کے مشابہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور نئی بات لگانے کو جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے وہ شخص کہ جو ہر مسئلہ میں جو چاہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث گھڑ لیتا ہے۔ پس (یقیناً) یہ ظلم اور گمراہی ہے اور اس وعید میں داخل ہوتا ہے: **من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.**

بلکہ ان الفاظ کی تاویل کا شر وہ بہت زبردست اور بڑا ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ کے اعتبار کو باطل کرنے والا اور یہ استفادہ اور (اس کے) فہم کے طریق کو بالکل (ہی) قطع کرنے والا ہے۔ [1] (امام غزالیؒ کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ بحث

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

گزشتہ عبارات سے ہمارے سامنے یہ بات (کھل کر) آئی ہے کہ تفسیر اشاری کی شرع تائید کرتی ہے لیکن تحقیق اس میں بعض فاسد تاویلات آن گھسی ہیں۔ اور بعض لوگ اس میں باطنیہ کے راستے پر چلے ہیں۔ اور انہوں نے اس کی ان شرائط کی رعایت نہ کی جن کو علماء نے مقرر کیا تھا۔ اور انہوں نے اس میں اُول فُول بکنا شروع کیا۔ بلکہ جس نے ذرا سا بھی چلنا پھرنا سیکھا اس نے کتاب اللہ پر دست درازی شروع کر دی۔ (یعنی دو چار لفظ کیا آئے اور لگے تفسیر کرنے)

اور جس پر خواہش (نفس) کا میلان ہونے لگا اسی کے مطابق قرآن کا مطلب بیان کرنے لگے۔ یا جس بات کا شیطان نے (ان کے جیبوں میں) وسوسہ ڈالا (اسی کے مطابق قرآن کا مطلب بیان کرنے لگے) اور (اوپر سے) یہ گمان کرنے لگے کہ یہ تفسیر اشاری ہے باوجودیکہ وہ حماقت وضلالت اور جہالت ہے۔ کیونکہ یہ کتاب اللہ کی تحریف ہے اور باطنی ملحدین کے راستہ پر چلنا ہے۔ یہ (اس) قسم کی تفسیر اشاری اگرچہ الفاظ میں تحریف نہیں ہے لیکن یہ (قرآن کے) الفاظ کی معانی کی تحریف ہے۔

اور تحقیق تو نے اس شخص (کی بات) کو سن لیا کہ جس نے اس آیت کریمہ:

﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانعام: ۹۱)

---

[1] یہ مضمون احیاء علوم الدین سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے۔

''تو کہہ دے اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔'' (تفسیر عثانی)

سے ''اللہ'' کے لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو مراد لینے والے کے ساتھ رہنے کی ضرورت پر دلیل پکڑی چنانچہ اس نے اس لفظ (اللہ) کو (قل فعل امر کہ جو نحوی ترکیب کے اعتبار سے) قول (ہے) کا مقولہ بنا دیا یعنی (یہ عبارت تقدیری طور پر یوں مراد لی) ''قل: اللہ'' (یعنی تو ''اللہ'' (اللہ) کہہ) اور اس کوڑھ مغز جاہل نے یہ نہ جانا کہ یہ لفظ (مفرد نہیں بلکہ) جملہ ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ اور (اس کی) تقدیر (ی عبارت) ''اللہ انزلہ'' (یعنی اللہ نے یہ کتاب اتاری) (اسی) آیت کریمہ کے سیاق کی دلیل سے ہے (اور سیاق آیت کریمہ یہ ہے)۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانعام: ۹۱)

''اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچانا جب کہنے لگے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آیا تھا۔ روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور تم کو سکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ ان کو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔'' (تفسیر عثانی)

اور اس قسم کا خلط ملط کرنا بہت ہے چنانچہ مسلمانوں کے علماء کو مناسب نہیں کہ وہ اس قسم کے جہلاء سے کتاب اللہ پر دست درازی کرنے سے اور قرآن کے ظاہر کے مخالف تفسیر کرنے سے چشم پوشی کریں۔

جبکہ حق اور راستی کے ساتھ ان کی طرف سے یہ سمجھتے ہوئے زیادتی کی جا رہی ہو کہ (ان کی) یہ (خرافات بھی) تفسیر اشاری کی ایک قسم ہے۔ پس (خلاصہ اور آخر الامر یہ ہے کہ) تفسیر کی (چند) حدود اور شرائط ہیں۔ اور ہر انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے سے اس بارے میں کلام کرے۔ یا اپنی بیمار سمجھ کے بل پر اس کی نصوص کے ساتھ کھلواڑ کرے۔ بے شک شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے سچ فرمایا وہ فرماتے ہیں: ''نیم حکیم بدنوں کا ستیاناس مار دیتا ہے اور نیم عالم دینوں کو برباد کر دیتا ہے۔'' ❶

''اور اللہ ہی حق فرماتے ہیں اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔''

توضیح

یہ بحث اپنے اختتام کو پہنچی۔ علامہ تقی عثانی دامت برکاتہم کے ان آخری کلمات کو ہم ختام المسک کے طور پر نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے صوفیاء کی تفسیر کے آخر میں تحریر فرمائے ہیں۔

علامہ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

''صوفیا کے ان اقوال میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔''

---

❶ اور ہماری اردو زبان میں اس بارے میں کیا خوب مقولہ مشہور ہے۔ (نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان۔'' (نسیم)

(۱) ان اقوال کو قرآن کریم کی تفسیر قرار نہ دیا جائے بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن کریم کی اصل مراد وہی ہے جو تفسیر کے اصل ماخذ سے سمجھ میں آتی ہے اور یہ اقوال محض وجدانی اور استنباط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان اقوال کو قرآن کریم کی تفسیر سمجھ لیا جائے۔ تو یہ گمراہی ہے چنانچہ امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ نے ایک کتاب ''حقائق التفسیر'' کے نام سے لکھی تھی جو اسی قسم کے اقوال پر مشتمل تھی۔

اس کے بارے میں امام واحدیؒ نے فرمایا:

''جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔'' ❶

(۲) اس قسم کے اقوال میں بھی صرف ان اقوال کو درست سمجھا جا سکتا ہے جن سے قرآن کریم کی کسی آیت کے ظاہری مفہوم یا شریعت کے کسی مسلمہ اصول کی نفی نہ ہوتی ہو۔ اور اگر ان وجدانیات کے پردے میں دین کے مسلم اصول وقواعد کی خلاف ورزی کی جانے لگے تو یہ صریح الحاد ہے۔

(۳) اس قسم کے وجدانیات صرف اس وقت معتبر ہو سکتے ہیں۔

جب وہ قرآن کریم کی تحریف کی حد تک نہ پہنچتے ہوں۔ اور اگر قرآن کریم کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر کوئی بات کہی جائے۔ تو وہ بھی الحاد اور گمراہی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے آیت قرآنی مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ. کے تحت یہ کہا کہ یہ اصل میں من ذل ذی يَشْفَ عُ'' ہے۔

''ذی'' سے مراد نفس ہے اور مطلب یہ ہے کہ ''جو شخص نفس کو ذلیل کرے گا شفا پا جائے گا اس بات کو یاد رکھو۔''

علامہ سراج الدین بلقینیؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''ایسا کہنے والا ملحد ہے۔'' ❷

(۴) قدیم زمانہ میں ملحدوں کا ایک فرقہ ''باطنیہ'' کے نام سے گزرا ہے۔ جس کا دعویٰ یہ تھا کہ قرآن کریم سے ظاہری طور پر جو مطلب سمجھ میں آتا ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ ہر لفظ سے ایک باطنی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور وہی قرآن کی اصل تصویر ہے۔ یہ اعتقاد باجماع امت کفر والحاد ہے لہٰذا صوفیاء کے کسی قول کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھا جائے تو وہ باطنیت ہوگا۔''

ان چار امور کی رعایت کے ساتھ صوفیاء کرام کے اقوال کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور بلاشبہ بعض مخصوص واردات واحوال رکھنے والوں کو ان اقوال سے فائدہ بھی پہنچا ہے اسی وجہ سے علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں آیات کی مکمل تفسیر لکھنے کے بعد ایک مستقل عنوان ''من باب الاشارات فی الآیات'' قائم کرتے ہیں اور اس میں اس قسم کے وجدانیات ذکر فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام نے قرآن کریم کے تحت اپنے جو وجدانیات ذکر فرمائے ہیں۔ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور بعض لوگوں نے ان پر باطنیت کا جو الزام عائد کیا ہے وہ درست نہیں۔ اس کے باوجود ہم

❶ اتقان جلد۲ صفحہ۱۸۴۔ ❷ اتقان جلد۲ صفحہ۱۸۴۔

حافظ ابن الصلاحؒ کے اس ارشاد کو نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ: (وہ فرماتے ہیں کہ)

''اس کے باوجود اے کاش! کہ یہ حضرات اس قسم کے اقوال نقل کرنے میں اتنے تساہل سے کام نہ لیتے کیونکہ ان میں غلط فہمی اور اشتباہ کی بڑی گنجائش ہے۔''❶

غرائب التفسير

ذكر العلامة (السيوطي) في كتابه الاتقان' نقلاً عن الكرماني أنه ألف كتابا في مجلدين سماه (العجائب والغرائب) ضمنه أقوالا منكرة في التفسير' لا يجوز قولها ولا الاعتماد عليها' لأنها من أقوال أهل الضلال' وإنما ذكرها للتحذير منها' وقال: إنما أردت بذكرها أن يعلم الناس أن فيمن يدعي العلم حمقى. ونحن ننقل طرفاً منها' وننقل بعض أقوال أخرى عن الباطنية حتى يحذر المسلمون من أمثال هذه الأباطيل' التي دخلت على الأمة الإسلامية بسبب التعصب الأعمى واتباع الأهواء.

أمثلة على هذه الغرائب:

أولا: في قوله تعالى: ﴿حمعسق﴾ قالوا: الحاء حرب علي ومعاوية' والميم ولاية بني مروان' والعين ولاية العباسيين' والسين ولاية السفيانيين والقاف القدوة بالمهدي' إلى غير ما هنالك من الضلال.

ثانيا: قوله تعالى: ﴿ولكم في القصاص حياة يا أولي الالباب.﴾ قالوا: القصاص المراد به قصص القرآن' وهو باطل لغة وشرعا' وقول لا يقول به إلا الجهلاء.

ثالثا: قوله تعالى ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ قالوا: إن إبراهيم كان له صديق وصفه بأنه قلبه' وفسروه بمعنى ولكن ليسكن صديقيي وهذا بعيد جداً.

رابعا: قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ.﴾ قالوا: إنه الحب والعشق' ففسروا مالا طاقة للإنسان به بهذا حكاه الكواشي في تفسيره.

خامسا: قوله تعالى: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ قالوا إنه الذكر إذا انتصب' وهذا بلا شك- جرأة غريبة' ووقاحة شنيعة لا تصدر إلا من سفيه أحمق.

سادسا: قوله تعالى: ﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝﴾ قالوا: المراد بالشجر الأخضر (ابراهيم) ونارا أي نورا (محمد) ﷺ' فإذا أنتم منه توقدون

❶ اتقان جلد۲ صفحہ۱۸۴۔

أی تقتبسون الدین. وهذا التفسیر من الغرائب لا تدل علیه اللغة، وهو تأویل باطل لنصوص القرآن، وإن کان سبکه جمیلا و عبارته لطیفة.

تفسیرات الباطنیة:

الباطنیة قوم لا یقبلون الأخذ بظاهر القرآن، وإنما یقولون: إن القرآن له (ظاهر) و باطن) ویعتقدون بأن المراد منه (الباطن) دون الظاهر، ویستدلون، بقوله تعالی ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید: ۱۳)

وهم فرق متعددة نذکر أهمها:

(۱) الإسماعیلیة نسبة إلی (اسماعیل) أکبر أولاد جعفر الصادق و کانوا یعتقدون فیه الإمامة.

(۲) القرامطة: نسبة إلی (قرمط) إحدی قری واسط، وقد تزعمهم رجل منها اسمه (حمدان)

(۳) السبعیة: نسبة إلی (السبعة) لأنهم یعتقدون أن فی کل سبعة منهم إماما یقتدی به.

(۴) الحرمیة: نسبة إلی (الحرمة) وذلك لأن هؤلاء یستبیحون الحرمات والفواحش.

نماذج عن تفسیر الباطنیة:

(۱) قوله تعالی: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ قالوا: إنه إشارة إلی الغدر بالأوصیاء بعد الأنبیاء، أی لتسلکن سبیل من قبلکم بالغدر فی الأئمة بعد الأنبیاء.

(۲) قوله تعالی: ﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ.﴾ (یونس: ۱۵) یفسرونه "اَوْبَدِّلْهُ" ای بَدِّلْ عَلِيًّا۔ و معلوم ان علیا لم یسبق له ذکرہٗ.

(۳) قوله تعالی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا.﴾ (النساء: ۱۳۷)

قالوا: إن هذه الآیة نزلت فی أبی بکر وعمر و عثمان، آمنوا بالنبی أولا، ثم کفروا حیث عرضت علیهم ولایة علی، ثم آمنوا بالبیعة لعلی، ثم کفروا بعد النبی، ثم ازدادوا کفرا بأخذ البیعة من کل الأمة.

(۴) قوله تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ قالوا: المراد بالبقرة (عائشة) والمراد (اضربوه ببعضها) طلحة والزبیر.

(٥) قوله تعالى: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ قالوا: المراد بهما أبوبكر وعمر' قاتلهم الله أنى يؤفكون. و باختصار فمذهب الباطنية و باء وضلال' انتقل إليهم من المجوس' وهم يوولون (الجنابة بإفشاء السر' ويؤولون (الغسل) بتجديد العهد' و (التيمم) بالأخذ عن المأذون و (الصوم) بالإمساك عن كشف السر' إلى آخر ما لديهم من ضلالات ونجاسات. وهذه التأويلات الفاسدة من أشد وأنكى ما يصاب به الإسلام والمسلمون' لأنها تودى إلى نقض بنيان الشريعة حجرا حجرا' وتجعل القرآن ألعوبة بين أيدى هولاء الأنعام' ومن فضل الله أن كتبهم لم تظهر إلى الوجود' وأنهم يخفون هذا فى نفوسهم' وينفتون به بين كل حين وآخر' وهم إلى الزوال والفناء إن شاء الله' والله غالب على أمره ولكن أكثر الناس لا يعلمون.

ترجمہ:

غرائب التفسیر

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب اتقان میں (علامہ) کرمانیؒ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی اور اس کا نام ''العجائب والغرائب'' رکھا۔ اور اس میں تفسیر کے بارے میں ایسے منکر اقوال کو جمع کیا کہ جن کا نہ قول کرنا جائز ہے اور نہ ہی ان پر اعتماد کرنا جائز ہے کیونکہ وہ گمراہ لوگوں کے اقوال ہیں۔ بے شک انہوں نے ان اقوال کو ان سے بچنے کے لئے ذکر کیا۔ اور فرمایا: ''جز ایں نیست کہ میں نے ان اقوال کو ذکر کیا تا کہ لوگ جان لیں کہ علم کے دعویداروں میں احمق (بھی) ہیں (اور ان کی کمی نہیں) ہم ان میں سے کچھ کو ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسرے چند اقوال باطنیہ ذکر کرتے ہیں۔ تا کہ مسلمان اس قسم کے باطل اقوال سے بچ جائیں کہ جو امت مسلمہ میں اندھے تعصب اور اتباع (نفس و) ہوا کی وجہ سے داخل ہو گئے۔

ان عجیب وغریب اقوال کی چند مثالیں

(۱) (بعض گمراہوں نے) اس ارشاد خداوندی ''حٰمٓعٓسٓقٓ'' (الشوریٰ:۱) کے بارے میں یہ کہا ''حا'' یہ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ کی ''حـــرب'' (یعنی جنگ) ہے۔ اور ''میم'' بنو مروان کی ولایت' اور ''عین'' عباسیوں کی ولایت اور ''سین'' یہ سفانیین کی ولایت (یعنی حضرت ابوسفیانؓ کی اولاد کی ولایت کہ جس کو خلافت بن امیہ کہتے ہیں). ہے اور ''قاف'' یہ مہدی کا قدوہ (یعنی اسوہ) ہے۔

''اس کے علاوہ اور بہت سی گمراہ کن باتیں ہیں۔''

(۲) (اور بعض کور بختوں نے) اس ارشاد خداوندی۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرہ: ۱۷۹)

''اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو!'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا کہ ''قصاص'' سے قرآن کے قصے ہیں۔ اور یہ (معنی) لغت اور شرع دونوں کے اعتبار سے باطل ہے۔ اور ایسا قول ہے کہ جسے جہلاء ہی کہہ سکتے ہیں۔

(۳) (اور بعض گمراہوں نے) اس ارشاد خداوندی۔

﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ (البقرہ: ۲۶۰)

''لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جائے میرے دل کو۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست تھا جس کو وہ اپنا ''دل'' (یعنی قلب) کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان گمراہوں نے اس کی تفسیر اس معنی کے ساتھ کی۔

''لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دوست کو (کہ جس کا نام قلب ہے) تسکین ہو جائے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ نہایت دور از کار بات ہے۔

(۴) (اور بعض بے راہ رولوگوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

''اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جس کی ہم کو طاقت نہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا کہ ''یہ محبت اور عشق ہیں'' چنانچہ انہوں نے نا قابل برداشت بوجھ کی باطل تفسیر محبت اور عشق سے کی۔ اس بات کو علامہ کواشیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(۵) (اور بعض خرد ماغوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ (الفلق: ۳)

''اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آئے۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ''یہ ذکر ہے کہ جب وہ (منتشر ہو کر) کھڑا ہو جائے۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) بے شک یہ عجیب (وغریب) جرأت (اور جسارت) اور قابل نفرت بے حیائی (اور گستاخی) ہے جو کسی بے وقوف احمق ہی سے صادر ہو سکتی ہے۔

(۶) (اور بعض ناعاقبت اندیشوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝﴾ (یٰس: ۸۰)

''جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں کہا ہے کہ ''شجر اخضر سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور 'نار' سے مراد نور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ''فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ'' (تم اس سے آگ سلگاتے ہو) کا یہ مطلب ہے ''تم اس سے دین کو حاصل کرتے ہو۔'' [1]

یہ تفسیر نہایت عجیب (وغریب) ہے کہ جس پر لغت دلالت نہیں کرتی۔ یہ نصوص قرآن کی باطل تاویل ہے اگرچہ اس کی روانی (اور سلاست) خوبصورت اور عبارت لطیف (اور باریک) ہے۔''

باطنیہ (فرقہ) کی تفسیریں

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

باطنیہ یہ وہ فرقہ ہے کہ جو قرآن کے ظاہر (ی معنی) کو لینے کو قبول نہیں کرتا۔ جز ایں نیست کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''قرآن کا (ایک) ظاہر ہے اور (ایک) باطن ہے۔ اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن کی مراد اس کا باطن ہے نا کہ اس کا ظاہر اور وہ لوگ اس ارشاد خداوندی سے استدلال کرتے ہیں۔

﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید: ۱۳)

''پھر کھڑی کر دی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔'' (تفسیر عثمانی)

باطنیہ کے بہت سے فرقے ہیں ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اسماعیلیہ:

یہ اس اسماعیل (نام کے شخص) کی طرف منسوب ہے جو (امام) جعفر صادق کی بڑی اولاد (میں سے) ہے۔ اور وہ ان میں امامت کا اعتقاد کرتے تھے۔

(۲) قرامطہ

یہ واسط کے ایک گاؤں قرمطہ کی طرف منسوب (ایک فرقہ کا نام) ہے ایک شخص ان کا سردار بن گیا اس کا نام حمدان تھا۔

(۳) سبعیہ

ان کی ''سبعۃ'' کی طرف نسبت ہے (یعنی سات کے عدد کی طرف) کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ ان کے ہر سات میں ایک امام ہوگا جس کی اقتداء ہوگی۔

---

[1] ان سب مثالوں کے لئے دیکھئے اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۶۔ مولف نے ان میں معمولی تصرف سے ان کو بیان کیا ہے۔

(۴) حرمیہ

یہ ''حرمت'' کی طرف منسوب ہیں کیونکہ یہ لوگ حرام کردہ اشیاء اور فواحش کو حلال (اور مباح) جانتے تھے۔ ❶

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے اپنی تاریخ میں امامیہ اسماعیلیہ (باطنیہ) فرقے کے افکار و عقائد اس فرقہ کے بانی کے احوال و تعارف اس فرقہ کی مختصر تاریخ۔ باطنیہ کی وجہ تسمیہ ان کے اساسی اصول ان کے مختلف فرقون کے نام اور احوال مثلاً حاکمیہ نصریہ وغیرہ کا تعارف ان کے مشہور لیڈر حسن بن صباح اور ان کے اتباع کا مختصر تذکرہ باطنیہ کے مراتب دعوت مثلاً (۱) ذوق (۲) تانیس (۳) تشکیک (۴) ربط (۵) تدلیس (۶) تاسیس (۷) خلع (۸) سلخ وغیرہ کا تعارف۔ باطنیہ کی تفسیری مساعی تفسیر قرآن سے متعلق متقدمین باطنیہ کی تاویلات اور تفسیر قرآن کے متعلق متاخرین باطنیہ کا زاویہ نگاہ بڑی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ طالبان علوم قرآن اصل کتاب سے اس کا مطالعہ فرمایں۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۴۵۵-۴۶۸)

ترجمہ: باطنیہ کے تفسیری نمونے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

(باطنیہ نے) اس ارشاد خداوندی

﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ (الانشقاق: ۱۹)

''تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کے بعد وصیوں کی غداری کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم انبیاء کے بعد آئمہ کے بارے میں غداری کرنے میں اپنے سے پہلوں کے راستوں پر ضرور چلو گے۔

(۲) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ.﴾ (یونس: ۱۵)

''کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی۔ لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔'' (تفسیر عثمانی)

کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ''او بدله'' سے مراد ''او بدل علیا'' ہے (یعنی یا علی کو بدل دے) اور یہ بات معلوم ہے کہ گزشتہ میں حضرت علیؓ کا (نام اور) ذکر نہیں گزرا (لہٰذا نحوی ترکیب کے اعتبار سے ضمیر کا مرجع لفظ ''علی'' کو ٹھہرانا باطل

---

❶ اس کے لئے دیکھئے کتاب ''الفرق بین الفرق للبغدادی۔

ہے۔(کیونکہ یہ اضمار قبل الذکر کی قبیل میں سے ہے کہ جو ممنوع ہے۔)

(۳) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا.﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ (النساء: ۱۳۷)

''جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے۔ پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ''یہ آیت (نعوذ باللہ) (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں نازل ہوئی کہ پہلے وہ نبی پر ایمان لائے پھر اس وقت کافر ہو گئے کہ جب ان پر ولایت علیؓ پیش کی گئی۔ پھر حضرت علیؓ کی بیعت پر ایمان لائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) کے بعد (ان کی بیعت کا انکار کر کے) کافر ہو گئے۔

پھر پوری امت سے بیعت لینے کی وجہ سے اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ ❶

(۴) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً.﴾ (البقرة: ۶۷)

''اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ''البقرۃ'' سے مراد (نعوذ باللہ) حضرت (سیدہ) عائشہؓ ہیں اور ''اضربوہ ببعضھا'' سے مراد طلحہؓ اور زبیرؓ ہیں۔

(۵) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ (المائدة: ۹۰)

''یہ جو ہے شراب اور جوا۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ''ان دونوں سے مراد (نعوذ باللہ) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ خدا ان کا ستیاناس کرے یہ کہاں الٹے پھرے جاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ فرقہ باطنیہ کا مذہب ایک (بدترین) وباء اور (نہایت سخت بھٹکی ہوئی) گمراہی ہے جو ان کی طرف مجوسیوں سے منتقل ہو کر آیا ہے۔ اور یہ لوگ ''جنابت'' کی تاویل ''افشاء راز'' سے کرتے ہیں اور ''غسل'' کی تاویل ''تجدید عہد'' سے اور ''تیمم'' کی تاویل (غلام) ماذون سے لینے سے اور ''صوم'' کی تاویل ''راز فاش کرنے سے رکنے'' سے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری ضلالتیں اور نجاستیں ہیں کہ جو ان کے ہاں ہیں۔ اور (باطنیوں ملحدوں کی) یہ تاویلات فاسدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبتوں میں سے سب سے سخت اور سب سے زیادہ مجروح کرنے والی ہیں۔ کیونکہ یہ (اسلام اور) شریعت کی بنیادوں کی

---

❶ اس کے لئے دیکھئے ''الوشیعۃ فی نقد عقائد الشیعۃ'' صفحہ ۶۵۔

اینٹ اینٹ کو توڑنے تک پہنچانے والی (تاویلات) ہیں (اور اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والی ہیں)[1] اور ان جانوروں کے ہاتھوں میں قرآن کو کھلونا بنانے والی ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ (آج) ان کی کتابیں (لوگوں کے سامنے) موجود نہیں ہیں۔ اور یہ لوگ ان باتوں کو اپنے جیبوں میں چھپاتے ہیں۔ اور ہر وقت ان (فاسد تاویلات) کو تھوکتے رہتے ہیں۔ (اور ان کا زہر اگلتے رہتے ہیں) اور انشاء اللہ یہ لوگ زوال اور فناء کی طرف جا رہے ہیں۔

''اور اللہ اپنی بات کو غالب کر کے رہے گا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

نماذج عن تفسير الشيعة:

الشيعة هم فرق عـديدة' أسرفوا في حب الإمام علي كرم الله وجهه' فمنهم من أغرق في نفس التشيع حتى كفر' وعلى رأس هولاء ابن سبأ اليهودي الخبيث' الذي ما اعتنق الإسلام إلا بقصد الكيد له والدس فيه ومنهم من يعتقد بأن الأمين جبريل قدأتاه وأخطأ في النزول' وأنه كان سينزل بالرساله على علّي فاخطا و نزل على محمد' وهؤ لا كانوا دائما في حرب وخصومة مع المسلمين' حتى ورد أن عليا نفسه شن الغارة عليهم وحاربهم وطاردهم على كفرهم وضلالهم.

ومنهم أناس معتدلون' لم يسقطوا في هاوية الكفر' وإنما خالفوا أهل السنة والجماعة' واعتقدوا بأفضلية علّي على جميع الصاحبة' وأنه افضل من أبي بكر و عمر و عثمان' وبأحقيته بالخلافة' لأنه من آل البيت' واعتقدوا بأن الخلفاء الثلا ثة قد سلبوا عليا حقه في توليهم الخلافة' ومنهم من يفضل عليا فقط' ومنهم لا يكتفي بذلك' بل يشتم الشيخين: ابا بكر' و عمر و يعتقد فيهم الضلال' والعياذ بالله' مع ان الله تعالى أثنى عليهما في آيات عديدة وجعلهم من خاصة أصحاب نبيه الكريم عليه أفضل الصلاة والسلام' وسنعرض إلى نماذج من تأويلات ((الإثنى عشرية'' والشيعة ((السبية)) في كتاب الله الكريم:

من تفسيرات الشيعة ((الإثنى عشرية))

(ا) ﴿ثُمَّ لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ فسروه بلقاء الإمام علي رضي الله عنه.

(٢) ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُo تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ الراجفه: الحسين والرادفة: أبوه علي كرم الله وجه.

(٣) ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ يعني بالذين آمنوا: الأئمة الإثنى عشرية.

---

[1] اللہ تعالیٰ ان خبیثوں کو ان عزائم میں ناکام و نامراد اور برباد فرمائے (آمین) (نسیم)

(۴) ﴿لَا تَتَّخِذُوْا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ أى: لا تتخذوا إمامين' إنما هو إمام واحد.
(۵) ﴿وَاَشْرَقَتِ الأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ أى أشرقت بنور الإمام رضى الله عنه.
(۶) ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ الآية' فسروها: بأن من لم يقر بولاية على عليه السلام بطل عمله' وأصبح كالرماد الذى تحمله الريح فتذروه!
(۷) ﴿يَا لَيْتَنِىْ كُنْتَ تُرَابًا﴾ أى: من شيعة– أبى تراب– وهى كنية على رضى الله عنه.

من تفسيرات السبية:

(۱) السبية من الشيعة' وهم يزعمون أن عليا كرم الله وجهه فى السحاب' و يفسرون الرعد بأنه صوت على' والبرق لمعان سوطه' أو تبسمه' وإذا سمع أحدهم صوت الرعد يقول: عليك السلام يا أمير المومنين!
(۲) ومن مزاعمهم أنهم يعتقدون بأن محمدا ﷺ سيرجع إلى الحياة الدنيا' ويستدلون بقوله تعالى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلٰى مَعَادٍ﴾ أى:سيرجعك إلى الدنيا.
(۳) وفى آية الامانة: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ...... وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ يزعمون أن الظلوم الجهول هو ابوبكر!
(۴) وفى قوله تعالى: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ......﴾ يفسرون الشيطان بأنه عمر.
ومن تفاسير الشيعة كتاب يسمى ((مرآة الأنوار ومشكاة الاسرار' وهو مطبوع. مولفه يدعى المولى ((الكازلانى)) من النجف' وهذا التفسير مشتمل على تأويلات تشبه تأويلات الباطنية' فالأرض يفسرها بالدين و بالائمة عليهم السلام' وبالشيعة' و بالقلوب التى هى محل العلم و قراره و بأخبار الأمم الماضية...... الخ.
فيقول فى قوله تعالى: ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً﴾ المراد دين الله و كتاب الله. ويقول فى قوله تعالى: ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِىْ الْاَرْضِ﴾ المراد أولم ينظروا فى القرآن...... الخ.
فأنت ترى أنه قد حمل اللفظ الذى لا يجعله أحد' على معان غريبة من غير دليل' وما حمله على ذلك إلا مركب الهوى' والتعصب الأعمى لمذهبه' وذلك لا شك ضلال لا يقل عن ضلال الباطنية ولا البهائية: ﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾

لغات: خصومت: جھگڑا' ستیزہ کاری۔ شن الغارۃ: یورش کرنا' ہلہ بولنا' حملہ کرنا۔ طارد: تعاقب کرنا' پیچھا کرنا۔ هاویه: جہنم کی ایک وادی' گڑھا' کھڈا۔ رماد: راکھ۔ الرعد: بجلی کی کڑک۔ لمعان: چمک۔ البرق: آسمانی بجلی۔ مزاعم: مزعم کی جمع' نا قابل اعتماد بات۔ نام نہاد خیال۔ ظلوم: ناخدا ترس

ترجمہ:

شیعہ کی تفسیر کے (چند) نمونے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شیعہ (کے بھی) کئی فرقے ہیں کہ جنہوں نے (حضرت) الامام علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے تجاوز کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو تشیع (یعنی شیعیت) میں (اس قدر) غرق ہوئے حتیٰ کہ کافر ہو گئے۔ ان سب میں سرفہرست (وہ) خبیث (لعین) یہودی (الاصل) ابن سبا ہے (کہ جو شیعہ مذہب کی تمام کفریات وضلالات کا بانی ہے کہ) جس نے فقط اسلام کے ساتھ مکر کرنے کے لئے ہی اسلام قبول کیا۔ اور اس میں دسیسہ کاریوں کے لئے (اسلام کو گلے لگایا)

ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین آئے (تو) حضرت علیؓ کے پاس تھے (کہ انہیں نبوت سے فراز کریں) اور (مگر) ان سے نزول میں غلطی ہوگئی کہ وہ رسالت لے کر حضرت علیؓ کے پاس اترنے والے تھے پس ان سے خطا ہوئی اور (وہ رسالت لے کر معاذ اللہ) محمد (ﷺ) پر اتر آئے۔ یہ (سخت اور متعصب شیعہ) ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار اور ستیزہ کار رہے ہیں۔ یہاں تک خود حضرت علیؓ نے ان پر یورش کی۔ اور ان کے ساتھ جنگیں لڑیں اور ان کے کفرو ضلالت (اور گمراہی) کا تعاقب کیا۔ ان میں بعض شیعہ (اپنے مسلک و مذہب میں) معتدل اور انصاف پسند بھی) ہیں کہ وہ کفر کے گڑھے میں نہیں گرے۔ اور جز ایں نسبت کہ انہوں نے اہل السنّت والجماعت کی (یعنی مسلک حقہ کی چند مسائل میں) مخالفت کی اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے تمام صحابہؓ سے افضل ہونے اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل ہونے اور (نبیؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے) خلافت کے زیادہ مستحق ہونے کا (جھوٹا) اعتقاد (و مذہب) رکھا کیونکہ (وہ اس بات کو دلیل بناتے ہیں کہ) وہ اہل بیت میں داخل تھے۔ اور انہوں نے یہ اعتقاد رکھا کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علیؓ سے ان کے خلافت کے والی ہونے کے حق کو چھین لیا۔ (یہ تو چند کا عقیدہ ٹھہرا) اور (البتہ) چند فقط حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہیں (اور ان سے خلافت کے چھین لئے جانے کے قائل نہیں) اور (البتہ) بعض (بدبخت نامراد اور خبیث قسم کے شیعہ فقط اتنی بات پر ہی اکتفا نہیں کرتے (کہ وہ سب افضل اور خلافت کے اولین مستحق تھے) بلکہ وہ (حضرات) شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو (نعوذ باللہ ان کے منہ میں خاک کہ وہ ان مقدس ہستیوں) کو گالیاں (بھی) دیتے ہیں (اور اپنی ابدی جہنم خریدتے ہیں) اور ان کے (معاذ اللہ) گمراہ ہونے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی ابدی کتاب قرآن مجید کی) متعدد آیات میں ان بزرگوں کی تعریف کی ہے اور ان کو اپنے نبی کریم ﷺ (کہ آپ پر افضل ترین صلاۃ وسلام ہو) کے خاص اصحاب میں ٹھہرایا ہے۔

اور (اب) ہم "اثنی عشریہ" اور شیعہ "سبیہ" کی رب کریم کی کتاب میں (کی گئی) تاویلات کو پیش کریں گے۔

شیعہ "اثناعشریہ" کی (گمراہ کن) تفسیریں:

(۱) (اس ارشادِ خداوندی)

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ (الحج: ۲۹)

"پھر چاہیے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل۔" (تفسیر عثمانی)

کی تفسیر وہ امام علیؓ سے ملاقات کے ساتھ کرتے ہیں۔

(۲) (اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد)

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ o تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ (النازعات: ۶-۷)

"جس دن کانپے کانپنے والی اس کے پیچھے آئی دوسری۔" (تفسیر عثمانی)

(کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ) الراجفہ: یہ حسینؓ ہیں اور الرادفہ: یہ ان کے والد (گرامی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

(۳) (اور اس ارشادِ خداوندی)

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (المائدہ: ۵۵)

"تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

(میں وہ) "والذین امنوا" سے مراد بارہ امام لیتے ہیں۔

(یعنی تمہارا رفیق اللہ اور اس کا رسول اور بارہ امام ہیں۔ "نعوذ باللہ (نسیم)

(۴) (اور وہ اس فرمانِ الٰہی)

﴿لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ (النحل: ۵۱)

"مت پکڑو معبود دو۔" (تفسیر عثمانی)

(کی یہ تفسیر کرتے ہیں) یعنی دو امام نہ پکڑو بے شک وہی (یعنی حضرت علیؓ) ایک (ہی) امام ہیں۔

(۵) (اور وہ اس ارشادِ باری تعالیٰ)

﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (الزمر: ۶۹)

"اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے۔" (تفسیر عثمانی)

(کی تفسیر یہ کرتے ہیں) یعنی (یہ زمین) امام (حضرت علیؓ) کے نور سے چمک اٹھی۔

(۶) (اور وہ اس فرمانِ باری تعالیٰ)

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِنِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ (ابراھیم: ۱۸)

''حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے عمل ہیں جیسے وہ راکھ زور کی چلے اس پر ہوا۔'' (تفسیر عثمانی)

وہ یہ تفسیر کرتے ہیں ''کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا اس کے عمل باطل ہو گئے۔ اور وہ اس راکھ کی طرح ہو گئے کہ جس کو ہوا اٹھاتی ہے اور بکھیر دیتی ہے۔

(۷) (اور اس ارشاد خداوندی)

﴿يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا.﴾ (النباء: ۴۰)

''کس طرح میں مٹی ہوتا۔'' (تفسیر عثمانی)

(کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں) یعنی'' (کاش میں) ابوتراب (کہ) یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے' کے شیعہ میں سے ہوتا۔

سبیہ کی تفسیر (کے چند نمونے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

سبیہؔ (بھی) شیعوں میں سے (ان کا ایک فرقہ) ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں ہیں اور وہ بجلی کو کڑک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ کی آواز ہے اور (آسمانی) بجلی یہ ان کے کوڑے کی چمک ہے یا ان کی مسکراہٹ ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی بجلی کی کڑک کی آواز سنتا ہے تو کہتا ہے۔

''آپ پر سلام ہو اے امیر المومنین''

(۲) اور ان کے نام نہاد (غلط سلط) عقائد (وخیالات) میں سے ایک بات یہ (بھی) ہے کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اس دنیاوی زندگی کی طرف (دوبارہ) عنقریب لوٹ آویں گے۔ اور وہ (اپنے اس باطل عقیدہ کی) اس ارشاد خداوندی سے دلیل پکڑتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ.﴾ (القصص: ۸۵)

''جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔'' (تفسیر عثمانی)

یعنی: اللہ عنقریب آپ (ﷺ) کو دنیا میں دوبارہ لائیں گے۔

(۳) اور (وہ لوگ) آیت امانت۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ...... وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۷۲)

''ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں۔ اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس اور نادان۔'' (تفسیر عثمانی)

(میں) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بے ترس اور نادان انسان ابوبکرؓ ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(۴) (اور وہ) اس ارشاد باری تعالیٰ

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ......﴾ (الحشر: ١٦)
''جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو تو منکر ہو۔'' (تفسیر عثمانی)
(میں) وہ شیطان کی تفسیر یہ کرتے ہیں وہ (نعوذ باللہ حضرت) ❶ عمرؓ ہیں۔
(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شیعہ کی تفاسیر میں سے ایک کتاب ہے کہ جس کا نام ''مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار'' ہے اور یہ چھپ چکی ہے (اور عام دستیاب ہے) اس کے مولف کو مولیٰ ''کازلانی'' کہتے ہیں (یہ) نجف کا (رہنے والا) ہے یہ تفسیر ایسی تاویلات پر مشتمل ہے کہ جو باطنیہ کی تاویلات سے ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ وہ ''ارض'' کی تفسیر (کبھی تو) دین سے (کرتا ہے) اور (کبھی) آئمہ علیہم السلام سے اور (کبھی) شیعہ سے اور (کبھی) ان دلوں سے کہ جو علم اور علم کے ٹھہرنے کی جگہ ہیں۔ اور (کبھی) گزشتہ قوموں کے قصوں سے کرتا ہے۔...........الخ

پس وہ اس ارشاد خداوندی
﴿أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً﴾ (النساء: ٩٧)
''کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ۔'' (تفسیر عثمانی)
کے بارے میں کہتا ہے کہ (ارض سے) مراد اللہ کا دین اور اللہ کی کتاب ہے۔
اور وہ اس ارشاد خداوندی
﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (غافر: ٨٢ و محمد: ١٠)
''کیا پھرے نہیں وہ ملک میں۔'' (تفسیر عثمانی)
کے بارے میں کہتا ہے کہ (اس سے) مراد یہ ہے کہ ''کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے۔''...........الخ
(مولف کتاب فرماتے ہیں)

کہ تو دیکھ رہا ہے کہ اس شخص نے اس لفظ کو بغیر کسی دلیل کے عجیب وغریب معانی پر حمل کیا ہے کہ جس کے معنی سے کوئی شخص بھی جاہل (اور ناواقف نہیں)

اور ان معانی پر (اس قدر عام لفظ کو) وہی شخص حمل کرتا ہے کہ جو نفسانی خواہشات اور اندھے مذہبی تعصب کا (ایک عجیب وغریب) ملغوبہ ہو۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایسی گمراہی ہے کہ جو باطنیہ اور بہائیہ کی گمراہی سے (کسی طرح) کم نہیں۔
﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ (الزمر: ٢٣) ❷

---

❶ دیکھئے کتاب ''الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعہ'' صفحہ ٦٥ اور ''الفرق بین الفرق'' للبغدادی صفحہ ٢٣٠۔
❷ اس مضمون کو ''مناہل العرفان'' جلد ا صفحہ ٥٤٥ سے لیا گیا ہے۔ (مولف کتاب)

''اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سمجھانے والا۔'' (تفسیر عثمانی)

توضیح:

شیعہ مذہب کی حقیقت' ان کا اصلی روپ' ان کی تاریخ' امت مسلمہ کو ان سے پہنچنے والے ظاہری و باطنی نقصانات' اس کے لئے مناسب ہے کہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱)	''ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء''	شاہ ولی اللہ صاحبؒ
(۲)	''تحفه اثنا عشريه''	شاہ عبدالعزیز صاحبؒ
(۳)	''هدية الشيعه''	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ
(۴)	''هداية الشيعه''	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
(۵)	''هدايات الشيعه''	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ
(۶)	''المطرقة الكرامة''	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ
(۷)	''آيات بينات''	نواب محسن الملک سید مہدی حسن شاہ صاحبؒ
(۸)	''تحفه خلافت''	سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ
(۹)	''الباقيات الصالحات''	سید عبدالشکور صاحب لکھنویؒ
(۱۰)	''خلافت راشده''	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
(۱۱)	''خلافت راشده''	سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ
(۱۲)	شیعہ سنی اختلاف اور صراط مستقیم	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہیدؒ
(۱۳)	شیعہ مذہب کا حقیقی روپ	اللہ دتہ ولد محمد الہڈ نہ
(۱۴)	تاریخ دستاویز	مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ
(۱۵)	ایرانی انقلاب	مولانا محمد منظور نعمانیؒ

اس موضوع پر اکابر علماء دیوبند نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ تحریری کلام فرمایا ہے اور شیعہ مذہب پر جملہ عقائد و عبادات ورسومات پر فتاویٰ بھی بصیرت افزاء ہیں۔ مناسب ہے کہ فتاویٰ کی متداول کتب سے ان کا مطالعہ کرلیا جائے۔ (نسیم)

☆☆☆

من كنوز المعلومات

من اول ممرضة ومطببة في الإسلام؟

رفيدة بنت سعد الأسلمية وكانت لها خيمة بالمسجد تداوى فيها الجرحى.

بحيرة لوط بماذا تعرف الآن؟

البحير الميت.

ما معنى ((عين آنية))؟

عين حارة. قال تعالى ﴿تسقى من عين عانية﴾ (الغاشية: ٥٠)

من اين يبدأ المفصل في القرآن؟ وما هي طواله؟ واواسطه؟ وقصاره؟

يبدأ المفصل في القران من سورة ق إلى سورة الناس وطواله من ق إلى عم وا واسطه من عم إلى الضحى وقصاره من الضحى إلى الناس.

هل يجوز أن نقول ﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً٥﴾ (الفجر: ٢٧-٢٨)

عند التعبير عن وفاة شخص ما؟

هذا لا يجوز أن يطلق على شخص بعينه لأن هذه شهادة أنه من هذا الصنف والله أعلم.

معلومات کا خزانہ

سوال: اسلام کی پہلی نرس اور ڈاکٹرنی کون تھی؟

جواب: رفیدہ بنت سعد الاسلمیہؓ کہ ان کا مسجد (نبوی) کے (باہر) پاس (ہی) خیمہ تھا (کہ) جس میں وہ (بیٹھا کرتی تھیں اور) زخمیوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔

سوال: بحیرۂ لوط کو اب کیا کہتے ہیں؟

جواب: (آج کل اس کو) ''بحیرمیت'' (کہتے ہیں)

سوال: قرآن میں مفصل کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟ اور طوال مفصل اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کونسی (سورتیں) ہیں؟

جواب: قرآن میں مفصل سورۂ ق سے شروع ہوکر سورۂ ''الناس'' تک ہیں۔ اور طوال مفصل (وہ) سورۂ ق سے سورۂ عم تک اور اوساط مفصل ''عم'' سے سورۂ الضحیٰ تک اور قصار مفصل (یہ) سورۂ الضحیٰ سے سورۂ ''الناس'' تک ہے۔

سوال: کیا کسی شخص کی وفات کی تعبیر کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں؟

﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً٥﴾ (الفجر: ٢٧-٢٨)

''اے وہ جی! جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔'' (تفسیر عثمانی)

جواب: یہ شخص معین پر بولا جانا جائز نہیں کیونکہ یہ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ یہ آدمی اس (بشارت پانے والے لوگوں کی) قسم میں سے ہے۔ واللہ اعلم

اشهر كتب التفسير

(بالرواية والدراية والارشاة)

مع تعريف موجز عن أصحابها

أشهر كتب التفسير بالمأثور

الرقم	اسم الكتاب	اسم المولف	تاريخ الوفاة	الشهرة
١	جامع البيان فی تفسير القرآن	محمد بن جرير الطبری	٣١٠ ھ	تفسير الطبری
٢	بحر العلوم	نصر بن محمد السمرقندی	٣٧٣ ھ	تفسير السمرقندی
٣	الكشف والبيان	أحمد بن إبراهيم الثعلبی النيسابوری	٤٢٧ ھ	تفسير الثعلبی
٤	معالم التنزيل	الحسين بن مسعود البغوی	٥١٠ ھ	تفسير البغوی
٥	المحرر الوجيز فی تفسير الكتاب العزيز	عبدالحق بن غالب الأندلسی	٥٤٦ ھ	تفسير ابن عطية
٦	تفسير القرآن العظيم	اسماعيل بن عمر الدمشقی	٧٧٤ ھ	تفسير ابن كثير
٧	الجواهر الحسان فی تفسير القرآن	عبدالرحمن بن محمد الثعالبی	٨٧٦ ھ	تفسير الجواهر
8	الدر المنثور فی التفسير بالماثور	جلال الدين السيوطیؒ	٩١١ ھ	تفسير السيوطی

التعریف بکتب التفسیر بالمأثور

(۱) تفسیر ابن جریر:

مولفه هو ابن جریر البطری، وکنیته (أبو جعفر) ولد سنة ۲۲۴ هـ وتوفی سنة ۳۱۰ ھ، وکتابه من أجل التفاسیر بالمأثور، وأصحها وأجمعها لأقوال الصحابة والتابعین، و یعتبر المرجع الأول للمفسرین، قال النووی: ((کتاب ابن جریر فی التفسیر لم یصنف أحد مثله))

مزایا هذا التفسیر:

(۱) اعتماده علی المأثور من أقوال النبی ﷺ والصحابة والتابعین.
(۲) عرضه للأسانید وللأقوال المرویة و ترجیحه للروایات.
(۳) إحاطته بالناسخ والمنسوخ من الآیات و معرفته لطرق الروایة صحیحیها وسقیمها.
(۴) ذکر لوجوه الأعراب، واستنباط الأحکام الشرعیة من الآیات الکریمة.

وأخیرا فهو کتاب عظیم جلیل، حافل بالروائع، إلا أنه أحیانا أخبارا بأسانید غیر صحیحه، ثم لا ینبه علی عدم صحتها، کما أنه یسوق بعض أخبار هی من (الروایات الإسرائیلیة) و تفسیره مطبوع منتشر فی الأقطار وهو عمدة لأکثر المفسرین.

(۲) تفسیر السمر قندی:

مولفه نصر بن محمد السمر قندی، وکنیته (أبو اللیث توفی سنة ۳۸۳ هـ وکتابه یسمی (بحر العلوم) وهو تفسیر بالمأثور، یذکر فیه کثیرا من أقوال الصحابة والتابعین، غیر أنه لا یذکر الأسانید، وهو مخطوط فی مجلدین، و توجد نسخة منه فی مکتبة الأزهر.

(۳) تفسیر الثعلبی:

مولف هذا التفسیر هو أحمد بن إبراهیم الثعلبی النیسابوری، المقریء المفسر، کنیته (أبو اسحق) وقد توفی سنة ۳۲۷ ھ أما ولادته فلیست معروفة علی وجه الضبط، وکتابه یسمی (الکشف والبیان عن تفسیر القرآن)

یفسر القرآن بما ورد عن السلف، مع اختصاره للأسانید، اکتفاء بذکرها فی مقدمة الکتاب، ویتوسع فی الأبحاث النحویة والفقهیة، وهو مولع بالقصص والأخبار، ولهذا فإننا نجد

فی تفسیرہ قصصا اسرائیلیة نهایة فی الغرابة، بل منها ما هو باطل قطعا.

یقول ابن تیمیة عنه: ((الثعلبی فی نفسه فیه خیر و دین، ولکنه حاطب لیل))

وتفسیرہ مخطوط غیر کامل ینتهی إلی آخر سورة الفرقان وهو موجود بمکتبة الأزهر، و باقی الکتاب مفقود.

(۴) تفسیر البغوی:

مولف هذا التفسیر هو الحسین بن مسعود الفراء البغوی، الفقیه، المفسر المحدث الملقب بمحیی السنة، کنیته (أبو محمد) توفی سنة ۵۱۰ بعد أن جاوز الثمانین من العمر، وکان إماما جلیلا، ورعا زاهدا، جامعا بین العلم والعمل، وقد عده السبکی من أعلام علماء الشافعیة.

وقال ابن تیمیة فی مقدمته فی أصول التفسیر: ((والبغوی فی تفسیرہ مختصر من الثعلبی، ولکنه صأن تفسیرہ عن الأحادیث الموضوعة، والآراء المبتدعة.

وقد طبع هذا التفسیر مع تفسیر ابن کثیر. کما طبع مع تفسیر الخازن. و تفسیرہ هذا فیه بعض القصص الإسرائیلیة، ولکنه فی جملته أحسن وأسلم من کثیر من کتب التفسیر بالمأثور.

(۵) تفسیر ابن عطیة:

مولف هذا التفسیر هو عبدالحق بن غالب بن عطیة، الأندلسی، المغربی، الغرناطی، وکنیته (أبو محمد) ولد سنة ۴۸۱ھ و توفی سنة ۵۴۶ھ

کان نحویا لغویا، أدیبا شاعرا، علی غایة من الذکاء والدها، وقد تولی القضاء بالأندلس فی العصور الذهبیة للإسلام، و تفسیرہ یسمی (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز) وقد جمع فیه مولفه الأقوال التی ذکرها علماء (التفسیر بالماثور) وتحری ما هو أقرب إلی الصحة منها.

وابن تیمیة فی فتاواہ یعقد مقارنة بین تفسیر (ابن عطیة) وتفسیر (الزمخشری) فیقول: ((وتفسیر ابن عطیة خیر من تفسیر الزمخشری، وأصح نقلا و بحثا وأبعد عن البدع، وأن اشتمل علی بعضها، بل هو خیر منه بکثیر، بل لعله أرجح هذه التفاسیر))

وهذا الکتاب علی شهرته الواسعة، ومزایاہ الفریدة، لا یزال مخطوطاً إلی الیوم، وهو یقع فی عشر مجلدات "کبار" ولعل الله یوفق من یخرج لنا هذا الکنز الثمین، ویطبعه لیعم به نفعه.

(٦) تفسیر ابن کثیر:

مولف هذا التفسیر هو الحافظ عماد الدین (اسماعیل بن عمرو بن کثیر) القرشی الدمشقی کنیته (أبو الفداء) ولد سنة ٧٠٠ ھ وتوفی سنة ٧٧٤ ھ۔

کان ابن کثیر رحمه الله جبلا شامخا، وبحرا ذاخرا فی جمیع العلوم وخاصة فی التاریخ والحدیث والتفسیر، وکان إماما جلیلا متفننا فی أسلوب الکتابة والتألیف، قال الذهبی عنه:

((الإمام المفتی، المحدث البارع، فقیه متفنن، محدث متقن، مفسر نقال، وله تصانیف مفیدة))

وتفسیره هذا یسمی (تفسیر القرآن العظیم) وهو من أشهر ما دون فی التفسیر بالمأثور، و یعتبر الکتاب الثانی بعد کتاب الطبری، أعتنی فیه مولفه بالروایة عن مفسری السلف، فروی الأحادیث والآثار مسندة إلی أصحابها وتکلم عن بعضها بالجرح والتعدیل، ورد ما کان منها منکرا أو غیر صحیح وهکذا یعتبر تفسیره من أحسن ما کتب فی التفسیر بالمأثور. وطریقته فی التفسیر أنه یذکر الآیة، ثم یفسرها بعبارة سهلة موجزة، ویأتی لها بشواهد من آیات أخری، ویقارن بین هذه الآیات حتی یتبین المعنی ویظهر المراد، وهو شدید العنایة بهذا النوع من التفسیر، الذی یسمونه (تفسیر القرآن بالقرآن)

وأنا أنقل طرفا مما جاء فی مقدمة تفسیره، یقول طیب الله ثراه:

((فإن قال قائل فما أحسن طرق التفسیر؟ فالجواب: أن أصح الطریق فی ذلک أن یفسر القرآن بالقرآن، فما أجمل فی مکان فإنه قد بسط فی موضع آخر، فإن أعیاک ذلک فعلیک بالسنة فإنها شارحة للقرآن وموضحة له بل قد قال الإمام الشافعی رحمه الله تعالی: کل ما حکم به رسول الله ﷺ فهو مما فهمه من القرآن، قال الله تعالیٰ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ﴾ وقال ﷺ ((ألا وإنی أوتیت القرآن ومثله معه)) وممّا به ابن کثیر۔ انه ینبه الی مافی التفسیر بالماثور من منکرات الاسرائیلیات و یحذر منها و علی الجملة فعلم ابن کثیر یتجلی بالوضوح لمن یقراء تفسیره و تاریخه وهما من خیر ما ألف ومن افضل ماکتب و تفسیره هذه من اصح التفاسیر بالماثور ان لم یکن اصحها جمیعًا۔

(۷) تفسیر الجواهر:

مولف هذا التفسیر هو الإمام الجلیل عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبی' الجزائری المغربی المتوفی سنة ۸۷۶ هـ وتفسیر هذا من التفسیر بالمأثور نقل فیه أقوال السلف الصالح' و میزبین الصحیح والضعیف' و تفسیره هذا مطبوع.

(۸) تفسیر السیوطی:

مولف هذا التفسیر هو الإمام الحجة الثقة جلال الدین السیوطی' صاحب المولفات الشهیرة المولود سنة ۸۴۹ المتوفی سنة ۹۱۱ هـ وتفسیره هو المسمی (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور) قال فی مقدمته: إنه لخصه من کتاب ترجمان القرآن' وهو التفسیر المسند إلی رسول الله ﷺ وهو مطبوع بمصر' وقد ذکر فی کتابه الإتقان: أنه شرع فی تفسیر جامع لما یحتاج إلیه من التفاسیر المنقولة' والأقوال المعقولة' والاستنباط والإشارات والأعاریب واللغات' ونکت البلاغة ومحاسن البدیع وسماه (مجمع البحرین ومطلع البدرین) وهو غیر هذا التفسیر المسمی بالدر' وقد احصیت مولفاته فبلغت قریبا من خمس مائة. رحمه الله تعالی علی ما قدم فی سبیل خدمة العلم والدین.

ترجمہ: مشہور کتب تفسیر بالدرایہ وتفسیر بالروایہ اور تفسیر بالاشارہ اوران کے مولفین کا مختصر تعارف

نمبر شمار	تفسیر کا نام	مولف کا نام	تاریخ وفات	تفسیر کا مشہور نام
۱	جامع البیان فی تفسیر القرآن	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ ہجری	تفسیر طبری
۲	بحر العلوم	نصر بن محمد السمر قندی	۳۷۳ ہجری	تفسیر سمرقندی
۳	الکشف والبیان	احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری	۴۲۷ ہجری	تفسیر الثعلبی
۴	معالم التنزیل	الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۰ ہجری	تفسیر البغوی
۵	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	عبدالحق بن غالب الأندلسی	۵۴۶ ہجری	تفسیر ابن عطیة
۶	تفسیر القرآن العظیم	اسماعیل بن عمر الدمشقی	۷۷۴ ہجری	تفسیر ابن کثیر
۷	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی	۸۷۶ ہجری	تفسیر الجواہر
۸	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	جلال الدین سیوطی	۹۱۱ ہجری	تفسیر السیوطی

کتب تفسیر بالماثور کا تعارف

(۱) تفسیر ابن جریر

اس کے مولف ابن جریرؒ الطبر ی ہیں ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ آپ کی ولادت ۲۲۴ ہجری اور وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی کتاب تفاسیر بالماثور میں سب سے زیادہ بلند پایہ، صحیح ترین اور صحابہؓ و تابعین کے اقوال کو سب سے زیادہ جمع کرنے والی ہے آپ کی کتاب (تمام) مفسرین کا پہلا مرجع سمجھی جاتی ہے۔

(علامہ) شرف الدین نوویؒ فرماتے ہیں:

"تفسیر (کے علم و فن) میں ابن جریرؒ کی کتاب جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی۔"

اس تفسیر کی خصوصیات

(۱) علامہ ابن جریرؒ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کے ماثور اقوال پر اعتماد کرنا۔

(۲) اسانید اور اقوال مرویہ کو پیش کرنا اور آپ کا روایات (میں باہم اسانید) کا (ایک دوسرے پر) ترجیح دینا۔

(۳) آپ کا آیات میں ناسخ و منسوخ کا احاطہ کرنا (اور ان سب کو جمع کرنا) اور روایات کے طرق (اور اسناد) میں ان کے صحیح اور سقیم کو پہچاننا (یعنی صحیح روایت کو غیر صحیح سے پہچاننا)

(۴) آپ کا (الفاظ قرآنی میں) وجوہ اعراب کو ذکر کرنا اور آیات کریمہ سے احکام شرعیہ کا استنباط کرنا۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ ایک عظیم اور بلند پایہ کتاب ہے جو کئی امتیازی خصوصیاتِ کو جمع کئے ہوئے ہے مگر یہ کہ کبھی (اس کتاب میں) غیر صحیح اسانید کے ساتھ (روایات و) اخبار (آ جاتے ہیں) اور علامہ ابن جریرؒ ان کی عدم صحت پر متنبہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ بعض اخبار (و روایات) کو لاتے ہیں جو اسرائیلیات میں سے ہیں۔

آپ کی تفسیر (اطرف و) اکناف (عالم) میں پھیلی ہوئی، چھپی ہوئی (ملتی) ہے اور یہ اکثر مفسرین کے لیے (نہایت) عمدہ (کتاب) ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے اپنی تاریخ میں علامہ ابن جریرؒ کا تفصیلی تعارف آپ کے علم و فضل وعدالت اور ان کی مشہور تصانیف کا تعارف کرواتے جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) تفسیر قرآن (۲) تاریخ الامم والملوک (۳) کتاب القراءات

(۴) کتاب العدد والتنزیل (۵) اختلاف العلماء وتاریخ الرجال (۶) احکام شرائع الاسلام

(۷) التبصر فی اصول الدین وغیرہ

اس کے بعد جلیل القدر علماء کرام کے آپ کے بارے میں بلند پایہ اور اونچے درجہ کے تعریفی کلمات کو آپ کی تفسیر کے مختصر تعارف کو آپ کے اسلوب تالیف، تفسیر بالرائے کرنے والوں پر نقد شدید آپ کی نگاہ میں اجماع کی اہمیت، اسناد کے بارے میں آپ کا موقف، قراءات کے متعلق آپ کا زاویہ نگاہ کو اور بے مقصد امور سے احتراز، اسرائیلیات اور آپ کا معاملہ، کلام عرب سے استشہاد، جاہلی اشعار سے استدلال، نحوی مسائل کے تذکرہ کو آپ کی تفسیر میں احکام فقہیہ کی وضاحت و تفصیل، علم الکلام میں آپ کی ماہرانہ حیثیت، آپ کا علمی پایہ وغیرہ امور کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کیا۔ طالبان علوم قرآن اصل کتاب کی طرف مراجعت فرماویں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۹۰-۲۰۶)

ترجمہ: تفسیر سمرقندی

اس کے مولف نصر بن محمد السمر قندی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو اللیث ہے آپ کی وفات ۳۷۳ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی کتاب کا نام ''بحر العلوم'' ہے یہ تفسیر بالماثور ہے۔ آپ اپنی تفسیر میں صحابہؓ کرام و تابعینؒ عظام کے اقوال کو کثرت سے ذکر کرتے ہیں مگر یہ کہ آپ اسانید ذکر نہیں کرتے یہ دو جلدوں میں لکھی ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ (یعنی قلمی [1] نسخہ) کتب خانہ ازھر میں موجود ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم اپنی تاریخ میں مولف موصوف کا تفصیلی تعارف آپ کی دیگر تصانیف کا تذکرہ جن میں سے چند یہ ہیں۔
(۱) بحر العلوم جو تفسیر سمرقندی کے نام سے معروف ہے۔ (۲) کتاب النوازل (۳) خزانۃ الفقہ (۴) تنبیہ الغافلین (۵) البستان وغیرہ۔

آپ کی تاریخ ولادت وفات اور آپ کی تفسیر کی مفصل تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ تفسیر تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی اور ایک مخطوطہ کی شکل میں تین ضخیم جلدوں کی شکل میں دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔''

آخر میں فرماتے ہیں:

''مختصر یہ کہ تفسیر زیر تبصرہ ہر لحاظ سے مفید نافع اور تفسیر بالروایہ والدرایہ کا نادر گنجینہ ہے مگر اس میں نقل کا پہلو عقل پر غالب ہے اسی بنا پر ہم نے اس کو تفسیر بالماثور پر مشتمل کتب میں شمار کیا ہے۔'' (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۰۶-۲۰۸ ملخصاً)

ترجمہ: تفسیر ثعلبی

اس تفسیر کے مولف احمد الثعلبی نیشاپوری ہیں۔ آپ قاری اور مفسر تھے۔ آپ کی کنیت ابو اسحٰق ہے آپ کی وفات ۴۲۷ھ

---

[1] غالباً مولف کی اس سے مراد قلمی نسخہ ہے (نسیم)

میں ہوئی البتہ آپ کی ولادت کی تاریخ کو صحیح طور پر محفوظ کرنا معروف نہیں ہے۔ آپ کی کتاب کا نام ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' ہے۔

آپ قرآن کی تفسیر اسلاف کے واردشدہ (اقوال) سے مختصر اسانید کے ساتھ ان کا مقدمہ کتاب میں (ہی) ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے' کرتے ہیں۔ اور نحوی وفقہی ابحاث کو خوب پھیلا کر ذکر کرتے ہیں۔ آپ قصوں اور اخبار کے دالدادہ تھے۔ اسی لئے ہم ان کی تفسیر میں نہایت عجیب وغریب اسرائیلی قصے (بھی) پاتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض قصے تو بالکل باطل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اس تفسیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ثعلبی میں خود ان میں خیر اور دین ہے لیکن وہ حاطب اللیل [1] ہیں۔'' [2]

آپ کی تفسیر ایک مخطوطہ کی شکل میں نامکمل ہے جو سورۂ فرقان پر ختم ہو جاتی ہے یہ کتب خانہ ازھر میں موجود ہے اور کتاب کا باقی حصہ مفقود (گم شدہ اور لاپتہ) ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے اپنی تاریخ میں مولف کا تفصیلی تعارف کروایا ہے۔ اور ابن خلکانؒ کے ان کے بارے نہایت اعلیٰ کلمات ذکر کئے ہیں۔ اس کے بعد مولف موصوف کی تفسیر کا نہایت شرح وبسط کے ساتھ تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۰۸-۲۱۴)

ترجمہ: تفسیر بغوی

اس تفسیر کے مولف حسین بن مسعود الفراء البغوی ہیں آپ فقیہ مفسر محدث اور محی السنہ کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ نے ۵۱۰ ہجری میں اسی سال سے زائد عمر کے ہو کر وفات پائی۔ آپ بہت بڑے امام متقی (و پرہیز گار اور عابد) وزاہد اور علم وعمل کے جامع تھے۔ علامہ سبکیؒ نے آپ کو اکابر علماء شافعیہ میں شمار کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اصول تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''علامہ بغوی اپنی تفسیر میں ثعلبی سے زیادہ اختصار کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو موضوع احادیث اور اہل بدعت کے اقوال (وآراء) سے الگ رکھا ہے۔'' [3]

یہ تفسیر' تفسیر ابن کثیر کے ساتھ طبع ہو چکی ہے جیسے کہ یہ تفسیر خازن کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔ اس میں بعض اسرائیلی قصے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر یہ (دیگر) بہت ساری کتب تفسیر بالماثور سے بہتر اور محفوظ ہے۔

---

[1] حاطب اللیل رات کو لکڑیاں چننے والا یعنی رطب ویابس ہر قسم کی روایات کو بلا احتیاط کے ذکر ونقل کرنے والا مراد ہے۔ (نسیم)

[2] دیکھئے اصول التفسیر لابن تیمیہ صفحہ ۱۹۔

[3] دیکھئے مقدمہ اصول التفسیر لابن تیمیہ صفحہ ۱۹۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے مولف کا تفصیلی تعارف' آپ کا مبلغ علم اور آپ کی دیگر مشہور تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) معالم التنزیل (۲) شرح السنہ (۳) المصابیح (۴) الجمع بین الصحیحین (۵) التہذیب فی الفقہ۔

آگے فرماتے ہیں:

''آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے آپ کی تصانیف بہت مقبول ہوئیں۔''

اس کے بعد آپ کی تصنیف ''معالم التنزیل'' (تفسیر بغوی) کا تفصیلی تعارف کرواتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون (حاجی خلیفہ) اور علامہ ابن تیمیہ اور الکتانی ؒ کے اقوال نقل کر کے تفسیر کی امتیازی خصوصیات کو نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۱۴-۲۱۷)

ترجمہ: تفسیر ابن عطیہ

اس تفسیر کے مولف عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' مغربی' غرناطی ہیں۔ آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ آپ کی ولادت ۴۸۱ ہجری اور وفات ۵۴۶ ہجری میں ہوئی۔

آپ نحوی' لغوی' ادیب شاعر اور نہایت ذہین اور عقل مند تھے۔ آپ اسلام کے عہد زرین میں اندلس کے عہد قضا پر مامور تھے۔ آپ کی تفسیر کا نام ''المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز'' ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں ان اقوال کو جمع کیا جن کو علماء تفسیر بالماثور نے ذکر کیا اور آپ نے ان میں اقوال کی جستجو کی جو صحت کے زیادہ قریب تھے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں تفسیر ابن عطیہ اور تفسیر زمخشری میں موازنہ قائم کیا ہے اور فرماتے ہیں:

''تفسیر ابن عطیہ تفسیر زمخشری سے بہتر ہے اور نقل اور بحث کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور اہل بدعت کے اقوال سے دور ہے۔ اگرچہ بعض بدعتی اقوال پر (بھی) مشتمل ہے لیکن یہ تفسیر زمخشری سے بہت درجہ بہتر ہے۔ بلکہ شاید یہ ان تفاسیر میں سب سے زیادہ راجح ہے۔'' [1]

یہ تفسیر اپنی بے حد شہرت اور منفرد خصوصیات کے باوجود آج تک مخطوطہ (کی شکل) میں ہے (اور زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی) یہ بیس بڑی بڑی جلدوں میں ہے۔ شاید اللہ کسی کو توفیق دے اور وہ ہمارے لئے یہ قیمتی خزانہ نکال لائے اور اس کو طبع کرائے تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

توضیح

اس تفسیر کے مولف جب اندلس میں قاضی تھے تو نہایت عدل وانصاف سے فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ علامہ حریریؒ نے آپ

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲۔

کے مبلغ علم اور اسلوب نگارش اور اس کے بارے میں ابن خلدونؒ مفسر ابوحیان اور علامہ ابن تیمیہؒ کے تفصیلی اقوال نقل کئے ہیں۔(تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۱۷-۲۲۰)

ترجمہ: تفسیر ابن کثیر

اس تفسیر کے مولف کا نام ''حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمرو بن کثیر'' القرشی الدمشقی ہے آپ کی کنیت ابوالفداء ہے آپ کی ولادت ۷۰۰ ہجری میں اور وفات ۷۷۴ ہجری میں ہوئی۔

ابن کثیرؒ تمام علوم میں اور خاص طور پر تاریخ حدیث اور تفسیر میں (علم کے) ایک عظیم پہاڑ اور ایک بہت بڑے بلند پایہ عالم تھے۔آپ بہت بڑے امام اور کتابت (وانشاپردازی) اور تالیف کے اسلوب کے بڑے ماہر تھے۔علامہ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

''آپ امام مفتی' باکمال محدث' ماہر فقیہ مضبوط محدث اور مفسر تھے۔آپ کی بہت سی مفید تصانیف ہیں۔''

آپ کی اس تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن العظیم'' ہے اور یہ تفسیر بالماثور میں مدون ہونے والی تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ مشہور تفسیر ہے اور اس کو کتاب الطبری کے بعد دوسرے درجہ پر گردانا جاتا ہے۔اس کے مولف نے اس تفسیر میں سلف مفسرین کی روایت کی طرف توجہ دی ہے۔چنانچہ انہوں نے احادیث وآثار کو ان کے اصحاب تک سندؔ کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے۔اور بعض روایات پر جرح وتعدیل کا کلام بھی فرمایا ہے۔اور جو ان میں منکر اور غیر صحیح تھیں ان کو رد کر دیا۔اسی لئے ان کی تفسیر' تفسیر بالماثور میں لکھی جانے والی کتب میں سب سے بہتر جانی جاتی ہے۔آپ کا تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک آیت ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کی آسان (اور) مختصر عبارت کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور پھر اس تفسیر کے دوسری آیات سے شواہد ذکر کرتے ہیں۔اور ان آیات کے درمیان موازنہ کرتے ہیں یہاں تک کہ معنی واضح ہو جائے اور مراد ظاہر ہو جائے وہ اس طرح کی تفسیر کی طرف نہایت توجہ دیتے ہیں جس کو مفسرین ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کہتے ہیں۔اور میں' انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں جو ذکر کیا ہے' اس کی چیدہ چیدہ باتوں کو نقل کرتا ہوں ''اللہ ان کی قبر کو خوشبودار کرے۔'' (آمین)

(آپ فرماتے ہیں) اگر کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی قرآن سے تفسیر کرے۔کیونکہ جو بات ایک جگہ مجمل ہے وہ دوسری جگہ تفصیل سے ہے اور اگر تجھ کو یہ بات دشوار ہو تو تجھ پر سنت کو لینا لازم ہے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور اس کو واضح کرنے والی ہے۔بلکہ تحقیق امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:

''آپؐ نے جس بات کا بھی حکم بیان کیا ہے وہ آپؐ نے قرآن سے سمجھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ۱۰۵)

''بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھائے تجھ کو اللہ۔'' (تفسیر

عثمانی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الا وإني أوتيت القرآن ومثله معه.

''سن لو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی۔'' ❶

اور تفسیر ابن کثیر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفسیر بالماثور میں اسرائیلیات کے منکرات پر تنبیہ کرتے ہیں۔ اور ان سے بچاتے (اور ڈراتے) ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ (علامہ) ابن کثیرؒ کا علم اس شخص پر کھل کر روشن ہوتا ہے جو ان کی تفسیر اور ان کی تاریخ (کا مطالعہ کرتا ہے اور اس) کو پڑھتا ہے۔ یہ دونوں کتابیں (تفسیر ابن کثیر اور تاریخ ابن کثیر) آپ کی تالیفات میں سے سب سے (عمدہ اور بہتر ہیں۔ اور جو کچھ آپ نے لکھا اس میں سب سے افضل ہے۔ اور آپ کی یہ تفسیر، تفسیر بالماثور میں لکھی جانے والی تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ صحیح ہے اگرچہ یہ خود تمام کی تمام اصح نہیں ہے۔

توضیح

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے علوم القرآن صفحہ ۵۰۱-۵۰۲ پر تفسیر ابن کثیر کا تفصیلی تعارف و تقابل پیش کیا ہے۔

اور علامہ حریری مرحوم نے نہایت تفصیل کے ساتھ مولف موصوف کا تعارف آپ کا مسلک، اساتذہ حق پرستی کی وجہ سے آپ پر ہونے والے مظالم وظلم وستم آخر عمر میں بینائی کے چلے جانے اور اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن ہونے اور آپ کا علمی پایہ، تفسیر کا مکمل تعارف اور اس پر تبصرہ نقل کیا ہے۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۱-۲۲۵)

ترجمہ: تفسیر الجواہر

اس تفسیر کے مولف امام جلیل عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی الجزائری المغربی ہیں۔ آپ کی وفات ۸۷۶ ہجری میں ہوئی۔

آپ کی یہ تفسیر ''تفسیر بالماثور'' ہے۔ آپ نے اس میں سلف صالحین کے اقوال نقل کئے ہیں اور اس میں صحیح اور ضعیف میں امتیاز کیا ہے آپ کی یہ تفسیر چھپ چکی ہے (اور زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے)

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے مذکور تفسیر کا مکمل نام مولف کا تعارف، زمانہ طالب علمی کے احوال اساتذہ شیوخ سے استفادہ اور دیگر تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں چند یہ ہیں۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۔

(۱) الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن

(۲) الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز

(۳) تحفۃ الاخوان فی اعراب بعض آیات القرآن

(۴) جامع الامہات فی احکام العبادات

اس کے بعد آپ کی وفات، سن وفات جائے تدفین کا ذکر کیا۔ پھر مولف موصوف کے اسلوب نگارش وطرز بیان کو نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۶ - ۲۲۸)

ترجمہ: تفسیر السیوطیؒ

اس تفسیر کے مولف وہ امام الحجۃ، الثقۃ جلال الدینؒ السیوطی ہیں۔

آپ کی بہت مشہور تالیفات ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۴۹ ہجری میں اور وفات ۹۱۱ ہجری میں ہوئی آپ کی اس تفسیر کا نام ''الدر المنثور فی التفسیر بالماثور'' ہے۔

آپ تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ ''آپ نے اس تفسیر کو ''کتاب ترجمان القرآن'' سے تلخیص کیا ہے۔ (یعنی آپ کی یہ تفسیر ترجمان القرآن کا خلاصہ ہے)

اور اس تفسیر کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے (یعنی اس تفسیر میں اسناد کا اہتمام کیا گیا ہے) یہ تفسیر مصر میں چھپ چکی ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ایک تفسیر کو شروع کیا جو ان تمام باتوں کو جامع ہو جن کی تفاسیر منقولہ اور اقوال معقولہ، اور استنباط اور اشارات اور اعراب اور لغات اور نکات بلاغت اور محاسن بدیع میں ضرورت ہوتی ہے اور اس کا نام انہوں نے ''مجمع البحرین ومطلع البدرین'' رکھا۔ یہ اس تفسیر کے علاوہ ہے کہ جس کا نام ''الدر المنثور'' ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) میں نے ان کی تالیفات کو شمار کیا۔ تو وہ تقریباً (۵۰۰) تک پہنچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ پر انہوں نے جو علم اور دین کی راہ میں جو خدمات پیش کی ہیں ان کی بنا پر ان پر رحم فرمائے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے مولف موصوف کا نام ونسب سیر وسوانح، تعلیم وتعلم، اساتذہ ومشائخ، علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کی دستگاہ، ان کے طرز تفسیر پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ (دیکھئے تاریخ مفسر ومفسرین صفحہ ۲۲۹ - ۲۳۱)

أشهر كتب التفسير بالدراية (بالرأى)

الرقم	اسم الكتاب	اسم المولف	تاريخ الوفاة	الشهرة
١	مفا تيح الغيب	محمد بن عمر بن الحسين الرازى	٦٠٦هـ	تفسير الرازى
٢	أنوار التنزيل و أسرار التأويل	عبدالله بن عمر البيضاوى	٦٨٥ هـ	تفسير البيضاوى
٣	لباب التأويل فى معانى التنزيل	عبدالله بن محمد المعروف بالخازن	٧٤١هـ	تفسير الخازن
٤	مدارك التنزيل وحقائق التأويل	عبدالله بن أحمد النسفى	٧٠١ هـ	تفسير النسفى
٥	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	نظام الدين الحسن محمد النيسا بورى	٧٢٨ هـ	تفسير النيسابورى
٦	ارشاد العقل السليم	محمد بن محمد بن مصطفى الطحاوى	٩٥٢ هـ	تفسير أبى السعود
٧	البحر المحيط	محمد بن يوسف بن حيان الأندلسى	٧٤٥ هـ	تفسير أبى حيان
٨	روح المعانى	شهاب الدين محمد الألوسى البغدادى	١٢٧٠ هـ	تفسير الآوسى
٩	السراج المنير	محمد الشربينى الخطيب	٩٧٧ هـ	تفسير الخطيب
١٠	تفسير الجلالين	١- جلال الدين المحلى ٢- جلال الدين السيوطى	٨٦٤ هـ ٩١١ هـ	تفسير الجلالين

التعريف بكتب التفسير بالرّأى

(١) تفسير الفخر الرازى:

مولف هذا التفسير هو العلامة الشيخ محمد بن عمر الرازى المتوفى سنة ٦٠٦ هـ وتفسيره يسمى (مفاتيح الغيب) وقد سلك فى تفسيره' مسلك الحكماء الإلهيين' فصاغ أدلته فى

مباحث الإلهيات، ورد على المعتزلة والفرق الضالة بالحجج الدامغة، والبراهين القاطعة، و تعرض لشبهات المنكرين والجاحدين بالنقض والتفنيد، و تفسيره من أوسع التفاسير فى موضوع علم الكلام، كما أنه فى العلوم الطبيعية والكونية إمام جليل، فقد تكلم عن الأفلاك والأبراج و عن السماء والأرض، والحيوان والنبات، وفى أجزاء الإنسان، بشكل واسع وغرضه نصرة الحق وإقامة البراهين على وجود الله عزوعلا والرد على أهل الزيغ والضلال.

(٢) تفسير البيضاوى:

مولف هذا التفسير هو العالم الجليل الشيخ عبدالله البيضاوى المتوفى سنة ٦٨٥ هـ وتفسيره يسمى (أنوار التنزيل) وهو كتاب جليل دقيق، جامع بين الرواية والدراية وهو يقرر الأدلة على مذهب أهل السنة، وهو حجة ثبت، وقد التزم أن يختم كل سورة بما روى فى فضلها من الأحاديث، غير أنه لم يتحر الصحيح، وله حواش عديدة أشهرها حاشية الشهاب الخفاجى وحاشية سعدى آفندى.

(٣) تفسير الخازن:

مولف هذا التفسير الإمام عبدالله بن محمد المشهور بالخازن المتوفى سنة ٧٤١ هـ وتفسيره يسمى (لباب التأويل فى معانى التنزيل) وهو تفسير مشهور يعنى بالمأثور، بيد أنه لا يذكر السند، وعبارته سهلة لا تعقيد فيها، ولا غموض وله ولوع بالتوسع فى الروايات والقصص، وقد يذكر فى تفسيره بعض الروايات الإسرائيلية لينبه على ما فيها من باطل، فيسوق القصة الطويلة ثم يحكم عليها بالضعف او الكذب، ولكنه فى بعض الأحيان يسكت عنها حتى يظن القارئ أن هذه الرواية صحيحة، وبالجملة فتفسيره حسن رائع لولا كثرة ما فيه من قصص وروايات لا يحسن ذكرها لكونها ضعيفة أو مكذوبة.

(٤) تفسير النسفى:

مولف هذا التفسير هو الشيخ العالم الزاهد عبدالله بن أحمد النسفى المتوفى سنة ٧٠١ هـ وتفسيره يسمى (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) وهو تفسير جليل، متداول مشهور، سهل و دقيق، يعتبر بالنسبة لبقية التفاسير بالرأى أوجز تفسير وأوسطه، قال فيه صاحب كشف الظنون: ((هو كتاب وسط فى التأويلات جامع لوجوه الإعراب والقراء ات، متضمن لدقائق علم البديع والإشارات، مرشح لأقاويل أهل السنة والجماعة، خالٍ من أباطيل أهل البدع والضلاة، ليس

بالطويل الممل، ولا بالقصير المخل)) اهـ

(۵) تفسير النيسا بورى:

مولف هذا التفسير هو الشيخ نظام الدين الحسن محمد النيسابورى المتوفى ۷۲۸ هـ وتفسيره يسمى (غرائب القرآن و رغائب الفرقان) ويمتاز هذا التفسير بسهولة عبارته و بتحقيق ألفاظه، مع خلوه من الحشو والتعقيد، وقد عنى بأمرين يلتزمهما: الكلام على القراء ات، والكلام على التفسير الإشارى، وهو مطبوع طبعة شهيرة على هامش تفسير ابن جرير، وهو مختصر لتفسير الفكر الرازى مع تهذيب كبير.

(٦) تفسير أبى السعود:

مولف هذا التفسير العالم اللغوى، الحجة الضليع، القاضى محمد بن محمد بن مصطفى الطحاوى، المشهور بأبى السعود، المتوفى، سنة ۹۵۲ هـ وتفسيره هذا يعتبر من أحسن التفاسير وأجمعها، لأنه غاية فى حسن الصوغ، وجمال التعبير، كشف فيه عن أسرار البلاغة القرآنية، والحكم الربانية، يستهويك حسن تعبيره، ويروقك سلامة تفكيره، ويروعك ما أخذ نفسه به من تجلية بلاغة القرآن، والعانية فى بيان إعجازه مع سلامة فى الذوق و محافظة على عقائد أهل السنة، وبعد عن الحشو والتطويل، و تفسيره دقيق يحتاج لفهمه الخاصة من أهل العلم.

(۷) تفسير أبى حيان:

مولف هذا التفسير هو الشيخ محمد بن يوسف بن حيان الأندلسى المتوفى سنة ۷۴۵ هـ وتفسيره يسمى (البحر المحيط) وهو فى ثمانى مجلدات ضخمة وقد جمع المولف فيه فنون العلوم من نحو وصرف و بلاغة وأحكام فقهية إلى غير ما هنالك و يعتبر هذا التفسير مرجعا هاما من مراجع التفسير، وعبارته سهلة ليس فيها تعقيد أو غموض، وسماه البحر المحيط لكثرة ما فيه من علوم متنوعة تتعلق بمادة التفسير.

(۸) تفسير الألوسيى:

مولّف هذا التفسير هو الإمام العالم الجهبذ شهاب الدين السيد محمود الألوسيى المتوفى سنة ۱۲۷۰ هـ مفتى بغداد، حجة الأدباء، وقدوة العلماء، ومرجع أهل الفضل والعرفان، كان رحمه الله على جانب عظيم من الفهم والعلم وسعة الإطلاع، وكتابه المسمى (روح المعانى) جامع

لآراء السلف رواية و دراية، مشتمل على أقوال أهل العلم، جامع لخلاصة ما سبقه من التفاسير، وهو شديد النقد للروايات الإسرائيلية، يعتني بالتفسير الإشاري، وبوجوه البلاغة والبيان، ويعتبر تفسيره من خير المراجع في علم التفسير بالرواية والدراية والإشارة.

تفسیر بالدرایہ (یعنی تفسیر بالرائے) کی مشہور کتابیں

نمبر شمار	کتاب کا نام	مولف کا نام	تاریخِ وفات	کتاب کا مشہور نام
۱	مفاتیح الغیب	محمد بن عمر بن الحسین الرازی	۶۰۵ھ	تفسیر الرازی
۲	انوار التنزیل واسرار التاویل	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵ھ	تفسیر البیضاوی
۳	لباب التاویل فی معانی التنزیل	عبداللہ بن محمد المعروف بالخازن	۷۴۱ھ	تفسیر الخازن
۴	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۰۱ھ	تفسیر النسفی
۵	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	نظام الدین الحسن محمد النیشاپوری	۷۲۸ھ	تفسیر النیشاپوری
۶	ارشاد العقل السلیم	محمد بن محمد بن مصطفیٰ الطحاوی	۹۵۲ھ	تفسیر ابی السعود
۷	البحر المحیط	محمد بن یوسف بن حیان الأندلسی	۷۴۵ھ	تفسیر ابی حیان
۸	روح المعانی	شہاب الدین محمد الالوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ	تفسیر الالوسی
۹	السراج المنیر	محمد الشربینی الخطیب	۹۷۷ھ	تفسیر الخطیب
۱۰	تفسیر الجلالین	۱- جلال الدین المحلی ۲- جلال الدین السیوطی	۸۴۶ھ ۹۱۱ھ	تفسیر الجلالین

لغات: نقض: اعتراض، دوسرے کو حکم باطل کرنا۔ تنفید: فیصلہ کا اجراء یعنی دوسرے پر حجت قائم کرنا۔ جاحد: دانستہ انکار کرنیوالا، جان بوجھ کر جھٹلانے والا۔ حکماء الهيين: تھیالوجسٹ۔ علوم طبیعیہ: فزیکل سائنس۔ علم کوینہ: کائناتی علوم، یونیورسل سائنسز۔

ترجمہ: کتب تفسیر بالرائے کا تعارف

(۱) تفسیر فخر الرازیؒ

اس تفسیر کے مولف علامہ شیخ محمد بن عمر الرازیؒ ہیں۔ آپ کی وفات ۶۰۶ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا نام ''مفاتیح الغیب'' ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں حکماء الٰہیین ❶ (تھیالوجسٹ) کی روش اختیار کی۔ انہوں نے اپنے دلائل کو مباحث الٰہیات کی شکل میں ڈھال دیا۔ اور معتزلہ اور گمراہ (بھٹکے ہوئے) فرقوں پر نا قابل تردید دلائل اور براہین قاطعہ (اور ٹھوس دلائل) کے ساتھ رد کیا اور نقض اور تنفید کے انکار کرنے والوں اور منکرین کے شبہات سے تعرض کیا۔ (اور ان کے درپے ہوئے) ان کی تفسیر علم الکلام کے موضوع پر سب تفاسیر سے زیادہ وسعت والی ہے۔ جیسا کہ وہ علوم طبیعیہ ❷ اور علوم کونیہ (علم الافلاک) کے جلیل (القدر) امام تھے۔ انہوں نے افلاک اور برجوں' اور زمین اور آسمان اور حیوان اور نباتات' اور انسان کے اجزاء کے بارے میں نہایت وسیع صورت میں کلام کیا۔ آپ کی غرض (اس قسم کے دلائل سے) حق کی نصرت' اللہ عزوجل کے وجود پر دلائل کا قائم کرنا اور اہل زیغ وضلال پر رد کرنا تھی۔

توضیح

علامہ غلام احمد حریری نے امام رازی کی سیرت وسوانح اور آپ کے کسب علوم وفیض اساتذہ ومشائخ اور زمانہ طالب علمی کے احوال کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

علامہ لکھتے ہیں: ''آپ نے مختلف اور متعدد علوم میں لازوال تصانیف کا ایک ذخیرہ باقی چھوڑا۔ یہ تمام تصانیف بلا دو دیار میں پھیل گئیں لوگ ان تصانیف سے استفادہ کرنے لگے۔ اور متقدمین کی کتب کو نظر انداز کر دیا۔ ان کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مفاتیح الغیب (جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ومعروف ہے)

(۲) تفسیر سورۂ فاتحہ (تفسیر کبیر کی جلد اول یہی ہے)

(۳) المطالب العالیہ (یہ علم الکلام کے موضوع پر تصنیف ہے)

(۴) کتاب البیان والبرہان

(۵) المحصول فی اصول الفقہ

(۶) الملخص (یہ اصول فلسفہ میں ہے)

---

❶ (جو لوگ خدا کی ذات وصفات پر بحث وتحقیق کریں انہیں الٰہیین یعنی تھیالوجسٹ کہتے ہیں۔'' (اور علم الٰہیات کو علم الکلام (تھیالوجی) کہتے ہیں۔ (نسیم) ❷ فزیکل سائنس۔

(۷) شرح اشارات (یہ بوعلی سینا کی تصنیف کی شرح ہے)

(۸) شرح عیون الحکمۃ

(۹) السّر المکنون

(۱۰) شرح المفصل

(۱۱) شرح الوجیز فی الفقہ للغزالی (یہ امام غزالیؒ کی کتاب کی شرح ہے)

اس کے علاوہ ان کی دیگر کتب بھی ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: ''امام رازی کی تفسیر آٹھ مجلدات میں تھی۔ حال ہی میں یہ کتاب نہایت حسین طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہوکر مصر کے مکتبہ البہیہ سے بتیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ابن قاضی شہبہ کہتے ہیں کہ امام رازی اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے۔ ابن خلکان نے بھی اس کی تاکید کی ہے۔ (وفیات الاعیان جلد۲ صفحہ ۲۶۷)

رہا یہ سوال کہ پھر اس کو کس نے مکمل کیا اور آپ نے یہ تفسیر کہاں تک لکھی تھی۔ تو اس بارے میں علامہ ابن حجرؒ یہ فرماتے ہیں:

''تفسیر کبیر کو احمد بن محمد بن ابوالحزم مکی نجم الدین مخزومی مصری نے مکمل کیا۔'' (الدار الکامنہ جلد۱ صفحہ ۳۰۴)

حاجی خلیفہ کے بقول:

''شیخ نجم الدین احمد بن محمد نے تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا جو حصہ ناقص تھا اس کی تکمیل شہاب الدین بن خلیل دمشقی نے کی۔'' (کشف الظنون جلد۲ صفحہ ۲۹۹)

اسی طرح یہ بھی متنازعہ امر ہے کہ امام صاحبؒ نے یہ تفسیر کہاں تک لکھی۔ کشف الظنون کے حاشیہ پر یہ بات مرقوم ہے کہ سید مرتضٰی نے شہاب خفاجی کی شرح شفاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے یہ تفسیر سورۃ انبیاء تک لکھی تھی۔ (کشف الظنون جلد۲ صفحہ ۲۹۹)

اس کے بعد شہاب الدین دمشقی نے اس کا تکملہ لکھنا شروع کیا مگر وہ پورا نہ لکھ سکے۔ پھر شیخ نجم الدین نے باقی ماندہ حصہ کو پورا کیا۔

آگے چل کے علامہ مرحوم لکھتے ہیں: ''حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کا قاری ہرگز یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک شخص کی تصنیف ہے یا متعدد اشخاص کی۔ پوری کتاب میں اسلوب نگارش سر مو بدلنے نہیں پایا۔ پوری کتاب اتحاد و یگانگت کا نادر مجموعہ ہے کہ کوئی شخص یہ نشاندہی نہیں کر سکتا کہ امام رازیؒ نے یہاں تک لکھا ہے۔

اس کتاب کو علماء کے حلقہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ ان کے ٹھوس علمی مباحث ہیں۔ جو مختلف انوع علوم وفنون سے متعلق ہیں۔

ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

''امام رازی نے اس تفسیر میں ہر انوکھی بات پکی کر دی ہے۔'' (وفیات الاعیان جلد۲ صفحہ ۲۶۷)

اس کے بعد علامہ مرحوم نے اس تفسیر میں شامل کئے گئے علوم مثلاً ربط آیات سور' ریاضی وفلسفہ' علم الافلاک کا تذکرہ۔ علم الٰہیات کے مباحث اور فلسفہ کے دلائل کا تعارف کروایا ہے۔ اس کے بعد کتاب میں فقہ' اصول' نحو' بلاغت اور جملہ علوم کہ جو کتاب میں شامل ہیں ان کا تعارف کروایا ہے (دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۶۳-۲۶۸)

ترجمہ: (۲) تفسیر البیضاوی

اس تفسیر کے مولف امام الجلیل شیخ عبداللہ بیضاوی ہیں۔ آپ کی وفات ۶۸۵ ھ میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا نام انوار التنزیل (واسرار التاویل) ہے یہ ایک (نہایت بلند پایہ) جلیل (القدر اور) دقیق کتاب ہے جو روایت اور درایت (دونوں) کو جامع ہے آپ اہل سنت کے دلائل کو مضبوط کرتے ہیں۔ آپ حجت اور ثبت (قابل اعتبار) ہیں۔ آپ نے ہر سورت کو اس کے بارے میں مروی فضائل کی احادیث پر ختم کرنے کا اہتمام (اور التزام) کیا مگر یہ بات ہے کہ آپ نے صحیح (احادیث) کی تلاش (وجستجو) نہیں کی۔

(اور صحیح احادیث ہی کے لینے کا اہتمام نہیں کیا) تفسیر بیضاوی کے کئی حواشی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور حاشیہ شہاب خفاجیؒ اور سعدیؒ آفندیؒ کا ہے۔

توضیح

علامہ حریریؒ نے انوار التنزیل کے مولف کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے۔

''آپ شافعی المسلک تھے۔ اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ پر فائز ❶ تھے۔ اس کے بعد آپ کے بارے میں ابن شہبہؒ تاج الدین سبکیؒ ابن حبیب و دیگر اکابر کے تعریفی وتوصیفی کلمات نقل کرتے ہیں۔

ابن حبیب کہتے ہیں:

''سب علماء بیضاوی کی تصانیف کے ثنا خواں ہیں۔ اگر آپ نے ''اطمینان'' کے سواء اور کوئی کتاب تصنیف نہ کی ہوتی تو یہی کافی تھی۔ آپ شیراز کے قاضی تھے۔''

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) کتاب المنہاج وشرحہ فی اصول الفقہ

(۲) کتاب الوالع فی اصول الدین

(۳) انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر

یہ تینوں کتابیں علماء میں مشہور اور متداول ہیں۔

---

❶ اسی لئے آپ کا معروف نام قاضی بیضاوی ہے۔ (نسیم)

تفسیر کے تعارف میں لکھتے ہیں: یہ تفسیر متوسط الحجم اور تفسیر و تاویل دونوں کو جامع ہے یہ عربی زبان کے قواعد اور اہل سنت کے اصول وضوابط پر مشتمل ہے اگر چہ بعض اوقات وہ صاحب کشاف کے معتزلی عقائد سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔

سورتوں کے اختتام میں ان کے فضائل سے متعلقہ احادیث لانے میں انہوں نے صاحب کشاف کی پیروی کی ہے۔ اگر چہ بالاتفاق ان میں سے بعض احادیث موضوع ہیں۔

اس تفسیر میں امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور امام راغب اصفہانی کی تفسیر سے بھرپور استفادہ ہے۔ آپ کا اسلوب نگارش دلکش اور جاذب توجہ ہے۔ بعض عبارات حد درجہ کی عمیق اور مغلق ہیں کہ ایک ذہین اور فطین آدمی ہی ان کو سمجھ سکتا ہے۔ بسا اوقات مختلف قراءات کا تذکرہ بھی کر جاتے ہیں۔

تفسیر میں نحوی مسائل سے بھی تعرض ہے آیات الاحکام کی تفسیر میں فقہی مسائل کے بیان کا بھی اہتمام نظر آتا ہے۔ مسلک شافعی کی تائید فرماتے ہیں۔ اور نزاعی مسائل میں معتزلہ اور اہل سنت دونوں کا موقف بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ مرحوم تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

''خداوند کریم نے اس کتاب کو حسن قبول سے نواز اور علماء نے اس کو اپنی توجہات کا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ بعض علماء نے فقط اس کی ایک سورت پر حاشیہ لکھا اور بعض نے تمام پر۔ اور بعض نے کچھ پر تفسیر بیضاوی کے تقریباً ۴۰ حواشی ہیں۔ مشہور اور مفید ترین حواشی تین ہیں۔''

(۱) حاشیہ قاضی زادی (جس کو شیخ زادہ بھی کہتے ہیں)

(۲) حاشیہ شہاب خفاجی

(۳) حاشیہ القونوی (کشف الظنون جلد ا صفحہ ۱۲۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفسیر بیضاوی کو امہات کتب تفسیر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ تفسیر متداول ہے ہر جگہ دستیاب ہے۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۶۸-۲۷۲ ملخصاً)

ترجمہ: (۳) تفسیر خازن

اس تفسیر کے مولف امام عبداللہ بن محمد المعروف ''خازن'' ہیں۔ آپ کی وفات ۷۴۱ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا (پورا) نام ''لباب التاویل فی معانی التنزیل'' ہے۔ یہ تفسیر بالماثور میں (نہایت) مشہور تفسیر ہے مگر یہ کہ آپ اس میں سند ذکر نہیں کرتے۔ اس کی عبارت سہل ہے کہ جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ اور نہ ہی اس میں کوئی گہری (عمیق و دقیق) باتیں ہیں۔ آپ قصص وروایات کو پھیلانے کے دلدادہ ہیں۔ اور کبھی آپ کسی آیت کی تفسیر میں اسرائیلی روایت ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے باطل پر تنبیہ کریں۔ چنانچہ وہ ایک طویل قصہ ذکر کریں گے۔ (فارغ ہو کر پھر) اس پر ضعف یا جھوٹ ہونے کا فیصلہ صادر

فرمائیں گے۔ لیکن کبھی کبھی وہ ان سے سکوت بھی فرماتے ہیں (یعنی ان قصوں کی بابت کچھ نہیں فرماتے کہ آیا ضعیف ہیں یا جھوٹے یا صحیح) یہاں تک کہ پڑھنے والا انہیں صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔

بہر حال آپ کی تفسیر اچھی اور عمدہ ہے اگر اس میں قصص وروایات کی کثرت نہ ہوتی کہ جن کا ذکر بہتر نہ تھا کیونکہ وہ ضعیف اور جھوٹے ہیں۔

توضیح

علامہ حریری ان کے نام کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے کہ خازن ''لائبریرین'' کو کہتے ہیں ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ آپ دمشق کی ایک خانقاہ کی لائبریری کے انچارج (یعنی خازن) تھے۔ مسلکاً شافعی تھے۔ پھر علامہ مرحوم ان کے اساتذہ آپ کی علم سے حد درجہ دلچسپی کو ذکر کر کے ان کی کتب کا تعارف کرواتے ہیں کہ آپ نے مندرجہ ذیل کتب لکھیں۔

(۱) لباب التاویل فی معانی التنزیل

(۲) شرح عمدۃ الاحکام

(۳) مقبول المنقول

یہ دس ضخیم مجلدات میں ہے۔ ان میں علامہ خازنؒ نے مسند احمدؒ وشافعیؒ وصحاح ستہ وموطا اور دار قطنیؒ کو یکجا کر کے ان کو ابواب کے تحت مرتب کیا ہے۔

(۴) طویل وضخیم سیرۃ النبیؐ۔

آپ صوفی منش ہنس مکھ اور خوش مزاج عالم دین تھے۔ ❶

اس کے بعد علامہ مرحوم ان کی تفسیر کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ امام بغوی کی معالم التنزیل سے مختصر اور اس میں حذف اسانید کے ساتھ بے جا طوالت سے احتراز ہے۔ اسرائیلیات کی کثرت ہے کہ جو علم صحیح اور عقل کی ترازو پر پورے اترنے والی روایات نہیں۔ تاریخی روایات اور فقہی مسائل کا تذکرہ اور ایک خصوصی صفت وعظ گوئی' ترغیب وترہیب اور رقت قلب سے متعلق مضامین کی کثرت ہے۔''

آخر میں علامہ لکھتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ

''یہ تفسیر مختلف اور متنوع علوم وفنون کی جامع ہے مگر افسوس کہ اسرائیلیات کی شہرت نے اس تفسیر کو نقصان پہنچایا ہے اسی لئے یہ ایک با اعتماد تفسیر نہیں سمجھی جاتی ہے کیا اچھا ہو کہ کوئی خدا کا بندہ اس کے صحیح وضعیف کو چھانٹ کر الگ الگ کر دے۔ یہ کتاب سات اجزاء پر مبنی ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے۔''

❶ بعض خشک مزاج لوگ اس قسم کی عادات کو تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ (نسیمؔ)

ترجمہ: (۴) تفسیر نسفی

اس تفسیر کے مولف الشیخ العالم الزاہد عبداللہ بن احمد نسفی ہیں۔آپ کی وفات ۷۰۱ ہجری میں ہوئی۔آپ کی تفسیر کا (پورا) نام ''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' ہے۔یہ تفسیر جلیل (القدر)' متداول' مشہور آسان اور باریک ہے باقی تفاسیر بالرائے کی نسبت یہ مختصر اور متوسط تفسیر سمجھی جاتی ہے۔اس تفسیر کے متعلق صاحب کشف الظنون (حاجی خلیفہ مرحوم) نے فرمایا ہے:

''یہ کتاب تاویلات (یعنی تفسیر بالرائے) میں متوسط (یعنی درمیانی) اور اعراب وقراء ات کی وجوہ کو جامع بدیع و اشارات کے علم کے دقائق کو متضمن' اہلسنت والجماعت کے اقوال کو بیان کرنے والی اور اہل بدعت وضلالت کے باطل (اقوال وعقائد) سے خالی ہے اکتا دینے والی لمبی تفسیر نہیں۔اور نہ ہی (مطالب ومفاہیم میں) خلل انداز ہونے والی مختصر سی کتاب ہے.........الخ''

توضیح

علامہ حریری مرحوم مولف کے تعارف میں فرماتے ہیں: ''آپ کا نام عبداللہ بن احمد بن محمود' کنیت ابوالبرکات' اور نسبت نسفی ہے۔نسف ماوراء النہر کا ایک شہر ہے آپ ایک جلیل القدر بلند پایہ عالم اور مسلکاً حنفی ہیں۔کتاب اللہ کے زبردست مفسر تھے۔آپ کی دیگر مشہور تصانیف یہ ہیں۔

(۱) متن الوافی فی الفروع

(۲) الکافی شرح الوافی

(۳) کنز الدقائق فی الفقہ

(۴) المنار فی اصول الفقہ ❶

(۵) العمدۃ فی اصول الدین

(۶) مدارک التنزیل وحقائق التاویل

آپ نے شمس الائمہ کردیؒ اور احمد بن محمد عتابیؒ سے استفادہ کیا۔آپ نے اپنی تفسیر میں کشاف اور بیضاوی سے اخذ و استفادہ کیا ہے البتہ کشاف کے معتزلانہ عقائد سے احتراز کیا ہے۔اس میں وجوہ اعراب اور قراء ات جمع ہیں۔بلاغی نکات اور محاسن بدیعیہ ہیں۔سورتوں کے موضوعہ فضائل کے درج سے اجتناب ہے۔علم نحو' فقہ اور قراء ات پر مفصل کلام ہے۔اسرائیلی روایات کم ہیں۔ان پر نقد وجرح بھی ہے مگر بعض مقامات پر چشم پوشی اور تسامح ہے۔امام نسفی سہل انگاری سے کام نہیں لیتے بلکہ جو باتیں اور روایات عقائد پر اثر انداز ہوسکتیں ہیں۔ان کی تردید کی ہے باقی میں چشم پوشی روا رکھی ہے۔

بہرکیف یہ کتاب اہل علم میں معروف ومقبول ہے متوسط ضخامت کی ۴ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے امام نسفی

❶ نور الانوار مدارس عربیہ کی مشہور درسی کتاب اسی کی شرح ہے۔(نسیم)

کی دیگر تصانیف کی طرح لوگوں نے اس سے بھی بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۷۲-۲۷۵ ملخصاً)

ترجمہ: (۵) تفسیر نیشاپوری

اس تفسیر کے مولف الشیخ نظام الدین الحسن محمد نیشاپوری ہیں۔ آپ کی وفات ۷۲۸ ہجری میں ہوئی آپ کی تفسیر کا نام ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' ہے۔ یہ تفسیر اپنی عبارت کے سہل ہونے اور الفاظ کی تحقیق کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زائد اور پر پیچ (قسم کی مباحث اور) باتوں سے خالی ہے۔ اور آپ نے دو باتوں کی طرف (خاص طور پر) توجہ دی (اور) ان کا التزام کیا۔ (۱) قراءات پر کلام (۲) اور تفسیر اشاری پر کلام' یہ تفسیر تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر مشہور طباعت کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ بہت ساری تنقیحات کے ساتھ امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر سے مختصر ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم فرماتے ہیں۔ آپ خراسانی نیشاپوری اور ''نظام الاعرج'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا وطن مالوف ''قم'' ہے۔ علم وفنون کے ستون علوم عقلیہ وعربیہ کے جامع ادب وانشاء پر ید طولی رکھنے والے تھے۔

علمی شہرت کے ساتھ زہد وعبادت میں بھی معروف ومشہور تھے۔ آپ نے منفر اور گراں قدر تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شافیہ ابن حاجب کی شرح (یہ شرح النظام کے نام سے مشہور ہے)

(۲) شرح تذکرہ خواجہ نظام الدین طوسی (یہ علم ہیت میں ہے اور اس کا نام توضیح التذکرہ ہے)

(۳) رسائل فی علم الحساب

(۴) کتاب اوقاف القرآن۔ یہ سجاوندی کی کتاب کی طرز پر ہے۔

(۵) غرائب القرآن ورغائب الفرقان (علم تفسیر میں)

(۶) لب التاویل

آپ کا انداز تفسیر سب سے نرالہ اور انوکھا ہے وہ ہر آیت قرآنی کے ذکر کے بعد اس کی قراءتیں اور ان کے آئمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مقامات وقف کی نشاندہی اور ان کی وجہ ذکر کرتے ہیں۔ پھر تفسیر شروع کر کے سب سے پہلے ربط آیات' تفسیر کبیر کی پیروی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ پھر بڑے دلکش انداز میں تفسیر کرتے ہیں۔ اس میں ابراز مقدارت' اظہار ضمائر' تاویل متشابہات' تصریح کنایات تحقیق استعارات پھر فقہی مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل و براہین سب کو بیان کرتے ہیں کسی کو نظر انداز نہیں کرتے۔

علم الکلام اور فلسفہ میں خصوصی دلچسپی دراصل تفسیر کبیر کی صدائے بازگشت ہے لیکن مولف فقط امام رازی کے خیالات ہی ذکر نہیں کرتے بلکہ ان پر نقد وجرح بھی کرتے ہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں تصوف کا عنصر اور رنگ نمایاں ہے یہ دراصل وہی تفسیر اشاری ہے کہ جو صوفیاء پر منکشف ہوتی ہے کیونکہ مولف خود بھی ایک عظیم صوفی تھے اس لئے تفسیر میں تصوف کا رنگ غالب رکھا۔ چنانچہ انہوں نے رلانے والے مواعظ ونصائح کو تفسیر میں جگہ دی ہے۔

بعض نے مولف موصوف کو شیعہ کہا ہے مگر یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ بلکہ وہ شیعی عقائد کا اپنی تفسیر میں رد کرتے ہیں۔

یہ تفسیر ''ابن جریر'' طبری کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے اور اہل علم میں متداول ہے۔ (تفسیر تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۸۱-۲۸۷ ملخصاً)

ترجمہ: (۶) تفسیر ابی سعود

اس تفسیر کے مولف عالم لغوی طاقتور دلیل (وحجت) قاضی محمد بن محمد بن مصطفیٰ طحاوی ہیں۔ جو ابوسعود (کی کنیت) سے مشہور ہیں۔ آپ کی وفات ۹۵۲ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی یہ تفسیر سب سے عمدہ اور جامع سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ (مضمون کی) ساخت کی خوبی اور تعبیر کے حسن کی انتہا پر ہے۔ آپ نے اس میں قرآنی اسرار بلاغت اور ربانی حکمتوں سے پردہ اٹھایا ہے اس کا حسن تعبیر تیرے دل کو کھینچ لے گا۔ اور ان کی سلامت فکر تجھے پسند آئے گی۔ اور انہوں نے جو سلامتی ذوق اور عقائد اہل سنت کی محافظت اور زوائد اور طوالت سے دور رہنے کے ساتھ بلاغت قرآن کو روشن کیا ہے اور اعجاز قرآن کے بیان کی طرف توجہ کی ہے یہ بات تجھے (حیرت میں ڈال دے گی اور تجھے بہت) پسند آئے گی۔ آپ کی تفسیر دقیق ہے اس کے سمجھنے کے لئے خواص اہل علم کی ضرورت ہے۔

توضیح

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس تفسیر کا پورا نام ''ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم'' ہے یہ قاضی ابوسعود محمد بن العمادی الحنفی کی تصنیف ہے۔ اور بلاشبہ ان کی علمی گہرائی' دقت نظر اور تدبر قرآن کا شاہکار ہے یہ کل پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں اختصار کے ساتھ قرآن کریم کی بڑی دلنشین انداز میں تفسیر کی گئی ہے اس کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن' تناسب آیات اور بلاغت کے بڑے نفیس نکات ملتے ہیں۔ جن سے قرآن کریم کی مراد سمجھنے میں بہت آنی ہو جاتی ہے اور قرآن کریم کے معجزانہ انداز بیان کی عظمت بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۰۵)

اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ (تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۹۶-۲۹۹)

ترجمہ: (۷) تفسیر ابوحیان

اس تفسیر کے مولف شیخ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی ہیں۔ آپ کی وفات ۷۴۵ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا نام ''البحر المحیط'' ہے یہ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے مولف موصوف نے اس تفسیر میں صرف' نحو' بلاغت اور احکام فقہیہ کے علاوہ دوسرے بہت

سے علوم کے فنون کو جمع کر دیا ہے۔ اس تفسیر کو مراجع تفاسیر میں سے اہم ترین مرجع اعتبار کیا جاتا ہے اس کی عبارت آسان ہے کہ جس میں کوئی پیچیدگی اور گہرائی نہیں ہے۔ مولف ؒ نے اس تفسیر کا نام بحیر محیط رکھا کیونکہ اس تفسیر میں متنوع علوم کی کثرت ہے جو علوم تفسیر کے متعلق ہیں۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم مولف موصوف ؒ کا نام ٗ کنیت جائے ولادت سن ولادت اور مشہور نام ذکر کرنے کے بعد آپ کی مختلف علوم میں مہارت نامہ اور دور رس نگاہ و دستگاہ کو ذکر کرتے ہیں۔ ان کے اساتذہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے ۴۵۰ اساتذہ سے کسب فیض کیا۔

صفدی کا بیان ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ابوحیان کو پڑھتے لکھتے دیکھا۔ آپ ایک عظیم شاعر ٗلغوی ٗصرف ونحو میں یگانہ روزگار تھے کہ ان کے دور میں ان علوم میں انہی کو سند مانا جاتا تھا۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں:

(۱) البحر المحیط
(۲) غریب القرآن
(۳) شرح التسہیل
(۴) نہایت الاعرابؒ
(۵) خلاصۃ البیان

قراءت کے فن میں شاطبیہ کے طرز پر ایک منظوم کتاب بھی لکھی۔ پہلے ظاہری مسلک تھا۔ پھر شافعی ہو گئے۔ ((الدرر الکامنہ جلد ۴ صفحہ ۳۰۲)

ان کی تفسیر آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر اہل علم میں متداول ہے وجوہ اعراب قرآن میں آپ کی تفسیر اول ترین ماخذ ہے اس تفسیر میں سے نمایاں علم نحو کی مباحث ہیں۔

لیکن درحقیقت نحوی مسائل کی بھر مار کی وجہ سے بجائے تفسیر کے علم نحو کی کوئی کتاب معلوم ہوتی ہے علاوہ ازیں مفردات قرآن کے معانی ٗ اسباب نزول ٗ ناسخ ومنسوخ اور دیگر مسائل بھی زیر بحث ہیں۔ بلاغی پہلو بھی نظر انداز نہیں اور فقہی مسائل پر بھی روشنی ہے۔

ابوحیان خود اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں استاذ محترم جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سلیمان المقدسی المعروف بابن النقیب کی کتاب ''التحریر والتحبیر لاقوال الآئمۃ التفسیر'' سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ علم تفسیر میں ضخیم ترین کتاب ہے اس کی تقریباً ایک سو جلدیں ہیں۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۷۹-۲۸۱ ملخصاً)

ترجمہ:(۸) تفسیر آلوسی:

اس تفسیر کے مولف امام، ماہر عالم شہاب الدین سید محمود آلوسی ہیں۔آپ کی وفات ۱۲۷۰ ہجری میں ہوئی۔آپ مفتی بغداد، قدوۃ العلماء (علماء کے لئے ایک نمونہ) اور اہل فضل وعرفان کے مرجع تھے۔آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فہم، علم اور وسیع معلومات میں بڑی قدر ومنزلت کے مالک تھے۔آپ کی کتاب جس کا نام ''روح المعانی'' وہ روایت اور درایت کے اعتبار سے سلف کی آراء کو جامع اور اہل علم کے اقوال پر مشتمل اور گزشتہ تمام تفاسیر کا خلاصہ ہے۔آپ اسرائیلی روایات کا شدت سے نقد (اور تنقید) کیا کرتے تھے۔آپ تفسیر اشاری اور بلاغت وبیان کی وجوہ کی طرف (خاص) توجہ دیتے تھے۔آپ کی تفسیر روایتی، درایتی اور اشاری تفسیر کے علم میں سب سے بہتر مرجع سمجھی جاتی ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اس تفسیر کا پورا نام ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی'' ہے اور یہ بغداد کے مشہور عالم، علامہ محمود آلوسی حنفیؒ (متوفی ۱۲۷۰ ہجری) کی تصنیف ہے۔اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے، یہ چونکہ بالکل آخری دور کی تصنیف ہے۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی ہے کہ سابقہ تفاسیر کے اہم مباحث اس میں جمع کر دیں۔چنانچہ اس میں لغت، ادب، نحو بلاغت فقہ، عقائد، کلام، فلسفہ، ہیئت، تصوف اور متعلقہ روایات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں اور کوشش یہ فرمائی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے روایات حدیث کے معاملہ میں بھی علامہ آلوسیؒ دوسرے مفسرین کے مقابلہ میں محتاط رہے ہیں۔اس اعتبار سے اس تفسیر کو سابقہ تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہیے۔اور اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز ہو کر نہیں ہوسکتا۔'' (علوم القرآن صفحہ ۵۰۵-۵۰۶)

اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۰۰-۳۰۶۔

اشہر تفاسیر آیات الاحکام

الرقم	اسم الکتاب (والمذهب)	اسم المولف	تاریخ الوفاة	الشهرة
۱	أحكام القرآن (حنفی)	أحمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ ھ	تفسیر الجصاص
۲	أحكام القرآن (شافعی)	علی بن محمد البطری الكيا الهراسيی	۵۰۴ ھ	تفسیر الكيا الهراسی
۳	الإكليل فی استنباط التنزيل	جلال الدين السيوطی	۹۱۱ ھ	تفسیر السيوطی

	(شافعی)			
۴	أحکام القرآن (مالکی)	محمد بن عبدالله الأندلسی	۵۴۳ ھ	تفسیر ابن العربی
۵	الجامع لأحکام القرآن (مالکی)	محمد بن أحمد بن فرح القرطبی	۶۷۱ ھ	تفسیر القرطبی
۶	کنز العرفان (شیعی)	مقداد بن عبدالله السیوری	التاسع ھ	تفسیر السیوری
۷	الثمرات الیانعة (زیدی)	یوسف بن أحمد الثلائی	۸۳۲ ھ	تفسیر الزیدی

اشهر کتب التفسیر الاشاری

الرقم	اسم الکتاب	اسم المولف		الشهرة
۱	تفسیر القرآن الکریم	سهل بن عبدالله التستری		تفسیر التستری
۲	حقائق التفسیر	أبو عبدالرحمن السلمی		تفسیر السلمی
۳	الکشف و البیان	أحمد بن ابراهیم النیسابوری		تفسیر النیسابوری
۴	تفسیر ابن عربی	محی الدین بن عربیی		تفسیر ابن العربی
۵	روح المعانی	شهاب الدین محمد الألوسی		تفسیر الألوسی

اشهر تفاسیر المعتزلة و الشیعة

الرقم	اسم الکتاب (والمذهب)	اسم المولف	تاریخ الوفاة	الشهرة
۱	تنزیه القرآن عن المطاعن (معتزلی)	عبدالجبار بن أحمد الهمدانی	۴۱۵ ھ	تفسیر الهمذانی
۲	أمالی الشریف المرتضی (معتزلی)	علی بن أحمد الحسین	۴۳۶ ھ	تفسیر المرتضی

٣	الكشاف (معتزلی)	محمود بن عمر الزمخشری	٥٣٨ هـ	تفسير الزمخشری
٤	مرآة الأنوار و مشكاة الأسرار (شیعی)	عبداللطيف الكازرانی	غير معروف	تفسير المشكاة
٥	تفسير العسكری (شیعی)	الحسن بن علی الهادی	٢٦٠ هـ	تفسير العسكری
٦	مجمع البيان (شیعی)	الفضل بن الحسن الطبرسی	٥٣٨ هـ	تفسير الطبرسی
٧	الصافی فی تفسير القرآن (شیعی)	محمد بن الشاه مرتضی الكاشی	١٠٩٠ هـ	تفسير الكاشی
٨	تفسير القرآن (شیعی)	عبدالله بن محمد العلوی	١٢٤٢ هـ	تفسير العلوی
٩	بيان السعادة (شیعی)	سلطان محمد بن حيدر الخراسانی	١٣١٥ هـ	تفسير الخراسانی

اشهر كتب التفسير فی العصر الحديث

الرقم	اسم الكتاب	اسم المولف	الشهرة
١	تفسير القرآن الكريم	محمد رشيد رضا	تفسير المنار
٢	تفسير المراغی	أحمد مصطفى المراغی	تفسير المراغی
٣	محاسن التأويل	جمال الدين القاسمی	تفسير القاسمی
٤	فی ظلال القرآن	الشهيد سيد قطب	تفسير الظلال
٥	التفسير الواضح	محمد محمود الحجازی	تفسير الواضح
٦	تفسير الجواهر	طنطاوی جوهری	تفسير الجوهری
٧	تيسير التفسير	الشيخ عبدالجليل عيسى	تفسير عيسى
٨	المصحف المفسر	محمد فريد وجدی	تفسير وجدی
٩	الهداية والعرفان	أبو زيد الدمنهوری	تفسير الدمنهوری

۱۰	صفوة البيان	حسنين مخلوف	تفسير مخلوف
۱۱	فتح البيان	صديق حسن خان	تفسير حسن خان

وهناك تفاسير أخرى غير هذه التفاسير السابقة لم نذكرها خشية التطويل والله الموفق والهادی إلى سواء السبيل.

ترجمہ: آیات الاحکام کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	کتاب اور مذہب کا نام	مولف کا نام	تاریخِ وفات	کتاب کا مشہور نام
۱	احکام القرآن (حنفی) ❶	احمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ھ	تفسیر الجصاص
۲	احکام القرآن ❷ (شافعی)	علی بن محمد الطبری الکیا الہراسی	۵۰۴ھ	تفسیر الکیا الہراسی
۳	الاکلیل فی ستنباط التنزیل ❸ (شافعی)	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	تفسیر السیوطی
۴	احکام القرآن ❹ (مالکی)	محمد بن عبداللہ الأندلسی	۵۴۳ھ	تفسیر ابن العربی
۵	الجامع لاحکام القرآن ❺ (مالکی)	محمد بن احمد بن فرح القرطبی	۶۷۱ھ	تفسیر القرطبی
۶	کنز العرفان ❻ (شیعی)	مقداد بن عبداللہ السیوری	نویں صدی ہجری	تفسیر السیوری
۷	الثمرات الیانعۃ ❼ (زیدی)	یوسف بن احمد الثلاثی	۸۳۲ھ	تفسیر الزیدی

ترجمہ:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مولف کا نام	مشہور نام
۱	تفسیر القرآن الکریم ❽	سہل بن عبداللہ تستری	تفسیر تستری
۲	حقائق تفسیر ❾	ابوعبدالرحمٰن السلمی	تفسیر السلمی

❶ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۹۷-۶۰۴۔
❷ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۶۰۰-۶۰۷۔
❸ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۹۵-۵۹۶۔
❹ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۶۰۸-۶۱۳۔
❺ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۶۱۴-۶۱۸۔
❻ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۶۱۹-۶۲۱۔
❼ اس کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۶۲۲-۶۲۳۔
❽ اس کے تفصیلی تعارف کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۵۳-۵۵۶
❾ اس کے تفصیلی تعارف کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۵۷-۵۵۹

ترجمہ:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مولف کا نام	مشہور نام
۳	الکشف والبیان ❶	احمد بن ابراہیم النیشاپوری	تفسیر نیشاپوری
۴	تفسیر ابن عربی ❷	محی الدین ابن عربی	تفسیر ابن العربی
۵	روح المعانی ❸	شہاب الدین محمد الالوسی	تفسیر الالوسی

معتزلہ اور شیعہ کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	مذہب اور کتاب کا نام	مولف کا نام	تاریخ وفات	مشہور نام
۱	تنزیہ القرآن عن المطاعن (معتزلی) ❹	عبدالجبار بن احمد الہمدانی	۴۱۵ھ	تفسیر الہمدانی
۲	امالی الشریف المرتضی (معتزلی) ❺	علی بن احمد الحسین	۴۳۶ھ	تفسیر المرتضی
۳	الکشاف (معتزلی) ❻	محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ	تفسیر الزمخشری
۴	مرآۃ الانوار ومشکاۃ الاسرار (شیعی) ❼	عبداللطیف الکازرانی (گازرانی)	نامعلوم	تفسیر المشکاۃ
۵	تفسیر العسکری (شیعی) ❽	الحسن بن علی الہادی	۲۶۰ ھ	تفسیر العسکری
۶	مجمع البیان (شیعی) ❾	الفضل بن الحسن الطبرسی	۵۳۸ھ	تفسیر الطبرسی
۷	الصافی فی تفسیر القرآن (شیعی) ❿	محمد بن الشاہ مرتضی الکاشی	۱۰۹۰ھ	تفسیر الکاشی
۸	تفسیر القرآن (شیعی) ⓫	عبداللہ بن محمد العلوی	۱۲۴۲ھ	تفسیر العلوی
۹	بیان السعادۃ (شیعی) ⓬	سلطان محمد بن حیدر الخراسانی	۱۳۱۵ھ	تفسیر الخراسانی

---

❶ اس کا تفصیلی بیان گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے۔
❷ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۶۷-۵۷۱۔
❸ اس کا تفصیلی تعارف گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے۔
❹ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۲۸-۳۳۳۔
❺ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۳۴-۳۳۶
❻ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۳۷-۳۵۲۔
❼ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۹۰-۳۹۵
❽ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۹۶-۴۰۷۔
❾ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۴۰۸-۴۲۸
❿ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۴۲۹-۴۴۵۔
⓫ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۴۴۶-۴۵۰
⓬ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۴۵۱-۴۵۴۔

عصر حاضر کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	کتاب کا نام	مولف کا نام	مشہور نام
۱	تفسیر القرآن الکریم	محمد رشید رضا	تفسیر المنار
۲	تفسیر المراغی ❶	احمد مصطفیٰ المراغی	تفسیر المراغی
۳	محاسن التاویل ❷	جمال الدین القاسمی	تفسیر القاسمی
۴	فی ظلال القرآن	الشہید سید قطب	تفسیر الظلال
۵	التفسیر الواضح	محمد محمود الحجازی	تفسیر الواضح
۶	تفسیر الجواہر ❸	طنطاوی جوہری	تفسیر الجوہری
۷	تیسیر التفسیر	الشیخ عبد الجلیل عیسی	تفسیر عیسی
۸	المصحف المفسر	محمد فرید وجدی	تفسیر وجدی
۹	الهدایة والعرفان	ابو زید الدمنہوری	تفسیر الدمنہوری
۱۰	صفوۃ البیان	حسنین مخلوف	تفسیر مخلوف
۱۱	فتح البیان	(نواب) صدیق حسن خان	تفسیر حسن خان

(مولف کتاب فرماتے ہیں) ان گزشتہ (مذکورہ) تفسیروں کے علاوہ بھی بہت سی تفسیریں ہیں جن کا ہم نے طوالت کے خوف سے تذکرہ نہیں کیا۔

(اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور سیدھے راستہ پر ڈالنے والا ہے)

توضیح

مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر علامہ حریری کے دو مضامین کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیں کہ جن میں سے ایک کا تعلق ''عصر حاضر میں تفسیر'' سے متعلق ہے اور دوسرے کا ''عصر حاضر کی ملحدانہ تفسیروں'' سے ہے۔ تا کہ طالبانِ علوم قرآن کو جدید تفاسیر پر ایک درجہ بصیرت حاصل ہو جائے۔ (نسیم)

---

❶ سید رشید رضا مصری کے مفصل حالات اور آپ کی تفسیر کے تعارف کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۷۰۲-۷۱۶۔

❷ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۷۱۷-۷۳۲۔

❸ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۴۲-۶۵۱۔

تفسیر عصر حاضر میں

علامہ حریری مرحوم لکھتے ہیں۔

قرآن عزیز کی شرح وتفصیل کے لئے علمائے سلف نے متاخرین کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں قرآن دنیا وآخرت کی صلاح وفلاں کا دستور ہے۔ اسی لئے نزول کے وقت سے ہی انہوں نے اپنی توجہات اس کی تشریح و توضیح کے لئے وقف کردیں۔ اور یہ سلسلہ گردش دوراں کے ساتھ ترقی پذیر رہا۔

جو شخص ان جملہ متنوعہ تفاسیر کا بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ یہ حقیقت جان لے گا کہ متقدمین نے قرآن کی تفسیر کا حق ادا کر دیا ہے۔ اوراس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ ہر پہلو پر مفسرین نے کھل کر بحثیں کی ہیں حد یہ ہے کہ انہوں نے جدید مفسرین کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ وہ اس میں جدت پیدا کریں۔ ہاں یا تو وہ متقدمین کے منتشر اقوال کو جمع کر دیں۔ یا ان کی تشریح وتوضیح کر دیں، یا ان کے ضعیف اقوال کو ہدف تنقید بنائیں۔ یا اقوال میں باہم ترجیح دیں اس کے نتیجہ میں عرصہ دراز تک ایک جمود وتعطل رہا۔

عصر حاضر کی تفسیری خصوصیات

جب بلاد عرب میں علمی تحریک کا آغاز ہوا تو انہوں نے اس جمود وتعطل کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی کوششیں شروع کیں۔ اوراس جمود سے پیچھا چھڑانے کے لئے بے شک ان کی مساعی بڑی حد تک قابل تحسین ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی تفاسیر کو ان غیر ضروری اصطلاحات علمیہ سے خالی رکھا کہ جو متقدمین نے اپنی تفسیروں میں بھی رکھی تھیں۔ اور قرآن کا حسن وجمال ختم کرنے والی اسرائیلی روایات کو بھی نقل نہ کریں۔ اور متقدمین کی مذکورہ موضوع احادیث کو ان کی تفاسیر میں راہ نہ ملے۔ اور یہ عزم کیا کہ اپنی تفاسیر کو ادبی واجتماعی رنگ دیا جائے کہ جو قرآن کے حسن کو دوبالا کر دے۔ اوراس کے بلند پایہ حقائق سامنے آسکیں۔

ایک کوشش یہ بھی کی گئی کہ جدید صحیح نظریات اور قرآن میں حسین امتزاج کو پیدا کیا جائے تا کہ مسلم وغیر مسلم یہ بات ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ کتاب دائمی ہے ابدی ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے رنگوں کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مزید کچھ رجحانات بھی ہیں کہ جو عصر حاضر کے مختلف عوامل کے تحت رونما ہوئے۔

(۱) علوم وفنون میں وسعت (۲) گروہی تعصب (۳) دہریت والحاد

اس لحاظ سے قرآن کی تفسیر کی چار بڑی قسمیں بن گئیں۔

(۱) علمی طرز وانداز (۲) مذہبی رنگ (۳) ملحدانہ طرز فکر

(۴) ادبی واجتماعی اسلوب وانداز

جدید دور کے یہ چار رجحانات جدید تفاسیر میں کارفرما ہیں۔ بعض تفاسیر فرقہ وارانہ طرز پر بھی لکھی گئیں۔ (تاریخ تفسیر و

مفسرین صفحہ ۶۴۷-۶۵۳ ملخصاً)

جدید ملحدانہ تفاسیر

اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوششیں آج بھی ہو رہی ہیں۔ اور اس مقصد کی تکمیل میں ہر قسم کے حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔

اس مذموم مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے سب سے اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ ملحدانہ تفاسیر کا دروازہ کھولا گیا۔ اور مطالب قرآنیہ کو امت کے سامنے مسخ کر کے پیش کیا گیا۔

اسلام اپنے آغاز سے ہی اس قسم کے سانحات کا شکار رہا ہے۔ ایسے اشخاص کی اس جدید دور میں بھی کمی نہ رہی کہ جنہوں نے اپنے باطل نظریات و جذبات کی تسکین کے لئے قرآن کو بازیچہ اطفال اور اپنی سخن سازیوں کا تختہ مشق بنایا۔ اور عجیب و غریب قسم کے ملحدانہ نظریات کو اسلام میں ٹھونسنے کی کوشش کی جن کو صرف فریب خوردہ عقل بردہ بلکہ عقل سوختہ عوام ہی قبول کرتے ہیں۔

ملحدانہ تفسیر کے عوامل

(۱) بعض لوگوں کا زاویہ نگاہ جدید نظریات کی تراش خراش سے وقتی شہرت کا حصول رہا۔

اس کے لئے انہوں نے سب سے بہتر قرآن کو پایا لہٰذا اس پر مشق ستم آزمانے لگے اور متقدمین پر لعن طعن کی نیو ڈالی عربی لغت سے اعراض کیا۔ بے اصل واساس باتیں کیں۔ اور انہیں قرآن کی جدید تفسیر قرار دیا۔

(۲) (بے علم) قسم کے لوگوں کو زمرۂ علماء میں شمار ہونے کا دماغ میں سودا سمایا۔ لہٰذا برخود غلط خود کو علماء تصور کیا اور بزعم خویش تفسیر کے نام پر آئمہ لغت اور متقدمین کے اقوال سے انحراف کر کے اپنے باطل نظریات کو تفسیر قرآن کے نام پر پیش کرنے لگے۔ حالانکہ ان کے ان باطل اقوال کا پھیکا اور پھسپھسا پن سرسری نگاہ سے ہی فہم و دانش میں اترتا ہے۔

(۳) آزادی افکار و طبع اور کسی مسلک و مذہب سے وابستگی سے بیزاری کہ ان لوگوں کے قلوب و اذہان پر مخلوط قسم کے اوہام وساوس کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے لہٰذا وہ انہی مخلوط و ممزوج اعتقادات کو تفسیر سمجھ کر عامۃ الناس کے سامنے پیش کرنے لگے۔ اور قرآنی عقائد کو جبراً اپنا ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اندھا دھند تفسیر کے بحر ناپیدا کنار میں کود پڑتے ہیں۔ یہ تو عنایت ربانی ہے کہ اس نے حفاظت دین و اسلام کا فریضہ دوررس نگاہ علمائے کرام کو سونپ رکھا ہے جو حق کو باطل سے آلودہ نہیں ہونے دیتے۔ اگر یہ علماء و حکماء نہ ہوتے تو لوگوں کو ان گمراہوں سے سخت نقصان اٹھانا پڑتا اور اللہ کی زمین فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جاتی۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۵۴-صفحہ ۶۵۵ ملخصاً و [illegible]رف)

☆☆☆

فصل

فى التنبيه على أحاديث وضعت فى فضل سور القرآن

قال العلامة القرطى فى مقدمة تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) فى باب التنبيه على الأحاديث الموضوعة فى فضل سور القرآن ما يلى:

((لا التفات لما وضعه الواضعون، واختلقه المختلقون، من الأحاديث الكاذبة، والأخبار الباطِلة، فى فضل سور القرآن، وغير ذلك من فضائل الأعمال، قد ارتكبها جماعة كثيرة، اختلفت أغراضهم ومقاصدهم فى ارتكابها.

(١) فمنهم قوم من الزنادقة مثل (المغيرة الكوفى) و (محمد الشامى) المصلوب وغيرهما وضعوا أحاديث، وحدثوا بها ليقعوا بذلك (الشك) فى قلوب الناس، منها ما رواه الشامى عن أنس بن مالك عن رسول الله ﷺ أنه قال: ((أنا خاتم النبيين لا نبى بعدى إلا ما شاء الله)) فزاد هذا الاستثناء لما كان يدعو إليه الإلحاد والزندقة.

(٢) منهم جماعة وضعوا الحديث (هوى) يدعون الناس إليه، قال شيخ من شيوخ الخوارج بعد أن تاب: ((إن هذه الأحاديث دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم، فإنا كنا إذا هوينا أمرا صيرناه حديثا))

(٣) ومنهم جماعة وضعوا الحديث (حسبة) كما زعموا، يدعون الناس إلى فضائل الأعمال كما روى عن (أبى عصمة المروزى) قيل له: من أين لك عن عكرمة عن ابن عباس، فى فضل سور القرآن سورة سورة؟

فقال: إنى رأيت الناس قد اعرضوا عن القرآن، واشتغلوا بفقه أبى حنيفة ومغازى ابن إسحاق، فوضعت هذا الحديث حسبة. قال ابن الصلاح: وهكذا الحديث الطويل الذى يروى عن (أبى بن كعب) عن النبى ﷺ فى فضل القرآن سورة سورة، وقد بحث باحث عن مخرجه حتى انتهى إلى من اعترف بأنه وجماعة وضعوه، وإن أثر الوضع عليه لبين، وقد أخطأ الواحدى المفسر، ومن ذكره من المفسرين فى إيداعه فى تفاسيرهم.

(٤) ومنهم قوم من السوال يقفون فى الأسواق والمساجد، فيضعون على رسول الله ﷺ أحاديث بأسانيد صحاح قد حفظوها، فيذكرون الموضوعات بتلك الأسانيد.

قال جعفر بن الطيالسي:

((صلى أحمد بن حنبل، ويحيى بن معين، في مسجد الرصافة، فقام بين أيديهما قاص (محدث) فقال: حدثنا أحمد بن حنبل، ويحيى بن معين قالا أنبأنا عبدالرزاق، قال أنبأنا معمر، عن قتاده، عن أنس قال قال رسول الله ﷺ: ((من قال لا إله إلا الله، يخلق من كل كلمة منها طائر، منقاره من ذهب، وريشه مرجان))، وأخذ في قصة نحوا من عشرين ورقة، وفجعل أحمد ينظر إلى يحيى، ويحيى ينظر إلى أحمد، فقال: أنت حدثته بهذا؟ فقال: والله ما سمعت به الا هذه الساعة، فسكتا حتى فرغ من قصصه فقال له يحيى: من حدثك بهذا الحديث فقال: أحمد بن حنبل، ويحيى بن معين، فقال: أنا ابن معين، وهذا أحمد بن حنبل، ما سمعنا بهذا قط في حديث رسول الله، فإن كان ولا بد من الكذب فعلى غيرنا فقال له: أنت يحيى بن معين؟ قال: نعم، قال: لم أزل أسمع أن يحيى بن معين أحمق، وما علمته إلا هذه الساعة، فقال له يحيى: وكيف علمت أني أحمق؟ قال: كأنه ليس في الدنيا يحيى بن معين، وأحمد بن حنبل غير كما. كتبت عن سبعة عشر أحمد بن حنبل غير هذا، قال: فوضع أحمد كمه على وجهه وقال: دعه يقوم، فقام كالمستهزئ بهما.

قال القرطبي: فهولاء الطوائف كذبة على رسول الله ﷺ ومن يجرى مجراهم ...... ثم قال: فلو اقتصر الناس على ما ثبت في الصحاح والمسانيد وغيرهما من المصنفات التي تداولها العلماء، ورواها الأئمة الفقهاء، لكان لهم في ذلك غنية، وخرجوا عن تحذيره ﷺ حيث قال: ((من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار))

فحذار مما وضعه أعداء الدين، وزنادقة المسلمين، في باب الترغيب والترهيب وغير ذلك، وأعظمهم ضررا أقوام من المنسوبين إلى الزهد، وضعوا الحديث حسبة فيما زعموا. فتقبل الناس موضوعاتهم، ثقة منهم بهم، وركونا إليهم، فضلوا وأضلوا.

هل في القرآن ألفاظ غير عربية

من المقطوع به أن القرآن نزل بلسان العرب، وأنه كتاب عربي. نزل على أمة عربية بلسان عربي مبين، ليكون منهاجا لحياتهم، و دستورا لمجتمعهم وليعتبروا به ويذكروا بما فيه ﴿لِيَدَّبَّرُوٓا ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ﴾ وقد تضافرت النصوص القرآنية الكثيرة. على أن القرآن ((عربي)) في نظمه و في لفظه. و في أسلوبه و في تركيبه وأنه ليس فيه ما يخالف طريقة

العرب في المفردات والجمل والأسلوب والخطاب. من هذه النصوص الكريمة ما يلي:

١- قوله تعالى: ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ○﴾

٢- قوله تعالى: ﴿كِتَابٌ فصلت اياته قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (حم السجدة: ٣)

٣- وقوله جل ثناوه: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (يوسف: ٢)

٤- وقوله جل وعلا: ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غيرَ ذى عوجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾

وقد أجمع العلماء على أن القرآن عربى، ولكن اختلفوا هل فيه الفاظ مفردة من غير كلام العرب؟ على مذهبين:

(الف) المذهب الأول:

مذهب الجمهور وعلى رأسهم القاضي (أبوبكر ابن الطيب) وشيخ المفسرين (ابن جرير الطبرى) و (الباقلانى) وغيرهم من العلماء الأعلام قالوا: إن القرآن عربى كله، وليس فيه ألفاظ أو مفردات من غير كلام العرب، وما وجد فيه من الألفاظ التى تنسب إلى سائر اللغات، فإنما اتفق فيها أن تواردت اللغات عليها، فتكلمت بها العرب، والفرس، والحبشة وغيرهم.

(ب) المذهب الثانى:

مذهب طائفة من العلماء قالوا: إن فى القرآن بعض ألفاظ ليس عربية، وأن تلك الألفاظ لقلتها، لا تخرج القرآن عن كونه عربيا مبينا، فمثلا لفظ (المشكاة) بمعنى الكوة، ولفظ (الكفل) بمعنى الضعف، ولفظ (قسورة) بمعنى الأسد كل هذه الألفاظ هى بلسان الحبشة وهى ألفاظ غير عربية.

وكذلك لفظ (القسطاس) بمعنى الميزان بلسان الروم.

ولفظ (السجيل) بمعنى الحجارة والطين بلسان الفرس.

ولفظ (الغساق) بمعنى البارد المنتن بلسان الترك.

ولفظ (اليم) بمعنى البحر، و(الطور) بمعنى الجبل بلسان السريانية.

قال ابن عطية:

((فحقيقة العبارة أن هذه الألفاظ فى الأصل (أعجمية) لكن العرب استعملتها وعربتها فهى عربية بهذا الوجه، وقد كان للعرب مخالطة لجيرانهم من سائر الألسنة فعلقت العرب بألفاظ

أعجمية، استعملتها في أشعارها و محاوراتها، حتى جرت مجرى العربي الصحيح، وعلى هذا الحد نزل بها القران......))

أدلة الجمهور:

وقد استدل الجمهور ببعض الأدلة التي تثبت أن القرآن عربي وليس فيه ألفاظ غير عربية و فيه أسماء أعلام لمن لسانه غير لسان العرب، مثل (اسرائيل) و (جبرئيل) و (عمران) و (نوح) و (لوط) وقد استدل الجمهور بما يلي:

أولا: الآيات القرآنية السابقة التي أثبتت أن هذا القرآن عربي كله في لفظه، وأسلوبه، ونظمه، وتركيبه، فقد أخبر الله عزوجل عن القرآن بأنه عربي فقال تعالى ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا.﴾ وتكرر هذا اللفظ في آيات عديدة ومعلوم أن لفظ القرآن عام يشمل جميع السور والآيات، ويشمل كل الألفاظ والمفردات.

ثانيا: إن القرآن نزل بلغة العرب ليفهموه ويعقلوه ويتدبروا معانيه، ويستحيل ان يخاطب الله تعالى قوما بما لا يعلمون، كيف والآيات صريحة في انزاله بلغة العرب للاعتبار والعمل ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ و ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ وهذا ينفي أن يكون فيه ألفاظ غير عربية.

ثالثا: إن الله تعالى قد رد على المشركين حين زعموا أن محمدا ﷺ تلقى هذا القرآن عن بعض أهل الكتاب (جبر الرومي) وأقام الحجة عليهم باختلاف اللسانين قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳) فالقرآن عربي وذلك أعجمي وشتان بينهما.

رابعا: لو كان في هذا القرآن شي ليس من لغة العرب، أولا يفهمه العرب، أو ألفاظ (أعجمية) غير عربية، لأعلن المشركون اعتراضهم على القرآن، واحتجوا بذلك على عدم صدق الرسول كما قال تعالى.

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ .....﴾ (حم السجدة: ٤٤) الآية

خامسا: إن ما وجد في القرآن من ألفاظ تنسب إلى سائر اللغات، فإنما هو من باب (توارد اللغات واتفاقها بمعنى أن هذا اللفظة تكلم بها العرب، وتكلم بها الفرس. والعجم، وتكلم بها غير هم فهي مما اتفقت عليه اللغات لا يعنى أن هذه الألفاظ غير عربية، فإذا تكلم بها العرب فهي عربية، وإذا تكلم بها غير هم أو استعملها الأعاجم فلا

يخرجها عن كونها عربية.

الترجيح:

والصحيح ما ذهب إليه (الطبرى) وجمهور العلماء من أن القرآن كله عربى' وهو ما تشهد له النصوص الكثيرة' والحجج الدامغة القوية التى احتج بها العلماء.

وقد انتصر العلامة القرطبى لرأى الجمهور' ورد الرأى الثانى' وقال- بعد أن ذكر المذهبين- إن الأول أصح' فإن العرب لا يخلو أن تكون تخاطب بها اولا' فإن كان الأول فهى من كلامهم' ولا يبعد أن يكون غيرهم قد وافقهم على بعض كلماتهم.

وإن لم تكن العرب تخاطبت بها' ولا عرفتها استحال أن يخاطبهم الله بما لا يعرفون' وحينئذ لا يكون القرآن عربيا' ولا يكون الرسول مخاطبا لقومه بلسانهم)) اهـ

لغات: اِخْتَلَقَ: جھوٹ گھڑنا۔ ھوینا: خواہش کرنا' چاہنا۔ صیرنا: بنادینا۔ حِسْبَةً: ثواب اور اجر کی توقع رکھتے ہوئے۔ بَحَثَ: تلاش کرنا۔ الوضع: گھڑنا' اپنے سے بنالانا۔ رکُون: کس طرف مائل ہونا۔

ترجمہ: فصل

قرآن کی سورتوں کے فضائل میں وضع کی جانے والی احادیث پر تنبیہ کے بارے میں

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" کے مقدمہ میں قرآن کی سورتوں کے فضائل کے بارے میں وضع کی جانے والی احادیث پر تنبیہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے (وہ) درج ذیل ہے۔

"(میں نے) ان جھوٹی احادیث اور باطل اخبار کی طرف توجہ نہیں (دی) جنہیں قرآن کی سورتوں کے فضائل اور ان کے علاوہ دوسرے اعمال کے فضائل کے بارے میں' وضع کرنے والوں نے وضع کیا اور گھڑنے والوں نے گھڑا۔ تحقیق بہت سے گروہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اس ارتکاب سے ان کی اغراض و مقاصد جدا جدا تھیں۔"

(۱) ان میں زندیقوں کا ایک گروہ (ہے) جیسے مغیرہ کوفی اور محمد شامی المصلوب وغیرہ انہوں نے جھوٹی احادیث گھڑیں انہیں (لوگوں کو) بیان کیا تاکہ لوگوں کے دل میں اس سے شک پڑ جائے۔ ان کی جھوٹی احادیث میں سے ایک وہ ہے جسے شامی نے حضرت انس بن مالکؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپؐ نے فرمایا "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جسے اللہ چاہے۔" پس اس (کم بخت) نے اس استثناء کو زیادہ کیا کیونکہ وہ (خود) اس الحاد اور زندقہ کی دعوت دیا کرتا تھا۔

(۲) ان میں ایک جماعت ہے جس نے (نفس کی) ''خواہش'' کے لیے احادیث کو وضع کیا۔ لوگوں کو ان کی دعوت دیا کرتے تھے۔ خوارج کے مشائخ میں سے ایک خارجی شیخ نے توبہ کرنے کے بعد کہا:

''بے شک یہ احادیث (تمہارا) دین ہیں۔ پس تم غور سے دیکھو اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ جب ہم ایک بات کی خواہش کرتے تھے تو ہم اس کو حدیث بنا دیتے تھے۔''

(۳) ان میں سے ایک جماعت نے (ثواب کی امید سے) اللہ کے لئے احادیث گھڑیں جیسا کہ ان کا گمان ہے اور لوگوں کو فضائل اعمال کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ابو عصمہ مروزی کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا قرآن کی سورتوں میں (ہر ہر) سورت کے فضائل کی ''عن عکرمہ عن ابن عباس'' کی سند کہاں سے آئی؟

تو اس نے جواب دیا: ''میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں اور وہ ابو حنیفہؒ کی فقہ اور ابن اسحٰقؒ کی مغازی میں لگ گئے ہیں تو میں نے اللہ کے لئے ❶ یہ حدیث گھڑیں۔''

ابن صلاح کہتے ہیں' اسی طرح قرآن کی ہر ہر سورت کے فضائل کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ تحقیق ایک کھوج لگانے والے نے اس کے مخرج کا سراغ لگایا یہاں تک کہ وہ اس شخص تک پہنچا جس نے اعتراف کیا کہ اس نے اور (اس کی) جماعت نے اس حدیث کو گھڑا ہے۔ اور اس وضع کرنے کا اثر اس پر بالکل ظاہر ہے۔

اور مفسر واحدی نے اور جن مفسرین نے اس حدیث کو اپنی تفسیروں میں لکھ کر بیان کیا ہے' خطا کی ہے۔

(۴) اور ان میں سے کچھ لوگ بھکاری ❷ تھے۔ جو بازاروں اور مساجد میں کھڑے ہو جاتے۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان صحیح اسانید کے ساتھ احادیث گھڑ کر منسوب کرتے جو انہیں یاد ہوتیں چنانچہ وہ ان اسانید کے ذریعے جھوٹی احادیث بیان کرتے۔

جعفر بن طیالسی کہتے ہیں:

''احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے ''رصافہ'' کی ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ پس (نماز کے بعد) ان کے درمیان ایک قصہ گو (اور بزعم خویش) محدث کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ ''بیان کیا ہمیں احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے وہ کہتے ہیں ہمیں بیان کیا عبد الرزاق نے وہ کہتے ہیں ہمیں بیان کیا معمر نے انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے وہ فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا: ''جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا' تو کلمہ کے ہر ہر حرف سے ایک پرندہ پیدا کیا جاتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان (موتیوں) کے اور اس نے تقریباً بیس اوراق کے برابر (ایک طویل) قصہ سنایا۔ پس (اس دوران) امام احمد یحییٰ کی طرف اور یحییٰ امام احمد کی طرف (تعجب و حیرت سے) دیکھتے رہے

---

❶ مولف کتاب حسبۃ کا معنی ''اللہ کے لئے اور (لوگوں کو) دین کی ترغیب دینے کے لئے'' بیان کرتے ہیں۔

❷ السوال سے مراد سائل کی جمع ہے جو لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

اور امام احمد نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو یہ قصہ سنایا ہے' تو اس پر یحییٰ نے جواب دیا! خدا کی قسم! میں تو یہ قصہ ابھی (اسی وقت ہی) سن رہا ہوں۔ چنانچہ دونوں خاموش ہو گئے حتیٰ کہ وہ شخص اپنے قصوں سے فارغ ہو گیا۔ تو یحییٰ نے اس سے پوچھا ''تمہیں یہ حدیث کس نے بیان کی' اس نے جواب دیا ''احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے' تو اس پر یحییٰ نے کہا ''میں (یحییٰ) ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے یہ (قصے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کبھی نہیں سنے۔ اور اگر یہ حدیث ہے جبکہ یہ لازماً جھوٹ ہے تو (اس کا گناہ) ہمارے غیر پر ہے (نا کہ ہم پر' یعنی ہم نے اس حدیث کو عوام میں عام نہیں کیا)''

اس آدمی نے یحییٰ سے کہا: (کیا) تم یحییٰ بن معین ہو؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' وہ کہنے لگا میں سنتا ہی رہا کہ یحییٰ بن معین (ایک) احمق (شخص) ہے اور میں نے یہ بات اب آ کر جانی تو یحییٰ نے اس سے پوچھا ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں احمق ہوں؟ اس نے کہا' گویا کہ دنیا میں تم دونوں کے علاوہ (کوئی اور) یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں۔ میں نے اس احمد بن حنبل کے علاوہ سترہ احمد بن حنبل سے احادیث لکھیں ہیں۔ (یعنی سترہ ایسے آدمیوں سے حدیث لکھی ہے کہ جو اپنے آپ کو احمد بن حنبل کہتے تھے)

جعفر کہتے ہیں (یہ بات سن کر) امام احمد بن حنبل نے اپنی آستین اپنے منہ پر رکھ لی اور کہا' اسے چھوڑ دو (کہ) اٹھ (کر چلا) جائے پس وہ شخص اٹھ گیا۔ گویا کہ وہ ان دونوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''(گمراہوں کے) ان گروہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے (اور جھوٹی احادیث گھڑیں) اور ان لوگوں نے بھی جو ان کی روش پر چلے۔''

پھر فرمایا: ''اگر لوگ فقط ان احادیث پر اکتفا کرتے کہ جو صحاح اور مسانید ❶ میں ہیں اور ان کے علاوہ ان مصنفات ❷ میں ہیں جو علماء میں رائج ہیں اور آئمہ فقہا ان کو روایت کرتے ہیں تو اس میں ان کے لئے کفایت ہوتی۔ اور وہ آپؐ کی اس وعید سے نکل جاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار."

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

(علامہ قرطبی فرماتے ہیں) پس تو بچ ان احادیث سے جنہیں اعدائے دین (وایمان) اور مسلمان زندیقوں نے ترغیب و ترہیب اور اس کے علاوہ دوسرے ابواب میں وضع کیا۔ اور ان (کور بختوں) میں سب سے زیادہ نقصان دہ وہ لوگ ہیں کہ جو زہد کی طرف منسوب ❸ ہیں۔ جنہوں نے اپنے گمان میں اللہ کے لئے احادیث کو وضع کیا۔ پس لوگوں نے ان کی موضوع احادیث کو ان پر اس بات کا اعتماد کرتے ہوئے اور ان کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے قبول کر لیا۔ پس وہ لوگ خود بھی گمراہ

---

❶ جیسے مسند احمد' مسند امام اعظم وغیرہ۔ (نسیم) ❷ مصنف عبدالرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ (نسیم)

❸ ہمارے اس زمانہ میں بھی بعض نام نہاد متقی افراد نے عامۃ الناس میں اللہ کی رضا' تقویٰ' جہد اور دین کی محنت کے نام سے طرح طرح کے اقوال وافعال گھڑ لئے ہیں۔ (نسیم)

ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ❶

توضیح

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ اس موضوع پر یوں لکھتے ہیں:

وضع احادیث کا فتنہ اوراس کا انسداد

عہد رسالتؐ وعہد صحابہؓ میں حدیث کی باقاعدہ تدوین نہ ہوئی تھیں روایت وحفظ حدیث کا ذریعہ سینہ درسینہ احادیث کانقل کرنا تھا۔ مسلمانوں کے سینے ہی احادیث کے گنجینے تھے۔ اس سے منافقین اور دشمنان اسلام کواحادیث وضع کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں میں اختلاط وارتباط پیدا کر کے احادیث موضوعہ کی نشرواشاعت شروع کی۔ اور یوں اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرگزاشت نہ کیا۔

ابن عدی کہتے ہیں: ''عبدالکریم بن ابی العوجاء کو جب قتل کرنے کے لئے لے جارہے تھے تو اس نے کہا'' میں نے چار ہزار احادیث جن میں حلت وحرمت کے ہیں۔ احکام وضع کر کے عوام میں پھیلا دی ہیں۔ ❷

وضاعین حدیث کے مختلف طریقے

علامہ سیوطیؒ نے ابن جوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں کی احادیث میں جھوٹ وضع اور قلب پایا جاتا ہے ان کی چند قسمیں ہیں:

(۱) بعض لوگوں پر زہد کا غلبہ تھا۔ وہ احادیث کی حفاظت نہیں کر سکے یا ان کی کتابیں ضائع ہوگئیں۔

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں: ''میں نے جھوٹ اس جماعت سے زیادہ کسی میں نہیں پایا جو اپنے تئیں خیر اور زہد کی طرف منسوب کرتی ہے۔ ❸

(۲) بعض لوگ اگرچہ ثقہ تھے مگر ان کی عقلوں میں فتور آ گیا تھا۔ پھر وہ روایت حدیث سے باز نہ رہے۔

(۳) بعض لوگ وہ تھے کہ جنہیں اپنی غلط روایت کا علم بھی ہوا مگر از راہ سخن پروری ان سے رجوع نہ کیا۔

(۴) بعض زندیقوں کا طبقہ بھی تھا کہ جو قصداً اسلام کو برباد کرنے اور فتنہ وشر کا دروازہ کھولنے کے لئے احادیث کو وضع کرتے تھے۔ ان میں بعض لوگ اس قدر جری تھے کہ موقع پا کر اپنے شیخ تک کی کتاب میں موضوع احادیث درج کر دیتے تھے۔

(۵) بعض کسی مسلک و مذہب سے آزاد محض شہرت پسند لوگ تھے جو وضع احادیث سے عوام میں چرچا چاہتے تھے۔ محمد بن القاسم الطالکانی جو فرقہ مرجیہ کا سردار تھا اپنے عقیدہ کے مطابق کثرت سے احادیث وضع کرتا تھا۔

---

❶ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۷۸۔ ❷ تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۷۔

❸ مقدمہ صحیح مسلم۔

(۶) کچھ لوگ وہ تھے کہ جو ترغیب وترہیب کے لئے وضع احادیث کو جائز سمجھتے تھے اور وہ ایسا کرتے بھی تھے۔ ❶

وضع احادیث کے اسباب

مولانا مرحوم نے وضع احادیث کے اسباب کو تفصیل سے درج کیا ہے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

(۱) سیاسی جھگڑے

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کی وجہ سے دو فرقے شیعہ اور خوارج پیدا ہوئے۔ کہ جو اپنے اپنے اعتقادات میں انتہائی غلو پسند اور وضع احادیث میں ہر وعید سے بے پرواہ تھے۔ اور ان اکابر کی شان میں ہر احتیاط و وعید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے احادیث وضع کرتے تھے۔ پھر بنو امیہ اور بنو عباس کی سیاسی رقابت نے اس چنگاری کو ہوا دے کر دہکتی ہوئی آگ بنا دیا۔

اسی قبیل میں وہ احادیث بھی شامل ہیں کہ جو عربی عصبیت اور عجمی خود پرستی کی کشمکش کے باعث اختراع کی گئیں۔

(۲) دوسری صدی کے وسط میں کلامی اور فقہی مسائل کا زور

کہ جب یہ ہوا تو بعض جاہ پرست لوگوں نے اپنی علمی وجاہت کی دھاک بٹھانے کے لئے قصداً احادیث وضع کیں تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے بیان کردہ ہر مسئلہ کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔

(۳) شخصی حکومت کا استبداد

کہ بعض لوگوں نے اپنی محکومانہ ذہنیت کی وجہ سے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے احادیث وضع کیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تہمت طرازی سے باز نہ آئے۔ غیاث بن ابراہیم کے متعلق مشہور روایت ہے کہ وہ ایک دن مہدی بن منصور کے پاس آیا۔ مہدی کو کبوتر بازی کا بہت شوق تھا۔ غیاث نے یہ دیکھتے ہی اس کو خوش کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کر دی (لاسبق الافی خف او حافر او جناح) ❷ ''بڑھائی نہیں ہے مگر (اونٹ کے) پیر یا (گھوڑے وغیرہ کے) کھریا (پرندوں کے) پر میں۔''

مہدی نے اس وقت تو خوش ہو کر غیاث کو دس ہزار درہم دلا دیئے مگر جب وہ جانے لگا تو مہدی نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری گدی اس شخص کی سی ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط احادیث منسوب کرتا ہے۔ رسول اللہؐ نے ''او جناح'' نہیں فرمایا تو نے ہم سے تقرب حاصل کرنے کیلئے اس لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔'' ❸ (فہم قرآن صفحہ ۱۰۸-۱۱۰ ملخصاً و بتصرف)

نوٹ: اس کے لئے مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی کتاب ''تدوین حدیث'' کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ (نسیم)

---

❶ اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد ۲ صفحہ ۴۶۸-۴۶۹

❷ حدیث میں فقط گھوڑے اور اونٹ پالنے کی فضیلت آتی ہے مگر اس نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے پر یعنی پرندوں کو پالنے کی فضیلت بھی ساتھ لگا دی تاکہ وہ اپنی کبوتر بازی پر مطمئن رہے۔ (نسیم)

❸ شرح مسلم الثبوت جز ۲ صفحہ ۱۵۲ اور نخبۃ الفکر۔

ترجمہ: کیا قرآن میں غیر عربی (زبان) کا (کوئی) لفظ ہے؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ بات یقینی ہے کہ قرآن عربی زبان میں اترا۔ اور یہ عربی کتاب ہے جو عربی امت پر صاف عربی زبان میں اتری۔ تا کہ یہ ان کی زندگی کا (ایک) پروگرام اور ان کے معاشرہ (اور اجتماعی زندگی) کے لئے ایک ضابطہ عمل ٹھہرے تا کہ وہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور جو کچھ اس میں ہے اس سے نصیحت پکڑیں۔

(ارشاد خداوندی ہے)

﴿لِيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوْ الْأَلْبَابِ.﴾ (ص: ۲۹)

''تا دھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل والے۔'' (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق نصوص قرآنیہ اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ یہ ''قرآن'' اپنے نظم' لفظ اسلوب اور ترکیب میں ''عربی'' ہے اور یہ کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو مفردات' جملوں اسلوب اور خطاب میں عربی کے طریقہ کے مخالف ہو۔

(اس امر پر دلالت کرنیوالی) قرآنی آیات کریمہ میں سے (چند) درج ذیل ہیں:

(۱) (ارشاد خداوندی ہے)

﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ o﴾ (الشعراء: ۱۹۴- ۱۹۵)

''کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔'' (تفسیر عثمانی)

(۲) ارشاد خداوندی ہے:

﴿كِتَابٌ فصلت اياته قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ.﴾ (حم السجدة: ۳)

''ایک کتاب ہے جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

(۳) اور اللہ جل ثناء کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (یوسف: ۲)

''ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو۔'' (تفسیر عثمانی)

(۴) اور اللہ جل وعلا کا ارشاد ہے:

﴿قُرْاٰنًا عربيًا غيرَ ذى عوجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (الزمر: ۲۸)

''قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں۔ تا کہ وہ بچ کر چلیں۔'' (تفسیر عثمانی)

علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن عربی (زبان میں اترا) ہے لیکن وہ اس بات میں اختلاف کرتے ہوئے دو مذہبوں میں بٹ گئے ہیں کہ کیا مفرد الفاظ (قرآن میں) غیر کلام عرب سے ہیں (یا نہیں)؟

یہ دو مذاہب مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا مذہب

(اور) یہ جمہور کا مذہب ہے اور ان میں سرفہرست قاضی ابوبکر ابن الطیب اور شیخ المفسرین ابن جریر طبریؒ اور (علامہ) باقلانیؒ وغیرہم علماء اعلام (وعظام) ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے:

''یہ قرآن سارے کا سارا عربی ہے۔ اس میں غیر عربی زبان کے الفاظ یا مفردات نہیں ہیں اور اس میں پائے جانے والے وہ الفاظ کہ جو دیگر لغات کی طرف منسوب ہیں۔ تو ان کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ ان الفاظ پر کئی لغات ایک ساتھ آتی ہیں (یعنی وہ الفاظ بیک وقت کئی لغات میں مستعمل ہیں) چنانچہ وہ الفاظ عرب، اہل فارس اور اہل حبش (حبشی اور افریقی سب) بولتے ہیں۔''

دوسرا مذہب

یہ علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ ''بے شک یہ قرآن کے بعض الفاظ عربی (زبان کے) نہیں ہیں۔ اور یہ الفاظ اپنی قلت کی وجہ سے قرآن کو عربی ہونے سے نہیں نکالتے۔ مثلاً لفظ مشکوٰۃ کہ جو ''طاق'' کے معنی میں ہے اور لفظ ''کفل'' کہ جو دو چند کے معنی میں ہے اور لفظ ''قسورہ'' کہ جو ''شیر'' کے معنی میں ہے کہ یہ سب الفاظ حبشی زبان کے ہیں کہ جو غیر عربی ہیں۔ اور اسی طرح لفظ ''قسطاس'' کہ جو ترازو کے معنی میں ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے۔ اور لفظ ''سجیل'' کہ جو کنکری اور گارے کے معنی میں ہے یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔

اور لفظ ''غساق'' کہ جو ٹھنڈی (بہتی ہوئی) بدبودار (پیپ) کے معنی میں ہے، یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اور لفظ ''یم'' کہ جو سمندر کے معنی میں ہے یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں:

(اس) عبارت کی حقیقت (اور اس کا صحیح معنی) یہ ہے کہ تحقیق اصل میں یہ الفاظ عجمی ہیں لیکن عربوں نے ان الفاظ کو استعمال کیا اور انہیں عربی (زبان کا حصہ) بنالیا۔ چنانچہ اس اعتبار سے یہ الفاظ عربی ہیں۔ اور عربوں کا اپنے پڑوسیوں سے دیگر زبانوں میں اختلاط تھا۔ پس عربوں نے ان عجمی الفاظ کو پسند کیا اور انہیں اپنے اشعار اور محاورات میں استعمال کیا۔

یہاں تک کہ یہ الفاظ صحیح عربی زبان کے قائم مقام ہوگئے۔ اور قرآن ان الفاظ کو اس حد تک (ہی) لے کر اترا۔ [1] (یعنی ان الفاظ کا قرآن میں نازل ہونا اس اعتبار سے ہے کہ ان کو عربی زبان میں استعمال کیا جاتا تھا)

جمہور (علماء) کے دلائل

اور جمہور ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن عربی ہے اور اس میں غیر عربی (زبان کے) الفاظ نہیں ہیں۔ اور اس میں ان (شخصیات) کے نام ہیں کہ جن کی زبان غیر عربی تھی۔ جیسے اسرائیل، جبرئیل، عمران، نوح اور لوط

---

[1] دیکھئے تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۶۸

(وغیرہم) جمہور درج ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) گزشتہ (مذکورہ) آیات قرآنیہ اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ قرآن اپنے نظم' الفاظ' اسلوب اور ترکیب میں سارے کا سارا (ہی) عربی ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں یہ بتلایا ہے کہ یہ عربی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا.﴾

اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں دہرایا ہے اور (یہ بات) معلوم ہے کہ لفظ ''قرآن'' (یہ) عام ہے کہ جو قران کی تمام سورتوں اور آیتوں کو شامل ہے اور یہ تمام الفاظ اور مفردات کو شامل ہے۔

(۲) بے شک قرآن عربی زبان میں اترا تا کہ عرب اس کو سمجھیں اور اس کی حقیقت کو جانیں اور اس کے معانی میں غور وفکر کریں۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ایسی زبان میں خطاب فرمائیں کہ جس کو وہ سمجھتے نہ ہوں۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آیات (اس سے) عبرت حاصل کرنے اور (اس پر) عمل کرنے کے لئے اس کے عربی زبان میں اتارے جانے پر صریح (دلالت کرتی) ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (یوسف: ۲)

''ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو۔'' (تفسیر عثمانی)

(اور فرمان خداوندی ہے)

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (حم السجدة: ۳)

''قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ (مذکورہ بالا آیات) غیر عربی الفاظ کے (قرآن میں) ہونے کی نفی کرتی ہیں۔

(۳) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد کیا کہ جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن کسی (عجمی) اہل کتاب (کہ جس کا نام) جبر رومی تھا سے' لیا ہے۔ اور ان پر زبانوں کے اختلاف (یعنی مختلف ہونے) کی حجت قائم کی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳)

''اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی' جس کی طرف تعریفیں کرتے ہیں۔ اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قران کی زبان عربی ہے صاف۔'' (تفسیر عثمانی)

چنانچہ یہ قرآن (تو) عربی (زبان میں) ہے اور وہ عجمی تھا۔ اور ان دونوں (باتوں میں) زمین آسمان کا فاصلہ ہے۔

(۴) اگر اس قرآن میں کوئی (لفظ بھی ایسا) ہوتا کہ جو لغت عرب میں سے نہ ہوتا۔ یا عرب اس لفظ کو نہ سمجھتے یا کوئی عجمی غیر عربی لفظ ہوتا تو مشرکین قرآن پر اپنا یہ اعتراض کھلے بندوں کرتے اور وہ اس بات سے آپؐ کے سچا نہ ہونے کی دلیل پکڑتے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ﴾ (❶ حم السجدة: ٤٤) ❷

''اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ۔'' (تفسیر عثمانی)

(۵) تحقیق قرآن میں پائے جانے والے وہ الفاظ کہ جن کی نسبت دیگر لغات کی طرف کی جاتی ہے تو بے شک یہ لغات کے توافق اور توارد کے باب سے ہے (یعنی یہ لغات کی یکسانیت اور بعض الفاظ کے ایک دوسرے میں ایک طرح سے پائے جانے کے باب میں سے ہے) مطلب یہ ہے کہ وہ لفظ کہ جس کو عرب بھی بولتے ہیں اور اس کو فارسی اور عجمی اور ان کے علاوہ (دیگر زبانوں والے بھی) بولتے ہیں۔ تو بے شک یہ ایک ایسا لفظ ہے کہ جس پر کئی لغات اکٹھی ہوگئیں ہیں (یعنی یہ لفظ بیک وقت کئی لغات میں پایا اور ان میں بولا جاتا ہے) نا کہ یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ غیر عربی کا لفظ ہے۔

چنانچہ جب عرب وہ لفظ بولیں گے تو وہ عربی (زبان کا ہی) ہوگا اور جب دوسرے وہ لفظ بولیں گے یا عجمی اس کو استعمال کریں گے تو یہ بات اس لفظ کو عربی ہونے سے نہیں نکال دے گی۔

ترجیح

صحیح بات یہی ہے کہ جس کی طرف طبری (ابن جریرؒ) اور جمہور علماء گئے ہیں کہ قرآن تمام کا تمام عربی ہے یہ وہ بات ہے کہ جس کی بہت سی نصوص اور (بہت سے) وہ ناقابل تردید دلائل شہادت دیتے ہیں کہ جن سے علماء نے دلیل پکڑی ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے جمہور کی (موافقت اور ان کی) تائید کی ہے اور دوسری رائے کو رد کیا ہے۔ اور ان دونوں مذاہب کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ''بے شک زیادہ صحیح پہلا (مذہب) ہے کیونکہ عرب دو حال سے خالی نہیں' یا تو ان کو ان الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے یا نہیں۔

---

❶ قرآن میں ''عجمی'' کا لفظ پہلے ہے اور ''عربی' بعد میں ہے۔ (نسیم)

❷ مولف کتاب اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو ان کی زبان کے علاوہ (کسی دوسری زبان) میں اتارتے اور اس کو عجمی لغت کا بنا (کر اتار) تے تو مشرکین یہ اعتراض کرنے لگتے ''کیوں نہ اس کی آیات واضح کی گئیں اور اس کے کلمات ہماری عربی لغت میں کیوں نہ اترے۔ تاکہ ہم اس کو سمجھتے اور اس میں غور وفکر کرتے؟ اور (عربی و عجمی) کا معنی یہ ہے کہ ''رسول تو عربی ہوا اور (اس کا) قرآن عجمی (زبان کا) ہو؟

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ایک عجمی قرآن' ایک عربی رسول پر کیسے نازل ہوسکتا ہے؟

اگرتو ان کوخطاب کیا گیا ہےتو یہ (الفاظ) ان کے کلام میں سے ہیں (یعنی یہ عربی الفاظ ہیں) اور (ہاں البتہ) یہ بات بعید نہیں ہے کہ غیر عرب اپنے بعض کلمات میں (کہ جوان کی زبان کے ہوں ان الفاظ میں) عربوں کے موافق ہوں۔

اور اگر عربوں کوان الفاظ سے خطاب نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہوں نے ان الفاظ کو پہچانا تو یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوان الفاظ سے خطاب کرے کہ جووہ جانتے نہ ہوں اور اس وقت یہ قرآن عربی نہ ہوگا۔ اور نہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کوان کی زبان میں مخاطب ہوگا۔ ❶

توضیح

علامہ عبدالحق حقانی نے عیسائی پادریوں کے قرآن پر اعتراضات کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے"اگر کوئی کہے کہ موافق بیان تفسیر اتقان کے قرآن میں علاوہ زبان حجاز عرب کے اور غیر زبانوں کے بہت سے الفاظ آئے ہیں۔ تو پھر قرآن غرابت سے کیونکر بری ہوسکتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ غیر زبانوں کے الفاظ مستعمل ہونے کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ وہ الفاظ عرب میں مستعمل ہی نہ ہوں۔

(۲) دوم یہ کہ مستعمل ہوں۔ اول صورت میں تو غرابت ہے دوسری میں نہیں۔

پس قرآن مجید میں جس قدر الفاظ غیر زبانوں کے وارد ہیں۔ وہ ہیں کہ جو عرب کے مستعمل اور مروج تھے۔ کیونکہ ان الفاظ پر کبھی کوئی نہ چونکا اور نہ کسی کو ان کے معانی دریافت کرنے کی ضرورت پڑی۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴ مقدمہ حاشیہ نمبر ۲)

بحث ترجمة القرآن

معنى الترجمة:

ترجمة القرآن معناها نقل القرآن إلى لغات أجنبية أخرى غير اللغة العربية وطبع هذه الترجمة فى نسخ ليطلع عليها من لا يعرف اللغة العربية (لغة القرآن) ويفهم مراد الله عزوجل من كتابه العزيز بواسطة هذه الترجمة.

أنواع الترجمة:

وتنقسم هذه الترجمة إلى قسمين:

الأول: الترجمة الحرفية

الثاني: الترجمة التفسيرية

والمراد بالقسم الأول (الحرفية) أن يترجم القرآن بألفاظه و مفرداته وجمله و تركيبه

❶ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۶۹

ترجمة طبق الأصل إلى اللغة الانجليزية' أو الألمانية' أو الفرنيسة.

مثلا فيقال: (القرن باللغة الانجليزية) أو (القرآن باللغة الألمانية) وهكذا فهي تشبه وضع المرادف مكان مرادفه' و بعض الناس يسمي هذه الترجمة (ترجمة لفظية)

وأما القسم الثاني (التفسيرية) فهو يترجم معنى الآيات الكريمة' بحيث لا يتقيد الإنسان باللفظ' وإنما يكون همه المعنى' فيترجم القرآن بألفاظ لا يتقيد بها بالمفردات والتراكيب' وإنما يعمد إلى الأصل فيفهمه. ثم يصبه في قالب يؤديه من اللغة الأخرى ويكون هذا المعنى موافقا لمراد صاحب الأصل فيفهمه ثُمَّ يصبّهُ في قالب يوديه من اللغة الاخرى ويكون هذا المعنى موافقا لمراد صاحب الاصل من عير أن يكلف نفسه عناء البحث والوقوف عند كل مفرد من المفردات' أو لفظة من الألفاظ. وهذا النوع يسمى (الترجمة الحرفية) أو الترجمة المعنوية.

شروط الترجمة:

ويشترط للترجمة سواء كانت حرفية' أو تفسيرية' شروط عدة نوجزها فيما يلي:

(١) أن يعرف (المترجم) بكسر الجيم اللغتين معا' لغة الأصل' ولغة الترجمة.

(٢) أن يكون ملما بأساليب وخصائص اللغات التي يود ترجمتها.

(٣) أن تكون (صيغة الترجمة) صحيحة بحيث يمكن أن تحل محل الأصل.

(٤) أن تفي الترجمة بجميع معاني الأصل ومقاصده و فاء كاملا.

كما يشترط للترجمة (الحرفية) زيادة على هذه الشروط شرطان آخران:

الأول: وجود مفردات كاملة في لغة الترجمة' مساوية للمفردات التي هي لغة الأصل.

الثاني: تشابه اللغتين في الضمائر المستترة' والروابط التي تربط الجمل لتأليف التركيب.

هل تجوز الترجمة الحرفية للقرآن؟

وعلى ضوء ما سبق من تقسيم الترجمة إلى حرفية' و تفسيرية' و معرفة معنى كل منهما' والشروط التي ينبغي أن تتوفر في الترجمة' يتضح لنا أن (الترجمة الحرفية) غير جائزة' وغير صحيحة وذلك للأسباب الآتية:

أولا: أنه لا يجوز كتابة القرآن بغير أحرف اللغة العربية لئلا يقع التحريف والتبديل.

ثانيا: إن اللغات (غير العربية) ليس فيها من الألفاظ والمفردات والضمائر ما يقوم مقام الألفاظ العربية.

ثالثا: إن الاقتصار على الألفاظ قد يفسد المعنى، ويسبب الخلل فی التعبير والنظم.

ولنضرب بعض الأمثلة على ذلك ليتوضح الأمر فنقول:

لو أردنا ترجمة الآية الكريمة وهی قوله تعالى: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (الاسراء: ٢٩)

فإذا أردنا ترجمتها ترجمة حرفية، فإن الترجمة تكون كالآتی: (لا تجعل يدك مربوطة إلى عنقك، ولا تمدها كل المد) إلى آخره وهو معنى فاسد لم يقصده القرآن الكريم بل قد يستنكر المترجم له هذا الوضع، فيقول: لماذا ينهانا الله عن ربط اليد بالعنق، أو مدها غاية المد؟

فالتعبير الذی جاء فی القرآن إنما هو من (باب التمثيل) لبيان عاقبة الإسراف أو الشح، وهو معنى من أروع المعانی لا يدركه إلا من فهم أساليب العرب فی التخاطب بالأسلوب البليغ.

وكذلك قوله تعالى. ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ فإن هذا اللفظ لا يمكن ترجمته ترجمة حرفية لوجود نوع خاص من التعبير البليغ يسمى ب (الاستعارة المكنية) وهذا لا يوجد فی غير اللغة العربية، ومثله قوله تعالى. ﴿قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ وقوله ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ ومثله كذلك قوله تعالى ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ فإذا ترجمناها ترجمة حرفية يفسد المعنى تماما، ويصبح ضربا من الهذيان فی الكلام وأمثال هذا كثير و فساده واضح.

ترجمة القرآن بالمعنى:

أما ترجمة القرآن بالمعنى فهی جائزة بالشروط المتقدمة، وهی لا تسمى (قرآنا) وإنما تسمى تفسيرا للقرآن. وذلك لأن الله تعبدنا بألفاظ القرآن، ولم يتعبدنا بغيره من الكلام. فكلام الرسول ﷺ تجوز روايته بالمعنى بأن نقول قال رسول الله: ما معناه، ولكن القرآن لا يجوز روايته بالمعنى، فلا يصح ان نقول: قال الله تعالى ما معناه، بل لا بد من تلاوة النص بحروفه وألفاظه لأنه موحى به من عند الله، ولأنه معجز بلفظه ومعناه.

فالترجمة فی الحقيقة ههنا ليست ترجمة للقرآن، وإنما هی ترجمة لمعانی القرآن، او ترجمة لتفسير القرآن، وقد أنزل الله كتابه الى الخلق اجمعين، ليكون مصدر هداية، وإرشاد وإسعاد لهم، فلا مانع لنا ان ننقل معانی القرآن إلى الامم الأخرى ممن لا يعرفون اللغة العربية، ليستنيروا بهذا القرآن ويقبسوا من هديه وإرشاده. وهذا بلا شك غرض من أغراض القرآن. ﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

ترجمة القرآن بهذا المعنى يجيزها العلماء بل هی واجبة على المسلمين ليبلغوا الناس دعوة الله، ويحملوا اليهم هداية القرآن، وبغير هذه الترجمة لا يمكن أن يدرك الناس عظمة

هذه الشريعة وروعة هذا الدين' وجمال هذا القرآن والله يقول الحق وهو يهدى السبيل.

ترجمہ: قرآن کی بحث

ترجمہ قرآن کا معنی یہ ہے کہ قرآن کو دوسری غیر عربی اجنبی زبانوں کی طرف سے منتقل کرنا اور اس ترجمہ کا نسخوں میں چھاپنا تاکہ وہ شخص اس ترجمہ سے واقف ہو جائے کہ جو لغت عربی (یعنی قرآن کی لغت) کو نہیں جانتا اور اس ترجمہ کے واسطے سے اللہ کی کتاب عزیز (یعنی قرآن) سے اللہ عزوجل کی مراد سمجھے۔

ترجمہ کی اقسام

یہ ترجمہ دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے:

(۱) لفظی ترجمہ (یعنی حرفی ترجمہ) (۲) تفسیری ترجمہ

پہلی قسم

(یعنی لفظی ترجمہ) سے یہ مراد ہے کہ قرآن کا' اس کے الفاظ' مفردات' جملے اور ترکیبوں کا اصل کے مطابق' انگریزی یا جرمن زبان یا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

(پھر) مثلاً یہ کہا جائے گا: انگریزی زبان (کے ترجمہ والا) قرآن یا جرمن زبان (کے ترجمہ) والا قرآن۔ اور اسی طرح (دوسری مثالیں بھی) یہ ایک ہم معنی لفظ کو اس کے دوسرے ہم معنی لفظ کی جگہ رکھنے کے مشابہ ہے اور بعض لوگ اس کو "لفظی ترجمہ" بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم

رہی دوسری قسم (یعنی تفسیری ترجمہ) وہ آیات کریمہ کا اس طور پر ترجمہ کرنا ہے کہ انسان الفاظ کا پابند نہ ہو۔ اس کا مقصد فقط معنی ہو۔ چنانچہ (اس میں) انسان ایسے الفاظ کے ساتھ ترجمہ کرتا ہے کہ جس میں وہ مفردات اور تراکیب (قرآن) کا پابند نہیں ہوتا۔ اور بے شک (اس میں) وہ اصل کا ارادہ کرتا ہے (یعنی قرآن کے معنی اور مفہوم کی طرف توجہ کرتا ہے) چنانچہ وہ اس اصل کو سمجھتا ہے پھر وہ (اس اصل اور اس کے مفہوم کو) ایسے (الفاظ کے) قالب (اور سانچے) میں ڈھالتا ہے کہ جس کو وہ دوسری لغت سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ معنی صاحب اصل کی مراد کے موافق ہوتا۔ بغیر اس بات کہ وہ اپنے آپ کو ہر ہر لفظ اور ہر ہر مفرد پر (اس کے معنی کو) جاننے اور (اس کی) تحقیق (کرنے) کی طرف توجہ دینے کا مکلف بنائے۔

اس قسم کے ترجمہ کا نام "حرفی ترجمہ" یا "معنوی ترجمہ" رکھا جاتا ہے۔

ترجمہ کی شرائط

ترجمہ چاہے لفظی ہو یا تفسیری اس کی چند شرائط ہیں ہم ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(۱) مترجم (جیم کے کسرہ کے ساتھ یعنی ترجمہ کرنے والا) دونوں لغتوں کو بیک وقت جانتا ہو' اصل کی لغت اور ترجمہ کی لغت۔

(۲) وہ ان لغات کی خصوصیات اور (ان کے) اسالیب سے واقف ہو کہ جن کا ترجمہ کر رہا ہے۔

(۳) ترجمہ کے الفاظ اس طرح صحیح ہوں کہ انہیں اصل کی جگہ رکھنا ممکن ہو۔

(۴) اس ترجمہ نے اصل کے تمام معانی اور مقاصد کو پورا پورا لیا ہو۔

جیسا کہ لفظی ترجمہ میں ان شرائط کے علاوہ دو مزید شرطوں کی شرط لگائی جاتی ہے۔

(۱) ترجمہ کی لغت میں کامل مفردات کا پایا جانا کہ جو ان مفردات کے مساوی (اور برابر) ہوں کہ جو اصل کی لغت ہیں۔

(۲) دونوں لغات کا پوشیدہ ضمائر اور ان (حروف) رابطہ میں یکسانیت کا ہونا کہ جو تراکیب کے بنانے میں جملوں کو جوڑتے ہیں۔ ❶

کیا قرآن کا لفظی ترجمہ جائز ہے؟

گزشتہ (مذکورہ عبارت) میں ترجمہ کی لفظی اور تفسیری میں تقسیم اور دونوں میں سے ہر ایک کے معنی اور ان شرائط کی معرفت کی روشنی میں کہ جن کا ترجمہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظی ترجمہ ناجائز اور غیر صحیح ہے۔ اور یہ بات ان آئندہ (مذکورہ ذیل) اسباب کی وجہ سے ہے۔

(۱) لغت عربی کے الفاظ کے بغیر کتابت قرآن ناجائز ہے کہ کہیں (قرآن میں) تحریف اور تبدیلی نہ ہو جائے۔ ❷

(۲) غیر عربی لغات میں وہ الفاظ' مفردات اور ضمیریں نہیں ہیں کہ جو عربی الفاظ کا قائم مقام ہو سکیں۔ ❸

(۳) صرف الفاظ ہی پر اکتفاء کرنا کبھی کبھی معنی کو بگاڑ دیتا ہے اور وہ تعبیر اور نظم (قرآن) میں خلل کا سبب بنتا ہے۔

ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں تا کہ (ہماری) بات (اور ہمارا مدعا) واضح ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں:

اگر ہم اس ارشاد خداوند کا ترجمہ کرنا چاہیں۔ (جو یہ ہے)

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (الاسراء: ۲۹)

''اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔'' ❹ (تفسیر عثمانی)

---

❶ شاہ عبدالقادرؒ صاحب کا ''موضح القرآن'' اور شاہ رفیع الدینؒ صاحب کے تراجم اس کی بہترین اور صحیح ترین مثالیں ہیں۔ (نسیم)

❷ ہمارے اکابر خاندان ولی اللہی کے علماء اور ان کے بعد کے اکابر علماء دیوبند نے تفسیری و لفظی ہر قسم کے تراجم کو قرآن کے متن کے ساتھ چھاپنے کا اہتمام کیا ہے۔ (نسیم) ❸ یہ بات محل نظر ہے۔ (نسیم) ❹ حضرت شیخ الہندؒ نے کتنا صحیح اور پر معنی ترجمہ کیا ہے۔ (نسیم)

جب ہم اس کا لفظی ترجمہ کرنا چاہیں گے تو یہ ترجمہ اس طرح ہوگا۔

''اپنا ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھ اور نہ اس کو بالکل لمبا کر دے (یعنی کھول دے) اور یہ فاسد معنی ہے کہ جو قرآن کریم نے مراد نہیں لیا۔ بلکہ مترجم خود اس طرح ترجمہ کرنے کو اچنبھا جانے گا۔ اور کہے گا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ گردن کے ساتھ باندھنے یا اس کو پوری طرح لمبا کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟''

چنانچہ وہ تعبیر کہ جو قرآن میں آئی ہے یہ تمثیل کے باب میں سے ہے تا کہ اسراف (یعنی فضول خرچی) اور بخل کے انجام کو بیان کیا جائے۔ اور یہ نہایت عمدہ معانی میں سے ایک معنی ہے اس کو کوئی نہیں پائے گا مگر وہی کہ جو عربی اسالیب کو اس بلیغ اسلوب کے ساتھ مخاطب کرنے کو سمجھتا ہے۔

اسی طرح یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ.﴾ (الاسراء: ٢٤)

''اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیازمندی سے۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ اس لفظ کا لفظی ترجمہ ممکن نہیں کیونکہ اس میں تعبیر بلیغ کی ایک خاص نوع پائی جاتی ہے جس کا نام استعارۂ مکنیہ ہے اور یہ غیر عربی زبان میں نہیں پایا جاتا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ (یونس: ٢)

''پایہ سچا ہے ان کے رب کے یہاں۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ فرمان الٰہی:

﴿تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا﴾ (القمر: ١٤)

''بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔'' (تفسیر عثمانی)

اسی طرح یہ ارشاد خداوندی بھی اسی کی مثل ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.﴾ (البقرة: ١٨٧)

''وہ پوشاک میں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔'' (تفسیر عثمانی)

چنانچہ جب ہم ان آیات کا لفظی ترجمہ کریں گے تو سارا معنی ہی بگڑ جائے گا۔ اور یہ ایک بے تکا قسم کا (اوٹ پٹانگ) کلام بن جائے گا۔ اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور اس کا فساد (بالکل) واضح ہے۔

قرآن کا معنوی ترجمہ

رہا قرآن کا معنوی ترجمہ تو وہ گزشتہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اور اس کا نام قرآن نہیں رکھا جاتا۔ (بلکہ) بے شک اس کا نام قرآن کی تفسیر رکھا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الفاظ قرآن (کے پڑھنے) کا حکم دیا ہے اور الفاظ قرآن کے علاوہ دیگر کلام (کے پڑھنے) کا حکم نہیں دیا۔ پس کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بالمعنی جائز ہے وہ اس طرح کہ ہم ''قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر وہ کہیں کہ جو آپ ؐ کے کلام کی مراد ہے لیکن قرآن کی روایت بالمعنی جائز نہیں۔ لہٰذا ہمیں ''قال اللہ تعالیٰ'' کہہ کر قول خداوندی کی مراد کہنا جائز نہیں۔ بلکہ ہمیں (قرآن کی) عبارت کی تلاوت اس کے حروف اور الفاظ کے ساتھ کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے ان (الفاظ) کی (ہی) وحی کی گئی ہے۔ اور اس لئے (بھی) کہ قرآن اپنے الفاظ اور معنی کے ساتھ معجز ہے۔

چنانچہ اس مقام پر (اس طرح کا) ترجمہ درحقیقت (یہ) ترجمہ ہی نہیں۔ بلکہ یہ قرآن کے معانی کا ترجمہ یا قرآن کی تفسیر کا ترجمہ ہے اور (یہ بات خوب معلوم ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ساری مخلوق کی طرف اتارا ہے۔ تاکہ یہ ان کے لئے ہدایت وارشاد اور سعادت کا منبع بنے۔ لہٰذا ہمیں قرآن کے معانی کو ان دوسری قوموں کی طرف منتقل کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے کہ جو لغت عربیہ کو نہیں جانتے تاکہ وہ قومیں اس قرآن سے نور حاصل کریں اور اس کی ہدایت اور (دینی و دنیاوی) راہ نمائی کو لیں۔ اور یہ بات بے شک قرآن کے (مقاصد و) اغراض میں (داخل) ہے (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾ (الاسراء: ۹)

''یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

لہٰذا اس معنی میں قرآن کے ترجمہ کو علماء نے جائز قرار دیا ہے (اور یہ فقط جائز ہی نہیں) بلکہ مسلمانوں پر واجب (بھی) ہے تاکہ وہ لوگوں اللہ کی دعوت پہنچائیں۔ اور ان تک قرآن کی ہدایت کو لے جائیں اور اس طرح کے (قرآنی) ترجمہ کے بغیر یہ بات ممکن نہیں ہے کہ لوگ اس شریعت کی عظمت اس دین کی عمدگی (اور بہتری) اور اس قرآن کے (حسن و) جمال کو پالیں۔

''اور اللہ ہی سچی بات کہتے ہیں اور وہی (سیدھے) رستے کی ہدایت دیتے ہیں۔''

توضیح

مؤلف کتاب نے اس موضوع پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے البتہ مناسب ہے کہ اس موقعہ پر ہندوستان میں تراجم قرآن کی تاریخ پر مختصر سی روشنی ڈالی جائے۔

اور ایک اہم موضوع کہ جو ترجمہ و قرآن ہی کے متعلق ہے اور وہ ہے طباعت قرآن مناسب یہ ہے کہ آخر میں اس کی تاریخ پر ایک مختصر سی تحریر زیر قلم لائی جائے۔

مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی صاحب ؒ ہندوستان میں تراجم قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن کریم کے اردو اور فارسی میں ترجمے اور تفسیریں

ہم ایک تاریخی مختصر خاکہ قرآن کریم کے اردو فارسی میں تراجم اور تفاسیر کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

ترجمہ فارسی از شاہ ولی اللہؒ ۱۱۵۰ ہجری

سب سے پہلے ہندوستان میں فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ۱۱۵۰ھ میں کیا اور فوائد

قرآنیہ مختصر اًفتح الرحمٰن کے نام سے تحریر فرمائے۔ یہ ترجمہ مطبع مصطفائی میرٹھ میں چھپا جس کے حاشیہ پر تفسیر عباسیؒ شائع کی گئی۔

تفسیر فارسی از شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

بعد ازاں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ''تفسیر عزیزی'' کے نام سے فارسی میں تفسیر لکھی جو نامکمل رہی۔

ترجمہ: اردو از شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ ۱۲۰۵ ہجری

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ فارسی کو بھی زوال آیا۔ اور اردو نے ترقی کی تو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دوسرے فرزند شاہ عبدالقادر صاحب نے ۱۸۰۲ء/ ۱۲۰۵ ہجری میں اردو میں ترجمہ کیا اور اردو میں تفسیری مختصر فوائد لکھے جو ''موضح القرآن'' کے نام سے موسوم ہیں۔ اور غالباً دو سال بعد ۱۸۰۴ء/ ۱۲۰۷ ہجری میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے صاف اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اردو میں کتنی تفسیریں اور ترجمے ہوئے۔ جن میں مولانا اشرف علی صاحبؒ کی تفسیر بیان القرآن اور اردو ترجمہ فاضل دیوبند' مفسر تفسیر حقانی فاضل دیوبند (اور) شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا فاضل دیوبند اور اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند کا ترجمہ سرسید کے پہلے پندرہ پاروں کی تفسیر' مرزا حیرت دہلوی' مولوی فتح محمد جالندھریؒ ڈپٹی نزیر احمد دہلویؒ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' مولوی فیروز الدین مولانا عبدالماجد دریا آبادی' مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ علیہم کے ترجمے' تفسیریں اور فوائد طبع ہوئے۔ (''حیات عثمانی'' صفحہ ۲۸۵-۲۸۶)

قرآن کریم کی طباعت

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے اور ہر دور میں ایسے کاتبوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جس کا کتابت قرآن کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ قرآن کریم کے حروف کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کے لئے مسلمانوں نے جو محنتیں کیں اور جس طرح اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا اس کی ایک بڑی مفصل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کے لئے مستقل تصنیف چاہیے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ ہجری میں قرآن کریم طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے۔ لیکن اسلامی دنیا میں ان کو قبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ اس کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر ''سینٹ پیٹرس برگ'' میں ۱۷۸۷ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا۔ ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا۔ پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہوگئے۔ ❶ (علوم القرآن صفحہ ۲۰۱)

---

❶ طباعت کی تاریخ کے لئے دیکھئے ''تاریخ القرآن للکردی'' صفحہ ۱۸۶ اور ''علوم القرآن'' ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ از غلام احمد حریری صفحہ ۱۴۲۔

الفصل العاشر

نزول القرآن على سبعة أحرف والقراء ات المشهورة

تمهيد

لما خلق الله الخلق، جعل لكم منهم شرعة ومنهاجا، وكان للعرب لهجات متعددة، اكتسبوها من فطرتهم، واقتبسوا بعضها من جيرانهم، وكانت لغة (قريش) لها الصدارة والذيوع لأسباب عدة منها: اشتغالهم بالتجارة ووجودهم عند بيت الله الحرام وقيامهم على السدانة والرفادة، وكان القرشيون يقتبسون بعض اللهجات والكلمات التي تعجبهم من غيرهم، وكان من الطبيعي، أن ينزل الله احكم الحاكمين القرآن، باللغة التي يفهمها العرب أجمع لتيسير فهمها وللاعجاز والتحدي لأرباب الفصاحة بالاتيان بسورة او بآية وتيسير قراءته وفهمه وحفظه لهم، لأنه نزل بلغتهم كما قال جل ثناؤه: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ.﴾

أدلة نزول القرآن على سبعة أحرف:

أولا: روى البخاري ومسلم في صحيحهما عن ابن عباسؓ أنه قال: قال رسول الله ﷺ ((قرأني جبريل على حرف فراجعته فل أزل استزيده و يزيدني حتى انتهى الى سبعة أحرف)) زاد مسلم: (قال ابن شهاب: بلغني ان تلك السبعة في الأمر الذي يكون واحدا لا يختلف في حلال ولا حرم)

ثانيا: روى البخاري ومسلم- واللفظ للبخاري- ان عمر بن الخطابؓ قال (سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ. فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرؤها على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة فانتظرته حتى سلم ثم لببته بردائه فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ قال: اقرأنيها رسول الله ﷺ قلت له: كذبت، فوالله إن رسول الله ﷺ أقرأني هذه السورة التي سمعتك تقرؤها، فانطلقت اقوده الى رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله اني سمعت هذه يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيهاوأنت أقرأتني سورة الفرقان فقال رسول الله ﷺ، أرسله يا عمر، اقرأيا هشام، فقرأ هذه القراءة التي سمعته يقروها قال رسول الله ﷺ: هكذا أنزلت، ثم قال: ((إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرأوا ما تيسر

منه))

.وفى بعض الروايات ان رسول الله استمع إلى قراء ة عمر أيضا وقال: هكذا انزلت.

ثالثا: روى مسلم بسنده عن أبى بن كعب قال: (كنت فى المسجد' فدخل رجل يصلى فقرأ قراء ة أنكرتها عليه' ثم دخل آخر' فقرأ قراء ة سوى قراء ة صاحبه' فلما قضينا الصلاة دخلنا جميعا على رسول الله ﷺ' فقلت: إن هذا قرأ قراء ة انكرتها عليه' ودخل آخر فقرأ سوى قراء ة صاحبه فأمرهما رسول الله ﷺ فقرآ' فحسن النبى ﷺ شأنهما' فسقط فى نفسى من التكذيب ولا إذ كنت فى الجاهلية' فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشينى ضرب فى صدرى' فَفُضِضْت عرقا' وكأنما انظر الى الله عزوجل فرقا فقال لى: يا أبى' أرسل إلى ان اقرأ القرآن على حرف فرددت إليه: أن هون على أمتى' فرد الى الثانية اقرأه على حرفين' فرددت إليه: أن هون على أمتى' فرد إلى الثالثة: اقرأه على سعبة أحرف'ولك بكل ردة رددتها مسألة تسألنيها فقلت ((اللهم اغفر لا متى وأخرت الثالثة ليوم يرغب إلى الخلق' كلهم حتى ابراهيم ﷺ)) أهـ.

قال القرطبى ((فكان هذا الخاطر (يشير إلى ما سقط فى نفس أبى) من قبيل ما قال فيه النبى ﷺ حين سألوه: إنا نجد فى أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به. قال: أوقد وجدتموه؟ قالوا: نعم. قال ذلك صريح الإيمان)) رواه مسلم.

رابعا: روى الحافظ أبو يعلى فى مسنده الكبير أن عثمان رضى الله عنه قال يوما وهو على المنبر ((أذكر الله رجلا سمع النبى ﷺ قال: إن القرآن أنزل على سبعة أحرف كلها شاف كاف)) لما قام. فقاموا حتى لم يحصوا' فشهدوا أن الرسول ﷺ قال (أنزل القرآن على سبعة حروف كلها شاف كاف). فقال عثمانؓ (وأنا أشهد معهم)

خامسا: روى مسلم بسنده عن أبى بن كعب أن النبى ﷺ كان عند أضاة بنى غفار قال: (فأتاه جبريل عليه السلام فقال: إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على حرف. فقال: أسأل الله معافاته و مغفرته' وإن أمتى لا تطيق ذلك. ثم أتاه الثانية فقال: ان الله يأمرك ان تقرا أمتك القرآن على حرفين. فقال: أسأل الله معافاته و مغفرته' وإن أمتى لا تطيق ذلك. ثم جاء ه الثالثة فقال: إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على ثلا ثة أحرف. فقال: أسأل الله معافاته و مغفرته وإن أمتى لا تطيق ذلك. ثم جاء ه الرابعة فقال إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على سبعة أحرف. فأيما حرف قروا عليه فقد أصابوا)

أ.هـ.

سادسا: روی الترمذی عن أبی بن کعب أیضًا قال: لقی رسول الله ﷺ جبریل عند أحجاز المروة. قال: فقال رسول الله ﷺ لجبریل: إنی بعثت إلی أمة أمیین' فیهم الشیخ الفانی' والعجوز الکبیر' والغلام' قال: ((فمرهم فلیقرووا القرآن علی سبعة أحرف)) قال الترمذی: حسن صحیح.

وفی لفظ: (فمن قرأ بحرف منها فهو کما قرأ)

وفی لفظ حذیفة: ((فقلت یا جبریل إنی أرسلت إلی أمة أمیة فیهم الرجل والمرأة والغلام والجاریة والشیخ الفانی الذی لم یقرأ کتابا قط قال: ((إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف))

سابعا: أخرج الإمام أحمد بسنده عن أبی قیس مولی عمرو بن العاص عن عمرو أن رجلا قرأ آیة من القرآن. فقال له عمرو: إنما هی کذا وکذا' فذکر ذلك للنبی ﷺ فقال: (إن هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف' فأی ذلك قرأتم أصبتم فلا تماروا)

ثامنا: روی الطبری والطبرانی عن زید بن أرقم قال: جاء رجل إلی رسول الله ﷺ فقال: أقرأنی ابن مسعود سورة أقرأنیها زید بن ثابت' واقرأنیها أبی بن کعب فاختلفت قراء تهم' فبقراء ة أیهم آخذ؟ فسکت رسول الله ﷺ و علی إلی جنبه فقال علی: لیقرأ کل انسان منکم کما علم' فإنه حسن جمیل.

تاسعا: أخرج ابن جریر الطبری عن أبی هریرة أنه قال: قال رسول الله ﷺ ((إن هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف فاقرؤوا ولا حرج' ولکن لا تختموا ذکر رحمة بعذاب ولا ذکر عذاب برحمة)) اهـ.

لغات: شِرَعةٌ: راستہ۔ منهاج: طریقہ۔ الصدارت: اولین حیثیت' اعلیٰ مقام۔ ذیوع: پھیلنا۔ سدانت: خانہ کعبہ کی خدمت ودربانی۔ رفادہ: وہ مال جسے عرب نکال کر غریب حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ حجاجِ اکرام کی ایام حج میں مہمان نوازی۔

ترجمہ: دسویں فصل

قرآن کا ''سات حروف'' پر اترنا اور مشہور قراءتیں

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

جب اللہ تعالیٰ نے (ساری) مخلوق کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے ایک مسلک اور ایک راستہ بنایا۔ اور عربوں کے کئی لہجے [1] تھے۔ جنہیں انہوں نے اپنی فطرت (ی صلاحیتوں) سے حاصل کیا۔ اور بعض لہجوں کو اپنے پڑوسیوں سے لیا۔ اور لغت قریش کو (دیگر زبانوں اور لغات پر) کئی اسباب کی وجہ سے برتری اور (عام) اشاعت (اور پھیلاؤ) حاصل تھی۔

ایک وجہ قریش کا (پیشہ) تجارت کو اختیار کرنا' اور ان کا بیت اللہ الحرام کے پاس رہنا اور بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی خدمت اور حاجیوں کی (قیام وطعام وغیرہ کی) خدمت (وضیافت) کی ذمہ داری اٹھانا تھی۔

اور قریش دیگر زبانوں اور ان الفاظ کو (سیکھ لیا کرتے تھے اور انہیں) حاصل کر لیا کرتے تھے جو انہیں دوسروں سے اچھے لگتے۔ اور یہ ایک فطرتی بات تھی کہ اللہ (تعالیٰ) احکم الحاکمین نے قرآن کو

اس لغت میں اتارا جسے سب عرب سمجھتے تھے۔ تا کہ عربوں کو (قرآن کی) لغت سمجھنا آسان ہو۔ اور (قران کے) اعجاز اور ارباب فصاحت کو اس کی ایک سورت یا ایک آیت (تک کی مثل) لانے کا چیلنج کرنے کے لئے اور اس کی قراءت (و تلاوت) اور اس کو سمجھنے اور عربوں کو اسے یاد کرنے میں آسانی کرنے کے لئے (اسے اس زبان میں اتارا جسے وہ سمجھتے تھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن ان کی لغت پر اتارا۔

جیسا کہ اللہ جل ثناءہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ.﴾ (یوسف: ۲)

''ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو۔'' (تفسیر عثمانی)

قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کے دلائل

(۱) بخاریؒ ومسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے جبرائیل (علیہ السلام) نے قرآن (کریم) ایک حرف پر پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کریم کے حروف میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہنچ [2] گئے۔''

---

[1] ''لہجہ'' مقامی زبان' آہنگ کلام' لب ولہجہ (القاموس الوحید صفحہ ۱۵۰۱ کالم نمبر ۲)

[2] یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۹۹ سے لیا گیا ہے اور یہ حدیث مناہل العرفان جلد ا صفحہ ۱۳۳ پر بھی درج ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری ۳ ص ۲۲۷ اور صحیح مسلم ج ا ص ۵۶۱ میں ان دونوں حضرات نے اپنی سند کیساتھ اس کو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے۔

اور امام مسلم نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں۔

''ابن شہاب کہتے ہیں کہ یہ سات حروف اس امر میں ہیں کہ جو ایک ہے (اور) حرام اور حلال میں مختلف نہیں۔''

توضیح

سات حروف کا مطلب

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرأوا ما تيسر منه.

''یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس اس میں جو تمہارے لئے آسان ہو۔ اس طریقہ سے پڑھو۔'' ❶

اس حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک بڑی معرکۃ الآراء اور طویل الذیل بحث ہے اور بلاشبہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے۔ یہ مذکورہ حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے۔ اور مشہور محدث امام ابوعبید قاسم بن سلام نے اس کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور حدیث وقراءت کے مشہور امام علامہ ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کئے ہیں۔ ان کے مطابق یہ حدیث انیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ❷

اب اس حدیث میں سات حروف پر نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں آراء ونظریات کا شدید اختلاف ملتا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن عربی نے اس بارے میں پینتیس اقوال شمار کئے ہیں۔ ❸ چند ایک یہ ہیں۔

(۱) جو لوگ اس سے سات مشہور قاریوں کی قراءتیں مراد لیتے ہیں ان کا یہ خیال تو بالکل غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں انہی سات میں منحصر نہیں۔ دیگر قراءتیں بھی تواتر سے ثابت ہیں۔ اور ان کے مشہور ہونے کی وجہ علامہ ابن مجاہدؒ کا ان کو ایک کتاب میں جمع کر دینا ہے۔ ان کا مقصد نہ ان میں انحصار تھا اور نہ ہی یہ سات قراءتیں سبعۃ احرف کی تشریح کے طور پر جمع کی تھیں۔

(۲) بعض نے سات قراءتیں تو مراد لیں ہیں مگر سات کے عدد سے کثرت مراد لی ہے لہٰذا ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم بہت سی قراءتوں پر نازل ہوا متقدمین میں قاضی عیاض کا یہی مسلک ❹ ہے۔ اور یہی قول آخری دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بھی ہے۔ لیکن یہ قول اس لئے درست نہیں کہ بخاری ومسلم کی وہ حدیث (کہ جو متن کتاب التبیان میں مذکور ہے) سے پتا چلتا ہے کہ اس سے سات کا مخصوص عدد ہی مراد ہے جمہور نے اس قول کی تردید کی ہے۔

---

❶ صحیح بخاری مع القسطلانی صفحہ ۴۵۳ جلد ۵ کتاب فضائل القرآن۔

❷ ابن الجزریؒ: النشر فی القراءات العشر جلد ۱ صفحہ ۲۱ دمشق ۱۳۴۵ ہجری

❸ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن: جلد ۱ صفحہ ۲۱۲

❹ اوجز المسالک جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ سہارنپور ۱۳۵۰ ہجری

(۳) حافظ ابن جریر طبریؒ وغیرہ نے اس سے سات قبائل کی لغات مراد لی ہے۔ چونکہ قبائل کی زبان میں اختلاف ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی آسانی کے لئے سات قبائل کی لغات پر قرآن نازل کیا۔ ❶ امام ابو حاتم بجستانیؒ نے ان قبائل کے یہ نام بتلائے ہیں۔

(۱) قریش (۲) ہذیل (۳) تیم الرباب (۴) ازد (۵) ربیعہ (۶) ہوازن (۷) سعد بن بکر۔

حافظ ابن عبدالبر نے ان کی جگہ یہ گنوائے ہیں۔

(۱) ہذیل (۲) کنانہ (۳) قیس (۴) ضبہ (۵) تیم الرباب (۶) اسد ابن خزیمہ اور (۷) قریش۔ ❷

دیگر محققین نے مثلاً حافظ ابن عبدالبرؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ ابن الجزریؒ وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے اول تو اس لیے کہ خاص ان قبائل کی کیا خصوصیت ہے اس کے علاوہ علامہ عثمانی دامت برکاتہم اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں کہ جو مولف کتاب علامہ صابونی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب میں سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے کی دلیل نمبر۲ کو ذکر کیا ہے۔

علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے ہم اس کو نقل کرنے کے بعد متن کتاب کا ترجمہ پیش کریں گے اور آگے کسی مناسب موقع پر علوم القران کی مذکورہ عبارت کو جوڑ کر ذکر کریں گے۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں:

''اگر سات حروف سے مراد سات قبائل کی لغات ہوتیں تو حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ میں کوئی اختلاف نہ ہوتا کیونکہ دونوں حضرات قریشی تھے۔ ❸ اگرچہ علامہ آلوسیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ''ہوسکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو آپ ﷺ نے قریش کے علاوہ کسی اور کی لغت پر قرآن پڑھایا ہو۔'' ❹ لیکن یہ بات کمزور ہے کیونکہ اس کی حکمت بظاہر تمام قبائل پر سہولت تھی نا کہ آپس کا اختلاف اور علامہ طحاویؒ نے اس بات پر مزید یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ پھر یہ مفہوم اس ارشاد خداوندی کے خلاف ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ. (ابراهيم : ٤)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔''

اور آپ ﷺ کا قریشی ہونا طے ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ قرآن صرف قریش کی لغت پر نازل ہوا اور اس قول کے قائلین اس پر بھی متفق ہیں کہ اختلاف قراءات اب تک باقی ہے اور یہ فقط لغت قریش میں ہی ہے۔ مزید یہ کہ اس کی تائید ذخیرہ احادیث کی کسی حدیث سے بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ قول نہایت کمزور ہے۔ (علوم القرآن از ۹۷-۱۰۴ ملخصاً و بتصرف)

اب ہم متن کتاب کے اس واقعہ کا ترجمہ کرتے ہیں جو مذکورہ بالا عبارت میں ذکر ہوا۔

ترجمہ: (۲) (مولف کتاب فرماتے ہیں) بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے (اور لفظ بخاری کے ہیں) کہ حضرت عمر بن خطابؓ

❶ تفسیر ابن جریر صفحہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۔ ❷ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۲ اور روح المعانی جلد ص ۲۱ جلد ۱۔
❸ النشر فی القراءات العشر جلد ۱ صفحہ ۲۵ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۳۔ ❹ روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۲۱۔

نے فرمایا کہ میں نے ہشام بن حکیمؓ کو آپ ﷺ کی زندگی میں سورہٴ فرقان پڑھتے سنا میں نے ان کی قراءت کو غور سے سنا تو اچانک وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان سے الجھ پڑتا (لیکن میں نے ایسا نہ کیا) اور میں نے ان کا انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے انہیں ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا❶ اور میں نے پوچھا ''تمہیں یہ سورۃ کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا'' مجھے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔'' تو میں نے انہیں کہا'' تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم یہی سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے وہ مجھے (بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔

چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے انہیں سورہٴ فرقان اس حرف پر پڑھتے سنا ہے جو آپؐ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ جبکہ آپؐ نے مجھے سورہٴ فرقان پڑھائی ہے۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! اسے چھوڑ دو (اور) اے ہشام! تم پڑھو۔'' چنانچہ انہوں نے (سورہٴ فرقان) اس قراءت پر پڑھی جس پر میں نے پڑھتے سنا تھا۔''

(اس کو سن کر) آپؐ نے ارشاد فرمایا (یہ سورت) اسی طرح اتری ہے' پھر فرمایا ''یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے۔ پس اس میں جو تمہارے لئے آسان ہو اس طریقہ پر پڑھ لو۔''

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کی قراءت بھی سنی اور (سن کر یہ) ارشاد فرمایا (یہ سورت) اس طرح (بھی) اتری ہے۔''

(۳) مسلمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ''میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص نے آ کر نماز پڑھنا شروع کی۔ اور اس نے ایسی قراءت کی جسے میں نے اس سے نہ پہچانا۔ پھر ایک اور آدمی آیا (اور آ کر نماز میں) وہ قراءت کی جو اس کے ساتھی کے علاوہ تھی۔ جب ہم نماز ادا کر چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو میں نے عرض کیا ''اس شخص نے وہ قرائت کی جو میں اس سے پہچانتا نہیں ہوں اور (یہ) دوسرا آیا اور اس نے اپنے ساتھی کے علاوہ دوسری قراءت کی۔

چنانچہ آپؐ نے دونوں کو حکم دیا (کہ وہ پڑھیں) انہوں نے پڑھا تو آپؐ نے دونوں کی قراءتوں کو اچھا کہا۔ (حضرت ابیؓ فرماتے ہیں کہ) پھر میرے دل میں ایسے شکوک وشبہات آنے لگے کہ جو اس وقت بھی نہ آئے تھے کہ جب میں زمانہ جاہلیت میں تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری وہ پریشانی دیکھی کہ جو مجھے لاحق ہوئی تھی (یعنی میرے اوپر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو محسوس کیا)

---

❶ جیسے کسی کا گریبان کھینچے ہیں۔ (نسیم)

تو آپ ؐ نے میرے سینے پر (ہاتھ) مارا پس میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ گویا کہ میں اللہ عزوجل کو سامنے (واضح طور پر) دیکھ رہا ہوں۔ تو آپ ؐ نے مجھے فرمایا ''میری طرف (جبرئیل) یہ پیغام دے کر بھیجے گئے کہ ''آپ قرآن کو ایک حرف پر پڑھیں'' تو میں نے ان کو واپس کر دیا کہ میری امت پر آسانی کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے (انہیں) میری طرف دوبارہ بھیجا کہ آپ اس کو دو حرفوں پر پڑھئے۔ میں نے ان کو (دوبارہ) واپس بھیج دیا کہ میری امت پر آسانی کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف (حضرت جبرائیل کو) تیسری مرتبہ بھیجا کہ آپ اس کو سات حرفوں پر پڑھئے اور آپ ؐ کے لئے ہر دفعہ کے واپس بھیجنے پر ایک دعا ہے (اور ایک سوال ہے) جو آپ ؐ مجھ سے مانگیے۔ چنانچہ میں نے (یہ دعا) مانگی۔ ''اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما'' اور میں نے تیسری (دفعہ کی) دعا کو موخر کر دیا اس دن کے واسطے کہ جس کی طرف ساری مخلوق مائل ہے حتیٰ کہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام بھی (یعنی قیامت کے دن کے لیے)'' اھ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) علامہ قرطبی فرماتے ہیں ''یہ خیال (علامہ قرطبی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جو حضرت اُبی کے جی میں آئی) اس قبیل میں سے ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب صحابہؓ نے آپ ؐ سے پوچھا ''ہم اپنے جیوؤں میں وہ بات پاتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کو بیان کرنا بہت بڑی بات سمجھتا ہے تو آپ ؐ نے فرمایا ''کیا (واقعی) تم (اپنے جیوں میں) اس (طرح کی) بات کو پاتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا ''جی ہاں'' تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا یہ صریح ایمان ہے (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۴) حافظ ابو یعلی نے اپنی مسند کبیر میں روایت کیا ہے حضرت عثمانؓ نے ایک دن منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے ارشاد فرمایا ''میں اس شخص کو خدا یاد دلاتا ہوں (یعنی اسے اللہ کے واسطہ دیتا ہوں یا یہ کہ اسے اللہ کی قسم دیتا ہوں) کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہو کہ ''یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جن میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے۔'' وہ شخص کھڑا ہو جائے۔ تو اتنے لوگ کھڑے ہو گئے کہ جن کو شمار نہ کیا جا سکا۔

چنانچہ ان لوگوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کافی شافی ہے۔'' تو اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''ان کے ساتھ میں (بھی اس بات کی) گواہی دیتا ہوں۔

(۵) مسلمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے (پانی کے کچے) تالاب ❶ کے پاس تھے ابیؓ کہتے ہیں ''حضرت جبرئیل (علیہ السلام) آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا ''اللہ نے آپ ؐ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ؐ کی (ساری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے۔ اس پر آپ ؐ نے فرمایا ''میں اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو حکم دیا ہے کہ آپ ؐ کی امت قرآن کریم

---

❶ مولف کتاب اضاءۃ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ پانی کے کچے تالاب کو کہتے ہیں کہ جو جوہڑ کی طرح ہو اور اسکو اضاءۃ بنی غفار اس لئے کہتے تھے کہ یہ قبیلہ وہاں آ کر فروکش ہوا تھا۔

کو دو حرفوں پر پڑھے آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔''

پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ''آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھے۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں۔ میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کی امت قرآن کو سات حروف پر پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر پڑھیں گے ان کی قراءت درست ❶ ہوگی۔''

(۶) ترمذیؒ نے بھی حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مروہ کے پتھروں کے قریب حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت جبرئیل سے کہا:

''میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں لب گور بوڑھے بھی ہیں، سن رسیدہ بوڑھیاں بھی، اور بچے بھی، حضرت جبرئیل نے فرمایا ''ان کو حکم کیجئے کہ وہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں۔'' ❷

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

اور ایک روایت میں یہ (الفاظ) ہیں۔

''جس نے ان میں سے ایک حرف پر بھی پڑھا تو اس نے جیسا قرآن تھا اس طرح پڑھا تھا۔''

اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ''میں نے کہا اے جبرئیل مجھے ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہے ان میں مرد اور عورت اور لڑکے اور لڑکیاں اور وہ لب گور بوڑھے بھی ہے کہ جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے فرمایا ''بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔''

(۷) امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوقیسؒ مولی عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمروؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی قرآن کی ایک پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمروؓ نے ان سے کہا ''یہ آیت تو ایسے ایسے ہے پھر یہ بات انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں) عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا ''یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس تم جس حرف بھی پڑھو گے درست پڑھو گے۔ لہٰذا (آپس میں اس بات پر) مت جھگڑو۔

(۸) طبریؒ اور طبرانیؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ''ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا ''مجھے عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک سورت پڑھائی، وہی زید بن ثابتؓ نے پڑھائی اور ابی بن کعبؓ نے (بھی) وہ (ہی) پڑھائی۔ ان سب نے (ایک دوسرے سے اس سورت میں) اپنی اپنی قراءتوں میں اختلاف کیا۔ پس میں ان میں سے کس کی قراءت کو لوں؟ پس آپؐ خاموش رہے۔ اور حضرت

---

❶ یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۰۰-۱۰۱ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

❷ یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۱۴ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

علیؓ اس کے پہلو میں (بیٹھے) تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "چاہیے کہ تم میں سے ہر آدمی جس طرح جانتا ہے اس طرح ہی پڑھے کہ یہ اچھی (اور) خوبصورت بات ہے۔

(۹) ابن جریر طبریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ تم اس کو (جس قراءت پر مرضی) پڑھو (اس میں) کوئی حرج نہیں۔ لیکن رحمت کا ذکر عذاب کے ساتھ ختم نہ کرو اور نہ ہی عذاب کا ذکر رحمت کے ساتھ۔"

الحكمة من نزول القرآن على سبعة أحرف:

(۱) التيسير على الأمة الإسلامية وخاصة الأمة العربية التى نزل عليها القرآن وكان لها لهجات متعددة على الرغم أنها تجمعها كلمة العروبة، تأخذ هذا من قوله ﷺ: ((وأن هون على أمتى)) ((وإن أمتى لا تطيق ذلك)) وغيرها.

قال المحقق بن الجزرى:

((وأما سبب و روده على سبعة أحرف فللتخفيف على هذه الأمة، وإرادة اليسر بها، والتهوين عليها شرفا لها، و توسعة و رحمة وخصوصية لفضلها وإجابة لقصد نبيها أفضل الخلق وحبيب الحق، حيث أتاه جبريل فقال انّ الله يا مرك ان تقرا امتك القرآن على حرف فقال صلى الله عليه وسلم اسال الله معافاته و مغفرته و معونته ((فإن أمتى لا تطيق ذلك ولم يزل يردد المسألة حتى بلغ سبعة أحرف)) ثم قال: وكما ثبت أن القرآن نزل من سبعة أبواب على سبعة أحرف، وأن الكتاب قبله كان ينزل من باب واحد علي حرف واحد، وذلك أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كانوا يبعثون إلى قومهم الخاصين والنبى ﷺ بعث إلى جميع الخلق، أحمرهم وأسودهم، عربيهم وعجميهم، وكان العرب الذى نزل القرآن بلغتهم، لغاتهم مختلفة، وألسنتهم شتى، ويعسر على أحدهم الإنتقال من لغة إلى غيرها، أو من حرف إلى آخر، بل قد يكون بعضهم لا يقدر على ذلك ولو بالتعليم والعلاج لا سيما الشيخ والمرأة، ومن لم يقرأ كتابا كما أشار إليه ﷺ، فلو كلفوا العدول عن لغتهم، والانتقال عن ألسنتهم، لكان من التكليف بما لا يستطاع، وما عسى أن يتكلف المتكلف و تأبى الطباع)) اهـ.

(۲) جمع الأمة الإسلامية على لسان واحد يوحد بينها هو لسان قريش الذى انتظم كثيرا من مختارات ألسنة القبائل العربية التى كانت تختلف إلى مكة فى موسم الحج وغيره. ولذلك نزل القرآن على سبعة أحرف نصطفى ما شاء من لغات القبائل العربية

التی تمثلت فی لسان القرشیین وهذہ حکمة إلهیة سامیة فإن وحدة اللسان العام من أهم العوامل فی وحدة الأمة خصوصاً أول عهدها بالتوثب والنهوض.

معنی نزول القرآن علی سبعة أحرف:

الأحرف: جمع حرف والحرف له معان کثیرة قال صاحب القاموس: (الحرف من کل شیئ طرفه، وشفیره وحده، ومن الجبل اعلاه المحدد، وواحد حروف التهجی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ ای وجه واحد، وهو ان یعبده علی السراء لا علی الضراء، او علی شك، او علی غیر طمأنینة من أمره، ای لا یدخل فی الدین متمکنا. ((ونزل القرآن علی سبعة أحرف)) أی سبع لغات من لغات العرب. ولیس معناه أن یکون فی الحرف الواحد سبعة أوجه إن جاء علی سبعة أو عشرة أو أکثر. ولکن معناه أن هذه اللغات السبع متفرقة فی القرآن)) اهـ بتصرف.

مما تقدم نری أن الحرف من قبیل المشترك اللفظی، والمشترك اللفظی یراد به أحد معانیه التی تعینها القرائن وتناسب المقام.

فالمراد من لفظ الحرف أنه الوجه بدلیل ما یأتی:

قوله ﷺ ((أنزل القرآن علی سبعة أحرف))

کلمة (علی) تشیر إلی أن هذا الشرط للتوسعة والتیسیر. بمعنی: أنزل القرآن موسعا فیه علی القارئ أن یقرأه علی سبعة أوجه، یقرأ بأی حرف أراد منها علی البدل من صاحبه کانه قال أنزل علی هذا الشرط وعلی هذه التوسعة.

ترجمہ: سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے کی حکمت

(۱) امت اسلامیہ اور خاص طور پر اس امت عربیہ پر سہولت کرنا کہ جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔ اور ان کے متعدد لہجے تھے۔ باوجودیکہ (خالص) عربی کلمات ان سب کو جامع (اور شامل) تھے۔ اور ہم یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے لیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: میری امت پر آسانی کیجئے۔'' اور (دوسرا ارشاد یہ ہے)

''میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔''

محقق ابن جزوی کا قول

رہا قرآن کے سات حروف پر وارد ہونے کا سبب تو یہ اس امت پر تخفیف کرنے اور اس کے ساتھ آسانی کے ارادہ کرنے

اور اس پر سہولت کرنے کے لئے ہے۔ اس کی شرافت کی وجہ سے اور (اس پر) وسعت اور رحمت (کی وجہ سے) اور اس کی بزرگی کی خصوصیت اور اس کے اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مراد کو پورا کرنے کے لئے ہے کہ جو تمام مخلوق میں افضل اور حق (تعالیٰ شانہ) کے محبوب (وحبیب) ہیں۔

چنانچہ حضرت جبرئیل آپؐ کے پاس آئے۔ اور کہا ''اللہ تعالیٰ آپؐ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مدد مانگتا ہوں۔

''کہ میری امت اس بات کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپؐ سوال دہراتے رہے یہاں تک کہ سات حروف تک پہنچ گئے۔''

پھر (علامہ) ابن جزریؒ فرماتے: ''اور جیسا کہ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا اور یہ کہ آپؐ سے پہلے (اور قرآن سے پہلے) کی کتاب ایک دروازے سے ایک حرف پر نازل ہوتی تھی۔ یہ اس لئے کہ (پہلے کے تمام) انبیاء علیہم السلام خاص اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کے سرخ (وسفید) اور کالے' ان کے عربی اور عجمی کی طرف' (سب کی طرف مبعوث ہوئے) اور وہ عرب کہ جن کی لغت میں قرآن نازل ہوا' ان کی لغات مختلف تھیں۔ اور ان کی زبانیں کئی قسم کی تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لیے غیر عربی لغت اور ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف انتقال مشکل تھا۔ بلکہ بعض تو اس پر قادر ہی نہ تھے۔ اگر چہ تعلیم اور (سیکھنے سکھانے کی) کوشش سے (انہیں آسان تھا۔ یا اس طرح بھی ممکن تھا) خاص طور پر بوڑھے' عورت اور اس کے لئے کہ جس نے کتاب نہیں پڑھی تھی۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا پس اگر انہیں اپنی لغت سے ہٹنے کا اور اپنی زبان سے (دوسری زبان کی طرف) منتقل ہونے کا مکلف بنایا جاتا تو یہ ایک (ایسا) حکم ہوتا کہ جس کی ان میں استطاعت نہ ہوتی۔ اور ممکن ہے کہ کوئی بناوٹ کرنے والا (بناوٹ سے کام لے کر) تصنعاً (بھی) ایسا کرتا تو طبیعتیں اس کا انکار کر دیتیں۔'' اھ

(۲) پوری امت اسلامیہ کو ایک (ایسی) زبان پر جمع کرنا کہ جو ان میں متحد ہو اور یہ قریش کی زبان تھی کہ جو ان عربی قبائل کی منتخب بہت سی زبانوں کو مرتب کئے ہوئے تھی (اور شامل تھی) جو (قبائل کہ) موسم حج وغیرہ میں مکہ آتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے قرآن سات حروف پر نازل ہوا۔ کہ ہم عربی قبائل کی ان لغات میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں جن کا نمونہ قریشیوں کی زبان میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ اعلیٰ حکمت الٰہیہ ہے کیونکہ ایک عام زبان کی وحدت امت کی وحدت کے عوامل میں سے سب سے اہم ہے خاص طور پر امت کے پہلے عہد میں ترقی اور اٹھان کے لئے۔

توضیح

سات حروف سے کیا مراد ہے اس کی توضیح اپنی جگہ نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے۔

علامہ ابن جزریؒ کے قول کے مطابق اس سے مراد متعدد قبائل کو آسانی کے ساتھ اپنی اپنی قبائلی زبان میں قریش کی لغت کے مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی اجازت دینا ہے البتہ اصل اور بنیادی زبان ایک رہے اور دیگر قبائل کو ایک خاص وقت تک اس ایک زبان کے مترادفات کے استعمال کی اجازت رہے۔

آیئے دیکھیں۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس بارے میں کیا لکھا ہے۔

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم متن کتاب میں سات حروف کے دلائل میں مذکورہ چھٹی حدیث کہ جو ترمذی سے روایت ہے' کو نقل کرنے کے بعد سات حروف کی حکمت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

''اس حدیث کے الفاظ صراحت کے ساتھ بتلا رہے ہیں کہ امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آپؐ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آپؐ ایک امی اور ان پڑھ قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ جس میں ہر طرح کے افراد ہیں۔ اگر تلاوت کا ایک ہی طریقہ متعین کر دیا جائے۔ تو امت کو اس میں مشکل ہوگی اور اس کے برعکس اگر کئی طریقے ہوں تو جو ایک طریقہ پر قادر نہ ہو وہ دوسرے طریقہ سے پڑھ لے۔ یوں اس کی نماز عبادت وغیرہ درست ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بوڑھوں اور بوڑھیوں اور ان پڑھ لوگوں کی زبان پر ایک لفظ چڑھ جاتا ہے اور ان کو معمولی زیر زبر کے فرق کے ساتھ دوسری طرح وہ لفظ ادا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ آسانی طلب فرمائی کہ جو ایک معروف صیغہ ادا نہیں کر سکتا وہ دوسری جگہ دوسری قراءت کے ساتھ مجہول کا صیغہ ادا کر لے۔ جو مفرد ادا نہیں کر سکتا وہ جمع کا صیغہ ادا کرے لے۔ اسی طرح اس کو پورے قرآن میں سات قسم کی آسانیاں مل جائیں۔''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ میں جس امت کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کے قبائل مختلف ہیں ان کی زبانیں جدا جدا ہیں۔ اس لئے قرآن کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے برخلاف آپؐ نے قبائلی اختلافات سے قطع نظر ان کی عمروں کے تفاوت اور ان کے امی ہونے کی صفت پر زور دیا۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سات حروف کی آسانی دینے میں (حکمت اور) اور بنیادی عامل قبائل کا لغوی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ امت کی ناخواندگی کے پیش نظر تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا جس سے امت کے تمام افراد فائدہ اٹھا سکیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۱۵ ملخصاً و بتصرف)

ترجمہ: سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے کا معنی

(مولف کتاب فرماتے ہیں) احرف: یہ حرف کی جمع ہے اور اس کے کئی معانی ہیں۔ صاحب قاموس کہتے ہیں۔ ''الحرف'' ہر شئے کو گوشہ' کنارہ اور اس کی حد' ''الحرف من الجبل'' پہاڑ کا نوکیلا سرا۔'' اور ''حرف'' یہ حروف ہجائیہ میں سے ایک (کو بھی کہتے ہیں) اور ''حرف'' کا ایک معنی ہے الگ رہنے والا' ایک کنارے پر رہنے والا۔ اسی سے ہے)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ (الحج: ۱۱)

''اور بعض شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر۔'' تفسیر عثمانی

یعنی ایک طریقے پر کہ وہ خوشی میں عبادت کرتا ہے اور مصیبت میں نہیں۔ یا شک کے ساتھ یا اللہ کے حکم پر غیر مطمئن ہو کر (اللہ کی عبادت کرتا ہے) یعنی دین میں مضبوطی کے ساتھ داخل نہیں ہوتا۔''

اور (حرف کا ایک معنی وہ ہے جو حدیث میں آتا ہے کہ) ''بے شک یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا۔ یعنی عرب کی لغات میں سے سات لغات پر نازل ہوا۔'' اور اس بات کا یہ معنی نہیں ہے کہ اگر قرآن سات یا دس یا اکثر طریقہ پر آیا ہے تو ایک لفظ میں سات طریقے ہوں گے۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ سات لغات قرآن میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔'' (القاموس کا بیان معمولی تصرف کے ساتھ ختم ہوا)

گزشتہ عبارت سے ہم نے یہ جانا کہ لفظ حرف یہ مشترک لفظ کی قبیل سے ہے اور مشترک لفظ کا (ایک وقت میں) قرائن اور مقام کی مناسبت سے ایک معنی مراد ہوتا ہے۔

پس لفظ ''حرف'' سے مراد ''طریقہ'' ہے جس کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''قرآن کو سات حروف پر اتارا گیا۔''

''علیٰ'' کا کلمہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ شرط آسانی اور سہولت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو پڑھنے والے پر سہولت والا بنا کر اتارا گیا ہے کہ وہ اس کو سات طریقوں پر پڑھے۔ اور ان حروف میں سے ایک کے بدلہ میں دوسرے پر جس پر چاہے پڑھے۔ گویا کہ آپ ؐ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''کہ یہ قرآن اس شرط اور اس گنجائش کے ساتھ اتارا گیا ہے۔''

اختلاف العلماء فی تفسیر الأحرف الواردة فی الحدیث:

هنا يحتدم الجدال والنزاع' ويكثر القيل والقال. وسنذكر بعضا من الآراء و نرجح ما نراه أقرب للصواب.

(۱) ذهب بعض العلماء إلى أن المراد بها سبع لغات من لغات العرب فى المعنى الواحد. على معنى أنه حيث تختلف لغات العرب فى التعبير فى معنى من المعانى يأتى القرآن

بألفاظ على قدر هذه اللغات وإذا لم يكن اختلاف فإنه يأتى بلفظ واحد وقيل: إن السبعة هى لغة (قريش) و (هذيل) و (ثقيف) و (هوازن) و (كنانة) و (تميم) و (اليمن)

(۲) وقيل إن المراد بالأحرف السبعة سبع لغات من لغات العرب نزل عليها القرآن، على معنى أنه فى جملته لا يخرج فى كلماته عن سبع لغات هى أفصح لغاتهم، فأكثر بلغة قريش، ومنه ماهو بلغة هذيل، أو ثقيف، أو هوازن، أو كنانة، أو تميم، أو اليمن.

قال بعضهم: هذا أصح الأقوال وأولاها بالصواب، وهو الذى صححه البيهقى، واختاره الأبهرى واقتصر عليه صاحب القاموس.

(۳) إنّ المراد بلأحرف السبعة التى نزل عليها القرآن، سبعة أصناف فى القرآن. ((ولكن أصحاب هذه الأقوال يختلفون فى تعيين هذه الأصناف و فى أسلوب التعبير عنها اختلافا كبيرا، فمنهم من يقول: (إنها أمر، ونهى، وحلال، وحرام، ومحكم، و متشابه، وأمثال)

ومنهم من يقول إنها (وعد، ووعيد، وحلال، وحرام، ومواعظ، وأمثال، واحتجاج)

ومنهم من يقول إنها: (محكم، و متشابه، وناسخ، و منسوخ، وخصوص، وعموم، وقصص)

(۴) أن المراد بلأحرف السبعة أوجه من الألفاظ المختلفة فى كلمة واحدة و معنى واحد، نحو: هلم، وأقبل، وتعال، وعجل، واسرع، وقصدى، ونحوى فهذه الألفاظ السبعة معناها واحد هو طلب الإقبال.

وهذا القول منسوب لجمهور أهل الفقه والحديث منهم ابن جرير الطبرى والطحاوى وغيرهما.

(۵) ان المراد بلأحرف السبعة الاختلاف فى أمور سبعة:

(الف) اختلاف الأسماء إفرادا وتذكيرا وفروعهما.

مثاله قوله تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ فكلمة (أمانتهم) قرئ بالجمع والافراد.

(ب) الاختلاف فى تصريف الأفعال من مضارع و ماض وأمر.

مثاله قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ قرئ بنصب لفظ (ربنا) على أنه منادى و بلفظ (باعد) فعل أمر.

وقریٔ ((ربنا بعد)) برفع ((رب)) على أنه مبتدأ و بلفظ ((بعد)) فعلا ماضیا مضعف العین جملته خبر.

(ج) الاختلاف بالإبدال، سواء كان ابدال حرف بحرف كقوله تعالى ﴿وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ قرئ بالزای وبالراء مع فتح النون...... وقوله سبحانه ﴿وَطَلْحٍ مَنْضُوْدٍ﴾ قرئ (وطلع) فلا فرق فی هذا بین الاسم والفعل أو ابدال لفظ بلفظ كقوله سبحانه ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ٥﴾ قرأ ابن مسعود (كالصوف المنفوش)

(د) اختلاف بالتقدیم والتأخیر إما فی حرف كقوله تعالى ﴿أَفَلَمْ يَيْأَسْ﴾ قرئ (أَفَلَمْ يَايَسْ) وأما فی الكلمة نحو (فیقتلون ویقتلون) قرئ بالبناء للفاعل فی الأول وللمفعول فی الثانی و قرئ بالعكس و كقوله سبحانه ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ قرئ ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ ﴾

(ہ) اختلاف وجوه الإعراب كقوله سبحانه ﴿مَا هَذَا بَشَرًا﴾ قرأ ابن مسعود بالرفع و كقوله سبحانه ﴿ذُوا الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ٥﴾ برفع المجید على أنه نعت كلمة ذو. وجرها على أنها صفة العرش.

(و) الاختلاف بالزیادة والنقص كقوله تعالى ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾ قرئ (والذكر والأنثى) بحذف (مَا خَلَقَ)

(ز) اختلاف اللهجات بالتفخیم والترقیق والإمالة والإظهار والإدغام وهو كثیر، ومنه الإمالة وعدمها فی مثل قوله تعالى ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ وهذا الرأی الأخیر قد ذهب إلیه الرازی وقاربه كل القرب مذهب ابن قتیبة وابن الجزری وابن الطیب وقد أخذ به الشیخ الزرقانی فی كتابه مناهل العرفان) وأیده ببعض الأدلة.

الترجیح:

وأقرب الوجوه إلى الصواب هو المذهب الأخیر الذی اختاره الرازی واعتمده الزرقانی فی كتابه ((مناهل العرفان)) وأیده بأدلة منها:

(ا) إن هذا المذهب هو الذی تؤیده الأحادیث المتقدمة.

(۲) أنه یعتمد على الاستقراء التام لاختلاف القراء ات وما ترجع إلیه من الوجوه السبعة.

(۳) ان هذا الرأی لا یلزمه محذور.

والأراء فی (الأحرف السبعة) كاملة تجدها فی كتاب ((مناهل العرفان)) للزرقانی وفیها

توهين المذاهب الأخرى والرد عليها في ص ١٦٥إلى ١٧٧۔

ونحن ننقل خلاصة هذا المذهب من كلام أبي الفضل الرازي في اللوائح حيث يقول: الكلام لا يخرج عن سبعة أحرف في الأختلاف.

الأول: اختلاف الأسماء من إفراد، و تثنية، وجمع، و تذكير، و تأنيث.

الثاني: اختلاف تصريف الأفعال، من ماض، ومضارع، وأمر.

الثالث: اختلاف وجوه الإعراب.

الرابع: الاختلاف بالنقص والزيادة.

الخامس: الاختلاف بالتقديم والتأخير.

السادس: الاختلاف بالإبدال.

السابع: اختلاف اللغات (يعني اللهجات) كالفتح والإمالة. والترقيق والتفخيم، والإظهار والإدغام ونحو ذلك. أهـ.

لغات: یحتدم: گرم ہونا، بھڑکنا، کھولنا، تیز ہونا۔ تفخیم: حرف کو پر کر کے پڑھنا۔ ترقیق: حرف کو باریک پڑھنا۔ امالہ: الف کو یا کی طرف جھکا کر فتحہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا۔ جیسے ہُوٰی کو ہوے پڑھنا۔ اظہار: نون کو ظاہر کرنا اور غنہ نہ کرنا۔ ادغام: حرف کو حرف میں ملا کر پڑھنا۔

ترجمہ: حدیث میں وارد ہونے والے لفظ ''احرف'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف

اس مقام پر (علماء کے درمیان) بحث (ومباحثہ) اور اختلاف (ونزاع) اور قیل وقال بہت تیز ہوگیا ہے ہم اس مقام پر بعض (علماء کی) آراء کو نقل کریں گے اور جس کو ہم درستی کے زیادہ قریب سمجھیں گے اس کو ترجیح دیں گے۔

(۱) بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حروف سے مراد ایک معنی میں عرب کی لغات میں سات لغات مراد ہیں (وہ) بایں معنی کہ جہاں معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعبیر میں لغات کا اختلاف ہوتا ہے تو قرآن ان لغات کے بقدر الفاظ کو لاتا ہے اور (معنی کی تعبیر میں) اختلاف نہ ہو تو قرآن ایک ہی لفظ لاتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ وہ سات (لغات) (۱) قریش (۲) ہذیل (۳) ثقیف (۴) ہوازن (۵) کنانہ (۶) تمیم اور (۷) یمن کی لغات ہیں۔

(۲) ایک قول یہ ہے کہ سات لغات سے مراد عرب کی سات لغات ہیں کہ جن پر قرآن نازل ہوا ہے بایں معنی کہ قرآن مجموعی طور پر اپنے (الفاظ وکلمات) میں ان سات لغات سے نہیں نکلتا جو عربوں کی سب سے فصیح (ترین) لغات ہیں چنانچہ اکثر (حصہ قرآن کا) تو قریش کی لغت میں ہے اور کچھ ہذیل یا ثقیف یا ہوازن یا کنانہ، یا تمیم یا یمن کی لغت

سے ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ زیادہ صحیح قول ہے اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔ یہی وہ قول ہے جس کو بیہقی نے صحیح کہا ہے اور ابہری نے اس کو اختیار کیا ہے صاحب قاموس نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

(۳) (تیسرا قول یہ ہے کہ) جن سات حروف پر قرآن نازل ہوا ہے اس سے مراد قرآن میں (پائی جانے والی) سات اصناف ہیں۔''

لیکن ان اقوال کے کہنے والے ان اصناف کی تعیین اور ان کی تعبیر کے اسلوب میں بہت زیادہ اختلاف کرتے ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں یہ

(۱) امر (۲) نہی (۳) حلال (۴) حرام (۵) محکم (۶) متشابہ اور (۷) امثال ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں یہ

(۱) وعدہ (۲) وعید (۳) حلال (۴) حرام (۵) مواعظ (۶) امثال اور (۷) احتجاج ہیں۔ (یعنی دلیل کرنا)

اور بعض کہتے ہیں یہ

(۱) محکم (۲) متشابہ (۳) ناسخ (۴) منسوخ (۵) خصوص (۶) عموم اور (۷) قصے ہیں۔ [1]

(۴) (بعض کہتے ہیں کہ) سات حروف سے مراد ایک کلمہ اور ایک معنی میں مختلف الفاظ کی سات صورتیں ہیں۔ جیسے

''ھلم' اقبل' تعال' عجل' اسرع' قصدی اور نحوی''

کہ یہ سات الفاظ' ان کا ایک ہی معنی ہے اور وہ ہے متوجہ کرنا۔ یہ قول جمہور اہل فقہ وحدیث کی طرف منسوب ہے جن میں ابن جریر طبریؒ اور طحاویؒ وغیرہما ہیں۔

(۵) (بعض کہتے ہیں کہ) سات حروف سے مراد سات باتوں میں اختلاف ہے (ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔)

(الف) اسماء میں افراد تذکیر اور ان کی فروع کا اختلاف (یعنی مفرد' جمع اور مذکر مونث وغیرہ کا اختلاف)

اس کی مثال جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝﴾ (مومنون: ۸)

''اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ (اس میں) ''اماناتھم'' کا کلمہ مفرد اور جمع (دونوں) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(ب) مضارع' ماضی اور امر کے افعال میں گردانوں (اور ان کے صیغوں اور معروف ومجہول) کا اختلاف۔

اس کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (سبا: ۱۹)

---

[1] دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۱۷۶

''پھر کہنے لگے اے رب دراز کر دے ہمارے سفروں کو۔'' (تفسیر عثمانی)

(کہ اس آیت میں) ''ربنا'' کا لفظ منادی ہونے کی بنا پر منصوب اور ''باعد'' کا لفظ فعل امر پڑھا گیا ہے اور ''ربنا بعد' رب'' کے مبتداء ہونے کی بنا پر مرفوع اور ''بعد'' کا لفظ عین کی تضعیف کے ساتھ فعل ماضی پڑھ گیا ہے (کہ) جس کا جملہ (گزشتہ مبتداء کی) خبر ہے۔

(ج) ابدال کا اختلاف ہو چاہے وہ حرف کا حرف کے ساتھ ابدال ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ (البقرة: ۲۵۹)

''اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

(کہ اس آیت میں لفظ ''ننشزھا'' یہ) یہ زاء کے ساتھ اور را کے ساتھ نون کے فتح سمیت پڑھا گیا ہے (یعنی جب زاء کی جگہ را ہو تو پھر اس وقت ''ن'' پر فتح ہوتا ہے نا کہ ضمہ)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ (الواقعه: ۲۹)

''اور کیلے تہ بر تہ۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ یہ ''وطلع'' کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے۔

اور اس قسم کے ابدال میں اسم اور فعل میں کوئی فرق نہیں۔

یا لفظ کا لفظ کے ساتھ ابدال ہو۔ جیسے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝﴾ (القارعة: ۵)

''جیسے رنگی ہوئی اون دھنی ہوئی۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کو ''کالصوف المنفوش'' پڑھتے تھے۔

(۲) تقدیم اور تاخیر کا اختلاف ہو یا تو یہ (تقدیم اور تاخیر کا اختلاف) حرف میں ہوگا۔ جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿اَفَلَمْ يَيْاَسْ﴾ (الرعد: ۳۱)

''سو کیا خاطر جمع نہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ یہ افلم یایس بھی پڑھا گیا ہے اور یا تو یہ تقدیم اور تاخیر کلمہ میں ہوگی جیسے ''فیقتلون و یقتلون'' کہ یہ پہلے میں مبنی بر فاعل (یعنی معروف) اور دوسرے میں مبنی بر مفعول (یعنی مجہول) پڑھا گیا ہے اور اس کے برعکس بھی پڑھا گیا ہے۔ اور جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بالحق .﴾ (ق: ۱۹)

''اور وہ آئی بے ہوشی موت کی تحقیق۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ یہ ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الحق بالموت.﴾ (بھی) پڑھا گیا ہے۔

(ھ) وجوہ اعراب کا اختلاف، جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿مَا هَذَا بَشَرًا﴾ (یوسف: ۳۱)

''نہیں یہ شخص آدمی۔'' (تفسیر عثمانی)

(کہ یہاں یہ بشرا'' منصوب ہے) اور حضرت ابن مسعودؓ اس کو رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿ذُوا الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ٥﴾ (البروج: ۱۵)

''مالک عرش کا بڑی شان والا۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ (یہاں لفظ) ''مجید'' لفظ ''ذو'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا گیا ہے اور ''عرش'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور (بھی) پڑھا گیا ہے۔

(و) زیادتی اور کمی کا اختلاف: جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى﴾ (اللیل: ۳)

''اور اس کی (قسم) جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ یہ آیت ''ما خلق'' کے حذف کے ساتھ ''والذکر والانثی'' (بھی) پڑھی گئی ہے۔

(ز) لہجات کا اختلاف (کہ جو) تفخیم، ترقیق، امالہ، اظہار، ادغام وغیرہ کے ذریعہ ہو اور یہ (اختلاف قرآن میں) بہت ہے ان میں امالہ کے ہونے اور نہ ہونے کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسَى﴾ (النازعات: ۱۵)

''کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی۔'' (تفسیر عثمانی)

(کہ اس میں بغیر امالہ کے تو موسیٰ پڑھا جاتا ہے اور امالہ کے کے ساتھ موسی پڑھا جاتا ہے) اس آخری رائے کی طرف (امام فخر الدین) رازیؒ گئے ہیں۔ اور ابن قتیبہؒ، ابن جزریؒ اور ابن طیبؒ کا مذہب بھی اس کے بالکل قریب قریب ہے۔ (اور علامہ) زرقانیؒ نے اس قول کو اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں لیا ہے اور بعض (دوسرے) دلائل سے اس کی تائید کی ہے۔

ترجیح

درستی کے سب زیادہ قریب صورت یہ وہی آخری مذہب ہے جس کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے اور (علامہ) زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں اس پر اعتماد کیا ہے اور بہت سے دلائل سے اس کی تائید کی ہے۔ ان میں چند (مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) اس مذہب کی گزشتہ احادیث تائید کرتی ہیں۔
(۲) اس مذہب پر اختلاف قراءات اور جو سات وجوہ اس کی طرف لوٹتی ہیں، میں استقراء تام کے بعد اعتماد کیا گیا ہے۔
(۳) بے شک اس رائے سے کوئی ممنوع بات لازم نہیں آتی۔

''سات حروف'' کے بارے میں (علماء کے) تمام اقوال آپ (علامہ) زرقانیؒ کی کتاب ''مناہل العرفان'' میں پائیں گے۔اوراس میں صفحہ ۱۶۵ سے ۱۷۷ تک دوسرے مذاہب کی کمزوری اوران کارد (درج) ہے (چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے)

اور ہم اس مذہب کا خلاصہ امام ابوالفضل رازیؒ کے قوانین سے درج کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں

''سات حروف'' کے بارے میں کلام (مندرجہ ذیل) اختلاف سے باہر نہیں ہے (یعنی سات حروف کے بارے میں اختلاف مندرجہ ذیل صورتوں میں منحصر ہے)

(۱) اسماء کا مفرد، تثنیہ، جمع اور مذکر مونث کا اختلاف۔
(۲) ماضی، مضارع اور امر کے افعال کا گردانوں میں اختلاف۔
(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف۔
(۴) کمی زیادتی کا اختلاف
(۵) تقدیم وتاخیر کا اختلاف
(۶) ابدال کا اختلاف
(۷) لغات یعنی لہجات کا اختلاف جیسے فتح، امالہ، ترقیق، تفخیم اظہار ادغام وغیرہ۔

هل الأحرف السبعة موجودة فى المصاحف الآن:

(ا) ذهب جماعة من الفقهاء والقراء والمتكلمين إلى أن جميع هذه الأحرف موجودة بالمصاحف العثمانية.

حجتهم:

(الف) أنه لا يجوز للأمة أَنْ تهمل نقل شئ منها.

(ب) أن الصحابة أجمعوا على أن الصحف التى نقلها عثمانؓ من الصحف التى كتبها أبوبكرؓ.

(ج) معنى ما تقدم أن الصحف التى عند أبى بكر قد جمعت الأحرف السبعة، ونقلت منها لمصاحف العثمانية بالأحرف السبعة كذلك.

(د) قول النبى ﷺ (إن أمتى لا تطيق ذلك) لا يختص بعهد الصحابة دون غيرهم. وبقاء تيسير القرآن مع بقاء إعجازه.

(٢) ذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وأئمة المسلمين إلى أن المصاحف العثمانية مشتملة على ما يحتمله رسمها من الأحرف السبعة فقط، جامعة للعرضة الأخيرة التى عرضها النبى ﷺ على جبريل.

(٣) ذهب ابن جرير الطبرى ومن معه إلى أن المصاحف العثمانية لم تشتمل إلا على حرف واحد من الحروف السبعة.

وقالوا: ان الأحرف السبعة كانت أيام الرسول عليه الصلاة والسلام وأبى بكر وعمر فلما كان عهد عثمان رأت الأمة بقيادته ان تقتصر على حرف واحد جمعا لكلمة المسلمين. ونسخ عثمان بهذا الحرف الذى استبقته الأمة وحده جميع المصاحف العثمانية.

قال الزرقانى فى ((مناهل العرفان)) ص ٦٦٢ ما نصه (ونحن إذا رجعنا بهذه الأوجه السبعة إلى المصاحف العثمانية وما هو مخطوط بها فى الواقع ونفس الأمر، نخرج بهذه الحقيقة التى لا تقبل النقص، ونصل إلى فصل الخطاب فى هذا الباب، وهو ان المصاحف العثمالية قد اشتملت على الأحرف السبعة كلها، ولكن على معنى أن كل واحد من هذه المصاحف اشتمل على ما يوافق رسمه من هذه الأحرف كلا أو بعضا، بحيث لم تخل المصاحف فى مجموعها عن حرف منها رأسا)

وقد بين ووضح الشيخ الزرقانى وجود الأوجه السبعة على مذهبه المختار وإن الأوجه السبعة موجودة الآن فى المصاحف العثمانية وسأكتفى بذكر مثال من أمثلته غير أن بعض الوجوه السبعة ذكر أنه منسوخة بالعرض الأخيرة.

مثاله قوله تعالى ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ المقروء ة بجمع الأمانة وإفرادها فقد اشتمل عليها المصحف إذ كان الرسم العثمانى فيه هكذا:

((لأمنتهم)) برسم المفرد فى الحروف ولكن عليها ألف صغيرة لتشير إلى قراء ة الجمع وغير منقوطة ولا مشكولة.

مناقشة مذهب البطرى:

قال الطبرى أن الأحرف الستة نسخت باجماع الأمة فى عهد عثمانؓ وبقى حرف واحد حفاظا لوحدة الأمة الإسلامية من التفرق حين كفر بعضهم بعضا بسبب اختلاف القراء ات وخيفت الفتنة، فلم تجد الأمة حلا لهذه المشكلة إلا جمع الأمة على قراء ة حرف واحد.

الرد عليه:

(١) الصحابة رضوان الله عليهم اختلفوا فی القراءة فی عهد رسول الله وكادت أن تقع فتنة كما قلتم فكيف حل الرسول عليه السلام هذه المشكلة؟
إنما كان حله الوحيد إقرار كل من المختلفين على القراءة التی قرأبها وأفهمهم أن تعدد وجوه القراءة هو رحمة من الله بهم و تيسير عليهم: كما دلت عليه الأحاديث المتقدمة.

(٢) وقال فی الحديث (إن أمتی لا تطيق ذلك) وأمته باقية إلی يوم القيامة. كما نشاهد نحن الآن أن بعض الشعوب الإسلامية لا يتسير لها النطق ببعض الحروف ولا تحسن اتقان بعض اللهجات دون بعض.

(٣) بعد ما عرفنا ما تقدم نقول كيف يسوغ فصحابة رسول الله عليهم من الله الرضوان، وعلی رأسهم عثمان بن عفان اغلاق باب الرحمة والتخفيف الذی فتحه الله لأمة الإسلام، مخالفين الرسول عليه الصلاة والسلام فی علاجه للنزاع الذی حصل بين الصحابة بتقرير هذا التعدد للحروف.

(٤) إننا نربأ باصحاب رسول الله ﷺ أن يكونوا قد وافقوا أو فكروا علی ضياع ستة أحرف من القرآن الكريم، وهی لم تنسخ لا تلاوة ولا حكما، ولم يكونوا ليخالفوا الرسول فی قوله وعمله.

(٥) لو كانت هذه الأحرف نسخت فی عهد عثمان رضی الله عنه لم يبق مجال لأختلاف العلماء فيها ولكننا نجدهم اختلفوا فيها علی نحو من أربعين قولا.

(٦) لو فرضنا جدلا أن الأحرف الستة نسخت فی عهد عثمان فلماذا لا تبقی لمجرد التاريخ فقط فی أعظم كتاب مقدس مع أن الصحابة بينوا الآيات المنسوخة تلاوة أو حكما وكذلك الايات المنسوخة والأحاديث الموضوعة وبينوا لكل وجهته.

(٧) وقصاری القول ان الصحابة رضی الله عنهم لم يرضوا بمخالفة رسول الله فی قوله أو فعله ولم يكن لهم التبديل ونسخ ما لم ينسخ من كتاب الله وحاشاهم ان يقدموا علی مثل هذا الفعل رضی الله عنهم وأرضاهم.

بعض الشبهات الواردة على الموضوع والرد عليها

الشبهة الأولى:

يقولون ان المراد بالأحرف السبعة هى القراء ات السبع المنقولة عن الأئمة السبعة المعروفين عند القراء.

الرد عليهم:

قولكم هذا باطل من وجوه:

(۱) إن قول الرسول ﷺ (ان هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف) يكون عاريا من الفائدة على قولكم حتى يولد الائمة السبعة من أن قولكم غير صحيح، لان الرسول ﷺ قرأبها وصحابته و التابعون قبل ميلاد القراء.

قال المحقق ابن الجزرى (فلو كان الحديث منصرفا الى قراء ات السبعة المشهورين او سبعة غيرهم من القراء الذين ولدوا بعد التابعين، لأدى ذلك إلى ان يكون الخبر عاريا عن الفائدة إلى ان يولد هؤلاء السبعة، فتؤخذ عنهم القراء ة، وأدى أيضًا إلى انه لا يجوز لاحد من الصحابة ان يقرأ إلا بما يعلم ان هو لاء السبعة من القراء إذا ولدوا وتعلموا اختاروا القراء ة به وهذا باطل إذ طريق أخذ القراء ة ان توخذ عن امام، ثقة لفظا عن لفظ إماما عن إمام إلى ان يتصل بالنبى ﷺ) اه.

(۲) ان الأحرف السبعة أعم من القراء ات السبع عموما مطلقا لأن الأحرف السبعة تشمل القراء ات التى قرأ بها الرسول ﷺ وتشمل أيضًا ما وصل الى هو لاء القراء السبعة وما نسخ قبل ان يصل اليهم و تنظيم جميع القراء ات صحيحها ومنكرها وشاذها فما دام أن الاحرف اعم من القراء ات فلا تكون هى نفس القراء ات.

(۳) من المحال عقلا أن يفرض الرسول عليه السلام قراء ة القرآن على صحابته بقراء ة القراء الذين لم يخلقوا بعد، وهذا الرأى باطل.

الشبهة الثانية:

يقولون: ان أحاديث نزول القرآن الكريم على سبعة أحرف تثبت الاختلاف مع ان القرآن نفسه ينفى الاختلاف بقوله تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا.﴾ (النساء : ۸۲) وذلك تناقض ولا ندرى أيهما الصادق.

الجواب:

ان الاختلاف الذی تثبته الأحادیث غیر الذی ینفیه القرآن وعلی هذا کلاهما صادق. إذ ان الاختلاف الذی تثبته الأحادیث فیما یتعلق بطرق الأداء والنطق بألفاظ القرآن فی دائرة محدودة لا تعدو سبعة أحرف، وبشرط التقلی فیها کلها عن النبی ﷺ.

فعلی هذا یکون الاختلاف فی الأحادیث بمعنی: التنویع اما القرآن فینفی التناقض بین أحکامه و معانیه و تعالیمه مع ثبوت التنویع فی التلفظ والأداء.

والحاصل:

قال الشیخ شهاب الدین أبو شامة: وهذا المجموع فی المصحف: هل هو جمیع الأحرف السبعة التی اقیمت القراء ة علیها؟ أو حرف واحد فیها؟ قال القاضی أبو بکر إنه جمیعها، وصرح أبو جعفر الطبری والأکثرون من بعده بأنه حرف منها، ومال الشیخ الشاطبی إلی قول القاضی فیما جمعه أبوبکر، وإلی قول الطبری فیما جمعه عثمانؓ.

قال الزرکشی فی البرهان:

قال بعض المتأخرین: القراء ات السبع التی قرأها القراء السبعة کلها صحت عن رسول الله ﷺ وهو الذی جمع علیه عثمانؓ المصحف، وهذه القراء ات السبع اختیارات أولئک القراء، فإن کل واحد منهم اختار فیما روی وعلم وجهة من القراء ة ما هو الأحسن عنه، ولزم طریقة منها و رواها وقرأبها، واشتهرت عنه و نسبت الیه، فقیل حرف نافع وحرف ابن کثیر، ولم یمنع واحد منهم حرف الآخر ولا أنکره بل سوغه وحسنه......

إلی ان قال: وقد أجمع المسلمون فی هذه الأعصار علی الاعتماد علی ما صح عنهم، وکان الإنزال علی الأحرف السبعة توسعة من الله ورحمة للأمة، إذ لو کلف کل فریق منهم ترک لغته والعدول عن عادة نشئوا علیها، من الإمالة والهمز، والتلیین، والمد، وغیره لشق علیهم.

ترجمہ:

کیا اب مصاحف میں سات حروف موجود ہیں؟

(۱) فقہاءِ قراء اور متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ تمام حروف مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں۔

ان کی دلیل

(الف) امت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں سے کسی شئے کی نقل کو چھوڑ دے۔

(ب) صحابہؓ (کرام) نے اس بات پر اجماع کیا کہ وہ صحیفہ جو حضرت عثمانؓ نے نقل کیا ہے یہ وہ صحیفہ ہے کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھوایا تھا۔

(ج) اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جو صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا اس میں سات حروف جمع تھے۔ اور ان مصاحف عثمانیہ میں بھی سات حروف پر نقل کیے گئے۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (ان امتی لا تطیق بذالك) ''میری امت میں اس کی طاقت نہیں۔'' یہ فقط عہد صحابہ کے ساتھ ہی ان کے علاوہ کو چھوڑ کر خاص نہیں۔ اور قرآن کی آسانی اس کے اعجاز کی بقاء کے ساتھ (موجود) ہے (اور اب بھی ہے)

(۲) سلف اور خلف اور مسلمانوں کے آئمہ کے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ سات حروف پر مشتمل تھے کہ جن کا فقط رسم الخط ہی احتمال رکھتا تھا۔ جو اس عرضہ اخیرہ کو جامع تھا جو آپؐ نے جبرئیلؑ سے دور کیا تھا۔

(۳) ابن جریر طبریؒ اور ان کے ہم خیال علماء اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ حروف سبعہ میں سے صرف ایک حرف کو ہی مشتمل تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ ''سات حروف عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی و فاروقی میں تھے۔ پھر جب عہد عثمانؓ آیا تو امت نے آپؓ کی قیادت میں یہ (بہتر) جانا کہ مسلمانوں کی بات کو ایک (اور جمع) کرنے کے لئے ایک حرف پر ہی اکتفا کر لیا جائے۔ اور حضرت عثمان نے تمام مصحاف عثمانیہ کو اس ایک حرف پر لکھوایا کہ جس کی طرف امت نے سبقت کی۔ (یعنی اس پر اتفاق کیا)

علامہ زرقانیؒ نے ''مناہل العرفان'' صفحہ ۲۶۲ پر یہ فرمایا ہے:

''جب ہم سات حروف کو مصاحف عثمانیہ اور جو کچھ ان میں فی الواقعہ اور نفس الامر (اور حقیقت میں) لکھا ہوا ہے' کی طرف لوٹاتے ہیں تو ہم ایک ایسی حقیقت نکال لاتے ہیں جو نقض قبول نہیں کرتی۔ اور اس باب میں ہم ایک فیصلہ کن بات تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام مصاحف عثمانیہ سات حروف کو مشمل ہیں۔ لیکن بایں معنی کہ ان مصاحف میں سے ہر ایک سات حروف میں سے ان کو مشتمل ہے کہ جن کے اس کا سارا یا بعض رسم الخط موافق ہے۔ اس طور پر کہ یہ مصاحف مجموعی طور پر ان میں کسی حرف سے بالکل خالی نہیں ہیں۔''

(مولف کتاب فرماتے ہیں) تحقیق (علامہ) شیخ زرقانیؒ نے اپنے مذہب مختار کے مطابق سات حروف کے وجود کو کھول کر بیان کیا اور خوب واضح کیا ہے۔ اور یہ کہ یہ سات حروف اب (بھی) مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں۔ اور میں اس کی مثالوں میں سے ایک مثال دینے پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ ہاں یہ بات ہے کہ بعض وجوہ سبعہ (کے بارے میں) شیخ نے کہا ہے کہ وہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہوگئیں تھیں۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المومنون: ۸)

کہ یہ آیت "امانات" کی جمع اور افراد (دونوں) کے ساتھ پڑھی گئی ہے اور مصحف (عثمانی) ان (دونوں) کو مشتمل ہے کیونکہ عثمانی رسم (الخط) اس مصحف میں یوں ہے "لأمنتهم" حروف مفرد کے رسم الخط کے ساتھ لیکن اس پر ایک چھوٹا سا الف ہے جو جمع کی قراءت کی طرف اشارہ کرے۔ (اور یہ لفظ مصحف عثمانی میں) بغیر نقطہ اور بغیر اعراب کے (لکھا ہوا ہے)

طبریؒ کے مذہب کا جائزہ

طبریؒ کہتے ہیں کہ عہد عثمانؓ میں امت کے اجماع سے امت اسلامیہ کی وحدت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے چھ حروف منسوخ ہوگئے تھے۔ اور ایک حرف باقی رہ گیا تھا کیونکہ لوگ قراءات کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے تھے۔ اور فتنہ (میں پڑنے کا) اندیشہ ہوا۔ اور امت نے اس مشکل کا حل نہ پایا سوائے اس کے کہ ایک حرف کی قراءت پر جمع ہو جائیں۔

ابن جریر طبری (کے اس مذہب) کا رد

(۱) صحابہؓ (تو) عہد رسالت میں (بھی آپس میں) قراءت کا اختلاف کرتے تھے۔ اور قریب تھا کہ فتنہ برپا ہو جاتا جیسا کہ تم کہتے ہو (تو پھر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشکل کو کیسے حل کیا؟

(۲) آپؐ نے ارشاد فرمایا: "ان امتی لا تطیق بذالك" اور آپؐ کی امت قیامت تک باقی ہے۔ جیسا کہ ہم آج اس زمانہ میں اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بعض اسلامی طبقے جنہیں بعض (قرآن کے) حروف ادا کرنا آسان نہیں ہے اور بعض بعض لہجوں کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے۔

(۳) ان گزشتہ باتوں کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان میں سرفہرست حضرت عثمان بن عفانؓ کہ انہیں ان سات حروف کی تحقیق (اور پائے جانے کی وجہ) سے صحابہ کرام کے درمیان پائے جانے والا نزاع (اور جھگڑے کی وجہ سے) رحمت اور آسانی کا وہ دروازہ بند کرنا کیسے جائز تھا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کے لئے کھولا تھا۔

(۴) ہم اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے الگ گردانتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کے چھ حروف کو ضائع کرنے پر (باہم) موافقت کر لی ہو اور اس بات کی فکر ہو۔ جب کہ یہ چھ حروف نہ ہی تلاوت کے اعتبار سے منسوخ ہیں اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے (یعنی نہ ان کی تلاوت منسوخ ہے اور نہ ہی ان کا حکم) اور صحابہ کرام آپؐ کے (کسی) قول و فعل کی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔

(۵) اگر یہ حروف عہد عثمانؓ میں منسوخ ہوئے تھے تو علماء کو اس میں اختلاف کی (کوئی) گنجائش باقی نہ تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سات حروف (کی تعبیر) کے بارے میں علماء نے تقریباً چالیس اقوال (تک) کا اختلاف کیا ہے۔ (یعنی

سات حروف سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علماء کے چالیس اقوال ہیں)

(۶) اگر ہم (یہ) بحث مان لیں کہ عہد عثمانؓ میں چھ حروف منسوخ ہو گئے تھے۔ تو فقط (محض) تاریخ کے طور پر ہی اس مقدس (اور) عظیم کتاب کے بارے میں (یہ چھ منسوخ حروف) کیوں (موجود نہیں اور) باقی نہیں۔ باوجودیکہ صحابہ کرامؓ نے تلاوت اور حکم کے اعتبار سے منسوخ آیات کو بیان کیا۔ اور اسی طرح منسوخ آیات اور موضوع احادیث' کہ انہوں نے ہر ایک کا (ہر) پہلو بیان کیا۔

(۷) مختصر بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل کی مخالفت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اور کتاب اللہ میں سے جو بات منسوخ نہیں ہے اسے منسوخ یا تبدیل کرنے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ اور ان سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا کام کریں۔

(رضی اللہ عنھم وارضاھم) ''وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے انہیں راضی کیا۔''

اس موضوع پر وارد ہونے والے چند اعتراضات اور ان کا جواب

پہلا اعتراض

بعض کہتے ہیں کہ ''ان سات حروف سے وہ سات قراءتیں مراد ہیں کہ جو سات آئمہ سے منقول ہیں جو قراء کے نزدیک معروف (امام) ہیں۔

جواب (مولف کتاب فرماتے ہیں)

آپ کا یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ''ان ھذا القرآن أنزل علی سبعة احرف'' تمہارے اس قول کے مطابق فائدہ سے خالی ہوگا یہاں تک یہ سات آئمہ پیدا ہوں۔ پھر یہ کہ تمہارا یہ قول غلط بھی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور تابعینؒ نے ان آئمہ کے پیدا ہونے سے پہلے ان سات حروف کو پڑھا۔

محقق ابن جزریؒ فرماتے ہیں: ''اگر (یہ) حدیث سات مشہور (قراء) کی قراءتوں یا ان کے علاوہ کسی اور سات قراء (پر محمول ہو اور ان) کی طرف پھرے کہ جو تابعینؒ کے بعد پیدا ہوئے۔ تو یہ بات اس طرف پہنچاتی ہے کہ یہ حدیث ان سات قراء کے پیدا ہونے تک فائدہ سے خالی ہو کہ (پھر) ان سے قراءات کو لیا جائے۔ اور اس (نامعقول) بات کی طرف بھی پہنچاتی ہے کہ کسی صحابی کو جائز نہ ہو کہ وہ (قرآن) پڑھے مگر اسی قراءت کے ساتھ کہ (جس کے بارے میں یہ) معلوم ہے کہ یہ سات قراء جب پیدا ہوں گے اور تعلیم حاصل کریں گے تو اس قراءت کو اختیار کریں گے۔ اور یہ بات باطل ہے۔ کیونکہ قراءت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو کسی ثقہ امام سے لفظ بہ لفظ امام در امام حاصل کیا جائے یہاں تک کہ (سند کا یہ سلسلہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

(۲) سات حروف ان سات قراءتوں سے عموم مطلق کے طور پر زیادہ عام ہیں کیونکہ یہ سات حروف ان قراءتوں کو بھی شامل ہیں کہ جنہیں نبی ﷺ نے پڑھا اور ان کو بھی شامل ہیں کہ جو ان سات قراء تک پہنچیں ہیں۔ اور جو ان تک پہنچنے سے پہلے ہی منسوخ (بھی) ہوگئیں ہیں (کہ سات حروف کا مفہوم ان سب قراءتوں کو شامل ہے) اور یہ سات حروف سب قراءتوں کو (ان کی) صحیح کو بھی اور منکر کو بھی اور شاذ کو بھی' شامل ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ سات حروف (اور ان کا مفہوم) عام ہوں گے تو یہ وہ قراءتیں نہ ہوں گی۔ (کہ جنہیں سات قاریوں کی قراءت کہا جاتا ہے)

(۳) اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ پر ان قراء کی قراءت کے ساتھ قرآن کی قراءت کو فرض کریں کہ جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے کہ یہ رائے باطل ہے۔

دوسرا اعتراض

وہ کہتے ہیں کہ ''سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے کی احادیث اختلاف کو ثابت کرتی ہیں۔ باوجودیکہ خود قرآن اس ارشاد خداوندی میں اختلاف کی نفی کرتا ہے (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا.﴾ (النساء : ۸۲)

''کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔'' (تفسیر عثمانی)

اور یہ تناقض ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں میں کون سچا ہے؟ (حدیث یا قرآن)

جواب (اس کا یہ ہے کہ)

وہ اختلاف کہ جو احادیث ثابت کرتی ہیں یہ اس اختلاف کے علاوہ ہے کہ جس کی قرآن نفی کرتا ہے۔ اس بنا پر دونوں سچے ہیں (قرآن بھی اور حدیث بھی) کیونکہ وہ اختلاف کہ جو احادیث ثابت کرتی ہیں ان کا تعلق ایک محدود دائرے میں ادا کے طریقوں اور قرآن کے الفاظ کے بولنے سے ہے کہ جو سات حروف سے متجاوز نہیں ہے اور ان سب کے سب حروف کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کی شرط کے ساتھ ہے۔

لہٰذا اس (تفصیل) کی بنا پر احادیث میں (وارد ہونے والے) اختلاف تنوع ❶ کے معنی میں ہے رہا قرآن تو وہ تلفظ اور اداء میں تنوع کے ہوتے ہوئے بھی اپنے احکام اور معانی اور تعلیمات میں تناقض کی نفی کرتا ہے۔ ❷

حاصل (اور خلاصہ کلام)

شیخ شہاب الدین ابوشامہؒ فرماتے ہیں ''یہ مجموعہ مصحف کیا یہ وہ سات حروف کا مجموعہ ہے کہ جس پر قراءت مقرر کی گئی تھی؟ یا اس میں ایک حرف ہے؟ قاضی ابوبکر کہتے ہیں ''کہ اس مصحف میں وہ سات کے سات حروف ہیں- اور ابوجعفر طبریؒ اور ان کے بعد اکثر (علماء) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ایک حرف ہے۔

❶ یعنی ادائیگی قرآن کے لہجات واقسام۔ (نسیم) ❷ یہ تمام مضمون مناہل العرفان صفحہ ۱۷۹ سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

شیخ شاطبیؒ قاضی ابوبکر کے قول کی طرف اس مصحف کے بارے میں مائل ہوئے ہیں کہ جس کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا۔ اور طبری کے قول کی طرف مائل ہوئے ہیں اس مصحف کے بارے میں کہ جس کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا۔

(علامہ) زرکشیؒ 'البرہان'' میں فرماتے ہیں۔

''بعض متاخرین (علماء) یہ کہتے ہیں کہ 'وہ سات قراءتیں کہ جو سات قاری پڑھے ہیں ان سب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا صحیح ہے' یہ وہ ہے کہ جس پر حضرت عثمانؓ نے مصحف کو جمع کیا اور یہ سات قراءتیں ان قراء نے اختیار کی ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک نے اس قراءت کو اختیار کیا جو روایت کی گئی ہے اور اس نے قراءت کے اس پہلو کو معلوم کیا جو اس کے نزدیک زیادہ بہتر تھا۔ اور قراءت کے ایک طریقہ کو لازم پکڑا اس کو روایت کیا اور اس کو پڑھا اور وہ قراءت اس سے مشہور ہوئی اور اس کی طرف منسوب ہوئی' چنانچہ کہا جانے لگا۔ نافع کی قراءت' ابن کثیر کی قراءت اور ان میں سے کسی نے دوسری قراءت کو منع نہیں کیا اور نہ ہی اس کا انکار کیا بلکہ اس کو جائز قرار دیا اور اس کو اچھا کہا۔

آگے چل کے علامہؒ فرماتے ہیں'' اس زمانہ میں مسلمانوں نے اس قراءت پر اعتماد کرنے پر اجماع کیا جو ان سے صحیح طور پر ثابت ہو۔ اور (قرآن کا) سات حروف پر اترنا یہ اللہ کی طرف سے کشائش (وگنجائش اور وسعت) اور امت کے لئے رحمت ہے کیونکہ اگر ہر ایک فریق کو اپنی لغت کو ترک کرنے اور اپنی اس امالہ ہمزہ تلیین اور مد وغیرہ کی عادت سے رک جانے کا مکلّف بنایا جاتا جس پر پروان چڑھے تو یہ ان پر دشوار ہوتا۔

توضیح

اس بحث کا تسلسل اور باہمی ارتباط اثنائے عبارت متن میں توضیحات کے لانے سے مانع رہا اب ہم علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ایک مسلسل عبارت کو جو جملہ گزشتہ مباحث کو شامل ہے' نقل کرتے ہیں۔ عبارت کی طوالت کی وجہ سے ہم اس کا اختصار اور خلاصہ اور کہیں کہیں اپنے الفاظ میں عبارت کو نقل کریں گے۔

سبعۃ احرف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ دامت برکاتہم امام طحاویؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام طحاویؒ فرماتے ہیں قرآن نازل تو لغت قریش میں ہوا لیکن عرب کے قبائل متعدد تھے اور سب کے لئے ایک لغت پر قراءت دشوار تھی اس لیے ابتدائے اسلام میں اپنی علاقائی زبان میں مترادف الفاظ کے ساتھ قراءت کی اجازت دی گئی۔ اسی لئے آپؐ جن کے لئے کوئی لفظ دشوار ہوتا ان کے لئے خود کوئی مترادف لفظ متعین فرما دیتے ہیں۔ یہ مترادفات قریش اور غیر قریش دونوں لغات سے لئے گئے ہیں ان کی مثال ان الفاظ کی سی تھی کہ جو متعدد ہونے کے باوجود ہم معنی رہتے ہیں۔ جیسے

ھلم' تعال' اقبل' ادن وغیرہ۔

یہ اجازت ابتدائے اسلام تک تھی کہ ابھی اہل عرب لغات قرآنی کے عادی نہ ہوئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس زبان کا دائرہ بھی بڑھتا رہا اور عرب بھی اس کے عادی ہو گئے۔ اور قرآن کی اصلی لغت پر تلاوت آسان ہو گئی۔ تو آپؐ نے اپنی وفات سے

قبل حضرت جبرائیل سے جو آخری دور کیا تھا۔ جیسے عرضہ اخیرہ کہتے ہیں اس میں یہ اجازت ختم کر دی گئی۔ اب صرف قرآن کا نزولی طریقہ ہی باقی رہ گیا۔ اس قول کے مطابق قرآن میں سات حروف تو ثابت ہیں۔ لیکن اس کا زمانہ مخصوص تھا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ میں سات مترادفات کی اجازت ہے۔ بلکہ صرف ان مترادفات کی اجازت تھی۔ جو آپؐ نے خود متعین فرمائے تھے۔ ❶

امام طحاویؒ کے علاوہ یہ قول حضرت سفیان' عیینہ' ابن وہب اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ علیہم کا بھی ہے اور انہوں نے تو اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ ❷

یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے ان کی دلیل مسند احمد کی وہ روایت ہے جو حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا ''اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے۔ میکائیل علیہ السلام نے (حضور سے) کہا کہ اس میں اضافہ کرائیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ''ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپؐ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کی آیت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپؐ تعال (آؤ) کے معنی کو **اقبل' ھلم' اذھب اسرع** اور **عجل** کے الفاظ سے ادا کریں۔''

سبعۃ احرف کی راجح ترین تشریح

ہمارے نزدیک ''حروف کے اختلاف'' سے مراد ''قراءتوں کا اختلاف'' ہے کہ یہ اس کی بہترین تشریح اور تعبیر ہے۔ کہ ''سات حروف'' سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں۔ اب قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں مگر ان میں اختلافات کی نوعیتیں سات اقسام میں منحصر ہیں۔

متقدمین میں سے سب سے پہلے یہ قول امام مالکؒ کا ہے کہ جس کو مشہور مفسر علامہ نظام الدین قمی نیشاپوریؒ نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں نقل کیا ہے۔

وہ سات قسم کے اختلافات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفرد اور جمع کا اختلاف
(۲) تذکیر اور تانیث کا اختلاف
(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف
(۴) حرفی ہیئت کا اختلاف
(۵) ادوات (عروف نحویہ) کا اختلاف۔
(۶) لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں۔
(۷) لہجوں کا اختلاف۔ ❸

---

❶ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۲-۲۳ ❷ الزرقانیؒ شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۱۱ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۳۵۵ ہجری۔

❸ النیشاپوریؒ غرائب القرآن ورغائب الفرقان ہامش ابن جریرؒ جلد ۱ صفحہ ۲۱ المطبعۃ المیمنیہ المصر۔

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازیؒ قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانی اور محقق ابن الجزری رحمہ اللہ علیہم نے اختیار فرمایا ہے۔ ❶ محقق ابن الجزریؒ جو قراءات کے مشہور امام ہیں۔ اپنا یہ قول نقل کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا۔ اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور وفکر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی کہ جو انشاء اللہ صحیح ہوگی۔ ❷

یہ سب حضرات اس بات پر تو متفق ہیں کہ حدیث میں ''سات حروف'' سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے قراءت کا استقراء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے۔

ان میں جن صاحب کا استقراء سب سے زیادہ منضبط مستحکم اور جامع مانع ہے وہ امام ابوالفضلؒ رازی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات اقسام میں منحصر ہے۔

(۱) اسماء میں مفرد وتثنیہ جمع، تذکیر اور تانیث کا اختلاف

(۲) افعال میں ماضی ومضارع وغیرہ کا اختلاف

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف

(۵) تقدیم وتاخیر کا اختلاف

(۶) بدلیت کا اختلاف

(۷) لہجوں کا مثلاً تفخیم، ترقیق اور امالہ وغیرہ کا اختلاف۔

ان تمام اکابر میں امام ابوالفضل رازیؒ کا استقراء سب سے زیادہ جامع ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں۔ اور آخری دور میں شیخ عبدالعظیم زرقانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں۔ ❸

احقر کی رائے میں ''سبعۃ احرف'' کی یہ تشریح سب سے بہتر ہے اور حدیث کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔

اس قول کی وجوہ ترجیح

''سبعۃ احرف'' کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث، تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک

❶ ان مذکورہ بزرگوں کے اقوال فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵-۲۶ اور اتقان جلد ۱ صفحہ ۴۷ میں موجود ہیں- اور قاضی ابن الطیب کا قول تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۳۹ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

❷ النشر فی القراءات العشر جلد ۱ صفحہ ۲۶

❸ مناہل العرفا جلد ۱ صفحہ ۱۵۴-۱۵۶

ان سب میں یہ قول ''کہ سات حروف سے مراد اختلاف قراءت کی سات نوعیتیں ہیں'' سب سے زیادہ راجح' قابل اعتماد اور اطمینان بخش ہیں۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اس قول کے مطابق ''حروف'' اور ''قراءت'' کو دو الگ الگ چیزیں قرار نہیں دینا پڑتا علامہ ابن جریرؒ اور امام طحاویؒ کے قول میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ اختلاف دو قسم کا تھا ایک حروف کا دوسرے قراءت کا۔ حروف کا اختلاف ختم ہو گیا اور قراءت کا باقی ہے۔

حالانکہ ذخیرہ احادیث سے کسی ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی اگر یہ بات ہوتی تو اس طرف کم از کم کوئی اشارہ ہی ہوتا۔ کیا وجہ ہے کہ حروف کے اختلاف کا ذکر تو ملتا ہے مگر قراءت کے اختلاف کا نہیں ملتا۔ دو قسم کے اختلاف کا قول کرنا محض اپنی طرف سے قیاس ہے کہ جس کے حل کرنے میں الجھن ہے اور مذکورہ قول بے غبار ہے۔

(۲) علامہ ابن جریرؒ کے قول پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات میں سے چھ حروف ختم ہو گئے اور (متروک ہو گئے) اور اب ایک حرف باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ قریش کا حرف ہے۔ اس میں متعدد قباحتیں ہیں۔ جبکہ مذکورہ قول میں وہ قباحتیں نہیں (ان کا ذکر آگے کسی مناسب مقام پر آئے گا) کیونکہ سات حروف آج بھی باقی ہیں۔

(۳) مذکورہ قول کے مطابق سات حروف کا معنی بے غبار ہے اور ابن جریرؒ کے قول کے مطابق سات حروف میں تاویل کرنی پڑتی ہے۔

(۴) یہ قول عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہستی امام مالکؒ کا ہے اور علامہ نیشاپوریؒ کے مطابق وہ اسی قول کے قائل ہیں۔

(۵) علامہ ابن قتیبہؒ اور ابن الجزریؒ دونوں علم القراءات کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ وہ دونوں اسی قول کے قائل ہیں۔ اور علامہ ابن الجزریؒ نے اس حدیث پر تیس سال غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات

(۱) مذکورہ بیان کردہ وجوہ اختلاف زیادہ تر حرفی اور نحوی اختلافات پر مبنی ہیں اور اس وقت تک یہ فنی اصطلاحات اور تقسیمات رائج نہ تھیں کہ اکثر لوگ امی اور ان پڑھ تھے۔ لہٰذا ان ''وجوہ اختلاف'' کو ''سبعہ احرف'' قرار دینا مشکل ہے۔

ہماری ناچیز فہم کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اصطلاحات رائج نہ تھیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات جن مفاہیم سے عبارت ہیں وہ مفاہیم تو اس دور میں بھی موجود تھے۔ اگر آپؐ نے ان مفاہیم کے لحاظ سے ان وجوہ اختلاف کو سات میں منحصر کر دیا تو اس میں کیا تعجب ہے۔

(۲) جن اکابر نے بھی ''سبعۃ احرف'' کی جو نوعیتیں بھی بیان کیں ہیں بہر حال وہ قیاس وتخمینہ ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے

میں کیونکر یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہی آپؐ کی مراد تھی۔

جواب یہ ہے ''سبعہ احرف'' کی کوئی واضح تشریح کسی حدیث میں نہیں۔ یہ جتنے اقوال ہیں وہ روایات کے مجموعہ سے ہیں۔ لہٰذا یہ قول زیادہ قرین صحت ہے کہ اس پر کوئی بنیادی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور آخر ان سات قسم کی نوعیتوں کے اختلاف کے معلوم کرنے کا طریقہ استقراء کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

کیا ''سبعہ احرف'' محفوظ ہیں یا متروک ہو گئے ہیں

اس بارے میں متقدمین سے تین قول منقول ہیں۔

(۱) پہلا قول حافظ ابن جریر طبریؒ اور ان کے متبعین کا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک قرآن سات حروف پر پڑھا جاتا تھا لیکن جب عہد عثمانیؓ میں اسلام دور دراز کے بلاد و امصار اور ملکوں میں پہنچا تو قراءات کے اختلاف کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے تو حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے پوری امت کو ایک حرف یعنی لغت پر جمع کیا اور چھ حرف ختم کر دیئے ایسا آپ نے صحابہؓ کے مشورہ سے کیا۔ اب جو قراءتوں کا اختلاف ہے یہ اسی ایک حرف یعنی لغت قریش میں ہے۔

حافظ ابن جریرؒ کے اس نظریہ میں کیا قباحتیں ہیں وہ مولف کتاب نے متن کتاب میں مذکور کر دی ہیں۔ (نسیم)

(۲) دوسرا مسلک امام طحاویؒ کا ہے کہ قرآن کریم نازل تو لغت قریش میں ہوا تھا لیکن امت کی آسانی کے لئے سات کی حد تک دوسرے مرادفات استعمال کرنے کی اجازت دی گئی اور یہ مرادفات بھی آپؐ نے خود متعین فرمائے تھے۔ اس اجازت کو قرآن کریم کے ''سات حروف'' پر نازل ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ پھر جب قریش لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو آپؐ نے وفات سے قبل عرضہ اخیرہ میں اس اجازت کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کر کے ختم کر دیا۔ اب صرف وہی حرف باقی ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔ اور وہ ہے لغت قریش باقی چھ منسوخ ہو گئے ہیں۔ یہ قول ابن جریرؒ کے قول سے اس لئے بہتر ہے کہ اس میں یہ نسخ صحابہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ یہ بات خود عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

(۳) تیسرا اور سب سے زیادہ اطمینان بخش اور بے غبار قول یہی ہے کہ سات حروف سے مراد قراءت کے اختلاف کی سات نوعیتیں ہیں۔ اور یہ آج بھی پوری طرح محفوظ ہیں اور باقی ہیں ان کی تلاوت کی جاتی ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ ابتدائے اسلام میں قراءتوں کے اختلاف کی نوعیت زیادہ تھی اور ان میں مرادف الفاظ کے اختلاف کی کثرت تھی۔ مقصد ان لوگوں کو سہولت دینا تھا کہ جو لغت قریش کے ابھی تک عادی نہ تھے لیکن جب لوگ لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلاف ختم کر دیئے گئے اور عرضہ اخیرہ کہ جسے ''آخری دور قرآن''

کہتے ہیں اس میں بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں تھیں۔ لیکن جتنی قراءتیں اس وقت باقی تھیں وہ ساری کی ساری آج بھی تواتر کے ساتھ چلی آتی ہیں اوران کی تلاوت ہوتی ہے۔

''احرف سبعۃ'' کی پیچیدہ بحث میں یہ وہ بے غبار راستہ ہے کہ جس میں تمام احادیث بھی اپنی اپنی جگہ صحیح بیٹھ جاتی ہیں اور نہ ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی رہتا ہے اور نہ کوئی اور معقول اشکال پیش آتا ہے۔

اس قول کے قائلین حافظ ابو الخیر محمد بن الجزریؒ ''متوفی ۸۳۳ ہجری'' جو قراءت کے امام اعظم مشہور ہیں اور حدیث وفقہ میں حافظ ابن کثیر کے شاگرد ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ کے استاد ہیں۔ اور علامہ بدر الدین عینیؒ قاضی عیاض، علامہ بدر الدین زرکشی، قاضی ابوبکر باقلانی، علامہ ابن حزم مشہور شارح موطا علامہ ابو الولید الباجی مالکی (المتوفی ۴۹۴ ہجری) امام غزالی، ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات ہیں۔ اور متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ ہیں۔ آخر میں ہم حضرت علامہ انور شاہ صاحب کا قول نقل کرتے ہیں جو اس بحث میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے:

(شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں) ''یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ تمام علماء اس بات پر تو متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قراءتیں نہیں ہیں۔ اور یہ بات نہیں ہے کہ ہر حرف ان سات قراءتوں میں سے ایک قراءت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سات حروف اور سات قراءتیں ایک چیز نہیں ہیں۔ جیسا کہ سات کے لفظ سے پہلے نظر میں وہم ہوتا ہے بلکہ ان سات حروف اور سات قرائتوں میں عموم وخصوص مطلق من وجہ ❶ کی نسبت ہے اور یہ دونوں ایک میں کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ قراءتیں سات ہیں منحصر نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن الجزریؒ نے ''النشر فی قراءۃ العشر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ سات قراءتوں کا لفظ زبان پر اس لئے مشہور ہو گیا کہ علامہ شاطبیؒ نے انہی سات قراءتوں کو جمع کیا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان سات حرفوں کے درمیان کلی تغایر ہے۔ اور ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے حالانکہ واقع ایسا نہیں۔ بلکہ بعض اوقات دو حرفوں میں فرق صرف صیغہ مجرد اور مزید کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ صرف ''صرفی'' ابواب کا، اور بعض دفعہ غائب وحاضر کے صیغوں کا، اور کبھی صرف ہمزہ کو باقی رکھنے اور اس کے تسہیل کرنے کا۔ پس یہ تمام تغیرات خواہ معمولی ہوں یا بڑے بڑے، مستقل حرف ہیں۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حروف کے درمیان کلی تغایر ہے اور ان کا (ایک کلمہ میں) جمع ہونا ناممکن ہے، ان سے غلطی ہوئی ہے، رہی یہ بات کہ حدیث میں سات کے عدد کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا جواب علامہ ابن الجزریؒ نے دیا ہے اور تحقیق یہ بیان کی ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں قسطلانی اور زرقانی رحمہما اللہ کی مراجعت بھی کر لیجئے۔

---

❶ مطلب یہ ہے کہ سات قراءتوں میں سے بعض قراءتیں سات حروف میں سے ہیں۔ جیسے کہ متواتر قراءات اور بعض قراءتیں ایسی ہیں کہ جو سات حروف میں داخل نہیں۔ مثلاً قراء سبعہ کی شاذ قراءتیں یا وہ قراءتیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور سات حروف کے بعض اختلاف ایسے ہیں جو قراءات سبعہ میں شامل نہیں۔ مثلاً امام یعقوب، امام ابو جعفر اور امام خلف رحمۃ اللہ علیہم کی متواتر قراءتیں کہ یہ سات حروف میں سے ہیں۔ مگر معروف قراءات سبعہ میں سے نہیں ہیں۔۱۲ (محمد تقی عثمانی)

اب صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں یا ان میں سے بعض ختم کر دیئے گئے ہیں۔ اور بعض باقی ہیں۔ پس یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جتنے حروف آپؐ کے ساتھ قرآن کے دور میں پڑھے تھے۔ وہ سب حضرت عثمانؓ کے مصحف میں موجود ہیں۔ اور چونکہ علامہ ابن جریرؒ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے اس لئے انہوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا کہ چھ حروف ختم ہو گئے اب حرف ایک باقی ہے۔'' ❶

اسی طرح مصر کے علماء متاخرین میں سے مشہور محقق علامہ زاہد الکوثریؒ (متوفی ۱۳۷۱ ہجری) تحریر فرماتے ہیں:

''پہلی رائے (کہ موجودہ قراءت ایک ہی حرف کی مختلف شکلیں ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سات حروف ابتدائے اسلام میں تھے۔ پھر عرضہ اخیرہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) سے آخری دور (قرآن پاک) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے منسوخ ہو گئے۔ اب صرف ایک باقی رہ گیا ہے نیز یہی رائے ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا اور ایک مصلحت کی وجہ سے باقی چھ حروف کی قراءت روک دی تھی۔ حافظ ابن جریر کا یہی مسلک ہے اور بہت سے لوگ اس معاملہ میں ان سے مرعوب ہو کر ان کے پیچھے لگ گئے لیکن درحقیقت یہ بڑی سنگین اور خطرناک رائے ہے اور علامہ ابن حزمؒ نے ''الفصل'' اور ''الاحکام'' میں اس پر بڑی سخت نکیر کی ہے جس کا انہیں حق تھا اور دوسری رائے (کہ موجودہ قراءات ہی) احرف سبعۃ ہیں ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہی وہ حروف ہیں جو عرضہ اخیرہ کے مطابق محفوظ چلے آتے ہیں۔'' ❷

(علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں) ہم نے یہ اقوال تفصیل کے ساتھ اس لئے پیش کئے ہیں کہ آج کل علامہ ابن جریر طبریؒ کا قول ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے اور علامہ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر اس قول کو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اس بنا پر علامہ ابن الجزریؒ کا یہ بے غبار قول یا تو لوگوں کو معلوم نہیں یا اگر معلوم ہے تو اس کو ضعیف سمجھا جاتا ہے حالانکہ گزشتہ بحث کی روشنی میں یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک' علامہ ابن قتیبہ' علامہ ابوالفضل رازی' قاضی ابوبکر ابن الطیب' امام ابوالحسن اشعری' قاضی عیاض' علامہ ابن حزم' علامہ ابوالولید باجی' امام غزالی' اور ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہم جیسے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ ہیں اور باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرضہ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ اس کو ترک کیا گیا ہے بلکہ محقق ابن الجزریؒ نے اس قول کو اپنے سے پہلے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے' علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ اور علامہ زاہد الکوثریؒ کا بھی یہی قول ہے نیز مصر کے مشہور علماء علامہ محمد نجیت مطیعیؒ علامہ خضری دمیاطیؒ اور شیخ عبدالعظیم زرقانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات کے لحاظ سے بھی یہ قول بڑا وزنی قول ہے۔ (علوم القرآن صفحہ

---

❶ فیض الباری جلد ۳ صفحہ ۳۲۱-۳۲۲

❷ الکوثریؒ: مقالات الکوثری صفحہ ۲۰-۲۱ مطبعۃ الانوار قاہرہ ۱۳۷۳ ہجری۔ (بندہ کے پاس یہ کتاب ایچ-ایم سعید کمپنی کی عکسی مطبوعہ ہے کہ جہاں سے اس عبارت کو دیکھ کر ترجمہ لیا گیا ہے۔ (النسیم)

۱۰۴-۱۳۶ملخصاً وبتصرف)

القراء ات المشهورة:

فی نهاية البحث نری لزاما علينا ان نتكلم على نبذة مختصرة عن القراء ات و كيف نشأت؟ ومن هم القراء المشهورون؟

تعريف القراء ات:

القراء ات جـمـع قراء ة: مصدر قرأ يقرأ قراء ة. واصطلاحا: مذهب من مذاهب النطق فی القرآن يذهب به إمام من الأئمة القراء مذهبا يخالف غيره فی النطق بالقرآن الكريم وهی ثابتة بأسانيدها إلی رسول الله ﷺ.

هل كان فی عهد الصحابة قراء؟

نعم يرجع عهد القراء الذين اقاموا الناس على طرائقهم فی التلاوة الی عهد الصحابة الكرام.

فقد اشتهر بالإقراء منهم: أبی، وعلی، وزيد بن ثابت، وابن مسعود و أبو موسی الاشعری وغيرهم.

وعن هولاء اخذ كثير من الصحابة والتابعين فی الأمصار وكلهم يسند إلی رسول الله ﷺ الی ان جاء عهد التابعين فی المائة الاولی فتجرد قوم اعتنوا بضبط القراء ة عناية تامة حين دعت الحاجة الی ذلك وجعلوها علما كما فعلوا بعلوم الشريعة الأخری.

ونعود و نقول كيف نشأت القراء ات:

عرفنا آنفا ان عهد القراء من عهد الصحابة الی عهد التابعين، وان المعول عليه فی القرآن الكريم إنما هو التلقی والأخذ ثقة عن ثقة وإماما عن إمام الی النبی ﷺ. وكانت المصاحف غير منقوطة ولا مشكولة. وأن صورة الكلمة فيها كانت محتملة لكل ما يمكن من وجوه القراء ات المختلفة، وإذا لم تحتملها كتبت الكلمة بأحد الوجوه فی مصحف، ثم كتبت فی مصحف آخر بوجه آخر وهلم جرا.

فلا غرو ان كان التعويل على الرواية والتلقی هو العمدة فی باب القراء ة والقران.

ثم ان الصحابة رضوان الله عليهم قد اختلف اخذهم عن رسول الله ﷺ فمنهم من قرأ بحرف ومنهم من أخذه عنه بحرفين، ومنهم من زاد، ثم تفرقوا فی البلاد وهم على هذه الحال.

وكان عثمانؓ حين بعث المصاحف الى الآفاق ارسل مع كل مصحف من يوافق قراء ته في الأكثر الغالب، وعند تفرق الصحابة في البلدان مع اختلافهم في القراء ات نقل ذلك عنهم التابعون ومن تبعهم واختلف بسبب ذلك اخذ التابعين حتى وصل الامر على هذا النحو الى الأئمة القراء المشهورين الذين تخصصوا وانقطعوا للقراء ات يضبطونها ويعنون بها وينشرونها.

هذا منشأ علم القراء ات واختلافها وإن كان هذا الاختلاف يرجع في الواقع إلى امور يسيرة بالنسبة لمواضع الاتفاق الكثيرة كما هو معلوم وهذا الاختلاف في حدود الاحرف السبعة التي نزل عليها القرآن الكريم كلها من عند الله.

ويحسن في هذا المقام ان ننقل ما كتبه الشيخ الزرقاني في كتابه ((مناهل العرفان)) وقد نقله من كتاب للنويري مخطوط بدار الكتب المصرية وضعه شرحا للطيبة في القراء ات.

قال: (والاعتماد في نقل القرآن على الحفاظ، ولذلك ارسل (أي عثمانؓ) كل مصحف مع من يوافق قراء ته في الاكثر وليس بلازم. وقرأ كل مصر بما في مصحفهم، وتلقوا ما فيه من الصحابة الذين تلقوه عن النبي ﷺ. ثم تجرد للأخذ عن هولاء قوم اسهروا ليلهم في ضبطها، واتعبوا نهارهم في نقلها، حتى صاروا في ذلك أئمة للأقتداء، وأنجما للإهتداء وأجمع اهل بلدهم على قبول قراء تهم، ولم يختلف عليهم اثنان في صحة روايتهم ودرايتهم، ولتصديهم للقراء ة نسبت اليهم، وكان المعول فيها عليهم.

((ثم ان القراء بعد هولاء كثروا، وفي البلاد انتشروا وخلفهم امم بعد امم، عرفت طبقاتهم، واختلف صفاتهم، فكان منهم المتقن للتلاوة، المشهورة بالرواية والدراية، ومنهم المحصل لوصف واحد، ومنهم المحصل لاكثر من واحد فكثر بينهم لذلك الاختلاف وقل منهم الإئتلاف.

فقام عند ذلك جهابذة الائمة، وصناديد الأمة فبالغوا في الاجتهاد بقدر الحاصل، وميزوا بين الصحيح والباطل، وجمعوا الحروف والقراء ات، وعزوا الاوجه والروايات، وبينوا الصحيح والشاذ، والكثير والفاذ بأصول اصلوها وأركان فصلوها...... الخ))

عدد القراء ات وانواعها:

ذكر صاحب كتاب (الإتقان) ان القراء ات، متواترة، و مشهورة، وآحاد، و شاذ، وموضوع، ومدرج.

قال القاضی جلال الدین البلقینی. القراء ة تنقسم الی متواتر وآحاد و شاذ: فالمتواتر القراءات السبع المشهورة.

والآحاد قراء ة الثلا ثة التی هی تمام العشر ویلحق بها قراء ة الصحابة. والشاذ قراء ة التابعین کالا عمش و یحیی بن و ثاب، وابن جبیر ونحوهم.

قال السیوطی هذا الکلام فیه نظر وأحسن من تکلم فی هذا النوع إمام القراء فی زمانه الشیخ ابو الخیر بن الجزری قال فی اول کتابه ((النشر)) کل قراء ة وافقت العربیة ولوبوجه، ووافقت احد المصاحف العثمانیة ولو احتمالا وصح سندها فهی القراء ة الصحیحة التی لا یجوز ردها ولا یحل انکارها بل هی من الاحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب علی الناس قبولها سواء کانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة ام عن غیرهم من الأئمة المقبولین ومتی اختل رکن من هذه الأرکان الثلاثة اطلق علیها شاذه او باطله سواء کانت عن السبعة ام عمن هو اکبر منهم، هذا هو الصحیح عند ائمة التحقیق من السلف والخلف.

قال صاحب الطیبة فی ضابط قبول القراء ات:

وکل ما وافق وجه النحو	وکان للرسم احتمالا یحوی
وصح اسنادا، هو القران	فهذه الثلاثة الارکان
وحیثما یختل رکن أثبت	شذوذه لو أنه فی السبعة

والقراء ات: قیل: القراء ات السبع، (القراء ات العشر، والقراء ات الأربع عشرة، وأحظی الجمیع بالشهرة، ونباهة الشأن القراء ات السبع.

وتنسب هذه القراء ات الی الائمة السبعة المعروفین وهم: نافع، وعاصم، وحمزة، وعبدالله بن عامر، وعبدالله بن کثیر، وأبو عمرو بن العلاء، وعلی الکسائی.

والقراء ات العشر هذه السبعة وزیادة قراء ةٍ: أبی جعفر، ویعقوب، وخلف.

و القراء ات الأربع عشرة، بزیادة أربع علی قراء ات هولاء العشرة وهی: قراء ة الحسن البصری، وابن محیص، ویحیی الیزیدی، والشنبوذی.

أول من صنف فی القراء ات :

علم القراء ات أتی علیه حین من الدهر لم یکن شیئا مذکورا.

واول من صنف فی القراء ات امثال ابی عبیدالقاسم بن سلام، وأبی حاتم السجستانی، وأبی جعفر الطبری، واسماعیل القاضی.

متى اشتهرت قراء ة السبعة؟

اشتهرت قراء ة السبعة على رأس المائتين فى الأمصار الإسلامية.

فكان الناس فى البصرة على قراء ة (أبى عمرو) و (يعقوب)، و بالكوفة على قراء ة (حمزة) و (عاصم)

وبالشام على قراء ة (ابن عامر)

وبمكة على قراء ة (ابن كثير)

وبالمدينة على قراء ة (نافع)

متى دونت القراء ا ت؟

دونت فى نهاية القرن الثالث ببغداد على يد الإمام ابن مجاهد أحمد بن موسى بن عباس فجمع القراء ات هو لاء السبعة غير أنه اثبت اسم الكسائى وحذف يعقوب.

طريقته:

كان آخذا على نفسه ألا يروى إلا عمن اشتهر بالضبط، والأمانة، وطول العمر فى ملازمة القراء ة، واتفاق الآراء على الآخذ عنه والتلقى منه.

واقتصار ابن مجاهد على هو لاء السبعة، ليس بحاصر للقراء فيهم، ولا بملزم أحدا أن يقف عند حدود قراء تهم.

القراء السبعة المشهورون.

القراء ات المتواترة نقلت لنا عن القراء الحفظة، المشهورين بالحفظ والضبط والإتقان. وهم أئمة القراء ات المشهورة، الذين نقلوا لنا قراء ة الصحابة عن رسول الله ﷺ وكان لهم فضل العلم والتعليم، لكتاب الله العظيم كما قال صلوات الله وسلامه عليه (خير كم من تعلم القرآن وعلمه) وقد جمع الشيخ ابو اليسر عابدين هو لاء القراء فى بيتين من الشعر فقال:

فنافع، وابن كثير، وعاصم — وحمزة، ثم أبو عمرو همو

مع ابن عامر أتى الكسائى — ائمة السبع بلا امتراء

ترجمہ: القراءت المشہورہ (مشہور قراءتیں)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اس بحث کے اختتام پر ہم نے اپنے اوپر یہ ضروری جانا کہ قراءات کے بارے میں بھی کچھ مختصر سی گفتگو کریں اور اس بارے میں بھی گفتگو کریں کہ) یہ (قراءات) کیسے وجود میں آئیں اور مشہور قاری کون کون ہیں؟

قراءات کی تعریف

قراءات یہ ''قراءۃ'' کی جمع ہے اور ''قراء یقرأ'' سے مصدر ''قـرأۃ'' ہے اور اصطلاح میں (قراءات کی تعریف یوں ہے قراءت) یہ قرآن کے پڑھنے کے مذاہب میں سے ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کو آئمہ قراء میں سے کسی نے اختیار کیا جو کہ قرآن کے پڑھنے (کے طریقے) میں (اپنے علاوہ) دوسرے (امام) کے مذہب کے خلاف (طریقہ پر قرآن کی تلاوت کرتا) ہو اور یہ قراءت اپنی اسانید کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت ہو۔

کیا عہد صحابہؓ میں قراء تھے؟

جی ہاں! قراء کا زمانہ جنہوں نے لوگوں کو تلاوت (قرآن) میں اپنے (اپنے) طریقوں (اور قراءت کے طرز) پر قائم کیا' وہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ کی طرف لوٹتا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے (قرآن پڑھانے اور) سکھلانے میں جو (صحابہؓ) مشہور ہوئے۔

(ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں)

حضرت ابن بن کعب' حضرت علی' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

اور ان (قراء) صحابہ کرامؓ سے بہت سارے صحابہؓ اور تابعینؒ (عظام) نے (مختلف ممالک کے بلاد و) امصار میں (قران کی مختلف تلاوت کو سیکھا اور) اخذ کیا۔ اور یہ سب کے سب (اپنی اپنی قراءت کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب (اور مسند) کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی (ہجری) میں تابعینؒ (عظام) کا دور آ گیا۔ اور کچھ لوگوں نے (اسی کام میں زندگی وقف کر دی اور قرآن کی مختلف قراءات کے سیکھنے سکھلانے کے لئے) اپنے آپ کو فارغ کر لیا۔ اور انہوں نے قراءت کو محفوظ کرنے (اور سیکھنے اور یاد کرنے) کی طرف پوری توجہ دی۔ جب اس کی ضرورت پڑی۔ اور انہوں نے اس کو ایک (مستقل) علم بنایا جیسے کہ انہوں نے دوسرے علوم شرعیہ کے ساتھ برتاؤ کیا (کہ جس طرح ان علوم کی طرف پوری پوری توجہ دی اسی طرح علم قراءت کی طرف بھی اتنی ہی توجہ دی۔)

اور ہم (اب) دوبارہ (اپنے پہلے موضوع کی طرف) لوٹ آتے ہیں اور (یہ) بیان کرتے ہیں کہ (مختلف) قراءتیں کیسے وجود میں آئیں۔

(جیسا کہ) ہم نے (گزشتہ عبارت میں) ابھی (اس بات کو) جان لیا کہ قراء کا عہد یہ صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر تابعین کے عہد تک ہے اور قرآن کریم میں معتمد علیہ (بات) ثقہ در ثقہ (اور قابل اعتبار لوگوں سے) اور امام در امام (قراءت

کو) حاصل کرتے اور لیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک (اپنی اخذ وتلقی کی سند کو لے جانا ہے۔) اور (پہلے) مصاحف بغیر نقطوں اور اعراب کے تھے۔ اور ان مصاحف میں (ایک) کلمہ کی صورت' ان مختلف قراءات کی وجوہ میں سے ہر ممکن صورت کا احتمال رکھتی تھی اور جب کوئی کلمہ (ہر صورت کا) احتمال نہ رکھتا تو اس کو کسی ایک (حرف کی) صورت پر لکھ دیا جاتا تھا۔ پھر دوسرے مصحف میں (وہی) کلمہ دوسری صورت پر لکھ دیا جاتا۔ اور یونہی (تمام وجوہ قراءات کو لکھ دیا جاتا۔ خواہ ایک ہی مصحف میں یا الگ الگ مصاحف میں)

پس اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ روایت اور تلقی [1] پر اعتماد کرنا یہ قرآن اور قراءت کے باب میں (نہایت) عمدہ (ترین طریقہ) ہے۔

پھر صحابہ کرامؓ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (قراءت اور قرآن کو) لینے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ایک حرف پر پڑھا اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (قرآن کو) دو حرف پر حاصل کیا۔ اور بعض نے اس سے زیادہ لیا۔ پھر وہ اسی کیفیت کے ساتھ (اطراف واکناف عالم اور) دیار (وامصار و) بلاد میں پھیل گئے۔

اور حضرت عثمانؓ نے جب مختلف شہروں میں مصاحف بھیجے تو ہر مصحف کے ساتھ اس صحابیؓ کو بھیجا کہ جس کی قراءت اس مصحف کے اکثر کے موافق ہوتی تھی۔

اور صحابہ کرامؓ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے پر جبکہ ان کی قراءتیں مختلف تھیں' تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے ان سے ان قراءتوں کو نقل کیا اور صحابہ کرامؓ کی قراءتوں کے اختلاف کی وجہ سے تابعین کے (ان قراءتوں کو سیکھنے اور) حاصل کرنے میں (بھی) اختلاف ہوا اور یہ معاملہ اسی طرح پر مشہور آئمہ قراء تک جا پہنچا جو قراءات کے لئے خاص ہو گئے اور اس کے (ہی) ہو رہے۔

انہوں نے قراتوں کو محفوظ کیا اور ان پر (پوری) توجہ دی اور ان کو (چہار دانگ عالم میں) پھیلایا۔

یہی بات علم قراءت اور اس کے اختلاف کا منشا ہے اور درحقیقت یہ اختلاف بہت ساری باتوں میں اتفاق کے پائے جانے کی جگہوں کی نسبت چند باتوں میں (ہی) ہے جیسا کہ یہ بات معلوم (ومشہور) ہے اور یہ اختلاف ان ''حروف سبعہ'' کی حدود میں ہے کہ جن پر یہ سارا کا سارا قرآن کریم اللہ عزوجل کی طرف سے اترا۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر ہم اس تحریر کو نقل کریں کہ جو شیخ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں تحریر کی ہے اور انہوں نے اس کو (امام) ''نویری'' کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ کہ جو (کتب خانہ مصریہ کہ جس کا نام) دار الکتب المصریہ (ہے) میں مخطوطہ (کی شکل میں موجود) ہے کہ جس کو امام نویریؒ نے ''الطیبۃ فی القراءات'' کی شرح میں لکھا ہے۔

(وہ عبارت نقل کرتے ہوئے امام عبدالعظیم زرقانیؒ) فرماتے ہیں۔

''اور قرآن کے (نسل درنسل' زمانہ درزمانہ) نقل کرنے میں (قرآن کے قراء اور) حفاظ پر اعتماد (کیا گیا) ہے۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے (کہ جب انہوں نے مصاحف مرتب کروا لئے تھے اور ان کو بھیجنے کی نوبت آئی تو) ہر ایک مصحف کو ان

---

[1] یعنی خلفا عن سلف لینا اور کابرا عن کابر روایت قرآن وقراءت کو لینا۔ (نسیم)

بزرگ (صحابیؓ) کے ساتھ بھیجا کہ جن کی قراءت (اس بھیجے جانے والے) صحیفہ کی قراءت کے اکثر کے موافق ہوتی تھی۔ اور یہ کوئی ضروری نہ تھا۔ (کہ پوری قراءت ہی موافق ہو) اور ہر شہر کے لوگ اسی قراءت کو پڑھتے کہ جو ان کے مصحف میں ہوتی تھی۔ اور وہ اس مصحف میں موجود قراءت کو صحابیؓ سے لیتے کہ جس کو انہوں نے نبیؐ سے لیا ہوتا تھا۔ پھر چند لوگوں نے ان بزرگوں سے ان قراءتوں کو لینے (اور سیکھنے کے لئے) اپنے آپ کو وقف کر دیا اور انہوں نے ان (قراءتوں) کو جمع کرنے میں اپنی راتوں کو بیدار کیا اور ان کے نقل کرنے میں اپنے دنوں کو تھکایا یہاں تک کہ (ان ان تھک محنتوں اور شبانہ روز کاوشوں اور عرق ریز مساعی کی بدولت) وہ لوگ ان قراءتوں میں (دوسروں کے لئے) پیروی کرنے کے لئے آئمہ بن گئے (کہ جن کی ان قراءتوں میں پیروی کی جاتی تھی) اور وہ لوگ (ان قراءتوں تک) رستہ پانے میں ستاروں (کی مانند) ہو گئے۔ اور (ہر) ہر علاقے والوں نے ان کی قراءت کو قبول کرنے میں اجماع کر لیا۔ اور کسی دو شخصوں نے ان کی صحت روایت و درایت اور ان کی اس قراءت کی طرف توجہ میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قراءت کی ان کی طرف نسبت کی جاتی تھی۔ اور اس بابت ان ہی لوگوں (کی ضبط کردہ) قراءت پر اعتماد کیا جاتا تھا اور ان ہی لوگوں کی قراءت) پر دارومدار تھا۔

پھر ان کے بعد قراء کثرت سے ہوئے' اور وہ لوگ (کہ جو ان آئمہ کے تعلیم یافتہ اور تربیت کردہ تھے) شہروں (اور ملکوں) میں پھیل گئے۔ اور (خود) ان کا (امت کا ایک) طبقہ کا طبقہ نائب ہوا۔ اور ان کے طبقات (و مدارج) جانے (اور پہنچانے) گئے (اور تاریخ نے ان کی تفصیل کو محفوظ کر لیا) اور ان کی صفات (باہم) مختلف ہوئیں (کہ یہ ایک فطری بات تھی کیونکہ خلقۃ آدمیوں کی صفات مختلف ہوا کرتیں ہیں) لہٰذا ان میں سے بعض عمدہ تلاوت کرنے والے اور روایت و درایت میں مشہور تھے۔ اور بعض نے فقط ایک ہی صفت حاصل کی تھی۔ اور بعض نے ایک سے زیادہ صفات کا حصول کیا۔ اسی وجہ سے ان میں اختلاف بڑھتا گیا اور (باہم توافق اور صفات میں) اتحاد (و یگانگت) وہ گھٹتی گئی۔

پس اس موقعہ پر (کہ یہ اختلاف بڑھتا جا رہا تھا) آئمہ ماہرین اور اکابرین امت اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بقدر ضرورت (قراءت کے اختلاف اور ان میں تطبیق میں) اجتہاد کرنے میں مبالغہ کی حد تک کام کیا۔ اور صحیح اور باطل میں امتیاز کیا اور حروف اور قراءات کو جمع کیا اور (قراءت کے) طریقوں اور روایات کو (ان کے اصحاب کی طرف) منسوب کیا اور صحیح اور شاذ (قراءت کو الگ الگ کر کے) اور زیادہ اور اکیلی (قراءت) کو بیان کیا (اور یہ ساری محنت ایسے اصولوں کے ذریعے (کی کہ) جن کو انہوں نے اصل قرار دیا اور ایسے ارکان کے ذریعہ کہ جن کو انہوں نے ترجیح دی۔ [1]

توضیح:

حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب صدر القراء دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ معانی کے سلسلہ میں جس طرح ان امور کو سند قبول حاصل ہوتی ہے جن کا ربط پیغمبر ﷺ کے قول و عمل اور تقریر سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بسلسلہ تلاوت ان ہی طریقوں اور وجھوں کو مرتبہ اعتبار

[1] دیکھئے مناہل العرفان جلد اصفحہ ۴۰۷۔

نصیب ہوتا ہے جن کوتواتر سند یا شہرت روایتی وابستگی پیغمبر کی ذات بابرکات کے ساتھ ہے۔''
معانی کے ساتھ اسی خصوصیت واہمیت کا یہ اثر ہے کہ امت کا اہل علم طبقہ جس طرح معانی کی خدمت پر کمربستہ ہوااور اس سلسلہ میں متعدد علوم معرض وجود میں آئے اور بے شمار کتابیں (ہر قرآنی علم پر) لکھی گئیں اسی طرح الفاظ قرآنی کی صیانت و حفاظت اور خدمت کو بھی ہر دور میں سعادت دارین سمجھا جاتا رہا اور اس سلسلہ میں دونوع سے خدمت کی گئی ایک حفظ اور دوسرے طریقہ تلاوت اور قراء کی حدود و شقوق کا ہے۔
آگے چل کر مولانا تلاوت وقراءت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
(۱) علم تجوید کہ جس کا موضوع حروف تہجی ہوا۔ (۲) علم اوقاف کہ جس کا موضوع حروف کلمات قرآنی ہوا۔
(۳) علم قراء کہ جس کا موضوع کلمات قرآنی ہوئے کہ جس کا محور یہ بات رہی کہ آپؐ کی حیات طیبہ میں حجاز مقدس کی فصیح عربی زبان کے قبائلی جزوی فرق کے زیر اثر کن کن کلمات قرآنی کو کس طرح پڑھا گیا۔ اور از روئے وحی کس فرق کو آپؐ نے قرآنی حدود کے دائرے میں شمار کرتے ہوئے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس فن کے ماہرین نے اخذ وقبول کے لئے اصل بنیاد روایتی استناد ہی کو قرار دیتے ہوئے صرف دو درجے قابل اعتبار قرار دیئے ایک تواتر اور دوسرے شہرت پھر ان میں درجہ بندی کرتے ہوئے تواتر ہی کو مرتبہ اول دیا۔
آگے چل کر مولانا تحریر فرماتے ہیں۔
''پھر وقت گزرنے کے ساتھ اختلاف کی اس نوعیت نے اصولی اور فنی مقام حاصل کرلیا۔ اور اس فن کے جو صدر ہوئے وہی امام کہلائے اور ان ہی کے ناموں سے قراءتوں کا انتساب ہوا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔''
نافع مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، عاصم کوفی، حمزہ کوفی، کسائی کوفی۔
پھر اس علم قراءت کے تحفظ واشاعت کی خاطر نادرۂ روزگار محنتیں اور مشقیں برداشت کر کے اس کو باقاعدہ مدون اور بہت سی کتابیں لکھ کر ان قراءتوں کی حیات جاوید کا سامان کر ڈالا۔ (علم قراءت اور قراء سبعہ صفحہ ۱۳-۱۹ ملخصاً وبتصرف)
حضرت مولانا ابوالحسن اعظمی صاحب فاضل دیوبند نے علم قراءت کی تعریف، موضوع، ثمرہ، فضیلت نسب، واضع، نام استمداد، حکم، مسائل، ضابطہ قراءت، قراءت، کا مدار، نزول قراءت علی سبعۃ احرف۔ اس کا سبب اور حکمتیں، حروف کے حقیقی و مجازی معنی سات حروف کا مقصد، سات میں حصر کی وجہ، ان کے علمی فوائد واحکام، سبعۃ احرف کے معانی، ان کی نوعیت حقیقت، اختلاف قراءت کے فوائد اور دیگر متعدد موضوعات پر نہایت شرح وبسط سے کلام فرمایا ہے مناسب ہے کہ طالبان علوم قرآن اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ ''دیکھیں علم قراءت اور قراء سبعۃ''

ترجمہ: قراءت کی تعداد اور انکی انواع (واقسام)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)
صاحب کتاب ''اتقان'' نے لکھا ہے کہ قراءت (کی مندرجہ ذیل یہ قسمیں ہیں)

متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج (کہ یہ اقسام مشہور) ہیں۔

قاضی جلال الدین البلقینیؒ فرماتے ہیں۔

''قراءت، متواتر، آحاد اور شاذ (تین قسموں) میں تقسیم ہوتی ہے اور مشہور سات قراءتیں (یہی) متواتر (قراءتیں) ہیں۔

اور قراءت آحاد یہ وہ تین قراءتیں ہیں جو دس کو پورا کرتیں ہیں (کہ ان تین کے ملنے سے قراءت سبعہ دس ہو جاتی ہیں) اور صحابہ کرامؓ کی قراءتیں ان (یعنی آحاد) قراءتوں کے ساتھ ملحق ہوتی ہیں۔

اور شاذ (قراءتیں) یہ تابعین کی قراءتیں ہیں جیسے امام اعمش، یحییٰ بن وثاب اور ابن جبیر اور دوسرے حضرات۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ (قاضی جلال الدین بلقینیؒ کے) اس کلام میں نظر (اور تامل کی گنجائش) ہے اور اس نوع کے بارے میں سب سے عمدہ کلام اپنے زمانہ کے شیخ امام ابوالخیر بن جزریؒ نے فرمایا ہے وہ اپنی (مشہور زمانہ) کتاب النشر فی القراءات العشر'' کے شروع میں فرماتے ہیں۔

''ہر وہ قراءت کہ جو (لغت) عرب کے موافق ہو چاہے کسی طور پر بھی اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے بھی موافق ہو چاہے (موافقت کا) احتمال ہی ہو۔ اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ وہ صحیح قراءت ہے کہ جس کا نہ رد کرنا ہی جائز ہے اور نہ ہی ان کا انکار کرنا حلال (اور جائز) ہے بلکہ یہ ان ''حروف سبعہ'' سے ہے کہ جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ اور لوگوں پر اس قراءت کا قبول کرنا واجب ہے چاہے یہ سات آئمہ سے (مروی) ہوں یا دس سے یا ان کے علاوہ دوسرے آئمہ مقبولین سے (مروی) ہوں اور جب ان (تین مذکورہ) ارکان میں سے کوئی ایک رکن نہ ہوگا تو اس پر شاذ یا باطل قراءت کا اطلاق ہوگا۔ چاہے وہ (انہی) سات آئمہ سے (ہی) مروی ہو یا ان سے بھی بڑے امام سے مروی ہو۔ اور یہی (بات محقق اور ثابت شدہ اور صحیح ہے کہ جو سلف اور خلف کے آئمہ محققین کے نزدیک (مسلم) ہے۔'' (1)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

صاحب ''الطیبہ'' قبول قراءت کے ضابطہ (کو ان مندرجہ ذیل اشعار) میں فرمایا ہے۔

(۱) وکل ما وافق وجه النحو وكان للرسم احتمالا يحوى

ہر وہ قراءت کہ جو (قوانین) نحو کے موافق ہو اور اس نے (مصاحف عثمانی کے) رسم (الخط) کو شامل کیا ہو۔

(۲) وصح اسنادا هو القرآن فهذه الثلاثة الاركان

اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ (قراءت) قرآن میں سے ہے۔

پس یہی تین باتیں (بنیادی) ارکان ہیں (کہ جن پر قراءت کے رد و قبول کا مدار ہے)

(۳) وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه من السبعة

---

(1) دیکھئے مناہل العرفان جلد اصفحہ ۴۰۹۔

اور جب بھی کوئی ایک رکن نہ ہو تو اس کو شاذ قراءت ثابت کر' چاہے وہ سات آئمہ ہی سے (مروی) ہو۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

کہتے ہیں کہ' قراءت' سات (بھی ہیں) اور دس (بھی) اور چودہ (بھی) ہیں (کہ جن کو القراءت السبعہ' القراءت العشر' ''القراءت الاربع العشر'' کہتے ہیں)

اور ان سب قراءتوں نے ''قراءات السبع'' (کے نام سے) شہرت اور بلند عزت کو پایا۔ اور ان قراءتوں کو ان (مشہور و معروف آئمہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' وہ یہ ہیں۔

نافع' عاصم' حمزہ' عبداللہ بن عامر' عبداللہ ابن کثیر' ابوعمرو بن العلاء اور علی الکسائی۔

اور دس قراءتیں (ان میں سے) سات تو یہی ہیں اور ابوجعفر' یعقوب اور خلف (ان تین کی قراءتیں) ان پر مزید ہیں۔

اور چودہ قراءتیں (یعنی قراءات الاربع العشر) وہ ان دس پر یہ چار قراءتیں مزید ہیں (وہ یہ ہیں)

حسن بصری کی قراءت اور ابن محیص' اور یحییٰ یزیدی اور شنبوذی (کی قراءۃ)

(علم) قراءات پر جس نے سب سے پہلے تصنیف کی:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

علم قراءت پر ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ جب یہ کچھ نہ تھی' (اور لوگوں میں اس کا ذکر تک نہ تھا) علم قراءت میں جن لوگوں نے سب سے پہلے (پہلے) تصنیفات کیں۔ (وہ) ابوعبید القاسم بن سلام' ابو حاتم سجستانی' ابوجعفر طبریؒ اور اسماعیل قاضی جیسے لوگ ہیں۔

سات قراءتیں کب مشہور ہوئیں؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

سات قراءتیں دوسری صدی ہجری کے شروع میں ممالک اسلامیہ میں مشہور ہوئیں۔ چنانچہ بصرہ میں لوگ ابوعمرو اور یعقوب کی قراءت پر تھے اور

کوفہ میں حمزہ اور عاصم کی قراءت پر اور

شام میں ابن عامر کی قراءت پر

اور مکہ میں ابن کثیر کی قراءت پر

اور مدینہ میں نافع کی قراءت پر تھے۔

(یہ) قراءت (السبعۃ) کب مدون ہوئیں؟

یہ مذکورہ قراءتیں تیسری صدی ہجری کے آخر میں بغداد میں امام ابن مجاہد احمد بن موسی بن عباس کے ہاتھوں مدون ہوئیں

انہوں نے ان سات قراءتوں کو جمع کیا مگر انہوں نے (امام) کسائی کا نام (اور ان کی قراءت تو) باقی رکھی اور (مگر) یعقوب کی قراءت کو حذف کر دیا۔

(امام ابن مجاہد کا قراءت کو جمع کرنے کا) طریقہ:

امام صاحب نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی تھی کہ وہ فقط اس سے ہی قراءت کو روایت کریں گے کہ جو ضبط و امانت اور طویل عرصہ تک (علم) قراءت کے ساتھ مشغول ہونے اور اس سے قراءت کے لینے اور اس سے حاصل کرنے میں علماء کی آراء کے اتفاق کے ساتھ مشہور ہو۔

امام ابن مجاہد کا ان سات (قراء) تک اقتصار (اور اکتفاء) کرنا یہ قراء کو ان میں ہی محدود (اور محصور) کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی پر یہ لازم ہے کہ وہ ان کی قراءت کی حدود تک ٹھہر جائے۔
(اور اس سے تجاوز نہ کرے اور دوسرے آئمہ کی قراءت کی طرف نہ جائے)

سات مشہور قراء:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

(یہ سات) قراءات متواترہ ہم تک ان حفاظ قراء سے نقل کر آئیں ہیں کہ جو حفظ اور ضبط اتقان کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور یہ مشہور قراءتوں کے وہ (مشہور) آئمہ ہیں کہ جنہوں نے ہم تک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رسول اللہ ﷺ سے مروی قراءت کو نقل کیا (اور پہنچایا) اور ان کی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ علم اور تعلیم کی (ایک خاص شان اور) فضیلت تھی۔
جیسا کہ رسول اللہ (صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ) نے ارشاد فرمایا کہ
''تم میں سب سے بہتر (اور افضل) وہ شخص ہے کہ قرآن کو سیکھے اور سیکھائے۔''
اور تحقیق کہ الشیخ ابوالیسر عابدین نے ان سات قراء کے نام (اپنے) اس شعر کے دو مصرعوں میں جمع کئے ہیں، وہ کہتے ہیں۔

فنافع، ابن کثیر، عاصم — حمزہ ثم ابو عمرو وھمو
و مع ابن عامر أتی الکسائی — آئمة السبع بلا امتراء

نافع، ابن کثیر، عاصم، حمزہ اور پھر ابو عمرو کہ یہ سب ابن عامر کے ساتھ کسائی تک آتے ہیں کہ یہ بلا شک سات آئمہ ہیں۔

القراء السبعة:

(۱) ابن عامر: اسمه عبدالله اليحصبي قاضي دمشق في خلافة الوليد بن عبد الملك، ويكنى أبا عمران و هو تابعي، وقد أخذ القراءة عن المغيرة بن أبي شهاب المخزومي، عن عثمان بن عفان عن رسول الله ﷺ توفي بدمشق سنة ثماني عشر ومائة، و قد اشتهر بروايته قراءته هشام و ابن ذكوان.

قال فیهم صاحب الشاطبیة:

وأما دمشق الشام دار بن عامر　　فتلك بعبد الله طابت محلا
هشام و عبدالله وهو انتسابه　　لذكوان بالاسناد عنه تنقلا

(۲) ابن کثیر: هو ابو محمد' عبدالله بن کثیر الداری المکی کان إمام الناس فی القراء ۃ بمکۃ' وهو تابعی لقی من الصحابۃ عبدالله بن الزبیر' وأبا أیوب الأنصاری وأنس بن مالك و توفی بمکۃ سنۃ مائۃ وعشرین.

وراویاه: البزی (ت ۲۵۰) وقنبل (ت ۲۹۱ ھ)

قال فیهم صاحب الشاطبیة:

ومکۃ عبدالله فیها مقامه　　هو ابن کثیر کاثر القوم معتلا
روی أحمد البزی له ومحمد　　علی سند وهو الملقب قنبلا

(۳) عاصم الکوفی: هو عاصم بن أبی النجود الأسدی' ویقال له: ابن بهدلۃ' ویکنی أبا بکر' وهو تابعی.

توفی بالکوفۃ سنۃ ۱۲۷ھـ او ۱۲۸ھـ و راویاه شعبۃ (ت ۱۹۳ھـ) و حفص (ت ۱۸۰ھـ) یقول فیهم صاحب الشاطبیة:

و بالکوفۃ الغراء منهم ثلاثۃ　　أذاعوا فقد ضاعت شذی و قرنفلا
فأما أبوبکر و عاصم اسمه　　فشعبۃ راویه المبرز أفضلا
وذاك بن عیاش أبوبکر الرضا　　وحفص و بالا تقان کان مفضلا

(۴) ابو عمرو: هو ابو عمرو زبان بن العلا بن عمار البصری شیخ الرواۃ و قیل اسمه یحیی' و قیل اسمه کنیه' توفی بالکوفۃ سنۃ أربع و خمسین ومائۃ. وراویاه:

الدوری (ت ۲۴۶ ھ) والسوسی (ت۲۶۱ ھ)

قال صاحب الشاطبیة:

وأما الإمام المازنی صریحهم　　أبو عمرو البصری فوالده العلا
أفاض علی یحیی الیزیدی سیبه　　فأصبح بالعذب الفرات معللا
أبو عمرو الدوری صالحهم أبو　　شعیب هو السوسی عنه تقبلا

(۵) حمزۃ الکوفی: هو حمزۃ بن حبیب بن عمارۃ الزیات الفرضی التیمی مولی عکرمۃ بن ربیع التیمی ویکنی أبا عمارۃ توفی بحلو ان فی خلافۃ أبی جعفر المنصور سنۃ ۱۵۶ ھ و راویاه: خلف (ت ۲۲۹ھ) و خلاد (ت ۲۲۰ ھ) بواسطۃ سلیم.

قال صاحب الشاطبية:

و حمزة ما أزكاه من متورع　　إماما صبورا للقرآن مرتلا

روى خلف عنه و خلاد الذى　　رواه سليم متقنا ومحصلا

(٦) نافع: هو أبو رويم نافع بن عبدالرحمن بن أبى نعيم الليثى أصله من اصفهان، وانتهت اليه رئاسة الاقراء بالمدينة المنورة و توفى بها سنة ١٦٩، وراوياه: قالون (ت ٢٢٠) وورش (ت ١٩٧)

يقول صاحب الشاطبيه:

فأما الكريم السر فى الطيب نافع　　فذاك الذى اختار المدينة منزلا

وقالون عيسى، ثم عثمان و رشهم　　بصحبة المجد الرفيع تأثلا

(٧) الكسائى: هو على بن حمزة إمام النحاة الكوفيين، ويكنى ابا الحسن و قيل له الكسائى لأنه كان فى الإحرام لابسا كساء، توفى (برنبوية) قرية من قرى الرى حين توجه الى خراسان مع الرشيد سنة ١٨٩، و راوياه أبو الحارث (ت ٢٤٢) والدورى (ت ٢٤٦)

يقول صاحب الشاطبية:

وأما على فالكسائى نعته　　لما كان فى الإحرام فيه تسربلا

روى ليثهم عنه أبو الحارث الرضا　　وحفص هو الدورى و فى الذكر قد خلا

ترجمہ: سات قراء (اوران کا اجمالی تعارف)

(۱) ابن عامر:

ان کا نام عبداللہ الیحصبی ہے یہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں دمشق کے قاضی تھے۔ ان کی کنیت ابوعمران ہے یہ تابعی ہیں۔ انہوں نے مغیرہ بن ابوشہاب المخزومی سے اور انہوں نے (حضرت) عثمان بن عفانؓ سے رسول اللہ ﷺ سے مروی قراءت کو حاصل کیا۔ آپ کا انتقال دمشق میں ۱۱۸ ہجری میں ہوا۔ ہشام اور ابن ذکوان نے آپ کی قراءت کی روایت میں شہرت پائی۔

صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں (ان کلمات کے ساتھ اشعار میں تعریف کرتے ہوئے) کہتے ہیں۔

وأما دمشق الشام دار بن عامر　　فتلك بعبد الله طابت محللا

اور البتہ شام (کا شہر) دمشق کہ جو ابن عامر کا مسکن ہے یہ عبداللہ کے وہاں آ ٹھہرنے سے (سرسبز و خوشگوار اور) اچھا ہوگیا۔

هشام و عبدالله وهو انتسابه　　لذكوان بالاسناد عنه تنقلا

اور ہشام اور عبداللہ اور یہ (یعنی عبداللہ) ان کی نسبت ذکوان کی طرف ہے۔ سند کے ساتھ ان سے قراءت نقل کی

ہے۔'' ❶

توضیح:

حضرت مولانا ابوالحسن الاعظمی نے آپ کا نام کنیت' قوم' قبیلہ' تابعی ہونا۔ آپ کی علم قراءت میں جلالت شان اور قدر و منزلت' آپ کے اساتذہ ومشائخ' آپ کی دمشق میں عہد قضا پر تقرری' اور آپ کی قراءت کے اختیار کرنے پر اجماع کو' اور آپ کی ولادت سن ولادت' جائے ولادت آپ کے سن وفات آپ کے بے شمار معتبر تلامذہ ورواۃ کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

اور اس کے بعد آپ کی قراءت کے دو راویوں' ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسر سلمی دمشقی' اور عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان قرشی دمشقی کا بھی تعارف کروایا ہے۔

دیکھیں (علم قراءت اور قراء سبعہ از صفحہ ۸۸-۹۲)

ترجمہ: (۲) ابن کثیر:

یہ ابومحمد' عبداللہ بن کثیر الداری المکی ہیں۔ آپ مکہ میں قراءت کے امام تھے۔ آپ تابعی تھے آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے ملاقات کی ہے (اور ان کی زیارت کی ہے) اور آپ کا مکہ میں ۱۲۰ ہجری میں انتقال ہوا۔

اور آپ کے دو راوی البزی (متوفی ۲۵۰ ہجری) اور قنبل (متوفی ۲۹۱ ہجری) ہیں۔ صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں یہ اشعار کہتے ہیں۔

ومکة عبدالله فیها مقامه   هو ابن کثیر کاثر القوم معتلا

''مکہ جو عبداللہ کی جائے اقامت ہے۔ یہ (یعنی) ابن کثیر (اپنی) قوم (یعنی قراء) میں غالب نام آور اور بلند ہیں۔'' ❷

روی أحمد البزی له ومحمد   علی سند وهو الملقب قنبلا

''احمد البزی اور محمد نے سند کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے (وہ محمد کہ) جن کا لقب قنبل ہے۔''

توضیح:

حضرت مولانا ابوالحسن الاعظمی نے آپ کا نام ونسب' کنیت' مشہور نام آپ کے مولی' آپ کا تابعی ہونا' اور امام شافعیؒ کا آپ کا شاگرد ہونا۔

اور شاطبیؒ کے آپ کو ''اثر القوم'' کہنے کی وجوہات' آپ کی مکی صحابہ کرامؓ سے ملاقات آپ کی عطر کی تجارت اور اس کی وجہ سے آپ کا داری (یعنی عطار) کہلانا بیان کیا ہے۔

---

❶ اس شعر کا ترجمہ ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۹۲ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

❷ اس شعر کا ترجمہ ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۷۷ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

آپ کے آباؤاجداد کو کسریٰ نے کشتی میں سوار کر کے یمن بھجوا دیا تھا۔
آپ حدیث کے امام تھے۔ اسی لئے بڑے بڑے علماء آپ سے قراءت نقل کرتے تھے۔ جیسے سفیان بن عیینہ، امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہ۔
آخر میں آپ کی قراءت کے دو راوی، ابوالحسن بن محمد بن عبداللہ بن القاسم بن نافع بن ابی بزہ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید کا تفصیلی تعارف کروایا ہے۔
دیکھیں ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۷۷ تا ۸۱۔

ترجمہ: (۳) عاصم کوفی:

یہ عاصم بن ابی النجود الاسدیؒ ہیں آپ ''ابن بہدلہ'' کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوبکر ہے آپ تابعی ہیں۔
آپ کا کوفہ میں ۱۲۷ ہجری یا ۱۲۸ ہجری میں انتقال ہوا۔ آپ (کی قراءت) کے راوی شعبہ (متوفی ۱۹۳ ہجری) اور حفص (متوفی ۱۸۰ ہجری) ہیں۔
صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

و بالكوفة الغراء منهم ثلاثة   أذاعوا فقد ضاعت شذى و قرنفلا

فأما أبوبكر و عاصم اسمه   فشعبة راويه المبرز أفضلا

''اور ابوبکر اور عاصم (کہ جن کا نام ہے) اور شعبہ کہ جو ان کے راوی ہیں۔ کہ شہرت اور فضیلت والے ہیں۔''

وذاك بن عياش أبوبكر الرضا   وحفص و بالاتفاق كان مفضلا

''اور یہ ابن عیاش ابوبکر الرضا اور حفص ہیں کہ جو بالاتفاق فضیلت (و بزرگی) والے ہیں۔''

توضیح:

مولانا ابوالحسن صاحب نے ان کے تفصیلی احوال اور ان کے شاگردوں اور راویوں کی تفصیل ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۹۹ تا ۱۰۴ میں تفصیل سے ذکر کی ہے۔

ترجمہ: (۴) ابوعمرو:

یہ ابوعمرو زبان بن العلاء بن عمار البصری ہیں۔ کہ جو سب راویان قراءت کے شیخ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ کا نام یحییٰ ہے اور کہتے ہیں کہ آپ کا نام ہی آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا انتقال کوفہ میں ۱۲۵ ہجری میں ہوا۔
آپ کے دو راوی ''دوری'' (متوفی ۲۴۶ ہجری) اور ''السوسی'' (متوفی ۲۶۱ ہجری) ہیں۔
صاحب شاطبیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے:

وأما الإمام المازني صريحهم   أبو عمرو البصري فوالده العلا

''اوران آئمہ میں بڑے امام ابوعمرو بصری مازنی ہیں کہ جن کے والد 'علا' ہیں۔''

أفاض على يحيى اليزيدى سيبه   فأصبح بالعذب الفرات معللا

''امام ابوعمرو نے اپنے علم کی بارش یحییٰ یزیدی پر برسائی۔ پس وہ (یحییٰ) شیریں اور پیاس دور کرنے والے پانی سے سیراب (یعنی علم سے مالا مال) ہو گئے۔ ❶

أبو عمرو الدورى صالحهم أبو   شعيب هو السوسى عنه تقبلا

''ابوعمر والدوری کہ جوان میں نیک ہیں اور ابوشعیب کہ جوسوسی ہیں انہوں نے ابوعمرو سے قراءت کو لیا۔''

(ان کے تفصیلی احوال کے لئے دیکھیں علم قراءت اور قراء سبعہ از صفحہ ۸۲ تا ۸۷)

(۵) حمزہ کوفی:

یہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ الزیات الفرضی التیمی ہیں' عکرمہ بن ربیع التیمی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعمارہ ہے آپ کا انتقال ابوجعفر منصور کے (عہد) خلافت میں حلوان میں ۱۵۶ ہجری میں ہوا۔

آپ کے دوراوی خلف (متوفی ۲۲۹ ہجری) اور خلاد (متوفی ۲۲۰ ہجری) ہیں کہ جن کی قراءت سلیم کے واسطہ سے ہے۔

صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

وحمزة ما أزكاه من متورع   إماما صبورا للقرآن مرتلا

''حمزہ کس قدر پاکیزہ ہیں' پرہیز گار'امام بہت صابر' قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے والا ہونے کے اعتبار سے۔''

روى خلف عنه و خلاد الذى   رواه سليم متقنا ومحصلا

یعنی خلف اور خلاد نے (بواسطہ سلیم) حمزہ سے روایت کیا ہے کہ جس کو خود سلیم نے خود (حمزہ سے) نقل و روایت کیا ہے۔ ❷

(ان کے تفصیلی احوال کے لئے دیکھیں ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۴۔

(۶) نافع:

یہ ابورویم نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم اللیثی ہیں۔ آپ اصل (اور نسل کے اعتبار سے) اصفہان کے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قراء کی سرداری آپ پر ختم ہو جاتی ہے۔ (یعنی آپ تمام قراء کے سردار ہیں)

آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۶۹ ہجری میں ہوا۔ آپ کے دو راوی قالون (متوفی ۲۲۰ ہجری) اور ورش ❸

❶ ترجمہ از ''علم قراءت وقراء سبعہ'' صفحہ ۸۵۔ (نسیم) ❷ ان دونوں اشعار کا ترجمہ ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' ۱۰۵ اور ۱۱۴ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم) ❸ (مولف کتاب قالون اور (اور ورش کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) قالون کہ جو اپنی اصل وضع میں عمدہ (اور اعلیٰ) ہو اور ورش نہایت سفید رنگ والے کو کہتے ہیں۔

(متوفی ۱۹۷ ہجری) ہیں۔

صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فأما الكريم السر فی الطيب نافع فذاك الذی اختار المدينة منزلا

''بہر حال شریف راز والے (یا پاک باطن والے) خوشبو کے بارے میں کہ جو نافع ہیں یہ وہ خوش نصیب بزرگ ہیں کہ جنہوں نے مدینہ کو ٹھکانا اور وطن بنایا۔

وقالون عيسى، ثم عثمان و رشهم بصحبة المجد الرفيع تأثلا

''اور قالون (یعنی عیسیٰ پھر عثمان ان قراء میں کے جو ورش ہیں۔ اور دونوں نے۔''

امام نافع کی صحبت سے بلند بزرگی کو جمع کر لیا (یعنی سردار اور مقتداء بن گئے) ❶

(ان کے تفصیلی احوال کے لئے دیکھیں ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' (صفحہ ۷۰ تا ۷۶)

(۷) الکسائی:

یہ علی بن حمزہ کوفی نحوی (علماء) کے امام ہیں آپ کی کنیت ابوالحسن ہے آپ کو کسائی اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ آپ نے احرام کی حالت میں (بھی) چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ آپ کا انتقال ''ری'' کے ایک گاؤں ''برنبویہ'' میں۔

۱۸۹ ہجری میں ہوا کہ جب آپ رشید (غالباً ہارون الرشید مراد ہے) کے ساتھ خراسان کی طرف نکلے۔ آپ کے دو راوی ابوالحارث (متوفی ۲۴۲ ہجری) اور دوری (متوفی ۲۴۶ ہجری) ہیں۔

صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وأما علی فالكسائی نعته لما كان فی الإحرام فيه تسربلا

''اور بہر حال علی کہ جن کا مشہور نام کسائی ہے کیونکہ انہوں نے احرام میں بھی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔''

روى ليثهم عنه أبو الحارث الرضا وحفص هو الدوری و فی الذكر قد خلا

''اور قراء میں سے لیث نے ان سے روایت کی کہ جو ابوالحارث الرضا ہیں۔ اور حفص نے (بھی) روایت کی کہ جو ''دوری'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں کہ جن کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد سے کتاب تمام ہوئی۔

''اور اللہ ہی کی ہیں سب تعریفیں اول بھی آخر بھی۔''

☆☆☆

---

❶ ان دونوں اشعار کا ترجمہ ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' صفحہ ۷۱ اور صفحہ ۷۶ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

مصادر و مآخذ

(۱) آثارِ خیر مجموعہ افاضاتِ مولانا خیر محمد جالندھریؒ اداہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان سن اشاعت ۱۴۱۵ھ بمطابق نومبر ۱۹۹۴ اردو بازار لاہور

(۲) ''ائمہ تلبیس'' مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ۔ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔

(۳) ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن۔'' مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

(۴) ''احسن البیان فی تفسیر القرآن'' سید فضل الرحمٰن صاحب۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی' اشاعت اول اکتوبر ۱۹۹۲ء

(۵) ''ارشاد الطالبین شرح اردو زاد الطالبین'' محمد عتیق الرحمٰن۔ مکتبہ اسلامیہ چارسدہ طبع ثانی اپریل ۱۹۹۵ء

(۶) اصول الشاشی مع احسن الحواشی'' علامہ نظام الدین الشاشی'' المصباح اردو بازار لاہور

(۷) ''اعجاز القرآن'' علامہ شبیر احمد عثمانی۔ ادارۂ اسلامیات لاہور اشاعت اول ۱۹۹۶ء

(۸) ''بائبل سے قرآن تک'' مترجم مولانا اکبر علی صاحب۔ شرح و تحقیق مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی طبع جدید جنوری ۱۹۹۶ء۔

(۹) ''بیان القرآن'' مکمل حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی۔

(۱۰) ''تاریخ تفسیر و مفسرین'' علامہ غلام احمد حریری مرحومؒ۔ کشمیر بک ڈپو فیصل آباد' تاریخ اشاعت ۱۹۹۹ء ۲۰۰۰ء۔

(۱۱) ''تفسیر حقانی' مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نیو دہلی

(۱۲) تفسیر عثمانی ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ اور تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس سعودیہ۔

(۱۳) ''تفسیر ماجدی'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ مجلس نشریات قرآن کراچی سن اشاعت ۱۹۹۸ء۔

(۱۴) ''تفسیر مظہری'' حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب مجددی پانی پتی'' مترجم۔ مولانا سید عبدالدائم جلالیؒ دارالاشاعت کراچی طباعت ۱۹۹۹ء۔

(۱۵) ''تکمیل الامانی' شرح اردو مختصر المعانی'' حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈی' المیزان لاہور سنِ اشاعت ۲۰۰۴ء

(۱۶) ''حکایات صحابہ'' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔ کتب خانہ فیضی لاہور۔

(۱۷) ''حیات عثمانی'' پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی طبع جون ۱۹۸۸ء۔

(۱۸) ''دروس البلاغہ مع شرحہ شموس البراعۃ'' متعدد علماء کی تالیف۔ مکتبہ سید احمد شہید لاہور۔

(۱۹) سیرت ذی النورین حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ مکتبہ صداقتِ اہلسنت طبع دوم ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۶ء

(۲۰) ''رحمۃ للعالمین'' قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ۔ دارالاشاعت کراچی طبع اول ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری۔

(۲۱) ''علم قرآءت اور قراء سبعۃ'' مولانا قاری ابوالحسن اعظمی دیو بند ادارۂ اسلامیات لاہور۔ سن طباعت جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۹

(۲۲) ''علوم القرآن'' مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی۔ طبع جدید ۱۹۹۸ء۔

(۲۳) ''فضائل قرآن'' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔ کتب خانہ فیضی لاہور۔

(۲۴) ''فہم قرآن'' مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ'' مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کراچی۔

(۲۵) ''مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی'' مولانا سید ابوالحسن ندویؒ۔ مجلس نشریات اسلام کراچی اشاعت ۱۹۹۳ء۔

(۲۶) ''معارف القرآن'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ ادارۃ المعارف کراچی' طبع جدید جون ۱۹۹۳ء۔

(۲۷) ''معارف القرآن'' حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ و حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ۔ مکتبۃ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور سندھ۔

(۲۸) ''منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین'' مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

(۲۹) نور الانور مع شرحہ قمر الاقمار ملاجیون صاحبؒ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

(۳۰) ''وحی الٰہی'' مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کراچی۔

☆☆☆